ملفوظات

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی
مسیح موعود و مہدی معہود
بانی جماعت احمدیہ

جلد دوم

شیطان چاہتا ہے کہ ہمارے ملفوظات لوگوں کی نظر سے غائب کردے مگر ایسا نہیں ہو گا۔

(بدر ٦ ستمبر ١٩٠٦ء و الحکم ١٠ ستمبر ١٩٠٦ء)

Published by
NAZARAT ISHA'AT RABWAH PAKISTAN

Printed by
ZIA - UL - ISLAM PRESS RABWAH.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

وعلٰی عبدہ المسیح الموعود

ملفوظات

حضرت مسیح موعود

۳؍ نومبر ۱۹۰۱ء

نجات کی حقیقت

فرمایا: ایک ضروری اور غور طلب سوال ہے جس کو کُل دنیا کی قوموں اور سب مذہبوں نے اپنی اپنی جگہ محسوس کیا ہے اور وُہ سوال یہ ہے کہ انسان کیونکر بچ سکتا ہے؟ یہ سوال حقیقت میں ہر انسان کے اندر سے پیدا ہوتا ہے جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ کس طرح پر نفس بے قابو ہو جاتا ہے اور مختلف قسم کے خیالات فاسدہ بدکاری کے آآکر اس کو گھیر لیتے ہیں۔ ان گناہوں سے بچنے کے واسطے ہر قوم نے کوئی نہ کوئی ذریعہ قرار دیا ہے اور کوئی حیلہ نکالا ہے۔ عیسائیوں نے اس عام ضرورت اور سوال سے فائدہ اٹھا کر ایک حیلہ پیش کیا ہے کہ مسیح کا خُون نجات دیتا ہے۔

سب سے اوّل یہ دیکھنا ضروری ہے کہ نجات ہے کیا چیز؟ نجات کی حقیقت تو یہی ہے کہ انسان گناہوں سے بچ جاوے اور فاسقانہ خیالات آآکر دل کو سیاہ کرتے ہیں۔ ان کا سلسلہ بند ہو کر سچی پاکیزگی پیدا ہو۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں نے گناہ سے بچنے کی ضرورت کو محسوس کیا اور اس سے فائدہ اٹھا کر نجات طلب لوگوں کے سامنے یہ پیش کر دیا کہ مسیح کا خُون ہی ہے جو گناہوں سے بچا سکتا ہے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر مسیح کا خون یا کفارہ انسان کو گناہوں سے بچا سکتا ہے، تو سب سے پہلے ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کفارہ میں اور گُناہوں سے بچنے میں کوئی رشتہ بھی ہے یا نہیں؟ جب ہم غور کرتے ہیں تو صاف معلوم

ہوتا ہے کہ ان دونوں میں باہم کوئی رشتہ اور تعلق نہیں۔ مثلاً اگر ایک مریض کسی طبیب کے پاس آوے، تو طبیب اس کا علاج کرنے کے بجائے اُسے یہ کہدے کہ تو میری کتاب کا جُز لکھ دے۔ تیرا علاج یہی ہے۔ تو کون عقلمند اس علاج کو قبول کرے گا۔ پس مسیحؑ کے خُون اور گناہ کے علاج میں اگر یہی رشتہ نہیں ہے، تو اور کونسا رشتہ ہے۔ یا یوں کہو کہ ایک شخص کے سر میں درد ہوتا ہو اور دوسرا آدمی اس پر رحم کھا کر اپنے سر میں پتھر مارے اور اس کے دردِ سر کا اُسے علاج تجویز کرے۔ یہ کیسی ہنسی کی بات ہے۔ پس ہمیں کوئی بتا دے کہ عیسائیوں نے ہمارے سامنے پیش کیا کیا ہے۔ جو کچھ وہ پیش کرتے ہیں وہ تو ایک قابلِ شرم بناوٹ ہے گناہوں کا علاج کیا؟ یسوع کی خودکشی جس کو گناہوں سے پاک ہونے کے واسطے کوئی حقیقی رشتہ بھی نہیں۔ ہم بارہا حیران ہوتے ہیں کہ حضرت مسیح کو یہ سُوجھی کیا؟ جو دوسروں کو نجات دلانے کے لیے آپ صلیب اختیار کی۔ اگر وہ اس صلیب کی موت سے (جو لعنت تک لے جاتی ہے اور عیسائیوں کے قول اور اعتقاد کے موافق کفارہ کے لیے لعنتی ہو جانا ضروری ہے کیونکہ وہ گُناہوں کی سزا ہے) اپنے آپ کو بچاتے اور کسی معقول طریق پر بنی نوع کو فائدہ پہنچاتے، تو وہ اس خودکشی سے بدرجہا بہتر اور مفید ہوتا۔

غرض کفارہ کے ابطال پر یہ زبردست دلیل ہے اور کفارہ میں باہم کوئی رشتہ نہیں۔ پھر دوسری دلیل اس کے باطل ہونے پر یہ ہے کہ کفارہ نے اس فطری خواہش کو کہ گناہوں سے انسان بچ جاوے، کہاں تک پُورا کیا۔ اسکا جواب صاف ہے کہ کچھ بھی نہیں؛ چونکہ تعلق کوئی نہ تھا۔ اس لیے کفارہ گُناہوں کے اس جوش اور سیلاب کو روک نہ سکا۔ اگر کفارہ میں گناہوں سے بچانے کی کوئی تاثیر ہوتی، تو یورپ کے مرد و عورت گناہوں سے ضرور بچے رہتے۔ ہر قسم کے گناہ یورپ کے خواص و عوام میں پائے جاتے ہیں۔ اگر کسی کو شک ہو تو وہ لندن کے پارکوں اور پیرس کے ہوٹلوں میں جا کر دیکھ لے کیا ہوتا ہے۔ زنا کی کثرت خوف دلاتی ہے کہ کہیں زنا کے جواز کا ہی فتویٰ نہ ہو جاوے۔ گو عملی طور پر تو نظر آتا ہے۔ شراب کا استعمال اس قدر کثرت سے بڑھتا جاتا ہے۔ کہ کچھ روز ہوئے ایک عورت نے کسی ہوٹل میں پینے کو پانی مانگا، تو انہوں نے کہا کہ پانی تو برتن دھونے یا نہانے وغیرہ کے کام آتا ہے پینے کے لیے تو شراب ہی ہوتی ہے۔ پس اب غور کر کے دیکھو کہ گناہ کے سیلاب کو روکنے کے واسطے خونِ مسیح کا تو بند کافی نہیں ہوا، بلکہ اپنی رَو میں اُس نے پہلے بندوں کو بھی توڑ دیا اور پوری آزادی اور اباحت کے قریب پہنچا دیا۔

گناہ سے بچنے کا طریق

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفارہ تو بیشک گناہوں سے بچا نہیں سکتا۔ مگر کیا کوئی اور طریق ہے بھی جس سے انسان گناہوں سے بچ جاوے؟ مَیں کہتا ہوں کہ ہاں علاج ہے اور ضرور ہے اور وہ علاج یقینی علاج ہے، مگر جیسے سچی باتوں کے ساتھ مشکلات ہوتی ہیں۔ ویسے ہی یہ علاج بھی مشکلات سے خالی نہیں۔ یہ یاد رکھو کہ جھوٹ کے ساتھ مشکلات نہیں ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک کیمیاگر جو یہ کہتا ہے کہ مَیں ایک دم میں ایک ہزار کا دو ہزار بنا دیتا ہوں۔ وہ مشکلات اس فعل کے لیے نہیں رکھتا۔

لیکن ایک زمیندار کو کس قدر مشکلات کا سامنا ہوتا ہے یا ایک تاجر کو اپنے مال کو کس طرح خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے۔ ایسا ہی ایک ملازم قسم قسم کی پابندیوں اور ماتحتیوں کے نیچے آکر کن مشکلات میں ہے۔ پس تم سہل باتوں سے ڈرو، جو پھونک مار کر سب کچھ بنا دینا چاہتے ہیں۔ وہ خطرناک عیار ہیں۔

میرا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کا گناہ کا علاج تو بجز اباحت کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔ عیسائی باش ہر چہ خواہی بکُن۔

اور یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ کے اعتقاد کی وجہ سے دہریت کی رگ پیدا ہو جاتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انسان گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے اور جس قدر سم الفار کی مہلک تاثیر کی ہیبت اس کو اس کے کھانے سے باز رکھتی ہے! اس قدر بھی خدا کی ہیبت اس کو نافرمانی سے نہیں روکتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ خدا کی عظمت اس کی ہیبت، جلال اور اقتدار سے بے خبر ہے۔ تب ہی تو نافرمانی اور سرکشی کو ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور گناہ پر دلیر ہو جاتا ہے اور نہیں ڈرتا۔ ادنیٰ درجہ کے حکام اور ان کے چپڑاسیوں تک کی نافرمانی سے اس کی جان گھٹ جاتی ہے، مگر خدا کی نافرمانی سے اس کے دل پر لرزہ نہیں پڑتا، کیونکہ خداشناسی کی معرفت اسے نہیں ملے گی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کا علاج جو ہم دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سو اس کے دوسرا علاج نہیں ہے اور وہ یہی ہے کہ خدا کی معرفت لوگوں کو حاصل ہو۔

خدا کی معرفت کاملہ

تمام سعادت مندیوں کا مدار خداشناسی پر ہے اور نفسانی جذبات اور شیطانی محرکات سے روکنے والی صرف ایک ہی چیز ہے۔ جو خدا کی معرفت کاملہ کہلاتی ہے جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ خدا ہے۔ وہ بڑا قادر ہے۔ وہ ذو العذاب الشدید ہے۔ یہی ایک نسخہ ہے جو انسان کی متمردانہ زندگی پر ایک بھسم کرنے والی بجلی گراتا ہے۔ پس جب تک انسان اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کی حدود سے نکل کر عَرَفْتُ اللّٰهَ کی منزل میں قدم نہیں رکھتا۔ اس کا گناہوں سے بچنا محال ہے۔ اور یہ بات کہ ہم خدا کی معرفت اور اس کی صفات پر یقین لانے سے گناہوں سے کیونکر بچ جائیں گے۔ ایک ایسی صداقت ہے جس کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ ہمارا روزانہ تجربہ اس امر کی دلیل ہے کہ جس سے انسان ڈرتا ہے۔ اس کے نزدیک نہیں جاتا۔ مثلاً جبکہ یہ علم ہو کہ سانپ ڈس لیتا ہے اور اس کا ڈسا ہوا ہلاک ہو جاتا ہے، تو کون دانش مند ہے جو اس کے مُنہ میں اپنا ہاتھ دینا تو درکنار کبھی ایسے سوٹے کے نزدیک بھی جانا پسند کرے جس سے کوئی زہریلا سانپ مارا گیا ہو۔ اُسے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کے زہر کا اثر اس میں باقی نہ ہو۔ اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں جنگل میں شیر ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اس میں سفر کر سکے یا کم از کم تنہا جا سکے۔ بچوں تک میں یہ مادہ اور شعور موجود ہے کہ جس چیز کے خطرناک ہونے کا ان کو یقین دلایا گیا ہے، وہ اس سے ڈرتے ہیں۔

پس جبتک انسان میں خدا کی معرفت اور گناہوں کے زہر کا یقین پیدا نہ ہو، کوئی اور طریق خواہ کسی کی خودکشی ہو یا قربانی کا خون، نجات نہیں دے سکتا اور گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں کر سکتا۔ یقیناً یاد رکھو کہ گناہوں کا سیلاب اور نفسانی جذبات کا دریا بجز اس کے رُک ہی نہیں سکتا کہ ایک چمکتا ہوا یقین اس کو حاصل ہو کہ خدا ہے۔ اور اس کی تلوار ہے جو ہر ایک نافرمان پر بجلی کی طرح گرتی ہے۔ جبتک یہ پیدا نہ ہو گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ اگر کوئی کہے کہ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لاتے کہ وہ نافرمانوں کو سزا دیتا ہے، اگر گناہ ہم سے دُور نہیں ہوتے۔ مَیں جواب میں یہی کہوں گا کہ یہ جھوٹ ہے اور نفس کا مغالطہ ہے۔ سچے ایمان اور سچے یقین اور گناہ میں باہم عداوت ہے جہاں سچی معرفت اور چمکتا ہوا یقین خدا پر ہو، وہاں ممکن نہیں کہ گناہ رہے۔

انسانی فطرت میں یہ خاصہ جبکہ موجود ہے کہ سچی معرفت نقصان سے بچا لیتی ہے جیسا کہ سانپ یا شیر یا زہر کی مثال سے بتایا گیا ہے پھر یہ بات کیونکر درست ہو سکتی ہے کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی دُور نہ ہو۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ان فری میسنوں میں محض ایک رُعب کا سلسلہ اُن کے اسرار کے اظہار سے روکتا ہے اور کچھ نہیں۔ پھر خدا کی عظمت و جبروت پر ایمان گناہ سے نہیں بچا سکتا؟ بچا سکتا ہے اور ضرور بچا سکتا ہے۔

پس گناہ سے بچنے کے لیے حقیقی راہ خدا کی تجلیات ہیں اور اس آنکھ کو پیدا کرنا شرط ہے جو خدا کی عظمت کو دیکھ لے اور اس یقین کی ضرورت ہے جو گناہ کے زہر پر پیدا ہو۔ زمین سے تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آسمان اس تاریکی کو دُور کرتا ہے اور ایک روشنی عطا کرتا ہے۔ زمینی آنکھ بے نُور ہوتی ہے۔ جبتک آسمانی روشنی کا طلوع اور ظہور نہ ہو۔ اس لیے جبتک آسمانی نُور جو نشانات کے رنگ میں ملتا ہے کسی دل کو تاریکی سے نجات نہ دے انسان اس پاکیزگی کو کب پا سکتا ہے جو گناہ سے بچنے میں ملتی ہے۔ پس گناہوں سے بچنے کے لیے اس نور کی تلاش کرنی چاہیے جو یقین کی روشنی کے ساتھ آسمان سے اُترتا ہے اور ایک ہمت، قوت عطا کرتا ہے اور تمام قسم کے گرد و غبار سے دل کو پاک کرتا ہے۔ اس وقت انسان گناہ کے زہرناک اثر کو شناخت کر لیتا اور اس سے دُور بھاگتا ہے۔ جبتک یہ حاصل نہیں۔ گناہوں سے بچنا مُحال ہے۔ یہ طریق ہے جو ہم پیش کرتے ہیں۔ اس پر اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے، تو بیشک ہر ایک شخص کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے سامنے اس کو بیان کرے تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی عیسائی کے سامنے اس اصل کو بیان کرے اور پھر اس کا کوئی اعتراض سُن کر شرمندہ ہو۔ جو اعتراض اس پر ہو سکتا ہو، بیشک کیا جاوے۔"

صادق کا وجود خُدانما وجود ہوتا ہے

فرمایا: "بیشک یہ بات ہے جس کو مَیں خود بھی بیان کرنا چاہتا تھا۔ یہ بات کہ ایسا یقین کیونکر پیدا ہو؟ اس کے لیے اتنا ہی

کہنا چاہتے ہیں کہ ایسے یقین کے خواہش مند کے لیے ضروری ہے کہ وُہ (کُونُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ (التوبہ : ۱۱۹) سے حصّہ لے۔ صادق سے صرف یہی مراد نہیں کہ انسان زبان سے جھوٹ نہ بولے۔ یہ بات تو بہت سے ہندوؤں اور دہریوں میں بھی ہو سکتی ہے، بلکہ صادق سے مُراد وُہ شخص ہے جس کی ہر بات صداقت اور راستی ہونے کے علاوہ اس کے ہر حرکات و سکنات و قول سب صِدق سے بھرے ہوئے ہوں۔ گویا یہ کہو کہ اس کا وجُود ہی صِدق ہو گیا ہو۔ اور اس کے اس صِدق پر بہت سے تائیدی نشان اور آسمانی خوارق گواہ ہوں۔ چونکہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے اس لیے جو شخص ایسے آدمی کے پاس جو حرکات و سکنات، افعال و اقوال میں خدائی نمونہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ صحتِ نیّت اور پاک ارادہ اور مستقیم جستجو سے ایک مدّت تک رہے گا، تو یقین کامل ہے کہ وہ اگر دہریہ بھی ہو تو آخر خدا تعالیٰ کے وجود پر ایمان لے آئے گا، کیونکہ صادق کا وجود خدا نما وجود ہوتا ہے۔

انسان اصل میں اُنْسَانِ سے ہے۔ یعنی دو محبّتوں کا مجموعہ ہے۔ ایک اُنس وُہ خدا سے کرتا ہے دُوسرا اُنس انسان سے۔ چونکہ انسان کو تو اپنے قریب پاتا اور دیکھتا ہے اور اپنی بنی نَوع کی وجہ سے اس سے جھٹ پٹ متاثر ہو جاتا ہے۔ اس لیے کامل انسان کی صحبت اور صادق کی معیّت اُسے وہ نُور عطا کرتی ہے۔ جس سے خدا کو دیکھ لیتا ہے اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

انسان کے دراصل دو وجود ہوتے ہیں۔ ایک وجُود تو وُہ ہے جو ماں کے پیٹ میں تیار ہوتا ہے اور جسے ہم تم سب دیکھتے ہیں۔ جسے کہ وہ باہر آجاتا ہے اور یہ وجود بلا کسی فرق کے سب کو ملتا ہے، لیکن ایک اور وجود بھی انسان کو دیا جاتا ہے۔ جو صادق کی صحبت میں تیار ہوتا ہے۔ یہ وجُود بظاہر ایسا نہیں ہوتا کہ ہم اُسے چھُو کر یا ٹٹول کر دیکھ لیں، مگر وہ ایسا وجود ہوتا ہے کہ اس وجود پر ایک قسم کی موت وارد ہو جاتی ہے۔ وُہ خیالات، وہ افعال اور حرکات جو اس سے پہلے صادر ہوتے تھے۔ یا دل میں گُذرتے تھے۔ یہ اُن سے بالکل الگ ہو جاتا ہے اور شبہات سے جو اس کے دل کو تاریک کئے رہتے تھے، ان سے اس کو نجات مِل جاتی ہے اور یہی وجود حقیقی نجات ہوتی ہے۔ جو سچّی پاکیزگی کے بعد ملتا ہے، کیونکہ جب تک شبہات سے نجات نہیں۔ اس کو تاریکی سے نجات نہیں اور سچّی پاکیزگی اُسے میسّر نہیں اور وُہ خدا کو دیکھ نہیں سکتا۔ اس کی عظمت و ہیبت کا اس کے دل پر اثر نہیں ہو سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ وہ خدا کو دیکھ نہیں سکتا اور جو شخص اس دُنیا میں خدا کے دیکھنے سے بے نصیب ہے وُہ قیامت کو بھی محروم ہی ہوگا۔ جیسے خدا نے خود فرمایا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) اس سے یہ مُراد تو نہیں ہو سکتی کہ جو اس دنیا میں اندھے ہیں، وُہ قیامت کو بھی اندھے ہی ہوں گے، بلکہ اس کا مفہوم یہی ہے کہ خدا کو ڈھونڈنے والوں کے دل نشانات سے ایسے منوّر کیے جاتے ہیں کہ وہ خدا کو دیکھ لیتے ہیں اور اس کی عظمت و جبروت کا مشاہدہ کرتے ہیں یہاں تک

کہ دُنیا کی ساری عظمتیں اور بزرگیاں اُن کی نگاہ میں ہیچ ہو جاتی ہیں اور اگر خدا کو دیکھنے کی آنکھیں اور اس کے دریافت کرنے کے حواس سے اِس دُنیا میں اُس کو حصّہ نہیں ملا تو اس دُوسرے عالم میں بھی نہیں دیکھ سکے گا۔

پس اللہ تعالیٰ کو جیسا کہ وُہ ہے کسی غلطی کے بدُوں شناخت کرنا اور اسی دُنیا میں سچّے اور صحیح طور پر اس کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کرنا ہی تمام روشنیوں اور تجلّیات کی کلید ہے۔ اسی سے وہ آگ پیدا ہوتی ہے جو پہلے انسان کی گنہگار حالت پر موت وارد کرتی ہے اور اس کو جلا دیتی ہے اور پھر اس کو نُور عطا کرتی ہے جس سے وہ گناہ کو شناخت کرتا اور اس کی زہر پر اطلاع پاکر اس سے ڈرتا اور دُور بھاگتا ہے۔ پس یہی وہ دو قسم کی آگ ہے جو ایک طرف گناہ کو جلاتی اور دُوسری طرف نیکیوں کی قدرت عطا کرتی ہے اور اس کا نام جلال اور جمال کی آگ ہے۔ کیونکہ گناہ سے تو جلالی رنگ اور ہیبت ہی سے بچ سکتا ہے۔ جب یہ علم ہو کہ اللہ تعالیٰ اُس گناہ کی سزا میں شدید العذاب ہے اور مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے، تو انسان پر ایک ہیبت طاری ہو جاتی ہے جو اس کو گناہ سے بچا لے گی۔ اور جمال نیکیوں کی طرف جذب کرتا ہے۔ جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ہے۔ رَحْمٰن ہے۔ رَحِيْم ہے۔ تو بے اختیار ہو کر دل اُس کی طرف کھینچا جائے گا اور ایک سُرور اور لذّت کے ساتھ نیکیوں کا صدُور ہونے لگے گا۔ جیسے چاندی یا سونے کے صاف کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ اسے کٹھالی میں ڈال کر خوب آگ روشن کی جاوے۔ اس سے اس کا وہ سارا میل کچیل جو ملا ہوا ہوتا ہے فی الفور الگ ہو جاتا ہے اور پھر اس کو عُمدہ اور خوب صُورت زیور کی شکل میں لانے کے واسطے جو کسی حسین کے لیے بنایا جاتے اس بات کی ضرورت ہے کہ پھر آگ دے کر اُسے مفید مطلب بنایا جائے۔

جب تک وہ ان دونوں آگوں کے بیچ میں رکھا نہ جاوے، وہ خوبصورت اور درخشاں زیور کی شکل اختیار نہیں کرسکتا۔ اسی طرح انسان جب تک جلالی اور جمالی آگ میں ڈالا نہ جائے وہ گُناہ سوز فطرت دے کر نیک بننے کے قابل نہیں ہوتا۔

اس لیے پہلے گُناہ جلایا جاتا ہے اور پھر جمالی آگ سے نیکی کی قوت عطا ہوتی ہے اور پھر فطرت میں ایک روشنی اور چمک آتی ہے جو نیکی اور بدی میں تمیز بنا کر نیکی کی طرف جذب کرتی ہے۔ اس وقت ایک نئی پیدائش ملتی ہے۔

سُورۃ الدّہر میں اس پیدائش کی حالت کا بیان کافوری اور زنجبیلی شربت کی مثال سے دیا ہے؛ چنانچہ پہلے فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا (الدّہر: ۶) یعنی مومن جو خدا کے نیک بندے ہیں وہ کافوری پیالے پیتے ہیں۔ کافُور کا لفظ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ کَفَرَ ڈھانکنے کو کہتے ہیں۔ اور کافور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی بہت ڈھانکنے والا۔ ایسے ہی طاعُون بھی ہے۔ مَیں سمجھتا ہوں طاعُون اس لیے نام رکھا ہے کہ یہ اہلِ حق پر طعن کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور طاعُون اور دیگر امراض وبائی ہیضہ میں کافور ایک

عمدہ چیز ہے اور مفید ثابت ہوتی ہے۔ غرض کافوری پیالے کا پہلے ذکر کیا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ اوّل یہ بتایا جائے کہ کامل ہونے کے لیے کافوری پیالہ پہلے پینا چاہیے تاکہ دُنیا کی محبت سرد ہو جائے۔ اور وُہ فسق و فجور کے خیالات جو دل سے پیدا ہوتے تھے اور جن کی زہر رُوح کو ہلاک کرتی تھی، دبائے جائیں اور اس طرح پر گناہ کی حالت سے انسان نکل آئے۔ پس چونکہ پہلے مَیل کچیل کا دُور ہونا ضروری تھا۔ اس لیے کافوری پیالہ پلایا گیا۔ اس کے بعد دُوسرا حصّہ زنجبیلی ہے۔

زنجبیل اصل میں دو لفظوں سے مرکب ہے۔ زَنَا اور جَبَل سے۔ اور زَنَا لُغتِ عرب میں اوپر چڑھنے کو کہتے ہیں اور جَبَل پہاڑ کو۔ اور اس مرکب لفظ کے معنی یہ ہوئے کہ پہاڑ پر چڑھ گیا اور یہ صاف بات ہے کہ ایک زہریلے اور وبائی مرض کے بعد انسان کو اعلیٰ درجہ کی صحت تک پہنچنے کے واسطے دو حالتوں میں سے گزرنا ہوتا ہے۔ پہلی وہ حالت ہوتی ہے جبکہ زہریلے اور خطرناک مادے رُک جاتے ہیں اور اُن میں اصلاح کی صُورت پیدا ہوتی ہے اور زہریلے حملوں سے نجات ملتی ہے اور وہ مواد دبائے جاتے ہیں۔ مگر اعضاء بدستور کمزور ہوتے ہیں اور ان میں کوئی قوت اور سکت نہیں ہوتی جس سے وہ کام کرنے کے قابل ہو۔ ایک ربودگی کی سی حالت ہوتی ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے جس کو کافوری پیالے پینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس حالت میں گناہ کا زہر دبایا جاتا ہے اور اس جوش کو ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ جو نفس کی سرکشی اور جوش کی حالت میں ہوتا ہے۔ مگر ابھی نیکی کرنے کی قوت نہیں آتی۔

پس دوسری حالت جو زنجبیلی حالت ہے وُہ وہی ہے جبکہ صحتِ کامل کے بعد توانائی اور طاقت آ جائے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں پر بھی چڑھ سکے اور زنجبیل بجائے خود چونکہ حرارتِ غریزی کو بڑھاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالےٰ نے اس ذکر سے بتایا کہ پہلے مومنوں کے گناہوں کی حالت پر موت آتی ہے اور پھر انہیں نیکی کی توفیق اور قوت ملتی ہے۔ گناہ کی حالت میں انسان پستی اور ذلت میں ہوتا ہے اور جُوں جُوں گناہ کرتا جاتا ہے، نیچے ہی نیچے چلا جاتا ہے۔ لیکن جب گناہوں پر موت آتی ہے، تو وہ اس پستی کے گڑھے میں ہی پڑا ہوا ہوتا ہے۔ جب تک اوپر چڑھنے کے لیے اسے زنجبیلی شربت نہ ملے۔ پس نیکیوں کی توفیق عطا ہونے پر وہ پھر اُوپر چڑھنا شروع کرتا ہے اور یہ پہاڑی گھاٹیاں وُہی ہیں۔ جو صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (الفاتحہ : ۷) میں بیان ہوتی ہیں۔ خدا تعالےٰ کے راستبازوں اور منعم علیہم کی راہ ہی وُہ اصل مقصود ہے جو انسان کے لیے خدا تعالیٰ نے رکھی ہے۔

چونکہ خدا تعالیٰ واحد ہے اور وحدت کو پیار کرتا ہے، اس لیے سب کام وحدت ہی کے ذریعہ کرتا ہے۔ وُہ اگر چاہتا، تو سب کو نبی بنا دیتا۔ مگر یہ امر وحدت کے خلاف تھا۔ اس لیے ایسا نہیں کیا، تاہم اس میں بُخل بھی نہیں ہے۔ ہر ایک شخص جو اس راہ کو اختیار کرنے کے لیے سچا مجاہدہ کرتا ہے وہ اس کا لُطف اور ذوق اُٹھا

لیتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اُمت میں ابدال ہوتے ہیں جن کی فطرت کو بدلا دیا جاتا ہے اور یہ تبدیلی اتباعِ سُنت اور دُعاؤں سے ملتی ہے۔

گناہ کی تعریف

فرمایا: "یہ ان لوگوں کی غلطی ہے۔ گناہ کی تعریف میں اُنھوں نے دھوکا کھایا ہے۔ گناہ اصل میں جُناح سے لیا گیا ہے اور ج کا تبادلہ گ سے کیا گیا ہے۔ جیسے فارسی والے کر لیتے ہیں۔ اور جُناح اصل میں عمداً کسی طرف میل کرنے کو کہتے ہیں۔ پس گُناہ ہے یہ مُراد ہے کہ عمداً بدی کی طرف میل کیا جاوے۔ پس میں ہرگز نہیں مان سکتا کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ حرکت سرزد ہوا اور قرآن شریف میں اس کا ذکر بھی نہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صدور اس لیے ناممکن ہے کہ عارفانہ حالت کے انتہائی مقام پر وہ ہوتے ہیں اور یہ نہیں ہو سکتا کہ عارف بدی کی طرف میل کرے۔"

فرمایا "عَصٰی سے تو عمد نہیں پایا جاتا، کیونکہ دوسری جگہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا (طٰہٰ : ۱۱۶) عصٰی سے یاد آیا میرا ایک فقرہ ہے۔ اَلْعَصَا عِلَاجُ مَنْ عَصٰی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جلالی تجلیات ہی سے انسان گناہ سے بچ سکتا ہے[1]۔"

۱۸؍نومبر ۱۹۰۱ء ۔ بوقت سیر صبح ساڑھے آٹھ بجے۔

مسٹر ڈکسن سیاح کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت اقدسؑ: "ہماری دلی آرزو یہی ہے کہ آپ چند روز ہمارے پاس اور ٹھہریں تاکہ میں اسلام کی وُہ رُوحانی فلاسفی جو اس زمانہ میں مخفی تھی اور جو خدا نے مجھے عطا کی ہے، آپ کو سمجھاؤں۔"

مسٹر ڈکسن: "میں آپ کا ازبس ممنون ہوں، مگر آج مجھے جانا ہی چاہیے۔ میں نے کچھ کچھ سُن لیا ہے۔"

حضرت اقدسؑ: "چونکہ آپ کو چلے جانا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کچھ تو اپنے مقصد کو بیان کردوں۔"

مسیح موعود کی بعثت کا مقصد

انبیاء علیہم السلام کی دُنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ خدا تعالیٰ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۴ صفحہ ۹ تا ۱۲ پرچہ ۳۰؍نومبر ۱۹۰۱ء

[2] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۵ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۱۰؍دسمبر ۱۹۰۱ء

کو شناخت کریں اور اس زندگی سے جو انہیں جہنم اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور جس کو گناہ آلود زندگی کہتے ہیں۔ نجات پائیں۔ حقیقت میں یہی بڑا بھاری مقصد اُن کے آگے ہوتا ہے۔ پس اس وقت بھی جو خدا تعالیٰ نے ایک سلسلہ قائم کیا ہے اور اس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے۔ تو میرے آنے کی غرض بھی وہی مشترک غرض ہے جو سب نبیوں کی تھی۔ یعنی میں بتانا چاہتا ہوں کہ خدا کیا ہے؟ بلکہ دکھانا چاہتا ہوں۔ اور گناہ سے بچنے کی راہ کی طرف رہبری کرتا ہوں۔ دُنیا میں لوگوں نے جس قدر طریقے اور حیلے گناہ سے بچنے کے لیے نکالے ہیں اور خدا کی شناخت کے جو اصول تجویز کیے ہیں، وہ انسانی خیالات ہونے کی وجہ سے بالکل غلط ہیں اور محض خیالی باتیں ہیں جن میں سچائی کی کوئی رُوح نہیں ہے۔ مَیں ابھی بتاؤں گا اور دلائل سے واضح کروں گا کہ گناہوں سے بچنے کا صرف ایک ہی طریق ہے اور وُہ یہ ہے کہ اس بات پر کامل یقین انسان کو ہو جاوے کہ خدا ہے اور وہ جزا سزا دیتا ہے۔ جبتک اس اصول پر یقین کامل نہ ہو، گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں ہو سکتی۔ دراصل خدا ہے اور ہونا چاہیے۔ یہ دو لفظ ہیں۔ جن میں بہت بڑے غور اور فکر کی ضرورت ہے۔

پہلی بات کہ خدا ہے۔ یہ علم الیقین بلکہ حق الیقین کی تہ سے نکلتی ہے اور دُوسری بات قیاسی اور ظنی ہے۔ مثلاً ایک شخص جو فلاسفر اور حکیم ہو وہ صرف، نظامِ شمسی اور دیگر اجرام اور مصنُوعات پر نظر کر کے صرف اتنا ہی کہہ دے کہ اس ترتیبِ محکم اور ابلغ نظام کو دیکھ کر مَیں کہتا ہوں کہ ایک مدبّر اور حکیم وعلیم صانع کی ضرورت ہے، تو اس سے یقین کے اس درجہ پر ہرگز نہیں پہنچ سکتا جو ایک شخص خود اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہو کر اور اس کی تائیدات کے چمکتے ہوئے نشان اپنے ساتھ رکھکر کہتا ہے کہ واقعی ایک قادرِ مطلق خدا ہے۔ وہ معرفت اور بصیرت کی آنکھ سے اُسے دیکھتا ہے، ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک حکیم یا فلاسفر جو صرف قیاسی طور پر خدا کے وجود کا قائل ہے۔ سچی پاکیزگی اور خدا ترسی کے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ ظاہر بات ہے کہ نری ضرورت کا علم کبھی بھی اپنے اندر وہ قوت اور طاقت نہیں رکھتا جو الہٰی رُعب پیدا کر کے اسے گناہ کی طرف دوڑنے سے بچالے اور اس تاریکی سے نجات دے جو گناہ سے پیدا ہوتی ہے، مگر جو براہ راست خدا کا جلال آسمان سے مشاہدہ کرتا ہے وہ نیک کاموں اور وفاداری اور اخلاص کے لیے اس جلال کے ساتھ ہی ایک قوت اور روشنی پاتا ہے جو اس کو بدیوں سے بچالیتی اور تاریکی سے نجات دیتی ہے۔ اس کی بدی کی قوتیں اور نفسانی جذبات پر خدا کے مکالمات اور پُر رعب مکاشفات سے ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور وہ شیطانی زندگی سے نکل کر ملائکہ کی سی زندگی بسر کرنے لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادے اور اشارے پر چلنے لگتا ہے۔ جیسے ایک شخص آتش سوزندہ کے نیچے بدکاری نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جو شخص خدا کی جلالی تجلیات کے نیچے آتا ہے۔ اس کی شیطنت مرجاتی ہے اور اس کے سانپ کا سر کچلا جاتا ہے۔ پس یہی وہ یقین اور معرفت ہوتی ہے۔ جس کو

انبیاء علیہم السلام آکر دُنیا کو عطا کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے وہ گناہ سے نجات پاکر پاک زندگی حاصل کرسکتے ہیں۔

اسی طریق پر خدا نے مجھے مامور کیا ہے اور میرے آنے کی یہی غرض ہے کہ مَیں دُنیا کو دکھاؤں کہ خدا ہے اور وُہ جزا سزا دیتا ہے اور یہ بات کہ محض اس یقین ہی سے انسان پاک زندگی بسر کرسکتا ہے اور گناہ کی موت سے بچ سکتا ہے۔ ایسی صاف ہے جس کے لیے ہم کو منطقی دلائل کی بھی ضرورت نہیں، کیونکہ خود انسان کی فطرت اور روزمرہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس کے لیے زبردست گواہ ہیں کہ جب تک یہ یقین کامل نہ ہوگا کہ خدا ہے اور وہ گناہ سے نفرت کرتا ہے اور سزا دیتا ہے کوئی اور حیلہ کسی صورت میں کارگر ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جن اشیاء کی تاثیرات کی عُمدگی کا ہم کو علم ہے ہم کیسے دوڑ دوڑ کر اُن کی طرف جاتے ہیں اور جن چیزوں کو اپنے وجُود کے لیے خطرناک زہریں سمجھتے ہیں، اُن سے کیسے بھاگتے ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھو اس جھاڑی میں اگر ہمیں یقین ہو کہ سانپ ہے تو کیا کوئی بھی ہم میں سے ہوگا جو اس میں اپنا ہاتھ ڈالے یا قدم رکھ دے۔ ہرگز نہیں، بلکہ اگر کسی بل میں سانپ کے ہونے کا معمولی وہم بھی ہو تو اُس طرف سے گذرنے میں ہر وقت مضائقہ ہوگا۔ طبیعت خود بخود اس طرف جانے سے رُکے گی۔ ایسا ہی زہروں کی بابت جب ہمیں علم پڑتا ہے۔ مثلاً اسٹرکنیا ہے کہ اس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے تو کیسے اس سے بچتے اور ڈرتے ہیں۔ ایک محلہ میں طاعُون ہو تو اس سے بھاگتے ہیں اور وہاں قدم رکھنا آتشیں تنُور میں گرنا سمجھتے ہیں۔ اب وُہ بات کیا ہے جس نے دل میں خوف اور ہراس پیدا کیا ہے کہ کسی صورت میں بھی دل اس طرف کا ارادہ نہیں کرتا۔ وُہ وُہی یقین ہے جو اُس کی مُہلک اور مُضر تاثیرات پر ہو چکا ہے۔ اس قسم کی بے شمار نظیریں ہم دے سکتے ہیں اور یہ ہماری زندگی میں روزمرہ پیش آتی ہیں۔

اب یہ بحثیں کہ گناہ سے بچنے کا یہ ذریعہ ہے یا فلاں حیلہ ہے، بالکل بے سُود اور بے مطلب ہیں، کیونکہ جبتک الٰہی تجلیات سے رُعب اور گناہ کی زہر اور اس کے خطرناک نتائج کا پورا علم نہ ہو۔ ایسا علم جو یقینِ کامل تک پہنچ گیا ہو، گناہ سے نجات نہیں ہوسکتی۔

یہ ایک خیال اور ایک بالکل بے معنی بات ہے کہ کسی کا خُون گناہ سے پاک کرسکتا ہے۔ خُون یا خودکشی کو گناہ سے کیا تعلق؟ وُہ گناہ کے زائل کرنے کا طریق نہیں۔ ہاں اس سے گناہ پیدا ہوسکتا ہے اور تجربہ نے شہادت دی ہے کہ اس مسئلہ کو مان کر کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

گناہ سے بچنے کی سچی فلاسفی

مَیں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ گناہ سے بچنے کی سچی فلاسفی یہی ہے کہ گناہ کی ضرر دینے والی حقیقت کو پہچان لیں اور اس بات پر یقین کرلیں کہ ایک زبردست ہستی ہے جو گناہوں سے نفرت کرتی ہے اور گناہ کرنے والے کو سزا دینے پر قادر ہے۔

دیکھو اگر کوئی شخص کسی حاکم کے سامنے کھڑا ہو اور اُس کا کچھ اسباب متفرق طور پر پڑا ہو، تو یہ کبھی جُرأت نہیں کرے گا کہ اسباب کا کوئی حصہ چُرا لے خواہ چوری کے کیسے ہی قوی محرک ہوں اور وہ کیسا ہی بدعادت کا مبتلا ہو، مگر اس وقت اس کی ساری قوتوں اور طاقتوں پر ایک موت وارد ہو جائے گی اور اُسے ہرگز جرأت نہ ہو سکے گی اور اس طرح پر وُہ چوری سے ضرور بچ جائیگا۔ اس طرح پر ہر قسم کے خطا کاروں اور شریروں کا حال ہے کہ جب انہیں ایسی قوت کا پُورا علم ہو جاتا ہے جو اُن کی شرارت پر سزا دینے کے لیے قادر ہے تو وہ جذبات اُن کے دب جاتے ہیں۔ یہی سچا طریق گناہ سے بچنے کا ہے کہ انسان خدا تعالیٰ پر کامل یقین پیدا کرے اور اس کے جزا و سزا دینے کی قوت پر معرفت حاصل کرے۔ یہ نمونہ گناہ سے بچنے کے طریق کے متعلق خدا نے ہماری فطرت میں رکھا ہوا ہے، اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس اصُول کو آپ کے سامنے پیش کر دوں۔ کیا عجب آپ کو فائدہ پہنچے اور چونکہ آپ سفر کرتے رہتے ہیں اور مختلف آدمیوں سے ملنے کا آپ کو اتفاق ہوتا ہے۔ آپ اُن سے اسے ذکر بھی کر سکتے ہیں۔ اور اگر یہ طریق جو میں پیش کرتا ہوں۔ آپ کے نزدیک صحیح نہیں ہے تو میں آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ جس قدر چاہیں جرح کریں۔ یہ میری طرف سے آپ کو ایک تحفہ ہے۔ اور میں ایسے تحفے دے سکتا ہوں۔

ہر شخص جو دُنیا میں آتا ہے۔ اس کا فرض ہونا چاہیے کہ دھوکے اور خطرہ سے بچے پس گناہ کے نیچے ایک خطرناک اور تمام خطروں اور دھوکوں سے بڑھ کر ایک دھوکا ہے۔ میں آگاہ کرتا ہوں کہ اس سے بچنا چاہیے۔ اور یہ بھی بتاتا ہوں کہ کیونکر بچنا چاہیے؛ اگرچہ اس سے پہلے ایک اور مسئلہ بھی ہے جو خدا کی ہستی کے متعلق ہے۔ مگر میں سردست اس کو چھوڑتا ہوں اور اس دوسرے مقصد کو لیتا ہوں جس کا ماحصل اور مدعا یہ ہے کہ ہر ایک آدمی بجائے خود نیک بننا چاہتا ہے اور نیکی کو اچھا سمجھتا ہے۔ اختلاف اگر ہے تو ان طریقوں اور حیلوں میں ہے، جو نیکی کے حصُول کے لیے اختیار کیے جاتے ہیں، مگر مشترک طور پر نفس نیکی کو سب پسند کرتے اور چاہتے ہیں۔ جھوٹ بولنا کون پسند کرتا ہے۔ جذباتِ نفسانی سے بچنے کو اچھا کہتے ہیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود بدیوں کو بدی سمجھنے کے بھی ایک دُنیا ان میں گرفتار ہے اور گناہ کے سیلاب میں بہتی ہوئی جا رہی ہے۔ میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ عیسائیوں نے انسان کو گنہگار زندگی کو ہلاک کرکے نیکی اور پاکیزگی کی زندگی کے حصُول کے لیے یہ راہ بتائی ہے کہ مسیحؑ ہمارے لیے مرگیا اور ہمارے گناہوں کا بوجھ اس نے اٹھا لیا اور اس کے خُون سے ہم پاک ہو گئے، مگر میں دیکھتا ہوں اور آپ کو بھی اقرار کرنا پڑے گا کہ مسیحؑ کے خُون نے یورپ کی حالت پر کوئی نمایاں اثر اور تبدیلی پیدا نہیں کی، بلکہ ان کی اخلاقی اور روحانی حالتوں پر نظر کرکے سخت افسوس ہوتا ہے۔ اُن کی زندگی مرتاضانہ زندگی نہیں ہے بلکہ ایک آزادی اور اباحت کی زندگی ہے۔ کتنے ہی جو سیرے سے خدا

ہی کے منکر ہیں اور بہت ہیں جو خدا کو مان کر اور مسیح کے خون پر ایمان رکھتے ہوئے بھی اپنی حالت میں گرے ہوئے ہیں۔ شراب کی وہ کثرت ہے جو کئی کئی میل تک شراب کی دوکانیں چلی جاتی ہیں اور نامحرم عورتوں کو شہوت کی نظر سے نہ دیکھنا تو کیا، ان کے دُوسرے اعضاء بھی نہ بچ سکے۔ مَیں عیسائیوں تک ہی اس گناہ کے سیلاب کو محدود نہیں کرتا۔ مَیں صاف کہتا ہوں کہ اس وقت دُنیا کی ساری قومیں اس زہر کو کھا رہی ہیں اور ہلاک ہو رہے ہیں۔ مُسلمانوں نے باوجودیکہ اُن کے پاس ایک روشن کتاب بھی اور اس میں کسی کے خون کے ذریعہ اُن کو گناہ سے پاک کرنے کا وعدہ دے کر آزاد نہیں کیا گیا تھا، لیکن وہ بھی خطرناک طور پر اس بلا میں مبتلا ہیں۔ ہندوؤں کو دیکھو ان میں بھی یہی بلا موجود ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض قوموں نے جیسے آریہ ہیں نیوگ جیسے مسئلہ کو اپنے ایمانیات اور معتقدات میں داخل کر لیا۔ ایک مرد جبکہ اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو، تو وہ اپنی بیوی کو دوسرے سے اولاد پیدا کرنے کی اجازت دے دے۔

خدا کی ہستی کے متعلق ذاتی تجربہ

غرض اس قسم کی ناپاک زندگی جو حقیقت میں گناہ کی لعنت ہے وُہ عام ہو رہی ہے اور وہ پاک زندگی جو گناہ سے بچ کر ملتی ہے۔ وہ ایک لعلِ تاباں ہے جو کسی کے پاس نہیں ہے ہاں۔ خدا تعالیٰ نے وہ لعلِ تاباں مجھے دیا ہے اور مجھے اس نے مامُور کیا ہے کہ میں دُنیا کو اس لعلِ تاباں کے حصُول کی راہ بتا دُوں۔ اس راہ پر چل کر میں دعوے سے کہتا ہوں کہ ہر ایک شخص یقیناً یقیناً اس کو حاصل کرے گا اور وہ ذریعہ اور وہ راہ جس سے یہ ملتا ہے ایک ہی ہے۔ جس کو خدا کی سچی معرفت کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ مسئلہ بڑا مشکل اور نازک مسئلہ ہے، کیونکہ ایک مشکل امر پر موقوف ہے۔ فلاسفر جیسا کہ مَیں نے پہلے کہا ہے آسمان اور زمین کو دیکھ کر اور دُوسرے مصنُوعات کی ترتیب ابلغ و محکم پر نظر کر کے صرف اتنا بتاتا ہے کہ کوئی صانع ہونا چاہیے، مگر مَیں اس سے بلند تر مقام پر لے جاتا ہوں اور اپنے ذاتی تجربوں کی بناء پر کہتا ہوں کہ خدا ہے۔

اب اس میں صریح فرق ہے، مگر یہ فرق تب ہی نظر آسکتا ہے۔ جب آنکھ صاف ہو ایسی صاف آنکھ کے عطا ہونے پر انسان بنی نوع کے حقوق اور خدا کے حقوق میں تمیز کر کے انہیں محفوظ کر لیتا ہے اور یہ وہی آنکھ ہے جس کو خدا کے دیکھنے کی آنکھ کہتے ہیں۔ اس آنکھ کے ملنے پر وہ پاک زندگی شروع ہوتی ہے اور گناہوں سے بچنے کا یہ ذریعہ تو کسی حالت میں دُرست نہیں ہو سکتا کہ کسی دوسرے کو سزا ملے اور ہمارے گناہ معاف ہو جائیں۔ زید کو پھانسی ملے اور بکر بچ جاوے، کیونکہ اس کے ابطال پر یہی دلیل کافی ہے کہ خارجی امُور میں ہم اُس کی کوئی نظیر نہیں پاتے اور اس طریق سے بچ نہیں سکتے بلکہ دلیر ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ کُتا ہے یہ بھیڑیا نہیں ہے۔ اصل میں اگر یہ بھیڑیا ہو اور ہم اس کو کُتا سمجھیں تو بھی ممکن ہی نہیں کہ اس سے ڈریں اور وہ خوف کریں جو ایک خونخوار بھیڑیے

سے کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہمیں علم نہیں ہے کہ وہ بھیڑیا ہے۔ ہمارے علم میں وہ ایک کُتا ہے، لیکن اگر یہ علم ہو کہ یہ بھیڑیا ہے، تو اس سے دُور بھاگیں گے اور اس سے بچنے کے لیے اچھی خاصی تیاری کریں گے۔ لیکن اگر یہ علم اور بھی وسیع ہو جاوے کہ یہ شیر ہے، تو بہت بڑا خطرہ پیدا ہوگا اور اس سے بچنے کے لیے اور بھی تیاری کریں گے۔ غرض نیز جمیع قویٰ پر ہیبت اور تاثیر کے علم سے ایک خاص اثر ہوتا ہے۔ پس اب یہ کیسی صاف صداقت ہے جس کو ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ پھر گناہوں سے بچنے کے واسطے کیا راہ ہو سکتی ہے؟

مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں اور میں ایسی صداقت پر قائم کیا گیا ہوں اور یہی حق ہے کہ جبتک خدائے قہار کی معرفت تام نہ ہو اور اس کی قوتوں اور طاقتوں کی ایک شمشیر برہنہ نظر نہ آجاوے انسان بدی سے بچ نہیں سکتا۔

بدی ایک ایسا ملکہ ہے جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے اور دل بے اختیار ہو ہو کر قابو سے نکل جاتا ہے۔ خواہ کوئی یہ کہے کہ شیطان حملہ کرتا ہے۔ خواہ کسی اور طرز پر اس کو بیان کیا جاوے۔ یہ ماننا پڑے گا کہ آج کل بدی کا زور ہے اور شیطان اپنی حکومت اور سلطنت کو قائم کرنا چاہتا ہے۔ بدکاری اور بے حیائی کے دریا کا بند ٹوٹ پڑا ہے اور وہ اطراف میں طوفانی رنگ میں جوش زن ہے۔ پس کس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر مصیبت اور مشکل کے وقت انسان کا دستگیر ہوتا ہے اِس وقت اُسے ہر بلا سے نجات دے؛ چنانچہ اس نے اپنے فضل سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ دُنیا نے اس سیلاب سے بچنے کے واسطے مختلف حیلے نکالے ہیں اور جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے عیسائیوں نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ ایک ایسی بات ہے کہ جس کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ پھر اس کا علاج وہی ہے جو خدا نے انسان کی فطرت میں رکھا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ مفید اور نفع رساں چیزوں کی طرف رغبت کرتا ہے اور مُضر اور نقصان رساں چیزوں سے دُور بھاگتا ہے اور نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ دیکھو سونے اور چاندی کو اپنے لیے مفید سمجھتا ہے، تو اس کی طرف کیسی رغبت کرتا ہے اور کن کن محنتوں اور مشکلات سے بہم پہنچاتا ہے اور پھر کن حفاظتوں سے اسے رکھتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص سونے چاندی کو تو پھینک دے اور اس کی بجائے مٹی کے بڑے بڑے ڈھیلے اُٹھا کر اپنے صندوقوں میں بند کر کے ان کی حفاظت کرنے لگے تو کیا ڈاکٹر اس کی دیوانگی کا فتویٰ نہ دیں گے۔ ضرور دیں گے۔ اسی طرح پر جب ہمیں یہ محسوس ہو جاوے کہ خدا ہے اور وہ بدی سے نفرت کرتا اور نیکی کو پیار کرتا ہے اور نیکیوں کو عزیز رکھتا ہے تو ہم دیوانہ وار نیکیوں کی طرف دوڑیں گے اور گناہ کی زندگی سے دُور بھاگیں گے۔ یہی ایک اصول ہے جو نیکی کی قوت کو طاقت بخشتا اور نیکی کے قویٰ کو تحریک دیتا ہے اور بدی کی قوتوں کو ہلاک کرتا اور شیطان کی ذریت کو شکست دیتا ہے۔

جب واقعی طور پر اس آفتاب کی طرح جو اس وقت دنیا پر چمکتا ہے خدا پر ہمیں یقین حاصل ہو جاوے اور ہم خدا کو گویا دیکھ لیں، تو یقیناً ہماری سفلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور اس کے بجائے ایک آسمانی

زندگی پیدا ہو جاتی ہے، جیسے انبیاء علیہم السلام اور دوسرے راستبازوں کی زندگیاں تھیں۔

مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کی رحمت فرماں برداروں اور راستبازوں پر ہوتی ہے، جو خدا تعالےٰ کے حضور نیکی اور پاکیزگی کا تحفہ لے کر جاتے ہیں اور شرارتوں اور بدکاریوں سے اس لیے دُور رہتے ہیں کہ وُہ جانتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ سے بُعد اور حرماں کا مُوجب ہیں ایسے لوگ ایک چشمہ سے دھوئے جاتے ہیں جس کا دھویا ہوا پھر کبھی میلا اور ناپاک نہیں ہوتا اور انہیں وہ شربت پلایا جاتا ہے جس کا پینے والا کبھی پیاسا نہیں ہوتا۔ انہیں وہ زندگی عطا ہوتی ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔ انہیں وہ جنت دیا جاتا ہے جس سے کبھی نکلنا نہیں ہوتا۔ برخلاف اس کے وہ لوگ جو اس چشمہ سے سیراب نہیں ہوتے اور خدا کے ہاتھوں سے جس کا مسح نہیں ہوتا، وہ خدا سے دُور جاتے ہیں اور شیطان کے قریب ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے خدا کی طرف آنا چھوڑ دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ نہ ان میں تسلّی کی کوئی راہ باقی ہے۔ نہ ان کے پاس دلائل ہیں اور نہ تاثیرات۔

مَیں خارق عادت اُمُور کا مشاہدہ کرا سکتا ہوں

ایک عیسائی سے اگر پوچھا جائے کہ تو جو دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح کے خون سے میرے گناہ پاک ہو گئے ہیں، تیرے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ وہ کون سے فوق العادت اُمُور تجھ میں پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے ایک غیر معمولی خداترسی اور نکوکاری کی رُوح تجھ میں پھُونک دی ہے تو وہ کچھ جواب نہ دے سکے گا۔ برخلاف اس کے اگر کوئی مجھ سے پُوچھے، تو مَیں اس کو ان خارق عادت اُمُور کا زبردست ثبوت دے سکتا ہوں۔ اور اگر کوئی طالب صادق ہو اور اس میں شتاب کاری اور بدظنی کی قوت بڑھی ہوئی نہ ہو، تو مَیں اُسے مشاہدہ کرا سکتا ہوں۔

بعض اُمُور ایسے ہوتے ہیں کہ اگر اُن کے دلائل نہ بھی ملیں تو اُن کی تاثیرات بجائے خود انسان کو قائل کر دیتی ہیں اور وہی تاثیرات دلائل کے قائم مقام ہو جاتی ہیں۔ کفارہ کے حق ہونے کے اگر دلائل عیسائیوں کے پاس نہیں ہیں جیسا کہ وُہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک راز ہے، تو ہم پوچھتے ہیں کہ وُہ اُن تاثیرات کو ہی پیش کریں جو کفارہ کے اعتقاد نے پیدا کی ہیں۔ یُورپ کی اباحتی زندگی دُور سے ان تاثیرات کا نمونہ دکھا رہی ہے۔ اس سے بڑھ کر وہ کیا پیش کریں گے اور یہ ایک عقلمند کے سمجھ لینے کے واسطے کافی ہے کہ کیا اثر ہوا۔

ایک اور بات ہے، جو یاد رکھنے کے قابل ہے۔ جس پر غور نہ کرنے کی وجہ سے بعض آدمیوں کو بڑے بڑے دھوکے لگے ہیں اور وُہ جادۂ مستقیم سے بھٹک گئے ہیں۔ اور وُہ یہ ہے کہ انسان کی پیدائش ایک قسم کی نہیں ہے۔

جیسا بُوٹیاں ہزاروں قسم کی ہوتی ہیں اور جمادات میں بھی مختلف قسمیں پائی جاتی ہیں۔ کوئی چاندی کی کان ہے، کوئی سونے کی، کوئی تانبے اور لوہے کی۔ اسی طرح پر انسانی فطرتیں مختلف قسم کی ہیں۔ بعض انسان اس قسم کی فطرت رکھتے ہیں کہ وہ ایک گناہ سے نفرت کرتے ہیں اور بعض کسی اور قسم کے گناہ سے۔ مثلاً ایک آدمی ہے کہ وہ چوری تو کبھی نہیں کرتا، لیکن زناکاری اور اَور قسم کی بے حیائی اور بے باکی کرتا ہے یا ایک زنا سے تو بچتا ہے، لیکن کسی کا مال مار لینے یا خُون کر دینے کو گناہ ہی نہیں سمجھتا اور بڑی دلیری کے ساتھ ایسی بیہودہ بات اور افعال کا مرتکب ہوتا ہے غرض ہر ایک آدمی کو جو دیکھتے ہیں۔ تو اسے کسی نہ کسی قسم کے گناہ میں مبتلا پاتے ہیں اور بعض حصّوں میں اور بعض قسم کے گناہوں میں بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ پس جس قدر افراد انسانوں کے پائے جاتے ہیں۔ ان کی بابت ہم کبھی بھی قطعی اور یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ سب کے سب ایک ہی قسم کے گناہ کرتے ہیں بلکہ کوئی کسی میں مبتلا ہے کوئی دوسرے میں گرفتار ہے۔ کسی قوم کی بابت وہ مغرب میں ہو یا مشرق میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل گناہ سے بچی ہوتی ہے۔ صرف اس قدر تو مانیں گے کہ فلاں گناہ وہ نہیں کرتی، مگر یہ کبھی نہیں کہہ سکتے کہ بالکل نہیں کرتی۔ یہ فطرت اور یہ قوت کہ بالکل گناہوں سے بیزاری اور نفرت پیدا ہو جائے۔ سچی تبدیلی کے بغیر کسی کو مل نہیں سکتی اور اسی تبدیلی کو پیدا کرنا ہمارا کام ہے۔

مسیح موعود کا اہم کام

جو لوگ صدقِ دل اور اخلاص کے ساتھ صحتِ نیّت اور پاک ارادہ اور سچی تلاش کے ساتھ ایک مدت تک ہماری صُحبت میں رہیں، تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی تجلّیات کی چمکار سے اُن کی اندرونی تاریکیوں کو دُور کر دے گا اور انہیں ایک نئی معرفت اور نیا یقین خدا پر پیدا ہوگا اور یہی وہ ذریعے ہیں جو انسان کو گناہ کے زہر کے اثر سے بچا لیتے ہیں اور اس کے لیے تریاقی قوت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی وہ خدمت ہے جو ہمارے سپُرد ہوئی ہے اور اسی ایک ضرورت کو مَیں پُورا کرنا چاہتا ہوں۔ جو انسان اس زنجیر اور قید سے نجات پانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جو گناہ کی زنجیریں ہیں۔ اُسے اسی طریق پر نجات ملے گی۔

پس اگر کوئی قصّے کہانیوں کو ہاتھ سے پھینک کر اور ان وہمی حیلوں اور خیالی ذریعوں کو چھوڑ کر کہ کسی کی خودکشی بھی گناہ سے بچا سکتی ہے۔ صدق اور اخلاص سے یہاں رہے تو وہ خدا کو دیکھ لے گا اور خدا کو دیکھ لینا ہی گناہ پر موت وارد کرتا ہے، ورنہ اتنی ہی بات پر خوش ہو جانا کہ فلاں گناہ مجھ میں نہیں یا فلاں عیب سے میں بچا ہوا ہوں۔ حقیقی نجات کا وارث نہیں بنا سکتا۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی نے سٹرکنیا کھا کر موت حاصل کی اور کسی نے سمّ الفار یا بادام کے زہر سے جان دیدی۔ ہم کو اس سے کچھ غرض نہیں ہے کہ عیسائیوں کے طریق نجات پر یا کسی اور مذہب کے پیش کردہ دستور پر کوئی لمبی چوڑی بحث کریں۔ تجربہ اور مشاہدہ خود گواہ ہے۔ ہم تو صرف وہی طریق بتانا چاہتے

ہیں جو خدا نے ہمیں سمجھایا ہے۔ اور جس طریق پر ہمیں اطلاع دی ہے۔

پس گناہوں سے بچنے کا سچا طریق جو مجھے بتایا گیا ہے اور جس کو کل انبیاء کی پاک جماعت اپنے اپنے وقت پر دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے وہ یہی ہے کہ انسانی جذبات پر انسان کو اسی وقت کامل فتح مل سکتی ہے اور شیطان اور اس کی ذریت کی شکست کا وہی وقت ہوسکتا ہے جب انسان کے دل پر ایک درخشاں یقین نازل ہو کہ خُدا ہے اور اس کی پاک صفات کے صریح خلاف ہے کہ کوئی گناہ کرے اور گنہگاروں پر اُس کا غضب بھڑکتا ہے اور پاکبازوں کو اُس کا فضل و رحمت ہر بلا سے نجات دیتے ہیں اور یہ معرفت اور یہ یقین حاصل نہیں ہوسکتا جب تک اُن لوگوں کے پاس ایک عرصہ تک نہ رہیں جو خدا تعالیٰ سے شدید تعلق رکھتے ہیں اور خدا سے لے کر مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ بس یہی ہماری غرض ہے جو سے کر ہم دنیا میں آئے ہیں اور اسی کو ہم نے آپ کو سُنا دیا ہے۔ اب آپ اس پر غور کریں اور جو سوال آپ کا اس پر ہو وہ آپ بے شک کریں۔[1]"

۱۸؍نومبر ۱۹۰۱ء مسٹر ڈکسن"۔ کیا خدا اس جہان میں سزا دیتا ہے۔ یا دُوسرے جہان میں؟"

سزا و جزا کی حقیقت

حضرت اقدسؑ :" میں نے آپ کے سوال کو سمجھ لیا ہے۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت ہمیں بتایا ہے اور واقعاتِ صحیحہ نے جس کی شہادت دی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سزا و جزا کا قانُون خدا نے ایسا مقرر کیا ہے کہ اس کا سلسلہ اسی دنیا سے شروع ہو جاتا ہے اور جو شوخیاں اور شرارتیں انسان کرتا ہے، وہ بجائے خود انہیں محسُوس کرتا ہے یا نہیں کرتا۔ ان کی سزا اور پاداش جو یہاں ملتی ہے، اس کی غرض تنبیہہ ہوتی ہے تاکہ توبہ اور رجوع سے شوخ انسان اپنی حالت میں نمایاں تبدیلی پیدا کرے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ عبُودیت کا جو رشتہ ہے اس کو قائم کرنے میں جو غفلت اس نے کی ہے اس پر اطلاع پا کر اسے مستحکم کرنا چاہیے۔ اس وقت یا تو انسان اس تنبیہہ سے فائدہ اٹھا کر اپنی کمزوری کا علاج اللہ تعالیٰ کی مدد سے چاہتا ہے اور یا اپنی شقاوت سے اس میں دلیر ہو جاتا ہے اور اپنی سرکشی اور شرارت میں ترقی کر کے جہنّم کا وارث ٹھہر جاتا ہے۔ اس دنیا میں جو سزائیں بطور تنبیہہ دی جاتی ہیں، ان کی مثال مکتب کی سی ہے۔ جیسے مکتب میں کچھ خفیف سی سزائیں بچوں کو ان کی غفلت اور سُستی پر دی جاتی ہیں۔ اس سے یہ

---

[1] الحکم جلد ۵ نمبر ۴۶ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۱۷؍دسمبر ۱۹۰۱ء
" " ۵ " ۴۷ " ۱-۳ " ۲۴؍دسمبر ۱۹۰۱ء

غرض نہیں ہوتی کہ علوم سے انہیں اُستاد محروم رکھنا چاہتا ہے، بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنی غرض پر اطلاع دے کر آئندہ کے لیے زیادہ محتاط اور ہوشیار بنا دے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ جو شرارتوں اور شوخیوں پر کچھ سزا دیتا ہے، تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ نادان انسان جو اپنی جان پر ظلم کر رہا ہے اپنی شرارت اور اس کے نتائج پر مطلع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت سے ڈر جاوے اور اس کی طرف رجوع کرے۔ مَیں نے اپنی جماعت کے سامنے بارہا اس اَمر کو بیان کیا ہے اور اب آپ کو بھی بتاتا ہوں کہ جب انسان ایک کام کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی ایک فعل اس کے نتیجہ کے طور پر مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم کافی مقدار زہر کی کھالیں گے، تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ہلاک ہو جائیں گے۔ اس میں زہر کھانا یہ ہمارا اپنا فعل تھا۔ اور خدا کا فعل اس پر یہ ظاہر ہوا کہ اس نے ہلاک کر دیا۔ یا مثلاً یہ کہ اگر ہم اپنے گھر کی کوٹھڑی کی کھڑکیاں بند کر لیں، تو یہ ہمارا فعل ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ہوگا کہ کوٹھڑی میں اندھیرا ہو جائے گا۔ اس طرح پر انسان کے افعال اور اس پر بطور نتائج اللہ تعالیٰ کے افعال کے صدور کا قانون دُنیا میں جاری ہے اور یہ انتظام جیسا کہ ظاہر سے متعلق ہے اور جسمانی نظام میں اس کی نظیریں ہم روز دیکھتے ہیں۔ اسی طرح پر باطن کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے اور یہی ایک اصول ہے جو قانونِ سزا کے سمجھنے کے واسطے ضروری ہے اور وہ یہی ہے کہ ہمارا ہر ایک فعل نیک ہو یا بد۔ اپنے فعل کے ساتھ ایک اثر رکھتا ہے۔ جو ہمارے فعل کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے۔

اب عذاب اور راحت کو جو گناہوں کی پاداشں یا نیکیوں کی جزا میں دی جاتی ہے، ہم بہت جلد سمجھ سکتے ہیں اور مَیں پوری بصیرت اور دعویٰ کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس فلاسفی کے بیان کرنے سے دُوسرے تمام مذاہب بالکل عاری اور تہی ہیں۔ اس بات کو ہر شخص جو خدا کو مانتا ہے۔ اقرار کرتا ہے کہ انسان خدا ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لیے اس کی ساری خوشیوں کی انتہا ساری راحتوں کی غایت اسی میں ہو سکتی ہے کہ وہ سارے کا سارا خدا ہی کا ہو جاوے اور جو تعلق اُلوہیت اور عبُودیت میں ہونا چاہیے۔ یا یوں کہو کہ ہے۔ جب تک انسان اس کو مستحکم نہیں کرتا اور اسے حیز فعل میں نہیں لاتا۔ وُہ سچی خوشحالی کو پا نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام کے آنے کی یہی غرض ہوتی ہے اور وہ اسی اہم مقصد کو لے کر آتے ہیں کہ وہ انسان کو یہ گمشدہ متاع واپس دینا چاہتے ہیں۔ جو عبُودیت اور اُلوہیت کے درمیان رشتہ کی ہوتی ہے، مگر جب انسان خدا سے دُور ہٹ جاتا ہے، تو وہ اپنے آپ کو اس محبت کی زنجیر سے الگ کر لیتا ہے جو خدا اور بندہ کے درمیان ہونی چاہیے اور یہ فعل انسان کا ہوتا ہے اور اس پر خدا کا یہ فعل ہوتا ہے کہ وُہ بھی اس سے دُور ہٹتا ہے۔ اور اسی بُعد کے لحاظ سے انسانی قلب پر تاریکی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور جس طرح آفتاب کی طرف سے دروازہ بند کرنے پر ظلمت اور تاریکی سے کمرہ بھر جاتا ہے۔ اسی طرح پر خدا سے مُنہ پھیر لینے سے اندرُونہ انسانی ظلمت سے بھرنے لگتا ہے اور جُوں جُوں وہ دُور ہوتا جاتا ہے

ظُلمت بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ دل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے اور یہی ظُلمت ہے جو جہنم کہلاتی ہے، کیونکہ اسی سے ایک عذاب پیدا ہوتا ہے۔ اب اس عذاب سے اگر بچنے کے لئے وہ یہ سعی کرتا ہے کہ ان اسباب کو جو خدا تعالیٰ سے بُعد اور دُوری کا موجب ہوئے ہیں چھوڑ دیتا ہے تو خدا تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ رجوع کرتا ہے اور جیسے کھڑکیوں کے کھول دینے سے گئی ہوئی روشنی واپس آ کر تاریکی کو دُور کر دیتی ہے۔ اسی طرح پر سعادت کا نور جو جا تا رہا تھا۔ وہ اسی انسان کو جو رجُوع کرتا ہے پھر دیا جاتا ہے اور وہ اس سے پورا مستفید ہونے لگتا ہے۔

اور توبہ کی یہی حقیقت ہے جس کی نظیر ہم قانونِ قدرت میں صاف مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نبیوں کے زمانہ میں جو قوموں پر عذاب آتے ہیں۔ جیسے لُوطؑ کی قوم پر یا یہودیوں کو بخت نصر یا طیطس رُومی کے ذریعہ تباہ کیا گیا، تو ان عذابوں کا مُوجب محض اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ ان کے عذابوں اور دکھوں کا موجب وُہ شرارتیں اور شوخیاں اور تکلیفیں ہوتی ہیں، جو وُہ نبیوں سے کرتے اور انہیں پہنچاتے ہیں۔ آخر ان کی شرارتیں اُن پر ہی لوٹ کر پڑتی ہیں اور انہیں تباہ اور ہلاک کر دیتی ہیں۔ جس طرح پر سیاست اور ملک داری کے اصُولوں کی تہ میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ امنِ عامہ میں خلل انداز ہونے والوں کو وہ چور ہوں یا ڈاکو۔ باغی ہوں یا کسی اور جرُم کے مُجرم محض اس لیے سزا دی جاتی ہے۔ تا آئندہ کے لیے امن ہو اور دوسروں کو اس سے عبرت۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ قانون رکھا ہوا ہے کہ وہ شریروں اور سرکشوں کو جو اس کے حدود اور اوامر کی پرواہ نہیں کرتے سزا دیتا ہے تاکہ حد سے نہ بڑھ جائیں۔ جنھوں نے حد سے بڑھنا چاہا خدا نے وہیں انہیں تنبیہ کی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ سزا اور تنبیہ اس شخص کے لیے بھی جسے دی جاتی ہے اور دوسروں کے واسطے بھی جو عبرت کی نگاہ سے اُسے دیکھتے ہیں بطور رحمت ہے کیونکہ اگر سزا نہ دی جائے، تو امن اُٹھ جاتا اور انجام کار نتیجہ بہت ہی بُرا ہوتا۔ قانونِ قدرت پر نظر کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فطرتِ انسانی میں یہ بات رکھی ہوئی ہے اور اس فطرتی نقش ہی کی بنا پر قرآن نے یہ فرمایا ہے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرہ: ۱۸۰) یعنی تمہارے تمدن کے قیام کے لیے قصاص کا ہونا ضروری ہے۔ اگر افعال کے کچھ نتائج ہی نہیں ہوتے، تو وُہ افعال کیا ہوتے اور ان سے کیا غرض مقصود ہوتی؟ غرض ضروری اور واقعی طور پر یہ سزائیں نہیں ہیں جو یہاں دی جاتی ہیں۔ بلکہ یہ ایک ظِل ہیں اصل سزاؤں کا اور اُن کی غرض ہے عبرت۔

دُوسرے عالم کے مقاصد اور ہیں اور وہ بالاتر اور بالا تر ہیں۔ وہاں تو مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔ (الزلزال: ۹) کا انعکاسی نمونہ لوگ دیکھ لیں گے اور انسان کو اپنے مخفی در مخفی گناہوں اور عزیمتوں کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ دنیا اور آخرت کی سزاؤں میں ایک بڑا فرق یہ ہے کہ دُنیا کی سزائیں اُمن قائم کرنے اور عبرت کے لیے ہیں۔ اور آخرت کی سزائیں افعالِ انسانی کے آخری اور انتہائی نتائج ہیں۔ وہاں اُسے ضرور سزا ملنی ٹھہری کیونکہ اُس

نے زہر کھائی ہوتی ہے اور یہ ممکن نہیں کہ بدوں تریاق وہ اُس زہر کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔
عاقبت کی سزا اپنے اندر ایک فلسفیانہ حقیقت رکھتی ہے جس کو کوئی مذہب بجز اسلام کے کامل طور پر بیان نہیں کر سکا۔
قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل)
یعنی جو شخص اس جہان میں اندھا ہو وہ اس دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا بلکہ اندھوں سے بھی بدتر۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو دیکھنے کی آنکھیں اور اُس کے دریافت کرنے کے حواس اِسی جہان سے انسان اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جو یہاں ان حواس کو نہیں پاتا وہاں وہ اُن حواس سے بہرہ ور نہیں ہوگا۔ یہ ایک دقیق راز ہے۔ جس کو عام لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے۔ اگر اس کے یہ معنی نہیں تو یہ تو پھر بالکل غلط ہے کہ اندھے اس جہان میں بھی اندھے ہوں گے۔ اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو بغیر کسی غلطی کے پہچاننا اور اسی دنیا میں صحیح طور پر اُس کی صفات و اسماء کی معرفت حاصل کرنا آئندہ کی تمام راحتوں اور روشنیوں کی کلید ہے۔ اور یہ آیت اس امر کی طرف صاف اشارہ کر رہی ہے کہ اِسی دنیا سے ہم عذاب اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور اس دنیا کی کورانہ زیست اور ناپاک افعال ہی اس دوسرے عالم میں عذابِ جہنم کی صورت میں نمودار ہو جائیں گے اور وہ کوئی نئی بات نہ ہوں گے۔
جیسے ایک شخص گھر کے دروازے بند کر لینے سے روشنی سے محروم ہو جاتا ہے اور تازہ اور زندگی بخش ہوا اُسے نہیں مل سکتی۔ یا کسی زہر کے کھا لینے سے اُس کی زندگی باقی نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح پر جب ایک آدمی خدا کی طرف سے ہٹتا ہے اور گناہ کرتا ہے، تو وہ ایک ظلمت کے نیچے آکر عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ گناہ اصل میں جُناح تھا۔ جس کے معنی میل کرنے اور اصل مرکز سے ہٹ جانے کے ہیں پس جب انسان خدا سے اعراض کرتا ہے اور اس کے نور کے مقابل سے ہٹ جاتا ہے اور اس روشنی سے دُور ہو جاتا ہے جو صرف خدا کی طرف سے اترتی اور دلوں پر نازل ہوتی ہے، تو وہ ایک تاریکی میں مبتلا ہوتا ہے جو اس کے لیے عذاب کا موجب ہو جاتی ہے۔ پھر جس قسم کا یہ اعراض ہو۔ اُسی قسم کا عذاب اُسے دُکھ دیتا ہے۔ لیکن اگر انسان پھر اُسی مرکز کی طرف آنا چاہے اور اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا دے جو ایسی روشنی کے پڑنے کا مقام ہے تو وہ پھر اس گمشدہ نور کو پا لیتا ہے، کیونکہ جیسے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے کمرہ میں روشنی کو ایسے وقت پا سکتے ہیں جب اس کی کھڑکیاں کھول دیں۔ ویسے ہی رُوحانی نظام میں مرکز اصلی کی طرف بازگشت کرنا ہی راحت کا موجب ہو سکتا ہے اور اس دُکھ درد سے بچاتا ہے جو اس مرکز کو چھوڑنے سے پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام توبہ ہے اور یہی ظلمت جو اس طرح پر پیدا ہوتی ہے ضلالت اور جہنم کہلاتی ہے اور مرکز اصلی کی طرف رجوع کرنا جو راحت پیدا کرتا ہے، جنت سے تعبیر ہوتا ہے۔ اور گناہ سے ہٹ کر پھر نیکی کی طرف آنا جس سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جاوے اس بدی کا کفارہ ہو کر اُسے دُور کر دیتا ہے اور اس کے نتائج کو بھی سلب کر دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

السَّيِّاٰتِ (ھود : ۱۱۵) یعنی نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں؛ چونکہ بدی میں ہلاکت کی زہر ہے اور نیکی میں زندگی کا تریاق، اس لیے بدی کے زہر کو دُور کرنے کا ذریعہ نیکی ہی ہے۔ یا اسی کو ہم یُوں کہہ سکتے ہیں۔ عذاب راحت کی نفی کا نام ہے اور نجات راحت اور خوشحالی ہی کے حصُول کا نام ہے۔ اسی طرح پر جیسے بیماری اس حالت کا نام ہے۔ جب حالت بدن مجری طبیعت پر نہ رہے اور صحت وہ حالت ہے کہ اُمورِ طبیعہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہوں۔ اور جیسے کسی ہاتھ پاؤں یا کسی عضو کے اپنے مقام خاص سے ذرا اِدھر اُدھر کھسک جانے سے درد شروع ہو جاتا ہے اور وُہ عضو نکما ہو جاتا ہے اور اگر چندے اسی حالت پڑا رہے، تو پھر نہ خود بالکل بیکار ہو جاتا ہے بلکہ دُوسرے اعضا پر بھی اپنا بُرا اثر ڈالنے لگتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت روحانی ہے کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے سامنے سے جو اس کی زندگی کا اصل مُوجب مایۂ حیات ہے، ہٹ جاتا ہے اور فطرتی دین کو چھوڑ بیٹھتا ہے، تو عذاب شروع ہو جاتا ہے اور اگر قلب مُردہ نہ ہوگیا ہو۔ اور اس میں احساس کا مادہ باقی ہو۔ تو وُہ اس عذاب کو خوب محسُوس کرتا ہے اور اگر اس بگڑی ہوئی حالت کی اصلاح نہ کی جاوے، تو اندیشہ ہوتا ہے کہ پھر ساری روحانی قوتیں رفتہ رفتہ نکمی اور بیکار ہو جائیں اور ایک شدید عذاب شروع ہو جاوے۔ پس اب کیسی صفائی کے ساتھ یہ امر سمجھ میں آجاتا ہے کہ کوئی عذاب باہر سے نہیں آتا، بلکہ خود انسان کے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ ہم کو اس سے انکار نہیں کہ عذاب خدا کا فعل ہے۔ بیشک اس کا فعل ہے۔ مگر اسی طرح جیسے کوئی زہر کھائے تو خدا اُسے ہلاک کر دے پس خدا کا فعل انسان کے اپنے فعل کے بعد ہوتا ہے۔ اسی کی طرف اللہ جلشانہٗ اشارہ فرماتا ہے۔ نَارُ اللّٰہِ الْمُوْقَدَۃُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْاَفْـئِدَۃِ (الھمزہ : ۷، ۸) یعنی خدا کا عذاب وہ آگ ہے، جس کو خدا بھڑکاتا ہے اور اس کا شعلہ انسان کے دل سے ہی اُٹھتا ہے۔ اس کا مطلب صاف لفظوں میں یہی ہے کہ عذاب کا اصل بیج اپنے وجود ہی کی ناپاکی ہے۔ جو عذاب کی صُورت اختیار کر لیتی ہے۔

بہشت کی نعماء کی حقیقت

اسی طرح بہشت کی راحت کا اصل سرچشمہ بھی انسان کے اپنے ہی افعال ہیں۔ اگر وہ فطرتی دین کو نہیں چھوڑتا۔ اگر وہ مرکزِ اعتدال سے اِدھر اُدھر نہیں ہٹتا اور عبودیت الُوہیت کے محاذ میں پڑی ہوئی اس کے انوار سے حصّہ لے رہی ہے تو پھر یہ اس عضوِ صحیح کی طرح سے جو مقام سے ہٹ نہیں گیا اور برابر اس کام کو دے رہا ہے۔ جس کے لیے خدا نے اس کو پیدا کیا ہے اور اُسے کچھ بھی درد نہیں بلکہ راحت ہے۔

قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (البقرہ : ۲۶) یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کو خوشخبری دے دو۔ کہ وُہ ان باغوں کے وارث ہیں، جن کے نیچے ندیاں بہ رہی ہیں۔ اس آیت میں ایمان کو اللہ تعالیٰ نے باغ سے مثال

دی ہے اور اعمالِ صالحہ کو نہروں سے۔ جو رشتہ اور تعلق نہر جاویداور درخت میں ہے، وہی رشتہ اور تعلق اعمالِ صالحہ کو ایمان سے ہے۔ پس جیسے کوئی باغ ممکن ہی نہیں کہ پانی کے بدُوں سرسبز اور ثمردار ہو سکے۔ اس طرح پر کوئی ایمان جس کے ساتھ اعمالِ صالحہ نہ ہوں مفید اور کارگر نہیں ہو سکتا پس بہشت کیا ہے۔ وہ ایمان اور اعمال ہی کے مُجسّم نظارے ہیں۔ وہ بھی دوزخ کی طرح کوئی خارجی چیز نہیں ہے بلکہ انسان کا بہشت بھی اس کے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ یاد رکھو اس جگہ پر جو راحتیں ملتی ہیں وہ وہی پاک نفس ہوتا ہے۔ جو دنیا میں بنایا جاتا ہے۔ پاک ایمان پودہ سے مماثلت رکھتا ہے اور اچھے اچھے اعمال۔ اخلاق فاضلہ یہ اس پودہ کی آبپاشی کے لیے بطور نہروں کے ہیں۔ جو اس کی سرسبزی اور شادابی کو بحال رکھتے ہیں۔ اس دنیا میں تو یہ ایسے ہیں جیسے خواب میں دیکھے جاتے ہیں۔ مگر اُس عالم میں محسوس اور مشاہدہ ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ لکھا ہے کہ جب بہشتی اُن انعامات سے بہرہ وَر ہوں گے تو یہ کہیں گے هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (البقرہ: ۲۶) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دُنیا میں جو دُودھ یا شہد یا انگور، انار وغیرہ چیزیں ہم کھاتے پیتے ہیں۔ وہی وہاں ملیں گی نہیں وُہ چیزیں اپنی نوعیت اور حالت کے لحاظ سے بالکل اور کی اور ہوں گی۔ ہاں صرف نام کا اشتراک پایا جاتا ہے۔ اور اگرچہ ان تمام نعمتوں کا نقشہ جسمانی طور پر دکھایا گیا ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ بتا دیا گیا ہے کہ وہ چیزیں رُوح کو روشن کرتی ہیں اور خدا کی معرفت پیدا کرنے والی ہیں۔ اُن کا سرچشمہ رُوح اور راستی ہے۔ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ سے یہ مُراد لینا کہ وہ دُنیا کی جسمانی نعمتیں ہیں، بالکل غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا منشاء اس آیت میں یہ ہے کہ جن مومنوں نے اعمالِ صالحہ کئے انہوں نے اپنے ہاتھ سے ایک بہشت بنایا جس کا پھل وہ اس دُوسری زندگی میں بھی کھائیں گے اور وہ پھل چونکہ رُوحانی طور پر دُنیا میں بھی کھا چکے ہوں گے، اس لیے اس عالم میں اُس کو پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل معلوم ہوتے ہیں اور یہ وہی رُوحانی ترقیاں ہوتی ہیں جو دنیا میں کی ہوتی ہیں، اس لیے وہ عابد و عارف ان کو پہچان لیں گے۔

مَیں پھر صاف کر کے کہنا چاہتا ہوں کہ جہنم اور بہشت میں ایک فلسفہ ہے جس کا ربط باہم اسی طرح پر قائم ہوتا ہے جو مَیں نے ابھی بتایا ہے مگر اس بات کو کبھی بھی بھولنا نہیں چاہیے کہ دُنیا کی سزائیں تنبیہ اور عبرت کے لیے انتظامی رنگ کی حیثیت سے ہیں۔

سیاست اور رحمت دونوں باہم ایک رشتہ رکھتی ہیں اور اسی رشتہ کے اظلال یہ سزائیں اور جزائیں ہیں۔ انسانی افعال اور اعمال اسی طرح پر محفوظ اور بند ہوتے جاتے ہیں۔ جیسے فونوگراف میں آواز بند کی جاتی ہے۔ جبتک انسان عارف نہ ہو۔ اس سلسلہ پر غور کر کے کوئی لذت اور فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

معرفت کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ اوّل خداشناس ہو اور خداشناسی حاصل نہیں ہوتی جبتک

کسی خدا نما انسان کی مجلس میں صدق نیت اور اخلاص کے ساتھ ایک کافی مدت تک نہ رہے۔ اس کے بعد وہ اس سلسلہ کو جو جزا سزا کا اور دُنیا اور عقبیٰ کا ہے۔ بڑی سہولت کے ساتھ سمجھ لے گا۔ اس بیان پر غور کرنے سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اور بہشت کی فلاسفی جو قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے وہ کسی اور کتاب نے نہیں بتائی اور قرآن شریف کے مطالعہ سے یہ امر بھی کھل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس کو تدریجاً بیان فرمایا ہے، مگر یہ راز ان پر ہی کھلتا ہے جو خدا تعالیٰ کی راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور پاک نفس لے کر سوچتے ہیں۔ کیونکہ کوئی عمدہ بات بدُوں تکلیف کے نہیں ملتی ہے۔ یہ کہنا کہ ہر شخص اس راز پر کیوں اطلاع نہیں پاتا۔ میں کہتا ہوں کہ دیکھو ہمارے حواس کے کام الگ الگ ہیں۔ مثلاً آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ زبان چکھ سکتی ہے اور بول سکتی ہے۔ کان سُن سکتے ہیں۔ گویا ہر ایک حواس میں سے اپنے اپنے فرائض اور قوت کے ذمّہ دار ہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کان کے پاس مصری کی ڈلی رکھ دی جائے۔ اور وہ اس کا ذائقہ بتا دے اور آنکھ خارجی آوازیں سُن لے۔ یا زبان دیکھ لے۔ پس اسی طرح پر خدا تعالیٰ کی معرفت کے دقیق اسرار کو معلوم کرنے کے واسطے خاص قویٰ ہیں۔ وہی اُن پر اطلاع دے سکتے ہیں۔ اور یہ قویٰ دیئے تو سب کو گئے ہیں، لیکن اُن سے کام لینے والے بہت تھوڑے ہیں۔ ظن کا کوئی قوی اثر نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فلاسفروں کی ایمانی حالت بہت ہی کمزور ہوتی ہے اور وہ ظنیات سے آگے نہیں بڑھتے۔ افلاطون جو بڑا مدبّر اور دانشمند سمجھا جاتا تھا جب مرنے لگا، تو اُس نے یہی کہا کہ فلاں بُت پر اُس کے لیے ایک مُرغ چڑھا دینا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیسا کمزور ایمان تھا۔ توحید پر قائم نہ ہوا۔

صحبتِ صالحین

پس وُہ عظیم ذریعہ جس سے ایک چمکتا ہوا یقین حاصل ہو اور خدا تعالیٰ پر بصیرت کے ساتھ ایمان قائم ہو۔ ایک ہی ہے کہ انسان ان لوگوں کی صحبت اختیار کرے جو خدا تعالیٰ کے وجُود پر زندہ شہادت دینے والے ہوں۔ خود جنہوں نے اس سے سُن لیا ہے کہ وہ ایک قادرِ مطلق اور عالم الغیب تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف خدا ہے۔

ابتدا میں جب انسان ایسے لوگوں کی صحبت میں جاتا ہے، تو اس کی باتیں بالکل انوکھی اور نرالی معلوم ہوتی ہیں۔ وہ بہت کم دل میں جاتی ہیں۔ گو دل ان کی طرف کھنچا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اندر کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے ان معرفت کی باتوں کی ایک جنگ شروع ہو جاتی ہے جو کچھ گرد و غبار دل پر بیٹھا ہوتا ہے۔ صادق کی باتیں ان کو دُور کر کے اُسے جلا دینا چاہتی ہے۔ تا اس میں یقین کی قوت پیدا ہو۔ جیسے جب کبھی کسی آدمی کو مُسہل دیا جاتا ہے، تو دست اور دوائی پیٹ میں جا کر ایک گڑگڑاہٹ پیدا کر دیتی ہے اور تمام مواد ردیّہ اور فاسدہ کو حرکت اور جوش دے کر باہر نکالتی ہے۔ اسی طرح پر صادق ان ظنیات کو دُور کرنا چاہتا ہے اور سچے علوم اور اعتقادِ صحیحہ کی معرفت کرانی چاہتا ہے اور وہ باتیں اس دل کو جس نے بہت بڑا زمانہ ایک اور ہی دُنیا میں بسر کیا ہوا ہوتا ہے۔ ناگوار اور ناقابلِ عمل

معلوم ہوتی ہیں، لیکن آخر سچائی غالب آجاتی ہے اور باطل پرستی کی قوتیں مرجاتی ہیں اور حق پرستی کی قوتیں نشوونما پانے لگتی ہیں۔ پس مَیں اِسی نُور کو لے کر آیا ہوں اور دُنیا میں قوتِ یقین پیدا کرنا چاہتا ہوں اور اس قوت کا پیدا ہونا صرف الفاظ اور باتوں سے نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ اُن نشانات سے نشوونما پاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مقتدرانہ طاقت سے صادقوں کے ہاتھ پر ظہور پاتے ہیں۔

میرا مدّعا یہی ہے کہ دوسری کلام نہ کروں جبتک ایک اَمر سُننے والے کے ذہن نشین نہ کرلُوں اور سُننے والا فیصلہ نہ کرے کہ اس بات کو اُس نے سمجھ لیا ہے یا اس پر کوئی اعتراض کرے[1]"

سچی معرفت کیا ہے

"کیونکہ سوال کرنا بھی ایک قسم کا علم پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اَلسُّؤَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ مشہور ہے۔ پس مَیں اس کو بھی غنیمت سمجھتا ہوں کہ کسی کے دل میں امرِ حق کے متعلق سوال کرنے کی تحریک پیدا ہو جاوے۔

یقیناً یاد رکھو کہ سچی معرفت ہر ایک طالبِ حق کو جو مستقل مزاجی سے اس راہ میں قدم رکھتا ہے۔ مِل سکتی ہے۔ یہ کسی کے لیے خاص نہیں ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ جو غفلت کرتا ہے اور صدقِ نیت سے اس کی جُستجو نہیں کرتا۔ اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے، ورنہ خدا تعالیٰ تو ہر ایک انسان کو اپنی معرفت کے رنگ سے رنگین کرنا چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کو خدا نے اپنی صُورت پر پیدا کیا ہے اور اسی لیے فرمایا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) جن لوگوں نے ایک عورت کے بچے کو یا یوں کہو کہ انسان کو خدا بنایا ہے۔ انہوں نے نہ خدا کو سمجھا ہے۔ اور نہ انسان ہی کی حقیقت پر غور کی ہے۔ انسان کیا ہے؟ وہ گویا کُل مخلوقاتِ الٰہیہ کی ایک مجموعی صورت ہے جس قدر مخلوق دنیا میں جیسی بھیڑ، بکری وغیرہ موجود ہے۔ سب انسانی قویٰ کی انفرادی صورتیں ہیں۔

جیسے ایک مصنف جب کوئی کتاب لکھنی چاہتا ہے، تو پہلے متفرق نوٹ ہوتے ہیں پھر ان کو ترتیب دے کر ایک کتاب کی صُورت میں لے آتا ہے۔ اسی طرح پر کُل مخلوقات انسانی قویٰ کے خاکے ہیں۔ گویا یہ عملی صُورت بتاتی ہے کہ انسان اعلیٰ قویٰ لے کر آیا ہے۔ پس عیسائی مذہب انسانی قویٰ کی توہین کرتا ہے اور اُن کی تکمیل اور نشوونما کے لیے ایک خطرناک روک پیدا کر دیتا ہے، جبکہ وہ انسان کو خدا بنا کر اس کے خون پر نجات کا انحصار رکھ دیتا ہے۔

پس مَیں جو بات آپ کو پہنچانا چاہتا تھا۔ وہ یہی ہے کہ مَیں انسان کو گناہ سے بچنے کا حقیقی ذریعہ بتاتا ہوں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱ صفحہ ۳-۶ پرچہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۲ء

اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا کرنے کی راہ دکھاتا ہوں۔ یہی میرا مقصد ہے جس کو لے کر مَیں دنیا میں آیا ہوں۔ میری دلی خواہش ہے کہ آپ اس کو سمجھ لیں اور خوب غور سے سمجھ لیں تاکہ جہاں کہیں آپ جائیں اور اپنے دوستوں میں بیٹھ کر اپنے سفر کے عجائبات سنائیں۔ وہاں ان کو یہ باتیں بھی بتائیں جو مَیں نے آپ کو سنائی ہیں۔

مسٹر ڈکسن: "مَیں نے آپ کا مدعا خوب سمجھ لیا ہے اور مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں کہیں مَیں جاؤں گا۔ مَیں یورپین لوگوں میں اس کا تذکرہ کروں گا۔"

حضرت اقدسؑ: ہم نے تو آپ کا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ لیا تھا کہ آپ میں انصاف ہے۔ ہماری دلی آرزو یہی تھی کہ آپ کچھ دنوں ہمارے پاس رہ جاتے تاکہ ہمیں پورا موقع ملتا کہ اپنے اصول آپ کو سمجھائیں اور آپ کو بھی غور کرنے اور بار بار پوچھنے کا موقع ملتا، مگر تاہم ہم امید کرتے ہیں کہ آپ کی غور کرنے والی طبیعت ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ اُٹھائے گی۔ انسان کے اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا نمونہ یہی ہے کہ وہ راستی کے قبول کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہے۔ بہت سے امُور ایسے ہوتے ہیں کہ انسان محض ماں باپ کی تقلید کی وجہ سے باوجودیکہ اس میں صریح نقص دیکھتا ہے نہیں چھوڑتا۔ لیکن جو شخص سچے اخلاق اور اخلاقی جرأت سے حصّہ رکھتا ہے۔ وُہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ وُہ صرف راستی کا خواہشمند ہے۔

بچپن میں دو قوتیں بڑی تیز ہوتی ہیں۔ اوّل ہر ایک چیز اندر چلی جاتی ہے۔ دوّم خوب یاد رہتی ہے۔ بچہ کبھی دلائل نہیں پوچھتا کہ کیوں یہ بات ہے، مگر اصل شجاعت یہی ہے کہ ان باتوں کو جو شیرِ مادر کی طرح پیتا ہے جب اُسے معلوم ہو جاوے کہ ان میں حقیقت اور معرفت کا رنگ اور قوت نہیں ہے تو انہیں چھوڑنے کے لیے فی الفور تیار ہو جاوے۔ تمام قویٰ کا بادشاہ انصاف ہے۔ اگر یہ قوت ہی انسان میں مفقود ہے تو پھر سب سے محروم ہونا پڑتا ہے۔ انسان دُنیا میں اس لیے نہیں آیا کہ وُہ باطل کا ذخیرہ جمع کرے، بلکہ اُسے حقیقت شناس اور حق پرست ہونا چاہیے۔

دُنیا میں چونکہ باطل بھی ہے اور کچھ تعجب نہیں کہ باطل پرست اسے سچ سے بھی زیادہ چمکدار دکھانا چاہیں، مگر دانشمند کو دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ اس کو لازم ہے کہ سچائی کو پورے طور پر پرکھے اور پھر قبول کرے۔

میرے نزدیک عام مذاہب کا اس وقت یہ حال ہے کہ گویا کل مذاہب کا ایک میدان لگا ہوا ہے اور ہر ایک بجائے خود کوشش کرتا ہے کہ اپنے مذہب کو سچا دکھائے۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ رُوحانیت کو دیکھو کہ کس میں ہے۔ اور تائیدی نشان کون اپنے ساتھ رکھتا ہے اور کون سا مذہب ہے جو گناہ کے کیڑے کو ہلاک کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ مَیں آپ کو اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی سچی معرفت جس کی گرمی سے گناہ کا کیڑا ہلاک ہوتا ہے، اسلام میں ملتی ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی کے خُون سے اس کیڑے کو موت آوے، بلکہ خون پڑ کر تو اور

بھی کیڑے پیدا کرے گا، اس لیے خُون گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہرگز نہیں ہے۔ نجات اور پاکیزگی کی سچی اصل وہی ہے جو مَیں نے آپ کو بتائی ہے اور ساری دُنیا کو چاہیے کہ اُسی کو تلاش کریں۔

۲۷؍نومبر ۱۹۰۱ء

اس تقریر کے ختم کرتے کرتے نہر کا پُل جو قادیان سے چار میل کے قریب ہے، آپہنچا۔ یہاں پہنچکر مسٹر ڈکسن حضرت سے رخصت ہو کر بٹالہ کو چلے گئے اور حضرت اقدس واپس تشریف فرما ہوئے۔ (الحکم، ۱۷؍جنوری ۱۹۰۲ء)[1]

اعجاز التنزیل

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا کلام جو اس کے برگزیدوں، رسُولوں پر نازل ہوتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ وُہ عظیم الشان اعجاز اپنے اندر رکھتا ہے اور کوئی شخص تنہا یا دُوسروں کی مدد سے اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی صرف ہمت کر دیتا ہے اور اس طرح پر اس کا معجزہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ وُہ بار بار مخالفوں کو اس کی مثال لانے کی دعوت اور تحدی کرتا ہے، لیکن کوئی اس کے مقابلہ کے لیے نہیں اُٹھ سکتا۔ قرآن شریف جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ کامل معجزہ ہے۔ دُوسری کتابوں کی نسبت ہم نہیں دیکھتے کہ ایسی تحدی کی گئی ہو جیسی قرآن شریف نے کی ہے؛ اگرچہ ہم اپنے تجربہ اور قرآن شریف کے معجزہ کی بنا پر یہ ایمان لاتے ہیں کہ خدا کا کلام ہر حال میں معجزہ ہوتا ہے، لیکن قرآن شریف کا اعجاز جس کاملیت اور جامعیت کے ساتھ معجزہ ہے۔ دُوسرے کو ہم اس جگہ پر نہیں رکھ سکتے، کیونکہ بہت سی وُجوہ اور صُورتیں اس کے معجزہ ہونے کی ہیں اور کوئی شخص اس کی مثال بنانے پر قادر نہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ کلام ایسا معجزہ نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑے ہی گستاخ اور دلیر ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے اور دیکھتے کہ خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق بے مثل اور لانظیر ہے۔ پھر اس کے کلام کی نظیر کیسے ہو سکتی ہے؟ ساری دُنیا کے مدبّر اور صناع مِل کر اگر ایک تنکا بنانا چاہیں، تو بنا نہیں سکتے، پھر خدا کے کلام کا مقابلہ وہ کیسے کر سکتے؟

محض کلام کے اشتراک یا الفاظ کے اشتراک سے یہ کہہ دینا کہ کوئی معجزہ نہیں، نِری حماقت اور اپنی موٹی عقل کا ثبوت دینا ہے، کیونکہ ان اعلیٰ مدارج اور کمالات پر ہر شخص اطلاع نہیں پا سکتا، جو باریک بین نگاہ دیکھ سکتی ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خالص کلام لعل کی طرح چمکتی ہے، لیکن بایں ہمہ قرآن شریف آپ کی خالص کلام سے بالکل الگ اور ممتاز نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲ صفحہ ۳ پرچہ ۱۷؍جنوری ۱۹۰۲ء

ہر چیز کے مراتب ہوتے ہیں. مثلاً کپڑا ہے۔ تو کھدر، ململ اور خاصہ لٹھا محض کپڑا ہونے کی حیثیت سے تو کپڑا ہی ہیں اور اس لحاظ سے کہ وُہ سفید ہیں. بظاہر ایک مساوات رکھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور ریشم بھی سفید ہوتا ہے، لیکن کیا ہر آدمی نہیں جانتا کہ ان سب میں جُدا جُدا مراتب ہیں اور اُن میں فرق پایا جاتا ہے۔

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

پس جس طرح پر ہم سب اشیاء میں ایک امتیاز اور فرق دیکھتے ہیں۔ اسی طرح کلام میں بھی مدارج اور مراتب ہوتے ہیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جو دُوسرے انسانوں کے کلام سے بالاتر اور عظمت اپنے اندر رکھتا ہے اور ہر ایک پہلو سے اعجازی حدُود تک پہنچتا ہے، لیکن خدا تعالیٰ کے برابر وُہ بھی نہیں، تو پھر اور کوئی کلام کیونکر اس سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

یہ تو موٹی اور بدیہی بات ہے کہ جس سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن شریف معجزہ ہے، لیکن اس کے سوا اور بھی بہت سے وجُوہِ اعجاز ہیں۔ خدا تعالیٰ کا کلام اس قدر خوبیوں کا مجموعہ ہے جو پہلی کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ خاتم النبیین کا لفظ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بولا گیا ہے۔ بجائے خود چاہتا ہے اور بالطبع اسی لفظ میں یہ رکھا گیا ہے کہ وہ کتاب جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے، وُہ بھی خاتم الکتب ہو اور سارے کمالات اس میں موجُود ہوں اور حقیقت میں وہ کمالات اس میں موجُود ہیں۔

کیونکہ کلامِ الہٰی کے نزول کا عام قاعدہ اور اصُول یہ ہے کہ جس قدر قوتِ قدسی اور کمال باطنی اس شخص کا ہوتا ہے۔ اسی قدر قوت اور شوکت اس کلام کی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور کمال باطنی چونکہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کا تھا جس سے بڑھ کر کسی انسان کا نہ کبھی ہوا اور نہ آئندہ ہوگا، اس لیے قرآن شریف بھی تمام پہلی کتابوں اور صحائف سے اُس اعلیٰ مقام اور مرتبہ پر واقع ہوا ہے، جہاں تک کوئی دوسرا کلام نہیں پہنچا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استعداد اور قوتِ قدسی سب سے بڑھی ہوئی تھی اور تمام مقاماتِ کمال آپؐ پر ختم ہو چکے تھے اور آپؐ انتہائی نقطہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ اس مقام پر قرآن شریف جو آپؐ پر نازل ہوا کمال کو پہنچا ہوا ہے اور جیسے نبوّت کے کمالات آپؐ پر ختم ہو گئے اسی طرح پر اعجاز کلام کے کمالات قرآن شریف پر ختم ہو گئے۔ آپؐ خاتم النبیین ٹھہرے اور آپؐ کی کتاب خاتم الکتب ٹھہری۔ جس قدر مراتب اور وجُوہ اعجاز کلام کے ہو سکتے ہیں۔ ان سب کے اعتبار سے آپؐ کی کتاب انتہائی نقطہ پر پہنچی ہوئی ہے۔

یعنی کیا باعتبار فصاحت و بلاغت، کیا باعتبار ترتیب مضامین، کیا باعتبار تعلیم، کیا باعتبار کمالاتِ تعلیم، کیا باعتباراتِ ثمراتِ تعلیم۔ غرض جس پہلو سے دیکھو اسی پہلو سے قرآن شریف کا کمال نظر آتا ہے اور اس کا اعجاز ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے کسی خاص امر کی نظیر نہیں مانگی، بلکہ عام طور پر نظیر طلب کی ہے۔ یعنی جس پہلو

سے چاہو مقابلہ کرو۔ خواہ بلحاظ فصاحت و بلاغت، خواہ بلحاظ مطالب و مقاصد، خواہ بلحاظ تعلیم، خواہ بلحاظ پیشگوئیوں اور غیب کے جو قرآن شریف میں موجود ہیں۔ غرض کسی رنگ میں دیکھو، یہ معجزہ ہے۔ گو مُلّاں میری مخالفت کی وجہ سے اس امر کو قبول نہ کریں، لیکن اس سے قرآن شریف کے اعجاز میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ یہ لوگ جوشِ تعصب میں بعض وقت یہاں تک اندھے ہو جاتے ہیں کہ ادب کے کل طریقوں کو پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں۔ لودہانہ کے مباحثہ میں لَہٗ ظَھْرٌ وَبَطْنٌ میں نے پیش کیا، تو مولوی محمد حسین کو جوش آگیا اور راوی کی مخالفت شروع کر دی۔ کیا خدا کے کلام سے محبت اور ارادت کا یہی تقاضا ہونا چاہیے تھا۔ یاد رکھو۔ الطریقۃ کلھا ادب اگر اس کو درست نہ سمجھتا تھا، تو قرآن شریف کی محبت کی وجہ سے اس قدر مخالفت بھی تو جائز نہ تھی۔

قرآن شریف زندہ اعجاز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ نبی ہیں

الغرض قرآن شریف ایک کامل اور زندہ اعجاز ہے اور کلام کا معجزہ ایسا معجزہ ہوتا ہے کہ کبھی اور کسی زمانہ میں وہ پُرانا نہیں ہو سکتا اور نہ فنا کا ہاتھ اس پر چل سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا اگر آج نشان دیکھنا چاہیں تو کہاں ہے؟ کیا یہودیوں کے پاس وہ عصا ہے اور اس میں کوئی قدرت اس وقت بھی سانپ بننے کی موجود ہے وغیرہ وغیرہ۔ غرض جس قدر معجزات کل نبیوں سے صادر ہوئے۔ ان کے ساتھ ہی اُن معجزات کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ایسے ہیں کہ وہ ہر زمانہ میں اور ہر وقت تازہ بتازہ اور زندہ موجود ہیں۔ ان معجزات کا زندہ ہونا اور ان پر موت کا ہاتھ نہ چلنا صاف طور پر اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی زندہ نبی ہیں۔ اور حقیقی زندگی یہی ہے جو آپؐ کو عطا ہوئی ہے۔ اور کسی دوسرے کو نہیں ملی۔ آپؐ کی تعلیم اسلئے زندہ تعلیم ہے کہ اس کے ثمرات اور برکات اس وقت بھی ویسے ہی موجود ہیں جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر موجود تھے۔ دُوسری کوئی تعلیم ہمارے سامنے اس وقت ایسی نہیں ہے جس پر عمل کرنے والا یہ دعویٰ کر سکے کہ اس کے ثمرات اور برکات اور فیوض سے مجھے حصہ دیا گیا ہے اور میں ایک آیۃ اللہ ہو گیا ہوں۔ لیکن ہم خدا تعالیٰ کے فضل و کرم ، قرآن شریف کی تعلیم کے ثمرات اور برکات کا نمونہ اب بھی موجود پاتے ہیں اور ان تمام آثار اور فیوض کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع سے ملتے ہیں۔ اب بھی پاتے ہیں، چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو اسی لیے قائم کیا ہے تا وہ اسلام کی سچائی پر زندہ گواہ ہو اور ثابت کرے کہ وہ برکات اور آثار اس وقت بھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اتباع سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو تیرہ سو برس پہلے ظاہر ہوتے تھے؛ چنانچہ صد ہا نشان اس وقت تک ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور ہر قوم ہر مذہب کے سرگروہوں کو ہم نے دعوت کی ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں آکر اپنی صداقت کا نشان دکھائیں، مگر ایک بھی ایسا نہیں کہ جن سے

اپنے مذہب کی سچائی کا کوئی نمونہ عملی طور پر دکھائے۔

ہم خدا تعالیٰ کے کلام کو کامل اعجاز مانتے ہیں اور ہمارا یقین اور دعویٰ ہے کہ کوئی دوسری کتاب اس کے مقابل نہیں ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرۃ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کا کوئی امر پیش کریں۔ وہ اپنی جگہ پر ایک نشان اور معجزہ ہے۔ مثلاً تعلیم ہی کو دیکھیں تو وہ عظیم الشان معجزہ نظر آتی ہے اور فی الواقع معجزہ ہے۔ ایسے حکیمانہ نظام اور فطری تقاضوں کے موافق واقع ہوئی ہے کہ دوسری تعلیم اس کے ساتھ ہرگز ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتی۔ قرآن شریف کی تعلیم پہلی ساری تعلیموں کی متمم اور مکمل ہے۔ اس وقت صرف ایک پہلو تعلیم کا دکھا کر میں ثابت کرتا ہوں کہ قرآن شریف کی تعلیم اعلیٰ درجہ پر واقع ہوئی ہے اور معجزہ ہے۔ مثلاً توریت کی تعلیم (حالات موجودہ کے لحاظ سے کہو یا ضروریات وقت کے موافق) کا سارا زور قصاص اور بدلہ پر ہے۔ جیسے آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت اور بالمقابل انجیل کی ساری تعلیم کا سارا زور عفو، اور درگذر پر تھا اور یہاں تک اس میں تاکید کی کہ اگر کوئی ایک گال پر طمانچہ مارے تو دوسری بھی اس کی طرف پھیر دو۔ کوئی ایک کوس بیگار لے جاوے تو دو کوس چلے جاؤ۔ کُرتہ مانگے تو چغہ بھی دیدو۔ اسی طرح پر ہر باب میں توریت اور انجیل کی تعلیم میں یہ بات نظر آئے گی کہ توریت افراط کا پہلو لیتی ہے اور انجیل تفریط کا۔ مگر قرآن شریف ہر موقع اور محل پر حکمت اور وسط کی تعلیم دیتا ہے۔ جہاں دیکھو۔ جس بارہ میں قرآن کی تعلیم پر نگاہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ وہ محل اور موقعہ کا سبق دیتا ہے؛ اگرہم تسلیم کرتے ہیں کہ نفسِ تعلیم سب کا ایک ہی ہے لیکن اس میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ توریت اور انجیل میں سے ہر ایک کتاب نے ایک ایک پہلو پر زور دیا ہے مگر فطرتِ انسانی کے تقاضے کے موافق صرف قرآن شریف نے تعلیم دی ہے۔ یہ کہنا کہ توریت کی تعلیم افراط کے مقام پر ہے۔ اس لیے وہ خدا کی طرف سے نہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس وقت کی ضرورتوں کے لحاظ سے ایسی تعلیم بکار تھی۔ اور چونکہ توریت یا انجیل قانون مختص المقام کی طرح تھیں۔ اس لیے ان تعلیموں میں دُوسرے پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، لیکن قرآن شریف چونکہ تمام دُنیا اور تمام نوعِ انسان کے واسطے تھا، اس لیے اس تعلیم کو ایسے مقام پر رکھا جو فطرتِ انسانی کے صحیح تقاضوں کے موافق تھی اور یہی حکمت ہے کیونکہ حکمت کے معنی ہیں وَضعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ یعنی کسی چیز کو اس کے اپنے محل پر رکھنا پس یہ حکمت قرآن شریف نے ہی سکھلائی ہے۔

توریت جیسا کہ بیان کیا ہے ایک بے جا سختی پر زور دے رہی تھی اور انتقامی قوت کو بڑھاتی تھی اور انجیل بالمقابل بیہودہ عفو پر زور مارتی تھی۔ قرآن شریف نے ان دونوں کو چھوڑ کر حقیقی تعلیم دی۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (الشوریٰ: ۴۱) یعنی بدی کی جزا اسی قدر بدی ہے، لیکن جو شخص معاف کردے اور اس معاف کرنے میں اصلاح مقصود ہو۔ اس کا اجر اس کے ربّ کے پاس ہے[1]۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۵ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ راپریل ۱۹۰۳ء

قرآن شریف کی تعلیم کا حکیمانہ نظام

"اب اس تعلیم پر نگاہ کرو کہ نہ یہ توریت کی طرح محض انتقام پر ہی زور دیتی ہے اور نہ انجیل کی طرح ایسے عفو پر جو بسا اوقات خطرناک نتائج کا موجب ہو سکتا ہے بلکہ قرآن شریف کی تعلیم حکیمانہ نظام اپنے اندر رکھتی ہے۔ مثلاً ایک خدمتگار ہے جو بڑا شریف اور نیک چلن ہے۔ کبھی اس نے خیانت نہیں کی اور کوئی نقصان نہیں کیا۔ اگر اتفاقاً وہ چاء پلانے کے لئے آئے اور اس کے ہاتھ سے پیالیاں گر کر ٹوٹ جاویں تو اس وقت مقتضائے وقت کیا ہوگا۔ کیا یہ کہ اس کو سزا دیں یا معاف کر دیں۔ ایسی حالت میں ایسے شریف خدمت گار کو معاف کر دینا اس کے واسطے کافی سزا ہوگی، لیکن اگر ایک شریر خدمت گار جو ہر روز کوئی نہ کوئی نقصان کرتا ہے اس کو معاف کر دینا اور بھی دلیر کر دینا ہے اِس لئے اس کو سزا دینی ضرور ہوگی مگر انجیل یہ نہیں بتاتی۔ انجیل پر عمل کرکے تو گورنمنٹ کو چاہیئے کہ اگر کوئی ہندوستان مانگے تو وہ انگلستان بھی اُس کے حوالے کرے۔ کیا عملی طور پر انجیل مانی جاتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ گورنمنٹ کے سیاست مدن کے اصولوں پر مختلف محکموں کا قائم کرنا اور عدالتوں کا کھولنا، دشمن سے حفاظت کے لئے فوجوں کا رکھنا وغیرہ وغیرہ جس قدر امور ہیں انجیل کی تعلیم کے موافق نہیں ہیں اِس لئے کہ انجیل کی تعلیم کے موافق کوئی انتظام ہو سکتا ہی نہیں ہے۔

غرض قرآن شریف کی تعلیم جس پہلو اور جس باب میں دیکھو اپنے اندر حکیمانہ پہلو رکھتی ہے افراط یا تفریط اس میں نہیں ہے بلکہ وہ نقطۂ وسط پر قائم ہوئی ہے اور اسی لئے اس اُمت کا نام بھی اُمَّةً وَّسَطًا (البقرۃ: ۱۴۴) رکھا گیا ہے۔ یہ بات کہ انجیل یا توریت کی تعلیم کیوں اعتدال اور وسط پر واقع نہیں ہوئی اس سے خدا تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں آتا اور نہ اس تعلیم کو ہم خلافِ آئینِ حکمت کہہ سکتے ہیں کیونکہ حکمت کے معنی ہیں وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ مَحَلِّہٖ۔ اس وقت کی حکمت کا تقاضا ایسی ہی تعلیم تھی۔ جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ سزا کے وقت سزا دینا بھی حکمت ہے اور عفو کے وقت عفو ہی حکمت ہے۔ اسی طرح پر اس وقت طبائع کی حالت کچھ ایسی ہی واقع ہوئی تھی کہ تعلیم کو ایک پہلو پر رکھنا پڑا۔ بنی اسرائیل چار سَو برس تک فرعون کی غلامی میں رہے تھے اور اس وجہ سے ان لوگوں کے عادات اور رسوم کا اُن پر بہت بڑا اثر پڑا ہوا تھا اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کے اطوار و عادات اور آئینِ ملک داری کا اثر رعایا پر پڑتا ہے بلکہ اُن کے مذہب تک پر اثر جا پڑتا ہے اِسی لئے کہا گیا ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ چنانچہ سکھوں کے زمانہ میں عام لوگوں پر بھی یہ اثر پڑا تھا کہ عموماً لوگ ڈاکہ زن اور دھاڑوی ہو گئے تھے۔ ہری سنگھ وغیرہ براتیں ہی لوٹ لیا کرتے

تھے۔ اسی طرح پر فرعونیوں کی غلامی میں رہ کر بنی اسرائیل عدل کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اُن پر جو ہمیشہ ظلم ہوتا تھا وہ بھی اعتداء اور ظلم کر بیٹھے تھے۔ پس اُن کی اصلاح کے لئے تو پہلا مرحلہ یہی چاہیئے تھا کہ اُن کو عدل کی تعلیم سکھائی جاتی اِس لئے یہ تعلیم اُن کو دی گئی کہ آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت۔ اِس تعلیم پر وہ اِس قدر پختہ ہو گئے کہ پھر انہوں نے انتقام لینا ہی شریعت کی جان سمجھ لیا اور یہ مذہب ہو گیا کہ اگر بدلہ نہ لیں گے تو گنہگار ٹھہریں گے۔ اِس واسطے جب حضرت مسیح علیہ السلام آئے اور انہوں نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی حالت ایسی ہو گئی ہے تو انہوں نے حد درجہ کے عفو کی تعلیم دی، کیونکہ جس قدر زور کے ساتھ وہ انتقام پر قائم ہو چکے تھے اگر اس سے بڑھ کر عفو کی تعلیم نہ دی جاتی تو وہ موثر ثابت نہ ہوتی، اِس لئے ان کی تعلیم کا سارا مدار اسی پر رہا۔ پس اُن اسباب اور وجوہ کے لحاظ سے یہ دونوں تعلیمیں اگرچہ اپنی جگہ ہی حکمت ہیں لیکن ان کو قانون مختص المقام یا قانون مختص الوقت کی طرح سمجھنا چاہیئے۔

قرآن شریف مستقل اور ابدی شریعت

ابدی اور دائمی قانون ـــــــ خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض مستقل اور دائمی ہوتے ہیں بعض آنی اور وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے صادر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اپنی جگہ اُن میں بھی ایک استقلال ہوتا ہے مگر وہ آنی ہی ہوتے ہیں۔ مثلاً سفر کے لئے نماز یا روزہ کے متعلق اَور احکام ہوتے ہیں اور حالتِ قیام میں اَور۔ باہر جب عورت نکلتی ہے تو وہ بُرقع لے کر نکلتی ہے گھر میں ایسی ضرورت نہیں ہوتی کہ بُرقع لے کر پھرتی رہے۔ اسی طرح پر توریت اور انجیل کے احکام آنی اور وقتی ضرورتوں کے موافق تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت اور کتاب لے کر آئے تھے وہ کتاب مستقل اور ابدی شریعت ہے اِس لئے اِس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ کامل اور مکمل ہے۔ قرآن شریف قانونِ مستقل ہے اور توریت، انجیل اگر قرآن شریف نہ بھی آتا تب بھی منسوخ ہو جاتیں کیونکہ وہ مستقل اور ابدی قانون نہ تھے۔

مَیں نے بعض احمقوں کو اعتراض کرتے سُنا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا۔ خدا تعالیٰ نے پہلی کتابوں کو کیوں منسوخ کیا۔ کیا اس کو علم نہ تھا پہلے ہی مکمل اور مستقل ابدی شریعت بھیجی تھی۔ یہ اعتراض بالکل نادانی کا اعتراض ہے۔ کیونکہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں ہے کہ ہر نسخ کے لئے ضروری ہے کہ علم نہ ہو۔ اگر یہ صحیح ہے کہ ہر نسخ میں عدم علم ثابت ہوتا ہے تو پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ جو کپڑے برس یا دو برس کے بچے کو پہنائے جاتے ہیں کیوں وہی کپڑے پانچ، دس یا پچیس برس کے ایک جوان کو نہیں پہنائے

جاتے ؟ کیا ہو سکتا ہے کہ گز آدھ گز کا کُرتہ ایک نوجوان کو پہنایا جاوے ؟ یقیناً کوئی سلیم الطبع انسان اس بات کو پسند نہیں کرے گا بلکہ وہ ایسی حرکت پر ہنسی اُڑائے گا۔ اب اس مثال سے کیسی صفائی کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہرگز ضروری نہیں ہے کہ ہر نسخ کے لئے عدم علم ثابت ہو۔ جب ہم بجائے خود معرض تغیر میں ہیں تو ہماری ضرورتیں اس تغیر کے ساتھ ساتھ بدلتی جاتی ہیں۔ پھر ان تبدیلیوں کے موافق جو نسخ ہوتا ہے وہ ایک علم اور حکمت کی بناء پر ہوا یا عدم علم پر۔ یہ اعتراض سراسر جہالت اور حُمق کا نشان ہے جیسے پیدا ہونے والے بچے کے منہ میں روٹی کا ٹکڑہ یا گوشت کی بوٹی نہیں دے سکتے اسی طرح پر ابتدائی حالت میں شریعت کے وہ اسرار نہیں مل سکتے جو اس کے کمال پر ظاہر ہوتے ہیں۔ طبیب ایک وقت خود مسہل دیتا ہے اور دوسرے وقت جبکہ اسہال کا مرض ہو اس کو قابض دوا دیتا ہے۔ ہر حالت میں ایک ہی نسخہ وہ کیسے رکھ سکتا ہے۔

غرض قرآن شریف حکمت ہے اور مستقل شریعت ہے اور ساری تعلیموں کا مخزن ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کا پہلا معجزہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے اور پھر دوسرا معجزہ قرآن شریف کا اس کی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں، چنانچہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ تحریم اور سورۂ نور میں کتنی بڑی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں۔ رسول اللہ علیہ وسلم کی مکّی زندگی ساری پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان پر اگر ایک دانشمند آدمی خدا سے خوف کھا کر غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کس قدر غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی ہیں۔ کیا اُس وقت جبکہ ساری قوم آپ کی مخالف تھی اور کوئی ہمدرد اور رفیق نہ تھا یہ کہنا کہ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر: ۴۶) چھوٹی بات ہو سکتی تھی۔ اسباب کے لحاظ سے تو ایسا فتویٰ دیا جاتا تھا کہ ان کا خاتمہ ہو جاوے گا مگر آپ ایسی حالت میں اپنی کامیابی اور دشمنوں کی ذلت اور نامرادی کی پیشگوئیاں کر رہے ہیں اور آخر اسی طرح وقوع میں آتا ہے۔ پھر تیرہ سو سال کے بعد قائم ہونے والے سلسلہ کی اور اُس وقت کے آثار و علامات کی پیشگوئیاں کیسی عظیم الشان اور لاانظیر ہیں۔ دُنیا کی کسی کتاب کی پیشگوئیوں کو پیش کر دیا۔ کیا مسیح کی پیشگوئیاں ان کا مقابلہ کر سکتی ہیں جہاں صرف اتنا ہی ہے کہ زلزلے آئیں گے، قحط پڑیں گے، آندھیاں آئیں گی، مُرغ بانگ دے گا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اِس قسم کی معمولی باتیں تو ہر ایک شخص کہہ سکتا ہے اور یہ حوادثات ہمیشہ ہی ہوتے رہتے ہیں پھر اس میں غیب گوئی کی قوت کہاں سے ثابت ہو۔ اس کے مقابلہ میں قرآن شریف کی پیشگوئی دیکھو۔

جلیل القدر پیشگوئی

الٓمّٓ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ۔ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ۔ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ یَوْمَىِٕذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ (الروم: ۲تا۵)

مَیں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔ رُومی اپنی سرحد میں اہلِ فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں اور بہت

ہی جلد چند سال میں یقیناً غالب ہونے والے ہیں۔ پہلے اور آئندہ آنے والے واقعات کا علم اور اُن کے اسباب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں جس دن رُومی غالب ہوں گے۔ وہی دن ہوگا، جب مومن بھی خوشی کریں گے۔

اب غور کر کے دیکھو کہ یہ کیسی حیرت انگیز اور جلیل القدر پیشگوئی ہے۔ ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کی گئی جب مسلمانوں کی کمزور اور ضعیف حالت خود خطرہ میں تھی۔ نہ کوئی سامان تھا نہ طاقت تھی۔ ایسی حالت میں مخالف کہتے تھے کہ یہ گروہ بہت جلد نیست و نابود ہو جائے گا۔ مدت کی قید بھی اس میں لگادی اور پھر یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ کہہ کر دُوہری پیشگوئی بنادی یعنی جس روز رُومی فارسیوں پر غالب آئیں گے۔ اسی دن مسلمان بھی بامُراد ہو کر خوش ہوں گے، چنانچہ جس طرح یہ پیشگوئی کی تھی، اسی طرح بدر کے روز یہ پوری ہوگئی۔ اِدھر رُومی غالب ہوئے اور اُدھر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اسی طرح سُورۃ یُوسف میں اٰیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ کہہ کر اس سارے قصّہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے بطور پیش گوئی بیان فرمایا ہے۔

غرض جہاں تک دیکھا جاوے قرآن شریف کی پیشگوئیاں بڑے اعلیٰ درجہ پر واقع ہوئی ہیں۔ اور کوئی کتاب اس رنگ میں ان پیشگوئیوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ یہ پیشگوئیاں یہی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں پُوری ہوگئی تھیں، بلکہ ان کا سلسلہ برابر جاری ہے، چنانچہ بہت سی پیشگوئیاں تھیں جو اب پُوری ہو رہی ہیں اور بہت ابھی باقی ہیں، جو آئندہ پُوری ہوں گی۔

منجملہ ان پیشگوئیوں کے جو اس وقت پوری ہو رہی ہیں۔ اس سلسلہ کی پیشگوئی ہے جو قرآن شریف کے اوّل سے شروع ہو کر آخر تک چلی گئی ہے، چنانچہ سُورۃ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کہہ کر مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی اور پھر اس سُورۃ میں مغضوب اور ضالین دو گروہوں کا ذکر کر کے یہ بھی بتادیا کہ جب مسیح موعود آئے گا، تو اس وقت ایک قوم مخالفت کرنے والی ہوگی۔ جو مغضوب قوم یہودیوں کے نقش قدم پر چلے گی۔ اور ضالین میں یہ اشارہ کیا کہ قتلِ دجّال اور کسرِ صلیب کے لیے آئے گا، کیونکہ مغضوب سے یہود اور ضالین سے نصاریٰ بالاتفاق مراد ہیں اور آخر قرآن شریف میں بھی شیطان کا ذکر کیا۔ جو اصل دجّال ہے اور ایسا ہی سُورۃ نُور کی آیت استخلاف میں مسیح موعود یا خاتم الخلفاء کی پیشگوئی کی اور اسی طرح سُورۃ تحریم میں صراحت کے ساتھ ظاہر کیا۔ کہ اس امت میں بھی ایک مسیح آنے والا ہے، کیونکہ جب مومنوں کی مثال مریم کی سی ہے، تو اس امت میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہو۔ جو مریم صفت ہو اور مریم میں نفخ رُوح ہو کر مسیح پیدا ہو، تو اس مومن میں جب نفخ رُوح ہوگا، تو وہ خود ہی مسیح ہوگا۔[1]

ان پیشگوئیوں کا ظہور جو اس سلسلہ کی صورت میں ہوا ہے تو کیا یہ چھوٹی سی بات ہے۔ یہ سلسلہ بہت

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۶ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۳۰ را پریل ۱۹۰۳ء

بڑی پیشگوئی کا پُورا ہونا ہے، جو تیرہ سو سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر جاری ہوئی۔ اس قدر مدت دراز پہلے خبر دینا یہ قیافہ شناسی اور اٹکل بازی نہیں ہو سکتی اور پھر یہ پیشگوئی اکیلی نہیں ہیں، بلکہ اس کے ساتھ ہزاروں وہ آیات و نشانات ہیں جو اس وقت کے لیے پہلے سے بتا دیئے گئے تھے اور ان سب کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے خود یہاں ہزاروں نشانات کا سلسلہ جاری کر دیا ؛ چنانچہ کئی سو پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں۔ جو قبل از وقت ملک میں شائع کی گئیں اور پھر وہ اپنے وقت پر پوری ہوئی ہیں۔ جن کو ہمارے مخالف بھی جانتے ہیں۔ اب کیا قرآن کریم کا معجزہ اس کی پاک تعلیم کا نتیجہ اور اثر ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوّتِ قدسی اور تاثیر انفاس کے ثمرات نہیں ماننا پڑے گا کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی طفیل ہے، کیونکہ یہ مسلّم بات ہے۔

خارقے کز ولی مسموع است
معجزہ آں نبی متبوع است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خوارق اور معجزات

اس لیے جس قدر یہ نشانات اور آیات یہاں ظاہر ہو رہی ہیں۔ یہ درحقیقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے خوارق اور معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف ہی کی پیشگوئیاں ہیں، کیونکہ آپ ہی کی اتباع اور قرآن شریف ہی کی تعلیم کے ثمرات ہیں۔ اور اس وقت کوئی اور مذہب ایسا نہیں ہے جس کا پیرو اور متبع یہ دعویٰ کر سکتا ہو کہ وُہ پیشگوئیاں کر سکتا ہے یا اس سے خوارق کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لیے اس پہلو سے قرآن شریف کا معجزہ تمام کتابوں کے اعجاز سے بڑھا ہوا ہے۔

پھر ایک اور پہلو فصاحت بلاغت ایسی اعلیٰ درجہ کی اور مسلم ہے کہ انصاف پسند دشمنوں کو بھی اسے ماننا پڑا ہے۔ قرآن شریف نے فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (البقرہ : ۲۴) کا دعوےٰ کیا۔ لیکن آج تک کسی سے ممکن نہیں ہوا۔ کہ اس کی مثل لا سکے۔ عرب جو بڑے فصیح و بلیغ بولنے والے تھے اور خاص موقعوں پر بڑے بڑے مجمع کرتے اور ان میں اپنے قصائد سناتے تھے۔ وہ بھی اس کے مقابلہ میں عاجز ہو گئے۔

اور پھر قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت ایسی نہیں ہے کہ اس میں صرف الفاظ کا تتبع کیا جاوے اور معانی اور مطالب کی پرواہ نہ کی جاوے، بلکہ جیسا اعلیٰ درجہ کے الفاظ ایک عجیب ترتیب کے ساتھ رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح پر حقائق اور معارف کو اُن میں بیان کیا گیا ہے اور یہ رعایت انسان کا کام نہیں کہ وہ حقائق اور معارف کو بیان کرے اور فصاحت و بلاغت کے مراتب کو بھی ملحوظ رکھے۔

ایک جگہ فرماتا ہے۔ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینہ : ۳، ۴) یعنی اُن پر ایسے صحائف پڑھتا ہے کہ جن میں حقائق و معارف ہیں۔ انشاء والے جانتے ہیں کہ انشاء پردازی میں پاکیزہ تعلیم اور اخلاق

فاصلہ کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل ہے اور پھر ایسی موثر اور جاذب تعلیم دینا جو صفاتِ رذیلہ کو دُور کر کے بھی دکھا دے اور اُن کی جگہ اعلیٰ درجہ کی خوبیاں پیدا کر دے۔ عربوں کی جو حالت تھی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ سارے عیبوں اور بُرائیوں کا مجموعہ بنے ہوئے تھے اور صدیوں سے ان کی یہ حالت بگڑی ہوئی تھی۔ مگر کس قدر آپ کے فیوضات اور برکات میں قوت تھی کہ تئیس برس کے اندر کل مُلک کی کایا پلٹ دی۔ یہ تعلیم ہی کا اثر تھا۔

ایک چھوٹی سے چھوٹی سُورۃ بھی اگر قرآن شریف کی لے کر دیکھی جاوے تو معلوم ہوگا کہ اس میں فصاحت و بلاغت کے مراتب کے علاوہ تعلیم کی ذاتی خوبیوں اور کمالات کو اس میں بھر دیا ہے۔ سُورۃ اخلاص ہی کو دیکھو کہ توحید کے کُل مراتب کو بیان فرمایا ہے اور ہر قسم کے شرکوں کا رد کر دیا ہے۔ اسی طرح سُورۃ فاتحہ کو دیکھو کہ کس قدر اعجاز ہے۔ چھوٹی سی سُورۃ جس کی سات آیتیں ہیں، لیکن دراصل سارے قرآن شریف کا فن اور خلاصہ اور فہرست ہے۔ اور پھر اس میں خدا تعالیٰ کی ہستی، اس کے صفات۔ دُعا کی ضرورت، اس کی قبولیت کے اسباب اور ذرائع، مفید اور سُود مند دُعاؤں کا طریق نقصان رساں راہوں سے بچنے کی ہدایت سکھلاتی ہے، وہاں دُنیا کے کل مذاہبِ باطلہ کا رد اس میں موجود ہے۔

اکثر کتابوں اور اہلِ مذہب کو دیکھو گے کہ وُہ دُوسرے مذہب کی برائیاں اور نقص بیان کرتے ہیں۔ اور دوسری تعلیموں پر نکتہ چینی کرتے ہیں، مگر ان نکتہ چینیوں کو پیش کرتے ہوئے یہ کوئی اہلِ مذہب نہیں کرتا کہ اس کے بالمقابل کوئی عُمدہ تعلیم بھی پیش کرے اور دکھائے کہ اگر مَیں فلاں بُری بات سے بچانا چاہتا ہوں، تو اس کی بجائے یہ اچھی تعلیم دیتا ہوں۔ یہ کسی مذہب میں نہیں، یہ فخر قرآن شریف ہی کو ہے کہ جہاں وہ دُوسرے مذاہب باطلہ کا رد کرتا ہے اور اُن کی غلط تعلیموں کو کھولتا ہے وہاں اصلی اور حقیقی تعلیم بھی پیش کرتا ہے جس کا نمونہ اس سُورۃ فاتحہ میں دکھایا ہے کہ ایک ایک لفظ میں مذاہبِ باطلہ کی تردید کر دی ہے۔

سُورۃ فاتحہ میں حسن و احسان کا کمال

مثلاً فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ساری تعریفیں خواہ وہ کسی قسم کی ہوں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سزاوار ہیں۔ اب اس لفظ کو کہہ کر یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف جس خدا کو منوانا چاہتا ہے، وہ تمام نقائص سے منزہ اور تمام صفاتِ کاملہ سے موصوف ہے، کیونکہ اللہ کا لفظ اسی ہستی پر بولا جاتا ہے جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں۔ اور کمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ یا بلحاظ حُسن کے یا بلحاظ احسان کے۔ پس وہ دونوں قسم کے کمال اس لفظ میں پائے جاتے ہیں۔ دُوسری قوموں نے جو لفظ خدا تعالیٰ کے لیے تجویز کیے ہیں، وہ ایسے جامع نہیں ہیں۔ اور یہی لفظ اللہ کا دوسرے باطل مذاہب کے معبودوں کی ہستی اور ان کی صفات کے مسئلہ کی پوری تردید کرتا ہے۔ مثلاً عیسائیوں کو لو۔ وُہ جس کو اللہ مانتے ہیں، وُہ ایک عاجز ضعیف عورت کا بچہ ہے۔ جس کا نام یسوع ہے۔ جو معمولی بچوں کی طرح دُکھ درد کے ساتھ ماں کے پیٹ سے نکلا اور عوارض میں مبتلا رہا۔ بھوک پیاس کی تکلیف سے بے چین رہا اور سخت تکلیفیں اور دُکھ اسے اٹھانے پڑے۔

جس قدر ضعف اور کمزوریوں کے عوارض ہوتے ہیں، اُن کا شکار رہا۔ آخر یہودیوں کے ہاتھوں سے پٹتا گیا اور انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔

اب اس صورت کو جو یسوع کی (عیسائیوں نے جس کو خدا بنا رکھا ہے) انجیل سے ظاہر ہوتی ہے، کسی دانشمند کے سامنے پیش کرو۔ کیا وہ کہہ دے گا کہ بے شک اس میں تمام صفاتِ کاملہ پائی جاتی ہیں اور کوئی نقص اس میں نہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ انسانی کمزوریوں اور نقصوں کا پہلا اور کامل نمونہ اُسے ماننا پڑے گا، تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنے والا کب ایسے کمزور مصلوب ملعون کو خدا مان سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن عیسائیوں کے بالمقابل ایسے خدا کی طرف بلاتا ہے، جس میں کوئی نقص ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر آریہ مذہب کو دیکھو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا پرمیشر وُہ ہے جس نے ذراتِ عالم اور ارواحِ عالم کو بنایا ہی نہیں بلکہ جیسے وُہ ازلی ابدی ہے، ویسے ہی ہمارے ذراتِ جسم وغیرہ بھی خدا کے بالمقابل اپنی ایک مستقل ہستی رکھنے والی چیزیں ہیں جو اپنے قیام اور بقاء کے لیے اُس کی محتاج نہیں ہیں، بلکہ ایک طرح وہ اپنی خدائی چلانے کے واسطے اُن چیزوں کا محتاج ہے۔ وُہ کسی چیز کا خالق نہیں۔ اور پھر اس بات کا سمجھ لینا بھی کچھ مشکل نہیں کہ جو خالق نہیں، وُہ مالک کیسے ہو سکتا ہے اور ایسا ہی اُن کا اعتقاد ہے کہ وُہ رازق، کریم وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے۔ اس کے کرموں کا پھل ملتا ہے۔ اس سے زائد اُسے کچھ مل سکتا ہی نہیں۔

اب بتاؤ! اس قدر نقص جس خدا میں پیش کیے جاویں، عقلِ سلیم کب اُسے تسلیم کرنے کے لیے رضامند ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جس قدر مذاہبِ باطلہ دُنیا میں موجود ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کا جُملہ خدا تعالیٰ کے متعلق اُن کے کل غلط اور بے ہُودہ خیالات و معتقدات کی تردید کرتا ہے۔

فیضِ ربوبیت

پھر اس کے بعد رَبُّ الْعَالَمِیْن کا لفظ ہے۔ جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ وُہ ذات جمیع صفاتِ کاملہ ہے۔ جو تمام نقائص سے منزّہ ہو اور حُسن و احسان کے اعلیٰ نکتہ پر پہنچا ہوا ہو تاکہ اس بے مثل و مانند ذات کی طرف لوگ کھینچے جائیں۔ اور رُوح کے جوش اور کشش سے اس کی عبادت کریں۔ اس لیے پہلی خُوبی احسان کی صفت رَبُّ الْعَالَمِیْن کے اظہار سے ظاہر فرمائی ہے۔ جس کے ذریعہ سے کل مخلوق فیضِ ربوبیت سے فائدہ اٹھا رہی ہے، مگر اُس کے بالمقابل باقی سب مذہبوں نے جو اس وقت موجود ہیں۔ اس صفت کا بھی انکار کیا ہے۔ مثلاً آریہ جیسا ابھی بیان کیا ہے۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ مل رہا ہے وہ سب اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور خدا کی ربوبیت سے وہ ہرگز بہرہ ور نہیں ہے، کیونکہ جب وہ اپنی رُوحوں کا خالق ہی خُدا کو نہیں مانتے اور ان کو اپنے بقاء و قیام میں بالکل غیر محتاج سمجھتے ہیں، تو پھر اس صفتِ ربوبیت کا بھی انکار کرنا پڑا۔

ایسا ہی عیسائی بھی اس صفت کے منکر ہیں۔ کیونکہ وہ مسیح کو اپنا رب سمجھتے ہیں۔ اور ربنا المسیح ربنا المسیح کہتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو جمیع مافی العالم کا رب نہیں مانتے، بلکہ مسیح کو اس کے فیضِ ربوبیت سے باہر قرار دیتے ہیں اور خود ہی اس کو رب مانتے ہیں۔ اسی طرح پر عام ہندو بھی اس صداقت سے منکر ہیں، کیونکہ وہ تو ہر ایک چیز اور دوسری چیزوں کو رب مانتے ہیں۔

برہم سماج والے بھی ربوبیت تامہ کے منکر ہیں۔ کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا نے جو کچھ کرنا تھا وہ سب یکبار کر دیا اور یہ تمام عالم اور اس کی قوتیں جو ایک دفعہ پیدا ہو چکی ہیں۔ مستقل طور پر اپنے کام میں لگی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور نہ کوئی ان میں تغیر و تبدل واقع ہو سکتا ہے۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ اب معطل محض ہے۔ غرض جہاں تک مختلف مذاہب کو دیکھا جاوے اور ان کے اعتقادات کی پڑتال کی جاوے، تو صاف طور پر معلوم ہو جاوے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رب العالمین ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ یہ خوبی جو اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے اور جس کا مشاہدہ ہر آن ہو رہا ہے، صرف اسلام ہی بتاتا ہے اور اس طرح پر اسی ایک لفظ کے ساتھ ان تمام غلط اور بے ہودہ اعتقادات کی بیخ کنی کرتا ہے۔ جو اس صفت کے خلاف دوسرے مذاہب والوں نے خود بنا لیے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ کی صفت الرحمٰن بیان کی ہے اور اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ انسان کی فطری خواہشوں کو اس کی دعا یا التجا کے بغیر اور بدوں کسی عمل عامل کے عطا کرتا ہے۔ مثلاً جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے قیام و بقاء کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ پیدا پیچھے ہوتا ہے، لیکن ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے آجاتا ہے۔ آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، پانی، ہوا وغیرہ وغیرہ یہ تمام اشیاء جو اس نے انسان کے لیے بنائی ہیں۔ یہ اس کی صفت رحمانیت ہی کے تقاضے ہیں، لیکن دوسرے مذہب والے یہ نہیں مانتے کہ وہ بلا مبادلہ بھی فضل کر سکتا ہے۔ آریہ تو سرے سے اس مسئلہ کو مانتے ہی نہیں جبکہ رب العالمین کے معنی بیان کرتے وقت بتایا ہے۔ عیسائیوں نے بھی کفارہ کا مسئلہ درست کرنے کے لیے یہی اعتقاد کر رکھا ہے کہ وہ بلا مبادلہ رحم نہیں کرسکتا، مگر آریوں سے تو یہ پوچھنا چاہیے کہ یہ زمین، چاند، سورج، ہوا، پانی جو موجود ہے، کن گذشتہ کرموں کا پھل ہے؟[1]

صفتِ رحیمیت

پھر اللہ تعالیٰ کی صفت رحیم بیان کی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے، جس کا تقاضا ہے کہ محنت اور کوشش کو ضائع نہیں کرتا، بلکہ ان

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۱۰ مئی ۱۹۰۳ء

پر ثمرات اور نتائج مترتّب کرتا ہے۔ اگر انسان کو یہ یقین ہی نہ ہو کہ اُس کی محنت اور کوشش کوئی پھل لاوے گی، تو پھر وُہ سُست اور نکما ہو جاوے گا۔ یہ صفت انسان کی امیدوں کو وسیع کرتی اور نیکیوں کے کرنے کی طرف جوش سے لے جاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ رحیم قرآن شریف کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ اُس وقت کہلاتا ہے جبکہ لوگوں کی دُعا، تضرع اور اعمالِ صالحہ کو قبول فرما کر آفات اور بلاؤں اور تضیع اعمال سے اُن کو محفوظ رکھتا ہے۔ رحمانیت تو بالکل عام تھی، لیکن رحیمیت خاص انسانوں سے تعلق رکھتی ہے اور دُوسری مخلوق میں دُعا، تضرع اور اعمالِ صالحہ کا ملکہ اور قوت نہیں۔ یہ انسان ہی کو ملا ہے۔

صفتِ رحمانیّت

رحمانیت اور رحیمیت میں یہی فرق ہے کہ رحمانیت دُعا کو نہیں چاہتی، مگر رحیمیت دُعا کو چاہتی ہے اور یہ انسان کے لیے ایک خلعتِ خاصّہ ہے اور اگر انسان انسان ہو کر اس صفت سے فائدہ نہ اُٹھاوے تو گویا ایسا انسان حیوانات بلکہ جمادات کے برابر ہے۔ یہ صفت بھی تمام مذاہبِ باطلہ کے ردّ کے لیے کافی ہے، کیونکہ بعض مذاہب اباحت کی طرف مائل ہیں اور وہ مانتے ہیں کہ دُنیا میں ترقیات نہیں ہوتی ہیں۔ آریہ جبکہ اس صفت کے فیضان سے منکر ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کا کب قائل ہو سکتا ہے۔ سید احمد خاں مرحوم نے بھی دُعا کا انکار کیا ہے اور اس طرح پر وُہ فیض جو دُعا کے ذریعہ انسان کو ملتا ہے۔ اس سے محروم رکھا ہے۔

صفتِ مالکیت یوم الدین

پھر اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ بیان کی ہے۔ جو لوگ قیامت کے مُنکر ہیں۔ اس میں اُن کا ردّ موجود ہے۔ اس کی تفصیل قرآن شریف میں بہت جگہ آئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اس صفت اور رحیمیت میں فرق یہ ہے کہ رحیمیت میں دُعا اور عبادت کے ذریعہ کامیابی کی راہ پیدا ہوتی اور ایک حق ہوتا ہے، مگر مالکیت یوم الدین وہ حق اور ثمرہ عطا کرتی ہے۔

اور فقرہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ تمام باطل معبُودوں کی تردید کرتا ہے اور مُشرکین کا ردّ اس میں موجود ہے۔ کیونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کو بیان فرمایا ہے۔ اس سے مخاطب کر کے کہا گیا ہے کہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ (الفاتحہ: ۵) یعنی صفاتِ کاملہ والے خدا! جو رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رَحْمٰن۔ رَحِیْم۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ہے، تیری ہی عبادت ہم کرتے ہیں۔ یہ ہر چہار صفات جو اُمّ الصفات کہلاتی ہیں۔ معبودانِ باطلہ میں کہاں پائی جاتی ہیں۔ جو لوگ پتھروں یا درختوں یا حیوانات اور اور چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ اُن میں اِن صفات کو ثابت نہیں کر سکتے۔

• • •

خدا تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا دروازہ اب بھی کھلا ہے

اسی طرح اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں اُن لوگوں کا ردّ ہے، جو دُعا اور اس کی قبولیت کے منکر ہیں۔ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ، صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ میں آجکل کے مولویوں کا ردّ ہے جو یہ مانتے ہیں کہ سب رُوحانی فیوض اور برکات ختم ہو گئے ہیں اور کسی کی محنت اور مجاہدہ کوئی مفید نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا اور اُن برکات اور ثمرات سے حصّہ نہیں ملتا جو پہلے منعم علیہ گروہ کو ملتا ہے۔

یہ لوگ قرآن شریف کے فیوض کو اب گویا بے اثر مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیراتِ قدسی کے قائل نہیں، کیونکہ اگر اب ایک بھی آدمی اس قسم کا نہیں ہو سکتا۔ جو منعم علیہ گروہ کے رنگ میں رنگین ہو سکے تو پھر اس دعا کے مانگنے سے فائدہ کیا ہوا۔ مگر نہیں۔ یہ ان لوگوں کی غلطی اور سخت غلطی ہے جو ایسا یقین کر بیٹھے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے فیوض اور برکات کا دروازہ اب بھی اُسی طرح کھُلا ہے، لیکن وہ سارے فیوض اور برکات محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ملتے ہیں اور اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر یہ دعویٰ کرے کہ وُہ رُوحانی برکات اور سماوی انوار سے حصّہ پاتا ہے، تو ایسا شخص جھوٹا اور کذّاب ہے۔

سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی چند عبارتیں ایسی تھیں، جو قرآن کے رنگ کی تھیں، مولوی عبدالحی صاحب جنھوں نے اتباعِ سُنت کیا ہے اور مجھے اُن سے بہت محبت ہے۔ ان کا مذہب توحید کا تھا۔ وہ بدعات اور محدثات سے جُدا رہتے تھے۔ وہ اُن عبارتوں کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر یہ قرآن کے موافق ہیں تو اس کا کیا جواب دیں ہاتو فرماتے ہیں کہ ولیوں کے کرامات اور خوارق انبیاء علیہم السّلام کے معجزات کی ہی طرح ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ قرآن ہی کا معجزہ ہے۔ اصل یہی ہے کہ کاملِ اتباعِ سنت کے بعد جو خوارق ملتے ہیں وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے خوارق ہیں۔ اور اگر اب ان خوارق اور معجزات کا دروازہ بند ہوگیا ہے تو پھر معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بھاری ہتک ہوگی۔

یہ جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو فرمایا اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر ۱ :) یہ اس وقت کی بات ہے کہ ایک کافر نے کہا کہ آپؐ کی اولاد نہیں ہے۔ معلوم نہیں اُس نے اَبتر کا لفظ بولا تھا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر ۲ :) تیرا دشمن ہی بے اولاد رہے گا۔

رُوحانی طور پر جو لوگ آئیں گے، وہ آپؐ ہی کی اولاد سمجھے جائیں گے اور وہ آپؐ کے علوم و برکات کے وارث ہوں گے اور اس سے حصّہ پائیں گے۔ اس آیت کو مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب ۴۱ :) کے ساتھ ملا کر پڑھو، تو حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانی اولاد بھی نہیں تھی، تو پھر معاذ اللہ آپؐ اَبتر ٹھہرتے ہیں۔ جو آپؐ کے اَعداء کے لیے ہے۔ اور

اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو رُوحانی اولاد کثیر دی گئی ہے۔ پس اگر ہم یہ اعتقاد نہ رکھیں کہ کثرت کے ساتھ آپؐ کی رُوحانی اولاد ہوئی ہے، تو اس پیشگوئی کے بھی منکر ٹھہریں گے۔

اس لیے ہر حالت میں ایک سچے مسلمان کو یہ ماننا پڑے گا اور ماننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات قدسی ابدالآباد کے لیے ویسی ہی ہیں، جیسی تیرہ سو برس پہلے تھیں؛ چنانچہ ان تاثیرات کے ثبوت کے لیے ہی خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اب وہی آیات و برکات ظاہر ہو رہے ہیں جو اُس وقت ہو رہے تھے۔

سچی بات یہی ہے کہ اگر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ نہ ہوتا، تو سالک جو اپنے نفس کی تکمیل چاہتے ہیں مر ہی جاتے۔ لاہور میں ایک مولوی عبدالحکیم صاحب سے مباحثہ ہوا تھا تو ہم نے اس کو یہی پیش کیا تھا کہ تم خدا تعالیٰ کے مکالمات سے کیوں ناراض ہوتے ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تو مُحدَّث تھے، تو اس نے صاف طور پر انکار کیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرضی طور پر کہا تھا۔ حضرت عمرؓ بھی محدث نہ تھے۔ یہ محال ہے کہ آئندہ کسی کو الہام ہو۔ ان کو اس پر بالکل ایمان نہیں ہے۔ وہ مکالمات کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کیے بیٹھے ہیں اور خدا تعالیٰ کو اُنھوں نے گونگا خدا مان لیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن شریف میں جو یہ آیا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (یونس : ۶۵) اس کا اُن کے نزدیک کیا مطلب ہے۔ اور جب ملائکہ ایسے مومنوں پر نازل ہوتے ہیں اور اُن کو بشارتیں دیتے ہیں، تو وہ بشارتیں کس کی طرف سے دیتے ہیں۔ اس اعتقاد پر پھر قرآن شریف کا اُن کو انکار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ سارا قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ خدا تعالیٰ کے مکالمہ کا شرف عطا ہوتا ہے۔ اگر یہ شرف ہی کسی کو نہیں ملتا۔ تو پھر قرآن شریف کی تاثیرات کا ثبوت کہاں سے ہوگا۔ اگر آفتاب دھندلا اور تاریک ہے تو اس کی روشنی پر کوئی کیا فخر کر سکے گا۔ اور کیا یہ کہہ کر فخر کرے گا کہ اس میں روشنی نہیں، بلکہ تاریکی ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کا فیضان

اس طرح پر قرآن شریف کی تاثیرات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کی برکات کے لیے یہ اعتقاد کرنا کہ وہ ایک وقتِ خاص پر ایک شخص خاص ہی کے لیے تھے۔ آئندہ کے لیے ان کا سلسلہ بند ہوگیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بے ادبی اور توہین ہے اور نہ صرف قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی بلکہ اللہ تعالیٰ کی پاک ذات پر اعتراض کرنا ہے۔

یاد رکھو کہ نبیوں کا وجود اس لیے دنیا میں نہیں آتا کہ وہ محض ریاکاری اور نمود کے طور پر ہو۔ اگر ان سے کوئی فیض جاری نہیں ہوتا اور مخلوق کو رُوحانی فائدہ نہیں پہنچتا۔ تو پھر یہی ماننا پڑے گا کہ وہ صرف نمائش کے لیے ہیں۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۹ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ مئی ۱۹۰۳ء

اور اُن کا عدم وجود معاذ اللہ برابر ہے، مگر ایسا نہیں ہے۔ وہ دُنیا کے لیے بہت سی برکات اور فیوض کے باعث بنتے ہیں۔ اور اُن سے خیر جاری ہوتی ہے جس طرح پر آفتاب سے ساری دُنیا فائدہ اٹھاتی ہے اور اس کا فائدہ کسی خاص حد تک جا کر بند نہیں ہوتا بلکہ جاری رہتا ہے۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کا آفتاب ہمیشہ چمکتا ہے اور سعادت مندوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) یعنی اُن کو کہہ دو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاؤ تو میری اطاعت کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا۔ آپ کی سچی اطاعت اور اتباع انسان کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے اور گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہوتی ہے۔

پس جبکہ آپ کی اتباعِ کامل اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ایک محبوب اپنے مُحب سے کلام نہ کرے۔ اگر یہ مانا جاوے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو باوجود محبوب بنانے کے پھر بھی اس سے کلام نہیں کرتا، تو یہ محبوب معاذ اللہ اَبکم ہے؛ حالانکہ اللہ تعالیٰ باطل معبودوں کے لیے یہ نقص ٹھہراتا ہے کہ وہ کلام نہیں کرتے۔ مگر ہم یہ ثابت کرنے کو تیار ہیں اور اسی غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کے آثار اور ثمرات ہر وقت پائے جاتے ہیں۔ اس وقت بھی وہ خدا جو ہمیشہ سے ناطق خدا ہے، اپنا لذیذ کلام دُنیا کی ہدایت کے لیے بھیجتا ہے اور قرآن شریف کے اعجاز کا ثبوت اس وقت بھی دے رہا ہے۔ یہ قرآن شریف ہی کا معجزہ ہے کہ جو ہم تحدی کر رہے ہیں کہ ہمارے بالمقابل قرآن شریف کے حقائق و معارف عربی زبان میں لکھو اور کسی کو یہ قدرت نہیں ہوتی کہ مقابلہ کے لیے نکل سکے۔ ہمارا مقابلہ دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ ہے، کیونکہ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة : ۴) جو فرمایا گیا ہے۔ اس وقت جو تعلیم الکتاب والحکمت ہو رہی ہے اور ایک قوم کو اس وقت بھی صحابہ کی طرح اللہ تعالیٰ بنانا چاہتا ہے۔ اس کی اصل غرض یہی ہے کہ تا قرآن شریف کا معجزہ ثابت ہو۔

قرآن مجید بے مثل معجزہ ہے

ماحصل یہ ہے کہ قرآن شریف ایسا معجزہ ہے کہ نہ وہ اوّل مثل ہوا اور نہ آخر کبھی ہوگا۔ اس کے فیوض و برکات کا در ہمیشہ جاری ہے۔ اور وہ ہر زمانہ میں اسی طرح نمایاں اور درخشاں ہے جیسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا۔ علاوہ اس کے یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر شخص کا کلام اس کی ہمت کے موافق ہوتا ہے۔ جس قدر اس کی ہمت اور عزم اور مقاصد عالی ہوں گے۔ اسی پایہ کا وہ کلام ہوگا اور وحی الٰہی میں بھی یہی رنگ ہوتا ہے۔ جس شخص کی طرف اس کی وحی آتی ہے۔ جس قدر ہمت بلند رکھنے والا وہ ہوگا اسی پایہ کا کلام اسے ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت و استعداد اور عزم کا دائرہ چونکہ بہت ہی وسیع تھا۔ اس لیے آپ کو جو کلام ملا وہ بھی اس پایہ اور رُتبہ کا ہے

کہ دُوسرا کوئی شخص اس ہمّت اور حوصلہ کا کبھی پیدا نہ ہوگا، کیونکہ آپ کی دعوت کسی محدود وقت یا مخصوص قوم کے لیے نہ تھی۔ جیسے آپؐ سے پہلے نبیوں کی ہوتی تھی، بلکہ آپ کے لیے فرمایا گیا۔ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۹) اور مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء: ۱۰۸) جس شخص کی بعثت اور رسالت کا دائرہ اس قدر وسیع ہو، اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ اس وقت اگر کسی کو قرآن شریف کی کوئی آیت بھی الہام ہو تو ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اس کے اس الہام میں اتنا دائرہ وسیع نہیں ہوگا جس قدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواب کی تعبیر میں معبّرین نے یہ اصُول رکھا ہے کہ وہ ہر شخص کی حیثیّت اور حالت کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی آدمی غریب ہے، تو اس کی خواب اس کی ہمّت اور مقاصد کے اندر ہوگی۔ امیر کی اپنے رنگ کی اور بادشاہ کی اپنے رُتبہ کی۔ کوئی غریب اگر مثلاً یہ دیکھے کہ اس کے سر میں خارش ہوتی ہے، تو اس سے یہ مراد ہونے سے رہی کہ اس کے سر پر تاجِ شاہی رکھا جاوے گا، بلکہ اس کے لیے تو یہی مراد ہوگی کہ وُہ کسی سے جُوتے کھائے گا۔ جیسے استعدادوں کے دائرے مختلف ہیں۔ اسی طرح پر کلامِ الٰہی کے دوائر بھی مختلف ہیں۔

علاوہ ازیں خدا تعالیٰ کے کلام میں اور بھی بہت سے پہلو بے مثل کے ہوتے ہیں۔ وہ اس پہلو سے بے مثل نہیں ہوتا جس پہلو سے ہم خیال کرتے ہیں، کیونکہ خدا تعالیٰ کا کلام بدُوں تدبّر کے وحی ہے، مگر ہمارا کلام بعض اوقات تدبّر کا نتیجہ ہوتا ہے اور ہم اس میں اصلاح بھی کر دیتے ہیں۔ ہر ایک چیز نسبتاً بے نظیری پیدا کرتی ہے۔ دو مُرغ ہوں تو ایک اس کے مقابلہ میں اور اس کی نسبت سے بے نظیر کہلا سکتا ہے، لیکن ہاتھی کے مقابلہ میں تو اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں قرار پا سکتی۔

اسی طرح پر کرامات کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے جیکہ رکھا ہوا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ کلام کا اعجاز نہ رکھا جاوے۔ جیسے ہر زمانہ میں کرامات ہوتی رہی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے اعجازی کلام کے ثبوت کے لیے کلام کا معجزہ بھی رکھا ہے۔ جیسے حضرت سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی وُہ چند سطریں معجزہ تھیں۔ اس زمانہ میں بھی قرآن شریف کے کلام کے اعجاز کے لیے کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح پر جیسے دُوسرے خوارق اور اور نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات اور خوارق کے ثبوت کے لیے دیئے گئے ہیں۔ جس جس قسم کے نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے تھے۔ اسی رنگ پر اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے نشانات کو رکھا ہے، کیونکہ یہ سلسلہ اس نقشِ قدم پر ہے اور دراصل وہی سلسلہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بروزی آمد کی پہلے ہی سے پیشگوئی ہو چکی تھی اور اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ (الجمعة: ۴) میں یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ پس جیسے آپ کو اس وقت کلام کا معجزہ اور نشان دیا گیا تھا۔ اور قرآن شریف جیسی لانظیر کتاب آپ کو ملی۔ اسی طرح پر اس رنگ میں آپؐ کی اس بروزی آمد میں بھی کلام کا نشان دیا گیا۔ دیکھو کس قدر تحدّی کے ساتھ غیرت دلانے والے الفاظ میں مقابلہ کے واسطے بُلایا

گیاہے۔ مگر کسی کو ہمت اور حوصلہ بھی نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے ان کی ہمتوں کو سلب کر لیا ہے۔ اور ان کے علوم اور قابلیتوں کو چھین لیا۔ باوجودیکہ یہ لوگ بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں اور اپنے علوم کی لاف زنیاں کرتے تھے، مگر اس مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے اُن سب کو ذلیل اور شرمندہ کیا۔

معجزہ شق القمر

دوسرا بڑا عظیم الشان معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شق القمر تھا اور شق القمر دراصل ایک قسم کا خسوف ہی تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے ہوا۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے کسوف وخسوف کا ایک نشان دکھایا اور یہ مسیح موعود اور مہدی کے لیے مخصوص تھا۔ اور ابتدائے دُنیا سے کبھی اس رنگ میں یہ نشان نہیں دکھایا گیا تھا۔ یہ صرف مسیح موعود ہی کے زمانہ کے لیے رکھا گیا تھا اور احادیث میں آیات مہدی میں سے اُسے قرار دیا گیا ہے۔ جس کی بابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ میرے ہی نام پر آئے گا۔ اس میں یہی نکتہ ہے کہ جو نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے تھے۔ اس رنگ کے نشان یہاں بھی دیئے جانے ضروری تھے، کیونکہ یہ آمد آپؐ ہی کی ہے۔

ضرورت اعجاز

غرض قرآن شریف بدوں غور وخوض بدوں محو و اثبات اپنے اندر زندگی کی رُوح رکھتا ہے اور بدُوں کسی نسبتی لحاظ یا مقابلہ کے وہ مستقل اعجاز ہے اور اس وقت جو اعجاز کلام دیا گیا ہے۔ یہ گویا اُس اعجاز کو اس طرح پر دکھایا گیا ہے۔ جیسے ایک عمارت کو ایک نقشہ کے رنگ میں دکھایا جاتا ہے اور ایک شیشہ کو دُوسرے شیشہ میں دکھایا جاوے۔ مسلمانوں کے لیے یہ امر کس قدر رنج کا موجب ہوتا۔ اگر یہ مان لیا جاتا کہ کوئی خوارق اور نشانات اُن کو نہیں دیئے گئے، کیونکہ پچھلے نشانات آئندہ آنے والے لوگوں کے لیے تو بطور کہانی کے ہو جاتے ہیں۔ سو انسانی فطرت تو تازہ بتازہ نشانات دیکھنا چاہتی ہے۔ مجھے ان خشک موحدوں پر افسوس ہی آتا ہے۔ جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اب خوارق کا کوئی نشان نہیں اور نہ ان کی ضرورت ہے خشک زندگی سے تو مرنا بہتر ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل کو بند کر دیا ہے۔ اور قفل لگا دیا ہے تو پھر اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی دُعا تعلیم کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو وہی بات ہوتی کہ ایک شخص کی مشکیں باندھ دی جاویں اور پھر اس کو ماریں کہ تو اب چل کر کیوں نہیں دکھاتا۔ بھلا وہ کس طرح چل سکتا ہے۔ فیوض و برکات کے دروازے تو خود بند کر دیئے اور پھر یہ بھی کہہ دیا کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ کی دُعا ہر روز ہر نماز میں کئی مرتبہ مانگا کرو۔ اگر قانونِ قدرت یہ رکھا تھا کہ آپؐ کے بعد معجزات اور برکات کا سلسلہ ختم کر دیا تھا اور کوئی فیض اور برکت کسی کو ملنا ہی نہیں تھا، تو پھر اس دُعا سے کیا مطلب۔

اگر اس دُعا کا کوئی اور نتیجہ نہیں تو پھر نصاریٰ کی تعلیم کے آثار اور نتائج اور اس تعلیم کے آثار اور نتائج میں کیا فرق ہوا۔ لکھا تو انجیل میں یہی ہے کہ میری پیروی سے تم پہاڑ کو بھی ہلا سکو گے مگر اب وہ جُوتی بھی سیدھی

نہیں کرسکتے۔ لکھا ہے کہ میرے جیسے معجزات دکھاؤ گے، مگر کوئی کچھ نہیں دکھا سکتا۔ لکھا ہے کہ زہر میں کھالو گے تو اثر نہ کریں گی، مگر اب سانپ ڈستے اور کتے کاٹتے ہیں۔ اور وہ ان زہروں سے ہلاک ہوتے ہیں اور کوئی نمونہ وہ دُعا کا نہیں دکھا سکتے۔ ان کا وہ نمونہ دُعا کی قبولیت کا نہ دکھا سکنا ایک سخت حربہ اور حجت ہے۔

عیسائی مذہب کے ابطال پر کہ اس میں زندگی کی رُوح اور تاثیر نہیں اور یہ ثبوت ہے اس امر کا کہ انھوں نے نبی کا طریق چھوڑ دیا۔

اب اگر ہم بھی اقرار کرلیں کہ اب نشانات اور خوارق نہیں ہوتے اور یہ دُعا جو سکھائی گئی ہے اس کا کوئی اثر اور نتیجہ نہیں، تو کیا اس کے معنی نہیں ہوں گے۔ کہ یہ اعمال معاذ اللہ بیفائدہ ہیں۔ نہیں۔ خدا تعالیٰ جو دانا اور حکمت والا ہے۔ وہ نبوت کی تاثیرات کو قائم رکھتا ہے اور اب بھی اس نے اس سلسلہ کو اسی لیے قائم کیا ہے۔ تا وہ اس امر کی سچائی پر گواہ ہو۔ قرآن شریف کے جس قدر اعجاز معارف معجز کلامی کے مَیں نے جمع کیے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان کو ظاہر کر رہا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے خوارق کا ثبوت ہو۔ یہی ایک ہتھیار اور حربہ ہے جو ہم کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور جس کے ساتھ ہم مذاہب باطلہ کے سحر کو توڑنا چاہتے ہیں۔ ہم قرآن شریف کو زندہ کلام ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اسے منتر بنانا نہیں چاہتے[1]

عالم آخرت کی حقیقت

جاننا چاہیے کہ عالم آخرت درحقیقت دُنیوی عالم کا ایک عکس ہے اور جو کچھ دنیا میں رُوحانی طور پر ایمان اور ایمان کے نتائج اور کفر اور کفر کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ عالمِ آخرت میں جسمانی طور پر ظاہر ہو جائیں گے۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) یعنی جو اس جہان میں اندھا ہے، وُہ اُس جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ ہمیں اس تمثیلی وجود سے کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے اور ذرا سوچنا چاہیے کہ کیونکر رُوحانی اُمور عالمِ رُویا میں متمثّل ہوکر نظر آ جاتے ہیں اور عالم کشف تو اس سے بھی عجیب تر ہے، کہ وجود عدم غیبت حس اور بیداری کے روحانی امور طرح طرح کے جسمانی اشکال میں انہیں آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ جیسا کہ بسا اوقات عین بیداری میں ان رُوحوں سے مُلاقات ہوتی ہے، جو اس دنیا سے گذر چکے ہیں اور وہ اس دنیوی زندگی کے طور پر اپنے اصلی جسم میں اسی دنیا کے کپڑوں میں سے ایک پوشاک پہنے ہوئے نظر آتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ اور بسا اوقات ان میں سے مقدس لوگ باذنہٖ تعالیٰ آئندہ کی خبریں دیتے ہیں اور وہ خبریں مطابق واقعہ نکلتی ہیں۔ بسا اوقات عین بیداری میں ایک شربت یا کسی قسم کا میوہ عالمِ کشف سے ہاتھ میں آتا ہے اور وہ کھانے میں نہایت لذیذ ہوتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۳۱ مئی ۱۹۰۲ء

اور ان سب اُمور میں یہ عاجز خود صاحبِ تجربہ ہے۔ کشف کی اعلیٰ قسموں میں سے یہ ایک قسم ہے کہ بالکل بیداری میں واقع ہوتی ہے اور یہاں تک اپنے ذاتی تجربہ سے دیکھا گیا ہے کہ ایک شیریں طعام یا کسی قسم کا میوہ یا شربت غیب سے نظر کے سامنے آ گیا ہے اور وُہ ایک غیبی ہاتھ سے مُنہ میں پڑتا جاتا ہے اور زبان کی قوّتِ ذائقہ اس کے لذیذ طعم سے لذّت اُٹھاتی جاتی ہے اور دُوسرے لوگوں سے باتوں کا سلسلہ بھی جاری ہے اور حواسِ ظاہری بخوبی اپنا اپنا کام دے رہے ہیں۔ اور یہ شربت یا میوہ بھی کھایا جا رہا ہے اور اس کی لذّت اور حلاوت بھی ایسی ہی کھلے کھلے طور پر معلوم ہوتی ہے بلکہ وہ لذّت اس لذّت سے نہایت اَلطف ہوتی ہے اور یہ ہرگز نہیں کہ وہ وہم ہوتا ہے یہ صرف بے بنیاد تخیّلات ہوتے ہیں، بلکہ واقعی طور پر وُہ خدا جس کی شان بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ (یٰس: ۸۰) ہے - ایک قسم کے خلق کا تماشہ دکھا دیتا ہے پس جبکہ اس قسم کے خلق اور پیدائش کا دنیا میں ہی نمونہ دکھائی دیتا ہے اور ہر ایک زمانہ کے عارف اس کے بارے میں گواہی دیتے چلے آئے ہیں، تو پھر وہ تمثّلی خلق اور پیدائش جو آخرت میں ہوگی اور میزانِ اعمال نظر آئے گی اور پُل صراط نظر آئے گا اور ایسا ہی بہت سے اُمور رُوحانی جسمانی تشکّل کے ساتھ نظر آئیں گے۔ اس سے کیوں عقلمند تعجب کرے۔ کیا جس نے یہ سلسلہ تمثّلی خلق اور پیدائش کا دُنیا میں ہی عارفوں کو دکھا دیا ہے، اس کی قدرت سے یہ بعید ہے کہ وہ آخرت میں بھی دکھا دے، بلکہ ان تمثّلات کو عالمِ آخرت سے نہایت مناسبت ہے، کیونکہ جس حالت میں اس عالم میں جو کمال انقطاع کا تجلّی گاہ نہیں ہے۔ یہ تمثّلی پیدائش تزکیہ یافتہ لوگوں پر ظاہر ہو جاتی ہے، تو پھر عالمِ آخرت میں جو اکمل اور اتمّ انقطاع کا مقام ہے، کیوں نظر نہ آوے۔

یہ بات بخوبی یاد رکھنی چاہیے کہ انسانِ عارف پر اسی دنیا میں تمام عجائبات کشفی رنگوں میں کھُل جاتے ہیں کہ جو ایک محجوب آدمی قصّہ کے طور پر قرآن کریم کی اُن آیات میں پڑھتا ہے جو معاد کے بارے میں خبر دیتی ہیں۔ سو جس کی نظر حقیقت تک نہیں پہنچی وہ ان بیانات سے تعجب میں پڑ جاتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کے دل میں اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا عدالت کے دن تخت پر بیٹھنا اور ملائک کا صف باندھے کھڑے ہونا اور ترازو میں عملوں کا تُلنا اور لوگوں کا پُل صراط پر سے چلنا اور سزا جزا کے بعد موت کو بکرے کی طرح ذبح کر دینا اور ایسا ہی اعمال کا خوش شکل یا بدشکل انسانوں کی طرح لوگوں پر ظاہر ہونا اور بہشت میں دُودھ اور شہد کی نہریں چلنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب باتیں صداقت اور معقولیت سے دُور معلوم ہوتی ہیں۔[1]

٭ ٭ ٭

---

[1] الحکم جلد ۷، نمبر ۲۲ صفحہ ۱ پرچہ ۱۷؍جون ۱۹۰۳ء

۳؍دسمبر ۱۹۰۱ء

جمع بین الصلوٰتین مہدی کی علامت ہے

سب صاحبوں کو معلوم ہو کہ ایک مدت سے خدا جانے قریباً چھ ماہ سے یا کم و بیش عرصہ سے ظہر اور عصر کی نماز جمع کی جاتی ہے۔ میں اس کو مانتا ہوں کہ ایک عرصہ سے جو مسلسل نماز جمع کی جاتی ہے، ایک نو وارد یا نو مُرید کو (جس کو ہمارے اغراض و مقاصد کی کوئی خبر نہیں ہے) یہ شبہ گذرتا ہوگا کہ کاہلی کے سبب سے نماز جمع کر لیتے ہونگے۔ جیسے بعض غیر مقلد ذرا ابر ہوا یا کسی عدالت میں جانا ہوا، تو نماز جمع کر لیتے ہیں اور بلا مطر اور بلا عُذر بھی نماز جمع کرنا جائز سمجھتے ہیں، مگر میں سچ سچ کہتا ہوں کہ ہم کو اس جھگڑے کی ضرورت اور حاجت نہیں اور نہ ہم اس میں پڑنا چاہتے ہیں کیونکہ میں طبعًا اور فطرتًا اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے اور نماز موقوتہ کے مسئلہ کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں بلکہ سخت مطر میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ نماز اپنے وقت پر ادا کی جائے؛ اگرچہ شیعوں نے اور غیر مقلدوں نے اس پر بڑے بڑے مباحثے کئے ہیں، مگر ہم کو اُن سے کوئی غرض نہیں۔ وہ صرف نفس کی کاہلی سے کام لیتے ہیں۔ سہل حدیثوں کو اپنے مفید مطلب پا کر اُن سے کام لیتے ہیں اور مشکل کو موضوع اور مجرُوح ٹھہراتے ہیں۔ ہمارا یہ مدعا نہیں، بلکہ ہمارا مسلک ہمیشہ حدیث کے متعلق یہی رہا ہے کہ جو قرآن اور سُنّت کے مخالف نہ ہو۔ وہ اگر ضعیف بھی ہو، تب بھی اُس پر عمل کر لینا چاہیے۔

اس وقت جو ہم نمازیں جمع کرتے ہیں، تو اصل بات یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی تفہیم، القا اور الہام کے بدُوں نہیں کرتا۔ بعض اُمُور ایسے ہوتے ہیں کہ میں ظاہر نہیں کرتا۔ مگر اکثر ظاہر ہوتے ہیں۔ جہاں تک خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس جمع صلوٰتین کے متعلق ظاہر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ کی بھی ایک عظیم الشان پیشگوئی کی تھی جو اب پُوری ہو رہی ہے۔ میرا یہ بھی مذہب ہے کہ اگر کوئی امر خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر ظاہر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کسی حدیث کی صحت یا عدم صحت کے متعلق تو گو عُلمائے ظواہر اور محدثین اس کو موضوع یا مجرُوح ہی ٹھہراویں، مگر میں اس کے مقابل اور معارض کی حدیث کو موضُوع کہوں گا۔ اگر خدا تعالیٰ نے اس کی صحت مجھ پر ظاہر کر دی ہے جیسے لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسٰى والی حدیث ہے۔ محدثین اس پر کلام کرتے ہیں، مگر مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہ میرا مذہب میرا ہی ایجاد کردہ مذہب نہیں، بلکہ خود یہ مسلّم مسئلہ ہے کہ اہلِ کشف یا اہلِ الہام لوگ محدثین کی تنقید حدیث کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے۔ خود مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ میں اس مضمون پر بڑی بحث کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ ماموراور اہلِ کشف محدثین کی تنقید کے پابند نہیں ہوتے ہیں تو جب یہ حالت ہے پھر میں صاف صاف کہتا ہوں کہ میں جو کچھ کرتا ہوں، خدا تعالیٰ کے القاء

اور اشارہ سے کرتا ہوں۔ یہ پیشگوئی جو اس حدیث تُجْمَعُ لَہُ الصَّلوٰۃُ میں کی گئی ہے۔ یہ مسیح موعود اور مہدی کی ایک
علامت ہے۔ یعنی وہ ایسی دینی خدمات اور کاموں میں مصروف ہوگا کہ اس کے لیے نماز جمع کی جاوے گی۔ اب یہ
علامت جبکہ پُوری ہوگئی اور ایسے واقعات پیش آگئے۔ پھر اس کو بڑی عظمت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ نہ
کہ استہزاء اور انکار کے رنگ میں۔

نشانِ صداقت پر علیٰ وجہ البصیرۃ گواہی

دیکھو! انسان کے اپنے اختیار میں اس کی موت فوت نہیں ہے۔ اب اس نشان کے پُورا ہونے پر تو یہ لوگ رکیک
اور نامعقول عُذر تراشتے ہیں اور اعتراض کے رنگ میں پیش کرتے اور حدیث کی صحت اور عدمِ صحت کو لے بیٹھے ہیں۔
لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اگر خدانخواستہ اس نشان کے پُورا ہونے سے پہلے ہماری موت آجاتی تو یہی لوگ اس
حدیث کو جسے اب موضوع ٹھہراتے ہیں، آسمان پر چڑھا دیتے اور اس سے زیادہ شور مچاتے جو اب مچا رہے
ہیں۔ دشمن اسی ہتھیار کو اپنے لیے تیز کرلیتا۔ لیکن اب جبکہ وہ صداقت کا ایک نشان اور گواہ ٹھہرتا ہے، تو اس کو نکما اور
لَاشَے قرار دیا جاتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کے لیے ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے تو صدہا نشان دیکھے، مگر انکار پر انکار
کیا اور صادق کو کاذب ہی ٹھہرایا۔ اور کس نشان کو انھوں نے مانا جو اس کی اُمید اُن سے رکھیں۔ کیا کسوف و
خسوف کا کوئی چھوٹا نشان تھا؟ اس کے پُورا ہونے سے پہلے تو اس کو نشان قرار دیتے رہے، مگر جب پورا ہوگیا
تو اس کو بھی مشکوک کرنے کی کوشش کی۔ بہرحال مخالفوں کی کورچشمی اور تعصب کا کیا علاج ہوسکتا ہے؟ اب رہی
اپنی جماعت، خدا کا شکر ہے کہ اس کے لیے یہ کوئی ابتلا نہیں ہوسکتا، کیونکہ جس نے دمشق کے منارہ پر چڑھنے
والے اور فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے زرد پوش مسیح کے اُترنے کی حقیقت کو خدا کے فضل سے سمجھ
لیا ہے اور جس نے خدا کی صفات والے دجال کا انکار کرکے دجال کی حقیقتِ حال پر اطلاع پالی ہے اور ایسا ہی دابۃ الارض
اور دجال کے متعلق ان لوگوں کے خانہ ساز مجموعوں کو چھوڑا ہے۔ اور اس قدر باتوں پر جب وہ مجھ پر نیک ظن کرنے کے
باعث الگ ہوگئے ہیں، تو یہ امر اُن کی راہ میں روک اور ابتلا کا باعث کیونکر ہوسکتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اب تک
صرف حُسنِ ظن تک نہیں رہی، بلکہ خدا تعالیٰ نے ان کو معرفت اور بصیرت کے مقام پر پہنچا دیا ہے اور وہ دیکھ چکے
ہیں کہ میں وہی ہوں جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا۔ ہاں! میں وُہی ہوں، جس کا سارے نبیوں کی زبان پر وعدہ ہوا اور
پھر خدا تعالیٰ نے اُن کی معرفت بڑھانے کے لیے منہاجِ نبوت پر اس قدر نشان ظاہر کئے کہ لاکھوں انسان ان
کے گواہ ہیں۔ دوست و دشمن، دُور و نزدیک، ہر مذہب و ملّت کے لوگ ان کے گواہ ہیں۔ زمین نے اپنے نشانات
الگ ظاہر کئے۔ آسمان نے الگ وہ علامات جو میرے لیے مقرر تھیں، وہ سب پُوری ہوگئیں۔ پھر اس قدر نشانات
کے بعد بھی اگر کوئی انکار کرتا ہے، تو وُہ ہلاک ہوتا ہے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک پر خدا نے

ایسا فضل کیا ہے کہ ایک بھی تم میں سے ایسا نہیں جس نے اپنی آنکھوں سے کوئی نہ کوئی نشان نہ دیکھا ہو۔ کیا کوئی ہے جو کہہ سکے کہ مَیں نے کوئی نشان نہیں دیکھا؟ ایک بھی نہیں۔ پھر ایسی بصیرت اور معرفت بخشنے والے نشانوں کے بعد مجھ پر حُسنِ ظن ہی نہیں رہا، بلکہ میری سچائی اور خدا کی طرف سے مامُور ہو کر آنے پر تم علیٰ وجہ البصیرۃ گواہ ہو اور تم پر حجّت پُوری ہو چکی ہے۔

پھر وہ بڑا ہی بدقسمت اور نادان ہو گا۔ جو اتنے نشانوں کے بعد اس پیشگوئی کے پُورا ہونے پر ابتلاء میں پڑے جو اس کے ازدیادِ ایمان کا مُوجب اور باعث ہونی چاہیے جو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ آنے والے موعود کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ اس کے لیے نماز جمع کی جائے گی۔ پس تمھیں خدا کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ یہ نشان بھی پُورا ہوتا ہوا تم نے دیکھ لیا، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حدیث موضوع ہے تو مَیں نے پہلے اس کی بابت ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ محدثین نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ اہلِ کشف اور مامُور تنقیدِ احادیث میں اُن کے اصولوں کے محتاج اور پابند نہیں ہوتے، تو پھر جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر اس حدیث کی صحت کو ظاہر کر دیا ہے تو اس پر زور دینا تقویٰ کے خلاف ہے۔ پھر مَیں یہ بھی کہتا ہوں کہ محدثین خود ہی مانتے ہیں اور حدیث میں سونے کے کنگن پہننے کی سخت ممانعت ہے، مگر وہ کیا بات تھی کہ حضرت عمرؓ نے ایک صحابی کو سونے کے کنگن پہنا دیئے؛ چنانچہ اس صحابی نے بھی انکار کیا۔ مگر وہ حضرت عمرؓ نے اُس کو پہنا کر ہی چھوڑے۔ کیا وُہ اس حُرمت پر آگاہ نہ تھے؟ تھے اور ضرور تھے، مگر وُہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے پُورا ہونے پر ہزاروں حدیثوں کو قربان کرنے کو تیار تھے۔ اب غور کا مقام ہے کہ جب ایک پیشگوئی کے پورا ہونے پر حُرمت کا جواز گرا دیا، تو بِلاَ مَطَرٍ وَلاَ عُذْرٍ والی بات پر انکار کیوں ہو؟

ایک نکتۂ معرفت احادیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اپنے خواب کو بھی سچا کرنے کی کوشش کرو چہ جائیکہ نبی کریمؐ کی پیشگوئی۔ جس شخص کو ایسا موقعہ ملے اور وہ عمل نہ کرے اور اس کو پورا کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ وہ دشمنِ اسلام ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ جھوٹا ٹھہرانا چاہتا ہے اور آپؐ کے مخالفوں کو اعتراض کا موقعہ دینا چاہتا ہے۔

صحابہؓ کا مذہب یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے پُورا ہونے پر اپنی معرفت اور ایمان میں ترقی دیکھتے تھے اور وُہ اس قدر عاشق تھے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو جاتے اور پیشگوئی کے طور پر کہہ دیتے کہ فلاں منزل پر نماز جمع کریں گے اور اُن کو موقعہ مِل جاتا تو وُہ خواہ کچھ ہی ہوتا، ضرور جمع کر لیتے اور خود آنحضرتؐ کی طرف ہی دیکھو کہ آپؐ پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے کس قدر مشتاق تھے۔

ہم کو کوئی بتلائے کہ آپؐ حدیبیہ کی طرف کیوں گئے۔ کیا کوئی وقت اُن کو بتایا گیا تھا اور کسی میعاد سے اطلاع دی گئی تھی، پھر کیا بات تھی؟ یہی وجہ تھی کہ آپؐ چاہتے تھے کہ وہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی پُوری ہو جاتے۔ یہ ایک باریک

سِرّ اور دقیق معرفت کا نکتہ ہے۔ جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا کہ انبیاء اور اہل اللہ کیوں پیشگوئیوں کے پورا کرنے اور ہونے کی ایک غیر معمولی رغبت اور تحریک اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے نشانات پُورا کرنے کے لیے اہل اللہ کا نورِ قلب

جس قدر انبیاء علیہم السلام گذرے ہیں یا اہل اللہ ہوتے ہیں۔ اُن کو فطرۃً رغبت دی جاتی ہے کہ وُہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کو پُورا کرنے کے لیے ہمہ تن تیار ہوتے ہیں۔ مسیحؑ نے اپنی جگہ داؤدی تخت کو بحال والی پیشگوئی کے لیے کس قدر سعی اور کوشش کی کہ اپنے شاگردوں کو یہانتک حکم دیا کہ جس کے پاس تلواریں اور ہتھیار نہ ہوں وہ اپنے کپڑے بیچ کر ہتھیار خریدے۔ اب اگر اس پیشگوئی کو پُورا کرنے کی وہ فطری خواہش اور آرزو نہ تھی جو انبیاء علیہم السلام میں ہوتی ہے، تو کوئی ہم کو بتائے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ اور ایسا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر یہ طبعی جوشش نہ تھا، تو آپ کیوں حدیبیہ کی طرف روانہ ہوتے جبکہ کوئی میعاد اور وقت بتایا نہیں گیا تھا؟ بات یہی ہے کہ یہ گروہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کی حرمت اور عزت کرتا ہے اور چونکہ ان نشانات کے پورا ہونے پر معرفت اور یقین میں ترقی ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ وُہ چاہتے ہیں کہ پُورے ہوں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نشان پورا ہوتا، تو سجدہ کیا کرتے تھے۔ جب تک دل دھوئے نہ جاویں اور ایمان حجاب اور زنگ کی تہوں سے صاف نہ کیا جاوے، سچا اسلام اور سچی توحید جو مدارِ نجات ہے، حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور دل کے دھونے اور حجبِ ظلمانیہ کے دُور کرنے کا آلہ یہی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں جن سے خود خدا تعالیٰ کی ہستی اور نبوت پر ایمان پیدا ہوتا ہے اور جب تک سچا ایمان نہ ہو۔ جو کچھ کرتا ہے وُہ صرف رسُوم اور ظاہرداری کے طور پر کرتا ہے۔

پس جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ بات تھی، تو میرا نورِ قلب کب اس کے خلاف کرنے کی رائے دے سکتا تھا۔ اس لیے مَیں نے چاہا کہ یہ ہونا چاہیئے تاکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پُوری ہو۔ ممکن تھا کہ ایسے واقعات پیش نہ آتے، لیکن جب ایسے امُور پیش آ گئے کہ جن میں مصروفیت از بس ضروری تھی اور توجہ ٹھیک طور پر چاہیے تھی۔ تو اس پیشگوئی کے پُورا ہونے کا وقت آ گیا۔ اور وُہ پوری ہوئی اسی طرح پر جیسے خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔[1]

نمازوں کا جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے ایماء اور القاء سے تھا

غرض ان نمازوں کو جمع کرنا جیسا کہ مَیں کہہ چکا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے اشارہ

۱؎ الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ پرچہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء

اور ایما القا سے تھا، حالانکہ مخالف تو خواہ مخواہ بھی جمع کر لیتے ہیں۔ مسجد میں بھی نہیں جاتے۔ گھروں ہی میں جمع کر لیتے ہیں۔ مولوی محمد حسین ہی کو قسم دے کر پوچھا جاوے کہ کیا اس نے کبھی حاکم کے پاس جاتے وقت نماز جمع کی ہے یا نہیں؟ پھر خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشان نشان پر کیوں اعتراض کیا جاوے۔ اگر تقویٰ اور خدا ترسی ہو۔ تو اعتراض کرنے سے پہلے انسان اپنے گھر میں سوچ لے کہ کیا کہتا ہوں اور اس کا اثر اور نتیجہ کیا ہوگا اور کس پر پڑے گا۔

مسیح موعود کے ساتھ جلالی و جمالی اجتماع وابستہ ہیں

مَیں نے اس اجتہاد میں یہ بھی سوچا کہ ممکن تھا۔ ہم دس دن ہی میں کام کو ختم کر دیتے۔ جو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کا موجب اور باعث ہوا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی پسند کیا کہ جب یہ لوگ اپنے نفس کی خاطر دو مہینے نکال لیتے ہیں، تو پیشگوئی کی تکمیل کے لیے ایسی مدت چاہیے جس کی نظیر نہ ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اگرچہ وہ مصالح ابھی تک نہیں کھُلے، مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور مجھے امید ہے کہ ضرور کھلیں گے۔

دیکھو، ضعفِ دماغ کی بیماری بدستور لاحق ہے اور بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ موت قریب ہو جاتی ہے۔ تم میں سے اکثر نے میری ایسی حالت کو معائنہ کیا ہے اور پھر پیشاب کی بیماری عرصہ سے ہے۔ گویا دو زرد چادریں مجھے یہ پہنائی گئی ہیں۔ ایک اُوپر کے حصّہ بدن میں اور ایک نیچے کے حصّہ بدن میں۔ ان بیماریوں کی وجہ سے وقت صافی بہت کم ملتا ہے، مگر ان ایام میں خدا تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا کہ صحت بھی اچھی رہی۔ اور کام ہوتا رہا۔ مجھے تو افسوس اور تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جمع بین الصّلوٰتین پر ردتے ہیں، حالانکہ مسیح کی قسمت میں بہت سے اجتماع رکھے ہیں۔ کسوف و خسوف کا اجتماع ہوا۔ یہ بھی میرا ہی نشان تھا۔ اور وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر : ۸) بھی میرے ہی لیے ہیں اور وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة: ۴) بھی ایک جمع ہی ہے، کیونکہ اوّل اور آخر کو ملایا گیا ہے اور یہ عظیم الشان جمع ہے جو رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے برکات اور فیوض کی زندگی پر دلیل اور گواہ ہے۔ اور پھر یہ بھی جمع ہے کہ خدا تعالیٰ نے تبلیغ کے سارے سامان جمع کر دیتے ہیں، چنانچہ مطبع کے سامان، کاغذ کی کثرت، ڈاک خانوں، تار، ریل اور دُخانی جہازوں کے ذریعہ کل دُنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے اور پھر نت نئی ایجادیں اس جمع کو اور بھی بڑھا رہی ہیں، کیونکہ اسباب تبلیغ جمع ہو رہے ہیں۔ اب فونوگراف سے بھی تبلیغ کا کام لے سکتے ہیں اور اس سے بہت عجیب کام نکلتا ہے۔ اخباروں اور رسالوں کا اجرا، غرض اس قدر سامان تبلیغ کے جمع ہوئے ہیں کہ اس کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں ہم کو نہیں ملتی، بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اغراض میں سے ایک تکمیل دین بھی تھی۔ جس کے فرمایا گیا تھا۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ : ۴) اب اس تکمیل میں دو خوبیاں تھیں۔ ایک تکمیل ہدایت اور دُوسری تکمیلِ اشاعتِ ہدایت۔ تکمیلِ ہدایت کا زمانہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا اپنا پہلا زمانہ تھا اور تکمیل اشاعت ہدایت کا زمانہ آپؐ کا دوسرا زمانہ ہے، جبکہ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا

يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعة: ۴) کا وقت آنے والا ہے۔ اور وہ وقت اب ہے یعنی میرا زمانہ یعنی مسیح موعود کا زمانہ۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ ہدایت اور تکمیلِ اشاعتِ ہدایت کے زمانوں کو بھی اس طرح پر ملایا ہے اور یہ بھی عظیم الشان جمع ہے اور پھر یہ بھی وعدہ ہے کہ سارے ادیان کو جمع کیا جائے گا اور ایک دین کو غالب کیا جائے گا۔ یہ بھی مسیح موعود کے وقت کی ایک جمع ہے، کیونکہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصف: ۱۰) مفسّروں نے مان لیا ہے کہ مسیح موعود ہی کے وقت میں ہوگا۔

پھر یہ بھی کہ وہ امن کا زمانہ ہوگا کہ بھیڑیا اور بھیڑ ایک گھاٹ پر پانی پئیں گے۔ جیساکہ اس وقت نظر آتا ہے۔ ہمارے مخالفوں نے ہمارے قتل کے کس قدر منصوبے کیے، مگر وہ کیوں کامیاب نہ ہوسکے۔ اسی گورنمنٹ کے حُسنِ انتظام اور امن کی وجہ سے۔ پھر خدا نے یہ بھی ارادہ فرمایا ہوا تھا کہ اس زمانہ میں حقائق و معارف جمع کردے۔

مَیں دیکھتا ہوں کہ جیسے ظہر و عصر جمع ہوتے ہیں کہ ظہر آسمان کے جلالی رنگ کا ظل ہے اور عصر جمالی رنگ کا اور خدا تعالیٰ دونوں کا اجتماع چاہتا ہے اور چونکہ میرا نام اس نے آدم بھی رکھا ہے اور آدم کے لیے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کو مَیں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ یعنی جلالی اور جمالی رنگ دونوں اس میں رکھے۔ اس لیے اس جگہ بھی جلال اور جمال کا اجتماع کرکے دکھا دیا۔

جلالی رنگ میں طاعون وغیرہ اللہ تعالیٰ کی گرفتیں ہیں اور انہیں سب دیکھتے ہیں اور جمالی رنگ میں اس کے انعامات اور مبشرانہ وعدے ہیں اور پھر میری دانست میں اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ ایک اور جمع کی بھی خبر رکھی ہے جس کی خدا نے مجھے اطلاع دی اور وہ یہ ہے کہ میری پیدائش میں میرے ساتھ ایک لڑکی بھی اُس نے رکھی ہے اور پھر قومیت اور نسب میں بھی ایک جمع رکھی اور وہ یہ کہ ہماری ایک دادی سیّدہ تھی۔ اور دادا صاحب اہلِ فارس تھے۔ اب بھی خدا نے اس قسم کی جمع ہمارے گھر میں رکھی کہ ایک صحیح النسب سیّدہ میرے نکاح میں آئی۔ اسی طرح جیسے خدا نے ایک عرصہ پہلے بشارت دی تھی۔ اب غور تو کرو کہ خدا نے کس قدر اجتماع یہاں رکھے ہوتے ہیں۔ ان تمام جمعوں کو خدا نے مصلحتِ عظیمہ کے لیے جمع کیا ہے۔

مسیح موعود ہی حَکَم عَدل ہے

ہماری جماعت کے لیے تو یہ امر دُور از ادب ہے کہ وہ اس قسم کی باتیں پیش کریں یا اُن کے وہم میں بھی ایسی باتیں آئیں اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مَیں جو کرتا ہوں، وہ خدا تعالیٰ کی تفہیم اور اشارہ سے کرتا ہوں۔ پھر کیوں اس کو مقدم نہیں کرتے اور پیشگوئی سمجھ کر اس کی عزت نہیں کرتے، جیسے حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی پیشگوئی سمجھ کر ایک صحابی کو سونے کے کڑے پہنا دیئے۔ اب تم بتاؤ کہ اور کیا چاہتے ہو۔ خدا نے اس قدر نشان تمہارے لیے جمع کر دیئے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ پر ایمان ہو تو کوئی وہم اور خیال اس قسم کا پیدا نہیں ہوسکتا جس سے اعتراض کا رنگ پایا جائے اور اگر اس قدر

نشان دیکھتے ہوئے بھی کوئی اعتراض کرتا اور علیحدہ ہوتا ہو تو وہ بیشک نکل جائے اور علیحدہ ہو جاوے۔ اس کی خدا کو کیا پرواہ ہے۔ وُہ کہیں جگہ نہیں پا سکتا۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے مجھے حَکم عدل ٹھہرایا ہے۔ اور تم نے مان لیا ہے۔ پھر نشانہ اعتراض بنانا ضعفِ ایمان کا نشان ہے۔ حَکَمْ مان کر تمام زبانیں بند ہو جانی چاہئیں۔ اگر مخالفوں کا خیال ہو۔ تو انہوں نے اس سے پہلے کیا کچھ نہیں کہا۔ دجّال، بے ایمان، کافر، اکفر تک ٹھہرایا اور کوئی گال باقی نہ رہی جو انہوں نے نہیں دی اور کوئی منصوبہ شرارت اور تکلیف دہی کا نہیں رہا، جو انھوں نے نہیں سوچا۔ پھر اور کیا باقی رہ گیا۔ جو غیروں کی پرواہ کرتا اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی پرواہ نہیں کرتا۔ جبتک خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حَکَم کی بات کے سامنے اپنی زبانوں کو بند نہ کرو گے، وہ ایمان پیدا نہیں ہو سکتا، جو خدا چاہتا ہے اور جس غرض کے لیے اُس نے مجھے بھیجا ہے۔

مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ میرا یہ عمل اپنی تجویز اور خیال سے نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی تفہیم سے ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے لیے ہے۔ مَیں کسی اور حَکَم کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ جو چاہتا ہے اس کو قبول کرے اور جس کا دل مریض ہے وہ الگ ہو جائے۔ مَیں ایسے لوگوں کو صلاح دیتا ہوں کہ وُہ کثرت سے استغفار کریں اور خدا سے ڈریں۔ ایسا نہ ہو کہ خدا ان کی جگہ اور قوم لاوے۔

مسیح موعودؑ کے خلاف علماء سُوء کے فتوے اُس کی صداقت کی دلیل ہیں

ایک بار مجھے الہام ہوا تھا کہ کوئی شخص میری طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ هٰذَا الرَّجُلُ يُجِيْحُ الدِّيْنَ۔ یہ شخص دین کی جڑھ اُکھاڑتا ہے۔ مَیں خوش ہوا کیونکہ آثار میں ایسا ہی لکھا ہے کہ مسیح اور مہدی کی نسبت ایسے فتوے دیئے جائیں گے۔ حجج الکرامہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور ابن عربی نے لکھا ہے کہ جب مسیح نازل ہوگا، تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہے گا۔ اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ غَيَّرَ دِيْنَنَا۔

اور مجدد صاحب کے مکتوباتِ دوم میں صاف لکھا ہے کہ مسیح جو کچھ بیان کرے گا وہ اسرارِ غامضہ ہوں گے اور لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے؛ حالانکہ وُہ قرآن سے استنباط کرے گا۔ پھر بھی لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ جیسے مسیح موعود کے ساتھ حج کا ایک نشان ہے۔ عوام کے خیال کے موافق ایک تغیر بھی اس کے ساتھ ضروری ہے، کیونکہ وہ بحیثیت حَکَم ہونے کے تمام بدعات اور خرابیوں کو جو فیجِ اعوج کے زمانہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ دُور کرے گا اور لوگ اُن کو تغیرِ دین کے نام سے یاد کریں گے۔

مَیں پُوچھتا ہوں کہ اگر تم مخالفوں سے ڈرتے ہو تو پھر مجھے قبول کرنے کا کیا فائدہ ہوا۔ میری مخالفت میں کافر اور دجال ٹھہرائے گئے۔ اور اس سے بڑھ کر کیا ہوگا؟ اور پھر اگر یہی بات ہے کہ اس کو تغیرِ دین کہتے ہیں، تو بتاؤ کہ مَیں

نے جہاد کی حُرمت کا فتویٰ دیا ہے۔ اور شائع کر دیا ہے کہ دین کے لیے تلوار اُٹھانا حرام ہے۔ پھر اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ہمارے مخالف تو یَضَعُ الْجِزْیَۃَ کہتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ یَضَعُ الْحَرْبَ دُرست ہے۔ غرض اگر اب یہ چاہیں کہ ان لوگوں کے پنجوں سے بچ جائیں، یہ مشکل ہے بلکہ ناممکن ہے۔ جبتک پُورے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ پس اب ایک دوسرے حکم گیر پر عمل کرو۔

حَکَم و عدل کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو

جو شخص ایمان لاتا ہے۔ اسے اپنے ایمان سے یقین اور عرفان تک ترقی کرنی چاہیے نہ یہ کہ وہ پھر ظن میں گرفتار ہو۔ یاد رکھو، ظن مفید نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا۔ (یونس : ۳۷) یقین ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بامُراد کرسکتی ہے۔ یقین کے بغیر کچھ نہیں ہوتا۔ اگر انسان ہر بات پر بدظنی کرنے لگے، تو شاید ایک دم بھی دُنیا میں نہ گذار سکے۔ وہ پانی نہ پی سکے کہ شاید اس میں زہر ملا دیا ہو۔ بازار کی چیزیں نہ کھا سکے۔ کہ ان میں ہلاک کرنے والی کوئی شے ہو۔ پھر کس طرح وہ رہ سکتا ہے۔ یہ ایک موٹی مثال ہے اسی طرح پر انسان رُوحانی امور میں اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اب تم خود یہ سوچ لو اور اپنے دلوں میں فیصلہ کر لو کہ کیا تم نے میرے ہاتھ پر جو بیعت کی ہے اور مجھے مسیح موعود، حَکَم۔ عَدل مانا ہے، تو اس ماننے کے بعد میرے کسی فیصلہ یا فعل پر اگر دل میں کوئی کدورت یا رنج آتا ہے، تو اپنے ایمان کا فکر کرو۔ وہ ایمان جو خدشات اور توہمات سے بھرا ہوا ہے، کوئی نیک نتیجہ پیدا کرنے والا نہیں ہوگا، لیکن اگر تم نے سچے دل سے تسلیم کر لیا ہے کہ مسیح موعود واقعی حَکَم ہے تو پھر اس کے حُکم اور فعل کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دو۔ اور اس کے فیصلوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھو تا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک باتوں کی عزت اور عظمت کرنے والے ٹھہرو۔ رسول اللہ علیہ وسلم کی شہادت کافی ہے۔ وُہ تسلی دیتے ہیں کہ وُہ تمھارا امام ہوگا، وُہ حَکَم عَدل ہوگا۔ اگر اس پر تسلی نہیں ہوتی تو پھر کب ہوگی۔ یہ طریق ہرگز اچھا اور مُبارک نہیں ہوسکتا کہ ایمان بھی ہو اور دل کے بعض گوشوں میں بدظنیاں بھی ہوں۔ مَیں اگر صادق نہیں ہوں، تو پھر جاؤ اور صادق تلاش کرو اور یقیناً سمجھو کہ اس وقت اور صادق نہیں مِل سکتا۔ اور پھر اگر کوئی دُوسرا صادق نہ ملے اور نہیں ملے گا تو پھر مَیں اتنا حق مانگتا ہوں جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دیا ہے۔

جن لوگوں نے میرا انکار کیا ہے اور جو مجھ پر اعتراض کرتے ہیں انھوں نے مجھے شناخت نہیں کیا اور جس نے مجھے تسلیم کیا اور پھر اعتراض رکھتا ہے، وُہ اور بھی بدقسمت ہے کہ دیکھ کر اندھا ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ معاصرت بھی رُتبہ کو گھٹا دیتی ہے، اس لیے حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ نبی بے عزت نہیں ہوتا مگر اپنے وطن میں۔ اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ اُن کو اہلِ وطن سے کیا کیا تکلیفیں اور صدمے اُٹھانے پڑے تھے۔ سو یہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ایک سُنت چلی آتی ہے۔ ہم اس سے الگ کیونکر ہوسکتے ہیں۔ اس لیے ہم کو جو کچھ

اپنے مخالفوں سے سُننا پڑا۔ یہ اسی سُنت کے موافق ہے۔ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (الحجر: ۱۲) افسوس اگر یہ لوگ صاف نیت سے میرے پاس آتے تو مَیں ان کو وہ دکھاتا جو خدا نے مجھے دیا ہے اور وہ خدا خود ان پر اپنا فضل کرتا اور انہیں سمجھا دیتا، مگر انھوں نے بُخل اور حسد سے کام لیا۔ اب مَیں ان کو کس طرح سمجھاؤں۔

جب انسان سچے دل سے حق طلبی کے لیے آتا ہے، تو سب فیصلے ہو جاتے ہیں، لیکن جب بدگوئی اور شرارت مقصود ہو، تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ مَیں کب تک ان کے فیصلے کرتا رہوں گا۔

حجج الکرامہ میں ابن عربی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ جب آئے گا، تو اسے مفتری اور جاہل ٹھہرایا جائیگا۔ اور یہاں تک بھی کہا جاوے گا کہ وہ دین کو تغیر کرتا ہے۔ اس وقت ایسا ہی ہو رہا ہے۔ اس قسم کے الزام مجھے دیئے جاتے ہیں۔ ان شبہات سے انسان تب نجات پا سکتا ہے، جب وہ اپنے اجتہاد کی کتاب ڈھانپ لے اور اس کی بجائے وُہ یہ فکر کرے کہ کیا یہ سچا ہے یا نہیں۔ بعض اُمور بیشک سمجھ سے بالاتر ہوتے ہیں، لیکن جو لوگ پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں۔ وُہ حُسنِ ظن اور صبر اور استقلال سے ایک وقت کا انتظار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن پر اصل حقیقت کو کھول دیتا ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت صحابہ سوال نہ کرتے تھے، بلکہ منتظر رہتے تھے کہ کوئی آکر سوال کرے تو فائدہ اُٹھاتے تھے، ورنہ خود خاموش سرِ تسلیم کئے بیٹھے رہتے تھے اور جرأت سوال کرنے کی نہ کرتے تھے۔ میرے نزدیک اصل اور اسلم طریق یہی ہے کہ ادب کرے۔ جو شخص آداب النبی کو نہیں سمجھتا اور اس کو اختیار نہیں کرتا۔ اندیشہ ہوتا ہے کہ وُہ ہلاک نہ کیا جائے۔

یقین کے مدارج

وُہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں، جو ایک ہی دن میں حق الیقین کے درجہ پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ایک ظن ہوتا ہے اور ایک یقین۔ ظن صرف خیالی بات ہوتی ہے اور اس کی صحت اور سچائی پر کوئی حُکم نہیں ہوتا، بلکہ اس میں احتمال کذب کا ہوتا ہے لیکن یقین میں ایک سچائی کی روشنی ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے کہ یقین کے بھی مدارج ہیں۔ ایک علم الیقین ہوتا ہے۔ پھر عین الیقین اور تیسرا حق الیقین۔ جیسے دُور سے کوئی آدمی دُھواں دیکھتا ہے، تو آگ کا یقین کرتا ہے اور یہ علم الیقین ہے اور جب جا کر دیکھتا ہے، تو وہ عین الیقین ہے اور جب ہاتھ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وُہ جلاتی ہے، تو وہ حق الیقین ہے۔

بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کی ابھی ظن سے مخلصی نہیں ہوئی؛ جبکہ سُنّت اللہ اسی طرح پر ہے کہ جو مامور خدا کی طرف سے آتے ہیں، ان کے ساتھ ابتلاء ضرور ہوتے ہیں۔ پھر مَیں کیونکر ابتلاء کے بغیر آسکتا تھا۔ اگر ابتلاء نہ ہوتے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل میں سے آجاتے تاکہ ان کو یہ کہنے کا موقعہ نہ ملتا کہ آنے والے کے لیے لکھا ہے کہ وہ تیرے بھائیوں میں سے ہوگا۔ اور اسی طرح حضرت مسیحؑ کے وقت ایلیا ہی آجاتا تاکہ ان کو ٹھوکر نہ لگتی۔ ایک یہودی فاضل نے اس پر بڑی کتاب لکھی ہے۔ وُہ کہتا ہے کہ ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ

ایلیا نہیں آیا۔ اور اگر خدا ہم سے بھی پُوچھے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب پیش کریں گے۔

اس قدر معجزات جو حضرت مسیح سے صادر ہوئے بیان کیے جاتے ہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کرتے تھے، ایلیا کو بھی زندہ کر کے لے آتے۔ ایمان تباؤ کہ ایلیا کا ابتلا بڑا تھا یا نمازوں کو جمع کرنے کا ابتلا جس نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھا دیا۔ اب اس قدر لوگ جو گمراہ ہوئے اور مسیح اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر رہے، تو اس کا باعث وہی ایلیا کا ابتلا ہی ہے یا کچھ اور۔ غرض ابتلا کا آنا ضروری ہے، مگر سچا مومن کبھی اُن سے ضائع نہیں کیا جاتا۔

اِس قسم کے لوگوں نے کسی زمانہ میں بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں انہوں نے فائدہ اُٹھایا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔

مَیں نے عام طور پر شائع کیا کہ استجابتِ دُعا کا مجھے نشان دیا گیا ہے۔ جو چاہے میرے مقابلہ پر آئے۔ مَیں نے کہا کہ جو مجھے حق پر نہیں سمجھتا، وُہ میرے ساتھ مباہلہ کرے۔ مَیں نے یہ بھی شائع کیا کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف کا ایک نشان مجھے عطا ہوا، اس میں مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ مگر ایک بھی ایسا نہ ہوا جو میرے سامنے آتا اور میری دعوت کو قبول کر لیتا۔ پھر خدا نے مجھے بشارت دی کہ يَنْصُرُكَ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ اور اس کا ثبوت دیا کہ ہر میدان میں مجھے کامیاب کیا۔ پس اگر ان نشانات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا اور اس کی تسلّی نہیں ہوتی پھر وہ کسی اور کے پاس جاوے یا کسی عیسائی کے پاس جاوے اور تسلّی کرے اگر کر سکتا ہے، لیکن سچائی کو چھوڑ کر تسلّی کہاں؟

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ (یونس: ۳۳)

ایسے لوگ لَا مِنَ الْأَحْيَاءِ وَلَا مِنَ الْأَمْوَاتِ کے مصداق ہوتے ہیں۔ غرض نمازوں کے جمع کرنے میں یہ راز اور سِتر تھا اور إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آیا یہ سُستی اور کسل کی وجہ سے تھا یا ایک معقول اور مُبارک طریق پر۔

یاد رکھو کہ اس قدر نشانات دیکھ کر بھی جسے کوئی شک و شُبہ گذر سکتا ہے، تو اُسے ڈرنا چاہیے کہ شیطان عُدُوٌّ مُبین ساتھ ہے۔ مَیں جس راہ کی طرف بُلاتا ہوں۔ یہی وہ راہ ہے جس پر چل کر غوثیت اور قطبیت ملتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام ہوتے ہیں۔ جو لوگ مجھے قبول کرتے ہیں۔ ان کی دین و دُنیا بھی اچھی ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (آلِ عمران: ۵۶) درحقیقت وہ زمانہ آتا ہے کہ اُن کو اُمّیّت سے نکال کر خود قوّتِ بیان عطا کرے گا اور وہ مُنکروں پر غالب ہوں گے، لیکن جو شخص دلائل اور نشانات کو دیکھتا ہے اور پھر دیانت، امانت، انصاف کو ہاتھ سے چھوڑتا ہے، اسے یاد رکھنا چاہیے کہ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ (الانعام: ۲۲)

تم بہت سے نشانات دیکھ چکے ہو اور حروفِ تہجی کے طور پر اگر ایک نقشہ تیار کیا جاوے، تو کوئی حرف باقی نہ رہے گا کہ اس میں کئی کئی نشان نہ آئیں۔ تریاق القلوب میں بہت سے نشان جمع کئے گئے ہیں اور تم نے اپنی آنکھوں سے پُورے ہوتے دیکھے۔

صادق کو نشان کی ضرورت نہیں

اب وقت ہے کہ تمہارے ایمان مضبوط ہوں اور کوئی زلزلہ اور آندھی تمہیں ہلا نہ سکے۔ بعض تم میں ایسے بھی صادق ہیں کہ اُنہوں نے کسی نشان کی اپنے لیے ضرورت نہیں سمجھی۔ گو خدا نے اپنے فضل سے ان کو سینکڑوں نشان دکھا دیئے۔ لیکن اگر ایک بھی نشان نہ ہوتا، تب بھی وہ مجھے صادق یقین کرتے اور میرے ساتھ تھے؛ چنانچہ مولوی نورالدین صاحب کسی نشان کے طالب نہ ہوتے۔ انہوں نے سُنتے ہی آمنّا کہہ دیا اور فاروقی ہو کر صدّیقی عمل کر لیا۔ لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ شام کی طرف گئے ہوئے تھے۔ واپس آئے تو راستہ میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی وہیں اُنھوں نے تسلیم کر لیا"

حضرت اقدسؑ نے اس قدر تقریر فرمائی تھی کہ مولانا مولوی نُور الدین صاحب حکیم الامّت ایک جوش اور صدق کے نشہ سے سرشار ہو کر اُٹھے اور کہا کہ مَیں اس وقت حاضر ہوا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حُضور رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا کہہ کر اقرار کیا تھا۔ اب مَیں اس وقت صادق امام مسیح موعود اور مہدی معہود کے حضور وہی اقرار کرتا ہوں کہ مجھے کبھی ذرا بھی شک اور وہم حضور کے متعلق نہیں گزرا اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ بہت سے اسباب ایسے ہیں۔ جن کا ہمیں علم نہیں۔ اور مَیں نے ہمیشہ اس کو آدابِ نبوّۃ کے خلاف سمجھا ہے کہ کبھی کوئی سوال اس قسم کا کروں۔ مَیں آپ کے حضُور اقرار کرتا ہوں۔ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِکَ مَسِیْحًا وَّ مَھْدِیًّا[1]

اس تقریر کے ساتھ ہی حضرت اقدسؑ نے بھی اپنی تقریر ختم کر دی

۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

سیّدنا حضرت امام آخر الزمان مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۱-۲ پرچہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

"ایک بہت ہی ضروری امر ہے جو مَیں بیان کرنا چاہتا ہوں؛ اگرچہ میری طبیعت بھی اچھی نہیں ہے لیکن کل نواب صاحب جو جانیوالے ہیں۔ اس لیے مَیں نے مناسب سمجھا کہ مَیں بیان کر دوں تاکہ وُہ بھی سُن لیں اور جماعت کے دُوسرے لوگ بھی سُن لیں اور وُہ یہ ہے:

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض

کہ تمام انبیاء علیہم السّلام جو دُنیا میں آتے ہیں؛ اگرچہ انھوں نے جو احکام دُنیا کو سُنائے وہ مبسُوط اور مُطوّل تھے اور بہت کچھ جزئیات بھی بیان کر دیں اور تمام امُور جو توحید، تہذیب، معاملات اور معاد کے متعلق ہوتے ہیں۔ غرض جس قدر امُور انسان کو چاہئیں، ان سب کے متعلق وہ ہر قسم کی ہدائتیں اور تعلیمیں لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ باوجود ان ساری جُزئی تعلیموں اور ہدایتوں کے ہر ایک نبی کی اصل غرض اور مقصد یہ رہا ہے کہ لوگ گناہوں سے نجات پاکر اور ہر قسم کی بدیوں اور بدکاریوں سے بکلّی نفرت کر کے خدا ہی کے لیے ہو جاویں۔ انسانی پیدائش کی اصل غرض اور مقصد بھی یہی ہے کہ وُہ خدا کے لیے ہو جاتے۔ اس لیے انبیاء علیہم السّلام کی بعثت کی غرض اسی مقصد کی طرف انسان کو رہبری کرنا ہوتا ہے تاکہ وُہ اپنی گم گشتہ متاع اور مقصد کو پھر حاصل کرے۔ گناہ اگرچہ بہت ہیں اور ان کے بہت سے شعبے اور شاخیں ہیں۔ یہانتک کہ ہر ادنیٰ قسم کی غفلت بھی گناہ میں داخل ہے۔ لیکن عظیم الشان گناہ جو اس مقصد عظیم کے بالمقابل انسان کو اصل مقصد سے ہٹانے کے لیے پڑا ہوا ہے، وُہ شِرک ہے۔ انسان کی پیدائش کی اصل غرض اور مقصد یہ ہے کہ وُہ خدا ہی کے لیے ہو جاتے اور گناہ اور اس کے محرکات سے بہت دُور رہے اس لیے کہ جُوں جُوں بدقسمت انسان اس میں مبتلا ہوتا ہے، اسی قدر اپنے اصل مدعا سے دُور ہوتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ آخر گرتے گرتے ایسی سفلی جگہ پر جا پڑتا ہے جو مصائب اور مشکلات اور ہر قسم کی تکلیفوں اور دکھوں کا گھر ہے جس کو جہنّم بھی کہتے ہیں۔

دیکھو انسان کا اگر کوئی عضو اپنی اصل جگہ سے ہٹا دیا جائے۔ مثلاً بازُو ہی اگر اُتر جاوے یا ایک انگلی یا انگوٹھا ہی اپنے اصل مقام سے ہٹ جاوے، تو کس قدر درد اور کرب پیدا ہوتا ہے۔ یہ جسمانی نظارہ رُوحانی اور اُخروی عالم کے لیے ایک زبردست دلیل ہے اور جہنّم کے وجُود پر ایک گواہ ہے۔ گناہ یہی ہوتا ہے کہ انسان اس مقصد سے جو اس کی پیدائش سے رکھا گیا ہے، دُور ہٹ جاوے۔ پس اپنے محل سے ہٹنے میں صاف درد کا ہونا ضروری ہے۔

شِرک سے بچو

شِرک ایسی چیز ہے کہ جو انسان کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا کر جہنّم کا وارث بنا دیتا ہے۔ شِرک کی کئی قسم ہیں۔ ایک تو وہ موٹا اور صریح شِرک ہے جس میں ہندو، عیسائی، یہُود اور دوسرے بُت پرست لوگ گرفتار ہیں جس میں کسی انسان یا پتھر یا اور بے جان چیزوں یا قوتوں

یا خیالی دیویوں اور دیوتاؤں کو خدا بنا لیا گیا ہے، اگرچہ یہ شرک ابھی تک دُنیا میں موجود ہے، لیکن یہ زمانہ روشنی اور تعلیم کا کچھ ایسا زمانہ ہے کہ عقلیں اس قسم کے شرک کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگ گئی ہیں۔ یہ جُدا امر ہے کہ وہ قومی مذہب کی حیثیت سے بظاہر ان بے ہودگیوں کا اقرار کریں، لیکن دراصل بالطبع لوگ ان سے متنفر ہوتے جاتے ہیں، مگر ایک اور قسم کا شرک ہے جو مخفی طور پر زہر کی طرح اثر کر رہا ہے اور وہ اس زمانہ میں بہت بڑھتا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور اعتماد بالکل نہیں رہا۔

رعایت اسباب اور توکّل

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے اور نہ ہمارا یہ مذہب ہے کہ اسباب کی رعایت بالکل نہ کی جاوے کیونکہ خدا تعالیٰ نے رعایتِ اسباب کی ترغیب دی ہے اور اس حد تک جہاں تک یہ رعایت ضروری ہے۔ اگر رعایتِ اسباب نہ کی جاوے تو انسانی قوتوں کی بیحرمتی کرنا اور خدا تعالیٰ کے ایک عظیم الشّان فعل کی توہین کرنا ہے، کیونکہ ایسی حالت میں جبکہ بالکل رعایتِ اسباب کی نہ کی جاوے، ضروری ہوگا کہ تمام قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہیں بالکل بے کار چھوڑ دیا جاوے اور ان سے کام نہ لیا جاوے۔ اور اُن سے کام نہ لینا اور ان کو بے کار چھوڑ دینا خدا تعالیٰ کے فعل کو لغو اور عبث قرار دینا ہے۔ جو بہت بڑا گناہ ہے۔ پس ہمارا یہ منشاء اور مذہب ہرگز نہیں کہ اسباب کی رعایت بالکل ہی نہ کی جاوے، بلکہ رعایتِ اسباب اپنی حد تک ضروری ہے۔ آخرت کے لیے بھی اسباب ہی ہیں۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور بدیوں سے بچنا اور دوسری نیکیوں کو اختیار کرنا اس لیے ہے کہ اس عالم اور دوسرے عالم میں سُکھ ملے، تو گویا یہ نیکیاں اسباب کے قائم مقام ہیں۔

اسی طرح پر یہ بھی خدا تعالیٰ نے منع نہیں کیا کہ دنیوی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لیے اسباب کو اختیار کیا جاوے۔ نوکری والا نوکری کرے۔ زمیندار اپنی زمینداری کے کاموں میں رہے۔ مزدور مزدوریاں کریں تا وہ اپنے عیال و اطفال اور دُوسرے متعلقین اور اپنے نفس کے حقوق کو ادا کر سکیں۔ پس ایک جائز حد تک یہ سب دُرست ہے اور اس کو منع نہیں کیا جاتا، لیکن جب انسان حد سے تجاوز کر کے اسباب ہی پر پُورا بھروسہ کرے اور سارا دارومدار اسباب پر ہی جا ٹھہرے تو یہ وہ شرک ہے جو انسان کو اُس کے اصل مقصد سے دُور پھینک دیتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اگر فلاں سبب نہ ہوتا، تو میں بھوکا مر جاتا۔ یا اگر یہ جائداد یا فُلاں کام نہ ہوتا، تو میرا بُرا حال ہو جاتا۔ فلاں دوست نہ ہوتا تو تکلیف ہوتی۔ یہ امُور اس قسم کے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ جائداد یا اور اسباب و احباب پر اس قدر بھروسہ کیا جاوے کہ خدا تعالیٰ سے بکلّی دُور جا پڑے۔ یہ خطرناک شرک ہے، جو قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات: ۲۳) اور فرمایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق : ۴) اور فرمایا مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۴،۳،۲) اور فرمایا۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف : ۱۹۷) قرآن شریف اس قسم کی آیتوں سے بھرا پڑا ہے کہ وُہ متقیوں کا متولّی اور متکفّل ہوتا ہے تو پھر جب انسان اسباب پر تکیہ اور توکل کرتا ہے تو گویا خدا تعالیٰ کی ان صفات کا انکار کرتا ہے اور ان اسباب کو ان صفات سے حصّہ دیتا ہے اور ایک اور خدا اپنے لیے ان اسباب کا تجویز کرتا ہے؛ چونکہ وہ ایک پہلو کی طرف جھکتا ہے۔ اس سے شرک کی طرف گویا قدم اٹھاتا ہے۔ جو لوگ حکام کی طرف جھکے ہوتے ہیں اور اُن سے انعام یا خطاب پاتے ہیں۔ اُن کے دل میں اُن کی عظمت خدا کی سی عظمت داخل ہو جاتی ہے۔ وُہ اُن کے پرستار ہو جاتے ہیں اور یہی ایک امر ہے جو توحید کا استیصال کرتا ہے اور انسان کو اُس کے اصل مرکز سے ہٹا کر دُور پھینک دیتا ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اسباب اور توحید میں تناقض نہ ہونے پاوے، بلکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر رہے اور مآل کار توحید پر جا ٹھہرے۔ وُہ انسان کو یہ سکھانا چاہتے ہیں۔ کہ ساری عزّتیں، سارے آرام اور حاجات براری کا متکفل خدا ہی ہے۔ پس اگر اس کے مقابل میں کسی اور کو بھی قائم کیا جاوے تو صاف ظاہر ہے کہ دو ضدّوں کے تقابل سے ایک ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس لیے مقدم ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید ہو۔ رعایت اسباب کی جاوے۔ اسباب کو خدا نہ بنایا جاوے۔ اسی توحید سے ایک محبت خدا تعالیٰ سے پیدا ہوتی ہے جبکہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ نفع و نقصان اسی کے ہاتھ میں ہے۔ محسن حقیقی وہی ہے۔ ذرّہ ذرّہ اُسی سے ہے۔ کوئی دوسرا درمیان نہیں آتا جب انسان اس پاک حالت کو حاصل کرے۔ تو وُہ مُوحّد کہلاتا ہے۔ غرض ایک حالت توحید کی یہ ہے کہ انسان پتھروں یا انسانوں یا اور کسی چیز کو خدا نہ بنائے، بلکہ ان کو خدا بنانے سے بیزاری اور نفرت ظاہر کرے اور دوسری حالت یہ ہے کہ رعایت اسباب سے نہ گذرے۔

موحّد اپنے نفس اور وجود کی نفی کرتا ہے

تیسری قسم یہ ہے کہ اپنے نفس اور وجُود کے اغراض کو بھی درمیان سے اٹھا دیا جاوے اور اس کی نفی کی جاوے۔

بسا اوقات انسان کے زیرِ نظر اپنی خوبی اور طاقت بھی ہوتی ہے کہ فلاں نیکی مَیں نے اپنی طاقت سے کی ہے۔ انسان اپنی طاقت پر ایسا بھروسہ کرتا ہے کہ ہر کام کو اپنی ہی قوّت سے منسُوب کرتا ہے۔ انسان موحّد تب ہوتا ہے کہ جب اپنی طاقتوں کی بھی نفی کر دے۔

لیکن اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان جیساکہ تجربہ دلالت کرتا ہے۔ عمُوماً کوئی نہ کوئی حصّۂ گناہ کا اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ بعض موٹے گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں اور بعض اوسط درجہ کے گناہوں میں اور بعض باریک در باریک قسم کے گناہوں کا شکار ہوتے ہیں۔ جیسے بخل، ریا کاری یا اور اسی قسم کے گناہ کے

حصّوں میں گرفتار ہوتے ہیں۔ جب تک ان سے رہائی نہ ملے، انسان اپنے گمشدہ انوار کو حاصل نہیں کر سکتا۔
اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے احکام دیئے ہیں۔ بعض اُن میں سے ایسے ہیں کہ ان کی بجاآوری ہر ایک کو میسّر نہیں ہے۔ مثلاً حج۔ یہ اس آدمی پر فرض ہے جسے استطاعت ہو۔ پھر راستہ میں امن ہو۔ پیچھے جو متعلقین ہیں۔ اُن کے گذارہ کا بھی معقول انتظام ہو اور اسی قسم کی ضروری شرائط پوری ہوں تو حج کر سکتا ہے ایسا ہی زکوٰۃ ہے۔ یہ وُہی دے سکتا ہے جو صاحب نصاب ہو۔ ایسا ہی نماز میں بھی تغیرات ہو جاتے ہیں۔

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

لیکن ایک بات ہے جس میں کوئی تغیر نہیں۔ وہ ہے:
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ
اصل یہی بات ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ سب اس کے مکملات ہیں۔ توحید کی تکمیل نہیں ہوتی جب تک عبادات کی بجاآوری نہ ہو۔ اس کے یہی معنے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے والا اس وقت اپنے اقرار میں سچا ہوتا ہے کہ حقیقی طور پر عملی پہلو سے بھی وہ ثابت کر دکھائے کہ حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی محبوب و مطلوب اور مقصود نہیں ہے۔ جب اس کی یہ حالت ہو اور واقعی طور پر اس کا ایمانی اور عملی رنگ اس اقرار کو ظاہر کرنے والا ہو، تو وُہ خدا تعالیٰ کے حضور اس اقرار میں جھُوٹا نہیں۔ ساری مادی چیزیں جل گئی ہیں اور ایک فنا اُن پر اس کے ایمان میں آگئی ہے۔ تب وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُنہ سے نکالتا ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ جو اس کا دوسرا جزو ہے وُہ نمونہ کے لیے ہے۔ کیونکہ نمونہ اور نظیر سے ہر بات سہل ہو جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام نمونوں کے لیے آتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمیع کمالات کے نمونوں کے جامع تھے۔ کیونکہ سارے نبیوں کے نمونے آپؐ میں جمع ہیں۔

محمّدؐ جامع جمیع کمالات

آپؐ کا نام اسی لیے محمّدؐ ہے کہ اس کے معنی ہیں، نہایت تعریف کیا گیا۔ محمّدؐ وُہ ہوتا ہے جس کی زمین و آسمان پر تعریف ہوتی ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ دُنیا کے لوگوں نے ان کو نہایت حقارت کی نگاہ سے دیکھا انہیں ذلیل سمجھا اور بخیال خویش ذلیل کیا، لیکن آسمان پر اُن کی عزّت اور تعریف ہوتی ہے۔ وُہ خدا تعالیٰ کے حضور راستباز ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ دُنیا ان کی تعریف کرتی ہے۔ ہر طرف سے واہ واہ ہوتی ہے، مگر آسمان اُن پر لعنت کرتا ہے۔ خدا اور اس کے فرشتے اور مقرب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ تعریف نہیں کرتے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان دونوں جگہ میں تعریف کیے گئے اور یہ فخر اور فضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ملا ہے۔ جس قدر پاک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ کسی اور نبی کو نصیب نہیں ہوا۔ یوُں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کئی لاکھ آدمیوں کی قوم مل گئی، مگر وہ ایسے مستقل مزاج یا ایسی پاکباز اور عالی ہمت قوم نہ تھی جیسی صحابہ

کی تھی۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ قوم موسیٰ کا یہ حال تھا کہ رات کو مومن ہیں تو دن کو مرتد ہیں۔ آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کا حضرت موسیٰؑ اور اس کی قوم کے ساتھ مقابلہ کرنے سے گویا کل دُنیا کا مقابلہ ہوگیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو جماعت ملی وہ ایسی پاکباز اور خدا پرست اور مخلص تھی کہ اس کی نظیر کسی دُنیا کی قوم اور کسی نبی کی جماعت میں ہرگز پائی نہیں جاتی۔ احادیث میں اُن کی بڑی تعریفیں آئی ہیں۔ یہانتک فرمایا۔ اَللّٰہُ اللّٰہُ فِیْ اَصْحَابِیْ اور قرآن کریم میں بھی ان کی تعریف ہوئی۔ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّھِمْ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا۔ (الفرقان : ۶۵)

موسیٰؑ کی جماعت جن مشکلات اور مصائب طاعون وغیرہ کے نیچے آئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیار کردہ جماعت اس سے ممتاز اور محفوظ رہی اِس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ اور انفاس طیبہ اور جذب الی اللہ کی قوت کا پتہ لگتا ہے کہ کیسی زبردست قوتیں آپؐ کو عطا کی گئی تھیں، جو ایسا پاک اور جانثار گروہ اکٹھا کرلیا۔ یہ خیال بالکل غلط ہے جو جاہل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یُونہی لوگ ساتھ ہو جاتے ہیں۔ جبتک ایک قوت جذب اور کشش کی نہ ہو، کبھی ممکن نہیں ہے کہ لوگ جمع ہوسکیں۔ میرا مذہب یہی ہے کہ آپؐ کی قوتِ قدسی ایسی تھی کہ کسی دُوسرے نبی کو دُنیا میں نہیں ملی۔ اسلام کی ترقی کا راز یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ جذب بہت زبردست تھی اور پھر آپؐ کی باتوں میں وہ تاثیر تھی کہ جو سُنتا تھا وہ گرویدہ ہو جاتا تھا۔ جن لوگوں کو آپؐ نے کھینچا، ان کو پاک صاف کردیا اور اس کے ساتھ ہی آپؐ کی تعلیم ایسی سادہ اور صاف تھی کہ اس میں کسی قسم کے گورکھ دھندے اور معمّے تثلیث کی طرح نہیں ہیں؛ چنانچہ نپولین کی بابت لکھا ہے کہ وہ مسلمان تھا اور کہا کرتا تھا کہ اسلام بہت ہی سیدھا سادہ مذہب ہے۔ اس نے تثلیث کی تکذیب کی ہے۔ غرض آپؐ وہ دین لائے جو سیدھا سادہ ہے جو خدا کے سامنے یا انسان کے سامنے شرمندہ نہیں ہوسکتا۔ قانونِ قدرت اور فطرت کے ساتھ ایسا وابستہ ہے کہ ایک جنگلی بھی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے۔ تثلیث کی طرح کوئی لاینحل عُقدہ اس میں نہیں جس کو نہ خدا سمجھ سکے نہ اور نہ ماننے والے جیساکہ عیسائی کہتے ہیں۔ تثلیث قبول کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے بُت پرستی اور اوہام پرستی کرے اور عقل و فکر کی قوتوں کو بالکل بیکار اور معطل چھوڑ دے حالانکہ اسلام کی توحید ایسی ہے کہ ایک دنیا سے الگ تھلگ جزیرہ میں بھی وہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ یہ دین جو عیسائی پیش کرتے ہیں یہ عالمگیر اور مکمل دین نہیں ہوسکتا اور نہ انسان اس سے کوئی تسلی یا اطمینان پاسکتا ہے۔ مگر اسلام ایک ایسا دین ہے جو کیا باعتبار توحید اور اعمالِ حسنہ اور کیا تکمیل مسائل، سب سے بڑھ کر ہے۔

ہزاروں قسم کی بدکاریاں یہودیوں میں جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے پائی جاتی ہیں اور مسیحؑ کے حواریوں کا ذکر بھی کرنا نہیں چاہتے کہ جن میں سے ایک نے چند کھوٹے درہم لے کر اپنے آقا کو پکڑا دیا اور ایک نے لعنت کی اور کسی نے بھی وفاداری کا نمونہ نہ دکھایا لیکن صحابہؓ کی حالت کو دیکھتے ہیں، تو ان میں کوئی جھوٹ بولنے والا بھی

نظر نہیں آتا۔ ان کے تصور میں بھی بجز روشنی کے کچھ نظر نہیں آتا ؛ حالانکہ جب عرب کی ابتدائی حالت پر نگاہ کرتے ہیں، تو وہ تحت الثریٰ میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بُت پرستی میں منہمک تھے۔ یتیموں کا مال کھانے اور ہر قسم کی بدکاریوں میں دلیر اور بے باک تھے۔ ڈاکوؤں کی طرح گذارہ کرتے تھے۔ گویا سر سے پیر تک نجاست میں غرق تھے۔ پھر مَیں پوچھتا ہوں وُہ کونسا اسم اعظم تھا جس نے اُن کی جھٹ پٹ کایا پلٹ دی اور ان کو ایسا نمونہ بنا دیا جس کی نظیر دُنیا کی قوموں میں ہرگز نہیں ملتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر اور کوئی بھی معجزہ پیش نہ کریں، تو اس حیرت انگیز پاک تبدیلی کے مقابلہ میں کسی خود ساختہ خدا کا ہی کوئی معجزہ ہمیں دکھائے۔ ایک آدمی کا دُرست کرنا مشکل ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو ایک قوم تیار کی گئی کہ جنھوں نے اپنے ایمان اور اخلاص کا وہ نمونہ دکھایا کہ بھیڑ بکری کی طرح اس سچائی کے لیے ذبح ہو گئے جس کو انھوں نے اختیار کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ زمینی نہ رہے تھے۔ بلکہ رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، ہدایت اور مؤثر نصیحت نے ان کو آسمانی بنا دیا تھا۔ قُدسی صفات ان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ دُنیا کی خباثتوں اور ریاکاریوں سے وُہ ایسے سُبک اور ہلکے پُھلکے کر دیتے گئے تھے کہ ان میں پرواز کی قوت پیدا ہو گئی تھی۔ یہ وُہ نمونہ ہے جو ہم اسلام کا دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں، اسی صلاح اور ہدایت کا باعث تھا جو اللہ تعالیٰ نے پیشگوئی کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمدؐ رکھا۔ جس سے زمین پر بھی آپؐ کی ستائش ہوئی، کیونکہ آپؐ نے زمین کو امن، صلحکاری اور اخلاق فاضلہ اور نیکوکاری سے بھر دیا تھا۔

مَیں نے پہلے بھی کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر اخلاق ثابت ہوتے ہیں، وہ کسی اور نبی کے نہیں، کیونکہ اخلاق کے اظہار کے لیے جبتک موقع نہ ملے کوئی اخلاق ثابت نہیں ہو سکتا۔ مثلاً سخاوت ہے۔ لیکن اگر روپیہ نہ ہو، تو اس کا ظہور کیونکر ہو۔ ایسا ہی کسی کو لڑائی کا موقع نہ ملے تو شجاعت کیونکر ثابت ہو۔ ایسا ہی عفو، اس صفت کو وہ ظاہر کر سکتا ہے۔ جسے اقتدار حاصل ہو۔ غرض سب خُلق موقع سے وابستہ ہیں۔ اب سمجھنا چاہیے کہ یہ کس قدر خدا کے فضل کی بات ہے کہ آپؐ کو تمام اخلاق کے اظہار کے موقعے ملے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہ موقعہ نہیں ملے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخاوت کا موقع ملا۔ آپؐ کے پاس ایک موقع پر بہت سی بھیڑ بکریاں تھیں۔ ایک کافر نے کہا کہ آپؐ کے پاس اس قدر بھیڑ بکری جمع ہیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی اس قدر نہیں۔ آپؐ نے سب کی سب اس کو بخش دیں۔ وہ اسی وقت ایمان لے آیا۔ کہ نبی کے سوا اور کوئی اس قسم کی عظیم الشان سخاوت نہیں کر سکتا۔ مکہ میں جن لوگوں نے دُکھ دیئے تھے۔ جب آپؐ نے مکہ کو فتح کیا تو آپؐ چاہتے تو سب کو ذبح کر دیتے، مگر آپؐ نے رحم کیا اور لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہدیا۔ آپؐ کا بخشنا تھا کہ سب مسلمان ہو گئے۔ اب اس قسم کے عظیم الشان اخلاق فاضلہ کیا کسی نبی میں

پائے جاتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ وُہ لوگ جنھوں نے آپؐ کی ذاتِ خاص اور عزیزوں اور صحابہؓ کو سخت تکلیفیں دی تھیں اور ناقابلِ عفو ایذائیں پہنچائی تھیں۔ آپؐ نے سزا دینے کی قوت اور اقتدار کو پاکر فی الفور اُن کو بخش دیا؛ حالانکہ اگر اُن کو سزا دی جاتی، تو یہ بالکل انصاف اور عدل تھا، مگر آپؐ نے اس وقت اپنے عفو اور کرم کا نمونہ دکھایا۔ یہ وُہ اُمور تھے کہ علاوہ معجزات کے صحابہ پر مؤثر ہوتے تھے۔ اس لیے آپؐ اسم باسمیٰ مُحمّدؐ ہو گئے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور زمین پر آپؐ کی حمد ہوتی تھی اور اسی طرح آسمان پر بھی آپؐ کی تعریف ہوتی تھی۔ اور آسمان پر بھی آپؐ محمدؐ تھے۔ یہ نام آپؐ کا اللہ تعالیٰ نے بطور نمونہ کے دُنیا کو دیا ہے۔ جبتک انسان اس قسم کے اخلاق اپنے اندر پیدا نہیں کرتا، کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کامل طور پر انسان اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتا۔ جبتک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور طرزِ عمل کو اپنا رہبر اور ہادی نہ بنا دے؛ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت فرمایا ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران : ۳۲) یعنی محبوبِ الٰہی بننے کے لیے ضروری ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے۔ سچی اتباع آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کا رنگ اپنے اندر پیدا کرنا ہوتا ہے، مگر افسوس ہے کہ آج کل لوگوں نے اتباع سے مراد صرف رفع یدین، آمین بالجہر اور رفع سبابہ ہی سے لیا ہے۔ باقی امور کو جو اخلاق فاضلہ آپؐ کے تھے۔ اُن کو چھوڑ دیا۔ یہ منافق کا کام ہے کہ آسان اور چھوٹے اُمور کو بجالاتا ہے اور مشکل کو چھوڑتا ہے۔ سچے مومن اور مخلص مسلمان کی ترقیوں اور ایمانی درجوں کا آخری نقطہ تو یہی ہے کہ وہ سچا متبع ہو اور آپؐ کے تمام اخلاق کو حاصل کرے جو سچائی کو قبول نہیں کرتا۔ وُہ اپنے آپ کو دھوکا دیتا ہے۔ کروڑوں مسلمان دنیا میں موجود ہیں اور مسجدیں بھی بھری ہوئی نظر آتی ہیں، مگر کوئی برکت اور ظہور ان مسجدوں کے بھرے ہوتے ہونے سے نظر نہیں آتا۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ جو کیا جاتا ہے۔ محض رسُوم اور عادات کے طور پر کیا جاتا ہے۔ وہ سچا اخلاص اور وفا جو ایمان کے حقیقی لوازم ہیں۔ ان کے ساتھ پائے نہیں جاتے۔ سب عمل ریاکاری اور نفاق کے پردوں کے اندر مخفی ہو گئے ہیں۔ جُوں جُوں انسان ان کے حالات سے واقف ہوتا جاتا ہے۔ اندر سے گند اور خبث نکلتا آتا ہے۔ مسجد سے نکل کر گھر کی تفتیش کرو تو یہ ننگِ اسلام نظر آئیں گے۔ مثنوی میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک کوٹھا ہزار من گندم سے بھرا ہوا خالی ہو گیا۔ اگر چُوہے اس کو نہیں کھا گئے، تو وہ کہاں گیا۔ پس اسی طرح پر پچاس برس کی نمازوں کی جب برکت نہیں ہوئی۔ اگر ریا اور نفاق نے ان کو باطل اور حبط نہیں کیا، تو وہ کہاں گئیں۔ خدا کے نیک بندوں کے آثار ان میں پائے نہیں جاتے۔ ایک طبیب جب کسی مریض کا علاج کرتا ہے۔ اگر وہ نسخہ اس کے لیے مفید اور کارگر نہ ہو، تو چند روز کے تجربہ کے بعد اس کو بدل دیتا ہے اور پھر تشخیص کرتا ہے لیکن ان مریضوں پر تو وہ نسخہ استعمال کیا گیا ہے جو ہمیشہ مفید اور زُود اثر ثابت ہوا ہے، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں

نے نسخہ کے استعمال میں غلطی اور بدپرہیزی کی ہے۔ یہ تو ہم کہہ نہیں سکتے کہ ارکانِ اسلام میں غلطی تھی اور نماز، روزہ حج، زکوٰۃ موثر علاج نہ تھا کیونکہ اس نسخہ نے ان مریضوں کو اچھا کیا جن کی نسبت لاعلاج ہونے کا فتویٰ دیا گیا تھا۔

خود تراشیدہ وظائف

مَیں جانتا ہوں کہ جن لوگوں نے ان ارکان کو چھوڑ کر اور بدعتیں تراشی ہیں۔ یہ اُن کی اپنی شامتِ اعمال ہے، ورنہ قرآن شریف تو کہہ چکا تھا۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدہ : ۴) اکمالِ دین ہو چکا تھا اور اتمامِ نعمت بھی خدا کے حضور پسندیدہ دین اسلام ٹھہر چکا تھا۔ اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمالِ خیر کی راہ چھوڑ کر اپنے طریقے ایجاد کرنا اور قرآن شریف کی بجائے اور وظائف اور کافیاں پڑھنا یا اعمالِ صالحہ کے بجائے قسم قسم کے ذکر اذکار نکال لینا یہ لذّتِ رُوح کے لیے نہیں ہے، بلکہ لذّتِ نفس کی خاطر ہے۔ لوگوں نے لذّتِ نفس اور لذّتِ رُوح میں فرق نہیں کیا اور دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے، حالانکہ وہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ اگر لذّتِ نفس اور لذّتِ رُوح ایک ہی چیز ہے تو مَیں پُوچھتا ہوں کہ ایک بدکار عورت کے گانے سے بدمعاشوں کو زیادہ لذّت آتی ہے۔ کیا وہ اس لذّتِ نفس کی وجہ سے عارف باللہ اور کامل انسان مانے جائیں گے۔ ہرگز نہیں۔ جن لوگوں نے خلافِ شرع اور خلافِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم راہیں نکالی ہیں ان کو یہی دھوکا لگا ہے کہ وُہ نفس اور رُوح کی لذّت میں کوئی فرق نہیں کر سکتے، ورنہ وُہ ان بیہودگیوں میں رُوح کی لذّت اور اطمینان نہ پاتے۔ ان میں نفسِ مطمئنہ نہیں ہے جو بُلّھے شاہ کی کافیوں میں لذّت کے جویاں ہیں۔ رُوح کی لذّت قرآن شریف سے آتی ہے[1]۔

* اپنی شامتِ اعمال کو نہیں سوچا اُن اعمالِ خیر کو جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تھے، ترک کر دیا اور ان کی بجائے خود تراشیدہ دُرود وظائف داخل کر لیے اور چند کافیوں کا حفظ کر لینا کافی سمجھا گیا۔ بُلّھے شاہ کی کافیوں پر وجد میں آجاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف کا جہاں وعظ ہو رہا ہو، وہاں بہت ہی کم لوگ جمع ہوتے ہیں، لیکن جہاں اس قسم کے مجمع ہوں وہاں ایک گروہ کثیر جمع ہو جاتا ہے۔ نیکیوں کی طرف سے یہ کم رغبتی اور نفسانی اور شہوانی امُور کی طرف توجہ صاف ظاہر کرتی ہے کہ لذّتِ رُوح اور لذّتِ نفس میں ان لوگوں نے کوئی فرق نہیں سمجھا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ بعض ان رقص و سُرود کی مجلسوں میں دانستہ پگڑیاں اُتار لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ میاں صاحب کی مجلس میں بیٹھتے ہی وجد ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی بدعتیں اور اختراعی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جنھوں نے نماز سے لذّت نہیں اٹھائی اور اس ذوق سے محروم ہیں۔ وُہ رُوح کی تسلی اور اطمینان کی حالت

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۷ صفحہ ۵ - ۸ مورخہ ۳۱ رجولائی ۱۹۰۲ء

ہی کو نہیں سمجھ سکتے اور نہیں جانتے کہ وہ سرُور کیا ہوتا ہے۔ مجھے ہمیشہ تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو اس قسم کی بدعتیں مسلمان کہلا کر نکالتے ہیں، اگر رُوح کی خوشی اور لذت کا سامان اسی میں تھا تو چاہیے تھا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جو عارف ترین اور اکمل ترین انسان دُنیا میں تھے، وہ بھی اسی قسم کی کوئی تعلیم دیتے۔ یا اپنے اعمال سے ہی کچھ کر دکھاتے۔ مَیں ان مخالفوں سے جو بڑے بڑے مشائخ اور گدی نشین اور صاحب سلسلہ ہیں۔ پُوچھتا ہوں کہ کیا پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے درُود و وظائف اور چلّہ کشیاں، اُلٹے سیدھے لٹکنا بھُول گئے تھے۔ اگر معرفت اور حقیقت شناسی کا یہی ذریعہ اصل تھے۔ مجھے بہت ہی تعجب آتا ہے کہ ایک طرف قرآن شریف میں یہ پڑھتے ہیں۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ:۴) اور دُوسری طرف اپنی ایجادوں اور بدعتوں سے اس تکمیل کو توڑ کر ناقص ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

ایک طرف تو یہ ظالم طبع لوگ مجھ پر افترا کرتے ہیں کہ گویا میں ایسی مستقل نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جو صاحب شریعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا الگ نبوت ہے، مگر دُوسری طرف یہ اپنے اعمال کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے کہ جھُوٹی نبوت کا دعویٰ تو خود کر رہے ہیں۔ جب کہ خلافِ رسُول اور خلافِ قرآن ایک نئی شریعت قائم کرتے ہیں۔ اب اگر کسی کے دل میں انصاف اور خدا کا خوف ہے، تو کوئی مجھے بتائے کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم اور عمل پر کچھ اضافہ یا کم کرتے ہیں۔ جبکہ اسی قرآن شریف کے بموجب ہم تعلیم دیتے ہیں۔ اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا امام اور حَکم مانتے ہیں۔ کیا اَرّہ کا ذکر مَیں نے بتایا ہے اور پاس انفاس اور نفی و اثبات کے ذکر اور کیا اور کیا مَیں سکھاتا ہوں۔ پھر جھُوٹی اور مستقل نبوت کا دعویٰ تو یہ لوگ خود کرتے ہیں اور الزام مجھے دیتے ہیں۔

ختمِ نبوت کی حقیقت

یقیناً یاد رکھو کہ کوئی شخص سچا مسلمان نہیں ہو سکتا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع نہیں بن سکتا جبتک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یقین نہ کرے۔ جبتک ان محدثات سے الگ نہیں ہوتا اور اپنے قول اور فعل سے آپؐ کو خاتم النبیین نہیں مانتا۔ کچھ نہیں۔ سعدیؒ نے کیا اچھا کہا ہے ؎

بزُہد و ورع کوش و صِدق و صفا   ولیکن میفزائے بر مُصطفٰے

ہمارا مدعا جس کے لیے خدا تعالیٰ نے ہمارے دل میں جوش ڈالا ہے یہی ہے کہ صرف اور صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قائم کی جائے جو ابدالآباد کے لیے خدا تعالیٰ نے قائم کی ہے اور تمام جھوٹی نبوتوں کو پاش پاش کر دیا جائے جو ان لوگوں نے اپنی بدعتوں کے ذریعہ قائم کی ہیں۔ ان ساری گدیوں کو دیکھ لو اور عملی طور پر مشاہدہ کرو کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت پر ہم ایمان لاتے ہیں یا وُہ؟

یہ ظلم اور شرارت کی بات ہے کہ ختمِ نبوت سے خدا تعالیٰ کا اتنا ہی منشاء قرار دیا جائے کہ مُنہ سے ہی خاتم النبیین مانو اور کرتوتیں وہی کرو جو تم خود پسند کرو اور اپنی ایک الگ شریعت بنالو۔ بغدادی نماز، معکوس نماز وغیرہ ایجاد کی ہوئی ہیں۔ کیا قرآن شریف یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اس کا کہیں پتہ لگتا ہے۔ اور ایسا ہی "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شَیْئًا لِلّٰہ" کہنا اس کا ثبوت بھی کہیں قرآن شریف سے ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تو شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا وجود بھی نہ تھا۔ پھر یہ کس نے بتایا تھا۔ شرم کرو۔ کیا شریعتِ اسلام کی پابندی اور التزام اسی کا نام ہے؟ اب خود ہی فیصلہ کرو کہ کیا ان باتوں کو مان کر ایسے عمل رکھ کر تم اس قابل ہو کہ مجھے الزام دو کہ مَیں نے خاتم النبیین کی مُہر کو توڑا ہے۔ اصل اور سچی بات یہی ہے کہ اگر تم اپنی مساجد میں بدعات کو دخل نہ دیتے اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت پر ایمان لا کر آپ کے طرزِ عمل اور نقشِ قدم کو اپنا امام بنا کر چلتے، تو پھر میرے آنے ہی کی کیا ضرورت ہوتی۔ تمہاری اِن بدعتوں اور نئی نبوتوں نے ہی اللہ تعالیٰ کی غیرت کو تحریک دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر میں ایک شخص کو مبعوث کرے جو ان جھوٹی نبوتوں کے بُت کو توڑ کر نیست و نابود کرے۔ پس اسی کام کے لیے خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے۔ مَیں نے سُنا ہے کہ غوث علی پانی پتی کے ہاں شاکت مت کا ایک منتر رکھا ہوا ہے جس کا وظیفہ کیا جاتا ہے اور ان گدی نشینوں کو سجدہ کرنا یا ان کے مکانات کا طواف کرنا، یہ تو بالکل معمولی اور عام باتیں ہیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اسی لیے قائم کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور عزت کو دوبارہ قائم کریں۔ ایک شخص جو کسی کا عاشق کہلاتا ہے۔ اگر اس جیسے ہزاروں اور بھی ہوں تو اس کے عشق و محبت کی خصوصیت کیا رہی۔ تو پھر اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق میں فنا ہیں۔ جیسا کہ یہ دعویٰ کرتے ہیں۔ تو یہ کیا بات ہے کہ ہزاروں خانقاہوں اور مزاروں کی پرستش کرتے ہیں۔ مدینہ طیبہ تو جاتے نہیں، مگر اجمیر اور دوسری خانقاہوں پر ننگے سر اور ننگے پاؤں جاتے ہیں۔ پاک پٹن کی کھڑکی میں سے گذر جانا ہی نجات کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ کسی نے کوئی جھنڈا کھڑا کر رکھا ہے۔ کسی نے کوئی اور صورت اختیار کر رکھی ہے۔ ان لوگوں کے عُرسوں اور میلوں کو دیکھ کر ایک سچے مسلمان کا دل کانپ جاتا ہے کہ یہ انھوں نے کیا بنا رکھا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کو اسلام کی غیرت نہ ہوتی اور اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ۲۰) خدا کا کلام نہ ہوتا اور اس نے نہ فرمایا ہوتا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰) تو بیشک آج وہ حالت اسلام کی ہو گئی تھی کہ اس کے مِٹنے میں کوئی بھی شُبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت نے جوش مارا اور اس کی رحمت اور وعدۂ حفاظت نے تقاضا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بُروز کو پھر نازل کرے اور اس زمانہ میں آپؐ کی نبوت کو نئے سرے سے زندہ کر کے دکھا دے؛ چنانچہ اس نے اس سلسلہ کو قائم کیا اور مجھے مامور اور مہدی بنا کر بھیجا۔

آج دو قسم کے شرک پیدا ہو گئے ہیں۔ جنھوں نے اسلام کو نابود کرنے کی بیحد سعی کی ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ کا فضل شامل نہ ہوتا، تو قریب تھا کہ خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور پسندیدہ دین کا نام ونشان مٹ جاتا، مگر چونکہ اُس نے وعدہ کیا ہوا تھا اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر : ۱۰) یہ وعدہ حفاظت چاہتا تھا کہ جب غارت گری کا موقعہ ہو، تو وُہ خبر لے۔ چوکیدار کا کام ہے کہ وُہ نقب دینے والوں کو پُوچھتے ہیں۔ اور دُوسرے جرائم والوں کو دیکھ کر اپنے منصبی فرائض عمل میں لاتے ہیں۔ اسی طرح پر آج چونکہ فتن جمع ہو گئے تھے اور اسلام کے قلعہ پر ہر قسم کے مخالف ہتھیار باندھ کر حملہ کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔ اس لیے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ منہاج نبوۃ قائم کرے۔ یہ مواد اسلام کی مخالفت کے دراصل ایک عرصہ دراز سے پک رہے تھے اور آخراب پھوٹ نکلے۔ جیسے ابتدا میں نطفہ ہوتا ہے اور پھر ایک عرصہ مقررہ کے بعد بچہ بن کر نکلتا ہے۔ اسی طرح پر اسلام کی مخالفت کے بچہ کا خرُوج ہو چکا ہے اور اب وہ بالغ ہو کر پُورے جوش اور قوت میں ہے، اس لیے اس کو تباہ کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے آسمان سے ایک حربہ نازل کیا اور اس مکرُوہ شرک کو جو اندرونی اور بیرونی طور پر پیدا ہو گیا تھا، دُور کرنے کے لیے اور پھر خدا تعالیٰ کی توحید اور جلال قائم کرنے کے واسطے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے اور میں بڑے دعوے اور بصیرت سے کہتا ہوں کہ بے شک یہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اس کو قائم کیا ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنی تائیدوں اور نصرتوں سے جو اس سلسلہ کے لیے اس نے ظاہر کی ہیں، دکھا دیا ہے۔

عادۃ اللہ اسی طرح پر جاری ہے کہ جب بگاڑ حد سے زیادہ بڑھ جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اصلاح کے لیے کسی کو پیدا کر دیتا ہے۔ ظاہر نشان تو اس کے صاف ہیں۔ کہ صدی سے انیس[۱۹] برس گذر گئے اور اب تو بیسواں سال بھی شروع ہو گیا۔ اب دانشمند کے لیے غور کا مقام ہے کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھ گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر صدی کے سر پر مجدّد کے مبعوث کرنے کا وعدہ الگ ہے۔ اور قرآن شریف اور اسلام کی حفاظت اور نصرت کا وعدہ الگ۔ زمانہ بھی حضرت کے بعد مسیح کی آمد کے زمانہ سے پُوری مشابہت رکھتا ہے۔ جو نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موعُود کے آنے کے مقرر کیے ہیں، وُہ پورے ہو چکے ہیں۔ تو پھر کیا اب تک بھی کوئی مُصلح آسمان سے نہیں آیا؟ آیا اور ضرور آیا۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق عین وقت پر آیا۔ مگر اس کی شناخت کرنے کے لیے ایمان کی آنکھ کی ضرورت ہے[۱]"

جماعت کے قیام کی غرض

"پھر عقلمند کو ماننے میں کیا تامّل ہو سکتا ہے۔ جب وہ ان تمام اُمور کو جو بیان کیے جاتے ہیں، یکجائی نظر سے دیکھے گا۔ اب میرا مدّعا اور

---

[۱] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۵ پرچہ ۱۰ اگست ۱۹۰۲ء)

منشاء اس بیان سے یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اس کی تائید میں صدہا نشان اس نے ظاہر کیے ہیں۔ اس سے اس کی غرض یہ ہے کہ یہ جماعت صحابہؓ کی جماعت ہو اور پھر خیر القرون کا زمانہ آجاوے۔ جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں چونکہ وہ آخَرِیْنَ مِنْھُمْ میں داخل ہوتے ہیں، اس لیے وہ جھوٹے مشاغل کے کپڑے اُتار دیں۔ اور اپنی ساری توجہ خدا تعالیٰ کی طرف کریں۔ فَیجِ اَعْوَج (ٹیڑھی فوج) کے دشمن ہوں۔ اسلام پر تین زمانے گذرے ہیں۔ ایک قرونِ ثلاثہ اس کے بعد فیج اَعْوَج کا زمانہ جس کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْھُمْ۔ یعنی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں اور تیسرا زمانہ مسیح موعود کا زمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ سے ملحق ہے بلکہ حقیقت میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے۔ فیج اعوج کا ذکر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھی فرماتے تو یہی قرآن شریف ہمارے ہاتھ میں ہے اور اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعة : ٤) صاف ظاہر کرتا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا بھی ہے جو صحابہ کے مشرب کے خلاف ہے اور واقعات بتا رہے ہیں کہ اس ہزار سال کے درمیان اسلام بہت ہی مشکلات اور مصائب کا نشانہ رہا ہے۔ معدودے چند کے سوا سب نے اسلام کو چھوڑ دیا اور بہت سے فرقے معتزلہ اور اباحتی وغیرہ پیدا ہوگئے ہیں۔

ہم کو اس بات کا اعتراف ہے۔ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں گذرا کہ اسلام کی برکات کا نمونہ موجود نہ ہو۔ مگر وہ ابدال اور اولیاء اللہ جو اس درمیانی زمانہ میں گذرے ان کی تعداد اس قدر قلیل تھی کہ ان کروڑوں انسانوں کے مقابلہ میں جو صراطِ مستقیم سے بھٹک کر اسلام سے دُور جا پڑے تھے۔ کچھ بھی چیز نہ تھے۔ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی آنکھ سے اس زمانہ کو دیکھا اور اس کا نام فیج اعوج رکھ دیا۔ مگر اب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ ایک اور گروہِ کثیر کو پیدا کرے جو صحابہ کا گروہ کہلائے، مگر چونکہ خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہی ہے کہ اس کے قائم کردہ سلسلہ میں تدریجی ترقی ہوا کرتی ہے اس لیے ہماری جماعت کی ترقی بھی تدریجی اور کَزَرْعٍ (کھیتی کی طرح) ہوگی۔ اور وہ مقاصد اور مطالب اس بیج کی طرح ہیں، جو زمین میں بویا جاتا ہے۔ وہ مراتب اور مقاصدِ عالیہ جن پر اللہ تعالیٰ اس کو پہنچانا چاہتا ہے، ابھی بہت دُور ہیں۔ وہ حاصل نہیں ہو سکتے ہیں، جب تک وہ خصوصیت پیدا نہ ہو جو اس سلسلہ کے قیام سے خدا کا منشاء ہے۔ توحید کے اقرار میں بھی خاص رنگ ہو۔ تبتّل اِلی اللہ ایک خاص رنگ کا ہو۔ ذکرِ الٰہی میں خاص رنگ ہو۔ حقوقِ اخوان میں خاص رنگ ہو۔

انبیاء کی بعثت کی غرض

تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض مشترک یہی ہوتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی سچی اور حقیقی محبت قائم کی جاوے اور بنی نوع انسان اور اخوان کے حقوق اور محبت میں ایک خاص رنگ پیدا کیا جاوے۔ جب تک یہ باتیں نہ ہوں تمام امور صرف رسمی ہوں گے۔

خدا تعالیٰ کی محبت کی بابت تو خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن بعض اشیاء بعض سے پہچانی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک درخت کے نیچے پھل ہوں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کے اُوپر بھی ہوں گے، لیکن اگر نیچے کچھ بھی نہیں۔ تو اُوپر کی بابت کب یقین ہو سکتا ہے۔ اسی طرح پر بنی نوع انسان اور اپنے اخوان کے ساتھ جو یگانگت اور محبت کا رنگ ہو اور وہ اس اعتدال پر ہو جو خدا نے قائم کیا ہے تو اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی محبت ہو۔ پس بنی نوع کے حقوق کی نگہداشت اور اخوان کے ساتھ تعلقات بشارت دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی محبت کا رنگ بھی ضرور ہے۔

دیکھو دُنیا چند روزہ ہے اور آگے پیچھے سب مرنے والے ہیں۔ قبریں مُنہ کھولے ہوئے آوازیں مار رہی ہیں اور ہر شخص اپنی اپنی نوبت پر جا داخل ہوتا ہے۔ عمر ایسی بے اعتبار اور زندگی ایسی ناپائدار ہے کہ چھ ماہ اور تین ماہ تک زندہ رہنے کی امید کیسی۔ اتنی بھی امید اور یقین نہیں کہ ایک قدم کے بعد دُوسرے قدم اٹھانے تک زندہ رہیں گے یا نہیں۔ پھر جب یہ حال ہے کہ موت کی گھڑی کا علم نہیں اور یہ پکی بات ہے کہ وُہ یقینی ہے ٹلنے والی نہیں۔ تو دانشمند انسان کا فرض ہے کہ ہر وقت اُس کے لیے تیار رہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے۔ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرہ: ۱۳۳) ہر وقت جبتک انسان خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ صاف نہ رکھے۔ اور ان ہر دو حقوق کی پُوری تکمیل نہ کرے، بات نہیں بنتی۔ جیسا کہ مَیں نے کہا ہے کہ حقوق بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک حقوق اللہ اور دُوسرے حقوق العباد۔

اور حقُوقِ عباد بھی دو قسم کے ہیں۔ ایک وُہ جو دینی بھائی ہو گئے ہیں۔ خواہ وُہ بھائی ہے یا باپ، یا بیٹا مگر ان سب میں ایک دینی اخوت ہے۔ اور ایک عام بنی نوع انسان سے سچی ہمدردی۔

اللہ تعالیٰ کے حقوق میں سب سے بڑا حق یہی ہے کہ اُسی کی عبادت کی جاوے اور یہ عبادت کسی غرض ذاتی پر مبنی نہ ہو۔ بلکہ اگر دوزخ اور بہشت نہ بھی ہوں، تب بھی اس کی عبادت کی جاوے اور اس ذاتی محبت میں جو مخلُوق کو اپنے خالق سے ہونی چاہیے کوئی فرق نہ آوے۔ اس لیے ان حقوق میں دوزخ اور بہشت کا سوال نہیں ہونا چاہیے۔ بنی نوع انسان کے ساتھ ہمدردی میں میرا یہ مذہب ہے کہ جبتک دشمن کے لیے دُعا نہ کی جاوے پُورے طور پر سینہ صاف نہیں ہوتا ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن: ۶۱) میں اللہ تعالیٰ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ دشمن کے لیے دُعا کرو، تو قبول نہیں کروں گا۔ بلکہ میرا تو یہ مذہب ہے کہ دشمن کے لیے دُعا کرنا یہ بھی سُنّتِ نبوی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی سے مُسلمان ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لیے اکثر دُعا کیا کرتے تھے۔ اس لیے بُخل کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔ اور حقیقتہً موذی نہیں ہونا چاہیے۔ شُکر کی بات ہے کہ ہمیں اپنا کوئی دشمن نظر نہیں آتا جس کے واسطے دو تین مرتبہ دُعا نہ کی ہو۔ ایک بھی ایسا

نہیں اور یہی مَیں تمہیں کہتا ہوں اور سکھاتا ہوں۔ خدا تعالیٰ اس سے کہ کسی کو حقیقی طور پر ایذا پہنچائی جاوے اور ناحق بُخل کی راہ سے دشمنی کی جاوے، ایسا ہی بیزار ہے۔ جیسے وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے ساتھ ملایا جاوے۔ ایک جگہ وہ فصل نہیں چاہتا اور ایک جگہ وصل نہیں چاہتا۔ یعنی بنی نوع کا باہمی فصل اور اپنا کسی غیر کے ساتھ وصل۔ اور یہ وہی راہ ہے کہ منکروں کے واسطے بھی دُعا کی جاوے۔ اس سے سینہ صاف اور انشراح پیدا ہوتا ہے اور ہمت بلند ہوتی ہے۔ اس لیے جبتک ہماری جماعت یہ رنگ اختیار نہیں کرتی۔ اُس میں اور اس کے غیر میں پھر کوئی امتیاز نہیں ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری امر ہے کہ جو شخص ایک کے ساتھ دین کی راہ سے دوستی کرتا ہے اور اس کے عزیزوں سے کوئی ادنیٰ درجہ کا ہے تو اس کے ساتھ نہایت رِفق اور ملائمت سے پیش آنا چاہیے اور اُن سے محبت کرنی چاہیے۔ کیونکہ خدا کی یہ شان ہے۔

بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو تمہیں چاہیے کہ تم ایسی قوم بنو جس کی نسبت آیا ہے فَاِنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ یعنی وہ ایسی قوم ہے کہ ان کا ہم جلیس بدبخت نہیں ہوتا۔ یہ خلاصہ ہے ایسی تعلیم کا جو تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللہ میں پیش کی گئی ہے[1]۔

۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک عیسائی حق جُو کی گفتگو

مُنشی عبدالحق صاحب قصوری طالب علم بی اے کلاس لاہور نے

جو عرصہ تین سال سے عیسائی تھے۔ الحکم اور حضرت اقدس علیہ السلام کی بعض تحریروں کو پڑھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا کہ وُہ اسلام کی حقانیت اور صداقت کو عملی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس پر حضرت خلیفۃ اللہ نے ان کو لکھ بھیجا تھا کہ وہ کم از کم دو مہینہ تک یہاں قادیان میں آکر رہیں، چنانچہ انہوں نے دارالامان کا قصد کیا۔ ۲۲ر دسمبر ۱۹۰۱ء کو بعد دوپہر یہاں آپہنچے۔ پس اس عنوان کے نیچے ہم جو کچھ لکھیں گے سرِدست اُنہی کے متعلق ہوگا۔

پہلی ملاقات : حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعداء کی طبیعت۔ بوجہ کثرت کار

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۵ پرچہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۲ء

جو آجکل حضورؑ رات کے بہت بڑے حصّہ تک اس میں مصروف رہتے تھے، کیونکہ ایک طرف میگزین کے لیے مضمون ترجمہ کے واسطے دینا تھا۔ دوسری طرف المنار کے لیے موعودہ رسالہ لکھ رہے تھے۔ پھر قریباً دو سَو سے زائد عظیم الشان نشانوں اور پیشگوئیوں کے نقشہ کی ترتیب کے لیے ان پیشگوئیوں اور نشانوں کو مُرتّب اور جمع کر رہے تھے۔
دو تین روز سے ناساز تھی، مگر مہمانوں اور اس نَو وارد حق جُو مہمان کے لیے آج آپؑ نے سیر کو تشریف لے جانے کا ارشاد فرمایا؛ چنانچہ ۹ بجے کے قریب آپؑ باہر کو تشریف لے چلے باہر نکلتے ہی مُنشی عبدالحق صاحب عیسائی کو حضورؑ کے سامنے پیش کر دیا گیا اور جو کچھ گفتگو ہوئی، اُسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ (ایڈیٹر)

حضرت اقدسؑ: "آپ کو عیسائی ہوئے کتنا عرصہ گذرا اور کیا اسباب پیش آتے تھے، جو آپ عیسائی ہوگئے؟"

مُنشی عبدالحق: "مجھے عیسائی ہوتے اس دسمبر میں تین سال ہو جاتے ہیں۔ چونکہ بعض عیسائی میرے دوست تھے اور اُن سے میل ملاقات رہتی تھی اور فیروز پور میں پادری نیوٹن صاحب تھے۔ وُہ بھی بڑی مہربانی سے پیش آتے تھے۔ یہی اسباب میرے عیسائی ہونے کے ابتدا میں پیدا ہوئے تھے۔"

حضرت اقدسؑ: "یہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ آپ دو مہینے کے واسطے یہاں آگئے۔ بظاہر یہ بات آپ کی حق جُوئی کی نشانی ہے۔"

مُنشی عبدالحق: "جناب مَیں کالج سے نام کٹوا کر آیا ہوں۔ رُخصت نہیں ملتی تھی۔"

حضرت اقدسؑ: "یہ تو اور بھی ہمّت کا کام ہے۔ میرے نزدیک بہتر اور مناسب طریق جو آپ کے لیے مفید ہو سکتا ہے، اب یہ ہے کہ آپ اُن اعتراضات کو جو اسلام پر رکھتے ہیں اور اہم ہیں سلسلہ وار لکھ لیں اور ایک ایک کر کے پیش کریں۔ ہم انشاء اللہ تعالیٰ جواب دیتے رہیں گے اور جس جواب سے آپ کی تسلّی نہ ہو اُسے آپ بار بار پُوچھ لیں اور صاف صاف کہہ دیں کہ اس سے مجھے اطمینان نہیں ہوا۔ مگر ان اعتراضوں میں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ وہ ایسے ہوں کہ کُتبِ سابقہ میں اس قِسم کے اعتراضوں کا نام و نشان نہ ہو، ورنہ تضیعِ اوقات ہی ہوگا۔ جب آپ اعتراض کر چکیں گے۔ پھر ہم آپ کو اسلام کی خوبیاں بتائیں گے۔ کیونکہ یہ دو ہی کام ہیں۔ ایک آپ کریں اور ہمیں مدد دیں۔ دُوسرا ہم خود کریں گے۔"

اسلام کی جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں

"تبدیلِ مذہب کے دو باعث ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا باعث وُہ جزئیات ہوتی ہیں، جن کو غلط فہمی اور غلط بیانی سے کچھ کا کچھ بنا دیا جاتا ہے اور اصُولِ مذہب کو اس کے مقابلہ میں بالکل چھوڑ دیا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً اسلام کی بابت جب عیسائی لوگ کسی سے گفتگو کرتے ہیں، تو اسلامی جنگوں پر کلام کرنے لگتے ہیں؛ حالانکہ خود اُن کے گھر میں یشُوع اور موسیٰ کے جنگوں کی نظیریں موجود ہیں۔ اور جب وہ اسلامی جنگوں سے کہیں بڑھ کر

موردِ اعتراض ٹھہر جاتے ہیں، کیونکہ ہم یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ اسلامی جنگ بالکل دفاعی جنگ تھے۔ اور ان میں وُہ شدّت اور سخت گیری ہرگز نہ تھی، جو موسیٰ اور یشُوع کے جنگوں میں پائی جاتی ہے۔ اگر وُہ یہ کہیں کہ موسیٰ اور یشوع کی لڑائیاں عذابِ الٰہی کے رنگ میں تھیں، تو ہم کہتے ہیں کہ اسلامی جنگوں کو کیوں عذابِ الٰہی کی صُورت میں تسلیم نہیں کرتے۔ موسوی جنگوں کو کیا ترجیح ہے۔ بلکہ ان اسلامی جنگوں میں تو موسوی لڑائیوں کے مقابلہ میں بڑی بڑی رعایتیں دی گئی ہیں۔ اصل بات یہی ہے کہ چونکہ وہ لوگ نوامیسِ الٰہیہ سے ناواقف تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر موسیٰ علیہ السلام کے مخالفوں کے مقابلہ میں بہت بڑا رحم فرمایا، کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے۔ پھر اسلامی جنگوں میں موسوی جنگوں کے مقابلہ میں یہ بڑی خصوصیت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خادموں کو مکّہ والوں نے برابر تیرہ سال تک خطرناک ایذائیں اور تکلیفیں دیں اور طرح طرح کے دکھ اُن ظالموں نے دیئے۔ چنانچہ ان میں سے کئی قتل کیے گئے اور بعض بُرے بُرے عذابوں سے مارے گئے؛ چنانچہ تاریخ پڑھنے والے پر یہ امر مخفی نہیں ہے کہ بیچاری عورتوں کو سخت شرمناک ایذاؤں کے ساتھ مار دیا۔ یہاں تک کہ ایک عورت کو دو اُونٹوں سے باندھ دیا اور پھر ان کو مختلف جہات میں دوڑا دیا اور اس بیچاری کو چیر ڈالا۔ اس قسم کی ایذا رسانیوں اور تکلیفوں کو برابر تیرہ سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی پاک جماعت نے بڑے صبر اور حوصلہ کے ساتھ برداشت کیا۔ اس پر بھی اُنھوں نے اپنے ظلم کو نہ روکا اور آخرکار خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصُوبہ کیا گیا۔ اور جب آپؐ نے خدا تعالیٰ سے اُن کی شرارت کی اطلاع پا کر مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کی۔ پھر بھی اُنھوں نے تعاقب کیا اور آخر جب یہ لوگ پھر مدینہ پر چڑھائی کر کے گئے، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے حملہ کو روکنے کا حکم دیا، کیونکہ اب وُہ وقت آ گیا تھا کہ اہلِ مکّہ اپنی شرارتوں اور شوخیوں کی پاداش میں عذابِ الٰہی کا مزہ چکھیں؛ چنانچہ خدا تعالیٰ نے جو پہلے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں گے، تو عذابِ الٰہی سے ہلاک کیے جائیں گے۔ وُہ پُورا ہوا۔ خود قرآن شریف میں ان لڑائیوں کی یہ وجہ صاف لکھی ہے۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ - اِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ (الحج ۴۰-۴۱) یعنی ان لوگوں کو مقابلہ کی اجازت دی گئی۔ جن کے قتل کے لیے مخالفوں نے چڑھائی کی (اس لیے اجازت دی گئی) کہ ان پر ظلم ہوا۔ اور خدا تعالیٰ مظلوم کی حمایت کرنے پر قادر ہے۔ یہ وُہ مظلُوم ہیں جو ناحق اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ ان کا گناہ بجز اس کے اور کوئی نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے۔ یہ وُہ آیت ہے جس سے اسلامی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر جس قدر رعائتیں اسلامی جنگوں میں دیکھو گے۔ ممکن نہیں کہ مُوسوی یا یشُوعی لڑائیوں میں اس کی نظیر مل سکے۔ مُوسوی لڑائیوں میں لاکھوں بیگناہ بچّوں کا مارا جانا، بوڑھوں اور عورتوں کا قتل، باغات اور درختوں کا جلا کر خاک سیاہ کر دینا، توراۃ سے ثابت ہے۔ مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجودیکہ ان شریروں سے

وہ سختیاں اور تکلیفیں دیکھی تھیں جو پہلے کسی نے نہ دیکھی تھیں۔ پھر ان دفاعی جنگوں میں بھی بچوں کو قتل نہ کرنے، عورتوں اور بوڑھوں کو نہ مارنے، راہبوں سے تعلق نہ رکھنے اور کھیتوں اور ثمر دار درختوں کو نہ جلانے اور عبادتگاہوں کے مسمار نہ کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ اب مقابلہ کر کے دیکھ لو کہ کس کا پلہ بھاری ہے۔

غرض یہ بیہودہ اعتراض ہیں۔ اگر انسان فطرتِ سلیمہ رکھتا ہو تو وہ مقابلہ کر کے خود حق پا سکتا ہے۔ کیا موسیٰ کے زمانہ میں اور خدا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی اور۔ اسرائیلی نبیوں کے زمانہ میں جیسے شریر اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں بھی حد سے نکل گئے تھے۔ پس اسی خدا نے جو رؤف و رحیم بھی ہے۔ پھر شریروں کے لیے اس میں غضب بھی ہے، اُن کو ان جنگوں کے ذریعے جو خود اُنھوں نے ہی پیدا کی تھیں، سزا دے دی۔ لوطؑ کی قوم سے کیا سلوک ہوا۔ نوحؑ کے مخالفوں کا کیا انجام ہوا۔ پھر مکہ والوں کو اگر اس رنگ میں سزا دی، تو کیوں اعتراض کرتے ہو۔ کیا کوئی عذاب مخصوص ہے کہ طاعون ہی ہو یا پتھر برسائے جائیں۔ خدا جس طرح چاہے عذاب دے دے۔

سُنتِ قدیمہ اس طرح پر جاری رہی ہے۔ اگر کوئی ناعاقبت اندیش اعتراض کرے، تو اُسے موسیٰ کے زمانہ اور جنگوں پر اعتراض کا موقعہ مل سکتا ہے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی رعایت روا نہیں رکھی گئی۔ نبی کریمؐ کے زمانہ پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ آجکل عقل کا زمانہ ہے اور اب یہ اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھ سکتے، کیونکہ جب کوئی مذاہب سے الگ ہو کر دیکھے گا، تو اُسے صاف نظر آجائے گا کہ اسلامی جنگوں میں اوّل سے آخر تک دفاعی رنگ مقصود ہے اور ہر قسم کی رعائتیں روا رکھی ہیں، جو موسیٰؑ اور یشوع کی لڑائیوں میں نہیں ہیں۔ ایک آریہ کی کتاب میری نظر سے گذری۔ اس نے موسوی لڑائیوں پر بڑے بڑے اعتراض کئے ہیں، مگر اسلامی جنگوں پر اسے کوئی موقع نہیں ملا۔ مجھ سے جب کوئی آریہ یا ہندو اسلامی جنگوں کی نسبت دریافت کرتا ہے۔ تو اُسے میں نرمی اور ملاطفت سے یہی سمجھاتا ہوں کہ جو مارے گئے وہ اپنی ہی تلوار سے مارے گئے۔ جب اُن کے مظالم کی انتہا ہو گئی تو آخر اُن کو سزا دی گئی اور ان کے حملوں کو روکا گیا۔

مجھے پادریوں کے سمجھانے اور اُن سے سمجھنے والوں پر سخت افسوس ہے کہ وہ اپنے گھر میں موسیٰؑ کی لڑائیوں پر تو غور نہیں کرتے اور اسلامی جنگوں پر اعتراض شروع کر دیتے ہیں اور سمجھنے والے اپنی سادہ لوحی سے اُسے مان لیتے ہیں۔ اگر غور کیا جاوے، تو موسوی جنگوں کا اعتراض حضرت مسیحؑ پر بھی آتا ہے، کیونکہ وہ توریت کو مانتے تھے اور حضرت موسیٰؑ کو خدا کا نبی تسلیم کرتے تھے۔ اگر وہ ان جنگوں اور ان بچوں اور عورتوں کے قتل پر راضی نہ تھے، تو انھوں نے اُسے کیوں مانا۔ گویا وہ لڑائیاں خود مسیح نے کیں اور ان بچوں اور عورتوں کو خود مسیح نے ہی قتل کیا۔

اور اصل یہ ہے کہ خود مسیح علیہ السلام کو لڑائیوں کا موقع ہی نہیں ملا، ورنہ وہ کم نہ تھے۔ انہوں نے تو اپنے

شاگردوں کو حکم دیا تھا کہ کپڑے بیچ کر تلواریں خریدیں۔ یہ بالکل سچی بات ہے کہ اگر قرآن شریف ہماری رہنمائی نہ کرتا، تو ان نبیوں پر سے امان اُٹھ جاتا۔ قرآن شریف کا احسان ہے تمام نبیوں پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ اُنہوں نے آکر ان سب کو اس الزام سے بُری کر دکھایا۔

قرآن شریف کو خوب غور سے پڑھو، تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس کی یہی تعلیم ہے کہ کسی سے تعرض نہ کرو۔ جنھوں نے سبقت نہیں کی اُن سے احسان کرو اور ابتداء کرنیوالوں اور ظالموں کے مقابلہ میں بھی دفاع کا لحاظ رکھو۔ حد سے نہ بڑھو۔ اسلام کی ابتداء میں ایسی مشکلات درپیش تھیں کہ ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک کے مسلمان ہونے پر مرنے مارنے کو تیار ہو جاتے تھے اور ہزاروں فتنے بپا ہوتے تھے اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس امن عامہ کے قیام کے لیے مقابلہ کرنا پڑا۔ اگر ہندو اس پر اعتراض کرتے تو کچھ تعجب اور افسوس کی جا نہ تھی، مگر خود جن کے گھر میں اس سے بڑھ کر اعتراض آتا ہے۔ اُن کو اعتراض کرتے ہوتے دیکھ کر تعجب اور افسوس ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے اس قسم کے اعتراض کرنے میں بڑا ظلم کیا ہے۔ کیا ان میں ایساہی ایمان ہے۔ پھر منجملہ اور جزئیات کے غلامی کے مسئلہ پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ قرآن شریف نے غلاموں کے آزاد کرنے کی تعلیم دی ہے اور تاکید کی ہے اور جو اور کسی کتاب میں نہیں ہے۔ اس قسم کے جزئیات کو یہ لوگ محلِ اعتراض ٹھہرا کر ناواقف لوگ اور آزاد طبع نوجوانوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، پس آپ کو مناسب ہے کہ آپ اعتراض کرتے وقت اس امر کا بڑا بھاری لحاظ کریں کہ اسے گناہ اور محلِ اعتراض ٹھہرائیں جو خدا نے گناہ قرار دیا ہو، نہ وہ جو کہ پادری تجویز کریں۔ میں سولہ سترہ سال کی عمر سے ان سے ملتا تھا۔ مگر اس نور کی وجہ سے جو خدا نے مجھے دیا تھا میں ہمیشہ سمجھ لیتا تھا کہ یہ دھوکہ دیتے ہیں[1]"

تعدّدِ ازدواج

"اسی طرح پر تعدّد ازدواج کے مسئلہ پر اعتراض کر دیتے ہیں، مگر مجھے سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان نادانوں نے یہ اعتراض کرتے وقت اس بات پر ذرا بھی خیال نہیں کیا کہ اس کا اثر خود اُن کے خداوند پر کیا پڑتا ہے۔ مجھے سخت رنج آتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ پادریوں کے اس اعتراض نے حضرت عیسٰیؑ پر سخت حملہ کیا ہے۔ کیونکہ جس کے گھر میں حضرت مریمؑ گئی تھیں۔ اس کے پہلے بیوی تھی۔ پھر یہ اولاد کیسی قرار دی جائے گی۔ علاوہ ازیں جبکہ مریمؑ نے اور اس کی ماں نے یہ عہد خدا کے حضور کیا ہوا تھا کہ اس کا نکاح نہ کروں گی پھر وہ کیا آفت اور مشکل پیش آئی تھی جو نکاح کر دیا۔ بہتر ہوتا کہ رُوح القدس کا بچہ مقدس ہیکل میں ہی جنتی۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے اپنے گھر میں نگاہ نہیں کی۔ ورنہ اس قوم کا فرض تھا کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبول کرنے والے یہی ہوتے۔ کیونکہ ان کے ہاں نظائر

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲ صفحہ ۴ تا ۶ پرچہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۲ء

موجود تھے، مگر جیسے اس وقت کو اُنھوں نے کھو دیا۔ آج بھی یہ مسیح موعود کو قبول نہیں کرتے، حالانکہ ایلیا کا قصہ اُن میں موجود ہے اور اسی پر مسیح کی صداقت کا سارا معیار ہے۔ اگر مسیح واقعی مُردوں کو زندہ کرتے تھے، تو کیوں پھونک مار کر ایلیا کو زندہ نہ کر دیا، یہود ابتلاء سے بچ جاتے اور خود مسیح کو بھی ان تکالیف اور مشکلات کا سامنا نہ ہوتا، جو ایلیا کی تاویل سے پیش آئیں۔ ایک یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ وہ اس میں صاف لکھتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہم سے مسیح کے انکار کا سوال کرے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب سامنے رکھ دیں گے۔ کہ کیا اس میں نہیں لکھا کہ مسیح سے پہلے ایلیا آئے گا۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ یوحنا آئے گا۔ اس پر اس نے بڑی بحث کی ہے۔ اور پھر لوگوں کے سامنے اپیل کرتا ہے کہ بتاؤ ہم سچے ہیں یا نہیں۔ الغرض اس قسم کی جزئیات کو یہ لوگ بدنما صورت میں پیش کر کے دھوکا دیتے ہیں۔ آپ اپنے اعتراضوں کے انتخاب میں ان اُمور کو مدّنظر رکھیں جو میں نے آپ کو بتا دیئے ہیں۔

دین کا معاملہ بہت بڑا اہم اور نازک معاملہ ہے اس میں بہت بڑی فکر اور غور کی ضرورت ہے۔ اس میں وُہ پہلو اختیار کرنا چاہیے، جو مشترک اُمّت کا ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ کوئی ایسی بات قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی، جس کے نظائر موجود نہ ہوں۔ مثلاً ایک شخص کہے کہ ایک صندوق میں ایک ہزار روپیہ رکھا تھا اور وُہ جادُو کے ذریعہ ہوا ہو کر اُڑ گیا، تو اُسے کون مانے گا۔ اسی طرح پر عیسائیوں کے معتقدات کا حال ہے۔ آپ اپنے اعتراض مرتب کر کے پیش کریں اور انشاء اللہ ہم جواب دیں گے۔"

تثلیث اور کفارہ

منشی عبدالحق صاحب: " اگر آپ تثلیث اور کفارہ کو توڑ کر دکھا دیں گے، تو میں شاید اور کچھ نہ پوچھوں گا۔"

حضرت مسیح موعودؑ: تثلیث اور کفارہ کی تردید کے دلائل تو ہم انشاء اللہ اتنے بیان کریں گے کہ جو ان کے ابطال کے لیے کافی سے بڑھ کر ہوں گے، مگر میری رائے میں جو ترتیب میں نے آپ کو اشارہ کی ہے۔ اس پر چلنے سے بہت بڑا فائدہ ہوگا۔ اس وقت میں خلط کرنا نہیں چاہتا، لیکن میں مختصر اور اشارہ کے طور پر اتنا کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت تین قومیں یہود، مسلمان اور عیسائی موجود ہیں۔ ان میں سے یہود اور مسلمان بالاتفاق توحید پر ایمان لاتے ہیں، لیکن عیسائی تثلیث کے قائل ہیں۔ اب ہم عیسائیوں سے پُوچھتے ہیں کہ اگر واقعی تثلیث کی تعلیم حق تھی۔ اور نجات کا یہی اصل ذریعہ تھا تو پھر کیا اندھیر مچا ہوا ہے کہ توریت میں اس تعلیم کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہودیوں کے اظہار لے کر دیکھ لو۔ اس کے سوا ایک اور امر قابلِ غور ہے۔ کہ یہودیوں کے مختلف فرقے ہیں اور بہت سی باتوں میں اُن میں باہم اختلاف ہے، لیکن توحید کے اقرار میں ذرا بھی اختلاف

نہیں۔ اگر تثلیث واقعی مدارِ نجات تھی تو کیا سارے کے سارے فرقے ہی اس کو فراموش کر دیتے اور ایک آدھ فرقہ بھی اس پر قائم نہ رہتا۔ کیا یہ تعجب خیز امر نہ ہوگا کہ ایک عظیم الشان قوم جس میں ہزاروں ہزار فاضل ہر زمانہ میں موجود رہے اور برابر مسیح علیہ السلام کے وقت تک جن میں نبی آتے رہے، ان کو ایسی تعلیم سے بالکل بے خبری ہو جاوے جو موسیٰ علیہ السلام کی معرفت انہیں ملی ہو اور مدارِ نجات بھی وُہی ہو۔ یہ بالکل خلافِ قیاس اور بے ہودہ بات ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تثلیث کا عقیدہ خود تراشیدہ عقیدہ ہے۔ نبیوں کے صحیفوں میں اس کا کوئی پتہ نہیں اور ہونا بھی نہیں چاہیے، کیونکہ یہ حق کے خلاف ہے۔ پس یہودیوں میں توحید پر اتفاق ہونا اور تثلیث پر کسی ایک کا بھی قائم نہ ہونا صریح دلیل اس امر کی ہے کہ یہ باطل ہے! حالانکہ خود عیسائیوں کے مختلف فرقوں میں بھی تثلیث کے متعلق ہمیشہ سے اختلاف چلا آتا ہے اور یونی ٹیرین فرقہ اب تک موجود ہے۔ مَیں نے ایک یہودی سے دریافت کیا تھا کہ توریت میں کہیں تثلیث کا بھی ذکر ہے اور یا تمہارے تعامل میں کہیں اس کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اس نے صاف اقرار کیا کہ ہرگز نہیں۔ ہماری توحید وہی ہے، جو قرآن مجید میں ہے اور کوئی فرقہ ہمارا تثلیث کا قائل نہیں۔ اس نے یہ کہا کہ اگر تثلیث پر مدارِ نجات ہوتا، تو ہمیں جو توریت کے حُکموں کو چوکھٹوں اور آستینوں پر لکھنے کا حکم تھا، کہیں تثلیث کے لکھنے کا بھی ہوتا۔ پھر دُوسری دلیل اس کے ابطال پر یہ ہے کہ باطنی شریعت میں اس کے لیے کوئی نمونہ نہیں ہے۔ باطنی شریعت بجائے خود توحید چاہتی ہے۔ پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتابوں میں اعتراف کر لیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے جزیرہ میں رہتا ہو، جہاں تثلیث نہیں پہنچی اس سے توحید ہی کا مطالبہ ہوگا، نہ تثلیث کا۔ پس اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باطنی شریعت توحید کو چاہتی ہے، نہ تثلیث کو۔ کیونکہ تثلیث اگر فطرت میں ہوتی تو سوال اس کا ہونا چاہیے تھا۔

پھر تیسری دلیل اس کے ابطال پر یہ ہے کہ جس قدر عناصر خدا تعالیٰ نے بناتے ہیں، وہ سب کُروی ہیں۔ پانی کا قطرہ دیکھو۔ اجرامِ سماوی کو دیکھو، زمین کو دیکھو۔ یہ اس لیے کہ کُرویت میں ایک وحدت ہوتی ہے۔ پس اگر خدا میں تثلیث تھی تو چاہیے تھا کہ مثلث نما اشیاء ہوتیں۔ ان سب باتوں کے علاوہ بارِ ثبوت مدّعی کے ذمہ ہے۔ جو تثلیث کا قائل ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اس کے دلائل دے۔ ہم جو کچھ توحید کے متعلق یہودیوں کا تعامل باوجود اختلاف فرقوں کے اور باطنی شریعت میں اس کا اثر ہونا اور قانون قدرت میں اُن کی نظیر کا ملنا بتاتے ہیں۔ ان پر غور کرنے کے بعد اگر کوئی تقویٰ سے کام لے تو وہ سمجھ لے گا کہ تثلیث پر جس قدر زور دیا گیا ہے وہ صریح ظُلم ہے۔

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ کبھی غیر تسلی کی راہ اختیار نہیں کرتا۔ اس لیے پگڈنڈیوں کے بجائے شاہراہ پر چلنے والے سب سے زیادہ ہوتے ہیں اور اس پر چلنے والوں کے لیے کسی قسم کا خوف و

خطرہ نہیں ہوتا، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ کی شہادت قوی ہوتی ہے۔ پس جب دنیا میں یہ ایک روزمشاہدہ میں آئی بات ہے۔ پھر آخرت کی راہ قبول کرنے میں انسان کیوں غیر تسلی کی راہ اختیار کرے جس کے لیے کوئی کافی اور معتبر اور سب سے بڑھ کر زندہ شہادت موجود نہ ہو۔ اس وقت دنیا میں ہزاروں راہیں نکالی گئی ہیں، مگر سعید اور مبارک وہی ہے جو دنیا کے لالچوں کو چھوڑ کر محض خدا کے لیے فقر و فاقہ اختیار کر کے خدائی راہ پر چلنے کی تلاش میں نکلے اور جو خلوص نیت سے اُسے ڈھونڈتا ہے وہ اس کو پالیتا ہے۔"

کسر صلیب

عیسائی مذہب کے استیصال کے لیے ہمارے پاس تو ایک دریا ہے اور اب وقت آگیا ہے کہ یہ طلسم ٹوٹ جاوے اور وہ بت جو صلیب کا بنایا گیا ہے گر پڑے۔

اور اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر مجھے مبعوث نہ بھی فرماتا تب بھی زمانہ نے ایسے حالات اور اسباب پیدا کر دیئے تھے کہ عیسائیت کا پول کھل جاتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کی غیرت اور جلال کے یہ صریح خلاف ہے کہ ایک عورت کا بچہ خدا بنایا جاتا جو انسانی حوائج اور لوازم بشریہ سے کچھ بھی استثناء اپنے اندر نہیں رکھتا۔

میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں میں نے کامل تحقیقات کے ساتھ یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ مسیح صلیب پر مر گیا۔ اصل یہ ہے کہ وہ صلیب پر سے زندہ اُتار لیا گیا تھا اور وہاں سے بچ کر وہ کشمیر میں چلا آیا۔ جہاں اس نے ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی اور اب تک اس کی قبر خانیار کے محلہ میں یوز آسف یا شہزادہ نبی کے نام سے مشہور ہے۔

اور یہ بات ایسی نہیں ہے جو محکم اور مستحکم دلائل کی بنا پر نہ ہو بلکہ صلیب کے جو واقعات انجیل میں لکھے ہیں خود ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا۔ سب سے اول یہ ہے کہ خود مسیح نے اپنی مثال یونسؑ سے دی ہے۔ کیا یونسؑ مچھلی کے پیٹ میں زندہ داخل ہوئے تھے یا مر کر اور پھر یہ کہ پیلاطوس کی بیوی نے ایک ہولناک خواب دیکھا تھا جس کی اطلاع پیلاطوس کو بھی اس نے کر دی اور وہ اس فکر میں ہو گیا کہ اس کو بچایا جاوے اور اسی لیے پیلاطوس نے مختلف پیرایوں میں مسیح کے چھوڑ دینے کی کوشش کی اور آخر کار اپنے ہاتھ دھو کر ثابت کیا کہ میں اس سے بری ہوں اور پھر جب یہودی کسی طرح ماننے والے نظر نہ آئے تو یہ کوشش کی گئی کہ جمعہ کے دن بعد عصر آپؑ کو صلیب دی گئی اور چونکہ صلیب پر بھوک پیاس اور دھوپ وغیرہ کی شدت سے کئی دن رہ کر مصلوب انسان مر جایا کرتا تھا، وہ موقع مسیح کو پیش نہ آیا، کیونکہ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا تھا کہ جمعہ کے دن غروب ہونے سے پہلے اُسے صلیب پر سے نہ اُتار لیا جاتا۔ کیونکہ یہودیوں کی شریعت کی رُو سے یہ سخت گناہ تھا کہ کوئی شخص سبت یا سبت سے پہلے رات صلیب پر رہے۔ مسیح چونکہ جمعہ کی آخری گھڑی صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔ اس لیے بعض واقعات آندھی وغیرہ کے پیش آجانے سے فی الفور

اُتار دیا گیا۔ پھر دو چور جو مسیح کے ساتھ صلیب پر لٹکائے گئے تھے ان کی ہڈیاں تو توڑ دی گئی تھیں، مگر مسیح کی ہڈیاں نہیں توڑی گئی تھیں۔

پھر مسیح کی لاش ایک ایسے آدمی کے سپرد کر دی گئی جو مسیح کا شاگرد تھا اور اصل تو یہ ہے کہ خود پیلاطوس اور اس کی بیوی بھی اس کی مُرید تھی، چنانچہ پیلاطوس کو عیسائی شہیدوں میں لکھا ہے اور اس کی بیوی کو ولیہ قرار دیا ہے۔ اور ان سب سے بڑھ کر مرہم عیسیٰ کا نسخہ ہے، جس کو مسلمان، یہودی، رُومی اور عیسائی اور مجوسی طبیبوں نے بالاتفاق لکھا ہے کہ یہ مسیح کے زخموں کے لیے تیار ہوا تھا اور اس کا نام مرہم عیسیٰ، مرہم حواریین اور مرہم رُسل اور مرہم شلیخا وغیرہ بھی رکھا۔ کم از کم ہزار کتاب میں یہ نسخہ موجود ہے اور یہ کوئی عیسائی ثابت نہیں کر سکتا کہ صلیبی زخموں کے سوا اور بھی کبھی کوئی زخم مسیح کو لگے تھے۔ اور اس وقت حواری بھی موجود تھے۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ تمام اسباب اگر ایک جا جمع کیے جاویں، تو صاف شہادت نہیں دیتے کہ مسیح صلیب پر سے زندہ بچ کر اتر آیا تھا۔ اس پر اس وقت ہم کو کوئی لمبی بحث نہیں کرنی ہے۔ یہودیوں کے جو فرقے متفرق ہو کر افغانستان یا کشمیر میں آ گئے تھے، وُہ ان کی تلاش میں اِدھر چلے آئے اور پھر آخر کشمیر ہی میں اُنھوں نے وفات پائی۔ اور یہ بات انگریز محققوں نے بھی مان لی ہے کہ کشمیری دراصل بنی اسرائیل ہیں، چنانچہ برنیر نے اپنے سفرنامہ میں یہی لکھا ہے۔ اب جبکہ یہ ثابت ہوتا ہے اور واقعاتِ صحیحہ کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرے، بلکہ زندہ اُتر آئے، تو پھر کفارہ کا کیا باقی رہا۔

پھر سب سے عجیب تر یہ بات ہے کہ عیسائی جس عورت کی شہادت پر مسیح کو آسمان پر چڑھاتے ہیں وہ خود ایک اچھے اور شریف چال چلن کی عورت نہ تھی۔[1]"

تلاشِ حق کے آداب

"یاد رکھو کہ ایک فعل انسان کی طرف سے اوّلاً سرزد ہوتا ہے۔ پھر اس میں جو اثر یا خاصیت مخفی ہو۔ خدا تعالیٰ کا ایک فعل اس پر مترتب ہو کر اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ مثلاً جب ہم اپنے گھر کی کوٹھڑی کی کھڑکی کو بند کر لیتے ہیں، تو یہ ہمارا فعل ہے اور اس پر خدا تعالیٰ کا فعل یہ سرزد ہوتا ہے کہ اس کوٹھڑی میں روشنی اور ہوا کی آمد و رفت بند ہو کر تاریکی ہو جائے گی۔ پس یہ ایک عادت اللہ اور قدیم سے اسی طرح پر چلی آتی ہے اور اس میں کوئی تغیر تبدّل نہیں ہو سکتا ہے کہ انسانی فعل پر خدا کی طرف سے ایک فعل سرزد ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جیسے یہ نظام ظاہری ہے۔ اندرونی انتظام میں بھی یہی قانون ہے جو شخص صاف دل ہو کر تلاشِ حق کرتا ہے اور اگر کچھ نہیں تو کم از کم سلب عقائد ہی کی حالت میں آتا ہے تو وہ سچائی کو

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۳-۴ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۲ء

ضرور پالیتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنے دل میں پہلے سے ایک بات کا فیصلہ کر لیتا ہے اور ضد اور تعصب کے حلقوں میں گرفتار دل لے کر آتا ہے، تو اس کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اس کا معاندانہ جوش بڑھ کر فطرت کے انوار کو دبا لیتا ہے اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ حق و باطل میں امتیاز کرنے کی توفیق نہیں پاتا۔ پس خدا تعالیٰ سے پاکیزگی اور ہدایت کے پانے کے لیے خود بھی اپنے اندر ایک پاکیزگی کو پیدا کرنا چاہیئے اور وہ یہی ہے کہ انسان بُخل اور تعصب کو چھوڑ دے اور اپنے نفس کو ہرگز دھوکا نہ دے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ جو شخص تلاشِ حق کا دعویٰ کر کے نکلتا ہے اور پھر اپنی جگہ پہلے ہی کسی مذہب کے اصول کو فیصلہ کر کے قطعی بھی قرار دے لیتا ہے، وہ دُنیا کا طالب ہوتا ہے۔ جو دُنیا کی فتح و شکست پر مرتا ہے۔ مَیں اس بات کا قائل نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا کو مانتا ہے۔ نہیں میرے نزدیک وُہ دہریہ ہے۔ پاک دل جو کسی کی زجر و توبیخ کی پروا نہیں کرتا اور جو اقرار کر لینے میں ندامت اور شرمساری نہیں پاتا۔ وہی ہوتا ہے جو حق کو پالیتا ہے۔ ایسے ہی دل پر خدا کے انوار نازل ہوتے ہیں۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ ہرگز ایسے شخص کو ضائع نہیں کرتا جو اس کی جستجو میں قدم رکھتا ہے۔ وُہ یقیناً ہے اور جیسے ہمیشہ سے اس نے اَنَا الْمَوْجُوْد کہا ہے اب بھی کہتا ہے۔ جس طرح پر حضرت مسیحؑ پر وحی ہوتی تھی، اسی طرح اب بھی ہوتی ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں یہ نرا دعویٰ نہیں اس کے ساتھ روشن دلائل ہیں کہ پہلے کیا تھا جو اَب نہیں۔ اب بھی وہی خدا ہے جو سدا سے کلام کرتا چلا آیا ہے، اس نے اب بھی دُنیا کو اپنے کلام سے منوّر کیا ہے۔"

کفّارہ

ایک اور ضروری بات ہے جو مَیں کہنی چاہتا ہوں اور وہ کفارہ کے متعلق ہے۔ کفارہ کی اصل غرض تو یہی بتائی جاتی ہے کہ نجات حاصل ہو اور نجات دُوسرے الفاظ میں گناہ کی زندگی اور اس کی موت سے بچ جانے کا نام ہے، مگر مَیں آپ ہی سے پُوچھتا ہوں کہ خدا کے لیے انصاف کر کے بتاؤ کہ گناہ کو کسی کی خودکُشی سے فلسفیانہ طور پر کیا تعلق ہے۔ اگر مسیح نے نجات کا مفہوم یہی سمجھا اور گناہوں سے بچانے کا یہی طریق انہیں سُوجھا، تو پھر نعوذ باللہ ہم ایسے آدمی کو تو رسُول بھی نہیں مان سکتے کیونکہ اس سے گُناہ رُک نہیں سکتے۔ آپ کو یورپ کے حالات اور لنڈن اور پیرس کے واقعات اچھی طرح معلوم ہوں گے۔ بتاؤ کونسا پہلو گناہ کا ہے جو نہیں ہوتا۔ سب سے بڑھ کر زنا تورات میں لکھا ہے، مگر دیکھو کہ یہ سیلاب کس زور سے ان قوموں میں آیا ہے۔ جن کا یقین ہے کہ مسیح ہمارے لیے مرا۔ اس خودکُشی کے طریق سے تو بہتر یہ تھا کہ مسیح دُعا کرتا کہ اور بھی عمر ملے تاکہ وہ نصیحت اور وعظ ہی کے ذریعے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا۔ مگر یہ سُوجھی تو کیا سُوجھی؟

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے جو مَیں نے پیش کی تھی اور اب تک کسی عیسائی نے اس کا جواب نہیں دیا اور وہ یہ ہے کہ مسیح ہمارے بدلے لعنتی ہوا۔ اب لعنت کے معنوں کے لیے عبرانی یا عربی کے

لغات نکال کر دیکھ لو کہ ملعون کسے کہتے ہیں۔ لغت کی کتابوں میں صاف لکھا ہوا ہے کہ لعین شیطان کا نام ہے اور ملعون وہ شخص ہوتا ہے جس کا خدا سے کوئی تعلق نہ ہو۔ اور وہ خدا سے دُور ہو۔ اب عیسائیوں نے بالاتفاق اپنے عقیدہ میں داخل کر لیا ہے کہ مسیح ہمارے بدلے لعنتی ہوا؛ چنانچہ تین دن کے لیے اسے ہاویہ میں بھی رکھتے ہیں۔ اب یہ لعنتی قربانی جوان کے عقیدہ کے موافق ہوئی۔ نجات سے کیا تعلق اس کا ہوا۔

غرض جس قدر اس پر غور کرتے جائیں گے، اسی قدر اس کی حقیقت کھلتی جائے گی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اصل میں مسیح کے متعلق عیسائیوں اور یہودیوں دونوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ عیسائیوں نے تو یہانتک افراط کی ایک عاجز انسان کو جو ایک ضعیفہ عورت کے پیٹ سے عام آدمیوں کی طرح پیدا ہوا خدا بنالیا۔ اور پھر گرایا بھی تو یہانتک کہ اسے ملعون بنایا اور ہاویہ میں گرایا۔ یہودیوں نے تفریط کی یہانتک کہ معاذ اللہ اسے ولد الزّنا قرار دیا اور بعض انگریزوں نے بھی اسے تسلیم کر لیا اور سارا الزام حضرت مریمؑ پر لگایا۔ مگر قرآن شریف نے آکر دونوں قوموں کی غلطیوں کی اصلاح کی۔ عیسائیوں کو بتایا کہ وہ خدا کا رسُول تھا۔ خدا نہ تھا۔ اور وہ ملعُون نہ تھا۔ مرفُوع تھا۔ اور یہودیوں کو بتایا کہ وہ ولد الزّنا نہ تھا بلکہ مریمؑ صدیقہ عورت تھی۔ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کی وجہ سے اس میں نفخ رُوح ہوا تھا۔ یہی افراط و تفریط اس زمانہ میں بھی ہوئی ہے اور خدا نے مجھے بھیجا ہے کہ میں ان کی اصل عزّت کو قائم کروں۔ مسلمان ناواقفی سے انہیں انسانی صفات سے بڑھ کر قرار دینے میں غلطی کرتے ہیں اور ان کی موت کے راز کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ عیسائی مصلوب قرار دے کر ملعُون بناتے ہیں۔ پس اب وقت آیا ہے کہ مسیحؑ کے سر پر سے وہ الزام دُور کئے جاویں جو ایک بار محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُور کیے تھے۔ پس اسلام کا کس قدر احسان مسیح پر ہے۔ مَیں امید کرتا ہوں کہ آپ ان باتوں پر پورا غور کریں گے۔ مَیں آپ کو بار بار یہی کہتا ہوں کہ جبتک آپ کی سمجھ میں کوئی بات نہ آوے اسے آپ بار بار پوچھیں، ورنہ یہ اچھا طریق نہیں ہے کہ ایک بات کو آپ سمجھیں نہیں اور کہدیں کہ ہاں سمجھ لیا۔ اس کا نتیجہ بُرا ہوتا ہے۔ سراج الدین جو یہاں آیا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا اور کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اس نے آپ کو کچھ کہا تھا۔

منشی عبد الحق صاحب: "ہاں وہ مجھے منع کرتے تھے کہ وہاں مت جاؤ کچھ ضرورت نہیں ہے جب ہم نے ایک سچائی کو پالیا پھر کیا ضرورت ہے کہ اور تلاش کرتے پھریں اور یہ بھی انہوں نے کہا تھا کہ جب مَیں آیا تھا تو وہ مجھے تین میل تک چھوڑنے آئے تھے اور پسینہ آیا ہوا تھا۔

(ایڈیٹر) سلیم الفطرت لوگ حضرت مسیح موعودؑ کی شفقت اور ہمدردی پر غور کریں اور اس جوش کا اندازہ کریں جو اس کی فطرت میں کسی رُوح کو بچا لینے کے لیے ہے۔ کیا تین میل تک جانا محض ہمدردی ہی کیلئے نہ تھا۔ ورنہ میاں سراج الدین سے کیا غرض تھی۔ اگر فطرت سلیم ہو تو آپ کے اس جوش ہمدردی ہی سے حق

کا پتہ پاسکے۔ ہمارے لیے ایسا سچا جوش رکھنے والے تجھ پر خدا کا سلام۔ سلامت برتو اے مرد سلامت)

حضرت مسیح موعودؑ: "اس پسینہ سے اس نے یہ مُراد لی کہ گویا جواب نہیں آیا۔ افسوس! آپ اس سے پُوچھتے تو سہی کہ پھر وہ یہاں رہ کر نمازیں کیوں پڑھتا تھا اور کیا اس نے نہیں کہا تھا کہ میری تسلی ہوگئی۔ میرے سامنے ہو تو مَیں اس کو حلف دے کر پُوچھوں۔ سامنے ہونے سے کچھ تو شرم آجاتی ہے۔"

منشی عبدالحق: "مَیں نے نمازوں کا حال پُوچھا تھا۔ اُنھوں نے کہا تھا کہ ہاں مَیں پڑھا کرتا تھا اور آخر مَیں نے کہہ دیا تھا کہ مَیں کسی سرد مقام پر جا کر فیصلہ کروں گا۔ اور یہ بھی مسٹر سراج الدین نے کہا تھا کہ مرزا صاحب شہرت پسند ہیں۔ مَیں نے چار سوال پُوچھے تھے اُن کا جواب چھاپ دیا۔"

حضرت اقدسؑ: "اس میں تو شہرت پسندی کی کوئی بات نہیں۔ ہم کیوں حق کو چھپاتے۔ اگر چھپاتے تو گنہگار ٹھہرتے اور معصیت ہوتی۔ خدا نے جب مجھے مامُور کر کے بھیجا ہے۔ تو پھر مَیں حق کا اظہار کروں گا اور جو کام میرے سپُرد ہوا ہے، اسے مخلوق کو پہنچاؤں گا اور اس بات کی مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ کوئی شہرت پسند کہے یا کچھ اور۔ آپ اُن کو پھر خط لکھیں کہ وُہ یہاں کچھ دن اور رہ جاویں۔"

(الغرض ان باتوں میں آپ مکان کے قریب پہنچ گئے اور اس وقت حضرت اقدسؑ نے منشی عبدالحق صاحب کو مخاطب کر کے یہ فرمایا کہ آپ ہمارے مہمان ہیں اور مہمان آرام وہی پاسکتا ہے جو بے تکلف ہو پس آپ کو جس چیز کی ضرورت ہو۔ مجھے بلا تکلف کہہ دیں۔ پھر جماعت کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو۔ یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم میں سے ہر ایک کو مناسب ہے کہ ان سے پورے اخلاق سے پیش آوے اور کوشش کرتا ہے کہ ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ یہ کہہ کر آپ گھر میں تشریف لے گئے۔[1])

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

مامُور من اللہ کا نشان

حضرت مسیح موعودؑ: "مامُور اگر ان امُور کی جو اس پر کھولے جاتے ہیں، اشاعت نہ کرے، تو مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وُہ مخلوق پر ظلم کرتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ کے سپُرد کردہ فرض کو انجام نہیں دیتا۔ مامُور کا ایک یہ بھی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۲ء

نشان ہے کہ وہ اشاعتِ حق سے نہیں رُکتا اور ہمیں افسوس ہوتا ہے جب انجیل میں ایسے فقرات دیکھتے ہیں جن میں مسیح اپنے آپ کو چھپانے اور کسی پر ظاہر نہ کرنے کی تعلیم اپنے شاگردوں کو دیتا ہے۔ ماموُر من اللہ میں ایک شجاعت ہوتی ہے۔ اس لیے وہ کبھی بھی اپنے پیغام پہنچانے اور اشاعتِ حق میں نہیں ڈرتا۔ شہادت حقّہ کا چھپانا سخت گُناہ ہے۔ پس مَیں کیونکر اس حقیقت کو چھپا سکتا ہوں۔ جو خدا نے مجھ پر کھولی ہے۔ میرے نزدیک یہ طریق بہت ہی مناسب ہے جو یہ اس طرح پر مرتّب ہو جایا کرے۔ آپ نے اب دوبارہ سُن لیا ہے۔ اس پر غور کریں اور جو کچھ آپ کو شک باقی ہو بیشک پُوچھ لیں۔"

مسٹر عبدالحق: "مَیں اس پر مزید غور کروں گا۔"

حضرت مسیح موعودؑ: "مَیں آپ کی اس بات کو بہت پسند کرتا ہوں کہ جلدی نہیں کی۔ آپ بیشک چار پانچ روز تک اس پر کافی غور کریں۔"

مسٹر عبدالحق: "مَیں نے آج ایک سوال قرآن شریف کی ضرورت پر سوچا تھا، مگر وُہ اس تقریر میں آچکا۔ مَیں ایک یہ سوال بھی پُوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ انجیل میں تحریف ہو گئی ہے۔ اگر کوئی یہ پُوچھے کہ اصل کہاں ہے تو اس کا کیا جواب ہے؟"

حضرت مسیح موعودؑ: "یہ سوال آپ کا ایک نیا سوال ہے اور پہلے سوالوں سے الگ ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ تداخل نہ ہو۔ مَیں اس سوال کا جواب بیان کروں گا، مگر اوّل مناسب یہی ہے کہ آپ اپنے سوالوں کے جواب پر غور کر کے اور جو کچھ ان کے متعلق پُوچھنا ہو پُوچھ لیں۔ سو جب وُہ طے ہو جائیں، پھر مَیں آپ کے اس سوال کا جواب دُوں گا۔ مگر تداخل کو مَیں مناسب نہیں سمجھتا۔ جیسے تداخل طعام دُرست نہیں ہے۔ یعنی ایک کھانا کھایا پھر کچھ اور کھا لیا۔ پھر کچھ اور۔ اس کا نتیجہ یہی ہو گا کہ سُوء ہضم ہو کر ہیضہ یا قے یا کسی اور بیماری کی نوبت آئے۔ اسی طرح تداخل کلام منع ہے۔ تداخلِ کلام سے کوئی بات محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اور انسان اس سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا، بلکہ وہ وقت بالکل ضائع چلا جاتا ہے۔ میری عین مراد یہی ہے کہ یہ سوالات آپ کے باترتیب ہوں اور ہر سوال کی ایک مدر کھی جاوے اور اس کو دوسرا سوال قرار دے لیا جاوے۔ اس وقت میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ میں غلط بحث کر کے اپنا وقت ضائع کروں اور آپ کو فائدہ سے محرُوم رکھوں، بلکہ مَیں چاہتا ہوں کہ آپ کو پورا فائدہ پہنچاؤں جو میرے امکان اور طاقت میں ہے اور اس کے لیے میری رائے میں یہی طریق مناسب ہے جو اختیار کیا گیا ہے۔ مَیں اس سوال کا جواب دیتے وقت آپ کو بتاؤں گا کہ تحریف کے خیالات شروع میں مُسلمانوں سے پیدا نہیں ہوئے بلکہ انجیل کے ماننے والوں ہی کی طرف سے ان خیالات کی ابتدا ہوئی ہے اور مَیں اس کو جیسا مَیں نے کہا ہے۔ اور دُوسرے وقت پر رکھتا ہوں۔ جب آپ پہلے سوالوں کے

جوابات سمجھ لیں گے۔

جو لوگ بحث مباحثہ کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں اور تلاشِ حق اُن کا مقصد نہیں ہوتا۔ وہ ایک ہی جلسہ میں سب کچھ طے کر لینا چاہتے ہیں۔ مَیں اس کو مذہبی قمار بازی کہتا ہوں۔ جیسے قمار باز اپنی چابکدستی اور چالاکی سے ہاتھ مارنا چاہتے ہیں، اسی طرح پر یہ لوگ کرتے ہیں۔ اور ہم نے تجربہ سے دیکھ لیا ہے کہ اصل بات کو چھپاتے ہیں۔ اور فرضی اور خیالی باتیں پیش کرتے ہیں۔ پس مَیں اس کو بہت ہی بُرا سمجھتا ہوں کہ انسان مذہبی قمار بازی کیلئے دست دراز ہو اور خدا کا ذرا بھی خوف اور حیا نہ کرکے اپنی چالاکیوں سے کام لے۔ یہ مذہبی قمار بازی کب ہوتی ہے جب دُنیا کی ہار جیت اور خیالی فتح و شکست مدِّنظر ہو اور احباب اور ہمعصروں کی نگاہ میں واہ واہ سُننے اور فتحیاب کہلانے کا خیال دل میں ہو۔ یہ قمار بازی دُنیا کی قمار بازی سے بہت ہی بڑھ کر نقصان رساں ہے، کیونکہ اس میں تو صرف مال کا زیاں ہے، مگر اس قمار بازی میں دین اور دُنیا دونوں تباہ ہو جاتے ہیں۔ اور تمام اخلاقی اور رُوحانی قوتیں جو انسان کو اعلیٰ درجہ کے کمالات کا وارث بنا سکتی ہیں، ہار دی جاتی ہیں۔ اور اس متاع کے ہارنے سے جو رنج پیدا ہوتا ہے وہ ابدی ہوتا ہے۔ پس اس قمار بازی کے خیال کو کبھی پاس بھی آنے نہیں دینا چاہیے۔ اگر مقصدِ عظیم یہ ہو کہ راستبازوں کے نور سے حصّہ ملے کبھی کوئی شخص اس نُور کو نہیں پا سکتا اور اس متاع کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ جو فطرت سلیم اس کے پاس ہے۔ جبتک حق گوئی اور حق جوئی اور پھر قبولِ حق کے لیے ساری دُنیا کو اس کے سامنے مُردہ قرار نہ دے لے اور ان اُمور کے لیے خدا تعالیٰ سے ایک عہد کرے۔ جو ایسا عہد خدا تعالیٰ سے نہیں کرتا وہ خدا کو مان کر بھی دہریہ ہے۔ ہماری جماعت کو یاد رکھنا چاہیے کہ جیسے امراض کا بحران ہوتا ہے۔ اسی طرح پر مختلف ملتوں اور مذہبوں کے بحران کے یہ ایام ہیں شیطان کی بھی یہ آخری جنگ ہے۔ اس لیے وہ اپنے تمام آلات حرب و ضرب لے کر حق کے مقابلہ میں نکلا ہے۔ اور وہ پُورے زور اور پُوری طاقت سے کوشش کرتا ہے کہ حق پر غلبہ پاوے، مگر خود اسے بھی یقین کامل ہے کہ اس کی ساری کوشش بے سُود اور بے فائدہ ہو گی اور بہت جلد وہ وقت آتا ہے کہ شیطان مارا جاوے گا اور ملائک کی فتح ہو گی، مگر بایں ہمہ وہ اپنی پُوری طاقت سے اس وقت میدان میں آیا ہے اور اس کے بالمقابل حق بھی ہے اور اس کے سامان اور ہتھیار بھی آسمان سے نازل ہو رہے ہیں۔ چونکہ اس وقت دونوں میدان میں ہیں۔ پس تم کو واجب ہے کہ حق کا ساتھ دو۔

حق کی شناخت کے نشان

اور مَیں نے بارہا اس امر کو بیان کیا ہے اور اب پھر بتاتا ہوں کہ حق کی شناخت کے واسطے تین نشان ہیں۔ ان پر اگر تم اس کو جسے حق کہا جاتا ہے، پرکھ لوگے تو تم کو شیطان دھوکا نہ دے سکے گا، ورنہ اس نے اپنی طرف سے

التباس حق و باطل کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

اور وہ نشان یہ ہیں۔ اوّل نصُوصِ صریحہ یعنی جو معتقدات ہم رکھتے ہیں۔ دیکھنا چاہتے ہیں کہ کیا ان کا نام و نشان خدا تعالیٰ کی کتاب میں بھی پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر اس کے متعلق منقولی شہادت یعنی نصُوص صریحہ قطعیہ نہ ہوں، تو خود سوچنا چاہیئے کہ اس کو کہاں تک وقعت دی جاسکتی ہے۔ مثلاً جیسے کیمیا گر کہتا ہے کہ مَیں ایک ہزار کا دس ہزار کر دیتا ہوں تو کیا ضروری نہیں کہ ہمیں علم ہو کہ پہلے کتنے ایسے بزرگ گذرے ہیں لیکن جب ہم اس پر غور کریں گے، تو معلوم ہوگا کہ ہزاروں نے ایسی باتوں میں آکر نقصان اٹھایا ہے۔ ہمارے اسی علاقہ میں ایک کیمیا گر اسی طرح پر دو آدمیوں کو ایک ہی وقت میں ٹھگ کرلے گیا۔ غرض پہلا نشان نصُوصِ صریحہ کا ہے۔ اس کے ذریعہ اگر ہم عیسائیوں کے عقائد کو پرکھنے لگیں، تو صاف معلوم ہو جاتے گا کہ نِرا ملمع ہے۔ حق کی چمک اس میں نہیں ہے۔ جیسا کہ مَیں نے کل بیان کیا تھا کہ تثلیث اور یسوع کی خدائی کی بابت اگر یہودیوں سے پُوچھا جاوے اور انکی کتابوں کو ٹٹولا جاوے، تو صاف جواب ہے کہ وہ کبھی تثلیث کے قائل نہ تھے۔ اور نہ کبھی انہوں نے کسی جسمانی خدا کی بابت اپنی کتاب میں پڑھا تھا۔ جو کسی عورت کے پیٹ سے عام بچّوں کی طرح حیض کے خُون سے پرورش پاکر نو مہینے کے بعد پیدا ہونے والا ہو۔ اور انسانوں کے سارے دُکھ خسرہ چیچک وغیرہ جو انسانوں کو ہوتے ہیں اُٹھا کر آخر یہودیوں کے ہاتھ سے مار کھاتا ہوا صلیب پر چڑھایا جاوے گا اور پھر ملعُون ہوکر تین دن ہاویہ میں رہے گا۔ یا باپ بیٹا رُوح القدس کے مجموعہ اور مرکّب خدا ہی کا ذکر اُن کی کتابوں میں کہیں ہوتا۔ اگر ہے تو ہم عیسائیوں سے ایک عرصہ سے سوال کرتے رہے ہیں۔ وہ دکھائیں۔ بر خلاف اس کے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہودیوں نے منجملہ اور اعتراضوں کے جو مسیح پر کیے۔ سب سے بڑا اعتراض یہی تھا کہ یہ خدا کا بیٹا اور خدا بنتا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ اگر یہودیوں نے توریت اور نبیوں کے صحیفوں میں یہ تعلیم پائی تھی کہ دنیا میں خود خدا اور اس کے بیٹے بھی ماریں کھانے کے لیے آیا کرتے ہیں اور انھوں نے دس پانچ کو دیکھا تھا۔ تو پھر انکار کی وجہ کیا ہو سکتی تھی؟ اصل حقیقت یہی ہے کہ اس معیار پر یہ عقیدہ کبھی پُورا نہیں اُتر سکتا، اس لیے کہ اس میں حقانیت کی رُوح نہیں ہے۔

دوسرا طریق شناختِ حق اور اہلِ حق کا یہ ہے کہ عقلِ سلیم بھی ان کی مُمد اور معاون ہو عقل ایسی چیز ہے کہ اگر اسے چھوڑ دو۔ تو دین اور دُنیا دونوں کے کاموں میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ اب عقل کے معیار پر اس کو کَسا جاوے تو وہ دُور سے ان عقائد کو رَدّ کرتی ہے۔ کیا عقل کے نزدیک یہ بات قابلِ تسلیم ہو سکتی ہے کہ ایک عاجز مخلوق بھی جس میں انسانیت کے سارے لوازم اور بشری کمزوریوں کے سارے نمونے موجود ہیں، خدا ہو سکتا ہے۔ کیا عقل اس بات کو ایک لمحہ کے لیے بھی رَوا رکھ سکتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق

کو کوڑے مارے اور خدا کے بندے اپنے قادر خدا کے مُنہ پر تھوکیں اور اس کو پکڑیں اور سُولی پر کھینچیں اور وُہ یہ ساری ذلّت دیکھ کر اور خدا ہو کر اپنی رُسوائی کا تماشہ دکھاتا ہے؟ کیا عقل مان لیتی ہے کہ ایک عورت کا بچّہ جو نَو مہینے تک پیٹ میں رہے اور خُونِ حیض کھاوے اور آخر عام بچوّں کی طرح چلّاتا ہوا شرمگاہ سے پیدا ہو وہ خدا ہوتا ہے۔ کیا کسی دل کو اس پر اطمینان ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خدا کہلا کر ساری رات موت سے بچنے کے لیے دُعا کرتا رہے۔ اور قبول نہ ہو۔ ایسا ہی کبھی عقل یہ تجویز نہیں کر سکتی کہ کسی کی خودکشی سے دوسرے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اگر مسیح کے روٹی کھانے سے حواریوں کے پیٹ بھر جاتے تھے اور عقل کے نزدیک یہ جائز ہے تو شاید یہ بھی سچ ہو کہ کسی کے دردِ سر کا علاج اپنے سر میں پتھر مارنا بھی ہے۔

تیسرا ذریعہ شناخت کا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی سچے مذہب کو ضائع نہیں کرتا اور اہلِ حق کو ہرگز نہیں چھوڑتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا باغ ہے اور کبھی کسی نے نہیں دیکھا ہوگا کہ ایک شخص باغ لگا کر اپنے باغ کی طرف سے بالکل لاپروا ہو جاوے، نہیں بلکہ اس کی آبپاشی، شاخ تراشی اور حفاظت وغیرہ تمام امُور کا جو اس کی سرسبزی اور شادابی کے لیے ضروری ہیں، پُورا اہتمام کرتا ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ اپنے راستبازوں اور دی ہوئی صداقتوں کی تائید کے لیے ہمیشہ تازہ بتازہ تائیدات دیتا رہتا ہے جن کی روشنی میں صادق چلتا ہے اور شناخت کیا جاتا ہے۔

عیسائیت میں کوئی زندہ نشان نہیں

اب عیسائیوں کے عقائد اور مذہب کو اس معیار پر بھی آزما کر دیکھ لو کہ ان میں بجز بوسیدہ ہڈیوں اور مُردہ باتوں کے اور کیا رکھا ہے۔ بالاتفاق وہ مانتے ہیں کہ اُن میں آج ایک بھی ایسا شخص نہیں جو اپنے مذہب کی صداقت اور خُونِ مسیح کی سچّائی پر اپنے نشانات کی مُہر لگا سکے۔ یہ تو بڑی بات ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ انجیل کے قرار دادہ نشانوں کے موافق تو شاید ایماندار ہونا بھی ایک امرِ محال ہوگا۔

اچھا! زندہ نشانات کو تو جانے دو۔ عیسائی مذہب جو اپنے تائیدی نشانوں کے لیے مسیح کی قبر کا پتہ دیتا ہے کہ اس نے فلاں قبر سے مُردہ اُٹھایا تھا۔ وہ بجز قصّوں کے اور کیا وقعت رکھ سکتے ہیں۔ اسی لیے مَیں نے بارہا کہا ہے کہ یہ سلبِ امراض کے اعجوبے جو بعض ہندو سنیاسی بھی کرتے ہیں اور اس ترقی کے زمانہ میں مسمریزم والے بھی دکھاتے ہیں۔ آج کوئی معجزات کے رنگ میں نہیں مان سکتا اور پیشگوئی ہی ایک ایسا زبردست نشان ہے، جو ہر زمانہ میں قابلِ عزّت سمجھا جاتا ہے۔ مگر ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسیح کی جو پیشگوئیاں انجیل میں درج ہیں وہ ایسی ہیں کہ ان کو پڑھ کر ہنسی آتی ہے کہ قحط پڑیں گے، زلزلے آئیں گے۔ مُرغ بانگ دے گا۔ وغیرہ۔ اب ہر ایک گاؤں میں جا کر دیکھو کہ ہر وقت مُرغ بانگ دیتے ہیں یا نہیں اور قحط اور زلزلے

بالکل معمولی باتیں ہیں، جو آجکل کے مدبر تو اس سے بھی بڑھ کر بتا دیتے ہیں کہ فلاں وقت طوفان آئے گا۔ فلاں وقت بارش شروع ہوگی۔

رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو دیکھو کہ کس طرح پر چھ سو سال پہلے کہا کہ ایک آگ نکلے گی جو سبزہ کو چھوڑے گی۔ اور پتھر کو گلائے گی اور وُہ پُوری ہوئی۔ اس قسم کی درخشاں پیشگوئیاں تو پیش کریں۔ میں نے ایک ہزار روپیہ کا انعام کا اشتہار مسیح کی پیشگوئیوں کے لیے دیا تھا، مگر آج تک کسی عیسائی نے ثابت نہ کیا کہ مسیح کی پیشگوئیاں ثبوت کی قوت اور تعداد میں میری پیشگوئیوں سے بڑھ کر ہیں۔ جن کا گواہ سارا جہان ہے۔

مسیح کے معجزات جو قصص کے رنگ میں ہیں ان سے کوئی فوق العادت تائیدِالٰہی کا پتہ نہیں لگتا جبکہ آج اس سے بڑھ کر طبی کرشمے اور عجائبات دیکھے جاتے ہیں۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ خود انجیل میں ہی لکھا ہے کہ ایک تالاب تھا۔ جس میں ایک وقت پر غسل کرنے والے شفا پا لیتے تھے۔ اور اب تک یورپ کے بعض ملکوں میں ایسے چشمے پائے جاتے ہیں۔ اور ہمارے ہندوستان میں بھی بعض چشموں یا کنوؤں کے پانی میں ایسی تاثیر ہوتی ہے۔ تھوڑے دن ہوتے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ ایک کنوئیں کے پانی سے جُذامی اچھے ہونے لگے۔ اب عیسائی مذہب کے کن تائیدی نشانوں کو ہم دیکھیں۔ پھلوں کا یہ حال ہے اور اب کوئی دکھا نہیں سکتا۔

اسی طرح پر ہی اگر مان لینا ہے تو ہندوؤں نے کیا قصور کیا ہے[1] کہ اُن کے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو نہ مانا جائے اور پورانوں کے قصّوں کو تسلیم نہ کیا جائے۔ دیانند نے ایک جدید طریق نکال کر ہندوؤں کے مذہب پر تو ہاتھ صاف کیا کہ رام کا نام وید میں نہیں ہے، اگر خود جو کچھ ویدوں کا خلاصہ پیش کیا وہ بھی ایک گند نکالا۔

مذہب کا خلاصہ

مذہب کا خلاصہ دو ہی باتیں ہیں اور اصل میں ہر مذہب کا خلاصہ ان دو ہی باتوں پر آکر ٹھہرتا ہے یعنی حق اللہ اور حق العباد۔ مگر ان دونوں ہی کے متعلق اس نے گند پیش کیا اور اُسے وید کی تعلیم کا عطر بتایا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ حق دو ہی ہیں۔ ایک خدا کے حقوق کہ اُسے کس طرح پر ماننا چاہیے اور کس طرح اُس کی عبادت کرنی چاہیے۔ دوم بندوں کے حقوق یعنی اُس کی مخلوق کے ساتھ کیسی ہمدردی اور مواسات کرنی چاہیے؟

دیانند نے اس کے متعلق جو کچھ بتایا ہے وہ میں پھر بتاؤں گا۔ پہلے یہ ظاہر کرُوں کہ عیسائیوں نے بھی ان دونوں اصولوں میں سخت بیہودہ پن ظاہر کیا ہے۔ حق اللہ میں تو دیکھ لیا کہ انھوں نے اس خدا کو چھوڑ دیا۔ جو مُوسیٰؑ اور دیگر راستبازوں اور پاکیزہ لوگوں پر ظاہر ہوا تھا اور ایک عاجز انسان کو خدا بنا لیا اور حقوق العبادُ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۲-۴ پرچہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۲ء

کی وُہ مٹی پلید کی کہ کسی طرح پر وہ دُرست ہونے میں نہیں آتے۔

انجیل کی ساری تعلیم ایک ہی طرف جُھکی ہوئی ہے اور انسان کی کل قوتوں کی مربی نہیں ہوسکتی۔ اوّل تو کفارہ کا مسئلہ مان کر پھر حقوق العباد کے اتلاف سے بچنے کے لیے کوئی وجہ ہی نہیں مل سکتی ہے کیونکہ جب یہ مان لیا گیا ہے کہ مسیح کے خون نے گناہوں کی نجاست کو دُور کر دیا ہے اور دھو دیا ہے؛ حالانکہ عام طور پر بھی خون سے کوئی نجاست دُور نہیں ہوسکتی ہے، تو پھر عیسائی بتائیں کہ وہ کونسی بات ہے جو حقیقت میں انہیں روک سکتی ہے کہ وُہ دنیا میں فساد نہ کریں اور کیونکر یقین کریں۔ چوری کرنے، بیگانہ مال لینے، ڈاکہ زنی، خون کرنے، جھوٹی گواہی دینے پر کوئی سزا ملے گی مگر باوجود کفارہ پر ایمان لانے کے بھی گُناہ گُناہ ہی ہیں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کفارہ کے کیا معنی ہیں۔ اور عیسائیوں نے کیا پایا۔

غرض حقوق العباد کو پورے طور پر ادا کرنے اور بجالانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قوتوں کا مالک بنا کر بھیجا تھا اور اس سے منشاء یہی تھا کہ اپنے محل پر ہم ان قوتوں سے کام لے کر نوع انسان کو فائدہ پہنچائیں۔ مگر انجیل کا سارا زور حلم اور نرمی ہی کی قوت پر ہے؛ حالانکہ یہ قوت بعض موقعوں پر زہرِ قاتل کی تاثیر رکھتی ہے۔

روحانی زندگی کی ترکیب

اس لیے ہماری یہ تمدنی زندگی جو مختلف طبائع کے اختلاط اور ترکیب سے بنی ہے۔ اپنی ترکیب اور صورت ہی میں بالطبع یہ تقاضا کرتی ہے کہ ہم اپنے تمام قویٰ کو محل اور موقع پر استعمال کریں، لیکن انجیل محل اور موقع شناسی کو تو پس پشت ڈالتی ہے اور اندھا دُھند ایک ہی امر کی تعلیم دیتی ہے۔ کیا ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینا عملی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ اور کُرتہ مانگنے والے کو چُغہ دینے والے آپ نے بھی دیکھے ہیں اور کیا کوئی آدمی جو انجیل کی تعلیم کا عاشق زار ہو، کبھی گوارا کر سکتا ہے کہ کوئی شریر اور نابکار انسان اس کی بیوی پر حملہ کرے تو وہ لڑکی بھی پیش کر دے؟ ہرگز نہیں۔

جس طرح پر ہم کو اپنے جسم کی صحت اور صلاحیت کے لیے ضرور ہے کہ مختلف قسم کی غذائیں موسم اور فصل کے لحاظ سے کھائیں اور مختلف قسم کے لباس پہنیں ویسے ہی رُوح کی صلاحیت اور اس کی قوتوں اور خواص کے نشوونما کے واسطے لازم ہے کہ اس قاعدہ کو مدِنظر رکھیں۔ جسمانی تمدن میں جس طرح پر گرم سرد۔ نرم سخت۔ حرکت وسکون کی رعایت رکھنی ضروری ہے۔ اسی طرح پر رُوحانی صحت کے لیے مختلف قوتوں کا عطا ہونا ایسی صاف دلیل اس امر کی ہے کہ رُوح کی بھلائی کے لیے ان سے کام لینا ضروری ہے اور اگر ان مختلف قوتوں سے ہم کام نہیں لیتے یا نہ لینے کی تعلیم دیتے ہیں تو ایک خدا ترس اور غیور انسان کی نگاہ میں ایسا معلم خدا

کی توہین کرنے والا ٹھہرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے اس طریق سے یہ ثابت کرتا ہے کہ خدا نے یہ قوتیں لغو پیدا کی ہیں۔
پس اگر انجیل ایک ہی قوت پر زور دیتی ہے۔ تو میں آپ سے انصافاً پوچھتا ہوں کہ خدا سے ڈر کر بتائیں کہ یہ خدا
کے اس فعل کی ہتک نہیں ہے کہ اُس نے مختلف قوتیں اور استعدادیں انسان کی رُوح میں رکھ دی ہیں۔

انجیل ایک ہی قوت پر زور دیتی ہے

اگر کوئی عیسائی یہ کہے کہ صرف نرمی اور حلم ہی کی قوت سے
ساری قوتوں کا نشوونما ہو سکتا ہے۔ تو اس کی
دانشمندی میں کوئی شک کرے گا۔ بجائیکہ خود خدا کی صفات بھی مختلف ہیں اور ان سے مختلف افعال کا صدور
ہوتا ہے۔ اور خود کوئی عیسائی پادری ہم نے ایسا نہیں دیکھا کہ مثلاً سردی کے ایام میں بھی گرمی ہی کے لباس
سے کام لے۔ اور ویسی غذاؤں پر گذارہ کرے یا ساری عمر ماں ہی کا دُودھ پیتا رہے۔ یا بچپن ہی کے چھوٹے چھوٹے
کُرتے پاجامے پہنا کرے۔ غرض اس قسم کی تعلیم پیش کرتے ہوئے شرم آجاتی ہے۔ اگر ایمان اور خدا کا خوف
ہو۔ اگر نرمی اور حلم ہی کافی تھا، تو پھر کیا یہ مصیبت پڑی کہ انجیل کے ماننے والوں کو دیوانی، فوجداری جرائم کی
سزاؤں کے لیے قانون بنانے پڑے اور سیاست اور مُلک داری کے آئین کی ضرورت ہوئی۔ ایک گال پر
طمانچہ کھا کر دُوسری پھیرنے والوں کو فوجوں اور پولیس کی کیا ضرورت!! خدا کے لیے کوئی غور کرے۔ پس اس
اصول نے تمام حقوق العباد پر پانی پھیر دیا ہے۔ جبکہ ساری قوتوں ہی کا خون کر دیا۔

اسلام کل انسانی قویٰ کا متکفل ہے

اب اس کے مقابل میں دیکھو کہ اسلام نے کیسی تعلیم
دی اور کس طرح پر ساری قوتوں اور طاقتوں کا تکفل
فرمایا۔ اسلام نے سب سے اوّل یہ بتایا ہے کہ کوئی قوت اور طاقت جو انسان کو دی گئی ہے۔ فی نفسہٖ وہ بُری نہیں ہے۔
بلکہ اس کی افراط یا تفریط اور بُرا استعمال اُسے اخلاقِ ذمیمہ کی ذیل میں داخل کرتا ہے اور اس کا برمحل اور اعتدال
پر استعمال ہی اخلاق ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو دُوسری قوموں نے نہیں سمجھا۔ اور قرآن نے جس کو بیان کیا
ہے۔ اب اس اصول کو مدِّنظر رکھ کر وہ کہتا ہے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ (الشوریٰ: ۴۱)
یعنی بدی کی سزا تو اسی قدر بدی ہے لیکن جس نے عفو کیا اور اس عفو میں اصلاح بھی ہو۔ عفو کو تو ضرور رکھا
ہے، مگر یہ نہیں کہ اس عفو سے شریر اپنی شرارت میں بڑھے یا تمدن اور سیاست کے اصولوں اور انتظام
میں کوئی خلل واقع ہو۔ بلکہ ایسے موقع پر سزا ضروری ہے۔ عفو اصلاح ہی کی حالت میں روا رکھا گیا ہے۔
اب بتاؤ کہ کیا یہ تعلیم انسانی اخلاق کی متمم اور مکمل ہو سکتی ہے یا نرے طمانچے کھانے۔ قانونِ قدرت بھی
پکار کر اسی کی تائید کرتا ہے اور عملی طور پر بھی اسی کی ہی تائید ہوتی ہے۔ انجیل پر عمل کرنا ہے، تو پھر آج
ساری عدالتیں بند کر دو اور دونوں کے لیے پولیس اور پہرہ اُٹھا دو۔ تو دیکھو کہ انجیل کے ماننے سے

کس قدر خون کے دریا بہتے ہیں۔ اور انجیل کی تعلیم اگر ناقص اور ادھوری نہ ہوتی، تو سلاطین کو جدید قوانین کیوں بنانے پڑتے۔

آریوں کے عقائد

غرض یہ حقوق العباد پر انجیل کی تعلیم کا اثر ہے۔ اب میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ دیانند نے جو وید کا خلاصہ ان دونوں اصولوں کے رُو سے پیش کیا ہے وہ کیا ہے۔ حق اللہ کے متعلق تو اُس نے یہ ظلم کیا ہے کہ مان لیا ہے کہ خدا کسی چیز کا بھی خالق نہیں ہے، بلکہ یہ ذرات اور ارواح خود بخود ہی اُسی کی طرح ہیں۔ وہ صرف اُن کا جوڑنے جاڑنے والا ہے، جس کو عربی زبان میں مؤلف کہتے ہیں۔ اب اس سے بڑھ کر حق اللہ کا اتلاف اور کیا ہوگا کہ اس کی ساری صفات ہی کو اُڑا دیا اور عظیم الشان صفتِ خالقیت کا زور سے انکار کیا گیا جبکہ وہ جوڑنے جاڑنے والا ہی ہے۔ تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے کہ وہ ایک وقت مر بھی جاوے گا، تو اس سے مخلوق پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ کیونکہ جب اُس نے اُسے پیدا ہی نہیں کیا، تو وُہ اپنے وجود کے بقا اور قیام میں قائم بالذات ہیں۔ اُس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جوڑنے جاڑنے سے اس کا کوئی حق اور قدرت ثابت نہیں ہوتی۔ جبکہ اجسام اور رُوحوں میں مختلف قوتیں اتصال اور انفصال کی بھی موجود ہیں۔ رُوح میں بڑی بڑی قوتیں ہیں۔ جیسے کشف کی قوت۔ انسانی رُوح جیسی یہ قوت دکھا سکتا ہے اور کسی کا رُوح نہیں دکھا سکتا۔ مثلاً گائے یا بیل کا۔ اور افسوس ہے کہ آریہ ان ارواح کو بھی معہ اُن کی قوتوں اور خواص کے خدا کی مخلوق نہیں سمجھتا۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جب یہ اشیاء اجسام اور ارواح خود بخود قائم بالذات ہیں اور ان میں اتصال اور انفصال کی قوتیں بھی موجود ہیں تو وجود باری پر اُن کے وجود سے کیا دلیل لی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جب میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سوٹا ایک قدم چل سکتا ہے۔ دُوسرے قدم پر اس کے نہ چلنے کی کیا وجہ؟

وجودِ باری پر دو ہی قسم کے دلائل ہو سکتے ہیں۔ اوّل تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کے وجود کی طرف ہم انتقال ذہن کا کرتے ہیں۔ وُہ تو یہاں مفقود ہے، کیونکہ اس نے کچھ پیدا ہی نہیں کیا۔ کچھ پیدا کیا ہو تو اس سے وجود خالق پر دلیل پیدا کریں اور یا دوسری صورت خوارق اور معجزات کی ہوتی ہے۔ اس سے وجودِ باری پر زبردست دلیل قائم ہوتی ہے، مگر اس کے لیے دیانند نے اور سب آریوں نے اعتراف کیا ہے کہ وید میں کسی پیشگوئی یا خارق عادت امر کا ذکر نہیں اور معجزہ کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ اب بتاؤ کہ کونسی صورت خدا کی ہستی پر دلیل قائم کرنے کی اُن کے عقیدہ کے رُو سے رہی۔ اور پھر اُن کا ایسا خدا ہے کہ کوئی ساری عمر کتنی ہی محنت و مشقت سے اُس کی عبادت کرے، مگر اس کو ابدی نجات ملے گی ہی نہیں۔ ہمیشہ جُونوں کے چکر میں اُسے چلنا ہوگا۔ کبھی کیڑا مکوڑا اور کبھی کچھ کبھی کچھ بننا ہوگا۔

حقوق العباد کے متعلق اتنا ہی کافی ہے کہ اُن میں نیوگ کا مسئلہ موجود ہے کہ اگر ایک عورت کے اپنے خاوند سے اولاد نہ ہوتی ہو تو وہ کسی دوسرے مرد سے ہمبستر ہو کر اولاد پیدا کرے اور کھانے پینے مقویات اور بستر وغیرہ کے سارے اخراجات اُس بیرج داتا کے اس خاوند کے ذمّہ ہوں گے، جو اپنی عورت کو اُس سے اولاد لینے کی اجازت دیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر قابلِ شرم اور کیا بات ہوگی۔ یہ تو مختصر سا نمونہ ہے۔ یہاں قادیان میں پنڈت سومراج ایک مدرس تھا جو آریہ ہے۔ اُس کو مَیں نے ایک جماعت کے رُوبرو بلایا جس میں بعض ہندو بھی تھے۔ اور اُس سے یہ مسئلہ پُوچھا۔ تو اس نے کہا ہاں جی کیا مضائقہ ہے۔ اب ہمیں تو اُسکے مُنہ سے یہ سُنکر تعجب ہی ہوا۔ دُوسرے ہندو رام رام کرنے لگے۔ مَیں نے سُنکر کہا کہ بس آپ جایئے۔ غرض یہ ہے اُن میں حقوق العباد کا لحاظ۔

مسٹر عبدالحق صاحب: مَیں نے آپ کی کتاب "آریہ دھرم" پڑھی ہے۔

حضرت مسیح موعود: ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر سچا مذہب اور سچا عقیدہ اِن تین نشانوں یعنی نصوص، عقل اور تائیدِ سماوی سے شناخت کیا جاتا ہے اور عیسائی مذہب کی بابت میں نے مختلف پہلوؤں سے مختصر طور پر آپ کو دکھایا ہے کہ اس معیار پر پُورا نہیں اُترتا۔ یہودیوں کی کتابوں میں اس تثلیث اور کفارہ کا کوئی پتہ نہیں اور کبھی وہ بیٹے خدا کے منتظر ہی نہ تھے اور عقل دُور سے دھکّے دیتی ہے۔ نشانات کا یہ حال کہ ایمانداروں کے نشان کا پایا جانا بھی مشکل ہے۔ ایک بار فتح مسیح نام ایک عیسائی نے کہا تھا کہ مجھے الہام ہوتا ہے۔ مَیں نے جب اُسے کہا کہ تُو پیشگوئی کر تو گھبرایا اور مجھے کہا کہ ایک مضمون بند لفافہ میں رکھا جاوے اور آپ اس کا مضمون بتاویں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے اطلاع دی کہ تو اُس کو قبول کرلے۔ جب مَیں اُس کو بھی قبول کرلیا، تو کئی سَو آدمیوں کے مجمع میں آخر پادری وائٹ بریخیٹ نے کہا کہ یہ فتح مسیح جھوٹا ہے۔

غرض حق ایک ایسی چیز ہے کہ اپنے ساتھ نصوص اور عقل کی شہادت کے علاوہ نور کی شہادت بھی رکھتا ہے اور یہ شہادت سب سے بڑھ کر ہوتی ہے اور یہی ایک نشان مذہب کی زندگی کا ہے، کیونکہ جو مذہب زندہ خدا کی طرف سے ہے اس میں ہمیشہ زندگی کی رُوح کا پایا جانا ضروری ہے تا اس کے زندہ خدا سے تعلق ہونے پر ایک روشن نشان ہو۔ مگر عیسائیوں میں یہ ہرگز نہیں ہے؛ حالانکہ اس زمانہ میں جو سائنس اور ترقی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ ایسے خارق عادت نشانوں کی بڑی بھاری ضرورت ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر دلائل ہوں۔ اب اس وقت اگر کوئی عیسائی مسیح کے گذشتہ معجزات جن کی ساری رونق تالاب کی تاثیر دُور کر دیتی ہے سُنا کر اُس کی خدائی منوانا چاہے تو اس کے لیے لازمی بات ہے کہ وہ خود کوئی کرشمہ دکھائے، ورنہ آج کوئی منطق یا فلسفہ ایسا نہیں ہے جو ایسے انسان کی خدائی ثابت کر دکھائے جو ساری رات روتا رہے اور اُس کی

دُعا بھی قبول نہ ہوا اور جس کی زندگی کے واقعات نے اُسے ایک ادنیٰ درجہ کا انسان ثابت کیا ہو۔ پس میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اس میں سچا ہوں اور تجربہ اور نشانات کی ایک کثیر تعداد نے میری سچائی کو روشن کر دیا ہے کہ اگر یسوع مسیح ہی زندہ خدا ہے اور وہ اپنے صلیب برداروں کی نجات کا باعث ہوا ہے اور اُن کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے، باوجودیکہ اس کی خود دُعا قبول نہیں ہوئی تو کسی پادری یا آرہب کو میرے مقابلہ پر پیش کرو کہ وُہ یسوع مسیح سے مدد اور توفیق پاکر کوئی خارق عادت نشان دکھاتے ہیں اب میدان میں کھڑا ہوں اور مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ مَیں اپنے خدا کو دیکھتا ہوں وہ ہر وقت میرے سامنے میرے ساتھ ہے۔ مَیں پکار کر کہتا ہوں مسیح کو مجھ پر زیادت نہیں، کیونکہ مَیں نُورِ محمّدی کا قائم مقام ہوں جو ہمیشہ اپنی روشنی سے زندگی کے نشان قائم کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ تسلی پانے کے لیے اور زندہ خدا کو دیکھنے کے لیے ہمیشہ رُوح میں ایک تڑپ اور پیاس ہے اور اُس کی تسلی آسمانی تائیدوں اور نشانوں کے بغیر ممکن نہیں اور مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ عیسائیوں میں یہ نُور اور زندگی نہیں ہے بلکہ یہ حق اور زندگی میرے پاس ہے۔ میں ۲۶ برس سے اشتہار دے رہا ہوں اور تعجب کی بات ہے کہ کوئی عیسائی پادری مقابلہ پر نہیں آتا۔ اگر ان کے پاس نشانات ہیں تو وہ کیوں انجیل کے جلال کے لیے پیش نہیں کرتے۔ ایک بار میں نے سولہ[۱۶] ہزار اشتہار انگریزی اُردو میں چھاپ کر تقسیم کیے۔ جن میں سے اب بھی کچھ ہمارے دفتر میں ہوں گے۔ مگر ایک بھی نہ اُٹھا جو یسوع کی خدائی کا کرشمہ دکھاتا اور اس بُت کی حمایت کرتا۔ اصل میں وہاں کچھ ہے ہی نہیں، کوئی پیش کیا کرے۔

مختصر یہ کہ حق کی شناخت کے لیے یہ تین ہی ذریعے ہیں اور عیسائی مذہب میں تینوں مفقود ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اچھا موقع مل گیا ہے اور آپ یہاں آ گئے ہیں۔ ان تقریروں کی ترتیب سے بہت فائدہ ہوگا۔ آپ ان کو خوب غور سے سن لیا کریں اور پھر جب آپ کو اس میں کچھ کلام باقی نہ ہو تو اس پر دستخط کر دیا کریں تاکہ ہمارا یہ وقت رائگاں نہ جاوے اور سُود مند ثابت ہو۔ سراج الدین کے لیے جو وقت ہم نے دیا ہے اگر اس طرح پر تقریر لکھی جاتی تو ایک حجت رہتی۔ اُس نے اپنے عمل سے دُوسروں کو بھی بدظنّی کا موقع دیا۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص جب ایک جگہ سچائی کو چھوڑتا ہے وہ دوسری جگہ سچائی سے کیونکر پیار کر سکتا ہے۔

مسٹر عبدالحق: ہاں مجھے دستخط کرنے میں کیا عُذر ہو سکتا ہے اور میرا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ: بات یہ ہے کہ ساری جرأت دل کی پاکیزگی سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر دل صاف ہے تو اُسے کوئی بات روک نہیں سکتی۔

مسٹر عبدالحق: مَیں نے جب یہاں آنے کا ارادہ کیا تو ایک عیسائی سے ذکر کیا، تو اس نے آپ کو گالی دی۔ اور مجھے یہ ناگوار معلوم ہوا۔ مَیں نے کہا کہ یہ تو بُری بات ہے گالی دینے کے کیا معنے۔ اس نے کہا کہ وہ ہمارا دشمن

ہے۔ مَیں نے کہا۔ انجیل میں تو لکھا ہے کہ دشمنوں سے پیار کرو۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ دشمنوں کو گالیاں دو۔ پھر میں نے مسٹر سراج دین سے اس کا ذکر کیا اُنھوں نے بھی اُس کو اچھا نہ سمجھا۔ بعض آدمیوں کی حالت یہانتک پہنچی ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ: گالیاں دیتے ہیں اس کی تو مجھے پرواہ نہیں ہے۔ بہت سے خطوط گالیوں کے آتے ہیں۔ جن کا مجھے محصُول بھی دینا پڑتا ہے اور کھولتا ہوں، تو گالیاں ہوتی ہیں۔ اشتہاروں میں گالیاں دی جاتی ہیں۔ اور اب تو کھُلے لفافوں پر گالیاں لکھ کر بھیجتے ہیں۔ مگر ان باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ اور خدا کا نُور کہیں بجھ سکتا ہے؟ ہمیشہ نبیوں، راستبازوں کے ساتھ ناشکروں نے یہی سلوک کیا ہے۔ ہم جس کے نقش قدم پر آئے ہیں مسیح ناصری اس کے ساتھ کیا ہوا۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ہوا۔ ابتک ناپاک طبع لوگ گالیاں دیتے ہیں۔ میں تو بنی نوع انسان کا حقیقی خیرخواہ ہوں۔ جو مجھے دشمن سمجھتا ہے وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے (اتنے میں مکان کے قریب پہنچ گئے اور حضرتؑ نے پھر فرمایا کہ) آپ مہمان ہیں آپ کو جس چیز کی تکلیف ہو، مجھے بے تکلف کہیں۔ کیونکہ مَیں تو اندر رہتا ہوں اور نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو کیا ضرورت ہے۔ آجکل مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے بعض اوقات خادم بھی غفلت کر سکتے ہیں۔ آپ اگر زبانی کہنا پسند نہ کریں، تو مجھے لکھ کر بھیج دیا کریں۔ مہمان نوازی تو میرا فرض ہے[1]۔"

تیسری ملاقات

۲۴ر دسمبر ۱۹۰۱ء

مسٹر عبدالحق: "کفارہ کا مسئلہ تو مَیں نے سمجھ لیا ہے۔ تثلیث کا رد کریں۔"

حضرت مسیح موعودؑ: "مَیں نے سب سے پہلے اسی لیے آپ کو کہا تھا کہ آپ اپنے اعتراض پیش کریں جو اسلام پر ہوتے ہیں اور خود اپنی تقریر کے ضمن میں جہاد، غلامی، تعدد ازدواج پر کچھ باتیں کی تھیں تاکہ آپ کو اس پر اعتراض کرنے کا موقع ملے۔

میری رائے میں طالبِ حق کا فرض ہے کہ جو بات اس کے دل میں خلجان کرے اس کو فوراً پیش کرے؛ ورنہ وہ ایمان کو کمزور کرے گی اور رُوحانی قوتوں پر بُرا اثر ڈالے گی۔ جیسے کوئی خراب غذا کھائے تو وہ اندر جا کر خرابی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴ صفحہ ۳-۴ پرچہ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۲ء
الحکم جلد ۶ نمبر ۵ صفحہ ۳ تا ۵ پرچہ ۷ر فروری ۱۹۰۲ء

پیدا کرتی ہے اور قے یا دست کی صورت میں نکلتی ہے۔ اسی طرح کوئی گندہ عقیدہ اندر رہ کر فساد کرنے سے نہیں رُکتا۔ اور اُس کا فساد یہی ہے کہ انسان کے اخلاق چال چلن پر بُرا اثر ہو جاتا ہے اور وہ ایک مجذوم کی مانند بن جاتا ہے۔

پس جو چیز آپ کے دل میں کھٹکے آپ اُسے پوچھیں اور تثلیث کے رد میں مختصراً میں کہہ چکا ہوں اور اب میں آپ سے اُس کے دلائل سُننا چاہتا ہوں، کیونکہ اُس کا بارِ ثبوت آپ پر ہے جو اسے مدارِ نجات ٹھہراتے ہیں اور ایک گروہِ کثیر جسے اختلاف کرتے ہیں مثلاً ایک شخص ایک معمولی بات کے خلاف جو دُنیا نے مانی ہے کہ انسان آنکھ سے دیکھتا ہے اور زبان سے چکھتا اور بولتا ہے اور کانوں سے سُنتا ہے یہ کہے کہ انسان آنکھ سے بولتا ہے اور کان سے دیکھتا ہے تو قانون کی رُو سے ثبوت اس کے ذمہ ہے۔

اسی طرح پر تثلیث کا تو کوئی قائل نہیں یہودی جو ابراہیمی سلسلہ میں ہیں وہ اس سے انکار کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں۔ برخلاف اس کے توحید کی تعلیم ہے اور نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ پانی میں غرض کہیں بھی دُوسرا خدا تجویز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

پھر مَیں نے قانونِ قدرت سے آپ کو ثابت کر دکھایا کہ توحید ہی ماننی چاہیے۔ پھر باطنی شریعت میں توحید کے نقوش ہیں۔ اب آپ جو نقل، عقل اور باطنی شریعت کے خلاف کہتے ہیں کہ خدا ایک نہیں، بلکہ تین ہیں تو یہ ثبوت آپ ہی کے ذمہ ہے۔ یہ مسئلہ ایسا ہے کہ ہمیں تو فقط اس کے سُننے ہی کا حق ہے۔ کیونکہ نبیوں اور راستبازوں کی تعلیم کے صریح خلاف ہے۔

مَیں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں اور خدا نے میرے دل کو اس سے پاک بنایا ہے کہ اس میں بے انصافی ہو۔ اس کا بارِ ثبوت آپ کے ذمہ ہے۔ رکیک تاویلوں سے کام نہیں چلتا اور نہ اُن سے تسلّی ہو سکتی ہے۔ آپ خود دل میں انصاف کریں کہ راستباز کے بغیر کوئی وہ کام نہ کرے گا جو مَیں کرتا ہوں۔

پس آپ جس قدر مفصّل اس پر لکھ سکیں وہ لکھ کر سُنا دیں، مگر اتنا یاد رکھیں کہ دعویٰ اپنے نفس میں ابہام رکھتا ہے۔ بعض آدمیوں کو یہ دھوکا لگ جاتا ہے کہ وہ دعویٰ اور دلیل میں فرق نہیں کر سکتے۔ دعوے کے لیے دلیل ایک روشن چراغ ہوتی ہے۔ پس دعویٰ اور دلیل میں فرق کر لینا ضروری ہے[1]۔ (اس پر مسٹر عبدالحق نے کہا کہ مَیں کل لکھ کر سُنا دونگا اور حضرت اقدس تشریف لے گئے۔)

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۳ پرچہ ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء

چوتھی مُلاقات

۲۶ر دسمبر ۱۹۰۱ء

آج احباب بہت کثرت سے آگئے تھے۔ اور لاہور، وزیرآباد، راولپنڈی، علاقہ کابل، جموں گوجرانوالہ، امرتسر، کپورتھلہ، لودھانہ، سانبھر وغیرہ مقامات سے اکثر دوست آچکے تھے حضرت اقدسؑ حسب معمول سیر کو نکلے اور خدام کے زمرہ میں یہ نُورِ خدا چلا۔ احباب کا پروانوں کی طرح ایک دُوسرے پر گرنا بھی بجائے خود دیکھنے والے کے لیے ایک عجیب نظارہ تھا۔ الغرض مسٹر عبدالحق صاحب نے کل کے حضرت اقدسؑ کے ارشاد کے موافق ایک مختصر سی تحریر پڑھ کر سُنائی جو اُن کے اپنے خیال میں تثلیث اور مسیح کی اُلوہیت کے دلائل پر مشتمل تھی۔ اس کو سُن لینے کے بعد حضرت اقدسؑ نے اپنا سلسلۂ کلام یُوں شروع فرمایا:۔

تثلیث و اُلوہیتِ مسیح

اصل بات یہ ہے کہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے اور اس سے کوئی دانشمند انکار نہیں کرسکتا کہ ہر آدمی جس غلطی میں مبتلا ہے یا جس خیال میں گرفتار ہے وہ اس کے لیے اپنے پاس کوئی نہ کوئی وجوہاتِ رکیکہ ضرور رکھتا ہے، مگر دانشمند اور سلیم الفطرت انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اُن کی توزین کرکے اصل نتیجہ کو جو سچائی ہوتی ہے تلاش کرنے لگتا ہے۔ اب اسی اصول کے موافق عیسائیوں نے بھی اپنے اس عقیدہ تثلیث کے موافق کچھ باتیں بنا رکھی ہیں۔ جن کو وہ دلائل قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں مگر ابھی آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ دلائل کیا وقعت رکھ سکتے ہیں اور ان میں کہاں تک قوت اور زور ہے۔ جس حال میں عیسائیوں میں ایسے فرقے بھی موجود ہیں جو مسیح کی اُلوہیت اور خدائی کے قائل نہیں اور نہ تثلیث ہی کو مانتے ہیں۔ جیسے مثلاً یُونی ٹیرین تو کیا وہ اپنے دلائل اور وجوہات انجیل سے بیان نہیں کرتے وہ بھی تو انجیل ہی پیش کرتے ہیں۔ اب اگر صراحتاً بلا تاویل انجیل میں مسیح کی اُلوہیت یا تثلیث کا بیان ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ یُونی ٹیرین فرقہ اس سے انکار کرتا ہے، حالانکہ وہ انجیل کو اسی طرح مانتا ہے جس طرح دوسرے عیسائی۔

جو پیشگوئیاں توریت کی پیش کی جاتی ہیں ان کے متعلق بھی ان لوگوں نے کلام کی ہے اور ایک یُونی ٹیرین کی بعض تحریریں بھی میرے پاس ابتک موجود ہیں۔ کیا اُنھوں نے اُن کو نہیں پڑھا اور نہیں سمجھا۔ قرآن شریف نے کیا خوب کہا ہے۔ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ (الروم: ۳۳)۔

میری مُراد اس کے بیان کرنے سے صرف یہ ہے کہ تاویلاتِ رکیکہ اور ظنی باتیں تو ایک باطل پرست بھی پیش کرتا ہے، مگر کیا ہمارا یہ فرض نہیں ہونا چاہیے کہ ہم اس پر پورا غور کریں۔ یونیٹرین لوگوں نے تثلیث پرستوں کے بیانات ان پیشگوئیوں کے متعلق سن کر کہا ہے کہ یہ قابلِ شرم باتیں ہیں جو پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اور تثلیث اور الوہیتِ مسیح کا ثبوت اسی قسم کا سکتا ہے تو پھر بائبل سے کیا ثابت نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایک محقق کے لیے غور طلب بات یہ ہے کہ وہ ان کو پڑھ کر ایک تنقیح طلب قرار دے اور پھر اندرونی اور بیرونی نگاہ سے اس کو سوچے۔ اب ان پیشگوئیوں کے متعلق جہاں تک میں کہہ سکتا ہوں یہ امر قابل غور ہیں۔

اوّل۔ کیا ان پیشگوئیوں کی بابت یہودیوں نے بھی (جن کی کتابوں میں یہ درج ہیں) یہی سمجھا ہوا تھا کہ ان سے تثلیث پائی جاتی ہے یا مسیح کا خدا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دوم۔ کیا مسیح نے خود بھی تسلیم کیا کہ یہ پیشگوئیاں میرے ہی لیے ہیں اور پھر اپنے آپ کو اُن کا مصداق قرار دے کر مصداق ہونے کا عملی ثبوت کیا دیا؟ اب اگرچہ یہ ایک لمبی بحث بھی ہو سکتی ہے کہ کیا درحقیقت وہ پیشگوئیاں اصل کتاب میں اسی طرح درج ہیں یا نہیں مگر اس کی کچھ چنداں ضرورت نہ سمجھ کر ان دو تنقیح طلب اُمور پر نظر کرتے ہیں۔

یہودیوں نے جو اصل وارثِ کتابِ توریت ہیں اور جن کی بابت خود مسیح نے کہا ہے کہ وہ موسیٰ کی گدّی پر بیٹھے ہیں۔ کبھی بھی ان پیشگوئیوں کے یہ معنے نہیں کئے جو آپ یا دُوسرے عیسائی کرتے ہیں اور وہ کبھی بھی مسیح کی بابت یہ خیال رکھ کر کہ وہ تثلیث کا ایک جزو ہے منتظر نہیں، چنانچہ میں نے اس سے پہلے بہت واضح طور پر اس کے متعلق سُنایا ہے اور عیسائی لوگ محض زبردستی کی راہ سے ان پیشگوئیوں کو حضرت مسیح پر جاتے ہیں جو کسی طرح بھی نہیں جمتی ہیں، ورنہ علماء یہود کی کوئی شہادت پیش کرنی چاہیے کہ کیا وہ اس سے یہی مراد لیتے ہیں جو تم لیتے ہو۔

پھر انجیل کو پڑھ کر دیکھ لو (وہ کوئی بہت بڑی کتاب نہیں) اُس میں کہیں بھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت مسیح نے ان پیشگوئیوں کو پورا نقل کر کے کہا ہو کہ اس پیشگوئی کے رُو سے میں خدا ہوں اور یہ میری اُلوہیت کے دلائل ہیں، کیونکہ نرا دعویٰ تو کسی دانشمند کے نزدیک بھی قابلِ سماعت نہیں ہے اور یہ بجائے خود ایک دعویٰ ہے کہ ان پیشگوئیوں میں مسیح کو خدا بنایا گیا ہے۔ مسیح نے خود کبھی دعویٰ نہیں کیا تو کسی دُوسرے کا خواہ مخواہ اُن کو خدا بنانا عجیب بات ہے۔

اور پھر اگر بفرضِ محال کیا بھی ہو تو اس قدر تناقض اُن کے دعویٰ اور افعال میں پایا جاتا ہے کہ کوئی عقلمند اور خدا ترس اُن کو پڑھ کر نہیں خدا نہیں کہہ سکتا۔ بلکہ کوئی بڑا عظیم الشان انسان کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ انجیل کے اس دعویٰ کو رد کرنے کے لیے تو خود انجیل ہی کافی ہے، کیونکہ کہیں مسیح کا ادّعا ثابت نہیں۔ بلکہ جہاں اُن کو موقع ملا تھا کہ وہ اپنی خدائی منوا لیتے وہاں اُنھوں نے ایسا جواب دیا کہ ان ساری پیشگوئیوں کے مصداق ہونے سے گویا انکار

کر دیا اور ان کے افعال اور اقوال جو انجیل میں درج ہیں وہ بھی اسی کے مؤید ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ خدا کے لیے تو یہ ضروری ہے کہ اُس کے افعال اور اقوال میں تناقض نہ ہو، حالانکہ انجیل میں صریح تناقض ہے۔ مثلاً مسیح کہتا ہے کہ باپ کے سوا کسی کو قیامت کا علم نہیں ہے۔ اب یہ کیسی تعجب خیز بات ہے کہ اگر باپ اور بیٹے کی عینیت ایک ہی ہے تو کیا مسیح کا یہ قول اس کا مصداق نہیں کہ دروغ گورا حافظہ نباشد، کیونکہ ایک مقام پر تو دعویٰ خدائی اور دوسرے مقام پر الوہیت کے صفات کا انکار۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ انجیل میں مسیح پر بیٹے کا لفظ آیا ہے۔ اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انجیل محرّف یا مبدّل ہے۔ بائبل کے پڑھنے والوں سے یہ ہرگز مخفی نہیں ہے کہ اس میں بیٹے کا لفظ کس قدر عام ہے۔ اسرائیل کی نسبت لکھا ہے کہ اسرائیل فرزندِ من است بلکہ نخست زادۂ من است اب اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا۔ اور خدا کی بیٹیاں بھی بائبل سے تو ثابت ہوتی ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خدا کا اطلاق بھی ہوا ہے کہ تم خدا ہو۔ اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا۔ اب ہر ایک منصف مزاج دانشمند غور کرسکتا ہے کہ اگر ابن کا لفظ عام نہ ہوتا، تو تعجب کا مقام ہوتا۔ لیکن جبکہ یہ لفظ عام ہے اور آدمؑ کو بھی شجرۂ ابنا میں داخل کیا گیا ہے اور اسرائیل کو نخست زادہ بتایا گیا ہے اور کثرتِ استعمال نے ظاہر کر دیا ہے کہ مقدسوں اور راستبازوں پر یہ لفظ حُسنِ ظن کی بنا پر بولا جاتا ہے۔ اب جبتک مسیح پر اس لفظ کے اطلاق کی خصوصیت نہ بتائی جاوے کہ کیوں اس ابنیت میں وہ سارے راستبازوں کے ساتھ شامل نہ کیا جاوے اس وقت تک یہ لفظ کچھ بھی مفید اور مؤثر نہیں ہوسکتا، کیونکہ جب یہ لفظ عام اور قومی محاورہ ہے تو مسیح پر ان سے کوئی نرالے معنے پیدا نہیں کرسکتا۔ مَیں اس لفظ کو مسیحؑ کی خدائی یا ابنیت یا الوہیت کی دلیل مان لیتا، اگر یہ کسی اور کے حق میں نہ آیا ہوتا۔

مَیں سچ سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کے خوف سے کہتا ہوں کہ ایک پاک دل رکھنے والے اور سچے کانشنس والے کے لیے اس بات کی ذرا بھی پروا نہیں ہوسکتی اور ان الفاظ کی کچھ بھی وقعت نہیں ہوسکتی، جبتک یہ ثابت کر کے نہ دکھایا جاوے کہ کسی اور شخص پر یہ لفظ کبھی نہیں آئے اور یا آئے تو ہیں مگر مسیح ان وجوہاتِ قویہ کی بنا پر اَوروں سے ممتاز اور خصوصیت رکھتا ہے۔ یہ تو دورنگی ہے کہ مسیح کے لیے یہی لفظ آئے تو وہ خدا بنایا جاوے اور دُوسروں پر اس کا اطلاق ہو تو وُہ بندے کے بندے۔

اگر یہ اعتقاد کیا جاوے کہ خُدا خود ہی آکر دُنیا کو نجات دیا کرتا ہے یا اس کے بیٹے ہی آتے ہیں، تو پھر دَور لازم آئے گا۔ اور ہر زمانہ میں نیا خدا یا اس کے بیٹوں کا آنا ماننا پڑے گا۔ جو صریح خلاف بات ہے۔

ان ساری باتوں کے علاوہ ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ وہ کیا نشانات تھے جن سے حقیقتاً مسیحؑ کی خدائی ثابت ہوتی۔ کیا معجزات؟ اوّل تو سرے سے ان معجزات کا کوئی ثبوت ہی نہیں کیونکہ انجیل نویسوں کی نبوت ہی کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر ہم اس سوال کو درمیان میں نہ بھی لائیں اور اس بات کا لحاظ نہ کریں کہ انہوں

نے ایک محقق اور چشم دید حالات لکھنے والے کی حیثیت سے نہیں لکھے۔ تب بھی ان معجزات میں کوئی رونق اور قوت نہیں پائی جاتی جبکہ ایک تالاب ہی کا قصہ مسیح کے سارے معجزات کی رونق کو دُور کر دیتا ہے اور مقابلتاً جب ہم انبیاء سابقین کے معجزات کو دیکھتے ہیں، تو وہ کسی حالت میں مسیح کے معجزات سے کم نہیں بلکہ بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ بائبل کے مطالعہ کرنے والے خُوب جانتے ہیں کہ پہلے نبیوں سے مُردوں کا زندہ ہونا ثابت ہے، بلکہ بعض کی ہڈیوں سے مُردوں کا لگ کر بھی زندہ ہونا ثابت ہے؛ حالانکہ مسیح کے خیالی معجزات میں ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہے۔ مسیح کی لاش نے کوئی مُردہ زندہ نہیں کیا پھر بتاؤ کہ مسیح کو کون سی چیز خدا بنا سکتی ہے؟

کیا پیشگوئیاں؟ ان کی حقیقت میں نے پہلے بتا دی ہے کہ مسیح کی پیشگوئیاں پیشگوئی کا رنگ ہی نہیں رکھتی ہیں جو باتیں پیشگوئی کے رنگ میں مندرج ہیں وہ ایسی ہیں کہ ایک معمولی آدمی بھی اُن سے بہتر باتیں کہہ سکتا ہے اور قیافہ شناس مدبر کی پیشگوئیاں اُن سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہیں۔ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہ اگر اس وقت مسیح ہوتے، تو جس قدر عظیم الشان تائیدی نشان پیشگوئیوں کے رنگ میں اب خدا نے میرے ہاتھ پر صادر کیے ہیں، وُہ ان کو دیکھ کر شرمندہ ہو جاتے اور اپنی پیشگوئیوں کا کہ زلزلے آئیں گے۔ مری اور قحط پڑیں گے یا مُرغ بانگ دیگا کبھی مارے ندامت کے نام نہ لیتے۔

پھر آپ ہی ہمیں بتائیں کہ کس طرح پر ہم مسیح کو مانیں کہ وہ خدا تھا۔ خدائی کا دعویٰ اُن میں نہیں صُحف سابقہ کی پیشگوئیوں کے اپنے متعلق ہونے کا اُنھوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ اپنے متعلق ہونے کا کوئی ثبوت دیا۔ پھر سلب صفاتِ خدائی کو ہم ان میں دیکھتے ہیں۔ قیامت کی بابت انہیں اقرار ہے کہ مجھے اس کا علم نہیں۔ باپ اور بیٹے کے باوجود متحد فی الوجود ہونے کے ایک کا عالِم دوسرے کا جاہل ہونا قابلِ لحاظ ہے۔ تقدّس کا یہ حال کہ خود کہتا ہے کہ مجھے نیک نہ کہو۔ صرف باپ ہی کو نیک ٹھہراتا ہے۔ پھر یہ اختلاف بھی باپ بیٹے کی عینیّت کے خلاف ہے۔ صرف ابن کا لفظ اُن کی خدائی کو ثابت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حقیقت اور مجاز میں باہم تفریق کرنے کے ہم مجاز نہیں ہو سکتے۔ کہ کہدیں کہ یہاں تو حقیقت مُراد ہے اور فلاں جگہ مجاز ہے۔ یہی لفظ یا اس سے بھی بڑھ کر جب دُوسرے انبیاء اور راستبازوں اور قاضیوں پر بولا جاوے، تو وہ نِرے آدمی ہیں اور مسیح پر بولا جاوے، تو وُہ خود خدا اور ابن بن جاویں۔ یہ تو انصاف اور راستی کے خلاف ہے۔ اور پھر گویا نئی شریعت اور نئی کتاب بنانا ہے۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔

پادریوں نے خیالی اور فرضی طور پر مسیح کی خدائی کے ثبوت کے لیے بڑے ہاتھ پاؤں مارے ہیں، مگر آجتک ایک بھی رسالہ یا تحریر اُن کی میری نظر سے نہیں گزری اور کوئی پادری میں نے نہیں دیکھا۔ جس نے مسیح کے معجزات کے چہرہ سے تالاب کے قصہ کے داغ کو دُور کیا ہو اور جب تک انجیل میں یہ قصہ درج

ہے۔ یہ داغ اُٹھ نہیں سکتا۔ مَیں بار بار آپ کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی صفات کو دیکھو۔ رہا یسوع جس کی باتوں سے خدائی نکالی جاتی ہے۔ وُہ اپنے چال چلن کے لحاظ سے بجائے خود غیر معتبر اور اس کے لیے مسیح کی کوئی پیشگوئی نہیں۔ پھر آپ ہی بتائیں کہ ایک دانشمند اُسے خدا کس طرح مان کے ایسے خدا کی کوئی پرستش کر سکتا ہے ہرگز نہیں۔ مسیح کی زندگی اس کی پُوری ناکامی اور نامرادی کی تصویر ہے۔ آج وُہ زندہ ہوتے تو اُن کو وہ نشانات دیکھ کر جو اس مسیح کے ہاتھ پر صادر ہوئے ہیں شرمندہ ہونا پڑتا۔ کیا یہی قبولیتِ دُعا ہوتی ہے کہ ساری رات چلاتا رہا اور کسی نے بھی نہ سُنا اور آخری ساعت میں خدا کا شکوہ کرتا ہوا رخصت ہوا کہ اِیلی اِیلی لِمَا سَبَقْتَنِیْ۔

خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا اور تائیدی نشانات دکھائے

اِسوقت جو خدا نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے اور جو نشانات میری تائید میں ظاہر ہوئے ہیں اُن کی نظیر تو پیش کرو۔ مثلاً یہی ڈگلس کا مقدمہ جو دیندار پادریوں کی کوشش اور ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری پھیر دینے کی تعلیم دینے والوں کی طرف سے کیا گیا۔ کئی سَو آدمی اس بات کے گواہ موجود ہیں کہ کس طرح پر قبل از وقت کُل واقعات سے اطلاع دی گئی اور خدا نے کسطرح ہر قسم کی ذلّت سے محفوظ رکھا۔

پہلے امرت سر میں جب یہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ تو ڈپٹی کمشنر نے چالیس ہزار کی ضمانت کے ساتھ وارنٹ جاری کر دیا، مگر خدا کی قدرت دیکھو کہ وہ اُسے جاری نہ کر سکا۔ وہ اس کی کتاب میں رہ گیا۔ پیچھے جب اُسے یہ معلوم کرایا گیا کہ ایسے وارنٹ کا اجرا ناجائز ہے تو اُس نے گورداسپور تار دی کہ وارنٹ روکا جاوے، مگر وہاں پہنچا ہی نہ تھا۔ آخر یہ مقدمہ چلا۔ عیسائیوں نے ہر طرح سے میرے سزا دلانے میں سعی کی، مگر خدا نے اپنی قدرت کا نشان دکھایا۔ اور میری اہانت چاہنے والوں کی اہانت کی۔ ڈگلس صاحب نے نہایت عزّت و احترام سے مجھے بُلایا اور کُرسی دی حالانکہ مجھے ان باتوں کی ایک ذرّہ بھی پروا نہیں۔ آریہ اور بعض مسلمان بھی اُن کے شریک تھے۔ پنڈت رام بھجدت پلیڈر جو آریہ ہے وُہ بلا فیس آتا تھا اور اُس نے مجھے خود کہا کہ وُہ اس لیے شریک ہوا ہے کہ لیکھرام کے قاتل کا پتہ مِل جاوے۔ محمد حسین گواہ ہو کر آیا اور کُرسی مانگ کر بہت ذلیل ہوا۔ آخر جب ساری کارروائی ہو چکی اور عبدالحمید نے صاف اقرار کر لیا کہ مجھے قتل کے لیے بھیجا ہے۔ پُوری مِسل مرتب ہو جانے پر خدا نے اپنی قدرت کی چمکار دکھائی اور ڈگلس کے دل میں ڈال دیا کہ یہ سب جھُوٹ ہے۔ اُس نے کپتان لیمارچنڈ کو کہا کہ میرا دل اطمینان نہیں پاتا۔ پھر عبدالحمید سے دریافت کرو۔

آخر عبدالحمید نے اصل راز بتا دیا کہ مجھے سکھایا گیا تھا۔ پھر ڈپٹی کمشنر کو تار دیا گیا اور نتیجہ وہی ہوا جس کی خبر مقدمہ کے نام و نشان سے بھی پہلے تمام شہروں میں شائع ہو چکی تھی۔ ایسا ہی لیکھرام کا نشان اور صدہا نشان ہیں۔

جماعت کے لحاظ سے بھی اگر دیکھا جاوے تو مسیح ناکام اُٹھا۔ حواریوں نے سامنے قسمیں کھائیں اور لعنت کی۔ ادھر یہ حال ہے کہ ہمارے ایک مخلص دوست عبدالرحمٰن نام کا جو نواح کابل میں رہتا تھا۔ محض ہماری وجہ سے ایک سال تک قید رکھا گیا کہ وُہ توبہ کرے، مگر اُس نے موت کو انکار پر ترجیح دی۔ آخر کہتے ہیں کہ اُسے گلا گھونٹ کر مار دیا گیا تھا اور جیسا اُس نے کہا تھا مرنے کے بعد ایک نشان اُس کا ظاہر ہوا۔ مجھے افسوس ہے کہ عیسائی اپنے ایمان کی متاع پولوس کی باتوں پر ہار دیتے ہیں علاوہ بریں انجیل کا ایک بہت بڑا حصّہ بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ مثلاً جب مسیح کو یہودیوں نے اسکے اس کفر کے بدلے میں کہ یہ ابن اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پتھراؤ کرنا چاہا، تو اُس نے صاف کہا کہ کیا تمھاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ تم خدا ہو۔ اب ایک دانشمند خوب سوچ سکتا ہے کہ اس الزام کے وقت تو چاہیے تھا۔ مسیح اپنی پوری بریت کرتے اور اپنی خدائی کے نشان دکھا کر انہیں ملزم کرتے اور اس حالت میں کہ ان پر کفر کا الزام لگایا گیا تھا، تو اُن کا فرض ہونا چاہیے تھا کہ اگر وُہ فی الحقیقت خُدا یا خدا کے بیٹے ہی تھے۔ تو یہ جواب دیتے کہ یہ کفر نہیں بلکہ میں واقعی طور پر خدا کا بیٹا ہوں اور میرے پاس اس کے ثبوت کے لیے تمہاری ہی کتابوں میں فلاں فلاں موقع پر صاف لکھا ہے کہ میں قادرِ مطلق عالم الغیب خُدا ہوں اور لاؤ میں دکھا دوں اور پھر اپنی قدرتوں طاقتوں سے ان کو نشاناتِ خدائی بھی دکھا دیتے اور وہ کام جو انھوں نے خدائی کے پہلے دکھائے تھے ان کی فہرست الگ دیدیتے۔ پھر ایسے بیّن ثبوت کے بعد کس یہودی فقیہہ یا فریسی کی طاقت تھی کہ انکار کرتا۔ وُہ تو ایسے خدا کو دیکھ کر سجدہ کرتے۔ مگر برخلاف اس کے آپ نے کیا تو یہ کیا کہ کہہ دیا کہ تمھیں خُدا لکھا ہے۔ اب خدا ترس دل سے کر غور کرو کہ یہ اپنی خدائی کا ثبوت دیا یا ابطال کیا۔ غرض یہ باتیں ایسی ہیں کہ اُن کے بیان کرنے سے بھی شرم آتی ہے۔ میں اس کو آپ ہی کے انصاف پر چھوڑتا ہوں۔ توراۃ۔ اسلام۔ قانونِ قدرت۔ باطنی شریعت تو توحید کی شہادت دیتے ہیں اور عیسائی یسُوع کی خدائی کے یہ دلائل دیتا ہے کہ کتب سابقہ میں اس کی بشارتیں ہیں (جن کو یہودیوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا کہ وہ خود خدا یا اس کے کسی بیٹے کے لیے ہیں، بلکہ وُہ مسیح کے آنے سے پہلے ہی پوری ہو چکی ہیں) اور پھر انجیل کے بعض اقوال بتاتے ہیں کہ اس کا یہ حال ہے کہ اصل کا پتہ ہی نہیں، کیونکہ اصل زبان مسیح کی عبرانی تھی اور خود مسیح اپنی الگ انجیل کا ذکر کرتے ہیں۔ پھر مسیح نے کہیں اپنی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہودیوں کے پتھراؤ کرنے پر اور اس کفر کے الزام پر ان کا قومی اور کتابی محاورہ پیش کر کے نجات پائی۔ اپنی خدائی کا کوئی قوی ثبوت نہ دیا۔ اور اپنے سے کبھی فوق العادت کام کو نہ دکھایا معجزات کا وُہ حال، پیشگوئیوں کی وہ حالت، علم کی یہ صورت کہ اتنا پتہ نہیں کہ انجیر کے درخت کو اس وقت پھل نہیں ہوگا، اختیار کا یہ حال کہ اُسے لگا نہیں سکا، ساعت کا علم نہیں دے سکتا، ضعف و ناتوانی اتنی کہ طمانچے اور کوڑے کھاتا ہوا صلیب پر چڑھتا ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ خُدا کا بیٹا ہے تو اُتر آ۔ اُترنا تو درکنار اُنکو

کچھ جواب بھی نہیں دے سکتا۔ چال چلن کا وہ حال کہ اُستاد بھی عاق کر دیتا ہے اور یہودیوں کے الزامات
کئی پُشت تک اُوپر ہوتے ہیں اور کوئی جواب نہیں دیا جاتا۔[1]

۲۶ ردسمبر ۱۹۰۱ء

مسیح کے حالات از روئے بائبل

اور پھر مسیح کے حالات کو پڑھو تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ شخص کبھی
بھی اس قابل نہیں ہوسکتا کہ نبی بھی ہو۔ چہ جائیکہ خدا یا خدا کا بیٹا۔

تدبیر عالم اور جزا سزا کے لیے عالم الغیب ہونا ضروری ہے اور یہ خدا کی عظیم الشان صفت ہے، اگر میں ابھی
دکھا آیا ہوں کہ اُسے قیامت تک کا علم نہیں اور اتنی بھی اُسے خبر نہ تھی کہ بے موسم انجیر کے درخت کے پاس
شدتِ بھوک سے بے قرار ہو کر پھل کھانے کو جاتا ہے اور درخت کو جسے بذاتِ خود کوئی اختیار نہیں ہے
کہ بغیر موسم کے بھی پھل دے سکے، بددعا دیتا ہے۔ اوّل تو خدا کو بھوک لگنا ہی تعجب خیز امر ہے۔ اور یہ خوبی
صرف انجیلی خدا ہی کو حاصل ہے کہ بھوک سے بے قرار ہوتا ہے۔ پھر اس پر لطیفہ یہ بھی ہے کہ آپ کو اتنا علم بھی
نہیں ہے کہ اس درخت کو پھل نہیں ہے اور پھر اگر یہ علم نہ تھا تو کاش کوئی خدائی کرشمہ ہی وہاں دکھاتے اور بے بہار
پھل اس درخت کو لگا دیتے۔ تا دُنیا کے لیے ایک نشان ہو جاتا، مگر اس کی بجائے بددُعا دیتے ہیں۔ اب ان
باتوں کے ہوتے یسوع کو خدا بنایا جاتا ہے؟ میں آپ کو سچی خیر خواہی سے کہتا ہوں کہ تکلف سے کچھ نہیں ہوسکتا۔
ایک شخص ایک ہی وقت میں اپنی دو حیثیتیں بتاتا ہے۔ باپ بھی اور بیٹا بھی۔ خدا بھی اور انسان بھی۔ کیا ایسا شخص
دھوکہ نہیں دیتا ہے۔

انجیل کے جن مقامات کا آپ ذکر کرتے ہیں وہاں سیاق و سباق پر نظر کرنے سے صاف معلوم ہوتا
ہے کہ وہ اُس کی خدائی کے ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہیں، کیونکہ وہ تو اس کی انسانیت ہی کو ثابت کرتے
ہیں اور انسانیت کے لحاظ سے بھی اُسے عظیم الشان انسانوں کی فہرست میں داخل نہیں کرتے۔ جب اُسے نیک
کہا گیا تو اُس نے انکار کیا۔ اگر اس کی رُوح میں بقول عیسائیاں کامل تطہر اور پاکیزگی تھی۔ پھر وہ یہ بات کیوں
کہتا ہے کہ مجھے نیک نہ کہو۔ علاوہ بریں یسوع کی زندگی پر بہت سے اعتراض اور الزام لگائے گئے ہیں اور جن کا
کوئی تسلی بخش جواب آج تک ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

ایک یہودی نے یسوع کی سوانحعمری لکھی ہے اور وہ یہاں موجود ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ یسوع ایک لڑکی پر

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۲ تا ۳ پرچہ ۱۴ر فروری ۱۹۰۲ء

عاشق ہوگیا تھا اور اپنے اُستاد کے سامنے اس کے حسن و جمال کا تذکرہ کر بیٹھا، تو اُستاد نے اُسے عاق کردیا اور انجیل کے مطالعہ سے جو کچھ مسیح کی حالت کا پتہ لگتا ہے۔ وہ آپ سے بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ کس طرح پر وہ نامحرم نوجوان عورتوں سے ملتا تھا اور کس طرح پر ایک بازاری عورت سے عطر ملوا تا تھا۔ اور یسوع کی بعض نانیوں اور دادیوں کی جو حالت بائبل سے ثابت ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔ ان میں سے تین جو مشہور و معروف ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں۔ بنت سبع، راحاب، تمر۔ اور پھر یہودیوں نے اس کی ماں پر جو کچھ الزام لگائے ہیں۔ وُہ بھی ان کتابوں میں درج ہیں۔ ان سب کو اگر اکٹھا کر کے دیکھیں، تو اس کا یہ قول کہ مجھے نیک نہ کہو۔ اپنے اندر حقیقت رکھتا ہے اور یہ فروتنی یا انکسار کے طور پر ہرگز نہ تھا۔ جیسا بعض عیسائی کہتے ہیں۔ اب مَیں پُوچھتا ہوں کہ جس شخص کے اپنے ذاتی چال چلن کا یہ حال ہو اور حسب نسب کا یہ تو کیا خدا ایسا ہی ہوا کرتا ہے۔ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے تقدس کے صریح خلاف ہیں۔ خدا اپنی قدرت سے کبھی الگ نہیں ہوا۔ اور یسُوع کی نسبت صاف معلوم ہے کہ پورا ناتواں اور بے علم تھا۔ پھر یسُوع کی راستبازی میں کلام ہے۔ پہلے کہا کہ میں داؤد کا تخت قائم کرنے کے واسطے آیا ہوں اور حواریوں کو کپڑے بیچ کر تلواریں خریدنے کی بھی تعلیم دی، لیکن جب دال گلتی نظر نہ آئی تو اس کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آسمانی بادشاہت ہے کیا داؤد کا تخت آسمانی تھا۔

اصل یہ ہے کہ ابتدا میں اُسے خیال نہ تھا کہ کوئی مخبری کی جاوے گی، لیکن آخر جب مخبری ہوئی اور عدالتوں میں طلبی ہوئی، تو آنکھ کھلی اور آسمانی سلطنت پر اُسے ٹالا۔

بھلا اس قسم کے ضُعف اور بے علمی اور ایسے چال چلن کے ہوتے ہوئے کہیں خدا بننا۔ کہیں بیٹا کہلانا اور انسان ہونا یہ ساری باتیں ایک ہی وقت میں جمع ہو جائیں کس قدر حیرت کو بڑھانے والی ہیں۔

پولُوس کا کردار

باقی رہا پولُوس کا اجتہاد یا اُس کے اقوال۔ جن لوگوں نے پولوس کے چال چلن پر غور کی ہے اور جیسا کہ اس کے بعض خطوط کے فقرات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وُہ ہر مذہب والے کے رنگ میں ہو جاتا تھا، تمہیں خوب معلوم ہے اور اس کے حالات میں آزاد خیال لوگوں نے لکھا ہے کہ اچھے چال چلن کا آدمی نہ تھا۔ بعض تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ ایک کاہن کی لڑکی پر عاشق تھا اور ابتدا میں اُس نے بڑے بڑے دُکھ عیسائیوں کو دیئے اور بعد میں جب کوئی راہ اُسے نہ ملی اور اپنے مقصد میں کامیابی کا کوئی ذریعہ اُسے نظر نہ آیا تو اس نے ایک خواب بنا کر اپنے آپ کو حواریوں کا جمعدار بنا لیا۔ خود عیسائیوں کو اس کا اعتراف ہے کہ وہ بڑا سنگدل اور خراب آدمی تھا اور یُونانی بھی پڑھا ہوا تھا۔ مَیں نے جہانتک غور کی ہے مجھے یہی معلوم ہوا ہے کہ وہ ساری خرابی اس لڑکی ہی کے معاملہ کی تھی اور عیسائی مذہب کے ساتھ اپنی دشمنی کا بدل کرنے کے لیے اس نے یہ طریق آخری سوچا کہ اپنا اعتبار جمانے کے لیے ایک خواب سُنا دی اور عیسائی ہوگیا اور پھر یسُوع کی تعلیم کو اپنے طرز پر ایک نئی تعلیم کے

رنگ میں ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں کہ عیسائی مذہب کی خرابی اور اس کی بدعتوں کا اصل بانی یہی شخص ہے اور اس کے سوا میں کہتا ہوں کہ اگر یہ شخص ایسا ہی عظیم الشان تھا اور واقعی یسوع کا رسول تھا اور اس قدر انقلاب عظیم کا موجب ہونے والا تھا کہ خطرناک مخالفت کے بعد پھر یسوع کا رسول ہوتے کو تھا تو ہمیں دکھاؤ کہ اس کی بابت کہاں پیشگوئی کی گئی ہے کہ ان صفات والا ایک شخص ہوگا اور اس کا نام ونشان دیا ہوا اور یہ بھی بتایا ہو کہ وہ یسوع کی خدائی ثابت کریگا؛ ورنہ یہ کیا اندھیر ہے کہ پطرس کے لعنت کرنے اور یہودا اسکریوطی کے گرفتار کرانے کی پیشگوئی تو یسوع صاحب کردیں اور اتنے بڑے عیسوی مذہب کے مجتہد کا کچھ بھی ذکر نہ ہو۔

اِس لیے اس شخص کی کوئی بات بھی قابلِ سند نہیں ہوسکتی ہے اور جو کچھ اس نے کہا ہے وہ کون سے دلائل ہیں۔ وہ بجائے خود نرے دعوے ہی دعوے ہیں۔ میں بار بار یہی کہتا ہوں اور اس لیے مکرّر سہ مکرّر اس بات کو بیان کرتا ہوں کہ آپ سمجھ لیں کہ انجیل ہی کو یسوع کی خدائی کے ردّ کرنے کے لیے آپ پڑھیں۔ وہ خود ہی کافی طور پر اس کی تردید کر رہی ہے۔ اگر وہ خدا تھا تو کیوں اس نے بالکل نرالی طرز کے معجزات نہ دکھائے۔ میں نے تحقیق کر لیا ہے کہ اُن کے معجزات کی حقیقت سلبِ امراض سے کچھ بھی بڑھی ہوئی نہ تھی جس میں آجکل یورپ کے مسمریزم کرنے والے اور ہندوا اور دوسرے لوگ بھی مشاق ہیں اور خیالات ایسے بیہودہ اور سطحی تھے کہ صرع کے مریض کو کہتا ہے کہ اس میں جن گھسا ہوا ہے؛ حالانکہ اگر صرع کے مریض کو کونین، کچلہ، فولاد دیں اور اندر دماغ میں رسولی نہ ہو تو وہ اچھا ہو جاتا ہے۔ بھلا جن کو مرگی سے کیا تعلق۔ چونکہ یہودیوں کے خیالات ایسے ہوگئے تھے۔ ان کی تقلید پر اُس نے بھی ایسا ہی کہہ دیا۔ اور یا یہ کہ جیسے آجکل جادو ٹونے کرنیوالے کرتے ہیں کہ بعض ادویات کی سیاہی سے تعویذ لکھ کر علاج کرتے ہیں اور بیماری کو جن بتاتے ہیں۔ ویسے ہی اس نے کہہ دیا ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ مسیح کے معجزات کو مسلمانوں نے بھی غور سے نہیں دیکھا اور عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اور اُن سے سُن سُن کر اُن کے معنے غلط کر لیے ہیں۔ مثلاً اکمہ کا لفظ ہے۔ جس کے معنے شب کور کے ہیں۔ اور اب معنے یہ کر لیے جاتے ہیں کہ مادرزاد اندھوں کو شفا دیا کرتے تھے؛ حالانکہ اکمہ وہ مرض ہے کہ جس کا علاج بکرے کی کلیجی کھانا بھی ہے اور اس سے بھی یہ اچھے ہو جاتے ہیں۔

یسوع کی عاجزی

یسوع ضُعف، ناتوانی، بیکسی اور نامرادی کی سچی تصویر ہے اور عام کمزوریوں میں انسانوں کا شریک ہے۔ کوئی امر خاص اس میں پایا نہیں جاتا۔ کتب سابقہ کی پیشگوئیوں کا جو ذخیرہ پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں صدہا اختلاف ہے۔ اوّل تو خود یہودیوں میں اُن کے وہ معنی ہی نہیں جو عیسائی کرتے ہیں۔ اور دوسرے ان تفسیروں کی تفسیروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پوری ہو چکی ہوئی ہیں۔ ایک شخص عرصہ ہوا میرے پاس آیا تھا۔ آخر خدا نے اس پر اپنا فضل کیا اور وہ مسلمان ہوگیا اور مسلمان

ہی مرا۔اس کے واسطے یہودیوں کو لکھا تھا اور اُن سے دریافت کیا تھا اور اصل وارث تو یہودی ہی ہیں کہ جو ہمیشہ نبیوں سے تعلیم پاتے چلے آئے تھے۔ انہی کا حق تو ہے کہ وہ اس کی صحیح تفسیر کریں اور خود مسیح نے بھی فقیہوں اور فریسیوں کی بات ماننے کا حکم دیا ہے گو اُن کے عمل سے منع کیا ہو۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں اختلاف یہ ہے اوّل الذکر ان سے ابنیت اور اُلوہیت نکالتے ہیں اور آخر الذکر کہتے ہیں پُوری ہو چکی ہیں۔ انصاف کی رُو سے وہی حق پر ہیں۔ جنھوں نے ہمیشہ نبیوں سے تعلیم پائی اور ان باتوں کی تجدید سے ایمان تازہ کیے اور برابر چودہ سو برس تک خدا کی باتیں سُنتے آئے تھے۔ حضرت مسیح موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو سال بعد یعنی چودھویں صدی میں آئے تھے اور جیسے اس زمانہ میں مسیح دیا گیا تھا۔ کہ تا موسوی جنگوں کے اعتراض کو اپنی تعلیم سے دُور کر دے اور خاتمہ جنگ و جدال پر نہ ہو۔ ویسے ہی اس اُمت کے لیے مثیل موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء میں سے چودھویں صدی پر مسیح موعود مبعوث کیا گیا تا اپنی پاک تعلیم کے ذریعہ جہاد کے غلط خیال کی اصلاح کر دے اور ثابت کر دے کہ اسلام تلوار سے ہرگز نہیں پھیلایا گیا، بلکہ اسلام اپنے حقائق اور معارف کی وجہ سے پھیلا ہے۔

غرض یہودی پیشگوئیوں کی بحث میں غالب آ جائیں گے اور حق اُن کے ساتھ ہے۔ اور یہ دیکھا بھی گیا ہے کہ یہودی معقول بات کہتے ہیں۔ جیسے ایلیا کے بارے میں اُنھوں نے کہا ہے اور ایسا ہی اس بارے میں اُن کے ہاتھ میں شہادتوں کا ایک زرّیں سلسلہ ہے۔ اور اگر کوئی چاہے تو اُن کی کتابیں اب بھی منگوا کر دکھا سکتے ہیں۔ یہی مَیں نے سراج الدین کو بھی کہا تھا۔

دیکھو انسان ایک برتن کو لیتا ہے تو اسے بھی دیکھ بھال کر لیتا ہے۔ پھر ایمان کے معاملہ میں اتنی لاپروائی کیوں کی جاتی ہے؟ پس یہ پیشگوئیاں تو یُوں رَدّ ہوئیں۔ اب باقی رہے انجیل کے اقوال تو سب سے پہلے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اصل انجیل ہی اُن کے ہاتھ میں نہیں ہے تو کیوں یہ امر قرین قیاس نہ مانا جائے کہ اس میں تحریف کی گئی ہے، کیونکہ مسیح اور اس کی ماں کی زبان عبرانی تھی۔ جس مُلک میں رہتے تھے۔ وہاں عبرانی بولی جاتی تھی۔ صلیب کی آخری ساعت میں مسیح کے مُنہ سے جو کچھ نکلا وہ عبرانی تھا یعنی۔ ایلی ایلی لما سبقتانی۔ اب بتاؤ کہ جب اصل انجیل ہی کا پتہ ندارد ہے، تو اس ترجمہ پر کیا دوسرے کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ کہے اصل انجیل پیش کرو۔ اس صُورت میں تو عیسائی یہودیوں سے بھی گر گئے، کیونکہ انہوں نے اپنی اصل کتاب کو تو گم نہیں کیا۔

پھر انجیل میں مسیح نے کہا ہے کہ "میری انجیل" اب اس لفظ پر غور کرنے سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسودہ انجیل کا کوئی مسیح نے بھی لکھا ہو اور یہ تو نبی کا فرض ہوتا ہے کہ وہ خدا کی وحی کو محفوظ کرے اور اس کی حفاظت کا کام دُوسروں پر نہ ڈالے کہ وُہ جو چاہیں سو لکھ لیں۔

پولوس کی بابت میں پہلے کہہ آیا ہوں کہ جس کی تحریروں یا تقریروں پر اپنی خدائی کا انحصار تھا۔ تعجب کی

بات ہے کہ خدا ہو کر اس کے واسطے مُنہ سے ایک لفظ بھی پیشگوئی کا نہ نکلا، بلکہ چاہیے تھا کہ وصیت نامہ لکھ دیتے کہ پولوس اس مذہب کا جمعدار کیا جاوے گا اور جب یہ نہیں تو پھر اس کو کیا حق حاصل تھا کہ وہ خود بخود مجتہد بن بیٹھا۔ اس کو یہ سارٹیفکیٹ ملا کہاں سے تھا؟ یہی وجہ ہے کہ یہ یسوعی مذہب نہیں بلکہ پولوسی ایجاد ہے۔ غرض صدق اور اخلاص بڑی نعمت ہے جس کو خدا دے۔ مختصر یہ کہ خُدا بہتر جانتا ہے اور مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ مَیں تو اپنے دشمن کا بھی سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہوں۔ کوئی میری باتوں کو سُنے بھی۔ یہ جو کچھ مَیں نے کہا ہے۔ آپ اس پر غور کریں اور اس پر جو کچھ باقی رہ جاوے اُسے بیان کریں۔

[حضرت اقدسؑ نے اپنی تقریر کو اس مقام پر ختم کر دیا تھا کہ خاکسار ایڈیٹر الحکم نے عرض کی کہ مسٹر عبدالحق صاحب نے اپنی تقریر میں عماد الدین کے حوالہ سے ایک بات تثلیث کے ثبوت میں کہی ہے کہ وضو کرتے وقت تین دفعہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ یہ تثلیث کا نشان ہے۔ اس پر بھی کچھ فرمایا جاوے۔] فرمایا:

"یہ تو بالکل بیہودہ اور کچی باتیں ہیں۔ اس طرح پر ثبوت دینا چاہو تو جتنے مرضی ہو خدا بنالو۔ عماد الدین کی ان باتوں پر پادری رجب علی نے ایک ریویو لکھا تھا اور اس نے بڑا واویلا کیا تھا کہ ایسی باتوں سے عیسائیت کی توہین ہوتی ہے؛ چونکہ وُہ کچھ ظریف طبع تھا کہ عماد الدین سے تثلیث کے ثبوت میں یہ بات رہ گئی اور پھر ایسی مثال دی جو قابلِ ذکر نہیں۔

اس نے لکھا کہ عماد الدین بالکل ایک جاہل آدمی تھا۔ مَیں نے اُس کو اُردو کی عبارت کا مطلب بیان کرنے ہی کی دعوت کی تھی، جس کا جواب نہ دے سکا۔ اور "نور الحق" کا جواب آج تک نہ ہوا؛ حالانکہ پانچہزار روپیہ انعام بھی تھا۔ ایسی باتیں تو پیش کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ دیکھو آخر مرنا ہے۔ خدا سے ڈرنا چاہیے۔ دین کے معاملہ میں بڑی غور و فکر درکار ہے اور پھر خدا کا فضل۔[1]"

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۷ صفحہ ۳ تا ۵ پرچہ ۲۱؍ فروری ۱۹۰۲ء

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء بعد از نماز عصر

تقریر

ماٗمور من اللہ کی باتیں توجہ سے سُننی چاہئیں

سب کو متوجہ ہو کر سُننا چاہیے اور پورے غور اور فکر کے ساتھ سُنو، کیونکہ یہ معاملہ ایمان کا معاملہ ہے۔ اس میں غفلت سُستی اور عدم توجہ بہت بُرے نتیجے پیدا کرتی ہے۔ جو لوگ ایمان میں غفلت سے کام لیتے ہیں اور جب ان کو مخاطب کر کے کچھ بیان کیا جاوے، تو غور سے اس کو نہیں سُنتے ہیں۔ ان کو بولنے والے کے بیان سے خواہ وہ کیسا ہی اعلیٰ درجہ کا مفید اور مؤثر کیوں نہ ہو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ کان رکھتے ہیں، مگر سُنتے نہیں۔ دل رکھتے ہیں پر سمجھتے نہیں۔ پس یاد رکھو کہ جو کچھ بیان کیا جاوے اُسے توجہ اور بڑی غور سے سُنو۔ کیونکہ جو توجہ سے نہیں سُنتا ہے وہ خواہ عرصہ دراز تک فائدہ رساں وجود کی صحبت میں رہے اُسے کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

جب خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو دُنیا میں ماٗمور کر کے بھیجتا ہے تو اس وقت دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وُہ جو اُن کی باتوں پر توجہ کرتے اور کان دھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اُسے پُورے غور سے سنتے ہیں۔ یہ فریق وہ ہوتا ہے جو فائدہ اٹھاتا ہے اور سچی نیکی اور اس کے برکات و ثمرات کو پالیتا ہے۔ دُوسرا فریق وُہ ہوتا ہے جو اُن کی باتوں کو توجہ اور غور سے سُننا تو ایک طرف رہا۔ اُن پر ہنسی کرتے اور اُن کو دُکھ دینے کے لیے منصوبے سوچتے اور کوششیں کرتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو اس وقت بھی اسی قاعدہ کے موافق دو فریق تھے۔ ایک وُہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سُنا اور پُورے غور سے سُنا اور پھر آپؐ کی باتوں سے ایسے متاثر ہوئے اور آپؐ پر ایسے فدا ہوئے کہ والدین اور اولاد۔ احباب اور اعزہ غرض دُنیا میں جو چیز انہیں عزیز ترین ہوسکتی تھی۔ اس پر آپؐ کے وجود کو مقدم کر لیا۔ اچھے بھلے آرام سے بیٹھے تھے۔ برادری کے تعلقات اور احباب کے تعلقات سے اپنے خیال کے موافق لُطف اُٹھا رہے تھے۔ مگر اس پاک وجود کے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہی وُہ سارے رشتے اور تعلق اُن کو چھوڑنے پڑے اور اُن سے الگ ہونے میں اُنہوں نے ذرا بھی تکلیف محسوس نہ کی، بلکہ راحت اور خوشی سمجھی۔ اب غور کرنا چاہیے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ کیا چیز تھی؟ جس سے ان لوگوں کو اپنا ایسا گرویدہ بنا لیا کہ وہ اپنی جانیں دینے کے لیے تیار ہو گئے۔ اپنے تمام دنیوی مفاد اور منافع اور تمام

قومی اور ملکی تعلقات کو قطع کرنے کے لیے آمادہ ہوئے۔ نہ صرف آمادہ بلکہ انہوں نے قطع کرکے اور اپنی جانوں کو دے کر دکھا دیا کہ وہ آپؐ کے ساتھ کس خلوص اور ارادت سے ہوتے تھے۔ بظاہر آپ کے پاس کوئی مال و دولت نہ تھا جو ایک دُنیا دار انسان کے لیے تحریص اور ترغیب کا موجب ہو سکے۔ خود آپ نے ہی یتیمی میں پرورش پائی تھی تو وہ اوروں کو کیا دکھا سکتے تھے۔

انبیاء کو حق اور کشش دی جاتی ہے

مَیں کہتا ہوں کہ بیشک آپؐ کے پاس کوئی مال و دولت اور دنیوی تحریص و ترغیب کا ذریعہ نہ تھا اور ہرگز نہ تھا، لیکن آپؐ کے پاس وہ زبردست چیزیں جو حقیقی اور اصلی، موثر اور جاذب ہیں تھیں۔ وہی اُنھوں نے پیش کیں اور انھوں نے ہی دُنیا کو آپؐ کی طرف کھینچا۔ وہ تھیں حق اور کشش۔ یہ دو چیزیں ہی ہوتی ہیں۔ جن کو انبیاء علیہم السلام لے کر آتے ہیں۔ جبتک یہ دونوں موجود نہ ہوں انسان کسی ایک سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اور نہ پہنچا سکتا ہے۔ حق ہو کشش نہ ہو کیا حاصل؟ کشش ہو لیکن حق نہ ہو۔ اس سے کیا فائدہ؟ بہت سے لوگ ایسے دیکھے گئے ہیں اور دُنیا میں موجود ہیں کہ اُن کی زبان پر حق ہوتا ہے، مگر دیکھا گیا ہے کہ وہ حق مفید اور موثر ثابت نہیں ہوتا۔ کیوں؟ وُہ حق صرف اُن کی زبان پر ہے اور دل اس سے آشنا نہیں اور وُہ کشش جو دل کی قبولیت کے بعد پیدا ہوتی ہے اُس کے پاس نہیں ہے۔ اس لیے وُہ جو کچھ کہتا ہے جس اوپرے دل سے کہتا ہے اسی طرح پر اُس کا اثر ہوتا ہے۔

سچی کشش، حقیقی جذب اور واقعی تاثیر اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس حق کو جسے وہ بیان کرتا ہے، نہ صرف آپ قبول کرے، بلکہ اس پر عمل کرکے اس کے چمکتے ہوئے نتائج اور خواص کو اپنے اندر رکھتا ہو۔ جبتک انسان خود سچا ایمان ان اُمور پر جو وہ بیان کرتا ہے، نہیں رکھتا اور سچے ایمان کے اثر یعنی اعمال سے نہیں دکھاتا۔ وہ ہرگز ہرگز موثر اور مفید نہیں ہوتے۔ وُہ باتیں صرف بدبُودار ہونٹوں سے نکلتی ہیں جو دوسروں کے کان تک پہنچنے میں اور بھی بدبُودار ہو جاتی ہیں، بلکہ مَیں یہ کہتا ہوں کہ یہ ظالم و سفاک حق کا یُوں بھی خون کرتے ہیں کہ چونکہ اس کے برکات اور درخشاں ثمرات اُن کے ساتھ نہیں ہوتے اسلئے سننے والے محض خیالی اور فرضی باتیں سمجھ کر ان کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور یُوں وہ دوسروں کو محروم کر دیتے ہیں۔

غرض یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ وہ شخص جو دُنیا کی اصلاح اور بہتری کا مدعی ہے جبتک اپنے ساتھ حق اور کشش نہ رکھتا ہو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور وُہ لوگ جو توجہ اور غور سے اُنکی بات کو نہیں سُنتے وہ اُن سے بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ جو کشش اور حق بھی رکھتے ہوں۔

رُوحانی رات اور دن

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ قدرت ہے کہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اور اس قانونِ قدرت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں

ہوتی۔ اسی طرح دُنیا پر اس قسم کے زمانے آتے رہتے ہیں کہ کبھی رُوحانی طور پر رات ہوتی ہے اور کبھی طلوعِ آفتاب ہوکر نیا دن چڑھتا ہے ۔ چنانچہ پچھلا ایک ہزار جو گذرا ہے، رُوحانی طور پر ایک تاریک رات تھی جس کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ ایک دن ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (حج : ۴۸) اس ہزار سال میں دنیا پر ایک خطرناک ظُلمت کی چادر چھائی ہوئی تھی۔ جس میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کو ایک ناپاک کیچڑ میں ڈالنے کے لیے پوری تدبیروں اور مکاریوں اور حیلہ جوئیوں سے کام لیا گیا ہے اور خود ان لوگوں میں ہر قسم کے شرک اور بدعات ہو گئے جو مُسلمان کہلاتے تھے۔ مگر اس گروہ کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَيْسُوْا مِنِّيْ وَلَسْتُ مِنْهُمْ. یعنی نہ وہ مجھ سے ہیں اور نہ میں اُن سے ہوں۔ غرض جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ ہزار سالہ رات تھی جو گذر گئی۔ اب خدا تعالیٰ نے تقاضا فرمایا کہ دُنیا کو روشنی سے حصّہ دے اس شخص کو جو حصّہ لے سکے، کیونکہ ہر ایک اس قابل نہیں ہے کہ اس سے حصّہ لے۔

چنانچہ اُس نے مجھے اس صدی پر مامُور کرکے بھیجا ہے تاکہ میں اسلام کو زندہ کروں۔

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پُورے طور پر اور اصلی معنوں میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ وہ بہتوں کو مخلص نہ بنا سکے۔ ذرا سی غیر حاضری میں قوم بگڑ گئی باوجودیکہ ہارُونؑ ابھی ان میں موجود تھے۔ اور قوم نے گوسالہ پرستی اختیار کی اور ساری عمر قسم قسم کے شکوک و شبہات پیش کرتے رہے۔ کبھی بھی انشراحِ قلب کے ساتھ ساری قوم باوجود بہت سے نشانوں کے دیکھنے کے مخلص نہ ہوسکی۔ اور ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ناکام رہے۔ یہانتک کہ حواری بھی جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے۔ بگڑ گئے اور بعض مرتد ہو کر لعنتیں کرنے لگے۔ فقیہ اور فریسی جو موسیٰ کی گدی پر بیٹھنے والے تھے۔ اُن کو نصیب نہ ہوا کہ اس آسمانی نُور سے حصّہ لیتے اور ان سچائی کی باتوں کو جو حضرت مسیح علیہ السلام لے کر آئے تھے، قبول کرتے اور توجہ سے سُنتے۔ اگرچہ کہا جائے گا کہ ان کو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ جو مسیح کی علامتوں اور نشانات کے متعلق پیشگوئیوں کے رنگ میں تھیں۔ لیکن اگر توجہ کرتے اور رشید ہوتے اور ان کو قوتِ حاسّہ ملی ہوتی، تو ضرور فائدہ اُٹھا لیتے اور ضرور دیگر مشکلات سے نکل جاتے۔ ان اُمور اور واقعات پر نگاہ کرنے سے طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس کا مختصر جواب یہی ہے کہ انسان اپنے ہی حربہ سے ہلاک ہوتا ہے۔ جو لوگ توجہ نہیں کرتے اور اس کے وجود کو بے سُود اور فضول قرار دیتے ہیں اور اس کی پاکیزہ باتوں پر کوئی غور نہیں کرتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ وہ محروم رہ جاتے ہیں۔ جیسا میں نے شروع میں کہا تھا کہ توجہ اور غور سے سُننا چاہیے اور جو لوگ توجہ اور غور سے نہیں سُنتے وہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو کان رکھتے ہوئے نہیں سُنتے۔ اسی طرح پر میں اب یُوں کہتا ہوں کہ

یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے دلوں پر قفل لگے ہوتے ہوتے ہیں اور جن کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اس لیے وہ خدا تعالیٰ کے ماموروں اور مرسلوں کی باتوں پر ہنسی کرتے ہیں اور ان سے فائدہ نہ اٹھا کر محروم ہو جاتے ہیں اور آخر عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔"

مامورین کی باتوں سے فائدہ اٹھانیوالے لوگ

لیکن جو حسنِ ظن سے کام لے کر صبر اور استقلال کے ساتھ اس کی باتوں کو متوجہ ہو کر سنتے ہیں وہ فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ آخر سچائی کی چمک خود اُن کے دل کو روشن کر دیتی ہے۔ اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور اُن کے کانوں میں نئی سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دل فکر کرتا ہے اور عمل کا رنگ پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ سُکھ پاتے ہیں۔

دُنیا ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب انسان کو نیکی اور بھلائی کا موقع ملے اور وہ اُس کو کھو دے تو اس موقع کے ضائع کرنے سے اس کو ہم و غم ہوتا ہے اور ایک درد محسوس کرتا ہے۔ اس طرح پر جنھوں نے انبیاء علیہم السلام کا زمانہ پایا اور اس موقع کو کھو دیا، وہ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اہلِ دُنیا اس سے بے خبر ہیں اگر اہلِ دُنیا کو مُردوں کے حالات پر اطلاع ہو سکتی اور مُردے دُنیا میں دوبارہ آکر اپنے حالات سُنا سکتے تو سب کے سب فرشتوں کی سی زندگی بسر کرنے والے ہوتے اور دُنیا میں گناہ پر موت طاری ہو جاتی لیکن خدا تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا اور اس معاملہ کو پردہ اور خفا میں رکھا ہے، تاکہ نیکی کا اجر اور ثواب ضائع نہ ہو جاوے۔ دیکھو اگر امتحان سے پہلے سوالات کو شائع کر دیا جاوے تو ان کے جوابات میں لیاقت کیا معلوم ہو سکتی ہے؟ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے جو مواخذہ کا طریق رکھا ہے، اس کو افراط و تفریط سے بچا کر رکھا ہے۔

ایمانیات میں خفاء

اگر اللہ تعالیٰ سارے پردے کھول دیتا اور کوئی امر مخفی اور پوشیدہ نہ ہوتا اور مُردے آکر کہہ دیتے کہ جنّت و نار سب حق ہیں تو بتاؤ کہ کوئی دہریہ اور بُت پرست رہ سکتا تھا؟

مثلاً اگر یہاں ہی کے دو چار مُردے آکر حقیقت بتا دیں اور اپنے پوتوں اور عزیزوں کو بتائیں تو کوئی رُوگردان رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ اب اگر کوئی آفتاب پر ایمان لاوے کہ یہ ہے اور روشنی دیتا ہے تو بتاؤ اس ایمان کا کوئی ثواب اسے مل سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ نے ایمان کی قدر و قیمت اور نیکی کی جزا کے لیے یہ پسند فرمایا ہے کہ کچھ خفا بھی ہو۔ دانشمند آدمی سعادت پاتا ہے۔ بیوقوف اس سے محروم رہ جاتا ہے اور پھر کوئی ایمانی امر ایسا نہیں ہے جس میں حقیقت اور فلسفہ نہ ہو۔ اس خفا میں عظیم الشان فلسفہ ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ اگر ایسا انکشاف ہوتا کہ کوئی چیز مخفی نہ رہ جاتی۔

معاد کا حال، خدا کی رضا کا پتہ معلوم ہو جاتا، تو نیکی نیکی نہ رہتی اور نہ اس کی کوئی قدر ہوتی۔ مشہود محسوس چیزوں پر ایمان لانے سے کوئی ثواب نہیں مل سکتا۔ مسجد پر یا درخت یا آفتاب پر ایمان لانیوالا اور ان کے وجود کا اعتراف کرنے والا کبھی جزا کا مستحق نہیں ہے، لیکن جو مخفی کو معلوم کر کے ایمان لاتا ہے۔ وہ بیشک قابلِ تعریف فعل کا کرنے والا ٹھہرتا ہے اور مدح اور تعریف کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ جب بالکل انکشاف ہو گیا۔ پھر کیا؟ اسی طرح پر اگر کوئی ۲۹ دن کے ہلال کو دیکھتا ہے تو بیشک اس کی نظر قابلِ تعریف ہوگی، لیکن اگر کوئی چودہ دن کے بعد جبکہ بدر ہو گیا اور عالمتاب روشنی نظر آتی ہے لوگوں کو کہے کہ آؤ میں تمہیں چاند دکھاؤں میں نے دیکھ لیا ہے تو وہ مسخرہ اور فضول گو ٹھہرایا جائیگا۔

غرض قابلیت فراست سے ظاہر ہوتی ہے۔ خدا نے کچھ چھپایا ہے اور کچھ ظاہر کیا ہے۔ اگر بالکل ظاہر کرتا تو ایمان کا ثواب جاتا رہتا اور اگر بالکل چھپاتا تو سارے مذاہب تاریکی میں دبے رہتے اور کوئی بات قابلِ اطمینان نہ ہو سکتی اور آج کوئی مذہب والا دوسرے کو نہ کہہ سکتا کہ تو غلطی پر ہے اور نہ مواخذہ کا اصول قائم رہ سکتا تھا، کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق تھی، مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ۲۸۷)

پس خدا کا فضل ہے کہ ہلکا سا امتحان رکھا ہوا ہے جس میں بہت مشکلات نہیں؛ باوجودیکہ وہ عالم ایسا اَدق ہے کہ جو جاتا ہے پھر واپس نہیں آتا۔ پھر بھی خدا تعالیٰ نے انوار و برکات کا ایک سلسلہ رکھا ہے جس سے اس دُنیا ہی میں پتہ لگ جاتا ہے اور وُہ مخفی اُمور متحقق ہو جاتے ہیں۔[۱]

سِترِ الٰہی

آج کل کے فلاسفروں نے مُردوں کے واپس آنے کی بہت تحقیقات کی ہے۔ امریکہ میں ایک شخص کو مار کر دیکھا کہ آیا مرنے کے بعد شعور باقی رہتا ہے یا نہیں۔ اُس شخص کو جس پر یہ تجربہ کرنا چاہا۔ کہدیا گیا کہ تم نے آنکھ کے اشارے سے بتا دینا، مگر جب وہ ہلاک کیا گیا، تو کچھ بھی نہ کر سکا، کیونکہ یہ ایک سِترِ الٰہی ہے جس کی تہہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ انسان جب حد سے گزرتا ہے تو سِتر کی تلاش کی فکر میں ہوتا ہے۔ مغربی دُنیا میں جو زمینی تحقیقات میں لگی ہوئی ہے وُہ ہر فلسفہ میں ادب سے دُور نکل جاتی ہے اور انسانی حدُود کو چھوڑ کر آگے قدم رکھنا چاہتی ہے، مگر بے فائدہ۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن امور کو جو ایمانیات سے متعلق ہیں نہ تو اس قدر چھپایا ہے کہ تکلّف کی حد تک پہنچ جائیں اور نہ اس قدر ظاہر کیا ہے کہ ایمان ایمان ہی نہ رہے اور کوئی فائدہ اس پر مترتب نہ ہو سکے۔

---

[۱] الحکم جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۳-۵ پرچہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۲ء

اسلام ایک زندہ مذہب

باوجود ان ساری باتوں کے آج اسلام کے لیے خوشی کا دن ہے کہ معمورۂ عالم میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور وہ اپنی روشن ہدایتوں اور عملی سچائیوں کے ساتھ زندہ نشانات اور زندہ برکات کا ایک زبردست معجزہ اپنے ساتھ رکھتا ہے، جس کے مقابلہ کی کسی میں طاقت نہیں۔

یہ بات کہ اسلام اپنی پاک تعلیم اور اس کے زندہ نتائج کے ساتھ اس وقت معمورۂ عالم میں ممتاز ہے۔ نرا دعویٰ ہی دعویٰ نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کے ذریعہ اس سچائی کو ثابت کر دیا ہے اور کل مذاہب و ملل کو دعوت حق کر کے اس نے بتا دیا ہے کہ فی الحقیقت اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے اور جسے ابھی تک شک ہو وہ میرے پاس آتے اور ان خوبیوں اور برکات کو خود مشاہدہ کرے، مگر طالب صادق بن کر آئے نہ جلد باز معترض ہو کر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں دُنیا میں ظاہر ہوئے اور خدا تعالیٰ کے جلال اور گم گشتہ توحید کو زندہ کرنے کے لیے آپ مبعوث ہوتے۔ اس زمانہ ہی کی حالت پر اگر کوئی سعادت مند سلیم الفطرت غور کن دل لیکر فکر کرے، تو اس کو معلوم ہو گا کہ اس زمانہ کی حالت ہی آپؐ کی سچائی پر ایک روشن دلیل ہے اور دانشمند اس وقت ہی کو دیکھ کر اقرار کرے اور معجزہ بھی طلب نہ کرے۔

پادری فنڈر صاحب نے اپنی کتاب "میزان الحق" میں یہ سوال کیا ہے کہ کیا سبب ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور خدا تعالیٰ نے اُن کو نہ روکا؟ اس سوال کا پھر آپ جواب دیتا ہے کہ اُس وقت چونکہ عیسائی بگڑ گئے تھے۔ اُن کے اخلاق اور اعمال بہت خراب تھے۔ اُنھوں نے سچی راست بازی کا طریق چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی تنبیہ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور اس لیے آپؐ کو نہ روکا۔ اس سے یہ نادان عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا تو اعتراف نہیں کرتا، بلکہ معترض کی صورت میں اس کو پیش کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ کیا اس وقت کے حسب حال کسی مصلح کی ضرورت تھی یا یہ کہ ایک کا جو ایک ہاتھ کاٹا ہوا ہے تو دوسرا بھی کاٹا جاوے جو بیمار ہے پتھر مار کر مار دیا جاوے۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کے رحم کے مناسب حال ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ اس وقت جیسا کہ عیسائی تسلیم کرتے ہیں وہ تاریکی کا زمانہ تھا اور دیانند نے اپنی کتاب میں تسلیم کیا ہے اور تاریخ بھی شہادت دیتی ہے کہ ہندوستان میں بُت پرستی ہو رہی تھی۔ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ کل معمورۂ عالم میں ایک خطرناک تاریکی چھائی ہوئی تھی، جس کا اعتراف ہر قوم اور ملت کے مورّخوں اور محققوں نے کیا ہے۔ اب ایسی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود بے ضرورت نہ تھا۔

بلکہ وُہ کل دنیا کے لیے ایک رحمت کا نشان تھا؛ چنانچہ فرمایا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیآء: ۱۰۸)
یعنی اے نبی کریم ہم نے تمھیں تمام عالم پر رحمت کے لیے بھیجا ہے۔ آپ کو تو کچھ معلوم نہ تھا کہ اس وقت آریہ ورت کی کیا حالت ہے اور کس خطرناک بُت پرستی کے تاریک غار میں گرا ہوا ہے۔ یہانتک کہ انسان کی شرمگاہ کی پرستش بھی اِن وید کے ماننے والوں میں مرّوج تھی اور نہ آپ کو معلوم تھا کہ بلادِ شام کے عیسائیوں کا کیا حال ہے۔ وُہ کس قسم کی انسان پرستی میں مصروف ہو کر اخلاق اور اعمالِ صالحہ کی قیود سے نکل کر بالکل تاریک زندگی بسر کر رہے تھے اور نہ آپ کو اس بات کا علم تھا کہ ایران اور مصر میں کیا ہو رہا ہے؟ غرض آپؐ تو ایک جنگل میں پیدا ہوتے تھے۔ نہ اس وقت کوئی تاریخ مدون ہوئی تھی جو آپؐ نے پڑھی ہوتی۔ نہ کسی مدرسہ اور مکتب میں آپؐ نے تعلیم پائی تھی، جو معلومات وسیع ہوتے اور نہ کوئی اور ذرائع لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے تھے جیسے تار یا اخبار یا ڈاک خانے وغیرہ۔

آپؐ کو تو دُنیا کے بگڑ جانے کی اطلاع صرف خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ملی۔ جب یہ آیت اُتری ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) یعنی دریا بھی بگڑ گئے اور جنگل بھی بگڑ گئے۔ دریاؤں سے مُراد وُہ لوگ ہیں، جن کو پانی دیا گیا یعنی شریعت اور کتاب اللہ ملی اور جنگل سے مُراد وہ ہیں، جن کو اس سے حصّہ نہیں ملا تھا مطلب یہ ہے کہ اہلِ کتاب بھی بگڑ گئے اور مُشرک بھی۔ الغرض آپؐ کا زمانہ ایسا زمانہ تھا کہ دُنیا میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔

دلائلِ صداقت

اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو پیدا کیا تا تاریکی کو دُور کریں۔ ایسے پرفتن زمانہ میں (کہ چاروں طرف فسق و فجور کی ترقی تھی اور شرک و دہریت کا زور تھا کہ نہ اعتقاد ہی دُرست تھے اور نہ اعمالِ صالحہ اور نہ اخلاق ہی باقی رہے تھے) آپؐ کا پیدا ہونا بجائے خود آپؐ کی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کا ایک زبردست ثبوت ہے۔ کاش کوئی اس پر غور کرے۔ عقلمند اور سلیم الفطرت انسان ایسے وقت پر آنیوالے مُصلح کی تکذیب کے لیے کبھی جلدی نہیں کر سکتا۔ اور کم از کم اس کو اتنا تو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ وقت پر آیا ہے۔ وبار طاعون اور ہیضہ کی شدت کے وقت اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ مَیں ان کے علاج کے لیے آیا ہوں، تو کیا اس قدر تسلیم کرنا نہیں پڑیگا کہ یہ شخص ضرورت کے وقت پر آیا ہے؟ بیشک ماننا پڑے گا۔ اسی طرح پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے لیے پہلی دلیل یہی ہے کہ آپؐ جس وقت تشریف لائے، وُہ وقت چاہتا تھا کہ مَردے از غیب بیرون آید و کارے بکند۔ اسی کی طرف قرآنِ کریم نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے: بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (بنی اسرائیل: ۱۰۶)

پس یاد رکھو کہ ماُمور من اللہ کی شناخت کی پہلی دلیل یہی ہوتی ہے کہ اس وقت اور موقع پر نگاہ کی جاوے کہ کیا اس وقت کسی مردِ آسمانی کے آنے کی ضرورت بھی ہے یا نہیں؟

ایک شخص اگر نہروں کی موجودگی اور متعدد کنوؤں کے ہوتے ہوئے پھر ان میں ہی کنواں لگاتا ہے، تو صاف کہنا پڑیگا کہ یہ وقت اور روپیہ کا خون کرتا ہے، لیکن اگر وہ کسی ایسے جنگل میں جہاں کوئی کنواں نہیں ہے، کنواں لگاتا ہے تو ماننا پڑیگا کہ اُس نے خیر جاری کے لیے یہ کام کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے جسمانی جنگل میں پیدا ہوئے، ویسے ہی رُوحانی جنگل بھی تھا۔ مکّہ میں اگر جسمانی اور رُوحانی نہریں نہ تھیں، تو دُوسرے مُلک رُوحانی نہر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہلاک ہو چکے تھے اور زمین مر چکی تھی جیساکہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید : ۱۸) یعنی یہ بات تمہیں معلوم ہے کہ زمین سب کی سب مرگئی تھی۔ اب خدا تعالیٰ نئے سرے اس کو زندہ کرتا ہے۔ پس یہ زبردست دلیل ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی کہ آپؐ ایسے وقت میں آئے کہ ساری دُنیا عام طور پر بدکاریوں اور بداعتقادیوں میں مبتلا ہو چکی تھی اور حق و حقیقت اور توحید اور پاکیزگی سے خالی ہو گئی تھی۔

پھر دُوسری دلیل آپؐ کی سچائی کی یہ ہے کہ آپؐ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھائے گئے۔ جب وُہ اپنے فرضِ رسالت پورے طور پر ادا کر کے کامیاب اور بامُراد ہو چکے۔ حقیقت میں جیسے مامُور من اللہ کے لیے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ آیا وُہ وقت پر آیا ہے یا نہیں؟ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وُہ کامیاب ہوا یا نہیں۔ اُس نے اُن بیماروں کو جن کے علاج کے لیے وُہ آیا، اچھا بھی کیا یا نہیں[1]؟

عربوں کی اخلاقی اور رُوحانی حالت

زیادہ تفصیل کی اس مقام پر ضرورت نہیں، کیونکہ اس مجمع میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو بخوبی علم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کا کیا حال تھا۔ کوئی بدی ایسی نہ تھی جو ان میں نہ پائی جاتی ہو۔ جیسے کوئی ہر صیغہ اور امتحان کو پاس کر کے کامل اُستاد ہر فن کا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح وہ بدیوں اور بدکاریوں میں ماہر اور پُورے تھے۔ شرابی، زانی، یتیموں کا مال کھانے والے، قمار باز۔ غرض ہر برائی میں سب سے بڑھے ہوئے تھے، بلکہ اپنی بدکاریوں پر فخر کرنیوالے تھے۔ اُن کا قول تھا۔ مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا (الجاثیة: ۲۵) ہماری زندگی اسی قدر ہے کہ یہاں ہی مرتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔ حشر نشر کوئی چیز نہیں۔ قیامت کچھ نہیں۔ جنّت کیا ہے اور جہنّم کیا؟ قرآن شریف کے احکام جن بدیوں اور برائیوں سے روکتے ہیں وہ سب مجموعی طور پر ان میں موجود تھیں۔ ان کی حالت کا نقشہ ہے۔ جس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ وُہ کیا تھے۔ ایک موقع پر فرماتا ہے۔ یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ (محمد : ۱۳) کھاتے ہیں اور تمتع اُٹھاتے ہیں یعنی

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۳، ۴ پرچہ ۱۷ر مارچ ۱۹۰۲ء

اپنے پیٹ کی اور دوسری شہوات میں مبتلا اور اسیر ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب انسان جذباتِ نفس اور دیگر شہوات میں اسیر اور مبتلا ہو جاتا ہے تو چونکہ وہ طبعی تقاضوں کو اخلاقی حالت میں نہیں لاتا اس لئے ان شہوات کی غلامی اور گرفتاری ہی اس کے لئے جہنم ہو جاتی ہے اور اُن ضرورتوں کے حصول میں مشکلات کا پیش آنا ہی پر ایک خطرناک عذاب کی صورت ہو جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جس حال میں ہیں گویا جہنم میں مبتلا ہیں۔

قرآنِ مجید قصّوں کا مجموعہ نہیں

یہ بات ہرگز ہرگز قبول جانے کے قابل نہیں ہے کہ قرآن شریف جو خاتم الکتب ہے۔ دراصل قصّوں کا مجموعہ نہیں ہے۔ جن لوگوں نے اپنی غلط فہمی اور حق پوشی کی بنا پر قرآن شریف کو قصّوں کا مجموعہ کہا ہے۔ اُنھوں نے حقائق شناس فطرت سے حصّہ نہیں پایا ؛ ورنہ اس پاک کتاب نے تو پہلے قصّوں کو بھی ایک فلسفہ بنا دیا ہے اور یہ اس کا احسانِ عظیم ہے، ساری کتابوں اور نبیوں پر ؛ ورنہ آج ان باتوں پر ہنسی کی جاتی اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس علمی زمانہ میں جبکہ موجوداتِ عالم کے حقائق اور خواص الاشیاء کے علوم ترقی کر رہے ہیں۔ اس نے آسمانی علوم اور کشفِ حقائق کے لیے ایک سلسلہ کو قائم کیا۔ جس نے ان تمام باتوں کو بوضیح اعوج کے زمانہ میں ایک معمولی قصّوں سے بڑھ کر وقعت نہ رکھتی تھی اور اس سائنس کے زمانہ میں اُن پر ہنسی ہو رہی تھی۔ علمی پیرایہ میں ایک فلسفہ کی صورت میں پیش کیا۔

بہشت و دوزخ کی حقیقت

پہلے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل خیالی اور سادہ طور پر بہشت و دوزخ کو رکھا گیا تھا۔ حضرت مسیحؑ نے پھانسی پانے والے چور کو یہ تو کہہ دیا کہ آج ہم بہشت میں جائیں گے، مگر بہشت کی حقیقت پر کوئی نکتہ بیان نہ فرمایا۔ ہم اس وقت اس سوال کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ عیسائیوں کے انجیلی عقیدے اور بیان کے موافق وُہ بہشت میں گئے یا ہاویہ میں، بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ بہشت کی حقیقت اُنھوں نے کچھ بیان نہیں کی۔ ہاں یُوں تو عیسائیوں نے اپنے بہشت کی مساحت بھی کی ہوئی ہے۔ برخلاف اس کے قرآن شریف کسی تعلیم کو قصّے کے رنگ میں پیش نہیں بلکہ وہ ہمیشہ ایک علمی صورت میں اُسے پیش کرتا ہے۔ مثلاً اسی بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن شریف فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) یعنی جو اس دُنیا میں اندھا ہے، وُہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ کیا مطلب کہ خدا تعالیٰ اور دُوسرے عالم کے لذّات کے دیکھنے کے لیے اسی جہان میں حواس اور آنکھیں ملتی ہیں۔ جس کو اس جہان میں نہیں ملیں، اس کو وہاں بھی نہیں ملیں گے۔ اب یہ امر انسان کو اس طرف متوجہ کرتا ہے کہ انسان کا فرض ہے کہ وہ ان حواس اور آنکھوں کے حاصل کرنے کے واسطے اسی عالم میں کوشش اور سعی کرے تاکہ دُوسرے عالم میں بینا اُٹھے۔ ایسا ہی عذاب کی حقیقت اور فلسفہ بیان کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ (الھمزۃ : ۸،۷)

یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ایک آگ ہے۔ جس کو وُہ بھڑکاتا ہے اور انسان کے دل ہی پر اس کا شعلہ بھڑکتا ہے۔
اس کا مطلب یہ ہے کہ عذابِ الٰہی اور جہنّم کی اصل جڑ انسان کا اپنا ہی دل ہے اور دل کے ناپاک خیالات اور گندے ارادے اور عزم اس جہنّم کا ایندھن ہیں۔ اور پھر بہشت کے انعامات کے متعلق نیک لوگوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا (الدھر: ۷) یعنی اس جگہ نہریں نکال رہے ہیں۔ اور پھر دُوسری جگہ مومنوں اور اعمالِ صالحہ کرنیوالوں کی جزاء کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
اب مَیں پُوچھتا ہوں کہ کیا کوئی ان باتوں کو قصّہ قرار دے سکتا ہے۔ یہ کیسی سچی بات ہے۔ جو یہاں آبپاشی کرتے ہیں وہی پھَل کھائیں گے۔ غرض قرآن شریف اپنی ساری تعلیموں کو علوم کی صُورت اور فلسفہ کے رنگ میں پیش کرتا ہے اور یہ زمانہ جس میں خدا تعالیٰ نے ان علومِ حقّہ کی تبلیغ کے لیے اس سلسلہ کو خود قائم کیا ہے۔ کشفِ حقائق کا زمانہ ہے۔

قرآن کریم کے احسانات

پس یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف نے پہلی کتابوں اور نبیوں پر احسان کیا ہے۔ جو ان کی تعلیموں کو جو قصّہ کے رنگ میں تھیں علمی رنگ دیدیا ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ کوئی شخص ان قصّوں اور کہانیوں سے نجات نہیں پا سکتا جبتک وہ قرآن شریف کو نہ پڑھے، کیونکہ قرآن شریف ہی کی یہ شان ہے کہ وُہ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (الطارق: ۱۴، ۱۵) وُہ میزان، مہیمن، نُور اور شفاء اور رحمت ہے۔ جو لوگ قرآن شریف کو پڑھتے اور اُسے قصّہ سمجھتے ہیں۔ اُنھوں نے قرآن شریف نہیں پڑھا، بلکہ اس کی بے حُرمتی کی ہے۔ ہمارے مخالف کیوں ہماری مخالفت میں اس قدر تیز ہوتے ہیں؟ صرف اسی لیے کہ ہم قرآن شریف کو جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سراسر نُور، حکمت اور معرفت ہے، دکھانا چاہتے ہیں۔ اور وُہ کوشش کرتے ہیں کہ قرآن شریف کو ایک معمولی قصّے سے بڑھ کر وقعت نہ دیں۔ ہم اس کو گوارا نہیں کر سکتے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم پر کھول دیا ہے کہ قرآن شریف ایک زندہ اور روشن کتاب ہے۔ اس لیے ہم ان کی مخالفت کی کیوں پرواہ کریں۔ غرض مَیں بار بار اس امر کی طرف ان لوگوں کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، نصیحت کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو کشفِ حقائق کے لیے قائم کیا ہے کیونکہ بدُوں اس کے عملی زندگی میں کوئی روشنی اور نُور پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور مَیں چاہتا ہوں کہ عملی سچائی کے ذریعہ اسلام کی خُوبی دنیا پر ظاہر ہو۔ جیسا کہ خدا نے مجھے اس کام کے لیے مامُور کیا ہے۔ اس لیے قرآن شریف کو کثرت سے پڑھو مگر نِرا قصّہ سمجھ کر نہیں بلکہ ایک فلسفہ سمجھ کر۔

بہشت اور دوزخ کی حقیقت

اب مَیں پھر اصل مطلب کی طرف رجُوع کر کے کہتا ہوں کہ قرآن شریف نے بہشت اور دوزخ کی جو حقیقت بیان کی ہے کسی دوسری کتاب

نے بیان نہیں کی۔ اس نے صاف طور پر ظاہر کر دیا کہ اسی دُنیا سے یہ سلسلہ جاری ہوتا ہے؛ چنانچہ فرمایا وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن : ۴۷) یعنی جو شخص خدا تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اس کے واسطے دو بہشت ہیں۔ یعنی ایک بہشت تو اسی دُنیا میں مل جاتا ہے، کیونکہ خدا تعالیٰ کا خوف اُس کو برائیوں سے روکتا ہے اور بدیوں کی طرف دوڑنا دل میں ایک اِضطراب اور قلق پیدا کرتا ہے۔ جو بجائے خود ایک خطرناک جہنم ہے، لیکن جو شخص خدا کا خوف کھاتا ہے تو وہ بدیوں سے پرہیز کر کے اس عذاب اور دَرد سے تو دمِ نقد بچ جاتا ہے جو شہوات اور جذباتِ نفسانی کی غلامی اور اسیری سے پیدا ہوتا ہے اور وُہ وفاداری اور خُدا کی طرف جھکنے میں ترقی کرتا ہے جس سے ایک لذّت اور سرُور اُسے دیا جاتا ہے اور یُوں بہشتی زندگی اِسی دُنیا سے اُس کے لیے شروع ہو جاتی ہے اور اسی طرح پر اس کے خلاف کرنے سے جہنمی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ مَیں نے پہلے بیان کر دیا ہے۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت پر دلیل

اس وقت میرا صرف یہ مطلب ہے کہ مَیں اس دُوسری دلیل کی طرف تمہیں متوجہ کروں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نبوّت پر خدا تعالیٰ نے دی ہے یعنی یہ کہ آپؐ جس کام کے لیے آئے تھے، اس میں پُورے کامیاب ہو گئے۔ مَیں نے بتایا ہے کہ جب آپؐ تشریف لائے تو آپؐ نے ہزارہا مریضوں کو مرض کے آخری درجہ میں پایا۔ جو اُن کی موت تک پہنچ گیا تھا، بلکہ حقیقت میں وہ مر ہی چکے تھے جیسا کہ اُس وقت کی تاریخ کے پتہ سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر انصافاً کوئی سوچے کہ اپنے خدمت گار کے عیب دُور نہیں کر سکتے تو جو شخص ایک بگڑی ہوئی قوم کی ایسی اِصلاح کر دے کہ گویا وُہ عیب اُس میں تھے ہی نہیں تو اُس سے بڑھ کر اس کی صداقت کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مُسلمانوں نے اس طرف توجہ نہیں کی؛ ورنہ یہ ایسے روشن دلائل ہیں کہ دُوسرے نبیوں میں اُس کے نظائر بہت ہی کم ملیں گے۔ مثلاً جب ہم آپؐ کے بالمقابل حضرت مسیحؑ کو دیکھتے ہیں، تو کسقدر افسوس ہوتا ہے کہ وُہ چند حواریوں کی بھی کامل اصلاح نہ کر سکے اور ہمیشہ اُن کو سُست اعتقاد کہتے رہے۔ یہانتک کہ بعض کو شیطان بھی کہا۔ وہ ایسے لالچی تھے کہ یہودا اسکریوطی جو مسیح کا خزانچی تھا۔ بسا اوقات اس تھیلی میں سے جو اُس کے پاس رہا کرتی تھی۔ کبھی کبھی چُرا بھی لیا کرتا تھا۔ آخر اسی لالچ نے اُسے مجبُور کیا کہ وہ تیس درہم لیکر اپنے اُستاد اور مُرشد کو گرفتار کرا دے۔ اِدھر جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ کی طرف دیکھتے ہیں تو اُنھوں نے اپنی جانیں دے دینی آسان سمجھیں، بجائے اس کے کہ اُن میں غدّاری کا ناپاک حِصّہ پایا جاتا۔ یُورپین مورخوں تک کو اس اَمر کا اعتراف کرنا پڑا ہے کہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہ میں جو اُنس وفاداری اور اطاعت

اپنے ہادی صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھی اس کی نظیر کسی دُوسرے نبیوں کے متبعین میں نہیں ملتی ہے۔ خصوصاً مسیح علیہ السلام تو اس مقابلہ میں بالکل تہی دست ہیں۔ اب جبکہ اس قدر غلو اُن کی شان میں کیا گیا ہے اور باوجود کمزوریوں کی ان مثالوں اور واقعات کے ہوتے ہوئے جو انجیل میں موجود ہیں، اُن کو خدا بنایا گیا ہے۔ ان کی قوت قدسی اور جذب وکشش کا یہ نمونہ پیش کیا گیا ہے کہ وہ چند حواریوں کو بھی دُرست نہ کر سکے، تو اور اُن سے کیا اُمید ہو سکتی ہے۔ عیسائی جب حواریوں کی اعتقادی اور عملی کمزوریوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے، تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ مسیحؑ کے بعد اُن میں قوت اور طاقت آگئی تھی اور وُہ کامل نمونہ ہو گئے تھے، مگر یہ جواب کیسا مضحکہ خیز اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔ کہ چراغ کی موجودگی میں تو کوئی روشنی نہیں۔ چراغ کے بجھ جانے کے بعد روشنی ہو گئی۔ کیا خُوب !!!

ایک نبی کے سامنے تو وہ پاک صاف نہ ہو سکے۔ اس کے بعد ہو گئے ؟ اس سے تو معلوم ہوا کہ مسیح اپنی قوتِ قُدسی کے لحاظ سے اور بھی کمزور اور ناتواں تھا۔ معاذ اللہ یہ ایک نحوست تھی کہ جبتک حواریوں کے سامنے رہی وُہ پاک نہ ہو سکے اور جب اُٹھ گئی، تو پھر رُوح القدس سے معمُور ہو گئے۔ تعجّب !!

بہت سے انگریز مصنّفوں نے بھی اِس مضمون پر قلم اُٹھایا ہے اور رائے ظاہر کی ہے کہ مسیح نے ایک گروہ پایا تھا جو پہلے سے توریت کے مقاصد پر اطلاع پا چکے تھے اور فقیہوں فریسیوں سے خدا کی باتیں سُنتے تھے۔ اگر وُہ راستباز اور پاکباز ہوتے تو کوئی تعجّب کی بات نہ تھی اور چودہ سو برس تک لگا تار ان میں وقتاً فوقتاً نبی اور رسُول آتے رہے، جو خدا کے احکام اور حدُود سے انہیں اطلاع دیتے رہے۔ گویا اُن کے نُطفہ میں رکھا ہوا تھا کہ وُہ خُدا کو مانیں اور خُدا کے حدُود کی عظمت کریں اور بدکاری سے بچیں۔ پھر کیونکر ممکن تھا کہ وُہ اس تعلیم سے جو مسیح انہیں دینا چاہتا تھا۔ بے خبر ہوتے۔

مسیح اگر انہیں دُرست بھی کر دیتے تب بھی یہ کوئی بڑی قابلِ تعریف بات نہ تھی، کیونکہ ایک طبیب کے کامل علاج کے بعد اگر کوئی دُوسرا اچھّا کر دے، تو یہ خُوبی کی بات نہیں۔ اس لیے بفرضِ محال اگر مسیح نے کوئی فائدہ پہنچایا بھی ہو تو بھی یہ کوئی قابلِ تعریف بات نہیں ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہاں کسی فائدہ کی نظیر بھی نظر نہیں آتی۔ یہودا نے تیس روپیہ پر اُستاد کو بیچ لیا اور پطرس نے سامنے کھڑے ہو کر لعنت کی اور دُوسری طرف نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صحابہؓ نے اُحد اور بدر میں آپؐ کے سامنے سَر دیدیئے۔ اب انصاف کا مقام ہے کہ اگر نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نہ آئے ہوتے اور قرآنِ شریف نہ ہوتا تو ایسے نبی کی بابت کیا کہتے جس کی تعلیم اور قوتِ قُدسی کے نمونے یہودا اسکریوطی اور پطرس ہیں۔

قوتِ قُدسی کا یہ حال اور تعلیم ایسی اُدھوری اور ناقص کہ کوئی دانشمند اُسے کامل نہیں کہہ سکتا اور نہ صرف

ہی بلکہ انسان کی تمدنی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو اُس سے کوئی تعلق ہی نہیں اور پھر لطف یہ کہ اُس کے کوئی تاثیرات باقی نہیں ہیں۔

دعویٰ ایسا کیا کہ عقل، کانشنس، قانونِ قدرت اور متقدمین کے عقائد اور مسلمات کے صریح خلاف۔ ان انگریز مصنفوں کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ اگر قرآن نہ آتا، تو بہت بُری حالت ہوتی۔ اُنھوں نے اعتراف کیا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درندوں، وحشیوں کو دُرست کیا اور پھر ایسے صادق اور وفادار لوگ تیار کیے کہ اُنھوں نے اس کی رفاقت میں کبھی اپنے جان و مال کی بھی پرواہ نہیں کی۔ اِس قسم کی وفاداری اور اطاعت، ایثار اور جانثاری پیدا نہیں ہو سکتی جب تک مقتدا اور متبوع میں اعلیٰ درجہ کی قوتِ قدسی اور جذب نہ ہو۔ پھر لکھتا ہے کہ عربوں کو سچی راستبازی ہی نہ سکھائی گئی تھی، بلکہ اُن کی دماغی قوتوں کی بھی تربیت کی تھی۔ حواری تو ایک گاؤں کا بھی انتظام نہ کر سکتے تھے، مگر صحابہؓ نے دُنیا کا انتظام کر کے دکھا دیا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے والدین نے حکومت اور سلطنت کی تھی اور اس لیے وُہ انتظامِ مُلک داری اور قوانینِ سیاست سے آگاہ تھے۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور قرآن شریف کی کامل تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک طرف اُس نے اُن کو فرشتے بنا دیا اور دُوسری طرف وہ عقلِ مجسّم ہو گئے[1]

بقیہ تقریر ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء

آنحضرتؐ کی قوتِ قدسیہ کا کمال

یہ کیسی بدیہی اور صاف بات ہے کہ ایک طبیب اگر ناقابلِ علاج مریضوں کو اچھا کر دے، تو اس کو طبیبِ حاذق ماننا پڑیگا اور جو اس پر بھی اس کی حذاقت کا اقرار نہ کرے، اس کو بجز احمق اور نادان کے اور کیا کہیں گے۔ اسی طرح پر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لاکھوں مریضانِ گناہ کو اچھا کیا؛ حالانکہ ان مریضوں میں سے ہر ایک بجائے خود ہزارہا قسم کی رُوحانی بیماریوں کا مجموعہ اور مریض تھا۔ جیسے کوئی بیمار کہ سَر درد بھی ہے۔ نزول ہے۔ استسقاء ہے۔ وجع المفاصل ہے۔ طحال ہے۔ وغیرہ وغیرہ تو جو طبیب ایسے مریض کا علاج کرتا ہے اور اس کو تندرست بنا دیتا ہے۔ اس کی تشخیص اور علاج کو صحیح اور یکی ماننے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ ایسا ہی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کو اچھا کیا اُن میں ہزاروں رُوحانی امراض تھے۔ جس جس قدر اُن کی کمزوریوں اور گناہ کی حالتوں کا تصوّر کر کے پھر اُن کی اِسلامی حالت میں تغیّر اور تبدیلی کو ہم دیکھتے ہیں۔ اسی قدر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۳ تا ۵ پرچہ ۲۴ر مارچ ۱۹۰۲ء

اور قوتِ قُدسی کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ ضِد اور تعصب ایک الگ امر ہے جو اپنی تاریکی کی وجہ سے سچائی کے نُور کو دیکھنے کی قوت کو سلب کر دیتا ہے۔ لیکن اگر کوئی دل انصاف سے خالی نہیں اور کوئی سر عقلِ صحیح سے حصہ رکھنے والا ہے تو اسں کو صاف اِقرار کرنا پڑیگا کہ آپؐ سے بڑھ کر عظیم الشان پاکیزگی کی طرف تبدیلی کرا دینے والا انسان دُنیا میں نہیں گذرا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ۔

اب بالمقابل ہم پُوچھتے ہیں کہ مسیح نے کس کا علاج کیا؟ اُنھوں نے اپنی رُوحانیت اور عقدِ ہمّت اور قوتِ قُدسی کا کیا کرشمہ دکھایا؟

زبانی باتیں بنانے سے تو کچھ فائدہ نہیں جبتک عملی رنگ میں اُن کا نمونہ نہ دکھایا جاوے جبکہ اس قدر مبالغہ اُن کی شان میں کیا گیا ہے کہ بایں ضُعف و ناتوانی اُن کو خدا کا منصب دیدیا گیا ہے۔ تو چاہیے تو یہ تھا کہ اُن کی عام رحمت اپنا اثر دکھاتی اور اقتداری قوت کوئی نیا نمونہ پیش کرتی کہ گناہ کی زندگی پر دُنیا میں موت آجاتی اور فرشتوں کی زندگی بسر کرنے والوں سے دُنیا معمُور ہو جاتی، مگر یہ کیا ہوگیا کہ چند خاص آدمی بھی جو آپ کی صُحبت میں ہمیشہ رہتے تھے، دُرست نہ ہو سکے۔

عیسائی اپنے خدا یسُوع کا مقابلہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنے بیٹھ جاتے ہیں، مگر تعجب ہے کہ اُنہیں شرم نہیں آتی کہ وُہ اس طرز پر کبھی ایک قدم بھی چلنا گوارا نہیں کرتے۔ اور اس طریق پر وُہ آنحضرت صلعم سے آپ کا مقابلہ کریں، تو اُنہیں معلوم ہو جاوے۔

انبیاء اخلاق اللہ کا پُورا نمونہ ہوتے ہیں

یاد رکھو کہ نبی تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں اور اپنی عملی حالت سے دکھا دیتے ہیں کہ وُہ اِخلاق اللہ کا پُورا نمونہ ہیں۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ دُنیا میں جس قدر اشیاء خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں وہ سب کی سب کسی نہ کسی پہلو سے انسان کے لیے مُفید ہیں۔ جیسے درخت بنایا ہے۔ اس کے پتّے، اس کا سایہ، اس کی چھال، اس کی لکڑی، اس کا پھل۔ غرض اس کے سارے حصے کسی نہ کسی رنگ میں فائدہ بخش ہیں۔ سُورج کی روشنی سے انسان بہتیرے فائدے حاصل کرتا ہے اور اسی طرح پر تمام چیزیں ہیں جو انسان کے لیے مفید اور نفع رساں ہیں، مگر ہم کو عیسائیوں کی حالت پر افسوس آتا ہے کہ انھوں نے ایک عاجز انسان کو خدا اور خدا کا بیٹا بھی قرار دیا۔ مگر اس کا کوئی فائدہ دُنیا پر ثابت نہیں کر سکتے اور کوئی اُس کی مقتدرانہ تجلّی کا نمونہ ان کے ہاتھ میں نظر نہیں آتا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اُن کا ابن اللہ اگر پدر نتواند پسر تمام کند کا مصداق ہوتا، مگر جب اس کی سوانحمری پر غور کرتے ہیں تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اُس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ نری خودکشی اور دُوسروں کی مصیبت دیکھ کر اپنی جان پر کھیل جانا یہ کیا دانشمندی اور مصلحت ہے اور اس سے ان مصیبت زدوں کو کیا فائدہ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ

انصاف اور ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مسیح کو بالکل ناکامیاب ماننا پڑتا ہے کیونکہ اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قسم کا موقع ملا ہے مسیح کو نہیں ملا ہے۔ اور یہ اُن کی بدقسمتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح کو کامل نمونہ ہم کہہ نہیں سکتے۔ انسان کے ایمان کی تکمیل کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ اوّل یہ دیکھنا چاہیے کہ جب وُہ مصائب کا تختۂ مشق ہو اس وقت وہ خدا تعالیٰ سے کیسا تعلق رکھتا ہے؟ کیا وہ صدق، اخلاص، استقلال اور سچی وفاداری کے ساتھ ان مصائب پر بھی انشراحِ صدر سے اللہ تعالیٰ کی رضا کو تسلیم کرتا اور اس کی حمد وستائش کرتا ہے یا شکوہ و شکایت کرتا ہے۔ اور دُوسرے جب اس کو عُروج حاصل ہو اور اقبال کو فروغ ملے۔ تو کیا اقتدار اور اقبال کی حالت میں وہ خدا تعالیٰ کو بھول جاتا ہے اور اس کی حالت میں کوئی قابلِ اعتراض تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے یا اسی طرح خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا اور اس کی حمد وستائش کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو عفو کرتا اور اُن پر احسان کرکے اپنی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیتا ہے۔

مثلاً ایک شخص کو کسی نے مارا ہے۔ اگر وُہ اس پر قادر ہی نہیں ہوا کہ اس کو سزا دے سکے اور اپنا انتقام لے۔ پھر بھی وُہ کہے کہ دیکھو میں نے اس کو کچھ بھی نہیں کہا، تو یہ بات اخلاق میں داخل نہیں ہو سکتی اور اس کا نام بُردباری اور تحمل نہیں رکھ سکتے، کیونکہ اُسے قدرت ہی حاصل نہیں ہوئی۔ بلکہ ایسی حالت ہے کہ گالی کے صدمہ سے بھی رو پڑے تو یہ تو ستر بی بی از بے چادری کا معاملہ ہے۔ اس کو اخلاق اور بُردباری سے کیا تعلق!!!

مسیح کے اخلاق کا نمونہ اسی قسم کا ہے۔ اگر انہیں کوئی اقتداری قوت ملتی اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کی توفیق انہیں ہوتی پھر اگر وُہ اپنے دشمنوں سے پیار کرتے اور اُن کی خطائیں بخش دیتے، تو بیشک ہم تسلیم کر لیتے کہ ہاں اُنھوں نے اپنے اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ دکھایا، لیکن جب یہ موقعہ ہی اُن کو نہیں ملا تو پھر انہیں اخلاق کا نمونہ ٹھہرانا صریح بے حیائی ہے۔ جبتک دونوں پہلو نہ ہوں خلق کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ اب مقابلہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ جب مکّہ والوں نے آپؐ کو نکالا اور تیرہ برس تک ہر قسم کی تکلیفیں آپؐ کو پہنچاتے رہے۔ آپؐ کے صحابہؓ کو سخت سخت تکلیفیں دیں۔ جن کے تصور سے بھی دل کانپ جاتا ہے۔ اُس وقت جیسے صبر اور برداشت سے آپؐ نے کام لیا، وہ ظاہر بات ہے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ کے حکم سے آپؐ نے ہجرت کی اور پھر فتح مکّہ کا موقع ملا تو اس وقت ان تکالیف اور مصائب اور سختیوں کا خیال کرکے جو مکّہ والوں نے تیرہ سال تک آپؐ پر اور آپؐ کی جماعت پر کی تھیں آپؐ کو حق پہنچتا تھا کہ قتلِ عام کرکے مکّہ والوں کو تباہ کر دیتے اور اس قتل میں کوئی مخالف بھی آپؐ پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ ان تکالیف کے لیے وہ واجب القتل ہو چکے تھے۔ اس لیے اگر آپؐ میں قوتِ غضبی ہوتی تو وُہ بڑا عجیب موقع انتقام کا تھا کہ وہ سب گرفتار ہو چکے

تھے۔ مگر آپؐ نے کیا کیا؟ آپؐ نے اُن سب کو چھوڑ دیا اور کہا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ یہ چھوٹی سی بات نہیں ہے۔ مکہ کی مصائب اور تکالیف کے نظارہ کو دیکھو کہ قوت و طاقت کے ہوتے ہوئے کس طرح پر اپنے جانستاں دشمنوں کو معاف کیا جاتا ہے۔ یہ ہے نمونہ آپؐ کے اخلاقِ فاضلہ کا جس کی نظیر دُنیا میں پائی نہیں جاتی۔

محض انکارِ رُسل کی سزا اس دُنیا میں نہیں ملتی

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مکہ والوں نے آپؐ کی نِری تکذیب نہیں کی تھی۔ نِری تکذیب سے جو محض سادگی کی بنا پر ہوتی ہے اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ سزائیں نہیں دیتا ہے لیکن جب مکذّب شرافت اور انسانیت کے حدُود سے نکل کر بے حیائی اور دریدہ دہنی سے اعتراض کرتا ہے اور اعتراضوں ہی کی حد تک نہیں رہتا، بلکہ ہر قسم کی ایذادہی اور تکلیف رسانی کے منصوبے کرتا ہے اور پھر اس کو حد تک پہنچاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اپنے مامور و مُرسل کے لیے وہ ان ظالموں کو ہلاک کر دیتا ہے۔ جیسے نُوحؑ کی قوم کو ہلاک کیا۔ یا لُوطؑ کی قوم کو۔ اس قسم کے عذاب ہمیشہ اُن شرارتوں اور مظالم کی وجہ سے آتے ہیں۔ جو خدا کے ماموروں اور اُن کی جماعت پر کیے جاتے ہیں؛ ورنہ نِری تکذیب کی سزا اس عالم میں نہیں دی جاتی۔ اس کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے اور اُس نے ایک اور عالم عذاب کے لیے رکھا ہے۔ عذاب جو آتے ہیں۔ وہ تکذیب کو ایذا کے درجے تک پہنچانے سے آتے ہیں اور تکذیب کو استہزاء اور ٹھٹھے کے رنگ میں کر دینے سے آتے ہیں۔ اگر نرمی اور شرافت سے یہ کہا جاوے کہ مَیں نے اس معاملہ کو سمجھا نہیں۔ اس لیے مجھے اس کے ماننے میں تامّل ہے تو یہ انکار عذاب کو کھینچ لانیوالا نہیں ہے، کیونکہ یہ تو صرف سادگی اور کمی علم کی وجہ ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ اگر نُوحؑ کی قوم کا اعتراض شریفانہ رنگ میں ہوتا، تو اللہ تعالیٰ نہ پکڑتا۔ ساری قومیں اپنی کرتُوتوں کی پاداش میں سزا پاتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو لوگ قرآن سُننے کے لیے آتے ہیں۔ اُن کو امن کی جگہ تک پہنچا دیا جاوے خواہ وہ مخالف اور مُنکر ہی ہوں۔ اِس لیے کہ اسلام میں جبر اور اکراہ نہیں۔ جیسے فرمایا۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ (البقرہ : ۲۵۷)۔

لیکن اگر کوئی قتل کریگا یا قتل کے منصوبے کریگا اور شرارتیں اور ایذا رسانی کی سعی کرتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ سزا پاوے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ مجرمانہ حرکات پر ہر ایک پکڑا جاتا ہے۔ پس مکہ والے بھی اپنی شرارتوں اور مجرمانہ حرکات کے باعث اس قابل تھے کہ اُن کو سخت سزائیں دی جاتیں اور اُن کے وجُود سے اس ارضِ مقدس اور اس کے گرد و نواح کو صاف کر دیا جاتا، مگر یہ رحمۃٌ للعالمین اور اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا مصداق اپنے واجب القتل دشمنوں کو بھی پُوری قوت اور مقدرت کے ہوتے ہوئے کہتا ہے۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔

اناجیل کا یسُوع

اب پادری ہمیں بتائیں کہ مسیح کے اس خُلق کو ہم کہاں ڈھونڈیں؟ انکی زندگی میں آپؐ کا نمونہ کہاں سے لائیں جبکہ وُہ اُن کے عقیدے کے موافق ماریں ہی

کھاتا رہا اور جس کو سر رکھنے کی جگہ بھی نہ ملی۔ (اگر ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ ہم خدا کے ایک نبی اور مامور کی نسبت یہ گمان کریں کہ وُہ ایسا ذلیل اور مفلوک الحال تھا) انسان کا سب سے بڑا نشان اُس کا خلق ہے، لیکن ایک گال پر طمانچہ کھا کر دُوسری پھیر دینے کی تعلیم دینے والے معلّم کی عملی حالت میں اُس خُلق کا ہمیں کوئی پتہ نہیں لگتا۔

دُوسروں کو کہتا ہے کہ گالی نہ دو، مگر یہودیوں کے مقدس فریسیوں اور فقیہوں کو حرامکار، سانپ اور سانپ کے بچے آپ ہی کہتا ہے۔ یہودیوں میں بالمقابل اخلاق پائے جاتے ہیں۔ وُہ اُسے نیک اُستاد کہہ کر پکارتے ہیں اور یہ اُن کو حرامکار کہتے ہیں اور کُتوں اور سُوّروں سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ باوجودیکہ وُہ فقیہہ اور فریسی نرم نرم الفاظ میں کچھ پُوچھتے ہیں اور وُہ دُنیوی وجاہت کے لحاظ سے بھی رُومی گورنمنٹ میں کُرسی نشین تھے۔ اُن کے مقابلہ میں اُن کے سوالوں کا جواب تو بہت ہی نرمی سے دینا چاہیے تھا اور خُوب اُن کو سمجھانا چاہیے تھا، حالانکہ یہ بجائے سمجھانے کے گالی پر گالی دیتے چلے جاتے ہیں۔ کیا اِس کا نام اخلاق ہے۔ مَیں بار بار کہتا ہوں کہ اگر قرآن شریف نہ ہوتا اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ آئے ہوتے تو مسیح کی خدائی اور نبوت تو ایک طرف شاید کوئی دانشمند ان کو کوئی عالی خیال اور وسیع الاخلاق انسان ماننے میں بھی تامّل کرتا۔ یہ قرآن شریف کا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان عام ہے تمام نبیوں پر اور خصوصاً مسیح پر کہ اُس نے اُن کی نبوت کا ثبوت خود دیا۔

پھر ایک اور پہلو سے بھی مسیح کی خدائی کی پڑتال کرنی چاہیے کہ اخلاقی حالت تو خیر یہ تھی ہی کہ یہود کے معزز بزرگوں کو آپ گالیاں دیتے تھے، لیکن جب ایک وقت قابو آگئے تو اس قدر دُعا کی جس کی کوئی حد نہیں مگر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ وُہ ساری رات کی دُعا عیسائیوں کے عقیدے کے موافق بالکل ردّ ہوگئی اور اُس کا کوئی بھی نتیجہ نہ ہوا، اگرچہ خدا کی شان کے ہی یہ خلاف تھا کہ وہ دُعا کرتے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنی اقتداری قوت کا کوئی کرشمہ اُس وقت دکھا دیتے۔ جس سے بیچارے یہود اقرار اور تسلیم کے سوا کوئی چارہ ہی نہ دیکھتے، مگر یہاں اُلٹا اثر ہو رہا ہے۔ اور

او خود گم است کرا رہبری کُند

کا معاملہ نظر آتا ہے۔ دُعائیں کرتے ہیں۔ چیختے ہیں چلّاتے ہیں۔ مگر افسوس وُہ دُعا سُنی نہیں جاتی اور موت کا پیالہ جو صلیب کی لعنت کے زہر سے لبریز ہے، نہیں ٹلتا۔ اب کوئی اُس خدا سے کیا پائے گا جو خود مانگتا ہے اور اُسے دیا نہیں جاتا۔ ایک طرف تو خود تعلیم دیتا ہے کہ جو مانگو سو ملے گا۔ دُوسری طرف خود اپنی ناکامی اور نامُرادی کا نمونہ دکھاتا ہے۔ اب انصاف سے ہمیں کوئی بتائے کہ کسی پادری کو کیا تسلّی اور اطمینان ایسے خدائے ناکام میں مل سکتا ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ ہیں

غرض جس پہلو سے مسیح کا مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بایں دعویٰ خدائی کیا جاوے، تو صاف نظر آتا ہے کہ مسیح کو آپؐ سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک عظیم الشان کامیاب زندگی ہے۔

آپؐ کیا بلحاظ اپنے اخلاقِ فاضلہ کے اور کیا بلحاظ اپنی قوتِ قدسی اور عقدِ ہمت کے اور کیا بلحاظ اپنی تعلیم کی خوبی اور تکمیل کے اور کیا بلحاظ اپنے کامل نمونہ اور دعاؤں کی قبولیت کے غرض ہر طرح اور ہر پہلو میں چمکتے ہوتے شواہد اور آیات اپنے ساتھ رکھتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر ایک غبی سے غبی انسان بھی بشرطیکہ اُس کے دل میں بیجا ضد اور عداوت نہ ہو۔ صاف طور پر مان لیتا ہے کہ آپؐ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ کا کامل نمونہ اور کامل انسان ہیں، لیکن جب کوئی مسیح کے حالات پر نظر کرتا ہے۔ تو ایک دانشمند اور منصف مزاج انسان کو تامل ہوتا ہے کہ ایسے انسان کو جو مہذب اور شریفانہ باتوں کا جواب گالی سے دیتا ہے۔ نیک اُستاد کہنے والوں کو سانپ اور سانپ کے بچے اور حرامکار کہتا ہے۔ خدا تو ایک طرف صرف نبی ہی تسلیم کرے۔

مسیح پر ایمان لانے میں یہود کی مشکلات

اِن ساری باتوں کے علاوہ یہود کو ایک اور بڑی عجیب مشکل درپیش تھی۔ جس میں بظاہر وہ حق پر ہو سکتے ہیں۔ اور وہ یہ تھی کہ ملاکی نبی کی کتاب میں وہ پڑھ چکے تھے کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے۔ جبتک وُہ نہ آوے مسیح نہ آوے گا۔ اب اُن کے سامنے کسی کے دوبارہ آنے کی نظیر موجود نہیں اور ایلیا کا آسمان سے اُترنا وہ اپنی کتابوں میں پڑھتے آئے تھے۔ اُنھوں نے ایلیا کو آتے دیکھا نہیں مسیح نے آنے کا دعویٰ کیا۔ اُسے تسلیم کریں، تو کیونکر۔ مسیح نے جو فیصلہ ایلیا کے آنے کا کیا کہ وُہ یُوحنّا کے رنگ میں آگیا۔ یہودیوں کے پاس بظاہر اس کے انکار کے لیے وجوہات تھیں، کیونکہ اُن کو ایلیا کا وعدہ دیا گیا تھا، نہ مثیل ایلیا کا۔ اور اس سے پہلے کوئی واقعہ اس قسم کا نہ ہوا تھا۔ اس لیے اُن کو مسیح کا انکار کرنا پڑا۔

ایک یہودی کی کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اُس نے بڑے زور سے اس امر پر بحث کی ہے اور پھر اپیل کرتا ہے کہ بتاؤ ایسی صورت میں ہم کیا کریں۔ بلکہ اُس نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ ہمیں اسکے متعلق باز پرس کرے گا، تو ہم ملاکی نبی کی کتاب کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیں گے۔

غرض ایک مشکل تو یہودیوں کو یہ پیش آئی کہ مسیح مصلوب ہوگیا اور صلیب کی لعنت نے ان کے کذب پر ایک اور رنگ چڑھا دیا۔ کیونکہ وہ توریت میں پڑھ چکے تھے کہ جھوٹا نبی صلیب پر لٹکایا جاتا ہے اور وُہ

ملعون ہوتا ہے۔ پس انھوں نے یہ خیال کیا کہ ایک طرف تو ایلیاہ آیا نہیں اور یہ مسیح ہونے کا مدعی ہے اور ایلیاہ کے قصے پر جو فیصلہ دیتا ہے، وہ بظاہر ملاکی نبی کی کتاب کے مخالف ہے، اس لیے کاذب کی مخالفت اور خود مسیح کے طرزِ عمل اور سلوک نے یہودیوں کو اور بھی برافروختہ کر دیا تھا۔ جب وہ اُن کو حرامکار۔ سانپ اور سانپ کے بچے کہہ کر پکارتے تھے پس اُنھوں نے صلیب کے لیے کوشش کی اور جب صلیب پر چڑھا دیا تو ان کے پہلے خیال کو اور بھی مضبوطی ہوگئی، کیونکہ اُنہوں نے دیکھا کہ یہ صلیب پر لٹکایا جا کر لعنتی ہو گیا ہے۔ اس لیے سچا نہیں ہے۔

اب اُنہوں نے یہ یقین کر لیا کہ جب یہ خود لعنتی ہو گیا، تو دُوسروں کا شفیع کیسے ہو سکتا ہے۔ صلیب نے اُس کے کاذب ہونے پر مُہر لگا دی۔ دو[2] گواہوں کے ساتھ انسان پھانسی پا سکتا ہے۔ اُنھوں نے اُس وقت بھی کہا کہ اگر تو سچا ہے تو اُتر آ مگر وہ اُتر نہ سکا۔ اِس امر نے ان کو اور بدظن کر دیا۔[1]

بقیہ تقریر ۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء

لعنت کا مفہوم

عیسائی چونکہ لعنت کے مفہوم اور منشاء سے ناواقف تھے، اس لیے مسیح کو ملعون قرار دیتے وقت اُنھوں نے کچھ نہیں سوچا کہ اُس کا انجام آخر کیا ہو گا؟ علاوہ ازیں چونکہ عربی سے اُنہیں بغض تھا، اس لیے عبرانی میں بھی پُوری مہارت حاصل نہ کر سکے۔ یہ دونوں زبانیں ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور عربی جاننے والے کے لیے عبرانی کا پڑھنا سہل تر ہے، مگر عیسائی بوجہ بغض عبرانی لُغت سے بھی فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

لعنت کا مفہوم یہ ہے کہ.... کوئی خدا تعالیٰ سے سخت بیزار ہو جاوے اور خدا تعالیٰ اس سے بیزار ہو جاوے۔ عیسائیوں کے اپنے مطبع کی چھپی ہوئی لُغت کی کتابیں جو بیروت سے آئی ہیں۔ ان میں بھی لعنت کے یہی معنے لکھے ہوئے ہیں۔ اور لعین شیطان کو کہتے ہیں۔ مجھے ان لوگوں کی سمجھ پر سخت افسوس آتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے مطلب کی خاطر ایک عظیم الشان نبی کی سخت بیحرمتی کی ہے اور اس کو لعین ٹھہرایا ہے اور اُنھوں نے اُس پر کچھ بھی توجہ نہیں کی کہ لعنت کا تعلق دل سے ہوتا ہے۔ جبتک دِل خدا سے برگشتہ نہ ہووے۔ ملعون نہیں ہو سکتا۔ اب کسی عیسائی سے پُوچھو کہ کیا عربی اور عبرانی لُغت میں لعنت کے یہ معنی متفق علیہ ہیں یا نہیں؟ پھر اگر دل میں شرارت اور ہٹ دھرمی نہیں ہے اور محض خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ایک مذہب کو اختیار کیا جاتا ہے تو کیا ایک لعنت ہی کا مضمون عیسائی مذہب کے استیصال کے لیے کافی نہیں ہے؟ اوّل غور کرے کہ جب یہ بات مسلّم تھی اور

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۳ تا ۵ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

پہلے توراۃ میں کہا گیا تھا کہ وُہ جو کاٹھ پر لٹکایا گیا وُہ لعنتی ہے اور وُہ کاذب ہے۔ تو بتاؤ جو خود ملعون اور کاذب ٹھہر گیا۔ وُہ دُوسروں کی شفاعت کیا کرے گا؟

او خویشتن گم است کرا رہبری کُند

مَیں سچ کہتا ہوں کہ جب سے ان عیسائیوں نے خُدا کو چھوڑ کر اُلوہیت کا تاج ایک عاجز انسان کے سَر پر رکھ دیا ہے۔ اندھے ہو گئے ہیں اُن کو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ایک طرف اُسے خدا بناتے ہیں۔ دُوسری طرف صلیب پر چڑھا کر اُسے لعنتی ٹھہراتے ہیں اور تین دن کے لیے ہاویہ میں بھی بھیجتے ہیں۔ کیا وُہ دوزخ میں دوزخیوں کو نصیحت کرنے گئے تھے۔ یا اُن کے لیے وہاں جا کر کفارہ ہونا تھا؟

حضرت مریمؑ کے یُوسف سے نِکاح پر اعتراضات

مختصر یہ کہ اس قسم کے فساد موجود ہیں۔ اب اصل مطلب یہ ہے کہ یہی نہیں بلکہ کوئی بھی اخلاقی حالت مسیح کی ثابت نہیں۔ صرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سہارے سے مانا گیا ہے۔ اگر انجیل کی بنا پر ہی ماننا پڑتا تو پھر ان مشکلات میں پڑ کر کون تسلیم کر سکتا ہے۔ عیسائیوں نے اور انجیل نے تو اور بھی داغ لگائے ہیں۔ یہودی جس قسم کے الزام لگاتے ہیں ان کے تو بیان کرنے سے بھی شرم معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیر قوم تو اس کی ماں کو بھی متہم کرتی ہے۔ ایک اور خطرناک معاملہ ہے جس کا جواب عیسائیوں کے پاس ہرگز نہیں ہے اور وُہ یہ ہے کہ مریم کی ماں نے عہد کیا تھا کہ وُہ بیت المقدس کی خدمت کرے گی اور تارکہ رہے گی نکاح نہ کرے گی۔ اور خود مریم نے بھی یہ عہد کیا تھا کہ مَیں ہیکل کی خدمت کرُوں گی۔ باوجود اس عہد کے پھر وہ کیا بلا اور آفت پڑی کہ یہ عہد توڑا گیا اور نکاح کیا گیا۔ اُن تاریخوں میں جو یہودی مصنفین نے لکھی ہیں اور باتوں کو چھوڑ کر بھی اگر دیکھا جاوے تو یہ لکھا ہے کہ یُوسف کو مجبُور کیا گیا کہ وہ نکاح کرے اور اسرائیلی بزرگوں نے اُسے کہا کہ ہر طرح تمہیں نکاح کرنا ہوگا۔ اب اس واقعہ کو مدِّنظر رکھ کر دیکھو کہ کس قدر اعتراض واقع ہوتے ہیں۔

اوّل۔ جب عہد باندھا گیا تھا تو پھر خدا کی ماں اور نانی نے اپنے عہد کو کیوں توڑا؟

دوم۔ جبکہ عیسائیوں کے نزدیک کثرتِ ازدواج زناکاری ہے تو وہ اس کا کیا جواب دیتے ہیں کہ یُوسف کی پہلی بیوی بھی تھی اور مریم دُوسری بیوی تھی۔ کیا وہ اپنے آپ یہ الزام اپنی مقدس کنواری پر قائم نہیں کرتے؟

سوم۔ جبکہ حمل ہو چکا تھا تو پھر حمل میں نکاح کیوں کیا گیا؟

یہ تین زبردست اعتراض ہیں جو اس پر ہوتے ہیں۔ اور باتوں کو اگر چھوڑ دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ جب فرشتہ نے اگر مریم کو بشارت دی تھی کہ تیرے پیٹ میں خدا آتا ہے تو اُسے چاہیے تھا کہ شور مچا دیتی اور دُنیا کو آگاہ کرتی کہ خدا کا استقبال کرنے کو تیار ہو جاؤ، وُہ میرے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ پھر اس کو چھپایا کیوں گیا۔ ہم اس قسم

کے اعتراضوں کو سردست چھوڑ دیتے ہیں، لیکن جو تین بڑے اعتراض اُوپر کیے گئے ہیں، اُن کا جواب عیسائیوں کے پاس حقیقت میں کچھ بھی نہیں ہے۔

اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مریم کو ہیکل میں پیٹ ہوگیا تھا اور مریم نے یہ سمجھا کہ لوگوں کو اگر بتایا گیا کہ مجھے فرشتہ نے آکر بیٹا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے، تو لوگ ٹھٹھا کریں گے اور کہیں گے کہ اِس کو بیاہ کے خواب آتے ہیں۔ کوئی بدکار ٹھہرائے گا۔ لیکن جب پیٹ چھپ نہ سکا اور چرچا ہونے لگا تو آخر سب کو فکر پڑی۔ اگر پہلے سے بتا دیتی جب فرشتہ نے آکر کہا تھا، تو شاید اس قدر شور نہ ہوتا۔ لیکن اُنھوں نے یہی سمجھا کہ اس وقت اگر بتایا تو یہی کہیں گے کہ خاوند مانگتی ہے کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ اگر کنواری لڑکی ذرا سا بھی کوئی ذکر کر بیٹھے۔ تو لوگ اس کی نسبت یہی نتیجہ نکال لیتے ہیں پس وہ ڈرتی رہی اور یہی اس نے سوچا کہ خاموش رہوں، لیکن چار پانچ مہینے کے بعد جب پیٹ بڑھا اور پردہ نہ رہ سکا۔ تو پھر رہا نہ گیا۔ تو ہیکل کے بزرگوں کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ مریم حاملہ ہے اور انہیں فکر پیدا ہوئی اور جیسا کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ اگر کوئی شریف خاندان کی لڑکی حاملہ ہو جاوے، تو جھٹ پٹ اس کا نکاح کر دیتے ہیں تاکہ ناک نہ کٹ جاوے۔ ان بزرگوں کو بھی یہی فکر پیدا ہوئی، کیونکہ وہ اصل واقعہ سے بالکل بے خبر اور ناآشنا تھے، اس لیے اُنہوں نے اِن باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کی کہ اس نکاح سے عہد شکنی کا اِرتکاب ہوگا یا دُوسری شادی کی وجہ سے بقول یسوع مسیح یہ زناکاری ٹھہرے گی۔ یا حاملہ کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ عزیزوں نے بھی سمجھا کہ اگر اب خاموشی کی گئی اور نکاح نہ کیا گیا، تو ناک کٹ جاتے گی۔ اس لیے یہ نکاح کر دیا گیا جس پر اس قدر اعتراض ہوتے ہیں۔

اناجیل کی مبالغہ آرائی

مگر غور طلب سوال یہ ہے کہ ان انجیل نویسوں نے اس واقعہ پر کیوں دیانتداری کے ساتھ روشنی نہیں ڈالی۔ یہ دیانتداری کے خلاف ہے۔ ایک جگہ ایک انجیل نویس لکھتا ہے کہ یسوع نے اس قدر کام کیے کہ اگر وہ لکھے جاتے تو دُنیا میں نہ سما سکتے مگر اس عقلندی کی سمجھ پر افسوس آتا ہے کہ اس ایک ہی جملہ نے انجیل کی ساری حقیقت کھول دی کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے ایسی مبالغہ آمیز باتیں ہیں۔ کیونکہ یہ کیسی ہنسی کی بات ہے کہ جو کام تین برس میں ہو سکتے ہیں وہ دُنیا میں نہیں سما سکتے۔ جب محدود زمانہ میں سما گئے تو پھر مکانی طور پر کیوں محدود نہیں ہو سکتے۔

اس قسم کے رَدّی مواد سے بھرا ہوا عیسائی مذہب کا پھوڑا ہے۔ پھوڑوں کے پھوٹنے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ نصرانی مذہب بھی ایک پھوڑا ہے جو اندر پیپ سے بھرا ہوا ہے، اس لیے باہر سے چمکتا ہے۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ یہ ٹوٹ جاوے اور اس کی اندرُونی غلاظت ظاہر ہو جاوے۔

☆ ☆ ☆

انگریزی گورنمنٹ کے عہد میں مذہبی آزادی

ابھی سکھوں کا زمانہ گزرا ہے جس میں شائستگی بالکل جاتی رہی تھی۔ عالم باعمل نہ رہے تھے۔ اگر کسی کو شبہات پڑتے اور وہ سوال کرتا، تو اس کو واجب القتل ہونے کا فتویٰ دیا جاتا۔ یہ زمانہ ایسا ہی ہوگیا تھا، مگر اب خدا تعالیٰ نے فضل کیا کہ ایک مہذب اور شائستہ علم دوست گورنمنٹ کو ہم پر حکمران کیا جس نے عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت کرنی چاہی ہے اور مذہبی آزادی کی برکت سے ساری قوموں کو مستفید کیا۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ مذہب کے متعلق سوال کرنیوالوں سے کوئی سختی نہیں کی جاتی اور ہر ایک سائل کو جواب دیا جاتا ہے۔

مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض

جب زمانہ نے اس قسم کی ترقی کی اور اشاعتِ حق کے سارے سامان اور ذریعے پیدا ہوگئے، تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو کل اُمتوں پر غالب کرنے کے لیے مجھے مامور کر کے بھیجا۔

حقیقی محی اموات۔ صلی اللہ علیہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دُنیا میں بھیجا تھا، اُس وقت کل بری بحری فساد سے بھر چکی تھی۔ آپؐ نے آکر بہت سے بگڑے ہوؤں کو بنادیا۔ یہ بات سَرسَری نگاہ سے دیکھے جانے کے قابل نہیں ہے، بلکہ اس میں بڑے بڑے حقائق ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بزرگی کا پتہ لگتا ہے، کیونکہ بجز اعلیٰ درجہ کے مقدس راستباز کے کوئی دُوسرے کو دُرست نہیں کرسکتا جس کی اپنی قوتِ قدسی کمال کے درجہ پر نہ پہنچی ہوئی ہو اور ایسی قوت اس میں پیدا نہ ہوچکی ہو۔ جو ساری ناپاکیوں کے اثر کو زائل کردے وہ دُوسروں کو دُرست نہیں کرسکتا۔ یُوں تو ہر ایک نبی نے اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کی اصلاح کی اور اس کو دُرست کیا۔ مگر جس شان اور مرتبہ کی اصلاح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔ اُس کو کسی اور کی اصلاح نہیں پہنچ سکتی بلکہ اُس کے مقابل میں دوسری اصلاحیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ٹیڑھی قوم کو پُورے طور سے دُرست نہ کرسکے اور حضرت مسیح چند حواریوں کی سچی تبدیلی نہ کرسکے۔ اس لیے جب اس مقابلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جاوے تو صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ایک ہی ہے جس نے لاکھوں کروڑوں مُردوں کو زندہ کیا۔ مُحیی اگر ہے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ جھُوٹے ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ مسیح مُردے زندہ کیا کرتا تھا۔ جس نے اپنے چند حواری بھی زندہ نہ کیے اُن کے پاس ہمیشہ مُردے ہی رہے۔ میں ہمیشہ حیران ہوا کرتا ہوں اور حقیقت میں یہ حیران ہونے کی بات ہے کہ وہ حیات کیسی ہے جس کے ساتھ فنا لگی ہوئی ہے۔ یہ مسئلہ ہی غلط ہے جو کہے کہ فلاں شخص زندہ کرتا ہے۔ اگر زندہ کرنے کا مفہوم اور مطلب اور نہ ہوتا تو خدا تعالیٰ کیوں فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) فرماتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ محاورہ ہی اور ہے، ورنہ اِس سے تو تناقض لازم آتا ہے کہ ایک طرف کہے کہ زندہ نہیں

ہوتا اور دُوسری طرف کہہ دے کہ زندہ ہو جاتا ہے۔

اگر مسیح سچ مچ مُردہ زندہ کرتا تھا۔ تو قرآن شریف ضرور اس کی نسبت فرماتا کہ یحی المتوفی کیونکہ توفی کا لفظ وہاں آتا ہے جہاں قبضِ رُوح ہو۔ موت تو اس سے پہلے بھی آسکتی ہے اور توفی کا لفظ اس لیے استعمال کیا ہے تاکہ یہ ثابت کیا جاوے کہ مرنے کے بعد رُوح باقی رہتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں آجاتی ہے۔ کس قدر حیرت اور افسوس کی جگہ ہے کہ معجزاتِ مسیح پر بحث کرتے ہوئے لوگ پوری توجہ نہیں کرتے۔ قرآن کریم کو اگر غور سے پڑھ لیتے اور سُنّت اللہ پر نظر کرتے تو یہ مسئلہ سمجھ میں آجاتا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔

انبیاء کے معجزات زمانہ کے مناسب حال ہوتے ہیں

صحیح تاریخ ایک عمدہ مُعلّم ہے۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ ہر نبی کے معجزات اس رنگ کے ہوتے ہیں جس کا چرچا اور زور اُس کے وقت میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سحر کا بہت بڑا زور تھا، اس لیے اُن کو جو معجزہ دیا گیا وہ ایسا تھا کہ اُس نے اُن کے سحر کو باطل کر دیا اور ہمارے نبی کریم کے وقت میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا، اس لیے آپؐ کو قرآنِ کریم بھی ایک معجزہ اِسی رنگ کا ملا۔ یہ رنگ اِسی لیے اختیار کیا کہ شعراء جادُو بیان سمجھے جاتے تھے اور اُن کی زبان میں اتنا اثر تھا کہ وہ جو چاہتے تھے چند شعر پڑھ کر کرا لیتے تھے۔ جیسے آج کل جوش دلانے کے لیے انگریزوں نے باجا رکھا ہوا ہے۔ ان کے پاس زبان تھی جو دلیری اور حوصلہ پیدا کر دیتی تھی۔ ہر حربہ میں وہ شعر سے کام لیتے تھے اور فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ (الشعراء:۲۲۶) کے مصداق تھے۔ اس لیے اُس وقت ضروری تھا کہ خدا تعالیٰ اپنا کلام بھیجتا۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنا کلام نازل فرمایا اور اسی کلام کے رنگ میں اپنا معجزہ پیش کر دیا۔ جبکہ اُن کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ .... (البقرۃ: ۲۴) تم جو اپنی زباندانی کا دم مارتے اور لاف زنی کرتے ہو اگر کوئی قوت اور حوصلہ ہے تو اس کلام کے معجزہ کے مقابل کچھ پیش کر کے دکھاؤ، لیکن باوجود اس کے کہ وُہ جانتے تھے کہ اگر کچھ نہ بنایا (خصوصاً ایسی حالت میں کہ جب تحدّی کر دی گئی ہے کہ تم ہرگز ہرگز بنا نہ سکو گے) تو ملزم ہو کر ذلیل ہو جائیں گے۔ پھر بھی وُہ کچھ پیش نہ کر سکے۔ اگر وُہ کچھ بناتے اور پیش کرتے تو صحیح تاریخ ضرور شہادت دیتی، مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی نے کچھ بنایا ہو۔ پس خدا تعالیٰ نے اُس وقت اُسی رنگ کا معجزہ دکھایا تھا۔

سلبِ امراض کا معجزہ

ایسا ہی یہودیوں میں سلبِ امراض کا نسخہ چلا آتا تھا۔ ہندوؤں میں بھی ہے۔ مسلمانوں میں بھی ہے۔ عیسائیوں میں بھی ہے۔ بلکہ انگریزوں میں تو آجکل یہ علم بہت ترقی کر گیا ہے۔ اس سے نبوت کا ثبوت نہیں ہوتا اور نہ نبوت سے اس کا کوئی تعلق

ہے کیونکہ یہ صرف مشق پر موقوف ہے اور ہر شخص جو مشق کرے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، عیسائی ہو یا دہریہ۔ غرض کوئی بھی ہو وہ مشق کرنے سے اس میں مہارت پیدا کر سکتا ہے۔ اس لیے اس سلب امراض کو نبوت سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک عام بات ہے تو حضرت مسیح کے وقت میں چونکہ اس کا زور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی رنگ کا معجزہ حضرت مسیح کو دے دیا۔ یہ خاصیت ہر انسان میں موجود ہے کہ وہ توجہ کرتا ہے۔ توجہ کرنے کے ساتھ ایک چیز اس کے دل سے اٹھ کر پڑتی ہے۔ چنانچہ مسیح نے کہا کس نے مجھے چھوا ہے کہ میری قوت نکل گئی ہے۔ سلب امراض والے بھی یہی کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ مسیح کے معجزات اس رنگ میں آکر بہت ہی کمزور اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ مسیح کے معجزات پر ایک اور بڑا اعتراض بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انجیل میں لکھا ہے کہ ایک تالاب ایسا تھا کہ لوگ اس کے پانی کے ہلنے کا انتظار کیا کرتے تھے۔[۱]

اور وہ مانتے تھے کہ اس کو فرشتہ ہلاتا ہے۔ پس جو سب سے پہلے اس میں اُترتا۔ وہ اچھا ہو جاتا تھا اور یہ بھی پایا جاتا ہے کہ مسیح اس تالاب پر اکثر جایا کرتے تھے۔ پھر کیا تعجب ہے کہ مسیح نے بیماروں کے علاج کا کوئی نسخہ اس تالاب کی مٹی وغیرہ سے ہی تیار کیا ہو۔ تالاب کے اس قصہ نے جو اناجیل میں درج ہے۔ مسیحی معجزات کی حقیقت کو اور بھی مشتبہ کر دیا ہے اور ساری رونق کو دُور کر دیا ہے۔ اسی لیے عماد الدین جیسے عیسائیوں کو ماننا پڑا ہے کہ تالاب والا قصہ الحاقی ہے۔ لیکن انجیل کے ان نادان دوستوں نے اتنا خیال نہیں کیا کہ اس باب کو محض الحاقی لکھ دینے سے مسیحی معجزات کی گئی ہوئی رونق نہیں آسکتی۔ بلکہ انجیل کو اور بھی مشتبہ قرار دینا ہے۔ کیونکہ پھر اس بات کا کیا جواب ہے کہ جس انجیل میں ایک باب الحاقی ہو اور حصہ اُس کا الحاقی نہ ہو اور جبکہ نسب نامہ کو الحاقی کہنے والے بھی موجود ہیں۔ پھر اس تالاب جیسے چشمے اور ملکوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یورپ کے اکثر ممالک میں ایسے چشمے ہیں جہاں جا کر بالعموم مریض شفا پاتے ہیں۔ کشمیر میں بھی بعض چشموں کا پانی ایسا ہی ہے جن میں گندھک کا پانی اور نمک اور اور اس قسم کے اجزا ملے ہوتے ہوتے ہیں پس وہ معجزہ نما تالاب یہ مسیح کے سارے معجزات پر پانی پھیرتا ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مسیح کا اس تالاب پر جانا اور اس کی مٹی کا آنکھوں پر لگانا اور اپنے پاس رکھنا بھی بیان کیا جاتا ہے اور پھر عماد الدین اُسے الحاقی مانتا ہے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک حصہ الحاقی مان کر پھر آسمانی کہتے ہوئے اُسے شرم نہیں آتی۔

مسیح کی لکھی ہوئی انجیل نہیں۔ حواریوں کی زبان عبرانی میں نہیں۔ تیسری مصیبت یہ ہے کہ الحاقی بھی ہے اور پھر آخر یہ کہ تعلیم اُدھوری اور ناقص اور نامعقول ہے اور اُسے پیش کیا جاتا ہے کہ نجات کا اصل ذریعہ یہی ہے۔

---

[۱] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۵ تا ۷ پرچہ ۲۴ اپریل ۱۹۰۲ء

اُلوہیتِ مسیحؑ معجزات کا تو یہ حال ہے، پیشگوئیوں کا یہ حال ہے کہ ایسی پیشگوئیاں ہر مدبّر شخص تو درکنار عام لوگ بھی کر سکتے ہیں کہ لڑائیاں ہوں گی۔ قحط پڑیں گے۔ مُرغ بانگ دے گا۔ ان پیشگوئیوں پر نظر کرو تو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ ان کو یہودی خدائی کا ثبوت کب تسلیم کر سکتے تھے۔ خدائی کے لیے تو وہ جبروت اور جلال چاہیے جو خدا کے حسبِ حال ہے لیکن یسُوع اپنی عاجزی اور ناتوانی میں ضرب المثل ہے۔ یہاں تک کہ ہوائی پرندوں اور لومڑیوں سے بھی ادنیٰ درجہ پر اپنے آپ کو رکھتا ہے۔ اب کوئی بتائے کہ کس بنا پر اس کی خدائی تسلیم کی جاوے۔ کس کس بات کو پیش کیا جاوے۔ ایک صلیب ہی ایسی چیز ہے جو ساری خدائی اور نبوت پر پانی پھیر دیتی ہے کہ جب مصلوب ہو کر ملعون ہو گیا تو کاذب ہونے میں کیا باقی رہا۔ یہودی مجبُور تھے۔ ان کی کتابوں میں کاذب کا یہ نشان تھا۔ اب وُہ صادق کیونکر تسلیم کرتے؟ جو خود خدا سے دُور ہو گیا وُہ اوروں کے گناہ کیا اٹھائے گا۔ عیسائیوں کی اس خوش اعتقادی پر سخت افسوس آتا ہے کہ جب دل ہی ناپاک ہو گیا تو اور کیا باقی رہا۔ وُہ دُوسروں کو کیا بچائیگا۔ اگر کچھ بھی شرم ہوتی اور عقل و فکر سے کام لیتے تو مصلوب اور ملعون کے عقیدے کو پیش کرتے ہوئے یسُوع کی خدائی کا اقرار کرنے سے اُن کو موت آجاتی۔ اب کسرِ صلیب کے سامان کثرت سے پیدا ہو گئے ہیں اور عیسائی مذہب کا باطل ہونا ایک بدیہی مسئلہ ہو گیا ہے۔ جس طرح پر چور پکڑا جاتا ہے تو اوّل اوّل وہ کوئی اقرار نہیں کرتا اور پتہ نہیں دیتا مگر جب پولیس کی تفتیش کامل ہو جاتی ہے تو پھر ساتھی بھی نکل آتے ہیں اور عورتوں بچوں کی شہادت بھی کافی ہو جاتی ہے۔ کچھ کچھ مال بھی برآمد ہو جاتا ہے۔ تو پھر اس کو بے حیائی سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہاں مَیں نے چوری کی ہے۔ اسی طرح پر عیسائی مذہب کا حال ہوا ہے صلیب پر مرنا یسُوع کو کاذب ٹھہراتا ہے۔ لعنت دل کو گندہ کرتی اور خدا سے قطع تعلق کرتی ہے۔ اور اپنا قول کہ یونسؑ کے معجزہ کے سوا اور کوئی معجزہ نہ دیا جاوے گا۔ باقی معجزات کو رَدّ کرتا اور صلیب پر مرنے سے بچنے کو معجزہ ٹھہراتا ہے۔ عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ انجیل میں کچھ حصہ الحاقی بھی ہے۔ یہ ساری باتیں مِل مِلا کر اس بات کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہیں جو یسُوع کی خدائی کی دیوار کو جو ریت پر بنائی گئی تھی بالکل خاک سے ملا دیں اور سرینگر میں اس کی قبر نے صلیب کو بالکل توڑ ڈالا۔ مرہم عیسیٰ اس کے لیے بطور شاہد ہو گئی۔ غرض یہ ساری باتیں جب ایک خوبصورت ترتیب کے ساتھ ایک دانشمند سلیم الفطرت انسان کے سامنے پیش کی جاویں، تو اُسے صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ مسیحؑ صلیب پر نہیں مرا۔ اس لیے کفّارہ جو عیسائیت کا اصل الاصُول ہے، بالکل باطل ہے۔

مسیح موعود کی بعثت کی غرض پس یاد رکھو کہ یہ وہ حقائق ہیں جو اس وقت خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسیح موعودؑ پر کھولے ہیں۔ مَیں پکار کر کہتا ہوں کہ اب خدا کا وقت آ گیا ہے۔ جو کچھ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا تھا۔ اُس کے پورا

ہونے کا وقت آپہنچا کہ مسیح موعود صلیب کو توڑے گا۔ اس سے یہ مُراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تھی کہ وہ صلیبیں توڑتا پھرے گا کیونکہ اگر صلیب توڑنے ہی سے کوئی مسیح موعود ہو سکتا ہے تو پھر صلاح الدین اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں بہت سی صلیبیں توڑی گئی تھیں۔ علاوہ بریں صلیب کے اس طرح پر توڑنے سے کچھ فائدہ نہیں اگر ایک لکڑی کی صلیب توڑی جاوے تو دس اور بن سکتی ہیں۔ چاندی سونے کی بن جاتی ہیں مگر نہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کے لیے جو کسرِ صلیب مقرر کیا، تو اس سے یہ ہرگز مُراد نہیں تھی کہ ان صلیبوں کو توڑتا پھرے گا کیونکہ اس سے ظالم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ پس جو لوگ یہ اعتقاد کرتے ہیں، وُہ دین کو بدنام کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے مسیح موعود کو اس جسمانی جنگ سے بَری رکھا ہے اور اس کے لیے یہ مقرر کیا کہ یضع الحرب تاکہ اس وُجود میں کچھی نہ پڑ جائے۔

مسیح موعُود دُنیا میں آیا تاکہ دین کے نام سے تلوار اُٹھانے کے خیال کو دُور کرے اور اپنی حجج اور براہین سے ثابت کر دکھائے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی اشاعت میں تلوار کی مدد کا ہرگز محتاج نہیں۔ بلکہ اس کی تعلیم کی ذاتی خُوبیاں اور اس کے حقائق و معارف و حجج و براہین اور خدا تعالیٰ کی زندہ تائیدات اور نشانات اور اس کا ذاتی جذب ایسی چیزیں ہیں جو ہمیشہ اس کی ترقی اور اشاعت کا مُوجب ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ تمام لوگ آگاہ رہیں جو اسلام کے بزورِ شمشیر پھیلائے جانے کا اعتراض کرتے ہیں کہ وُہ اپنے اس دعویٰ میں جھُوٹے ہیں۔ اسلام کی تاثیرات اپنی اشاعت کے لیے کسی جبر کی محتاج نہیں ہیں۔ اگر کسی کو شک ہے تو وُہ میرے پاس رہ کر دیکھ لے کہ اسلام اپنی زندگی کا ثبوت براہین اور نشانات سے دیتا ہے۔

اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے اور اس نے ارادہ فرمایا ہے کہ ان تمام اعتراضوں کو اسلام کے پاک وجُود سے دُور کر دے جو خبیث آدمیوں نے اس پر کئے ہیں۔ تلوار کے ذریعہ اسلام کی اشاعت کا اعتراض کرنے والے اب سخت شرمندہ ہوں گے۔ یہ کہنا کہ سرحدی غازی آئے دن فساد کرتے ہیں۔ جہاد کے خیال سے یہ ایک بیہودہ بات ہے۔ اور ان مُفسدوں کو غازی کہنا سراسر نادانی اور جہالت ہے۔ اگر کوئی جاہل مُسلمان اُن کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی رکھتا ہے اس خیال سے کہ وُہ جہاد کرتے ہیں، میں سچ کہتا ہوں کہ وہ اسلام کا دشمن ہے جو مُفسد کا نام غازی رکھتا ہے اور اسلام کے بدنام کرنے والوں کی تعریف کرتا ہے۔

یہودیوں کے لیے خدا نے جو مسیح پیدا کیا تھا اُس کی غرض بھی یہی تھی کہ یہودیوں کی اس آلائش کو دھو ڈالے جو جبر کے ساتھ اشاعتِ مذہب کی اُن سے منسوب کی گئی تھی۔ اسی طرح پر چودھویں صدی میں جو مسیح موعُود خدا نے اسلام کو دیا ہے، اس کی غرض اور مقصود بھی یہی ہے کہ اسلام کو اس اعتراض سے صاف کرے کہ اسلام کو جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے۔ اس لیے اس کا پہلا کام یہی ہے کہ وُہ لڑائی نہ کرے گا۔

انگلستان اور فرانس اور دیگر ممالک یورپ میں یہ الزام بڑی سختی سے اسلام پر لگایا جاتا ہے کہ وہ جبر کے ساتھ پھیلایا گیا ہے۔ مگر افسوس اور سخت افسوس ہے کہ وہ نہیں دیکھتے کہ اسلام لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی تعلیم دیتا ہے اور انہیں نہیں معلوم کہ کیا وہ مذہب جو فتح پاکر بھی گرجے نہ گرانے کا حکم دیتا ہے کیا وہ جبر کرسکتا ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ ان مُلّاؤں نے جو اسلام کے نادان دوست ہیں یہ فساد ڈالا ہے۔ انھوں نے خود اسلام کی حقیقت کو سمجھا نہیں اور اپنے خیالی عقائد کی بنا پر دوسروں کو اعتراض کا موقعہ دیا۔ جو کچھ عقائد ان احمقوں نے بنا رکھے ہیں اُن سے نصاریٰ کو خوب مدد پہنچی ہے۔ اگر یہ لوگ جہاد کی صورت میں دھوکا نہ دیتے یا نہ کھاتے تو کسی کو اعتراض کا موقع ہی نہیں مل سکتا تھا۔ مگر اب خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہ اسلام کے پاک اور درخشاں چہرہ سے یہ سب گرد و غبار دُور کرے اور اس کی خوبیوں اور حسن و جمال سے دُنیا کو اطلاع بخشے؛ چنانچہ اسی غرض اور مقصد کے لیے اس وقت جبکہ اسلام دشمنوں کے نرغے میں پھنسا ہوا ہے بیکس اور یتیم بچہ کی طرح ہو رہا تھا۔ اس نے اپنا یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور مجھے بھیجا ہے۔ تا میں عملی سچائیوں اور زندہ نشانات کے ساتھ اسلام کو غالب کروں۔[1]

۲۷ر دسمبر ۱۹۰۱ء (بقیہ تقریر)

دابۃ الارض

ان لوگوں نے اپنی راؤں اور خیالوں کو داخل کرکے اصل امر کو بدنما بنانے کی کوشش کی ہے۔ ان کی وہی مثال ہے مَا دَلَّھُمْ عَلٰی مَوْتِہٖٓ اِلَّا دَآبَّۃُ الْاَرْضِ۔ (سبا: ۱۵) یعنی سلیمان کی موت پر دلالت کرنے والا کوئی امر نہ تھا۔ یہ ساری شرارت گویا دابۃ الارض کی تھی کہ اس نے عصا کھا لیا اور وہ گر پڑا۔ خدا تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ پر سچ ہے۔ یہ قصے اور داستانیں نہیں ہیں بلکہ یہ حقائق اور معارف ہیں۔ اسلام راستی کا عصا تھا۔ جو اپنے سہارے کھڑا تھا اور اس کے سامنے کوئی آریہ ہندو عیسائی دم نہ مار سکتا تھا، لیکن جب سے یہ دابۃ الارض پیدا ہوئے اور انھوں نے قرآن کو چھوڑ کر موضوع روایتوں پر اپنا انحصار رکھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر طرف سے اسلام پر حملے ہونے شروع ہوگئے۔ دابۃ الارض کے معنے اصل میں یہ ہیں کہ ایک دیمک ہوتی ہے جس میں کوئی خیر نہیں جو لکڑی اور مٹی وغیرہ کو کھا جاتی ہے۔ اس میں فنا کا مادہ ہے اور اچھی چیز کو فنا کرنا چاہتی ہے۔ اس میں آتشی مادہ ہے۔

اب اس کا مطلب یہ ہے کہ دابۃ الارض اس وقت کے علماء ہیں جو جھوٹے معنے کرتے ہیں اور اسلام پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں۔ جیساکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت کو حد سے بڑھاتے ہیں اور اُن کو خدا تعالیٰ کی

---

[1] الحکم جلد ۸ نمبر ۱۱ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۳۰ راپریل ۱۹۰۴ء

صفات سے متصف قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اُن کو مُحی اور شافی۔ عالم الغیب۔ غیر متغیر وغیرہ مانتے ہیں۔ اور ایسا ہی اسلام پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ وُہ تلوار کے بدوں نہیں پھیلا۔ بھوپال کے ایک مُلا بشیر نے مجھے دجّال کہا، حالانکہ یہ لوگ خود دجّال ہیں جو مجھے کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ حق کو چھپاتے ہیں اور اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔ غرض عصائے اسلام جس کے ساتھ اسلام کی شوکت اور رُعب تھا اور جس کے ساتھ امن اور سلامتی تھی اس دابۃ الارض نے گرادیا۔ پس جیسے وہ دابۃ الارض تھا یہ اس سے بدتر ہیں؎۔ اس سے تو صرف مُلک میں فتنہ پڑا تھا، مگر ان سے دین میں فساد پیدا ہوا اور ایک لاکھ سے زائد لوگ مُرتد ہو گئے۔ ایک وُہ وقت تھا کہ اگر ایک مُرتد ہو جاتا، تو گویا قیامت آ جاتی تھی یا اب یہ حال ہے کہ ایک لاکھ سے زیادہ مُرتد ہو گیا اور کسی کو خیال بھی نہیں۔ کئی کروڑ کتابیں اسلام کے خلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور ہجو میں لکھی گئی ہیں، لیکن کسی کو خبر تک بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اپنے عیش و عشرت میں مشغول ہیں اور دین کو ایک ایسی چیز قرار دیدیا ہے جس کا نام بھی مہذب سوسائٹی میں لیا جانا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام پر جو اعتراض طبعی فلسفہ کے رنگ میں کیے جاتے ہیں۔ اُن کا جواب یہ لوگ نہیں دے سکتے اور کچھ بھی بتا نہیں سکتے؛ حالانکہ اسلام پر جو اعتراض عیسائی کرتے ہیں، وہ خود ان کے اپنے مذہب پر ہوتے ہیں۔ سب سے بڑا اعتراض جہاد پر کیا جاتا ہے، لیکن جب غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اعتراض خود عیسائیوں کے مسلّمات پر پڑتے ہیں۔ اسلام نے جہاد کو اٹھایا۔ اسلام پر یا اعتراض نہیں۔ ہاں وہ اپنے گھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لڑائیوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتے اور خود عیسائیوں میں جو مذہبی لڑائیاں ہوتی ہیں اور ایک فرقہ نے دوسرے فرقہ کو قتل کیا۔ آگ میں جلایا اور دوسری قوموں پر جو کچھ ظلم و ستم کیا۔ جیسا کہ سپین میں ہوا۔ اس کا کوئی جواب ان عیسائیوں کے پاس نہیں ہے اور قیامت تک یہ اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

یہ بات بہت دُرست ہے کہ اسلام اپنی ذات میں کامل، بے عیب اور پاک مذہب ہے لیکن نادان دوست اچھا نہیں ہوتا۔ اس دابۃ الارض نے نادان دوست بن کر اسلام کو جو صدمہ اور نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی تلافی بہت ہی مشکل ہے، لیکن اب خدا تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اسلام کا نُور ظاہر ہو اور دُنیا کو معلوم ہو جاوے کہ سچا اور کامل مذہب جو انسان کی نجات کا متکفل ہے۔ وہ صرف اسلام ہے۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے

؎ دابۃ الارض کے معنی طاعون کے بھی ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (النمل: ۸۳) یعنی جب لوگوں پر حجت پوری ہو جائے گی۔ تو ہم اُن کے لیے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو لوگوں کو اس واسطے کاٹے گا کہ وہ خدا تعالیٰ کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔ تُكَلِّمُهُمْ کے معنی اقرب الموارد میں صاف کاٹنے کے کئے ہیں۔

فرمایا :

خرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم اُفتاد

لیکن ان ناعاقبت اندیش نادان دوستوں نے خدا تعالیٰ کے اس سلسلہ کی قدر نہیں کی، بلکہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ نور نہ چمکے یہ اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر وُہ یاد رکھیں کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر چکا ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (الصّف : ۹)

گالیوں کا جواب گالیوں سے نہ دیں

یہ مجھے گالیاں دیتے ہیں، لیکن مَیں اُن کی گالیوں کی پَروا نہیں کرتا اور نہ اُن پر افسوس کرتا ہوں، کیونکہ وُہ اس مقابلہ سے عاجز آگئے ہیں اور اپنی عاجزی اور فرومایگی کو بجز اس کے نہیں چھپا سکتے کہ گالیاں دیں۔ کفر کے فتوے لگائیں، جھوٹے مقدمات بنائیں اور اور قسم قسم کے افترا اور بہتان لگائیں۔ وُہ اپنی ساری طاقتوں کو کام میں لاکر میرا مقابلہ کریں اور دیکھ لیں کہ آخری فیصلہ کس کے حق میں ہوتا ہے۔ مَیں انکی گالیوں کی اگر پَروا کروں تو وہ اصل کام جو خدا تعالیٰ نے مجھے سپرد کیا ہے، رہ جاتا ہے۔ اس لیے جہاں مَیں ان کی گالیوں کی پَروا نہیں کرتا مَیں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ اُن کو مناسب ہے کہ اُن کی گالیاں سُن کر برداشت کریں اور ہرگز ہرگز گالی کا جواب گالی سے نہ دیں، کیونکہ اس طرح پر برکت جاتی رہتی ہے۔ وُہ صبر اور برداشت کا نمونہ ظاہر کریں اور اپنے اخلاق دکھائیں۔ یقیناً یاد رکھو کہ عقل اور جوش میں خطرناک دشمنی ہے۔ جب جوش اور غصہ آتا ہے، تو عقل قائم نہیں رہ سکتی۔ لیکن جو صبر کرتا ہے اور بُردباری کا نمونہ دکھاتا ہے اُس کو ایک نُور دیا جاتا ہے جس سے اس کی عقل و فکر کی قوتوں میں ایک نئی روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر نُور سے نُور پیدا ہوتا ہے۔ غصہ اور جوش کی حالت میں چونکہ دل و دماغ تاریک ہوتے ہیں۔ اس لیے پھر تاریکی سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔

اسلام کی قدر کرو

مَیں پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے کہتا ہوں کہ اسلام کی جو حالت اسوقت ہو رہی ہے اور یہ مختلف فرقہ بندیاں جو آئے دن ہوتی رہتی ہیں اور مخالف اس پر دلیر ہو رہے ہیں اور بیباکی سے حملے اور اعتراض کرتے ہیں۔ یہ سب اسی دابۃ الارض کا فساد ہے۔ اُنھوں نے ہی عیسائیوں کو مدد دی ہے مگر اب خدا کا شکر کرو کہ اُس نے عین وقت پر دستگیری فرمائی ہے۔ اور اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔ اس لیے تم کو مناسب ہے کہ اس فضل کو جو تم کو دیا گیا ہے۔ ضائع نہ کرو اور ادب کی نگاہ سے دیکھو اور اس مدد اور نصرت کی جو تمہیں دی گئی ہے قدر کرو۔ یقیناً یاد رکھو کہ خدا کی مدد بدوں اور اُس کے بُلائے بغیر کوئی شخص راستی سے اور پُوری قوت سے ایک امر کو بیان نہیں کر سکتا۔ بغیر اس کے دلائل ملتے ہی نہیں اور طرزِ بیان نہیں دیا جاتا اور

یہ بھی خدا کا خاص فضل ہوتا ہے کہ اس طرزِ بیان سے نیکی کی قوت رکھنے والے اُس شخص کو جو خدا کی قوت اور طاقت پاکر رُوح القدس سے بھر کر بولتا ہے شناخت کر لیتے ہیں پس تم پر یہ خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہیں یہ قوت عطا کی اور شناخت کی آنکھ دی۔ اگر وُہ یہ فضل نہ کرتا، تو جیسے اور لوگ پردوں میں ہیں اور گالیاں دیتے ہیں، تم بھی اُن میں ہی ہوتے۔ جس چیز نے تم کو کھینچا ہے وُہ محض خدا کا فضل ہے۔ جیسے میاں عبدالحق ہی کو دیکھو کہ خدا کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا تو یہ کیونکر اس عیش کی جگہ سے نکل سکتے تھے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کے پاس کئی ناصح بھی جمع ہوتے اور انہوں نے منع بھی کیا کہ قادیان مت جاؤ۔ بلکہ ایک نے گالی بھی دی۔ حالانکہ گالی دینا اُن کے مذہب میں منع ہے اور عام طور پر تہذیب اور شائستگی کے بھی خلاف ہے۔ لیکن ان تمام باتوں پر خدا کا فضل غالب آ گیا اور اُن کو کھینچ لایا۔ اُن کو بدی کے اسباب ہی میسّر نہ آتے، ورنہ اگر یہ بیوی کر لیتے تو پھر ابتلا پیش آ جاتا، مگر خدا نے ہر طرح سے بچایا۔ خدا کا فضل ستمدرث نہیں ہوتا۔ جس پر وہ اپنا کرم کرتا ہے اُسے ہر طرح سے بچا لیتا ہے۔ یہ خیال مت کرو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام بڑی نعمت ہے۔ اس کی قدر کرو اور شکر کرو۔ اس کے اندر فلاسفی ہے جو زبان سے کہہ دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔[1]

اسلام کی حقیقت

اسلام اللہ تعالیٰ کے تمام تصرفات کے نیچے آ جانے کا نام ہے اور اس کا خلاصہ خدا کی سچی اور کامل اطاعت ہے۔ مسلمان وہ ہے جو اپنا سارا وجود خدا تعالیٰ کے حضور رکھ دیتا ہے بدُوں کسی امید پاداش کے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ (البقرۃ:۱۱۳)

یعنی مسلمان وہ ہے جو اپنے تمام وجود کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے وقف کر دے اور سپرد کر دے اور اعتقادی اور عملی طور پر اس کا مقصود اور غرض اللہ تعالیٰ ہی کی رضا اور خوشنودی ہو۔ اور تمام نیکیاں اور اعمالِ حسنہ جو اس سے صادر ہوں وہ بمشقت اور مشکل کی راہ سے نہ ہوں بلکہ ان میں ایک لذت اور حلاوت کی کشش ہو۔ جو ہر قسم کی تکلیف کو راحت سے تبدیل کر دے۔

حقیقی مسلمان اللہ تعالیٰ سے پیار کرتا ہے یہ کہہ کر اور مان کر کہ وہ میرا محبوب و مولا پیدا کرنے والا اور محسن ہے اس لیے اُس کے آستانہ پر سر رکھ دیتا ہے۔ سچے مسلمان کو اگر کہا جاوے کہ ان اعمال کی پاداش میں کچھ بھی نہیں ملے گا اور نہ بہشت ہے اور نہ دوزخ ہے اور نہ آرام ہیں نہ لذات ہیں تو وہ اپنے اعمالِ صالحہ اور محبتِ الٰہی کو ہرگز ہرگز چھوڑ نہیں سکتا، کیونکہ اُس کی عبادات اور خدا تعالیٰ سے تعلق اور اُس کی فرماں برداری اور اطاعت میں فنا کسی پاداش یا اجر کی بنا اور امید پر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے وجود کو ایسی چیز سمجھتا ہے کہ وہ حقیقت میں خدا تعالیٰ ہی کی شناخت اُس کی محبت اور اطاعت کے لیے بنائی گئی ہے اور کوئی غرض اور مقصد اُس کا ہے ہی نہیں۔ اسی لیے وہ اپنی خداداد

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ رمئی ۱۹۰۳ء

قوتوں کو جب ان اغراض اور مقاصد میں صرف کرتا ہے تو اس کو اپنے محبوبِ حقیقی ہی کا چہرہ نظر آتا ہے۔ بہشت و دوزخ پر اس کی اصلاً نظر نہیں ہوتی۔ میں کہتا ہوں کہ اگر مجھے اس امر کا یقین دلا دیا جاوے کہ خدا تعالیٰ سے محبت کرنے اور اس کی اطاعت میں سخت سے سخت سزا دی جائے گی تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری فطرت ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ ان تکلیفوں اور بلاؤں کو ایک لذت اور محبت کے جوش اور شوق کے ساتھ برداشت کرنے کو تیار ہے اور باوجود ایسے یقین کے جو عذاب اور دُکھ کی صورت میں دلایا جاوے کبھی خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ایک قدم باہر نکلنے کو ہزار بلکہ لا انتہا موت سے بڑھ کر اور دُکھوں اور مصائب کا مجموعہ قرار دیتی ہے۔ جیسے اگر کوئی بادشاہ عام اعلان کرائے کہ اگر کوئی ماں اپنے بچے کو دُودھ نہ دے گی، تو بادشاہ اس سے خوش ہو کر انعام دیگا۔ تو ایک ماں کبھی گوارا نہیں سکتی کہ وہ اس انعام کی خواہش اور لالچ میں اپنے بچے کو ہلاک کرلے۔ اسی طرح ایک سچا مُسلمان خدا کے حُکم سے باہر ہونا اپنے لیے ہلاکت کا موجب سمجھتا ہے، خواہ اس کو اس نافرمانی میں کتنی ہی آسائش اور آرام کا وعدہ دیا جاوے۔

پس حقیقی مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کی فطرت حاصل کی جاوے کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کسی جزا اور سزا کے خوف اور امید کی بنا پر نہ ہو بلکہ فطرت کا طبعی خاصہ اور جزو ہو کر ہو پھر وہ محبت بجائے خود اس کے لیے ایک بہشت پیدا کر دیتی ہے اور حقیقی بہشت یہی ہے۔ کوئی آدمی بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جبتک وہ اس راہ کو اختیار نہیں کرتا ہے۔ اس لیے میں تم کو جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو۔ اسی راہ سے داخل ہونے کی تعلیم دیتا ہوں کیونکہ بہشت کی حقیقی راہ یہی ہے۔

مہدی کا زمانہ — ایک عظیم الشّان جمعہ

خدا تعالیٰ نے جو اتمام نعمت کی ہے وہ یہی دین ہے، جس کا نام اسلام رکھا ہے۔ پھر نعمت میں جمعہ کا دن بھی ہے جس روز اتمامِ نعمت ہوا۔ یہ اس کی طرف اشارہ تھا کہ پھر اتمام نعمت جو لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف : ۱۰) کی صورت میں ہوگا وہ بھی ایک عظیم الشان جمعہ ہوگا۔ وُہ جمعہ اب آگیا ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نے وہ جمعہ مسیح موعود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے۔ اس لیے کہ اتمامِ نعمت کی صورتیں در اصل دو ہیں — اوّل تکمیلِ ہدایت۔ دوم تکمیل اشاعتِ ہدایت۔ اب تم غور کرکے دیکھو۔ تکمیلِ ہدایت تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانہ میں کامل طور پر ہو چکی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا تھا کہ تکمیل اشاعتِ ہدایت کا زمانہ دوسرا زمانہ ہو جبکہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بروزی رنگ میں ظہور فرماویں اور وہ زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہے۔ یہی وجہ کہ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف : ۱۰) اس شان میں فرمایا گیا ہے۔ تمام مفسّرین نے بالاتفاق اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے زمانہ سے متعلق ہے۔ درحقیقت اظہارِ دین اسی وقت ہو سکتا ہے

جبکہ کُل مذاہب میدان میں نکل آویں اور اشاعتِ مذہب کے ہر قسم کے مفید ذریعے پیدا ہو جائیں اور وُہ زمانہ خُدا کے فضل سے آگیا ہے۔ چنانچہ اس وقت پریس کی طاقت سے کتابوں کی اشاعت اور طبع میں جو جو سہولتیں میسر آئی ہیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ ڈاکخانوں کے ذریعہ سے کل دُنیا میں تبلیغ ہو سکتی ہے۔ اخباروں کے ذریعہ سے تمام دُنیا کے حالات پر اطلاع ملتی ہے۔ ریلوں کے ذریعہ سفر آسان کر دیئے گئے ہیں۔ غرض جس قدر آئے دن نئی ایجادیں ہوتی جاتی ہیں اسی قدر عظمت کے ساتھ مسیح موعود کے زمانہ کی تصدیق ہوتی جاتی ہے اور اظہارِ دین کی صورتیں نکلتی آتی ہیں۔ اس لیے یہ وقت وہی وقت ہے جس کی پیشگوئی اللہ تعالیٰ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے ذریعہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کہہ کر فرمائی تھی۔ یہ وہی زمانہ ہے جو اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (المائدہ : ۴) کی شان کو بلند کرنے والا اور تکمیل اشاعتِ ہدایت کی صورت میں دوبارہ اتمامِ نعمت کا زمانہ ہے اور پھر یہ وُہی وقت اور جمعہ ہے جس میں وَّ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (الجمعۃ : ۴) کی پیشگوئی پُوری ہوتی ہے۔ اس وقت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ظہور بروزی رنگ میں ہوا ہے اور ایک جماعت صحابہ کی پھر قائم ہوئی ہے۔ اتمامِ نعمت کا وقت آپہنچا ہے۔ لیکن تھوڑے ہیں جو اس سے آگاہ ہیں اور بہت ہیں جو ہنسی کرتے اور ٹھٹھوں میں اڑاتے ہیں، مگر وہ وقت قریب ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق تجلّی فرمائیگا اور اپنے زور آور حملوں سے دکھا دیگا کہ اس کا نذیر سچا ہے۔

جماعت کو نصیحت

مَیں سچ کہتا ہوں کہ یہ ایک تقریب ہے جو اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں کے لیے پیدا کر دی ہے۔ مبارک وہی ہیں جو اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ تم لوگ جنھوں نے میرے ساتھ تعلق پیدا کیا ہے۔ اس بات پر ہرگز ہرگز مغرور نہ ہو جاؤ کہ جو کچھ تم نے پانا تھا پا چکے۔ یہ سچ ہے کہ تم اِن منکروں کی نسبت قریب تر بہ سعادت ہو جنھوں نے اپنے شدید انکار اور توہین سے خدا کو ناراض کیا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ تم نے حُسنِ ظن سے کام لے کر خدا تعالیٰ کے غضب سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کی۔ لیکن سچی بات یہی ہے کہ تم اس چشمہ کے قریب آپہنچے ہو جو اس وقت خدا تعالیٰ نے اَبدی زندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ہاں پانی پینا ابھی باقی ہے۔ پس خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے توفیق چاہو کہ وہ تمھیں سیراب کرے، کیونکہ خدا تعالیٰ کے بدُوں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ جو اس چشمہ سے پیئے گا وہ ہلاک نہ ہوگا، کیونکہ یہ پانی زندگی بخشتا ہے اور ہلاکت سے بچاتا ہے اور شیطان کے حملوں سے محفوظ کرتا ہے۔ اس چشمہ سے سیراب ہونے کا کیا طریق ہے؟ یہی کہ خدا تعالیٰ نے جو دو حق تم پر قائم کیے ہیں اُن کو بحال کرو اور پورے طور پر ادا کرو۔ ان میں سے ایک خدا کا حق ہے دُوسرا مخلوق کا۔

❁ ❁ ❁

توحید اپنے خدا کو وحدہٗ لاشریک سمجھو جیسا کہ اس شہادت کے ذریعہ تم اقرار کرتے ہو اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی میں شہادت دیتا ہوں کہ کوئی محبوب مطلوب اور مطاع اللہ کے سوا نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا پیارا جملہ ہے کہ اگر یہودیوں عیسائیوں یا دُوسرے مُشرک بُت پرستوں کو سکھایا جاتا اور وُہ اس کو سمجھ لیتے، تو ہرگز ہرگز تباہ اور ہلاک نہ ہوتے۔ اسی ایک کلمہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اُن پر تباہی اور مصیبت آئی اور اُن کی رُوح مجذوم ہو کر ہلاک ہو گئی۔[۱]

ایسا ہی فرمایا۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ اَللّٰہُ الصَّمَدُ۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ۔ (الاخلاص : ۲ تا ۵) یعنی کہہ دو کہ وُہ خدا ایک ہے۔ ھو خدا کا نام ہے۔ وہ ایک ہے۔ وہ بے نیاز ہے نہ کھانے پینے کی اس کو ضرورت نہ زمان یا مکان کی حاجت نہ کسی کا باپ نہ بیٹا اور نہ کوئی اس کا ہمسر۔ اور بے تغیر ہے یہ چھوٹی سی سُورت قرآن شریف کی ہے جو ایک سطر میں آجاتی ہے۔ لیکن دیکھو کس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ہر قسم کے شرک سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کی گئی ہے۔

حصر عقلی میں شرک کے جس قدر قسم ہو سکتے ہیں اُن سے اُس کو پاک بیان کیا ہے۔ جو چیز آسمان اور زمین کے اندر ہے۔ وہ ایک تغیر کے نیچے ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نہیں ہے۔ اب یہ کیسی صاف اور ثابت شدہ صداقت ہے۔ دماغ اسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ نورِ قلب جس کی شریعت دل میں ہے۔ اس پر شہادت دیتا ہے۔ قانونِ قدرت اسی کا مؤید و مصدق ہے۔ یہانتک کہ ایک ایک پتّہ اس پر گواہی دیتا ہے۔ پس اس کو شناخت کرنا ہی عظیم الشان بات ہے۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ چھوٹی سی سُورت نازل کی یہ ایسی ہے کہ اگر توریت کے سارے دفتر کی بجائے اُس میں اسی قدر ہوتا تو یہود تباہ نہ ہوتے اور انجیل کے اتنے بڑے مجموعہ کو چھوڑ کر اگر یہی تعلیم اُن کو دی جاتی تو آج دُنیا کا ایک بڑا حصّہ ایک مُردہ پرست قوم نہ بن جاتا۔

مگر یہ خدا کا فضل ہے جو اسلام کے ذریعہ مُسلمانوں کو ملا اور اس فضل کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ جس پہلو سے دیکھو۔ مُسلمانوں کو بہت بڑے فخر اور ناز کا موقع ہے۔ مُسلمانوں کا خدا پتھر، درخت، حیوان، ستارہ، یا کوئی مُردہ انسان ہے، بلکہ وُہ قادرِ مطلق خدا ہے جس نے زمین و آسمان کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے پیدا کیا اور حیّ و قیوم ہے۔

مُسلمانوں کا رسُول وُہ رسُول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی نبوت اور رسالت کا دامن قیامت تک دراز ہے۔ آپؐ کی رسالت مُردہ رسالت نہیں، بلکہ اس کے ثمرات اور برکات تازہ بتازہ ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں جو

---

[۱] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۸ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۷ رمئی ۱۹۰۲ء

اس کی صداقت اور ثبوت کی ہر زمانہ میں دلیل ٹھہرتے ہیں۔

چنانچہ اس وقت بھی خدا نے ان ثبوتوں اور برکات اور فیوض کو جاری کیا ہے اور مسیح موعود کو بھیج کر نبوت محمدیہ کا ثبوت آج بھی دیا ہے اور پھر اُس کی دعوت ایسی عام ہے کہ کُل دُنیا کے لیے ہے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف : ۱۵۹) اور پھر فرمایا۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (الانبیاء : ۱۰۸)

کتاب دی تو ایسی کامل اور ایسی محکم اور یقینی کہ لَا رَيْبَ فِيهِ (البقرہ : ۳) اور فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البیّنۃ : ۴) اور اٰیَاتٌ مُّحْكَمٰتٌ۔ قَوْلٌ فَصْلٌ۔ مِيزَانٌ۔ مُهَيْمِنٌ۔

غرض ہر طرح سے کامل اور مکمل دین مسلمانوں کا ہے جس کے لیے اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ : ۴) کی مُہر لگ چکی ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے مسلمانوں پر کہ وہ ایسا کامل دین جو رضاءِ الٰہی کا موجب اور باعث ہے رکھ کر بھی بے نصیب ہیں اور اس دین کے برکات اور ثمرات سے حصّہ نہیں لیتے بلکہ خدا تعالیٰ نے جو ایک سلسلہ ان برکات کو زندہ کرنے کے لیے قائم کیا تو اکثر انکار کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور لَسْتَ مُرْسَلًا اور لَسْتَ مُؤْمِنًا کی آوازیں بلند کرنے لگے۔

یاد رکھو خدا تعالیٰ کی توحید کا اقرار محض ان برکات کو جذب نہیں کر سکتا جو اُس اقرار اور اُس کے دوسرے لوازمات یعنی اعمالِ صالحہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ توحید اعلیٰ درجہ کی جُزء ہے جو ایک سچّے مُسلمان اور ہر خدا ترس انسان کو اختیار کرنی چاہیے۔ اگر توحید کی تکمیل کے لیے ایک دُوسرا پہلو بھی ہے اور وہ محبّتِ الٰہی ہے یعنی خدا سے محبت کرنا۔

قرآن شریف کی تعلیم کا اصل مقصد اور مدعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ جیسا وحدہٗ لاشریک ہے، ایسا ہی محبّت کی رُو سے بھی اس کو وحدہٗ لاشریک یقین کیا جاوے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا اصل منشاء ہمیشہ یہی رہا ہے، چنانچہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جیسے ایک طرف توحید کی تعلیم دیتا ہے ساتھ ہی توحید کی تکمیل محبّت کی ہدایت بھی کرتا ہے اور جیسا کہ مَیں نے ابھی کہا ہے۔ یہ ایک ایسا پیارا اور پُرمعنی جُملہ ہے کہ اس کی مانند ساری توراۃ اور انجیل میں نہیں اور دُنیا کی کسی اور کتاب نے کامل تعلیم دی ہے۔

اللہ کے معنی ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جاوے۔ گویا اسلام کی یہ اصل محبّت کے مفہوم کو پورے اور کامل طور پر ادا کرتی ہے یاد رکھو کہ جو توحید بدُوں محبّت کے ہو وُہ ناقص اور ادُھوری ہے۔

محبّتِ الٰہی اور اپنی جماعت کو نصائح

خدا کے ساتھ محبّت کرنے سے کیا مُراد ہے؟ یہی کہ اپنے والدین۔ جورو۔ اپنی اولاد۔ اپنے نفس۔ غرض ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر لیا جاوے، چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ

اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (البقرہ ۲۰۱) یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ اور سخت درجہ کی محبت کے ساتھ یاد کرو۔ اب یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ تعلیم نہیں دی کہ تم خدا کو باپ کہا کرو بلکہ اس لیے یہ سکھایا ہے کہ نصاریٰ کی طرح دھوکہ نہ لگے اور خدا کو باپ کر کے پکارا نہ جائے اور اگر کوئی کہے کہ پھر باپ سے کم درجہ کی محبت ہوئی، تو اس اعتراض کے رفع کرنے کے لیے اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا رکھ دیا۔ اور اگر اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا نہ ہوتا تو یہ اعتراض ہو سکتا تھا، مگر اب اس نے اس کو حل کر دیا۔ جو کہتے ہیں وہ کیسے گرے کہ ایک عاجز کو خدا کہہ اُٹھے۔

بعض الفاظ ابتلا کے لیے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو نصاریٰ کا ابتلا منظور تھا۔ اس لیے اُن کی کتابوں میں انبیاء کی یہ اصطلاح ٹھہر گئی، مگر چونکہ وُہ حکیم اور علیم ہے اس لیے پہلے ہی سے لفظ اَبْ کو کثیر الاستعمال کر دیا۔ مگر نصاریٰ کی بدقسمتی کہ جب مسیح نے یہ لفظ بولا تو انہوں نے حقیقت پر عمل کر لیا اور دھوکا کھا لیا؛ حالانکہ مسیح نے یہ کہہ کر تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ تم الٰہ ہو اس شرک کو مٹانا چاہا، مگر نادانوں نے پروا نہ کی۔ اور اُن کی اس تعلیم کے ہوتے ہوتے بھی اُن کو ابن اللہ قرار دے ہی لیا۔

یہودیوں کو بھی اسی قسم کا ابتلا آیا۔ چونکہ مُوذی قوم تھی۔ اُن کی درخواست پر منّ وسلویٰ نازل ہوا۔ کیونکہ یہ طاعون پیدا کرنے کا مقدمہ تھا۔ اللہ تعالیٰ چونکہ جانتا تھا کہ وُہ حد سے نکل جائیں گے اور اُن کی سزا طاعون تھی۔ اس لیے پہلے سے وُہ اسباب رکھ دیئے۔

میَں پھر اصل مطلب کی طرف آتا ہوں کہ اصل توحید کو قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت سے پُورا حصّہ لو۔ اور یہ محبت ثابت نہیں ہو سکتی جبتک عملی حصّہ میں کامل نہ ہو۔ نری زبان سے ثابت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مصری کا نام لیتا رہے، تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ وُہ شیریں کام ہو جاوے یا اگر زبان سے کسی کی دوستی کا اعتراف اور اقرار کرے۔ مگر مصیبت اور وقت پڑنے پر اس کی امداد اور دستگیری سے پہلو تہی کرے، تو وہ دوست صادق نہیں ٹھہر سکتا۔ اسی طرح پر اگر خدا تعالیٰ کی توحید کا نرا زبانی ہی اقرار ہو اور اُس کے ساتھ محبت کا بھی زبانی ہی اقرار موجود ہو تو کچھ فائدہ نہیں، بلکہ یہ حصّہ زبانی اقرار کی بجائے عملی حصّہ کو زیادہ چاہتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ زبانی اقرار کوئی چیز نہیں ہے۔ نہیں۔ میری غرض یہ ہے کہ زبانی اقرار کے ساتھ عملی تصدیق لازمی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خدا کی راہ میں اپنی زندگی وقف کرو۔ اور یہی اسلام ہے اور یہی وہ غرض ہے جس کے لیے مجھے بھیجا گیا ہے۔ پس جو اس وقت اس چشمہ کے نزدیک نہیں آتا۔ جو خدا تعالیٰ نے اس غرض کے لیے جاری کیا ہے وہ یقیناً بے نصیب رہتا ہے۔ اگر کچھ لینا ہے اور مقصد کو حاصل کرنا ہے تو طالب صادق کو چاہیے کہ وُہ چشمہ کی طرف بڑھے اور آگے قدم رکھے اور اس چشمۂ جاری کے کنارے اپنا منہ رکھ دے اور یہ ہو نہیں سکتا جبتک خدا تعالیٰ

کے سامنے غیرت کا چولہ اُتار کر آستانہ ربوبیت پر نہ گر جاوے اور یہ عہد نہ کرے کہ خواہ دُنیا کی وجاہت جاتی رہے اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں، تو بھی خدا کو نہیں چھوڑے گا اور خدا تعالیٰ کی راہ میں ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہے گا۔ ابراہیم علیہ السلام کا یہی عظیم الشان اخلاص تھا کہ بیٹے کی قربانی کے لیے تیار ہو گیا۔ اسلام کا منشاء یہ ہے کہ بہت سے ابراہیم بنائے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو کوشش کرنی چاہیے کہ ابراہیم بنو۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ:

ولی پرست نہ بنو - بلکہ ولی بنو

اور پیر پرست نہ بنو۔ بلکہ پیر بنو

تم اُن راہوں سے آؤ۔ بیشک وہ تنگ راہیں ہیں۔ لیکن اُن سے داخل ہو کر راحت اور آرام ملتا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ اس دروازہ سے بالکل ہلکے ہو کر گزرنا پڑے گا۔ اگر بہت بڑی گٹھڑی سر پر ہو تو مشکل ہے۔ اگر گزرنا چاہتے ہو تو اس گٹھڑی کو جو دُنیا کے تعلقات اور دُنیا کو دین پر مقدم کرنے کی گٹھڑی ہے، پھینک دو۔ ہماری جماعت خدا کو خوش کرنا چاہتی ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کو پھینک دے۔ تم یقیناً یاد رکھو کہ اگر تم میں وفاداری اور اخلاص نہ ہو تو تم جھوٹے ٹھہرو گے۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور راستباز نہیں بن سکتے۔ ایسی صورت میں دشمن سے پہلے وُہ ہلاک ہوگا جو وفاداری کو چھوڑ کر غداری کی راہ اختیار کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ فریب نہیں کھا سکتا اور نہ کوئی اُسے فریب دے سکتا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ تم سچا اخلاص اور صدق پیدا کرو۔

تم پر خدا تعالیٰ کی حجت سب سے بڑھ کر پُوری ہوئی ہے۔ تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے جو یہ کہہ سکے کہ مَیں نے کوئی نشان نہیں دیکھا ہے۔ پس تم خدا تعالیٰ کے الزام کے نیچے ہو، اس لیے ضروری ہے کہ تقویٰ اور خشیت تم میں سب سے زیادہ پیدا ہو۔

ذوالقرنین

خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں مختلف طریقوں اور پہلوؤں سے اس سلسلہ کی حقانیت کو ثابت کیا ہے اور بتایا ہے یہاں تک کہ ہر ایک قصہ میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً ذوالقرنین کا قصہ ہے اس میں اس کی پیشگوئی ہے۔ چنانچہ قرآن شریف کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف گیا تو اُسے آفتاب غروب ہوتا نظر آیا یعنی تاریکی پائی اور ایک گدلا چشمہ اس نے دیکھا۔ وہاں پر ایک قوم تھی۔ پھر مشرق کی طرف چلتا ہے تو دیکھا کہ ایک ایسی قوم ہے جو کسی اوٹ میں نہیں اور وہ دُھوپ میں جلتی ہے۔ تیسری قوم ملی جس نے یاجوج ماجوج سے بچاؤ کی درخواست کی۔ اب یہ بظاہر تو قصہ ہے، لیکن حقیقت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جو اس زمانہ سے متعلق ہے۔ خدا تعالیٰ نے بعض حقائق تو کھول دیئے ہیں اور بعض مخفی رکھے ہیں، اس لیے کہ انسان اپنے قویٰ سے کام لے۔ اگر انسان نرے منقولات سے کام لے تو وہ انسان نہیں ہو سکتا۔ ذوالقرنین اس لیے نام رکھا کہ وُہ دو صدیوں کو پائے گا۔ اب جس زمانہ میں خدا نے مجھے بھیجا ہے سب صدیوں کو بھی جمع کر دیا ہے

کیا یہ انسانی طاقت میں ہے کہ اس طرح پر دو صدیوں کا صاحب ہو جائے۔

ہندوؤں کی صدی بھی پائی اور عیسائیوں کی بھی مگر صاحب نے تو کوئی ۱۶ یا ۱۷ صدیاں جمع کر کے دکھلائی تھیں۔

غرض ذوالقرنین کے معنے ہیں دو صدیاں پانے والا۔ اب خدا تعالیٰ نے اس کے لیے تین قوموں کا ذکر کیا ہے۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ پہلی قوم جو مغرب میں ہے اور آفتاب وہاں غروب ہوتا ہے اور وُہ تاریکی کا چشمہ ہے۔ یہ عیسائیوں کی قوم ہے۔ جس کا آفتاب صداقت غروب ہوگیا اور آسمانی حق اور نُور ان کے پاس نہیں رہا۔

دُوسری قوم اس کے مقابل میں وُہ ہے جو آفتاب کے پاس ہے، مگر آفتاب سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی۔ یہ مُسلمانوں کی قوم ہے۔ جن کے پاس آفتابِ صداقت قرآن شریف اِس وقت موجود ہے۔ مگر دابۃ الارض نے اُن کو بے خبر بنا دیا ہے۔ اور وُہ اس سے اُن فوائد کو حاصل نہیں کر سکتے بجُز جلنے اور دُکھ اُٹھانے کے جو ظاہر پرستی کی وجہ سے اُن پر آیا۔ پس یہ قوم اس طرح پر بے نصیب ہوگئی۔ اب ایک تیسری قوم ہے جس نے ذوالقرنین سے اِلتماس کی کہ یاجُوج ماجُوج کے آگے بند کر دے تاکہ وُہ اُن کے حملوں سے محفوظ ہو جاویں۔

وُہ ہماری قوم ہے جس نے اخلاص اور صِدق دل سے مجھے قبول کیا۔ خدا تعالیٰ کی تائیدات سے میں ان حملوں سے اپنی قوم کو محفوظ کر رہا ہوں، جو یاجُوج ماجُوج کر رہے ہیں۔ پس اس وقت خدا تعالیٰ تم کو تیار کر رہا ہے تمہارا فرض ہے کہ سچی توبہ کرو اور اپنی سچائی اور وفاداری سے خدا کو راضی کرو۔ تاکہ تمہارا آفتاب غروب نہ ہو اور تاریکی کے چشمہ کے پاس جانے والے نہ ٹھہرو اور نہ تم اُن لوگوں سے بنو جنھوں نے آفتاب سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا۔ پس تم پُورا فائدہ حاصل کرو اور پاک چشمہ سے پانی پیو تا خدا تم پر رحم کرے۔

بدقسمت انسان

وُہ انسان بدقسمت ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کے وعدوں پر ایمان لاکر وفاداری اور صبر کے ساتھ اُن کا انتظار نہیں کرتا اور شیطان کے وعدوں کو یقینی سمجھ بیٹھتا ہے، اس لیے کبھی بے دل نہ ہو جاؤ اور تنگی اور عُسر کی حالت میں گھبراؤ نہیں۔ خدا تعالیٰ خود رزق کے معاملہ میں فرماتا ہے، وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ (الذّاریات: ۲۳)۔

انسان جب خدا کو چھوڑتا ہے تو پھر شیطان کا غلام بن جاتا ہے۔ وُہ انسان بہت ہی بڑی ذمّہ داری کے نیچے ہوتا ہے، جو خدا تعالیٰ کی آیات اور نشانات کو دیکھ چکا ہو۔ پس کیا تم میں سے کوئی ہے جو یہ کہے کہ مَیں نے کوئی نشان نہیں دیکھا بعض نشان اس قسم کے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں انسان اُن کے گواہ ہیں۔ جو ان نشانوں کی قدر نہیں کرتا اور اُن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، وُہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ اُس کو دشمن سے پہلے ہلاک کرے گا کیونکہ وہ شدید العقاب بھی ہے۔ جو اپنے آپ کو دُرست نہیں کرتا وُہ نہ

صرف اپنی جان پر ظلم کرتا ہے بلکہ اپنے بیوی بچوں پر بھی ظلم کرتا ہے کیونکہ جب وہ خود تباہ ہو جاوے گا تو اس کے بیوی بچے بھی ہلاک اور خوار ہوں گے۔ خدا تعالیٰ اسی کی طرف اشارہ کر کے فرماتا ہے۔ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس ۱۶) مرد چونکہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: ۳۵) کا مصداق ہے اس لیے اگر وہ لعنت لیتا ہے تو وہ لعنت بیوی بچوں کو بھی دیتا ہے اور اگر برکت پاتا ہے تو ہمسائیوں اور شہر والوں تک کو بھی دیتا ہے اس وقت کل ملک میں طاعون کی آگ لگ رہی ہے۔ وہ لوگ غلطی کر رہے ہیں، جو اس کو ملعون کہتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو اس وقت ایک خاص کام کے لیے مامور کیا گیا ہے۔ اس کا علاج خدا تعالیٰ نے مجھے یہی بتایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (الرعد: ۱۲) یہ طاعون بدکاریوں اور فسق و فجور اور میرے انکار اور استہزاء کا نتیجہ ہے اور یہ رُک نہیں سکتا جب تک لوگ اپنے اعمال میں پاک تبدیلی نہ کریں اور سبّ و شتم سے زبان کو نہ روکیں۔ پھر فرماتا ہے۔ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ۔ اس گاؤں کو پریشانی اور انتشار سے حفاظت میں لے لیا۔ کیا اس گاؤں میں ہر قسم کے لوگ چوہڑے، چمار، دہریہ اور شراب پینے والے اور بیچنے والے اور اور قسم کے لوگ نہیں رہتے، مگر خدا نے میرے وجود کے باعث سارے گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس افراتفری اور موت الکلاب سے اُسے محفوظ رکھا۔ جو دوسرے شہروں اور قصبوں میں ہوتی ہے۔

غرض یہ خدا تعالیٰ کے نشان ہیں، ان کو عزت اور عبرت کی نگاہ سے دیکھو اور اپنی ساری قوّتوں کو خدا تعالیٰ کی مرضی کے نیچے استعمال کرو۔ توبہ اور استغفار کرتے رہو تا خدا تعالیٰ تم پر اپنا فضل کرے۔[1]

۲۸؍دسمبر ۱۹۰۱ء

مُرشد اور مُرید کے تعلقات

مُرشد اور مرید کے تعلقات اُستاد اور شاگرد کی مثال سے سمجھ لینے چاہئیں۔ جیسے شاگرد اُستاد سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اسی طرح مُرید اپنے مُرشد سے۔ لیکن شاگرد اگر اُستاد سے تعلق تو رکھے مگر اپنی تعلیم میں قدم آگے نہ بڑھائے تو فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہی حال مُرید کا ہے۔ پس اس سلسلہ میں تعلق پیدا کر کے اپنی معرفت اور علم کو بڑھانا چاہیے۔ طالبِ حق کو ایک مقام پر پہنچ کر ہرگز ٹھہرنا نہیں چاہیے ورنہ شیطان لعین اور طرف لگا دے گا اور جیسے بند پانی میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر مومن اپنی ترقیات کے لیے سعی نہ کرے، تو وہ گر جاتا ہے۔ پس سعادتمند کا فرض ہے کہ وہ طلبِ دین میں لگا رہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی انسان کامل دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۹ صفحہ ۵ تا ۷ پرچہ ۲۴؍مئی ۱۹۰۲ء

میں نہیں گزرا، لیکن آپ کو بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۵) کی دُعا کی تعلیم ہوئی تھی۔ پھر اور کون ہے جو اپنی معرفت اور علم پر کامل بھروسہ کرکے ٹھہر جاوے اور آئندہ ترقی کی ضرورت نہ سمجھے۔ جُوں جُوں انسان اپنے علم اور معرفت میں ترقی کرے گا اُسے معلوم ہوتا جاوے گا کہ ابھی بہت سی باتیں حل طلب باقی ہیں بعض اُمور کو وہ ابتدائی نگاہ میں (اُس بچے کی طرح جو اقلیدس کے اشکال کو محض بیہودہ سمجھتا ہے) بالکل بیہودہ سمجھتے تھے، لیکن آخر وہی اُمور صداقت کی صُورت میں اُن کو نظر آتے۔ اس لیے کس قدر ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کو بدلنے کے ساتھ علم کو بڑھانے کے لیے ہر بات کی تکمیل کی جاوے۔ تم نے بہت ہی بیہودہ باتوں کو چھوڑ کر اس سلسلہ کو قبول کیا ہے۔ اگر تم اس کی بابت پُورا علم اور بصیرت حاصل نہیں کرو گے، تو اس سے تمہیں کیا فائدہ ہوا تمہارے یقین اور معرفت میں قوت کیونکر پیدا ہوگی۔ ذرا ذرا سی بات پر شکوک وشبہات پیدا ہوں گے اور آخر قدم کو ڈگمگا جانے کا خطرہ ہے۔

دین کو ہر حال میں دُنیا پر مقدم کرنا چاہیے

دیکھو دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اسلام قبول کرکے دُنیا کے کاروبار اور تجارتوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ شیطان اُن کے سر پر سوار ہوجاتا ہے۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ تجارت کرنی منع ہے۔ نہیں۔ صحابہؓ تجارتیں بھی کرتے تھے، مگر وہ دین کو دُنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ انہوں نے اِسلام قبول کیا تو اسلام کے متعلق سچا علم جو یقین سے اُن کے دلوں کو لبریز کردے۔ اُنھوں نے حاصل کیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی میدان میں شیطان کے حملے سے نہیں ڈگمگاتے۔ کوئی امر اُن کو سچائی کے اظہار سے نہیں روک سکا۔

میرا مطلب اس سے صرف یہ ہے کہ جو بالکل دُنیا ہی کے بندے اور غلام ہوجاتے ہیں۔ گویا دنیا کے پرستار ہوجاتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر شیطان اپنا غلبہ اور قابُو پالیتا ہے۔ دُوسرے وہ لوگ ہوتے ہیں جو دین کی ترقی کی فکر میں ہوجاتے ہیں۔ یہ وُہ گروہ ہوتا ہے جو حِزب اللہ کہلاتا ہے اور جو شیطان اور اس کے لشکر پر فتح پاتا ہے۔ مال چونکہ تجارت سے بڑھتا ہے اس لیے خدا تعالیٰ نے بھی طلبِ دین اور ترقیِ دین کی خواہش کو ایک تجارت ہی قرار دیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ (الصّف : ۱۱) سب سے عمدہ تجارت دین کی ہے، جو دُردناک عذاب سے نجات دیتی ہے۔ پس میں بھی خدا تعالیٰ کے اِن ہی الفاظ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۔

مَیں زیادہ اُمید اُن پر کرتا ہوں جو دینی ترقی اور شوق کو کم نہیں کرتے۔ جو اس شوق کو کم کرتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ شیطان ان پر قابُو نہ پالے۔ اس لیے کبھی سُست نہیں ہونا چاہیے۔ ہر امر کو جو سمجھ میں نہ آئے پُوچھنا چاہیے تاکہ معرفت میں زیادت ہو۔ پُوچھنا حرام نہیں۔ بہ حیثیت انکار کے بھی پُوچھنا چاہیے اور عملی ترقی

کے لیے بھی جو علمی ترقی چاہتا ہے۔ اس کو چاہیے کہ قرآن شریف کو غور سے پڑھیں۔ جہاں سمجھ میں نہ آئے دریافت کریں۔ اگر بعض معارف سمجھ نہ سکے تو دُوسروں سے دریافت کرکے فائدہ پہنچائے۔

قرآن شریف ایک دینی سمندر ہے جس کی تہہ میں بڑے بڑے نایاب اور بے بہا گوہر موجود ہیں۔ جب تم کسی عیسائی سے ملو گے، تو دیکھو گے کہ اُن میں نقالوں اور مٹھے والوں کی طرح دیانت مفقود نظر آتے گی۔ یُوں تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو یہ دعوے کرتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کے ترجمہ سے واقف ہیں۔ مگر اُنھوں نے مشق تو کی ہے لیکن اُن میں رُوحانیت نہیں ہے اور اس کا ہمیں بارہا تجربہ ہوا ہے۔ جب اُن کو بلایا گیا، تو اُنھوں نے گریز کی ہے۔ اگر واقعی اُن میں رُوحانیت ہے اگر واقعی ان کی معرفت اور علم الیقین کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وُہ گریز کرتے ہیں؟

لاہور کے بشپ کا فرار

دیکھو لاہور کے بشپ صاحب نے لاہور میں بڑے اہم مضامین پر لیکچر دیتے اور اپنی قرآن دانی اور حدیث دانی کے ثبوت کے لیے بڑی کوشش کی لیکن اُسے ہم نے دعوت کی تو باوجود یکہ پانیئیر نے بھی اس کو شرمندگی دلائی، مگر وُہ صرف یہ کہکر کہ ہمارا دشمن ہے مقابلہ سے بھاگ گیا۔ ہم کو افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بشپ صاحب تو مسیح کی تعلیم کا کامل نمونہ ہونا چاہیے تھا۔ اور اپنے دشمنوں کو پیار کر دیر اُن کا پُورا عمل ہوتا۔ اگر میں اُن کا دشمن بھی ہوتا، حالانکہ میں سچ کہتا ہوں۔ اور خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نوعِ انسان کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور دوست میں ہوں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ میں اُن تعلیمات کا دشمن ہوں جو انسان کی رُوحانی دشمن ہیں اور اس کی نجات کی دشمن ہیں۔ غرض بشپ صاحب کو کئی بار اخباروں نے اس معاملہ میں شرمندہ کیا، مگر وہ سامنے نہ آئے۔ عیسائیوں کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو سادہ دیکھتے ہیں تو چھوٹا ہے تو بیٹیا بنا کر، اور بڑا ہے تو باپ بنا کر اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں کہ اگر وہ حالات سے واقف ہے تو پھر اس سے بُغض کرتے ہیں۔ اس لیے کہ جب خدا سے تعلق توڑ بیٹھتے ہیں تو مخلوق سے بھی ہمدردی کیونکر پیدا ہو۔ مگر ہماری جماعت خاص ہے اس کو عام مسلمانوں کی طرح نہ سمجھیں۔

دَآبّۃ الارض

یہ مسلمان دابّۃ الارض ہیں اور اس لیے اس کے مخالف ہیں جو آسمان سے آتا ہے۔ جو زمینی بات کرتا ہے وُہ دابّۃ الارض ہے۔ خدا تعالیٰ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ رُوحانی اُمور کو وُہی دریافت کرتے ہیں جن میں مناسبت ہو۔ چونکہ ان میں مناسبت نہ تھی اس لیے اُنھوں نے عصائے دین کو کھا لیا۔ جیسے سلیمانؑ کے عصا کو کھا لیا تھا۔ اور اس سے آگے قرآن شریف میں لکھا ہے کہ جب جنوں کو یہ پتہ لگا تو اُنھوں نے سرکشی اختیار کی۔ اسی طرح پر جب عیسائی قوم نے جب اسلام کی یہ حالت دیکھی۔ یعنی اس دابّۃ الارض نے اس عصائے راستی کو کمزور کر دیا تو اِن قوموں کو اس پر وار کرنے کا موقع دیدیا۔

حق وُہ ہے جو چھُپ کر وار کرے اور پیار کے رنگ میں دشمنی کرتے ہیں۔ وُہی پیار جو تو اسے آکر نحاش نے کیا تھا۔ اس پیار کا انجام وہی ہونا چاہیے جو ابتدا میں ہوا۔ آدمؑ پر اس سے مصیبت آئی۔ اُس وقت گویا وہ خدا سے بڑھ کر خیرخواہ ہوگیا۔ اسی طرح پر یہ بھی وہی حیاتِ ابدی پیش کرتے ہیں، جو شیطان نے کی تھی۔ اس لیے قرآن شریف نے اوّل اور آخر کو اس پر ختم کیا۔ اس میں یہ سِر تھا کہ تا بتایا جاوے کہ ایک آدم آخر میں بھی آنے والا ہے۔ قرآن شریف کے اوّل یعنی سورۃ فاتحہ کو وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر ختم کیا۔ یہ امر تمام مفسّر بالاتفاق مانتے ہیں کہ ضالین سے عیسائی مُراد ہیں اور آخر جس پر ختم ہوا وہ یہ ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ مَلِكِ النَّاسِ۔ اِلٰهِ النَّاسِ۔ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ۔ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ۔ (النّاس : ۲ تا ۷) سُورۃ النّاس سے پہلے قُلْ ھُوَ اللّٰہ میں خدا تعالیٰ کی توحید بیان فرمائی اور اس طرح پر گویا تثلیث کی تردید کی۔ اس کے بعد سورۃ النّاس کا بیان کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ عیسائیوں کی طرف اشارہ ہے پس آخری وصیت یہ کی کہ شیطان سے بچتے رہو۔ یہ شیطان وہی نحاش ہے جس کو اس سورۃ میں خنّاس کہا جس سے بچنے کی ہدایت کی۔ اور یہ جو فرمایا کہ ربّ کی پناہ میں آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ جسمانی اُمور نہیں ہیں بلکہ رُوحانی ہیں۔ خدا کی معرفت، معارف اور حقائق پر پکّے ہو جاؤ تو اس سے بچ جاؤ گے۔ اس آخری زمانہ میں شیطان اور آدم کی آخری جنگ کا خاص ذکر ہے۔ شیطان کی لڑائی خدا اور اُس کے فرشتوں سے آدم کے ساتھ ہو کر ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ اس کے ہلاک کرنے کو پُورے سامان کے ساتھ اُترے گا اور خدا کا مسیح اس کا مقابلہ کرے گا۔ یہ لفظ مسیح ہے جس کے معنی خلیفہ کے ہیں۔ عربی اور عبرانی میں حدیثوں میں مسیح لکھا ہے اور قرآن شریف میں خلیفہ لکھا ہے۔ غرض اس کے لیے مقدر تھا کہ اس آخری جنگ میں خاتم الخلفاء۔ جو چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہو، کامیاب ہو۔

سورۃ العصر میں دُنیا کی تاریخ

سُورۃ العصر میں دُنیا کی تاریخ موجود ہے جس پر خدا تعالیٰ نے اپنے الہام سے مجھ کو اطلاع دی ہے اور یہ اصلی اور سچّی تاریخ ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کس قدر زمانہ گذرا ہے۔ پس اس حساب سے اب ساتویں ہزار سے کچھ سال گذر گئے اور خاتم الخلفاء چھٹے ہزار کے آخر میں پیدا ہوا تا کہ اوّل را بآخر نسبتے دارد کا مصداق ہو۔ آدم بھی چھٹے دن پیدا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اس چھ دن کے چھ ہزار ہوئے اور پھر آدم کی پیدائش چھٹے دن کے آخر میں ہوئی تھی۔ اس لیے خاتم الخلفاء چھٹے ہزار کے آخر میں ہوا۔ اور ساتویں میں جنگ ہے۔

* * *

حق اور باطل کی آخری جنگ

اس جنگ سے توپ و تفنگ کی لڑائی مراد نہیں، بلکہ یہ عیسائیت اور الٰہی دین کی آخری جنگ ہے۔ عیسائیت نے زمینی خدا بنا لیا ہے اور یہ وُہی خدُا یا خیالی خدُا ہے جیسے بہت سی عورتیں ایک وہمی حمل بنا کر لیتی ہیں۔ یہاں تک کہ پیٹ میں وہمی طور پر حرکت بھی معلوم ہوتی ہے اور پیٹ بڑھتا بھی ہے۔ اسی طرح پر فرضی مسیح بنا لیا گیا ہے جسے خدا سمجھا گیا ہے۔ غرض سچے مسیح کے مقابل وہ کھڑا ہے۔ اب یہ لڑائی ان دونوں میں شروع ہے اور خدا اس میں اپنا چمکتا ہوا ہاتھ دکھلائے گا۔

چالیس کروڑ سے بھی زائد انسان عیسائی ہو چکے ہیں۔ جب اوّل ہی اوّل یہ لوگ آئے تو مولوی ان کے حملوں اور اعتراضوں سے محض ناواقف تھے۔ اُن کو پُورا علم نہ اُن کے اعتراضوں کا تھا اور نہ قرآن شریف کے حقائق ہی سے آگاہ تھے۔ برخلاف اس کے عیسائیوں کے پاس اقبال اور تالیف قلوب کے ذریعے تھے۔ اس لیے اُن کی ترقی ہوتی گئی۔ مگر اب اُن میں ایک بھی نہیں جو اسکی تنزل کو دیکھ سکے۔ اب ان کا دور ختم ہونے والا ہے اور منصفر طور پر جعلی فرضی خدا کو سمجھ لیں گے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ عیسائیوں کا تانا بانا آریہ اور سناتن سے بھی بودا ہے۔ کیونکہ اُنھوں نے ساری بنیاد حیاتِ مسیح پر رکھی ہوئی ہے۔ اس کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی ساری عمارت گِر جاتی ہے۔ یہ بات اس زمانہ میں کہ وہ زندہ آسمان پر گیا ہے، کوئی مان نہیں سکتا جبکہ دلائل قطعیۃ الدلالت کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ وُہ مر گیا ہے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اب تو لاش کے دکھا دینے تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ کیونکہ (سرینگر) کشمیر میں اس کی قبر واقعاتِ صحیحہ کی بناء پر ثابت ہو گئی ہے۔ ان ساری باتوں کے ہوتے ہوئے کون عقلمند یہ قبول کر سکتا ہے اور اُس کی موت کے ساتھ ہی صلیب۔ کفارہ۔ لعنت وغیرہ ساری باتیں علوم یقینیہ کی طرح غلط ثابت ہو جائیں گی۔ ان ساری باتوں کے علاوہ یہ مذہب ایسا کمزور ہے کہ جو پہلو اس نے اختیار کیا ہے وہی بودا۔ ایک لعنت ہی کے پہلو کو دیکھو۔ اگر اسی پہلو کو اختیار نہ کرتے، تو بہتر تھا۔ کیونکہ جب یہ سچی بات ہے کہ لعنت کا تعلق دل سے ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ملعون خدا کا اور خدا ملعون کا دشمن ہو جاوے اور خدا سے اس کا کوئی تعلق نہ رہے اور وہ خدا سے برگشتہ ہو جاوے تو پھر کیا باقی رہا۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ مسیح کو شیطان لیے پھرا۔ اگر جسمانی طور پر شیطان لیے پھرا ہوتا تو مسیح تماشہ دکھا سکتے تھے۔ اس کا کوئی معقول جواب تو نہیں دے سکے۔ کسی یہودی کو شیطان کہہ دیا اور پھر تین مرتبہ شیطانی الہام ہوا۔ غرض اب عیسائی مذہب کے خاتمہ کا وقت آ گیا ہے۔

پس تم اپنی ہمت اور سرگرمی میں سُست نہ ہو۔ بہت سے مسلمان کہلا کر دُوسرے اُمور میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ مگر تم خدا سے ڈرو اور سچی تبدیلی اور تقویٰ طہارت پیدا کرو۔ اس راہ میں سُست ہونا

شیطان کو نقب لگا کر ایمان کا مال لے جانے کا موقع دیتا ہے۔

اس وقت وہی خدا جو آدم پر ظاہر ہوا تھا۔ اور دُوسرے نبیوں پر ظاہر ہوتا رہا ہے وہی مجھ پر ظاہر ہوا ہے۔ اس وقت خدا نے موقعہ دیا ہے کہ تم اپنے معلومات کو بڑھا سکو۔ اس لیے جو بات سمجھ میں نہ آئے اُس کو فوراً پُوچھ لینا چاہیئے جو سمجھنے سے پہلے کہتا ہے کہ سمجھ لیا۔ اس کے دل پر ایک چھالا سا پڑ جاتا ہے۔ آخر وُہ ناسُور ہو کر پھٹ نکلتا ہے۔ میں تھکتا نہیں ہوں، خواہ کوئی ایک سال تک پُوچھتا رہے پس اس موقع کی قدر کرو۔ میری باتوں کو سُنو اور سمجھو اور ان پر عمل کرو۔ پھر خادمِ دین بنو۔ سچائی کو ظاہر کرو۔ خُدا سے محبت کرنا اور مخلوق سے ہمدردی کرنا۔ یہ دونوں باتیں دین کی ہیں۔ ان پر عمل کرو۔[1]

۸؍جنوری ۱۹۰۲ء

ابتلاء اور ہم وغم کا فائدہ

فرمایا:

"اللہ تعالیٰ چاہتا تو انسان کو ایک حالت میں رکھ سکتا تھا۔ مگر بعض مصالح اور امور ایسے ہوتے ہیں کہ اس پر بعض عجیب وغریب اوقات اور حالتیں آتی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک ہم وغم کی بھی حالت ہے ان اختلافِ حالات اور تغیر وتبدیلِ اوقات سے اللہ تعالیٰ کی عجیب در عجیب قدرتیں اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے:

اگر دُنیا بیک دستور ماندے
بسا اسرارہا مستور ماندے

جن لوگوں کو کوئی ہم وغم دُنیا میں نہیں پہنچتا اور جو بجائے خود اپنے آپ کو بڑے ہی خوش قسمت اور خوشحال سمجھتے ہیں، وُہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار اور حقائق سے ناواقف اور ناآشنا رہتے ہیں۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ مدرسوں میں سلسلہ تعلیم کے ساتھ یہ بھی لازم رکھا گیا ہے کہ ایک خاص وقت تک لڑکے ورزش بھی کریں۔ اس ورزش اور قواعد وغیرہ سے جو سکھائی جاتی ہے، سررشتۂ تعلیم کے افسروں کا یہ منشا تو ہو نہیں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۵ تا ۷ پرچہ ۱۷؍جولائی ۱۹۰۲ء

سکتا کہ اُن کو کسی لڑائی کے لیے تیار کیا جاتا ہے اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وُہ وقت ضائع کیا جاتا ہے اور لڑکوں کا وقت کھیل کُود میں دیا جاتا ہے، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اعضاء جو حرکت کو چاہتے ہیں۔ اگر اُن کو بالکل بیکار چھوڑ دیا جاتے تو پھر اُن کی طاقتیں زائل اور ضائع ہو جاویں اور اس طرح پر اُس کو پُورا کیا جاتا ہے۔ بظاہر ورزش کرنے سے اعضاء کو تکلیف اور کچھ قدر تکان اُن کی پرورش اور صحت کا موجب ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح پر ہماری فطرت کچھ ایسی واقع ہوتی ہے کہ وہ تکلیف کو بھی چاہتی ہے تاکہ تکمیل ہو جاوے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہی ہوتا ہے۔ جو وہ انسان کو بعض اوقات ابتلاؤں میں ڈال دیتا ہے۔ اِس سے اُس کی رضا بالقضا اور صبر کی قوتیں بڑھتی ہیں۔ جس شخص کو خدا پر یقین نہیں ہوتا اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ذرا سی تکلیف پہنچنے پر گھبرا جاتے ہیں اور وُہ خودکشی میں آرام دیکھتا ہے، مگر انسان کی تکمیل اور تربیت چاہتی ہے کہ اس پر اس قسم کی ابتلاء آویں۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ پر اس کا یقین بڑھے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، لیکن جن کو تفرقہ اور ابتلاء نہیں آتا ان کا حال دیکھو کہ کیسا ہوتا ہے۔ وہ بالکل دُنیا اور اس کی خواہشوں میں منہمک ہو گئے ہیں۔ اُن کا سر اُوپر کی طرف نہیں اُٹھتا۔ خدا تعالیٰ کا ان کو بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔ یہ وُہ لوگ ہیں جنھوں نے اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کو ضائع کر دیا اور بجائے اس کے ادنیٰ درجہ کی باتیں حاصل کیں، کیونکہ ایمان اور عرفان کی ترقی اُن کے لیے وہ راحت اور اطمینان کا سامان پیدا کرتے جو کسی مال و دولت اور دُنیا کی لذت میں نہیں ہیں۔ مگر افسوس کہ وہ ایک بچہ کی طرح آگ کے انگارہ پر خوش ہو جاتے ہیں اور اس کی سوزش اور نقصان رسانی سے آگاہ نہیں، لیکن جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے اور جن کو ایمان اور یقین کی دولت سے مالا مال کرتا ہے اُن پر ابتلاء آتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ ہم پر کوئی ابتلاء نہیں آیا، وُہ بدقسمت ہیں۔ وُہ نازو نعمت میں رہ کر بہائم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی زبان ہے، مگر وُہ حق بول نہیں سکتی۔ خدا کی حمد و ثنا اس پر جاری نہیں ہوتی، بلکہ وُہ صرف فسق و فجور کی باتیں کرنے کے لیے اور مزہ چکھنے کے واسطے ہے۔ اُن کی آنکھیں ہیں، مگر وُہ قدرت کا نظارہ نہیں دیکھ سکتیں، بلکہ وُہ بدکاری کے لیے ہیں۔ پھر اُن کو خوشی اور راحت کہاں سے میسر آتی ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جس کو ہم و غم پہنچتا ہے۔ وُہ بدقسمت ہے۔ نہیں۔ خدا اُس کو پیار کرتا ہے۔ جیسے مرہم لگانے سے پہلے چیرنا اور جراحی کا عمل ضروری ہے۔ غرض یہ انسانی فطرت میں ایک امر واقع شدہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ یہ ثابت کرتا ہے کہ دُنیا کی حقیقت کیا ہے اور اس میں کیا کیا بلائیں اور حوادث آتے ہیں۔ ابتلاؤں میں ہی دعاؤں کے عجیب و غریب خواص اور اثر ظاہر ہوتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ہمارا خدا تو دُعاؤں ہی سے پہچانا جاتا ہے۔

مُجیب اور بولنے والا خدا صرف اسلام پیش کرتا ہے

دُنیا میں جس قدر قومیں ہیں۔ کسی قوم نے ایسا خدا نہیں مانا جو جواب دیتا ہو اور دُعاؤں کو سُنتا ہو۔ کیا ایک ہندو ایک پتھر کے سامنے بیٹھ کر یا درخت کے آگے کھڑا ہو کر یا بیل کے رُوبرو ہاتھ جوڑ کر کہہ سکتا ہے کہ میرا خدا ایسا ہے کہ مَیں اُس سے دُعا کروں تو یہ مجھے جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا ایک عیسائی کہہ سکتا ہے کہ مَیں نے یسُوع کو خدا مانا ہے۔ وُہ میری دُعا کو سُنتا اور اس کا جواب دیتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بولنے والا خدا صرف ایک ہی ہے جو اسلام کا خدا ہے جو قرآن نے پیش کیا ہے۔ جس نے کہا۔ اُدْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن : ۶۱) تم مجھے پکارو میں تم کو جواب دُوں گا اور یہ بالکل سچی بات ہے۔ کوئی ہو جو ایک عرصہ تک سچی نیت اور صفائی قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہو۔ وہ مجاہدہ کرے اور دُعاؤں میں لگا رہے۔ آخر اس کی دعاؤں کا جواب اُسے ضرور دیا جاوے گا۔

قرآن شریف میں ایک مقام پر ان لوگوں کے لیے جو گوسالہ پرستی کرتے ہیں اور گوسالہ کو خدا بناتے ہیں۔ آیا ہے۔ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ : ۹۰) کہ وُہ اُن کی بات کا کوئی جواب اُن کو نہیں دیتا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو خدا بولتے نہیں ہیں وہ گوسالہ ہی ہیں۔ ہم نے عیسائیوں سے بار ہا پُوچھا ہے کہ اگر تمہارا خدا ایسا ہی ہے جو دُعاؤں کو سُنتا ہے اور اُن کے جواب دیتا ہے، تو بتاؤ وہ کس سے بولتا ہے؟ تم جو یسوع کو خدا کہتے ہو۔ پھر اُس کو بُلا کر دکھاؤ۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ سارے عیسائی اکٹھے ہو کر بھی یسوع کو پُکاریں۔ وہ یقیناً کوئی جواب نہ دے گا، کیونکہ وہ مرگیا۔

عیسائیوں کو ملزم کرنے والا سوال

عیسائیوں کو مُلزم کرنے کے واسطے اس سے بڑھ کر کوئی تیز ہتھیار نہیں ہے۔ اُن سے پہلا سوال یہی ہونا چاہیے کہ کیا وہ ناطق خُدا ہے یا غیر ناطق؟ اگر غیر ناطق ہے تو اُس کا گُونگا ہونا ہی اُس کے ابطال کی دلیل ہے۔ لیکن اگر وُہ ناطق ہے تو پھر اس کو ہمارے مقابل پر بُلا کر دکھاؤ اور اس سے وہ بولیاں بُلواؤ جن سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ انسان کی مقدرت اور طاقت سے باہر ہیں یعنی عظیم الشان پیشگوئیاں اور آئندہ کی خبریں۔

مگر وہ پیشگوئیاں اس قسم کی ہی نہیں ہونی چاہیں جو یسُوعؑ نے خود اپنی زندگی میں کی تھیں کہ مرغ بانگ دے گا۔ یا لڑائیاں ہوں گی۔ قحط پڑیں گے بلکہ ایسی پیشگوئیاں جن میں قیافہ اور فراست کو دخل نہ ہو بلکہ وُہ انسانی طاقت اور فراست سے بالاتر ہوں۔ مَیں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ کوئی پادری یہ کہنے کی طاقت نہیں رکھ سکتا کہ خدائے قادر کے مقابلہ میں ایک عاجز اور ضعیف انسان یسُوع کی اقتداری پیشگوئیاں پیش کر سکے۔ غرض یہ مسلمانوں کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ اُن کا خدا دُعاؤں کا سننے والا ہے۔

دُعاؤں کے نتائج میں تاخیر اور توقّف کی وجہ

کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ ایک طالب نہایت رقت اور درد کے ساتھ دُعائیں کرتا ہے، مگر وُہ دیکھتا ہے کہ ان دُعاؤں کے نتائج میں ایک تاخیر اور توقف واقع ہوتا ہے۔ اِس کا سِرّ کیا ہے؟ اس میں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اوّل تو جس قدر اُمور دنیا میں ہوتے ہیں، اُن میں ایک قسم کی تدریج پائی جاتی ہے۔ دیکھو ایک بچہ کو انسان بننے کے لیے کس قدر مرحلے اور منازل طے کرنے پڑتے ہیں۔ ایک بیج کا درخت بننے کے لیے کس قدر توقف ہوتا ہے۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے اُمور کا نفاذ بھی تدریجاً ہوتا ہے۔ دوسرے اس توقف میں یہ مصلحتِ الٰہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے عزم اور عقدِ ہمت میں پختہ ہو جاوے اور معرفت میں اِستحکام اور رُسوخ ہو۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر انسان اعلیٰ مراتب اور مدارج کو حاصل کرنا چاہتا ہے اُسی قدر اُس کو زیادہ محنت اور وقت کی ضرورت ہوتی ہے پس استقلال اور ہمت ایک ایسی عمدہ چیز ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو انسان کامیابی کی منزلوں کو طے نہیں کرسکتا۔ اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ پہلے مشکلات میں ڈالا جاوے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (الم نشرح : ۷) اسی لیے فرمایا ہے۔

دُنیا میں کوئی کامیابی اور راحت ایسی نہیں ہے جس کے ابتدا اور اوّل میں کوئی رنج اور مشکل نہ ہو۔ ہمت کو نہ ہارنے والے مستقل مزاج فائدہ اُٹھا لیتے ہیں اور کچے اور ناواقف راستہ میں ہی تھک کر رہ جاتے ہیں۔ پنجابی میں کسی نے کہا ہے۔

ایہو ہیگی کیمیا جے دن تھوڑے ہو

پس جب خدا پر سچا ایمان ہو کہ وہ میری دُعاؤں کو سُننے والا ہے تو یہ ایمان مشکلات میں بھی ایک لذیذ ایمان ہو جاتا ہے اور غم میں ایک اعلیٰ یاقوتی کا کام دیتا ہے۔ ہموم و غموم کے وقت اگر انسان کو کوئی پناہ نہ ہو تو دل کمزور ہو جاتا ہے اور آخر وہ مایُوس ہو کر ہلاک ہو جاتا اور خودکشی کرنے پر آمادہ ہوتا، بلکہ بہت سے ایسے بدقسمت یورپ کے ملکوں میں خصوصًا پائے جاتے ہیں۔ جو ذرا سی نامرادی پر گولی کھا کر مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا خودکشی کرنا خود اُن کے مذہب کی موت اور کمزوری کی دلیل ہے۔ اگر اُس میں کوئی قوت اور طاقت ہوتی تو اپنے ماننے والوں کو ایسی یاس اور نامرادی کی حالت میں نہ چھوڑتا۔ لیکن اگر خدا تعالیٰ پر اُسے ایمان ہے اور اُس قادر کریم ہستی پر یقین رکھتا ہے کہ وہ دُعائیں سُنتا ہے، تو اس کے دل میں ایک طاقت آتی ہے۔

حقیقتِ دُعا

یہ دُعائیں حقیقت میں بہت قابلِ قدر ہوتی ہیں اور دُعاؤں والا آخر کار کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ نادانی اور سُوءِ ادب ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ لڑنا چاہے۔ مثلاً یہ دُعا کرے کہ رات کے پہلے حصہ میں سُورج نکل آوے۔ اس قسم کی دُعائیں گستاخی ہیں

داخل ہوتی ہیں۔ وُہ شخص نقصان اُٹھاتا ہے اور ناکام رہتا ہے جو گھبرانے والا اور قبل از وقت چاہنے والا ہو۔ اگر بیاہ کے دس دن بعد مرد و عورت یہ خواہش کریں کہ اب بچہ پیدا ہو جاوے، تو یہ کیسی حماقت ہوگی۔ اس وقت تو اسقاط کے خون اور چھیچھڑوں سے بھی بے نصیب رہے گی۔ اسی طرح جو سبزہ کو نمو نہیں دیتا وہ دانہ پڑنے کی نوبت ہی آنے نہیں دیتا۔

مَیں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ ایک بار اور شرح و بسط کے ساتھ دُعا کے مضمون پر ایک رسالہ لکھوں۔ مُسلمان دُعا سے بالکل ناواقف ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جن کو بدقسمتی سے ایسا موقعہ ملا کہ دعا کریں، مگر انھوں نے صبر اور استقلال سے چونکہ کام نہ لیا اس لیے نامراد رہ کر سیّد احمد خانی مذہب اختیار کر لیا کہ دُعا کوئی چیز نہیں۔ یہ دھوکا اور غلطی اسی لیے لگتی ہے کہ وہ حقیقتِ دُعا سے محض ناواقف ہوتے ہیں اور اس کے اثر سے بے خبر اور اپنی خیالی امیدوں کو پُورا نہ ہوتے دیکھ کر کہہ اٹھتے ہیں کہ دُعا کوئی چیز نہیں اور اس سے برگشتہ ہو جاتے ہیں۔

دُعا ربُوبیت اور عبودیت کا ایک کامل رشتہ ہے۔ اگر دُعاؤں کا اثر نہ ہوتا تو اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔[1]

---

۸ رجنوری ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

قبولیتِ دُعا ہستیٔ باری تعالیٰ کی زبردست دلیل ہے

اللہ تعالیٰ کی شناخت کی یہ زبردست دلیل اور اُس کی ہستی پر بڑی بھاری

شہادت ہے کہ محو و اثبات اُس کے ہاتھ میں ہے۔ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ۔ (الرعد: ۴۰)

دیکھو اجرام سماوی کتنے بڑے اور عظیم الشان نظر آتے ہیں اور اُن کی عظمت کو دیکھ کر ہی بعض نادان اُن کی پرستش کی طرف جُھک پڑے ہیں اور اُنھوں نے اُن میں صفاتِ الٰہیہ کو مان لیا ہے۔ جیسے ہندو یا اور دُوسرے بُت پرست یا آتش پرست وغیرہ جو سُورج کی پُوجا کرتے ہیں اور اس کو اپنا معبُود سمجھتے ہیں۔ کیا وُہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سُورج اپنے اختیار سے چڑھتا ہے یا چھپتا ہے؟ ہرگز نہیں اور اگر وُہ کہیں بھی تو وہ اس کا کیا ثبوت دے سکتے ہیں۔ وُہ ذرا سُورج کے سامنے یہ دُعا تو کریں کہ ایک دن وہ نہ چڑھے یا دوپہر کو مثلاً چھُپ جاوے تاکہ معلوم ہو کہ وُہ کوئی اختیار اور ارادہ بھی رکھتا ہے۔ اُس کا ٹھیک وقت پر طلوع اور غروب تو صاف ظاہر کرتا ہے کہ اس کا اپنا ذاتی کوئی اختیار اور ارادہ نہیں ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۵ صفحہ ۱ تا ۳ پرچہ ۱۷؍ دسمبر ۱۹۰۲ء

ارادہ کا مالک تب ہی معلوم ہوتا ہے کہ دُعا قبول ہو اور کرنے والے امر کو کرے اور نہ کرنے والے کو نہ کرے۔
غرض اگر قبولیتِ دُعا نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر بہت سے شکوک پیدا ہو سکتے تھے اور ہوئے اور حقیقت میں جو لوگ قبولیتِ دُعا کے قائل نہیں ہیں اُن کے پاس اللہ تعالیٰ کی ہستی کی کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ جو دعا اور اس کی قبولیت پر ایمان نہیں لاتا وہ جہنم میں جائے گا، وُہ خدا ہی کا قائل نہیں ہے۔
اللہ تعالیٰ کی شناخت کا یہی طریق ہے کہ اس وقت تک دُعا کرتا رہے جبتک خدا اس کے دل میں یقین نہ بھر دے اور انا الحق کی آواز اس کو نہ آجاوے۔

قبولیت دعا کے لیے صبر شرط ہے

اس میں شک نہیں کہ اس مرحلہ کو طے کرنے اور اس مقام تک پہنچنے کے لیے بہت سے مشکلات ہیں اور تکلیفیں ہیں۔ مگر ان سب کا علاج صرف صبر سے ہوتا ہے۔ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے۔ شعر ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر
آرے شود ولیک بخونِ جگر شود

یاد رکھو کوئی آدمی کبھی دُعا سے فیض نہیں اُٹھا سکتا۔ جبتک وہ صبر میں حد نہ کر دے اور استقلال کے ساتھ دُعاؤں میں نہ لگا رہے۔ اللہ تعالیٰ پر کبھی بدظنی اور بدگمانی نہ کرے۔ اُس کو تمام قدرتوں اور ارادوں کا مالک تصوّر کرے۔ یقین کرے پھر صبر کے ساتھ دعاؤں میں لگا رہے۔ وہ وقت آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ اُس کی دعاؤں کو سُن لے گا اور اُسے جواب دے گا۔ جو لوگ اس نسخہ کو استعمال کرتے ہیں، وُہ کبھی بدنصیب اور محروم نہیں ہو سکتے بلکہ یقیناً وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور طاقتیں بے شمار ہیں۔ اُس نے انسانی تکمیل کے لیے دیر تک صبر کا قانون رکھا ہے۔ پس اس کو وُہ بدلتا نہیں اور جو چاہتا ہے کہ وہ اس قانون کو اُس کے لیے بدل دے۔ وُہ گویا اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی کرتا اور بے ادبی کی جرأت کرتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بعض لوگ بے صبری سے کام لیتے ہیں اور مداری کی طرح چاہتے ہیں کہ ایکدم میں سب کام ہو جائیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ اگر کوئی بے صبری کرے تو بھلا بے صبری سے خدا تعالیٰ کا کیا بگاڑے گا۔ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ بے صبری کر کے دیکھ لے وہ کہاں جائے گا۔
مَیں اِن باتوں کو کبھی نہیں مان سکتا اور درحقیقت یہ جھوٹے قصے اور فرضی کہانیاں ہیں کہ فلاں فقیر نے پھونک مار کر یہ بنا دیا اور وُہ کر دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنت اور قرآن شریف کے خلاف ہے اس لیے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہر امر کے فیصلہ کے لیے معیار قرآن ہے۔ دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کا پیارا بیٹا یوسف علیہ السلام جب بھائیوں کی شرارت سے اُن سے الگ ہو گیا، تو آپؑ چالیس برس تک اُس کے لیے دُعائیں کرتے رہے۔

اگر وُہ جلد باز ہوتے تو کوئی نتیجہ پیدا نہ ہوتا۔ چالیس برس تک دُعاؤں میں لگے رہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان رکھا۔ آخر چالیس برس کے بعد وہ دُعائیں کھینچ کر یوسف علیہ السلام کو لے ہی آئیں۔ اس عرصہ دراز میں بعض ملامت کرنے والوں نے یہ بھی کہا کہ تو یوسف کو بے فائدہ یاد کرتا ہے۔ مگر اُنھوں نے یہی کہا کہ میں خدا سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ بیشک اُن کو کچھ خبر نہ تھی، مگر یہ کہا اِنِّي لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ (یوسف:۹۵) پہلے تو اتنا ہی معلوم تھا کہ دعاؤں کا سلسلہ لمبا ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر دعاؤں میں محروم رکھنا ہوتا، تو وہ جلد جواب دے دیتا، مگر اس سلسلہ کا لمبا ہونا قبولیت کی دلیل ہے۔ کیونکہ کریم سائل کو دیر تک بٹھا کر کبھی محروم نہیں کرتا بلکہ بخیل سے بخیل بھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ بھی سائل کو اگر زیادہ دیر تک دروازہ پر بٹھاتے، تو آخر اس کو کچھ نہ کچھ دے ہی دیتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دعاؤں کے زمانہ کی درازی پر وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ (یوسف:۸۵) قرآن میں خود دلالت کر رہی ہیں۔ غرض دعاؤں کے سلسلہ کے دراز ہونے سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہر نبی کی تکمیل بھی جُدا جُدا پیرایوں میں کرتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ کی تکمیل اللہ تعالیٰ نے اسی غم میں رکھی تھی۔

مختصر یہ کہ دُعا کا یہ اصُول ہے جو اس کو نہیں جانتا وہ خطرناک حالت میں پڑتا ہے اور جو اس اصول کو سمجھ لیتا ہے اس کا انجام اچھا اور مبارک ہوتا ہے۔

متقی کے لیے مصائب ترقی کا باعث ہوتے ہیں

اور جو لوگ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب اُن کو پکڑتا بھی ہے تو پھر جان لینے ہی کے لیے پکڑتا ہے۔ مگر مومن کے حق میں اُس کی یہ عادت نہیں ہے۔ اُن کی تکالیف کا انجام اچھا ہوتا ہے اور انجام کار متقی کے لیے ہی ہے۔ جیسے فرمایا:

اَلْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص:۸۴)

اُن کو جو تکالیف اور مصائب آتے ہیں۔ وہ بھی ان کی ترقیوں کا باعث بنتی ہیں تاکہ ان کو تجربہ ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ پھر ان کے دن پھیر دیتا ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس شخص کے شکنجہ کے دن آتے ہیں، اس پر بہائمی زندگی کا اثر نہیں رہتا۔ اس پر ایک موت مَرَد آجاتی ہے اور خداشناسی کے بعد وُہ لذتیں اور ذوق جو بہائمی سیرت میں معلوم ہوتے تھے، نہیں رہتے بلکہ اُن میں تلخی اور کدورت و کراہت پیدا ہوتی ہے اور نیکیوں کی طرف توجہ کرنا ایک معمولی عادت ہو جاتی ہے پہلے جو نیکیوں کے کرنے میں طبیعت پر گرانی اور سختی ہوتی تھی وہ نہیں رہتی۔

پس یاد رکھو کہ جب تک نفسانی جوشوں سے ملی ہوئی مرادیں ہوتی ہیں۔ اس وقت تک خدا اُن کو مصلحتاً الگ

رکھتا ہے اور جب رجوع کرتا ہے تو پھر وہ حالت نہیں رہتی۔ اس بات کو کبھی مت بھولو کہ دنیا مذہب چند گفرکار با خداوند۔ اتنا ہی کام نہیں کہ کھا پی لیا اور بہائم کی طرح زندگی بسر کر لی۔ انسان بہت بڑی ذمہ داریاں لے کر آتا ہے۔ اس لیے آخرت کی فکر کرنی چاہیے اور اُس کی تیاری ضروری ہے۔ اس تیاری میں جو تکالیف آتی ہیں وہ رنج و تکلیف کے رنگ میں نہ سمجھو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر بھیجتا ہے جن کو دونوں بہشتوں کا مزہ چکھانا چاہتا ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ (الرحمٰن: ۴۷) مصائب آتے ہیں تا کہ ان عارضی امور کو جو تکلف کے رنگ میں ہوتے ہیں نکال دے۔ مولوی رومی نے کیا اچھا کہا ہے۔

عشق اول سرکش و خونی بود
تا گریزد ہر کہ بیرونی بود

سید عبدالقادر جیلانی بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب مومن، مومن بننا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ اس پر دُکھ اور ابتلا آویں اور وہ یہاں تک آتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو قریب موت سمجھتا ہے اور پھر جب اس حالت تک پہنچ جاتا ہے تو رحمت الٰہیہ کا جوش ہوتا ہے۔ تو

قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلَامًا (الانبیاء: ۷۰)

کا حکم ہوتا ہے۔ اصل اور آخری بات یہی ہے بگزر شنیدہ ای کہ خدا داری چہ غم داری۔[1]

۹؍جنوری ۱۹۰۲ء

آیاتِ مُبین

میرے نزدیک آیاتِ مبین وہ ہوتی ہیں۔ مخالف جن کے مقابلہ سے عاجز ہو جاوے خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ جس کا مخالف مقابلہ نہ کر سکے وہ اعجاز ٹھہر جائے گا۔ جبکہ اس کی تحدی کی گئی ہو۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اقتراح کے نشانوں کو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ نبی کبھی جرأت کر کے یہ نہیں کہے گا کہ تم جو نشان مجھ سے مانگو میں وہی دکھلانے کو تیار ہوں۔ اس کے منہ سے جب نکلے گا یہی نکلے گا اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (العنکبوت: ۵۱) اور یہی اس کی صداقت کا نشان ہوتا ہے۔ کم نصیب مخالف اس قسم کی آیتوں سے یہ نتیجہ نکال لیتے ہیں کہ معجزات سے انکار کیا گیا ہے، مگر وہ آنکھوں کے اندھے ہیں۔ اُن کو معجزات کی حقیقت ہی معلوم نہیں ہوتی، اس لیے وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ اور نہ ذاتِ باری کی عزت اور جبروت کا ادب اُن کے دل پر ہوتا ہے۔ ہمارا خدا تعالیٰ پر کیا حق ہے کہ ہم جو کہیں وہ وہی کرشمے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱ ۲۰ پرچہ ۲۴؍دسمبر ۱۹۰۲ء

یہ سُوءِ ادب ہے اور ایسا خدا خدا ہی نہیں ہوسکتا۔ ہاں یہ اس کا فضل ہے کہ اُس نے ہم کو امید اور حوصلہ دلایا کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) یہ نہیں کہا کہ تم جو مانگو گے وہی دیا جاوے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب بعض اقتراحی نشانات مانگے، تو آپ نے یہی خدا کی تعلیم سے جواب دیا قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل : ۹۴) خدا کے رسُول کبھی اپنی بشریت کی حد سے نہیں بڑھتے اور وہ آدابِ الٰہی کو مدِّنظر رکھتے ہیں۔ باتیں منحصر ہیں معرفت پر۔ جس قدر معرفت بڑھی ہوئی ہوتی ہے اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت دل پر مستولی ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر معرفت انبیاء علیہم السلام ہی کی ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کی ہر بات اور ہر ادا میں بشریت کا رنگ جُدا نظر آتا ہے اور تائیداتِ الٰہیہ الگ نظر آتی ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے جب چاہتا ہے، وہ دُنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ ایسا کھُلا ہوا ہو کہ جیسے سُورج تو پھر ایمان کیا رہا اور اُس کا ثواب کیا؟ ایسی صُورت میں کون بدبخت ہوگا۔ جو انکار کرے گا۔ نشان بیّن ہوتے ہیں لیکن ان کو باریک بین دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ اور یہ دِقّتِ نظر اور معرفت سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقویٰ سے ملتی ہے شقی اور فاسق اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اُس وقت تک ایمان ہے۔ جبتک اس میں کوئی پہلو اِخفا کا بھی ہو، لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو اور کوئی بتادے کہ اس میں یہ ہے، تو اس کی فراست قابلِ تعریف ہوسکتی ہے، لیکن جب مُٹھی کھول کر دکھادی اور پھر کسی نے کہا کہ مَیں بتادیتا ہوں تو کیا ہوا۔ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے، تو البتہ اُسے تیز نظر کہیں گے، لیکن جب چودھویں کا چاند ہوگیا اس وقت کوئی کہے کہ مَیں نے چاند دیکھ لیا۔ وہ چڑھا ہوا ہے۔ تو لوگ اُسے پاگل کہیں گے۔ غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جن کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ اُن کی حد بندی کرے کہ ایسا ہونا چاہیے۔ یا ویسا ہونا چاہیے۔ اس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اِخفا کے ہوں کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اُس میں عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو۔ لیکن جب ایسی کھلی باتیں ہوں گی تو اس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آسکتا۔ چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو پس اقتراحی نشانات سے اس لیے منع کیا جاتا ہے اور رد کیا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سوءِ ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔

ایک پرانا الہام

ابتدائے جنوری ۱۹۰۲ء کو ایک عرب صاحب آئے ہوئے تھے۔ بعض لوگ ان کے متعلق مختلف رائیں رکھتے تھے۔ حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ۹ر جنوری کی شب کو اس کے متعلق الہام ہوا۔

قَدْ جَرَتْ عَادَةُ اللّٰهِ اَنَّهٗ لَا
يَنْفَعُ الْاَمْوَاتَ اِلَّا الدُّعَاءُ

اس وقت رات کے تین بجے ہوں گے۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ اس وقت پر میں نے دُعا کی تو یہ الہام ہوا، فَكَلِّمْهُ مِنْ كُلِّ بَابٍ وَلَنْ يَّنْفَعَهٗ اِلَّا هٰذَا الدَّوَاءُ (اَىِ الدُّعَاءُ)۔ اور پھر ایک اور الہام اسی عرب کے متعلق ہوا کہ فَيَتَّبِعُ الْقُرْاٰنَ اِنَّ الْقُرْاٰنَ كِتَابُ اللّٰهِ كِتَابُ الصَّادِقِ۔

چنانچہ ۹ر جنوری ۱۹۰۲ء کی صبح کو جب آپؑ سیر کو نکلے تو حضرت اقدسؑ نے عربی زبان میں ایک تقریر فرمائی۔ جس میں سلسلہ محمدیہ اور موسویہ کی مشابہت کو بتایا اور پھر سورۂ نُور کی آیت استخلاف اور سورہ تحریم سے اپنے دعاوی پر دلائل پیش کیے اور قرآن شریف اور احادیث کے مراتب بتائے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ عرب صاحب جو پہلے بڑے جوش سے بولتے تھے بالکل صاف ہو گئے اور انھوں نے صدق دل سے بیعت کی اور ایک اشتہار بھی شائع کیا اور بڑے جوش کے ساتھ اپنے ملک کی طرف بغرض تبلیغ چلے گئے۔ چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام تھا۔ ہم نے اس کی عزت وعظمت کے لحاظ سے ضروری سمجھا کہ گو پُرانا الہام ہے۔ لیکن چونکہ آج تک یہ سلسلہ اشاعت میں نہیں آیا۔ اس کو شائع کر دیا جاوے۔

٭ ٭ ٭ ٭

نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں؟

اس سوال کا جواب حضرت حجۃ اللہ علیہ السلام نے ایک بار اپنی ایک مختصر سی تقریر میں دیا ہے۔ فرمایا:

"نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں۔ جس کے اعمال بجائے خود خوارق کے درجہ تک پہنچ جائیں مثلاً ایک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرتا ہے۔ وہ ایسی وفاداری کرے کہ اُس کی وفا خارق عادت ہو جاوے۔ اُس کی محبت اسکی عبادت خارق عادت ہو۔ ہر شخص ایثار کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے، لیکن اس کا ایثار خارق عادت ہو۔ غرض اُس کے اخلاق۔ عبادات اور سب تعلقات جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے اپنے اندر ایک خارق عادت نمونہ پیدا کریں۔ تو چونکہ خارق عادت کا جواب خارق عادت ہوتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر نشانات ظاہر کرنے لگتا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ اس سے نشانات کا صدور ہو تو اس کو چاہیے کہ اپنے اعمال کو اس درجہ تک پہنچائے کہ ان میں خارق عادت نتائج کے جذب کی قوت پیدا ہونے لگے۔

انبیاء علیہم السلام میں یہی ایک نرالی بات ہوتی ہے کہ ان کا تعلق اندرونی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا شدید ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا ہرگز نہیں ہوتا۔ اُن کی عبودیت ایسا رشتہ دکھاتی ہے کہ کسی اور کی عبودیت نہیں دکھا سکتی۔ پس اس کے مقابلہ میں ربوبیت اپنی تجلی اور اظہار بھی اسی حیثیت اور رنگ کا کرتی ہے۔

عبودیت کی مثال عورت کی سی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حیا اور شرم کے ساتھ رہتی ہے اور جب مرد بیاہنے جاتا ہے۔ تو وُہ علانیہ جاتا ہے۔ اسی طرح پر عبودیت پردہ خفا میں ہوتی ہے۔ لیکن الوہیت جب اپنی تجلی کرتی ہے تو پھر وہ ایک بیّن امر ہو جاتا ہے اور ان تعلقات کا جو ایک سچے مومن اور عبد اور اس کے رب میں ہوتے ہیں، خارق عادت نشانات کے ذریعہ ظہور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا یہی راز ہے اور چونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کل انبیاء علیہم السلام سے بڑھے ہوتے تھے۔ اس لیے آپؐ کے معجزات ہی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔[1]

۱۵؍جنوری ۱۹۰۲ء (شب)

طاعُون اور لوگوں کی حالت

طاعُون کی خبریں سُن کر فرمایا:

"یہ خدا کی طرف سے کس قدر تنبیہ ہے اگر اب بھی دل بیدار نہ ہوں اور اب بھی خدا سے صلح کا عہد باندھنے کے لیے مُستعد نہ ہوں تو کیسی بدقسمتی ہے۔ افسوس ہے کہ لوگ اب بھی خدا تعالیٰ کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور فسق و فجور اور شوخیوں سے باز نہیں آتے۔ اگر کسی کے اولاد اور عزیزوں پر آفت آجاوے، تو ساری باتیں رہ جائیں۔ پھر کس شیخی اور بھروسہ پر انسان خدا سے اس قدر سرکشی کرتا ہے؟ وُہ اُس کی حکومت سے کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتا۔ جب یہ حال ہے تو سب سے بہتر اور محفوظ طریق عذاب الٰہی سے بچنے کا تو خود اُس کی ہی پناہ میں آنا ہے۔ وُہ احمق ہے جو خدا کے حدُود کو توڑ کر نکلتا ہے اس لیے کہ امان پاوے وہ مصیبت کو بلاتا ہے اور عذاب کو جذب کرتا ہے۔ اب وقت ہے کہ مُسلمان اپنے ایمان اور توبہ کی تجدید کریں۔ یہ وقت آیا ہے کہ خدا اپنا وجود دکھانا چاہتا ہے اور اپنی ہستی کو منوانا چاہتا ہے۔

ایمان باللہ کے تین ذرائع

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کو مستحکم اور مضبوط کرنے کی تین صُورتیں ہیں اور خدا تعالیٰ نے وُہ تینوں ہی سُورۃ فاتحہ میں بیان کر دی ہیں:

اوّل۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حُسن کو دکھایا ہے جبکہ جمیع محامد کے ساتھ اپنے آپ کو مُتّصف کیا ہے۔ یہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۳ ، ۴ پرچہ ۲۱؍مارچ ۱۹۰۲ء

قاعدہ کی بات ہے کہ خوبی بجائے خود دل کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ خوبی میں ایک مقناطیسی جذب ہے جو دلوں کو کھینچتی ہے جیسے موتی کی آب، گھوڑے کی خوبصورتی، لباس کی چمک دمک، غرض یہ حُسن پھولوں۔ پتوں، پتھروں حیوانات۔ نباتات۔ جمادات کسی چیز میں ہو اس کا خاصہ ہے کہ بے اختیار دل کو کھینچتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے پہلا مرحلہ اپنی خدائی منوانے کا حُسن کا رکھا ہے جب اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فرمایا۔ کہ جمیع اقسام حمد و ستائش اسی کے لیے سزاوار ہیں۔

پھر دُوسرا درجہ احسان کا ہوتا ہے۔ انسان جیسے حُسن پر مائل ہوتا ہے، ویسے ہی احسان پر بھی مائل ہوتا ہے۔ اس لیے پھر اللہ تعالیٰ نے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ۔ اَلرَّحِیْمِ۔ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ صفات کو بیان کر کے اپنے احسان کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن اگر انسان کا مادہ ایسا ہی خراب ہو اور وہ حُسن اور احسان سے بھی سمجھ نہ سکے تو پھر تیسرا ذریعہ سورۃ فاتحہ میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کہہ کر تنبیہ کیا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے لوگ تو حُسن سے فائدہ اٹھاتے اور جو اُن سے کم درجہ پر ہوں وہ احسان سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ لیکن جو ایسے ہی پلید طبع ہوں اُن کو اپنے جلال اور غضب سے متوجہ کیا ہے۔ یہودیوں کو مغضوب کہا ہے اور ان پر طاعون ہی پڑی تھی۔ خدا تعالیٰ نے سُورۃ فاتحہ میں یہودیوں کی راہ اختیار کرنے سے منع فرمایا۔ یا یوں کہو کہ طاعون کے عذاب شدید سے ڈرایا ہے۔ شیطان بیباک انسان پر ایسا سوار ہے کہ وُہ سن لیتے ہیں، مگر عمل نہیں کرتے۔ اصل یہ ہے کہ جذبات اور شہوات پر ایک موت وارد ہو کر اُنہیں بالکل سرد نہ کر دے۔ خدا تعالیٰ پر ایمان لانا مشکل ہے۔ اب تو غضب الٰہی کے نمونے خطرناک ہیں۔ ابھی تین مہینے باقی ہیں خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔

مخالفین کے لیے لمحہ فکریہ

مخالفوں کی خطرناک فحش تحریروں پر فرمایا:

کہ ہمارے اور اُن کے دل اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ خدا تعالیٰ نیتوں کو خوب جانتا ہے اور ان افعال کو جو ہم کر رہے ہیں دیکھتا ہے۔ وہ خود فیصلہ کر دیگا اور سچائی پر اپنی مُہر کر دے گا۔ ہم کو تو یہ تعجب آتا ہے کہ اگر یہ لوگ تقویٰ اور خدا ترسی سے کام لیتے تو خوف کے محل اور مقام سے ڈر جاتے اور مخالفت میں اس قدر زبان درازی نہ کرتے۔ وہ دیکھتے کہ کیا وہ وقت نہیں آیا کہ مسیح موعود نازل ہو؟ کیا صلیب کا غلبہ نہیں؟ کیا اسلام کی توہین اور تضحیک نہیں کی جاتی؟ وہ دیکھتے کہ صدی میں سے اُنیس[1] سال گذر گئے اور کوئی مدعی کھڑا نہ ہوا، جو درماندہ اسلام کی حمایت کے لیے میدان میں آتا۔

پھر ضرورت اور وقت ہی پر اپنی نگاہ محدود نہ کرتے اگر وہ غور کرتے تو اُن کو معلوم ہوتا کہ آسمان نے

صاف شہادت دیدی اور کسوف خسوف ظاہر ہوگیا جو عظیم الشان نشان مقرر ہو چکا تھا۔ تائیدی نشانوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے وُہ اُسے دیکھتے اور سلسلہ کی ترقیات پر غور کرتے اور سوچتے کہ کیا مُفتری اسی طرح ترقی کیا کرتے ہیں ؟

ان سب اُمور پر یکجائی نظر کے بعد تقویٰ کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس قدر بیّن شواہد ہوتے ہوئے بھی اگر ان کی نگاہ تاریک تھی، تو وہ خاموش ہو جاتے اور صبر سے انتظار کرتے کہ انجام کیا ہوتا ہے۔ مگر یہاں تو شورِ عظیم میری مخالفت میں برپا کیا گیا اور گندی گالیاں دی گئیں جن کی نظیر پہلے مخالفوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔

حجج الکرامہ میں نواب صدیق حسن خان نے لکھا ہے کہ آیات پوری ہوگئی ہیں اور پھر اپنی اولاد کو سلام کی وصیت کرتا ہے۔ مگر مَیں کہتا ہوں کہ اگر وُہ زندہ ہوتے تو خود بھی ان مخالفت کرنے والوں ہی کے ہمراہ ہوتے۔ یہ لوگ کب ماننے والے ہوتے ہیں جبتک وہی نظارہ آنکھوں سے نہ دیکھ لیں جو خیالی طور پر دل میں فرض کر رکھا ہے۔ یہ لوگ جو کچھ ان سے بَن پڑتا ہے میری مخالفت میں کریں مجھے ذرا بھی پرواہ نہیں کیونکہ یہ میرا مقابلہ نہیں۔ یہ تو خدا سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اگر میری اپنی مرضی پر ہوتا۔ تو مَیں تخلیہ کو بہت پسند کرتا تھا۔ مگر مَیں کیا کرسکتا تھا جبکہ خدا تعالیٰ نے ہی ایسا پسند کیا۔ یہ مقابلہ کریں۔ مگر دیکھ لیں گے کہ خدا کے ساتھ کوئی جنگ نہیں کرسکتا۔ وُہ ایک طرفۃ العین میں سالہا سال کی کارروائی کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔ اس لیے ہمیں خوشی ہے کہ ان کی مخالفت سے ذرا بھی رنج نہیں ہوتا، کیونکہ ہمارا خدا ایسا خدا ہے جو ساری خوبیوں سے متصف ہے جیسا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں ہم کو پہلے ہی بتایا گیا ہے۔ پھر خداداری چہ غم داری ہمیں ان کی مخالفت کا کیا فکر ؟

ہم کیوں بے حوصلہ ہوں ؟ کیا معلوم ہے کہ اُس نے اِس مخالفت کے طوفان کے انجام میں کیا مقدر رکھا ہے ؟؟؟ یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ (ابراہیم: ۱۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انبیاء اور رسُل آتے ہیں وہ ایک وقت تک صبر کرتے ہیں اور مخالفوں کی مخالفت جب انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو ایک وقت توجہ تام سے اقبال علی اللہ کرکے فیصلہ چاہتے ہیں اور پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ۔ اِسْتَفْتَحُوْا سنت اللہ کو بیان کرتا ہے کہ وہ اس وقت فیصلہ چاہتے ہیں اور اس فیصلہ چاہنے کی خواہش ان میں پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب گویا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے۔ پس ہم اپنے مخالفوں کی مخالفت کی کیا پرواہ کریں۔ یہ مخالفت تو بیت پر توبت اپنے فرض منصبی کو سرانجام دیتے ہیں۔ ابتدا ان کی ہوتی ہے اور انجام متقیوں کا۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ (الاعراف: ۱۲۹)[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۹ صفحہ ۵ - ۶ پرچہ ۱۰ مارچ ۱۹۰۲ء

۱۵؍جنوری ۱۹۰۴ء

عصمت اور شفاعت

(ایڈیٹر کے اپنے الفاظ میں)

فرمایا:

"تعجب ہے کہ عیسائی لوگ شفاعت کے لیے عصمت کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں، کیونکہ ان کے ہاں نِری عصمت شفاعت کا موجب نہیں ہو سکتی بلکہ شفاعت تب ہو سکتی ہے جبکہ شفیع معصوم ہو اور پھر وہ ابن اللہ ہو اور پھر صلیب پر لٹکایا جا کر ملعون ہو۔ جبتک یہ تثلیث عیسائی مذہب کے عقیدہ کے موافق قائم نہ ہو۔ شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر وُہ عصمت عصمت ہی کیوں پکارتے ہیں۔ کیا اگر کوئی معصوم اُن کے سامنے پیش کیا جاوے یا ثابت کر دیا جاوے تو وُہ مان لیں گے کہ وہ شفیع ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عیسائی عقیدہ کے موافق یہ ضروری ہے کہ وہ خدا بھی نہ ہو بلکہ ابن اللہ ہو اور وہ مصلوب ہو کر جب تک ملعون نہ ہووے۔ ہرگز ہرگز وہ شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک اور بات قابلِ غور ہے کہ جبکہ یسوعؑ خود خدا تھا اور اس لیے علۃ العلل تھا اور اس نے کل جہان کے گناہ بھی اپنے ذمے لیے پھر وہ معصُوم کیونکر ہوا اور گناہوں کا تذکرہ ہم چھوڑتے ہیں جو یہودی مورخوں اور دیگر مفکروں (آزاد خیال) نے ان کی انجیل سے ثابت کیے ہیں، لیکن جب اس نے خود گناہ اُٹھا لیے اور بوجہ علت العلل ہونے کے سارے گناہوں کا کرانے والا وہی ٹھہرا، تو پھر اسے معصُوم قرار دینا عجیب دانشمندی ہے۔ پھر خدا کا نام معصُوم نہیں۔ کیونکہ معصوم وُہ ہے جس کا کوئی دوسرا عاصم ہو۔ خدا کا نام عاصم ہے۔ اس لیے جب شفاعت کے لیے ابنیت کی ضرورت ہے اور اُس کے لیے بھی مصلُوبیت کی لعنت ضروری ہے تو یہ سارا تانا بانا ہی بنائے فاسد بر فاسد کا مصداق ہے۔

حقیقی اور سچی بات یہ ہے جو میں نے پہلے بھی بیان کی تھی کہ شفیع کے لیے ضروری ہے کہ اوّل خدا تعالیٰ سے تعلق کامل ہو۔ تاکہ وہ خدا سے فیض کو حاصل کرے اور پھر مخلوق سے شدید تعلق ہو تاکہ وُہ فیض اور خیر جو وہ خدا سے حاصل کرتا ہے مخلوق کو پہنچا وے۔ جبتک یہ دونوں تعلق شدید نہ ہوں شفیع نہیں ہو سکتا۔ پھر اسی مسئلہ پر تیسری بحث قابلِ غور یہ ہے کہ جب تک نمونے نہ دیکھے جائیں کوئی مفید نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اور ساری بحثیں فرضی ہیں۔ مسیح کے نمونہ کو دیکھ لو کہ چند حواریوں کو بھی دُرست نہ کر سکے۔ ہمیشہ اُن کو سُست اعتقاد کہتے رہے بلکہ بعض کو شیطان بھی کہا اور انجیل کی رُو سے کوئی نمونہ کامل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بالمقابل ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامل نمونہ ہیں کہ کیسے رُوحانی اور جسمانی طور پر انھوں نے عذابِ الیم سے چھڑایا اور

گناہ کی زندگی سے اُن کو نکالا کہ عالم ہی پلٹ دیا۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ کی شفاعت سے بھی فائدہ پہنچا۔ عیسائی جو مسیح کو مثیل موسیٰ قرار دیتے ہیں تو یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ موسیٰ کی طرح اُنھوں نے گناہ سے قوم کو بچایا ہو۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کے بعد قوم کی حالت بہت ہی بگڑ گئی۔ اور اب بھی اگر کسی کو شک ہو تو لنڈن یا یُورپ کے دوسرے شہروں میں جاکر دیکھ لے کہ آیا گناہ سے چھڑا دیا ہے یا پھنسا دیا ہے اور یُوں کہنے کو تو ایک چوہڑا بھی کہہ سکتا ہے کہ بالمیک نے چھڑایا بگریہ..... نِرے دعوے ہی دعوے ہیں جن کے ساتھ کوئی واضح ثبوت نہیں ہے۔ پس عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح چھوڑانے کے لیے آیا تھا۔ ایک خیالی بات ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کے بعد قوم کی حالت بہت بگڑ گئی اور رُوحانیت سے بالکل دُور جا پڑی۔

ہاں سچا شفیع اور کامل شفیع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جنھوں نے قوم کو بُت پرستی اور ہر قسم کے فسق و فجور کی گندگیوں اور ناپاکیوں سے نکال کر اعلیٰ درجہ کی قوم بنا دیا اور پھر اس کا ثبوت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں آپ کی پاکیزگی اور صداقت کے ثبوت کے لیے اللہ تعالیٰ نمونہ بھیج دیتا ہے اس کے بعد استغفار کا مسئلہ بھی قابل غور ہے۔ عیسائیوں نے اپنی جہالت اور نادانی سے اس پاک اصول پر بھی نکتہ چینی کی ہے، حالانکہ یہ انسان کی طبعی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے قرآن شریف نے دو نام پیش کئے ہیں۔ اَلْحَیّ اور اَلْقَیُّوْم۔ الحیّ کے معنی ہیں خود زندہ اور دُوسروں کو زندگی عطا کرنے والا۔ القیوم خود قائم اور دُوسروں کے قیام کا اصلی باعث۔ ہر ایک چیز کا ظاہری باطنی قیام اور زندگی انہیں دونوں صفات کے طفیل سے ہے۔ پس حیّ کا لفظ چاہتا ہے کہ اس کی عبادت کی جاوے جیسا کہ اس کا مظہر سُورۃ فاتحہ میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ ہے اور اَلقیوم چاہتا ہے کہ اس سے سہارا طلب کیا جاوے۔ اس کو اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔

حیّ کا لفظ عبادت کو اس لیے چاہتا ہے کہ اس نے پیدا کیا ہے اور پھر پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا۔ جیسے مثلاً معمار جس نے عمارت کو بنایا ہے اُس کے مر جانے سے عمارت کا کوئی حرج نہیں ہے، مگر انسان کو خدا کی ضرورت ہر حال میں لاحق رہتی ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ خدا سے طاقت طلب کرتے رہیں اور یہی استغفار ہے۔ اصل حقیقت تو استغفار کی یہ ہے۔ پھر اس کو وسیع کر کے اُن لوگوں کے لیے کیا گیا کہ جو گناہ کرتے ہیں کہ اُن کے بُرے نتائج سے محفوظ رکھا جاوے، لیکن اصل یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں سے بچایا جاوے۔ پس جو شخص انسان ہو کر استغفار کی ضرورت نہیں سمجھتا وہ بے ادب دہریہ ہے۔[۱]

۱؎ الحکم جلد ۶ نمبر ۱۰ صفحہ ۴ - ۵ پرچہ ۱۷ مارچ ۱۹۰۲ء

۱۵؍جنوری ۱۹۰۲ء

مخالفانہ تحریروں کا جواب

مخالف جو گالیاں دیتے ہیں اور گندے اور ناپاک اشتہار شائع کرتے ہیں۔ ہم کو اُن کا جواب گالیوں سے کبھی دینا نہیں چاہیے۔ ہم کو سخت زبانی کی ضرورت نہیں، کیونکہ سخت زبانی سے برکت جاتی رہتی ہے، اس لیے ہم نہیں چاہتے کہ اپنی برکت کو کم کریں۔ اُن کو تو مخاطب کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ لوگ بجائے خود واجب الرحم ہیں۔ ہاں فضول باتوں کو نکال کر اگر کسی معقول اعتراض کا جواب عوام کو دھوکہ سے بچانے کے لیے دیا جاوے تو نامناسب نہیں۔ اگر ہم اِن کے مقابل پر سخت زبانی کا استعمال کریں۔ تو یہ تو اپنے مرتبہ کا بھی تنزل ہے۔ اگر کبھی کوئی سخت لفظ استعمال کیا گیا ہے تو وہ حق کی لازمی مرارت ہے جو دوا کے طور پر ہے جس کی نظیر انجیل اور نبیوں کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ رِیس اور تقلید کرنا انبیاء کا کام نہیں۔ نام تو وہی ہوتا ہے جو آسمان پر رکھا جاتا ہے۔ کسی کے ظالم۔ کافر کہنے سے کیا بنتا ہے۔ زمینی ناموں کا آخر خاتمہ ہو جاتا ہے اور آسمانی نام ہی رہ جاتے ہیں پس دُنیا کے کیڑوں کے ناموں کی کیا پروا؟ اُس نام کی قدر کرو جو آسمان پر نیک لکھا جاوے۔

مسیح کے دو زرد چادروں میں نزول

زرد چادروں سے مُراد اگر یہی ہو جو ہمارے مخالف بیان کرتے ہیں تو پھر عام ہندو جوگیوں اور مسیح میں مابہ الامتیاز کیا ہوگا۔ اصل میں خدا کی چادر اپنے الگ معنی رکھتی ہے اور وُہ وہی ہیں جو خدا تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہوتے ہیں کہ دُو زرد چادروں سے مُراد دُو بیماریاں ہیں جو مجھے لاحقِ حال ہیں۔

آدابِ تبلیغ

دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ عوام۔ متوسط درجے کے۔ اُمراء۔ عوام عموماً کم فہم ہوتے ہیں۔ اُن کی سمجھ موٹی ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کو سمجھانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ اُمراء کے لیے سمجھانا بھی مشکل ہوتا ہے، کیونکہ وہ نازک مزاج ہوتے ہیں اور جلد گھبرا جاتے ہیں اور اُنکا تکبّر اور تعلّی اور بھی سدِّ راہ ہوتی ہے۔ اس لیے اُن کے ساتھ گفتگو کرنے والے کو چاہیے کہ وُہ اُن کے طرز کے موافق اُن سے کلام کرے یعنی مختصر مگر پُورے مطلب کو ادا کرنے والی تقریر ہو۔ قَلَّ وَدَلَّ مگر عوام کو تبلیغ کرنے کے لیے تقریر بہت ہی صاف اور عام فہم ہونی چاہیے۔ رہے اوسط درجہ کے لوگ۔ زیادہ تر یہ گروہ اس قابل ہوتا ہے کہ ان کو تبلیغ کی جاوے۔ وُہ بات کو سمجھ سکتے ہیں اور اُن کے مزاج میں وہ تعلّی اور تکبّر اور نزاکت بھی نہیں

ہوتی جو اُمراء کے مزاج میں ہوتی ہے۔ اس لیے ان کو سمجھانا بہت مشکل نہیں ہوتا۔

بعثت انبیاء پر لوگ کس طرح ہدایت پاتے ہیں

جب انبیاء علیہم السلام مامور ہو کر دُنیا میں آتے ہیں تو لوگ تین ذریعوں سے ہدایت پاتے ہیں۔

یہ اس لیے کہ تین ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ظالم۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات۔

اوّل درجے کے لوگ تو سابق بالخیرات ہوتے ہیں جنکو دلائل اور معجزات کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ وہ ایسے صاف دل اور سعید ہوتے ہیں کہ مامور کے چہرہ ہی کو دیکھ کر اس کی صداقت کے قائل ہو جاتے ہیں اور اُس کے دعویٰ کو ہی سُن کر اس کو بہ رنگ دلیل سمجھ لیتے ہیں۔ اُن کی عقل ایسی لطیف واقع ہوئی ہوتی ہے کہ وُہ انبیاء کی ظاہری صُورت اور اُن کی باتوں کو سُن کر قبول کر لیتے ہیں۔

دُوسرے درجہ کے لوگ مقتصدین کہلاتے ہیں جو ہوتے تو سعید ہیں، مگر اُن کو دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور وُہ شہادت سے مانتے ہیں۔

تیسرے درجہ کے لوگ جو ظالمین ہیں ان کی طبیعت اور فطرت کچھ ایسی وضع پر واقع ہوتی ہے کہ وُہ بجز مار کھانے اور سختی کے مانتے ہی نہیں۔

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام جبر سے پھیلا ہے وہ تو بالکل جھوٹے ہیں، کیونکہ اسلامی جنگیں دفاعی اصول پر تھیں، مگر ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے قانون میں یہ بات رکھی ہوئی ہے کہ تیسرے درجہ کے لوگوں یعنے ظالمین کے لیے ایک طریق رکھا ہوا ہے جو بظاہر جبر کہلاتا ہے اور ہر نبی کے وقت میں عوام کی ہدایت جبر کے کسی نہ کسی پیرایہ میں ہوئی ہے، کیونکہ دُوربین سے دیکھنے والے کا مقابلہ مجرد آنکھ سے دیکھنے والا نہیں کر سکتا۔ جب استعدادیں مختلف ہیں تو پھر سب کے لیے ایک ہی ذریعہ کیونکر مفید ہو سکتا ہے۔

بڑے مقبول اور مقرب اور رسالت کی سچی خلافت حاصل کرنے والے وہی ہوتے ہیں۔ جو سابق بالخیرات ہوتے ہیں۔ اُن کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سی ہے کہ آپؓ نے کوئی معجزہ اور نشان طلب نہیں کیا۔ سُنتے ہی ایمان لے آئے۔

اور حقیقت میں یہ ہے بھی سچ اس لیے کہ جس شخص کو مامور کی اخلاقی حالت کی واقفیت ہو اس کو معجزہ اور نشان کی ہرگز ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد دلایا کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ (یونس : ۱۷) سابقین کو تو یہ صورت پیش آتی ہے کہ وہ اپنی فراست صحیحہ سے ہی تاڑ جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو بہت سے لوگ آپؐ کو دیکھنے آئے۔ ایک یہودی

بھی آیا اور اس سے جب لوگوں نے پُوچھا تو اُس نے یہی کہا کہ یہ مُنہ تو جھُوٹوں کا نہیں ہے اور مقتصد لوگ وہ ہوتے ہیں جو دلائل اور معجزات کے محتاج ہوتے ہیں اور تیسری قسم ظالمین کی ہے جو سختی سے مانتے ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کبھی طاعون سے اور کبھی زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور دُوسروں کے لیے عبرت گاہ بنے یہ ایک قسم کا جبر ہے جو اس تیسری قسم کے لیے خدا تعالیٰ نے رکھا ہوا ہے اور سلسلہ نبوت میں یہ لازمی طور پر پایا جاتا ہے۔

مامُور من اللہ شفیع ہوتا ہے

مامُور من اللہ کی دعاؤں کا کُل جہان پر اثر ہوتا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا ایک باریک قانون ہے جس کو ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا۔ جن لوگوں نے شفیع کے مسئلہ سے انکار کیا ہے انھوں نے سخت غلطی کھائی ہے۔ شفیع کو قانونِ قدرت چاہتا ہے۔ اُس کا ایک تعلق شدید خدا تعالیٰ سے ہوتا ہے اور دُوسرا مخلوق سے۔ مخلوق کی ہمدردی اس میں اس قدر ہوتی ہے کہ یُوں کہنا چاہیے کہ اُس کے قلب کی بناوٹ ہی ایسی ہوتی ہے کہ وُہ ہمدردی کے لیے جلد متاثر ہو جاتا ہے اس لیے وُہ خدا سے لیتا ہے اور اپنی عقد ہمت اور توجہ سے مخلوق کو پہنچاتا ہے اور اپنا اثر اُس پر ڈالتا ہے۔ اور یہی شفاعت ہے۔

انسان کی دُعا اور توجہ کے ساتھ مصیبت کا رفع ہونا یا معصیت اور ذنوب کا کم ہونا یہ سب شفاعت کے نیچے ہے۔ توجہ سب پر اثر کرتی ہے خواہ مامُور کو اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کا نام بھی یاد ہو نہ ہو۔[1]

۱۵ر جنوری ۱۹۰۲ء (بقیہ تقریر)

مامُور کی صُحبت

شریعت کی کتابیں حقائق اور معارف کا ذخیرہ ہوتی ہیں۔ لیکن حقائق اور معارف پر کبھی پُوری اطلاع نہیں مل سکتی جبتک صادق کی صُحبت اخلاص اور صدق سے اختیار نہ کی جاوے۔ اسی لیے قرآن شریف فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبۃ:۱۱۹) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اتقاء کے مدارج کامل طور پر کبھی حاصل نہیں ہو سکتے جبتک صادق کی معیت اور صحبت نہ ہو، کیونکہ اس کی صحبت میں رہ کر وُہ اس کے انفاسِ طیّبہ عقد ہمت اور توجہ سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۱ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۲۴ر مارچ ۱۹۰۲ء

قبول ہونے والی دُعا کا راز

دُعا جب قبول ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دل میں ایک جوش اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور بسا اوقات اللہ تعالیٰ خود ہی ایک دُعا سکھاتا ہے اور الہامی طور پر اُس کا پیرایہ بتا دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ. (البقرہ: ۳۸) اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو قبول ہونے والی دُعائیں خود الہاماً سکھا دیتا ہے۔

بعض اوقات ایسی دُعا میں ایسا حصّہ بھی ہوتا ہے جس کو دُعا کرنے والا ناپسند کرتا ہے، مگر وُہ قبول ہو جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس آیت کے مصداق ہے۔ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (البقرہ: ۲۱۷)

مامُور من اللہ کی سچی ہمدردی

مامُور من اللہ جب آتا ہے تو اس کی فطرت میں سچی ہمدردی رکھی جاتی ہے اور یہ ہمدردی عوام سے بھی ہوتی ہے اور جماعت سے بھی۔ اِس ہمدردی میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس لیے کہ آپؐ کُل دنیا کے لیے مامُور ہو کر آئے تھے اور آپؐ سے پہلے جس قدر نبی آتے وہ مختص القوم اور مختص الزمان کے طور پر تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل دُنیا اور ہمیشہ کے لیے نبی تھے، اس لیے آپؐ کی ہمدردی بھی کامل ہمدردی تھی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (الشعراء: ۴) اس کے ایک تو یہ معنے ہیں کہ کیا تُو ان کے مومن نہ ہونے کی فکر میں اپنی جان دے دیگا۔ اِس آیت سے اس درد اور فکر کا پتہ لگ سکتا ہے جو آپؐ کو دُنیا کی تباہ حالت دیکھ کر ہوتا تھا کہ وہ مومن بن جاوے۔ یہ تو آپؐ کی عام ہمدردی کے لیے ہے اور یہ معنے بھی اِس آیت کے ہیں کہ مومن کو مومن بنانے کی فکر میں تو اپنی جان دے دیگا۔ یعنی ایمان کو کامل بنانے میں۔

اِسی لیے دُوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (النساء: ۱۳۷) بظاہر تو یہ تحصیل حاصل معلوم ہوتی ہوگی، لیکن جب حقیقتِ حال پر غور کی جاوے، تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ کئی مراتب ہوتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ تکمیل چاہتا ہے۔

غرض مامُور کی ہمدردی مخلوق کے ساتھ اس درجہ کی ہوتی ہے کہ وُہ بہت جلد اُس سے متاثر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے مامُوروں کے درمیان دو قسم کے تعلقات ہوتے ہیں۔ مامُور تو اللہ تعالیٰ کا رسُول ہوتا ہی ہے لیکن بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ بھی مامُور کا رسُول ہو جاتا ہے۔ یہ ایک باریک بھید ہے جس کو ہر شخص جلدی نہیں سمجھ سکتا۔ یہ صُورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب مامور اپنی جماعت کو اپنی منشاء کے موافق نہیں دیکھتا تو اس کے دل میں ایک درد پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایک ٹھوکر لگتی ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ تمثیلی طور پر بعض افراد کو اُن کے عیوب اُن پر ظاہر کر دیتا ہے اور کبھی اس فعل کا علم مامُور اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والے

انسان دونوں کو ہوتا ہے اور کبھی ایک ہی کو۔

(ہم اس عقدہ کو حل کرنے کے لیے ذرا مثال کے طور پر سمجھا دیتے ہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوں گے بلکہ قریباً ہر ایک شخص پر اس قسم کے واقعات گزرے ہوں گے کہ جب کبھی وہ کسی گناہ کی حالت میں گرفتار ہونے کو ہوا ہے تو رؤیا میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس نے زیارت کی اور اس گناہ کی حالت سے بچ گیا۔ اس قسم کے تمثلات وہ ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ مامور کا رسول ہو کر اپنا فیض پہنچاتا ہے[1])

بغیر تاریخ کے ۱۹۰۲ء

قضا اور دعا

قدر اور جبر پر بڑی بڑی بحثیں ہوئی ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ لوگ اس پر کیوں بحث کرتے ہیں۔ میرا مذہب یہ ہے کہ قرونِ ثلاثہ کے بعد ہی اس قسم کی بحثوں کی بنیاد پڑی ہے؛ ورنہ انسانیت یہ چاہتی تھی کہ ان پر توجہ نہ کی جاوے۔ جب روحانیت کم ہو گئی تو اس قسم کی بحثوں کا بھی آغاز ہو گیا۔

جس شخص کا یہ ایمان نہ ہو کہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسٓ : ۸۳) میں سچ سچ کہتا ہوں کہ اس نے خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور ایسا ہی اس شخص نے بھی شناخت نہیں کیا جو اس کو علیم بذات الصدور اور حی و قیوم کہ دوسروں کی حیات و قیام اسی سے ہے اور وہ مدبر بالارادہ ہے مدبر بالطبع نہیں مانتا جو فلاسفروں کا عقیدہ ہے۔ غرض ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ بات قریب بہ کفر ہو جاتی ہے۔ اگر یہ تسلیم کریں کہ کوئی حرکت یا سکون یا ظلمت یا نور بدوں خدا کے ارادے کے ہو جاتا ہے اس پر ثبوت اوّل قانونِ قدرت ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں، دو کان ایک ناک دیئے ہیں۔ اتنے ہی اعضاء لے کر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح عمر ہے اور بہت سے امور ہیں جو ایک دائرہ کے اندر محدود ہیں بعض کے اولاد نہیں ہوتی۔ بعض کے لڑکے یا لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ غرض یہ امور خدا تعالیٰ کے قدیر ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔

پس ہمارا مذہب یہ ہے کہ خدا کی الوہیت اور ربوبیت ذرہ ذرہ پر محیط ہے؛ اگرچہ احادیث میں آیا ہے کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۷، پرچہ ۳۱ مارچ ۱۹۰۲ء

بدی شیطان یا نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ بدی جس کو بدی سمجھا جاوے، مگر بعض بدیاں ایسی ہیں کہ اُن کے اسرار اور حکم اور مفہوم سے ہم آگاہ نہیں ہیں۔ جیسے آدم کا دانہ کھانا۔ غرض ہزارہا اسرار ہیں جو مستحدثات کا رنگ دکھانے کے لیے کر رکھے ہیں۔ قرآن شریف میں ہے۔ مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (آل عمران: ۱۴۶) تموت میں رُوحانی اور جسمانی دونوں باتیں رکھی ہوئی ہیں۔ ایسے ہی ہدایت اور ضلالت خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ لغو ہو جاتا ہے۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کوئی ایسی فہرست پیش کرو جس میں لکھا ہو کہ فلاں شقی ہے۔

انبیاء علیہم السلام جب دعوت کرتے تو اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی اثر مترتب ہوتا ہے۔ اور ایسا ہی دُعا کے ساتھ بھی۔ اللہ تعالیٰ قضا و قدر کو بدل دیتا ہے اور قبل از وقت اِس تبدیلی کی اطلاع بھی دیدیتا ہے۔ اس وقت ہی دیکھو کہ جو رجوع لوگوں کا اس سلسلہ کی طرف اب ہے۔ براہین احمدیہ کے زمانہ میں کب تھا۔ اس وقت کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

مَیں نے خود عیسائیوں کی کتابیں پڑھی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ایک طرفۃ العین کے لیے بھی عیسائی مذہب کی سچائی کا خیال میرے دل میں نہیں گزرا۔ وہ قرآن شریف کی اس تعلیم پر کہ خدا کے ہاتھ میں ضلالت اور ہدایت ہے اعتراض کرتے ہیں، لیکن اپنی کتابوں کو نہیں پڑھتے۔ جن میں لکھا ہے کہ شریر جہنم کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یا مثلاً یہ لکھا ہے کہ فرعون کا دل سخت ہونے دیا۔ اگر لفظوں پر ہی اعتراض کرنا ہو تو عیسائی ہمیں بتائیں اس کا کیا جواب دیتے ہیں؟

بددیانت آدمی سے تو مرے ہوئے کُتّے سے بھی زیادہ بدبُو آتی ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ان پادریوں کا اسلام پر ایسا اعتراض نہیں ہے جو توریت اور انجیل کے ورق ورق پر صاف صاف نہ آتا ہو۔ ایسا ہی رگ وید اور فارسیوں اور ستانیوں کی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔

قرآن شریف نے اِن امور کو جن سے احمق معترضوں نے جبر کی تعلیم نکالی ہے۔ محض اس عظیم الشان اصول کو قائم کرنے کے لیے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور ہر ایک امر کا مبدء اور مرجع وہی ہے وہی علت العلل اور مسبّب الاسباب ہے۔ یہ غرض ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بعض درمیانی وسائط اٹھا کر اپنے علت العلل ہونے کا ذکر فرمایا ہے؛ ورنہ قرآن شریف کو پڑھو اس میں بڑی صراحت کے ساتھ اُن اسباب کو بھی بیان فرمایا جس کی وجہ سے انسان مکلف ہو سکتا ہے۔

علاوہ بریں قرآن شریف جس حال میں اعمال بد کی سزا ٹھہراتا ہے اور حدود قائم کرتا ہے۔ اگر قضا و قدر میں کوئی تبدیلی ہونے والی نہ تھی اور انسان مجبور مطلق تھا، تو ان حدود و شرائع کی ضرورت ہی کیا تھی۔

پس یاد رکھنا چاہیے کہ قرآن شریف دہریوں کی طرح تمام اُمور کو اسباب طبیعہ تک محدود رکھنا نہیں چاہتا بلکہ خالص توحید پر پہنچانا چاہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے دعا کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور نہ قضا و قدر کے تعلقات کو جو دُعا کے ساتھ ہیں تدبر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ جو لوگ دُعا سے کام لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لیے راہ کھول دیتا ہے۔ وُہ دُعا کو رد نہیں کرتا۔ ایک طرف دُعا ہے۔ دُوسری طرف قضا و قدر۔ خدا نے ہر ایک کے لیے اپنے رنگ میں اوقات مقرر کر دیتے ہیں۔ اور رُبوبیت کے حصّہ کو عبودیت میں دیا گیا ہے اور فرمایا ہے اُدْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) مجھے پکارو میں جواب دُوں گا۔ میں اس لیے ہی کہا کرتا ہوں کہ ناطق خدا مسلمانوں کا ہے لیکن جس خدا نے کوئی ذرہ پیدا نہیں کیا یا جو خود یہودیوں سے طمانچے کھا کر مرگیا وہ کیا جواب دیگا۔

تو کار زمین را نکو ساختی
کہ با آسمان نیز پرداختی

جبر اور قدر کے مسئلہ کو اپنی خیال اور فرضی منطق کے معیار پر کسنا دانشمندی نہیں ہے۔ اس بھید کے اندر داخل ہونے کی کوشش کرنا بیہودہ ہے۔ اُلوہیت اور ربوبیت کا کچھ تو ادب بھی چاہیے اور یہ راہ تو ادب کے خلاف ہے کہ اُلوہیت کے اسرار کو سمجھنے کی کوشش کی جاوے۔ الطریقۃ کلھا ادب۔

قضا و قدر کا دُعا کے ساتھ بہت بڑا تعلق ہے۔ دُعا کے ساتھ معلق تقدیر ٹل جاتی ہے۔ جب مشکلات پیدا ہوتے ہیں تو دُعا ضرور اثر کرتی ہے۔ جو لوگ دُعا سے منکر ہیں، اُن کو ایک دھوکا لگا ہوا ہے۔ قرآن شریف نے دُعا کے دو پہلو بیان کئے ہیں۔ ایک پہلو میں اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور دُوسرے پہلو میں بندے کی مان لیتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (البقرہ : ۱۵۶) میں تو اپنا حق رکھ کر منوانا چاہتا ہے۔ نُون ثقیلہ کے ذریعہ سے جو اظہار تاکید کیا ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہے کہ قضائے مبرم کو ظاہر کریں گے تو اس کا علاج اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (البقرہ : ۱۵۷) ہی ہے۔ اور دُوسرا وقت خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کی امواج کے جوش کا ہے وہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن : ۶۱) میں ظاہر کیا ہے۔

پس مومن کو ان دونوں مقامات کا پورا علم ہونا چاہیے۔ صُوفی کہتے ہیں کہ فقر کامل نہیں ہوتا، جبتک محل اور موقع کی شناخت حاصل نہ ہو بلکہ کہتے ہیں کہ صوفی دُعا نہیں کرتا۔ جبتک کہ وقت کو شناخت نہ کرے۔

سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُعا کے ساتھ شقی سعید کیا جاتا ہے، بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شدید الاختفا امور مشتبہ بالمبرم بھی دُور کیے جاتے ہیں۔

الغرض دُعا کی اس تقسیم کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنی منوانا چاہتا ہے اور کبھی وہ مان لیتا ہے۔

یہ معاملہ گویا دوستانہ معاملہ ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی عظیم الشان قبولیت دُعاؤں کی ہے۔ اس کے مقابل رضا اور تسلیم کے بھی آپ اعلیٰ درجہ کے مقام پر ہیں۔

چنانچہ آپ کے گیارہ بچے مر گئے، مگر آپ نے کبھی سوال نہ کیا کہ کیوں ؟ جو لوگ فقراء اور اہل اللہ کے پاس آتے ہیں۔ اکثر ان میں سے محض آزمائش اور امتحان کے لیے آتے ہیں۔ وہ دُعا کی حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہیں، اس لیے پورا فائدہ نہیں ہوتا۔ عقلمند انسان اس سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دُعا نہ ہوتی تو اہل اللہ مر جاتے۔ جو لوگ دُعا کے منافع سے محروم ہیں ان کو دھوکا ہی لگا ہوا ہے کہ وہ دُعا کی تقسیم سے ناواقف ہیں۔

میرا جب سب سے پہلا لڑکا فوت ہوا تو اس کو ایک سخت غشی کی حالت تھی۔ گھر میں اُس کی والدہ نے جب دیکھا کہ حالت نازک ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ تو امید نہیں اب جانبر ہو۔ میں اپنی نماز کیوں ضائع کروں۔ چنانچہ وہ نماز میں مصروف ہو گئیں اور جب نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا تو اُس وقت چونکہ انتقال ہو چکا تھا۔ میں نے کہا کہ لڑکا مر گیا ہے انہوں نے پورے صبر اور رضا کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھا۔

خُدا جس امر میں نامراد کرتا ہے، اُس نامرادی پر صبر کرنے والوں کو ضائع نہیں کرتا۔ اسی صبر کا نتیجہ ہے کہ خدا نے ایک کی بجائے چار لڑکے عطا فرمائے۔

الغرض دُعا بڑی دولت ہے۔ بے صبر ہو کر دُعا نہ کرے، بلکہ دُعاؤں میں لگا رہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آجائے ؟؟

قرآن مجید میں فتنۂ دجّال کا ذکر

اوّل باآخر نسبتے دارد

قرآن شریف کو سُورۃ فاتحہ سے شروع کر کے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ (الفاتحہ : ۷) پر ختم کیا ہے، لیکن جب ہم مسلمانوں کے معتقدات پر نظر کرتے ہیں، تو دجّال کا فتنہ اُن کے ہاں عظیم الشان فتنہ ہے اور یہ ہم کبھی تسلیم نہیں کر سکتے کہ خدا تعالیٰ دجّال کا ذکر ہی بھول گیا ہو۔ نہیں، بات اصل یہ ہے کہ دجّال کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں نے دھوکا کھایا ہے۔ سُورۃ فاتحہ میں جو دو فتنوں سے بچنے کی دُعا سکھائی ہے۔ اوّل غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ غیر المغضوب سے مراد باتفاق جمیع اہلِ اسلام یہود ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت اُمت پر آنے والا ہے جبکہ وہ یہود سے تشابہ پیدا کرے گی اور وہ زمانہ مسیح موعود ہی کا ہے۔ جبکہ اس کے انکار اور کفر پر اسی طرح زور دیا جائے گا جیسا کہ حضرت مسیح ابنِ مریم کے کفر پر یہودیوں نے دیا تھا۔ غرض اس دُعا میں یہ سکھایا گیا کہ یہود کی طرح مسیح موعود کی توہین اور تکفیر سے ہم کو بچا اور دُوسرا عظیم الشان فتنہ جس کا ذکر سُورۃ فاتحہ میں کیا ہے اور

جس پر سُورۃ فاتحہ کو ختم کر دیا ہے وہ نصاریٰ کا فتنہ ہے جو وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں بیان فرمایا ہے اب جب قرآن شریف کے انجام پر نظر کی جاتی ہے تو وہ بھی ان دونوں فتنوں کے متعلق کھلی کھلی شہادت دیتا ہے۔ مثلاً غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کے مقابل میں سُورۃ تَبَّتْ یَدَا ہے۔ مجھے بھی فتویٰ کفر سے پہلے یہ الہام ہوا تھا۔ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ اَوْقِدْ لِیْ یَا ھَامَانُ لَعَلِّیْ اَطَّلِعُ عَلٰی اِلٰہِ مُوْسٰی وَاِنِّیْ لَاَظُنُّہٗ مِنَ الْکَاذِبِیْنَ۔ تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ مَا کَانَ لَہٗ اَنْ یَّدْخُلَ فِیْھَا اِلَّا خَآئِفًا وَمَا اَصَابَکَ فَمِنَ اللّٰہِ۔ یعنی وہ زمانہ یاد کر جبکہ مکفر تجھ پر تکفیر کا فتویٰ لگائے گا۔ اور اپنے کسی حامی کو جس کا لوگوں پر اثر پڑ سکتا ہو۔ کہے گا کہ میرے لیے اس فتنہ کی آگ بھڑکا۔ تا میں دیکھ لوں کہ یہ شخص جو موسیٰ کی طرح کلیم اللہ ہونے کا مدعی ہے۔ خدا اس کا معاون ہے یا نہیں اور میں تو اُسے جھوٹا خیال کرتا ہوں۔ ابی لہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوگیا اور آپ بھی ہلاک ہوگیا۔ اس کو نہیں چاہیے تھا کہ اس میں دخل دیتا، مگر ڈرڈر کر اور جو رنج تجھے پہنچے گا وہ خدا کی طرف سے ہے۔

غرض سُورۃ تبت میں غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ کے فتنہ کی طرف اشارہ ہے اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے مقابل قرآن شریف کے آخر میں سُورہ اخلاص ہے اور اس کے بعد کی دونوں سُورتیں سورۃ الفلق اور سُورۃ الناس ان دونوں کی تفسیر ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں اس تیرہ و تار زمانہ سے پناہ مانگی گئی ہے جبکہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگا کر ... مغضوب علیہم کا فتنہ پیدا ہوگا اور عیسائیت کی ضلالت اور ظلمت دُنیا پر محیط ہونے لگے گی پس جیسے سُورۃ فاتحہ میں جو ابتدائے قرآن ہے۔ اِن دونوں بلاؤں سے محفوظ رہنے کی دُعا سکھائی گئی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کے آخر میں بھی ان فتنوں سے محفوظ رہنے کی دُعا تعلیم کی۔ تا کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ اوّل بآخر نسبتے دارد۔

سورۃ فاتحہ میں جو ان فتنوں کا ذکر ہے وہ کئی مرتبہ بیان کیا ہے مگر قرآن شریف کے آخر میں جو ان فتنوں کا ذکر ہے وہ بھی مختصر طور پر سمجھ لو۔

الضالین کے مقابل آخر کی تین سُورتیں ہیں۔ اصل تو قُلْ ھُوَ اللّٰہُ ہے اور باقی دونوں سُورتیں اس کی شرح ہیں۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کا ترجمہ یہ ہے کہ نصاریٰ سے کہدو کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اُس سے کوئی پیدا ہوا۔ اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔ اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔

پھر سُورۃ الفلق میں اس فتنہ سے بچنے کے لیے یہ دُعا سکھائی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ یعنی تمام مخلوق کے شر سے اس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو رب الفلق ہے یعنی صُبح کا مالک ہے۔ یا روشنی ظاہر کرنا اسی کے قبضہ و اقتدار میں ہے۔ رب الفلق کا لفظ بتاتا ہے کہ اس وقت عیسائیت کے فتنہ اور مسیح موعود کی تکفیر اور توہین کے فتنہ کی اندھیری رات احاطہ کرے گی۔ اور پھر کھول کر کہا کہ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ اور میں اس اندھیری رات کے شر سے جو عیسائیت کے فتنہ اور مسیح موعود کے انکار کے فتنہ کی شب تار ہے، پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ (الفلق : ۵) اور میں ان زمانہ سیرت لوگوں کی شرارت سے پناہ مانگتا ہوں جو گنڈوں

پر پھونکیں مارتے ہیں۔ گرہوں سے مُراد وہ معضلات اور مشکلات شریعت محمدیہ ہیں۔ جن پر جاہل مخالف اعتراض کرتے ہیں اور ان کو ایک پیچیدہ صورت میں پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ میں ڈالتے ہیں اور یہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک تو پادری اور ان کے دُوسرے پس خوردہ کھانے والے اور دوسرے وہ ناواقف اور ضدی مُلاں ہیں جو اپنی غلطی کو تو چھوڑتے نہیں اور اپنی نفسانی پھونکوں سے اس صاف دین میں اور بھی مشکلات پیدا کر دیتے ہیں اور زنانہ خصلت رکھتے ہیں کہ خدا کے مامُور و مُرسل کے سامنے آتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی شرارتوں سے پناہ مانگتے ہیں اور ایسا ہی ان حاسدوں کے حسد سے پناہ مانگتے ہیں اور اس وقت سے پناہ مانگتے ہیں جب وہ حسد کرنے لگیں۔

اور پھر آخر سُورۃ میں شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنے کی دُعا تعلیم فرمائی ہے۔ جیسے سُورۃ فاتحہ کو الضالین پر ختم کیا تھا۔ ویسے آخری سُورۃ میں بھی خناس کے ذکر پر ختم کیا تاکہ خناس اور ضالین کا تعلق معلوم ہو۔ اور آدم کے وقت میں بھی خناس جس کو عبرانی زبان میں نحاش کہتے ہیں۔ جنگ کے لیے آیا تھا۔ اس وقت بھی مسیح موعود کے زمانہ میں جو آدم کا مثیل بھی ہے۔ ضروری تھا کہ وہی نحاش ایک دوسرے لباس میں آتا اور اسی لیے عیسائیوں اور مسلمانوں نے باتفاق یہ بات تسلیم کی ہے کہ آخری زمانہ میں آدم اور شیطان کی ایک عظیم الشان لڑائی ہوگی۔ جس میں شیطان ہلاک ہو جاوے گا۔ اب ان تمام امور کو دیکھ کر ایک خدا ترس آدمی ڈر جاتا ہے۔ کیا یہ میرے اپنے بنائے ہوئے اُمور ہیں جو خدا نے جمع کر دیئے ہیں۔

کس طرح پر ایک دائرہ کی طرح خدا نے اس سلسلہ کو رکھا ہوا ہے۔ ولا الضّالین پر سُورۃ فاتحہ کو جو قرآن کا آغاز ہے ختم کیا اور پھر قرآن شریف کے آخر میں وُہ سُورتیں رکھیں۔ جن کا تعلق سورۃ فاتحہ کے انجام سے ہے۔

ادھر مسیح اور آدم کی مماثلت ٹھہرائی اور مجھے مسیح موعود بنایا، تو ساتھ ہی آدم بھی میرا نام رکھا۔

یہ باتیں معمولی باتیں نہیں ہیں۔ یہ ایک علمی سلسلہ ہے جس کو کوئی رَدّ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے اس کی بنیاد رکھی ہے۔

شفیع کون ہو سکتا ہے

شفیع کا لفظ شفع سے نکلا ہے۔ جس کے معنے جفت کے ہیں۔ اس لیے شفیع وہ ہو سکتا ہے جو دُو مقامات کا مظہرِ اتم ہو۔ یعنی مظہرِ کامل لاہوت اور ناسوت کا ہو۔ لاہوتی مقام کا مظہرِ کامل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کا خدا کی طرف صعود ہو۔ وہ خدا سے حاصل کرے اور ناسوتی مقام کے مظہر کا یہ مفہوم ہے کہ مخلوق کی طرف اس کا نزول ہو جو خدا سے حاصل کرے وہ مخلوق کو پہنچا دے اور مظہرِ کامل ان مقامات کا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم: ۹-۱۰)

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدوں کامل حصّہ مقام لاہوت کا کسی نبی میں نہیں

آیا۔ اور ناسوتی حصّہ چاہتا ہے بشری لوازم کو ساتھ رکھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں یہ ساری باتیں پوری پائی جاتی ہیں۔ آپ نے شادیاں بھی کیں۔ بچے بھی ہوتے، دوستوں کا زمرہ بھی تھا۔ فتوحات کرکے اختیاری قوتوں کے ہوتے ہوتے انتقام چھوڑ کر رحم کر کے بھی دکھایا۔ جبتک انسان کے پیرایہ پورے نہ ہوں، وہ پوری ہمدردی نہیں کرسکتا۔ اس حصّہ اخلاق فاضلہ میں وہ ناممکن رہے گا۔ مثلاً جس نے شادی ہی نہیں کی وہ بیوی اور بچوں کے حقوق کی کیا قدر کرسکتا ہے اور اُن پر اپنی شفقت اور ہمدردی کا کیا نمونہ دکھا سکتا ہے۔ رہبانیت ہمدردی کو دُور کردیتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت کو نہیں رکھا۔ غرض کامل شفیع وہی ہوسکتا ہے، جس میں یہ دونوں حصّے کامل طور پر پائیں جائیں، چونکہ یہ ایک ضروری امر تھا کہ شفیع ان دونوں مقامات کا مظہر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے ہی اس سلسلہ کا ظل قائم رکھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کو جب پیدا کیا تو لاہوتی حصّہ تو اس میں یوں رکھ دیا۔ جب کہا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ (الحجر ۳۰) اور ناسوتی حصّہ یوں رکھا کہ حوّا کو اسس سے پیدا کیا۔

یعنی جب رُوح پھونکی تو ایک جوڑ آدم کا خدا تعالیٰ سے قائم ہوا۔ اور جب حوّا نکالی تو دُوسرا جوڑ مخلوق کے ساتھ ہو۔ نے کی وجہ سے ناسوتی ہوگیا۔ پس جبتک یہ دونوں حصّے کامل طور پر کامل انسان میں نہ پائے جائیں وہ شفیع نہیں ہوسکتا۔ جیسے آدم کی پسلی سے حوّا نکلی اسی طرح کامل انسان سے مخلوق نکلتی ہے۔

تصویر اور نماز

ایک شخص نے دریافت کیا کہ تصویر کی وجہ سے نماز فاسد تو نہیں ہوتی۔ جواب میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"کفار کے تتبع پر تو تصویر ہی جائز نہیں۔ ہاں نفس تصویر میں حرمت نہیں بلکہ اس کی حُرمت اضافی ہے۔ اگر نفس تصویر مُفسد نماز ہو تو مَیں پوچھتا ہوں کہ کیا پھر روپیہ پیسہ نماز کے وقت پاس رکھنا مفسد نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواب اگر یہ دو کہ روپیہ پیسہ کا رکھنا اضطراری ہے۔ مَیں کہوں گا کہ کیا اگر اضطرار سے پاخانہ آجاوے تو وہ مفسد نماز نہ ہوگا۔ اور پھر وضو کرنا نہ پڑے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ تصویر کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا اسس سے کوئی دینی خدمت مقصود ہے یا نہیں۔ اگر یُونہی بے فائدہ تصویر رکھی ہوئی ہے اور اس سے کوئی دینی فائدہ مقصود نہیں تو یہ لغو ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ (المومنون : ۴) لغو سے اعراض کرنا مومن کی شان ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے لیکن ہاں اگر کوئی دینی خدمت اس ذریعے سے بھی ہوسکتی ہو تو منع نہیں ہے کیونکہ خدا تعالیٰ علوم کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

مثلاً ہم نے ایک موقعہ پر عیسائیوں کے مثلث خدا کی تصویر دی ہے جس میں رُوح القدس بشکل کبوتر دکھایا گیا ہے اور باپ اور بیٹے کی بھی جُدا جُدا تصویر دی ہے۔ اس سے ہماری یہ غرض تھی کہ تاتثلیث کی تردید کر کے دکھائیں کہ اسلام نے جو خدا پیش کیا ہے وہی حقیقی خدا ہے۔ جو حی وقیوم ازلی وابدی غیر متغیر اور تجسم سے پاک ہے۔ اس طرح پر اگر خدمتِ اسلام کے لیے کوئی تصویر ہو، تو شرع کلام نہیں کرتی کیونکہ جو امور خادمِ شریعت ہیں ان پر اعتراض نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے پاس کُل نبیوں کی تصویریں تھیں۔ قیصرِ رُوم کے پاس جب صحابہ گئے تھے، تو اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر اس کے پاس دیکھی تھی۔ تو یاد رکھنا چاہیے کہ نفسِ تصویر کی حُرمت نہیں بلکہ اس کی حُرمت اضافی ہے جو لوگ لغو طور پر تصویریں رکھتے اور بناتے ہیں وہ حرام ہے۔ شریعت ایک پہلو سے حرام کرتی ہے اور ایک جائز طریق پر اُسے حلال ٹھہراتی ہے۔ روزہ ہی کو دیکھو رمضان میں حلال ہے لیکن اگر عید کے دن روزہ رکھے تو حرام ہے۔ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کُنی زندیقی

حُرمت دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک بالنفس حرام ہوتی ہے، ایک بالنسبت۔ جیسے خنزیر بالکل حرام ہے۔ خواہ وہ جنگل کا ہو یا کہیں کا۔ سفید ہو یا سیاہ، چھوٹا ہو یا بڑا۔ ہر ایک قسم کا حرام ہے۔ یہ حرام بالنفس ہے لیکن حرام بالنسبت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص محنت کر کے کسبِ حلال سے روپیہ پیدا کرے، تو حلال ہے۔ لیکن اگر وہی روپیہ نقب زنی قمار بازی سے حاصل کرے تو حرام ہوگا۔ بخاری کی پہلی ہی حدیث ہے۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔

ایک خُونی ہے اگر اس کی تصویر اس غرض سے لے لیں کہ اس کے ذریعہ اس کو شناخت کر کے گرفتار کیا جاوے تو یہ نہ صرف جائز ہوگی، بلکہ اس سے کام لینا فرض ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک شخص اسلام کی توہین کرنے والے کی تصویر بھیجتا ہے تو اس کو اگر کہا جاوے۔ حرام کام کیا ہے تو یہ کہنا مُوذی کا کام ہے۔

یاد رکھو اسلام بُت نہیں بلکہ زندہ مذہب ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آجکل نا سمجھ مولویوں نے لوگوں کو اسلام پر اعتراض کرنے کا موقعہ دیا ہے۔

آنکھوں میں ہر شئے کی تصویر بنتی ہے۔ بعض پتھر ایسے ہیں کہ جانور اُڑتے ہیں تو خود بخود اُن کی تصویر اُتر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام مصوّر ہے۔ یُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ (آلِ عمران : ۷) پھر بلا سوچے سمجھے کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہی ہے جو مَیں نے بیان کی ہے کہ تصویر کی حُرمت غیر حقیقی ہے کسی محل پر ہوتی ہے اور کسی پر نہیں۔ غیر حقیقی حُرمت میں ہمیشہ نیت کو دیکھنا چاہیے۔ اگر نیت شرعی ہے تو حرام نہیں، ورنہ حرام۔ حدیثوں ہی پر تکیہ نہ کرو۔ اگر قرآن شریف پر حدیث کو مقدم کرتے ہو تو پھر گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام

لگاتے ہو کہ کیوں اُنھوں نے احادیث کو خود جمع نہیں کرایا، کیونکہ آپؐ نے کوئی حکم احادیث کے جمع کرنے کو نہیں فرمایا؛ حالانکہ قرآن شریف کو آپؐ خود لکھواتے اور سناتے تھے۔ بعض صحابہ نے احادیث کو اپنے طور پر جمع کیا، لیکن آخر انہوں نے جلا دیا۔ جب سبب دریافت کیا تو یہی بتایا کہ آخر راویوں سے سُنی ہیں ممکن ہے ان میں کمی بیشی ہوئی ہو۔ اپنے ذمے کیوں بوجھ لیں۔ پس قرآن کو مقدم کرو اور حدیث کو قرآن پر عرض کرو حکم نہ بناؤ۔[1]

۱۲؍فروری ۱۹۰۲ء

ضروری اعلان

حضرت مسیح موعود ادام اللہ فیوضہم نے ارشاد فرمایا ہے کہ الحکم کے ذریعہ اپنے تمام دوستوں کو اطلاع دی جاوے کہ چونکہ طاعون پنجاب کے اکثر حصّوں میں زور کے ساتھ پھیل گیا ہے اور پھیلتا جاتا ہے ایسی صورت میں یہ امر قرینِ مصلحت نہیں کہ ایسا مجمع ہو جس میں وبازدہ علاقوں کے لوگ بھی شامل ہوں۔ اس لیے عیدالاضحیہ پر جو تجویز امتحان کی قرار پائی تھی وہ کسی دُوسرے وقت کے لیے ملتوی کی جاتی ہے۔ وہ لوگ جن کے شہروں اور دیہات میں طاعون شدت کے ساتھ پھیل گیا ہے، اپنے شہروں سے دوسری جگہ نہ جائیں۔ اپنے مکانوں کی صفائی کریں اور انہیں گرم رکھیں اور ضروری تدابیر حفظ ماتقدم کی عمل میں لائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ سچی توبہ کریں اور پاک تبدیلی کر کے خدا تعالیٰ سے صلح کریں۔ راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر تہجد میں دعائیں مانگیں۔ ہر ایک قسم کے فسق و فجور خیانت اور غلط کاری کی راہ سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اپنی حالت کی سچی تبدیلی ہی خدا کے اس عذاب سے بچا سکے گی۔ وَنِعْمَ مَا قِیْلَ ۔

خور تاباں سیہ گشت است از بدکاری مردم
زمین طاعون ہمی آرد پئے تخویف و انذارے
بہ تشویش قیامت ماند ایں تشویش گر بینی
علاجے نیست بہر دفع آں جز حُسن کردارے[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۸ صفحہ ۳ تا ۶ پرچہ ۲۸ فروری ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۶ صفحہ ۱ پرچہ ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء

۱۲؍فروری ۱۹۰۲ء

(ایڈیٹر کے اپنے الفاظ میں)

معراج کے اسرار

معراج میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کو مختلف آسمانوں پر دیکھا ہے۔ حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے نبیوں کا سلسلہ زمانی طور پر بتایا ہے۔ سب سے اوپر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو ابوالانبیاء تھے۔ دکھایا ہے اور دُوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو؛ چونکہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کا زمانہ مشترک تھا، اس لیے ان کو اکٹھے بٹھایا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے درجے پر تھے، اس لیے دُوسرے آسمان پر ان کو دکھایا اور آدم کو پہلے آسمان پر دکھایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آدم تھے۔ اس لیے آپ کو پہلے آسمان پر دکھایا گیا۔

مذہب ایک سائنس ہے

اس وقت خدا تعالیٰ نے مذہبی اُمور کو قصے اور کتھا کے رنگ میں نہیں رکھا ہے بلکہ مذہب کو ایک سائنس (علم) بنا دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ زمانہ کشفِ حقائق کا زمانہ ہے۔ جبکہ ہر بات کو علمی رنگ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ میں اس لیے ہی بھیجا گیا ہوں کہ ہر اعتقاد کو اور قرآن کریم کے قصص کو علمی رنگ میں ظاہر کروں۔

ذُوالقرنین اور مسیح موعود

یہ زمانہ چونکہ کشفِ حقائق کا زمانہ ہے اور خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق اور معارف مجھ پر کھول رہا ہے۔ ذوالقرنین کے قصّے کی طرف جو میری توجہ ہوئی تو مجھے یہ سمجھایا گیا ہے کہ ذوالقرنین کے پیرایہ میں مسیح موعود ہی کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ذوالقرنین اس لیے رکھا ہے کہ قرن چونکہ صدی کو کہتے ہیں اور مسیح موعود دو قرنوں کو پائے گا، اس لیے ذوالقرنین کہلائے گا۔ چونکہ میں نے تیرھویں اور چودھویں صدی دونوں پائی ہیں اور اسی طرح پر دوسری صدیاں ہندوؤں اور عیسائیوں کی بھی پائی ہیں۔ اس لحاظ سے تو ذُوالقرنین ہے۔ اور پھر اسی قصّہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ ذوالقرنین نے تین قومیں پائیں۔ اوّل وہ جو غروبِ آفتاب کے پاس ہے اور کیچڑ میں ہے۔ اس سے مُراد عیسائی قوم ہے جس کا آفتاب ڈوب گیا ہے۔ یعنی شریعتِ حقّہ اُن کے پاس نہیں رہی۔ رُوحانیت مرگئی اور ایمان کی گرمی جاتی رہی۔ یہ ایک کیچڑ میں پھنسے ہوئے ہیں۔

دُوسری قوم وہ ہے جو آفتاب کے پاس ہے اور جُھلسنے والی دھوپ ہے۔ یہ مسلمانوں کی موجودہ حالت ہے۔ آفتاب یعنی شریعتِ حقّہ اُن کے پاس موجود ہے، مگر یہ لوگ اس سے فائدہ نہیں اُٹھاتے، کیونکہ فائدہ تو حکمتِ عملی

سے اُٹھایا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً روٹی پکانا۔ وہ گو آگ سے پکائی جاتی ہے، لیکن جب تک اس کے مناسب حال انتظام اور تدبیر نہ کی جاوے وہ روٹی تیار نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح پر شریعت حقہ سے کام لینا بھی ایک حکمت عملی کو چاہتا ہے۔ پس مسلمانوں نے اس وقت باوجودیکہ اُن کے پاس آفتاب اور اس کی روشنی موجود تھی اور ہے لیکن کام نہیں لیا اور مفید صورت میں اس کو استعمال نہیں کیا اور خدا کے جلال اور عظمت سے حصّہ نہیں لیا۔

اور تیسری وُہ قوم ہے جس نے اس سے فریاد کی کہ ہم کو یاجوج ماجوج سے بچا۔ یہ ہماری قوم ہے جو مسیح موعود کے پاس آئی اور اُس نے اس سے استفادہ کرنا چاہا ہے۔ غرض آج اِن قصوں کا علمی رنگ ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ یہ قصّہ پہلے بھی کسی رنگ میں گذرا ہے، لیکن یہ سچی بات ہے کہ اس قصّہ میں واقعہ آئندہ کا بیان بھی بطور پیشگوئی تھا جو آج اس زمانہ میں پُورا ہو گیا۔

اَلْھُدیٰ اور اَلْحق سے مُراد

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (الصّف : ۱۰) پر سوچتے سوچتے مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں دو لفظ ھدیٰ اور حق کے رکھے ہیں۔ ھدیٰ تو یہ ہے کہ اندر روشنی پیدا کرے۔ متمانہ دے۔ یہ گویا اندرونی اصلاح کی طرف اشارہ ہے۔ جو مہدی کا کام ہے اور حق کا لفظ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خارجی طور پر باطل کو شکست دیوے۔ چنانچہ دوسری جگہ آیا ہے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ۔ اور خود اس آیت میں بھی فرمایا ہے۔ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ۔ یعنی اس رسُول کی آمد کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ حق کو غلبہ دے گا۔ یہ غلبہ تلوار اور تفنگ سے نہیں ہو گا، بلکہ وجوہ عقلیہ سے ہو گا۔

یاد رکھو کہ پاک صاف عقل کا خاصہ ہے کہ وہ قصّوں پر اکتفا نہیں کرتی بلکہ اسرار کو کھینچ لاتی ہے۔ اسی واسطے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کو حکمت دی گئی، اُن کو خیر کثیر دی گئی ہے۔

اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ کے معنے

آجکل ہمارے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ طاعون کی طرف زیادہ ہے اور چونکہ یہ لوگ عارف تر ہوتے ہیں۔ اس لیے خدا تعالیٰ کی غنا بِر ذاتی سے خائف تر بھی ہوتے ہیں۔ عموماً سیر اور بعد شام طاعون پر کچھ نہ کچھ تقریر ہو جاتی ہے اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ کا جو الہام ایک عرصہ سے آنحضرتؐ کو ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق فرمایا کہ مَیں اس کے معنی یقیناً یہی سمجھتا ہوں کہ وہ افراتفری اور قیامت خیز نظارہ جو طاعون کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے اس سے اللہ تعالیٰ قادیان کو ضرور محفوظ رکھے گا ! اگرچہ یہ امر ممکن ہی ہو کہ کوئی کیس خدانخواستہ یہاں ہو

جاتے، اگرالنادر کالمعدوم کے ضمن میں ہے تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل اور وعدہ کے موافق یقین ہے کہ وہ ہمیں تشویش اور سخت اضطراب سے ضرور محفوظ رکھے گا۔[1]

۲۳؍مارچ ۱۹۰۲ء

ماُمور من اللہ کے مکذبین سے خدا تعالیٰ کا معاملہ

ماُمور من اللہ کی صحبت میں رہنے والے لوگ بہت کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور ایک حد تک علم صحیح اس تعلق کے متعلق جو ماُمور من اللہ اور خدا تعالیٰ میں ہوتا ہے حاصل کرتے ہیں، مگر وہ کامل علم جو اس ماُمور کو دیا جاتا ہے کسی دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ اور خدا تعالیٰ کا علم تو پھر اور ہی رنگ رکھتا ہے۔ جب ماُمور کی تکذیب اور انکار حد تک پہنچ جاتا ہے تو پھر ٹھیک اسی طرح جیسے زمیندار جب فصل پک جاتی ہے تو اس کے کاٹنے کے واسطے درانتی کو درست کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی مکذبوں کے لیے تیاری کرتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ اب وہ وقت آگیا ہے۔ خدا تعالیٰ ہر پہلو سے حجت پوری کر چکا ہے۔ اس لیے اب ہماری جماعت کو چاہیے کہ وہ خاموشی سے آسمانی ہتھیار اور حربے کو دیکھے۔ دُنیا میں ہم یہ قانون دیکھتے ہیں کہ جب ایک حاکم کو معلوم ہو جاوے کہ فلاں مظلوم ہے تو وہ اس کی مدد کرتا ہے تو پھر خدا تعالیٰ جس کا علم سب سے زیادہ صحیح اور یقینی ہے جو ہر حال کا بینا ہے، کیوں اس مظلوم صادق کی مدد نہ کرے گا۔ جو محض اس لیے ستایا گیا ہے کہ اس نے اللہ تعالےٰ سے الہام پاکر یہ کہا کہ میں خدا کی طرف سے اصلاح خلق کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے راستباز بندوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ وہ اُن کی مدد کرتا ہے، لیکن ہاں یہ سنت اللہ ہے کہ وہ صبر سے کام لیتا ہے۔ یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کو اس تکذیب اور انکار کی خبر نہیں کفر ہے۔ وہ تو ابتدا سے جانتا ہے کہ کیا کیا جاتا ہے۔

اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے دو فریق ہو گئے ہیں۔ جس طرح ہماری جماعت شرح صدر سے اپنے آپ کو حق پر جانتی ہے۔ اسی طرح مخالف اپنے غلو میں ہر قسم کی بے حیائی اور جھوٹ کو جائز سمجھتے ہیں۔ شیطان نے اُن کے دلوں میں جما دیا ہے کہ ہماری نسبت ہر قسم کا افترا اور بہتان اُن کے لیے جائز ہے اور نہ صرف جائز بلکہ ثواب کا کام ہے۔ اس لیے اب ضروری ہے کہ ہم اپنی کوششوں کو ان کے مقابلے میں بالکل چھوڑ دیں اور خدا تعالیٰ کے فیصلہ پر نگاہ کریں۔ جس قدر وقت اُن کی بیہودگیوں اور گالیوں کی طرف

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۳ صفحہ ۱۴ پرچہ ۱۰؍اپریل ۱۹۰۲ء

توجہ کرنے میں ضائع کریں بہتر ہے کہ وہی وقت استغفار اور دعاؤں کے لیے دیں۔

خوش قسمت ہے وہ انسان جو متقی ہے

ہماری جماعت کو یہ نصیحت ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ وہ اس امر کو مدنظر رکھیں جو میں بیان کرتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ اگر کوئی خیال آتا ہے، تو یہی آتا ہے کہ دنیا میں تو رشتے ناطے ہوتے ہیں۔ بعض ان میں سے خوبصورتی کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ بعض خاندان یا دولت کے لحاظ سے اور بعض طاقت کے لحاظ سے لیکن جناب الٰہی کو ان امور کی پروا نہیں۔ اُس نے تو صاف طور پر فرما دیا کہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔ (الحجرات: ۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہی معزز و مکرم ہے جو متقی ہے۔ اب جو جماعت اتقیاء ہے خدا اس کو ہی رکھے گا اور دوسری کو ہلاک کرے گا۔ یہ نازک مقام ہے اور اس جگہ پر دو کھڑے نہیں ہو سکتے کہ متقی بھی وہیں رہے اور شریر اور ناپاک بھی وہیں۔ ضرور ہے کہ متقی کھڑا ہو اور خبیث ہلاک کیا جاوے اور چونکہ اس کا علم خدا کو ہے کہ کون اس کے نزدیک متقی ہے پس یہ بڑے خوف کا مقام ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو متقی ہے اور بدبخت ہے وہ جو لعنت کے نیچے آیا ہے۔

الٰہی اور شیطانی الہام میں فرق

اگر کوئی یہ خیال کرے کہ ان میں علماء بھی ہیں۔ ملہم بھی ہیں تو یہ ایک خیالی بات ہے اور اس سے کوئی فائدہ اس مقصد کو نہیں پہنچ سکتا جو انسانی ہستی کا ہونا چاہیے۔ یاد رکھو وہ امر جس پر خدا راضی ہوتا ہے جب تک وہ نہ ہو نہ علم صحیح ہوتا ہے نہ الہام مفید۔ جو شخص پاخانہ کے پاس کھڑا ہے۔ پہلے تو اُسے بدبو ہی آئے گی۔ پھر اگر عطر اس کے پاس کیا جاوے تو وہ اس سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ جب تک خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہ ہو کچھ نہیں ملتا۔ اور خدا سے قریب کرنے والی بات صرف تقویٰ ہے۔ سچی آواز سُننے کے لیے متقی بننا چاہیے۔ میں نے بہت سے لوگ دیکھے ہیں جو ہر آواز کو جو انہیں آجاوے الہام ہی سمجھتے ہیں؛ حالانکہ اضغاث احلام بھی ہوتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو آوازیں انہیں سنائی دیتی ہیں، وہ بناوٹی ہیں۔ نہیں ان کو آوازیں آتی ہوں گی مگر ہم ہر آواز کو خدا تعالیٰ کی آواز قرار نہیں دے سکتے، جب تک اس کے ساتھ وہ انوار اور برکات نہ ہوں جو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ ان الہام کے دعویٰ کرنے والوں کو اپنے الہاموں کو اس کسوٹی پر پرکھنا چاہیے اور اس بات کو بھی اُنہیں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ بعض آوازیں نری شیطانی ہوتی ہیں۔ اس لیے ان آوازوں پر ہی فریفتہ ہو جانا دانشمند انسان کا کام نہیں، بلکہ جب تک اندرونی نجاست اور گند دُور نہ ہو اور تقویٰ کی اعلیٰ درجہ کی صفائی حاصل نہ ہو اور اس درجہ اور مقام پر انسان نہ پہنچ جاوے۔ جو دنیا ایک مرے ہوئے کیڑے سے بھی حقیر اور ذلیل نظر آوے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر قول و فعل میں مقصود ہو اس مقام پر قدم نہیں پڑ سکتا جہاں پہنچ کر انسان

اپنے اللہ کی آواز کو سُنتا ہے۔ اور وُہ آواز حقیقت میں اسی کی ہوتی ہے، کیونکہ اس وقت یہ تمام نجاستوں سے پاک ہوگیا ہوتا ہے۔

غرض نِری آوازیں اور چند رسمی کتابوں کے پڑھ لینے سے فیصلہ نہیں ہوتا، بلکہ فیصلہ کی اصل اور سچی راہ وہی ہے جس کو تائیداتِ الٰہیہ کہتے ہیں۔ اُن سے ہی فیصلہ ہوتا ہے اور خدا ہی کا حربہ فیصلہ کرتا ہے۔ جو شخص خدا تعالےٰ کے حضور ایسے مقام پر کھڑا ہے جو نجاست سے بالکل الگ ہے۔ وہ وہی پاک آوازیں سنتا ہے جو حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور دُوسرے انبیاء علیہم السلام نے سُنیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنکو سنا تھا۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ ان آوازوں کی صداقت اور عملی ظہور کے لیے انسانی ہاتھوں کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود خدا تعالیٰ ان کی چمکار دکھاتا ہے۔ اگرچہ یہ بہت ہی باریک باتیں ہیں جو معرفت کے اسرار میں داخل ہیں، تاہم خوشبو اور بدبُو اپنے مختلف نظاروں سے شناخت کی جاسکتی ہے۔ اچھے درخت کو کئی طرح پہچان لیتے ہیں۔ پتوں سے بھی شناخت کر لیتے ہیں۔ مَیں نے ایکبار الائچی کا درخت انبالہ میں دیکھا اور ایک پتّا اس کا لیکر سُونگھا، تو اس میں الائچی کی خوشبو موجود تھی۔ اگرچہ ابھی اس کے تین درجے باقی تھے، مگر خوشبُو موجود تھی۔ دانشمند انسان بہت سے قرائن سے امر واقعی کو معلوم کر لیتا ہے۔ خباثت بھی ہزاروں پردوں میں چھپی رہتی ہے اور تقویٰ بھی ہزاروں پردوں میں مخفی رہتا ہے، مگر اُن کے آثار اور قرائن سے بخوبی پتہ لگ سکتا ہے۔ صُوفیوں نے لکھا ہے کہ جیسے کوئی آدمی عین بدکاری کی حالت میں پکڑا جاوے تو اسے بہت ہی شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ ایسے ہی ایک متقی جب اپنے تقویٰ کے سیر و عبادت میں معرُوف ہو اور کوئی اجنبی اس پر گذرے تو اس کو بھی شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ شرمندگی کے موجبات تو ایک ہی ہیں۔ بدکار اپنی بدکاری کو امر مستور رکھنا چاہتا ہے اور متقی اپنے تقویٰ کو۔

غرض تقویٰ کے امور بہت پوشیدہ ہوتے ہیں بلکہ اصل تو یہ ہے کہ اس سِر کی ملائکہ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ پھر دُوسرے کو کیسے مل سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو تعلق تدلّٰی کا تھا اس کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ جس قدر سمجھتا تھا اس کو کسی دُوسرے نے ہرگز نہیں سمجھا۔ نہ حضرت ابوبکر نے اُسے سمجھا نہ حضرت علی نے اور نہ کسی اور نے۔ آپ کا انقطاع تام اور اللہ تعالیٰ پر توکّل کرنا۔ اور مخلوق کو مرے ہوئے کیڑے سے ہیچ سمجھنا ایک ایسا امر تھا جو دوسروں کو نظر نہ آ سکتا تھا، مگر خدا تعالیٰ کی تائیدوں کو دیکھ کر لوگ یہ نتیجہ ضرور نکالتے تھے کہ جیسا خدا تعالیٰ سے سچا اور قوی تعلق اُس نے پیدا کیا ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اس سے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔

قرآن کریم اور انجیل کی تعلیمات کا موازنہ

کیسی عظیم الشان بات ہے کہ آپ کو کوئی مقام ذلت کا کبھی نصیب نہیں ہوا، بلکہ ہر میدان میں آپ ہر طرح

معزز و مظفر ثابت ہوئے ہیں لیکن بالمقابل اگر مسیح کی حالت کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُنہیں کیسی ذلت پر ذلت نصیب ہوئی ہے۔ بسا اوقات ایک عیسائی شرمندہ ہو جاتا ہوگا۔ جب وہ اپنے اس خدا کی حالت پر غور کرتا ہوگا جو اُنھوں نے فرضی اور خیالی طور پر بنایا ہوا ہے۔ مجھے ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوئی ہے کہ عیسائی اس تعلیم کو جو انجیل میں بیان ہوئی ہے اور اس خدا کو جس کے واقعات کسی قدر انجیل سے ملتے ہیں۔ رکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اسے ترجیح کیونکر دیتے ہیں۔ مثلاً یہی تعلیم ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری بھی پھیر دو۔ اب اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرو تو صاف نظر آجائے گا کہ یہ کیسی بودی اور نکمّی تعلیم ہے۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اُن سے بچّے خوش ہو جاتے ہیں بعض سے متوسط درجے کے لوگ اور بعض سے اعلیٰ درجے کے لوگ۔

انجیل کی تعلیم صرف بچّوں کا کھلونا ہے کہ جس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو اس قدر قویٰ عطا فرمائے ہیں۔ ان سب کا موضوع اور مقصود یہی ہے کہ وہ طمانچے کھایا کرے ؟ انسان انسان تب ہی بنتا ہے کہ وہ سارے قویٰ کو استعمال کرے، مگر انجیل کہتی ہے کہ سارے قویٰ کو بیکار چھوڑ دو اور ایک ہی قوت پر زور دیئے جاؤ۔ بالمقابل قرآن شریف تمام قوتوں کا مربّی ہے اور برمحل ہر قوت کے استعمال کی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ مسیح کی اس تعلیم کی بجائے قرآن شریف فرماتا ہے۔ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ (الشوریٰ : ۴۱) یعنی بدی کی سزا تو اسی قدر بدی ہے، اگر عفو بھی کرو تو ایسا عفو کہ اس کے نتیجہ میں اصلاح ہو۔ وہ عفو بے محل نہ ہو۔ مثلاً ایک فرمانبردار خادم ہے اور کبھی کوئی خیانت اور غفلت اپنے فرض کے ادا کرنے میں نہیں کرتا، مگر ایک دن اتفاقاً اس کے ہاتھ سے گرم چائے کی پیالی گر جاوے اور نہ صرف پیالی ہی ٹوٹ جاوے بلکہ کسی قدر گرم چائے سر پر بھی پڑ جاوے، تو اس وقت یہ ضروری نہیں کہ آقا اس کو سزا دے بلکہ اس کے حسب حال سزا یہی ہے کہ اس کو معاف کر دیا جاوے۔ ایسے وقت پر موقع شناس آقا تو خود شرمندہ ہو جاتا ہے کہ اس بیچارے نوکر کو شرمندہ ہونا پڑے گا، لیکن کوئی شریر نوکر اس قسم کا ہے کہ وہ ہر روز نقصان کرتا ہے اگر اس کو عفو کر دیا جاتے تو وہ اور بھی بگڑے گا۔ اس کو تنبیہ ضروری ہے۔ غرض اسلام انسانی قویٰ کو اپنے اپنے موقع اور محل پر استعمال کرنے کی تعلیم دیتا ہے اور انجیل اندھا دھند ایک ہی قوت پر زور دیتی چلی جاتی ہے۔ گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

غرض حفظِ مراتب کا مقام قرآن شریف نے رکھا ہے کہ وہ عدل کی طرف لے جاتا ہے۔ تمام احکام میں اس کی یہی صورت ہے۔ مال کی طرف دیکھو۔ نہ مُمسک بناتا ہے نہ مُسرف۔ یہی وجہ ہے کہ اس امت کا نام ہی اُمَّةً وَّسَطًا رکھ دیا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح علیہ السلام

پھر دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقرّب کو دیکھنا چاہیے

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کے دل کی بات تو بادشاہ ہی جانتا ہے مگر جس پر وہ اسرار ظاہر کرتا ہے یا اپنی رضامندی کے آثار جس پر دکھاتا ہے ضروری ہے کہ ہم اس کو مقرب کہیں۔ اسی طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہم دیکھتے ہیں تو آپ کے قرب کا مقام وہ نظر آتا ہے جو کسی دوسرے کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ وہ عطایا اور نعماء جو آپ کو دیئے گئے ہیں سب سے بڑھ کر ہیں اور جو اسرار آپ پر ظاہر ہوئے اور کوئی اس حد تک پہنچا ہی نہیں۔ قرآن شریف ہی کو دیکھ لو۔ کہ کس قدر عظیم الشان پیشگوئیاں اس میں موجود ہیں۔ حضرت مسیح کا مجھے بارہا خیال آتا ہے کہ یہ نادان عیسائی کس شیخی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کا مقابلہ کرنے بیٹھتے ہیں۔ حضرت مسیح کا تو دعویٰ ہی بجائے خود محدود ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ میں بنی اسرائیل کی بھیڑوں کے لیے آیا ہوں۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ (آلِ عمران : ۱۱۳) کی مصداق آپ کی دعوت کی مخاطب قوم تھی۔ یہ دعویٰ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی نمبرداری یا پٹی داری کا دعویٰ کرے۔ اب اُن کی ہمت استقلال اور توجہ اسی دعویٰ کی نسبت سے ہونی چاہیے۔ دوسری طرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵۹) اب اس ہمت اور بلند نظری اور توجہ کا مقابلہ کرو۔ کیا یہی خدائی کی شان ہے کہ یہودیوں کے چار گھروں کے سوا اور کسی کی اصلاح کے لیے بھی نہیں آسکے۔

خدا کے حسب حال تو ہونا چاہیے تھا کہ آپ کی دعوت کا میدان بڑا وسیع ہوتا۔ خیر بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کے لیے ہی دعوت سہی۔ مگر اب یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ اس میں کامیابی کیا ہوئی۔ غور کیا جاوے اور انجیلی واقعات پر نگاہ کی جاوے تو یہ راز بھی کھل جاتا ہے کہ آپ کو ہر میدان میں ذلیل ہونا پڑا۔ دشمنوں پر کامیابی نہ ملی۔ انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا اور قصہ پاک ہوا۔

اس خدا کا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جاتا ہے۔ آپ ہر میدان میں مظفر و منصور ہوئے۔ آپ کے دشمن آپ پر کبھی قابو اور غلبہ نہ پاسکے اور آپ کے سامنے ہی ہلاک ہوئے۔ آپ کو بھیجا ایسے وقت میں گیا جبکہ زمانہ آپ کی ضرورت کو خود ثابت کرتا تھا۔ اور اُٹھائے ایسے وقت گئے جبکہ کامل اصلاح ہو چکی اور آپ اپنے فرض منصبی کو پوری کامیابی کے ساتھ ادا کر چکے اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ ۴) کی آواز آپ نے سن لی۔

پھر مسیح کی طرف دیکھو آپ صلیب پر چڑھے ہوئے ہیں اور ایلی ایلی لما سبقتنی کی فریاد کرتے ہیں۔ یہودا اسکریوطی تیس روپیہ پر اپنے پاک اُستاد کو پکڑوا چکا ہے اور پطرس صاحب لعنت بھیج رہے ہیں۔ مسیح کے لیے وہ نظارہ کیسا مایوسی بخش ہے۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپ کے جاں نثار رفیق کس طرح پر اپنی جانیں آپ کے قدموں پر قربان کر رہے ہیں۔ ایسے وفادار اور فرمانبردار اصحاب اور رفیق کس کو ملے اور یہ وفاداری اور اطاعت

میں فنا کہ اپنی جانوں تک کے دے دینے میں دریغ نہ کیا۔ آپؐ کی ذاتی قوتِ قدسی کا ثبوت ہے جو مقابلہ کرنے سے مسیح میں کچھ بھی نظر نہیں آتی۔

قرآن کریم اور بائیبل

پھر اسرار کی طرف نگاہ کرو۔ جس قدر اسرار اور رموز قرآن شریف میں ہیں توراۃ اور انجیل میں وہ کہاں؟ پھر قرآن شریف تمام امور کو صرف دعویٰ ہی کے رنگ میں بیان نہیں کرتا جیسے کہ توراۃ یا انجیل جو دعویٰ ہی دعویٰ کرتی ہیں، بلکہ قرآن شریف استدلالی رنگ رکھتا ہے۔ کوئی بات وہ بیان نہیں کرتا جس کے ساتھ اس نے ایک قوی اور مستحکم دلیل نہ دی ہو۔ جیسی قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت اپنے اندر ایک جذب رکھتی ہے۔ جس طرح پر اس کی تعلیم میں معقولیت اور کشش ہے ویسے ہی اس کے دلائل مؤثر ہیں۔ غرض میرا مطلب ان ساری باتوں سے یہ ہے کہ سب سے بڑھ کر کامل اور مؤثر نمونہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی وارث جماعت

اسی طرح پر اب بھی وہی خدا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان اور انعام کئے اور اسی طرح پر اب بھی اس کے فضل اور برکات کے انعام ہو رہے ہیں۔ پس یاد رکھو کہ جو فریق اس حق کی مخالفت کرتا ہے اور اُسے مُفتری کہتا ہے وُہ جس قدر مخالفت چاہیں کریں۔ مخالف الہام سُنائیں ان کو آخر معلوم ہو جائے گا کہ غالب وہی ہوتا ہے جس کو خدا نے اپنا نُور اور فضل دے کر بھیجا ہے اور خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنّت اور عادت کے موافق اس قوم پر اپنا فضل کرے گا جس کو اُس نے منتخب کیا ہے۔ وہی دُنیا پر پھیلے گی اور وہی قرآن شریف، اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی وارث ہوگی۔

مومنین کے تین طبقے

دُنیا میں ہمیشہ انسانوں کے تین طبقے ہوتے ہیں۔ سابق بالخیرات۔ مقتصد اور ظالم۔ سابقین کو نشانات اور معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ تو قرائن اور حالات موجودہ سے پہچان لیتے ہیں۔ مقتصدین کو کچھ حصّہ روشن دماغی کا ملا ہوا ہوتا ہے اور کچھ تاریکی کا۔ اس لیے وہ دلائل اور معجزات کے محتاج ہوتے ہیں۔ مگر تیسرا طبقہ جو ظالمین کا ہوتا ہے وہ چونکہ بہت ہی غبی اور بلید ہوتے ہیں۔ بجز مار کھانے کے وُہ نہیں مانتے۔ یہ ایک قسم کا جبر ہوتا ہے۔ جو ہر مذہب حق میں پایا جاتا ہے، کیونکہ ظالمین بجز اس کے سمجھ نہیں سکتے۔ حضرت مسیح کے لیے طیطاؤس رُومی کا اتفاق ہوگیا۔ موسیٰ کی قوم جو پہلے ہی سے مُردہ دل اور فرعون کی سختیوں سے نالاں تھی اُس نے حضرت موسیٰ کی دعوت کو قبول کر لینا اپنی نجات کا موجب سمجھا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ اُن کی اصلاح کے لیے وقتاً فوقتاً اُن پر عذاب بھیجتا رہا۔ کبھی طاعون کبھی زلزلے مختلف طریق پر اُنہیں منوایا اور اسی طرح ہوتا رہا ہے۔

غرض یہ ایک سُنّت اللہ ہے کہ ظالمین کو اللہ تعالیٰ اس طریق پر سمجھاتا ہے کیوں؟ یہ فرقہ زیادہ بھی ہوتا ہے اور کمی بھی۔ اس وقت بھی یہ فرقہ زیادہ ہے۔ جو نشانات خدا نے ظاہر کئے ان پر بھی جرح کرتے ہیں۔ کسوف وخسوف کی حدیث کو مجروح قرار دیدیا۔ لیکھرام کی پیشگوئی پر اعتراض کر دیا۔ ہر نشان جو ظاہر ہوتا ہے اعتراض کر دیتے ہیں، مگر خدا تو سب کا مرشد ہے۔ اس نے تیسری صورت اور آخری حجت اختیار کی ہے جو طاعون ہے۔

طاعون کا علاج۔ توبہ۔ استغفار اور تہجد

طاعون کا علاج توبہ و استغفار ہی ہے۔ یہ کوئی معمولی بلا نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی سے نازل ہوئی ہے۔

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہماری جماعت میں سے کسی کو نہ ہو۔ صحابہ میں سے بھی بعض کو طاعون ہو گئی تھی لیکن ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کے حضور تضرّع اور زاری کرتا ہے اور اس کے حدود و احکام کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے جلال سے ہیبت زدہ ہو کر اپنی اصلاح کرتا ہے۔ وہ خدا کے فضل سے ضرور حصہ لے گا۔ اس لیے ہماری جماعت کو چاہیے کہ وُہ تہجد کی نماز کو لازم کر لیں۔ جو زیادہ نہیں۔ وہ دو ہی رکعت پڑھ لے، کیونکہ اس کو دُعا کرنے کا موقع بہرحال مل جائیگا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے، کیونکہ وہ سچے درد اور جوش سے نکلتی ہیں۔ جبتک ایک خاص سوز اور درد دل میں نہ ہو۔ اس وقت تک ایک شخص خوابِ راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے؟ پس اس وقت کا اُٹھنا ہی ایک دردِ دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی اضطراب اور اضطرار قبولیتِ دُعا کا موجب ہو جاتے ہیں، لیکن اگر اُٹھنے میں سُستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں کیونکہ نیند تو غم کو دُور کر دیتی ہے۔ لیکن جبکہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے۔ پھر ایک اور بات بھی ضروری ہے جو ہماری جماعت کو اختیار کرنی چاہیے۔ اور وہ یہ ہے کہ زبان کو فضول گوئیوں سے پاک رکھا جاوے۔ زبان وجود کی ڈیوڑھی ہے اور زبان کو پاک کرنے سے گویا خدا تعالیٰ وجود کی ڈیوڑھی میں آجاتا ہے جب خدا تعالیٰ ڈیوڑھی میں آگیا، تو پھر اندر آنا کیا تعجب ہے؟

پھر یاد رکھو کہ حقوق اللہ اور حقوقِ عباد میں دانستہ ہرگز غفلت نہ کی جاوے۔ جو ان امور کو مدِّنظر رکھ کر دعاؤں سے کام لے گا۔ یا یُوں کہو کہ جسے دُعا کی توفیق دی جاوے گی۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس پر اپنا فضل کریگا اور وہ بچ جاوے گا۔ ظاہری تدابیر صفائی وغیرہ کی منع نہیں ہیں۔ بلکہ بر توکل زانوئے اشتر بہ بند۔ پر عمل کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ سے معلوم ہوتا ہے، مگر یاد رکھو کہ اصل صفائی وہی ہے جو فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ (الشمس: ۱۰) ہر شخص اپنا فرض سمجھ لے کہ وہ اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ مجھے الہام ہوا تھا۔

اَیَّامُ غَضَبِ اللّٰہِ ۔غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا

یہ طاعون کے متعلق ہے گروہی خدا کے فضل کا امیدوار ہو سکتا ہے جو سلسلہ دُعا۔ توبہ اور استغفار کا نہ توڑے اور عمداً گناہ نہ کرے۔

گناہ ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور خدا کے غضب کو بھڑکاتی ہے۔ گناہ سے صرف خدا تعالےٰ کا خوف اور اس کی محبت ہٹاتی ہے۔ طاعون بھی گناہوں سے بچانے کے لیے ہے۔ صوفی کہتے ہیں کہ سعید کسی موقع کو ہاتھ سے نہیں دیتے۔ بعض کے حالات سُنے ہیں کہ اُنھوں نے دُعا کی کہ کوئی ہیبت ناک نظارہ ہو تا کہ دل میں رقت اور درد پیدا ہو۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہیبت ناک نظارہ ہوگا کہ لاکھوں بچے یتیم کیے جاتے ہیں۔ بیواؤں سے گھر بھر جاتے ہیں۔ ہزاروں خاندان بے نام و نشان ہو جاتے ہیں اور کوئی باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت ہے کہ وُہ انبیاء علیہم السلام کو ایسے موقعوں پر ہمیشہ بچا لیتا ہے جبکہ بلائیں عذابِ الٰہی کی صورت میں نازل ہوں پس اس وقت خدا کا غضب بڑھا ہوا ہے اور حقیقت میں یہ خدا کے غضب کے ایّام ہیں، اس لیے کہ خدا کے حدود و احکام کی بے حُرمتی کی جاتی ہے اور اس کی باتوں پر ہنسی اور ٹھٹھا کیا جاتا ہے۔ پس اس سے بچنے کے لیے یہی علاج ہے کہ دُعا کے سلسلہ کو نہ توڑو۔ اور توبہ و استغفار سے کام لو۔ وہی دُعا مفید ہوتی ہے جبکہ دل خدا کے آگے پگھل جاوے اور خدا کے سوا کوئی مفر نظر نہ آوے۔ جو خُدا کی طرف بھاگتا ہے اور اضطرار کے ساتھ امن کا جویاں ہوتا ہے وہ آخر بچ جاتا ہے۔[1]

۵ر اپریل ۱۹۰۲ء

شام کو چند آدمی بیعت کیلئے آئے ہوئے تھے۔ آپ نے بعد بیعت بظاہر ان کو خطاب کر کے کل جماعت کو یوں ہدایت فرمائی:۔

استغفار کرتے رہو اور موت کو یاد رکھو۔ موت سے بڑھ کر اور کوئی بیدار کرنے والی چیز نہیں ہے جب انسان سچے دل سے خدا کی طرف رجُوع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرتا ہے۔

جس وقت انسان اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پہلے گناہ بخش دیتا ہے پھر بندے کا نیا حساب چلتا ہے۔ اگر انسان کا کوئی ذرا سا بھی گناہ کرے تو وہ ساری عمر اس کا کینہ اور دشمنی رکھتا ہے اور گو زبانی معاف کر دینے کا اقرار بھی کرے، لیکن پھر بھی جب اُسے موقع ملتا ہے تو اپنے اس کینہ اور عداوت کا اس سے اظہار کرتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ ہی ہے کہ جب بندہ سچے دل سے اس کی طرف آتا ہے تو وہ اس کے گناہوں کی سزا کو معاف کر دیتا اور رجُوع برحمت فرماتا ہے۔ اپنا فضل اس پر نازل کرتا ہے اور اس گناہ کی سزا معاف کر دیتا ہے اس لیے تم بھی اب ایسے ہو کر جاؤ کہ تم وُہ ہو جاؤ جو پہلے نہ تھے۔ نماز سنوار کر پڑھو۔ خدا جو یہاں ہے وہاں بھی ہے۔ پس ایسا نہ ہو کہ جب تک تم یہاں ہو۔ تمہارے دلوں میں رقت اور خدا کا خوف ہو اور جب پھر اپنے گھروں میں جاؤ

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۲ صفحہ ۳ تا ۶ پرچہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۲ء

تو بے خوف اور نڈر ہو جاؤ۔ نہیں بلکہ خدا کا خوف ہر وقت تمہیں رہنا چاہیے۔ ہر ایک کام کرنے سے پہلے سوچ لو اور دیکھ لو کہ اس سے خدا تعالیٰ راضی ہو گا یا ناراض۔ نماز بڑی ضروری چیز ہے اور مومن کا معراج ہے۔ خدا تعالیٰ سے دُعا مانگنے کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ نماز اس لیے نہیں کہ ٹکریں ماری جاویں یا مُرغ کی طرح کچھ ٹھونگیں مار لیں۔ بہت لوگ ایسی ہی نمازیں پڑھتے ہیں اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ کسی کے کہنے سُننے سے نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ یہ کچھ نہیں۔

نماز خدا تعالیٰ کی حضُوری ہے اور خدا تعالیٰ کی تعریف کرنے اور اُس سے اپنے گناہوں کے معاف کرانے کی مرکب صُورت کا نام نماز ہے۔ اس کی نماز ہرگز نہیں ہوتی جو اس غرض اور مقصد کو مدِّ نظر رکھ کر نماز نہیں پڑھتا۔ پس نماز بہت ہی اچھی طرح پڑھو۔ کھڑے ہو۔ تو ایسے طریق سے کہ تمہاری صورت صاف بتا دے کہ تم خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں دست بستہ کھڑے ہو اور جھکو تو ایسے جس سے صاف معلوم ہو کہ تمہارا دل جُھکتا ہے اور سجدہ کرو تو اس آدمی کی طرح جس کا دل ڈرتا ہے اور نمازوں میں اپنے دین اور دُنیا کے لیے دُعا کرو۔"

طاعون ایک غضبِ الٰہی ہے

طاعون جو دُنیا میں آئی ہے اور اُس نے لاکھوں انسانوں کو زیرِ زمین کر دیا ہے، جس سے لاکھوں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو گئی ہیں بلکہ کئی گھر بالکل تباہ ہو گئے اور خاندانوں کے خاندان بے نام و نشان ہو گئے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کا ایک غضب ہے جو انسانوں کی غفلت اور حد سے بڑھی ہوئی شرارت اور انکار کی وجہ سے آیا ہے۔

خدا تعالیٰ کا قانون یہی ہے کہ جب انسان غافل ہو جاتا ہے اور طرح طرح کی بدکاریوں اور فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے، تو اس وقت خدا کا غضب جوش میں آتا ہے۔ اس وقت بھی دُنیا کی ایسی ہی حالت ہو گئی تھی۔ کچھ تو خود گمراہ ہی تھے اور غفلت اور سُستی ان میں آ گئی تھی۔ سچے مذہب کے سچے عقائد کو چھوڑ بیٹھے تھے اور تمام اعمالِ صالحہ کی جگہ صرف چند رسُومات نے لے لی تھی۔ اس پر پادریوں نے اور بھی مٹی پلید کی۔ اُنھوں نے مختلف ذریعوں سے اس بیہودہ مذہب کو جس میں ایک عاجز انسان کو جو مر گیا ہے خدا بنایا گیا۔ لوگوں کے سامنے عجیب عجیب رنگ دے کر پیش کیا اور اس کے خُون کو گناہوں کا کفارہ قرار دے کر بیباک زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جس سے بعض طبیعتوں کو ایک بہانہ مل گیا اور بہت سے مُرتد ہو گئے اور اکثروں نے دین کی عظمت کو دل سے دُور کر دیا۔ پادریوں کے اس فتنہ کے ساتھ ہی یہ نقص پیدا ہوا کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی وضع نے بھی ایک قسم کی نصرانیت پھیلا دی جبکہ سروں میں آزادی ہی آزادی کا خیال بھر گیا۔

اُدھر یورپ کے فلسفہ اور طبیعات نے اپنی جدید تحقیقاتیں جو پیش کیں تو علماء نے اپنی کم معرفتی اور علوم حقہ سے بیخبری کے باعث اور بھی نقصان اسلام کو پہنچایا۔ ان میں سے بعض نے تو قرآن کریم کی تعلیمات کی اس فلسفہ سے

دب کر ایسی تاویلیں شروع کر دیں جو خدا تعالیٰ کے پاک کلام کے منشاء کے صریح خلاف تھیں اور بعض نے سرے سے ان علومِ جدیدہ کے پڑھنے والوں کے اعتراضوں پر ان کو کفر کے فتوے دینے شروع کر دیئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی تعلیم نے جو آزادی پھیلا دی تھی۔ اُس نے مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہوئے بچوں کو بالکل بیباک کر دیا اور پھر ایک اور آفت یہ آئی کہ مسلمانوں میں سُستی اور غفلت تو پیدا ہو ہی چکی تھی۔ سچے عقائد کو چھوڑ کر قسم قسم کی بدعتیں اور سلسلے خدا تعالیٰ کے پیچھے دین اور سلسلے کے خلاف پیدا کئے گئے اور مشرکانہ تعلیمات اور وظائف قائم کر لیے تھے۔

ان ساری آفتوں کے ہوتے ہوئے جب خدا تعالیٰ نے اپنے قدیم قانون کے موافق محض اپنے فضل سے ایک بندہ بھیج دیا جو ان ساری مصیبتوں کا چارہ گر اور مداوا تھا۔ ان لوگوں نے ناحق اسے تکلیف دی، اس کی مخالفت کے لیے اُٹھے۔ جب ان کی مخالفت اور شرارت حد سے بڑھ گئی اور خدا تعالیٰ کے حضور ان کی شوخیاں اور گستاخیاں اور بے جا عناد اور عداوت سے بلا ہوا انکار قابلِ سزا ٹھہر گیا، تو اس نے اپنے وعدہ کے موافق اس بندہ کی تائید کے لیے طاعون بھیجا۔ ہمیشہ دُعا کرتے رہو کہ اللہ تعالیٰ اس مرض سے محفوظ رکھے اور اپنی پناہ میں لے۔ طاعون کوئی معمولی مرض نہیں ہے اور نہ اس کے دورہ کا کوئی خاص نظام ہے بلکہ بعض اوقات یہ سالہائے دراز تک اپنا سلسلہ جاری رکھتی ہے اور اس وقت تو طاعون خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص کام کے لیے مامور کی گئی ہے۔ وہ لوگ غلطی اور گناہ کرتے ہیں جو طاعون کو بُرا کہتے ہیں۔ یہ خدا کا فرشتہ ہے جو اس کے بندے کی سچائی پر ایک گواہی قائم کرنے کے لیے آیا ہے۔[1]

طاعون کی شدت اور اُس کے متعلق پیشگوئیاں

پس ہمیشہ دُعا کرتے رہو کہ خدا اس سے محفوظ رکھے۔ بظاہر طاعون ہر ایک گاؤں کا دورہ کرے گی۔ یہ نہ سمجھو کہ کوئی باقی رہ جاوے گا۔ وہی بچ سکتا ہے جو توبہ اور استغفار میں مصروف ہے۔ اس لیے اس وقت ضروری ہے کہ اپنی جان اور اپنی بیوی بچوں پر رحم کرو۔ یہ خدا تعالیٰ کے غضب کے دن ہیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی بدکاریاں اور شوخیاں اس حد تک پہنچی ہوئی ہوتی ہیں کہ جب وہ خدا کے غضب سے ہلاک ہوتا ہے، تو اس لعنت اور غضب کا اثر اُس کی اولاد تک بھی پہنچتا ہے۔ اسی لیے قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس : ۱۶) عقبٰھا سے اولاد اور پسماندگان مُراد ہیں۔ جہاں جہاں طاعون پھیلا ہے۔ لوگ کُتوں کی طرح مرتے ہیں۔ بعض مُردہ چوہوں کی طرح بدبُودار ہو جاتے ہیں۔ کوئی اُن کو اُٹھا بھی نہیں سکتا اور ان کے جنازوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر قبروں میں ڈالتے ہیں۔ بہت سے خطوط طاعون زدہ علاقوں اور گاؤں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۳۱ رمئی ۱۹۰۲ء

سے آئے ہیں۔ جن میں لکھا ہوا تھا کہ کوئی جنازہ نہیں پڑھتا۔ مُرداروں کی طرح مُردوں کو گڑھے کھود کر ڈال دیا جاتا ہے، مگر تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ لوگوں نے اس بات کی طرف توجہ نہیں کی کہ خدا تعالیٰ کا یہ غضب کیوں آیا؟

مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو لوگ آتے ہیں۔ جب اُن کی باتوں کو لوگ نہیں مانتے اور شرارت اور شوخی سے اُن کا اِنکار کر کے ایذارسانی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ تو پھر خدا تعالیٰ کا غضب کسی نہ کسی رنگ میں جوش میں آتا ہے؛ چنانچہ پہلے نبیوں کے وقت میں کسی قوم کو کسی عذاب سے ہلاک کیا۔ کسی کو کسی سے، اگر اس وقت جو مسیح موعود کا زمانہ ہے خدا تعالیٰ نے اس شرارت اور شوخی سے ملے ہوئے انکار کی سزا کے لیے طاعون کو مقرر کیا ہے؛ چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے مسیح موعود کے زمانہ کا نشان طاعون قرار دیا اور انجیل میں بھی اسی کی صداقت موجود ہے۔ براہینِ احمدیہ میں بھی آج سے پچیس برس پیشتر خدا تعالیٰ نے طاعون کے پھیلنے کی خبر دی تھی۔ چونکہ انکار حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور انکار کے ساتھ شرارت اور ایذارسانی بھی ہے اور قسم قسم کے طعن کیے جاتے ہیں، اس لیے خدا تعالیٰ نے طاعون ہی کو سزا کے لیے بھیجا۔ اور یہ بات کہ مامور من اللہ کی تکذیب اور ایذارسانی پر عذاب کیوں آتا ہے ایسی صاف ہے کہ تم اس کی مثال ایسی سمجھ سکتے ہو جیسے سرکار کسی چپڑاسی کو معاملہ وصول کرنے کے لیے بھیجے؛ حالانکہ وہ چپڑاسی پانچ چھ روپیہ ماہوار کا ملازم ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کو معاملہ نہ دے یا شرارت کر کے اس کو دُکھ دے تو گورنمنٹ سارے گاؤں کو سزا دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے خواہ اس میں کیسے ہی معزز اور دولتمند زمیندار بھی ہوں۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے مامُوروں کی بے عزّتی کی جاوے، تو خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے اور اُس کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے۔ اس وقت وہ شریروں کو سزا دینے کے لیے اپنے بندے کی حمایت میں نشان ظاہر کرتا ہے۔

مسیح موعود کی بعثت کی غرض

پھر مَیں یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آتے ہیں وہ کوئی بُری بات تو کہتے ہی نہیں۔ وہ تو یہی کہتے ہیں کہ خدا ہی کی عبادت کرو اور مخلوق سے نیکی کرو۔ نمازیں پڑھو اور جو غلطیاں مذہب میں پڑ گئی ہوئی ہیں، انہیں نکالتے ہیں؛ چنانچہ اس وقت جو مَیں آیا ہوں، تو مَیں بھی اُن غلطیوں کی اصلاح کے لیے بھیجا گیا ہوں جو فیج اعوج کے زمانہ میں پیدا ہو گئی ہیں۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو خاک میں ملا دیا گیا ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی سچّی اور راہم اور اعلیٰ تعلیم توحید کو مشکوک کیا گیا ہے۔ ایک طرف تو عیسائی کہتے ہیں کہ یسُوع زندہ ہے اور تمہارے نبی صلعم زندہ نہیں ہیں اور وُہ اس سے حضرت عیسٰی کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ دو ہزار برس سے زندہ چلے آتے ہیں۔ نہ زمانہ کا کوئی اثر اُن پر ہوا۔ دُوسری طرف مسلمانوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ بیشک مسیح زندہ آسمان پر چلا گیا ہے اور دو ہزار برس سے ابتک اسی طرح موجود ہے۔ کوئی تغیر و تبدل اس کی حالت اور صورت میں نہیں ہوا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میرا دل کانپ جاتا ہے، جب میں ایک مسلمان مولوی کے منہ سے یہ لفظ سنتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر گئے۔ زندہ نبی کو مُردہ رسول قرار دیا گیا۔ اس سے بڑھ کر بے حرمتی اور بے عزتی اسلام کی کیا ہو گی، مگر یہ غلطی خود مسلمانوں کی ہے، جنھوں نے قرآن شریف کے صریح خلاف ایک نئی بات پیدا کر لی۔ قرآن شریف میں مسیح کی موت کا بڑی وضاحت سے ذکر کیا گیا ہے، لیکن اصل میں اس غلطی کا ازالہ میرے ہی لیے رکھا تھا، کیونکہ میرا نام خدا نے حَکَم رکھا ہے۔ اب جو اس فیصلہ کے لیے آوے وہی اس غلطی کو نکالے۔ دُنیا نے اس کو قبول نہ کیا، پر خدا اُس کو قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اس قسم کی باتوں نے دُنیا کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

مگر اب وقت آگیا ہے کہ یہ سب جھوٹ ظاہر ہو جاوے۔ خدا تعالیٰ نے جس کو حَکَم کر کے بھیجا اس سے یہ باتیں مخفی نہیں رہ سکتی ہیں۔ بھلا دائی سے پیٹ چھپ سکتا ہے۔ قرآن نے صاف فیصلہ کر دیا ہے کہ آخری خلیفہ مسیح موعود ہو گا اور وہ آگیا ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس پر لکیر کا فقیر رہے گا۔ جو فیج اعوج کے زمانہ کی ہے تو وہ نہ صرف خود نقصان اٹھائے گا بلکہ اسلام کو نقصان پہنچانے والا قرار دیا جاوے گا۔ اور حقیقت میں اس غلط اور ناپاک عقیدہ نے لاکھوں آدمیوں کو مُرتد کر دیا ہے۔ اس اصول نے اسلام کی سخت ہتک کی ہے اور رسول اللہ صلعم کی توہین۔ جب یہ مان لیا کہ مُردوں کو زندہ کرنے والا، آسمان پر جانے والا۔ آخری انصاف کرنے والا یسوع مسیح ہی ہے تو پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معاذ اللہ کچھ بھی نہ ہوئے ؛ حالانکہ اُن کو رحمۃ للعالمین کہا گیا اور وہ کافۃ الناس کے لیے رسول ہو کر آئے۔ خاتم النبیین وہی ہوئے۔ ان لوگوں کا جنھوں نے مسلمان کہلا کر ایسے بیہودہ عقیدہ رکھتے ہیں، یہ بھی مذہب ہے کہ اس وقت جو پرندے موجود ہیں اُن میں کچھ مسیح کے ہیں اور کچھ خدا تعالیٰ کے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ میں نے ایک بار ایک موحد سے سوال کیا کہ اگر اس وقت دو جانور پیش کیے جاویں اور پوچھا جاوے کہ خدا کا کونسا ہے اور مسیح کا کونسا ہے۔ تو اُس نے جواب دیا کہ مِل جُل ہی گئے ہیں۔[1]

پھر وہ دین جو خدا تعالیٰ کی توحید کا سرچشمہ تھا اور جس کی حمایت اور آبیاری کے لیے زمین صحابہ کے پاک خون سے سُرخ ہو گئی تھی۔ اسی کے ماننے کا دعویٰ کرنے والوں نے ایک عورت کے بچہ کو عیسائیوں کا تتبع کر کے خدا بنا دیا اور خدا کی صفات کو اس میں قائم کر دیا۔ جب یہاں تک نوبت پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے اپنی غیرت اور جلال کے لیے یہ سلسلہ قائم کیا اور اُس نے اس نبی ناصری کے نمونہ پر (جس کو نادان مسلمانوں نے خدائی صفات سے متصف کرنا چاہا ہے) مجھے بھیجا ہے، مگر ان لوگوں نے جو ضد اور تعصب سے خالی نہ تھے بلکہ اُن کے دل ان تاریک

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۱ صفحہ ۸ پرچہ ۱۰ جون ۱۹۰۲ء

مخالفت سے سیاہ ہو چکے تھے، میری مخالفت کی اور اس مخالفت کو شرارت اور ایذا رسانی کی حد تک پہنچایا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کے لیے غیرت رکھتا ہے، طاعون کو بھیجا۔ اور یہ اس وقت ہوا ہے جب ہر قسم کی حجت پوری ہو چکی۔ عقلی دلائل اُن کے سامنے پیش کیے گئے۔ نصوصِ قرآنیہ حدیثیہ سے اُن پر حجت پوری کی اور آخر خدا تعالیٰ کے تائیدی نشانات بھی کثرت کے ساتھ ظاہر ہوئے۔ ہر قسم کے نشان اُن کو ملے، مگر انھوں نے انکو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور اُن پر ٹھٹھا کیا۔ اس لیے آخری علاج طاعون رکھا گیا۔ یہ وہ نشان ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آج سے پچیس برس پہلے براہین میں بھی کیا ہے اور خدا تعالیٰ نے پہلی کتابوں میں بھی مسیح موعود کے زمانہ کا یہ ایک نشان رکھا ہے۔ اس سے وہی بچیں گے جو توحید اختیار کریں گے اور عاجز انسان کو خدا نہ بنائیں گے۔ اور خدائی صفات سے اُس کو متصف نہ ٹھہرائیں گے اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول کی قدر کریں گے۔

مسئلہ وفاتِ مسیح کی اہمیت

سب سے پہلی بات جو یاد رکھنی چاہیے، وہ وفاتِ مسیح کا ہی مسئلہ ہے۔ یہ لوگ بعض وقت دھوکا دیتے ہیں کہ وفاتِ مسیح کی بحث کی ضرورت ہی کچھ نہیں، حالانکہ اصل جڑ یہی ہے۔ اس مسئلہ سے عیسائیوں کی ساری کارروائی باطل ہوتی ہے اور حضرت مسیح کی خدائی کی ٹانگ ٹوٹتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف نے وفاتِ مسیح کے مسئلہ پر برخلاف اور نبیوں کی وفات کے بہت ہی بڑا زور دیا ہے۔ اور تیس سے بھی زیادہ آیتوں میں اس مضمون کو بیان کیا۔ چنانچہ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ اور فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ وغیرہ آیتوں میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ ذکر موجود ہے۔ یہ بیوقوف کہتے ہیں کہ وفات نہیں ہوئی بلکہ خدا نے آسمان پر اُٹھا لیا۔ یہ غلطیاں ہیں جو کتاب اللہ کے خلاف دین کی ہتک کے لیے لوگوں نے از خود پیدا کر لی ہیں۔ خدا تعالیٰ نہیں چاہتا ہے کہ اُس کی صفات عاجز انسان کو دی جاویں۔ پھر کس شیخی پر یہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ کیا اسلام اسی کا نام ہے کہ یہ اقرار کیا جاوے کہ کچھ مخلوق خدا کی ہے اور کچھ مسیح کی۔ میں سچ کہتا ہوں کہ ایسے عقائد بنا کر ان لوگوں نے اسلام کی ہتک کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور خدا تعالیٰ کی مخالفت کی ہے۔

خالص توحید اسلام نے سکھائی

اسلام وہ مصفا اور خالص توحید لے کر آیا تھا جس کا نمونہ اور نام و نشان بھی دوسرے ملتوں اور مذہبوں میں پایا نہیں جاتا۔ یہاں تک کہ میرا ایمان ہے کہ اگرچہ پہلی کتابوں میں بھی خدا کی توحید بیان کی گئی ہے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی غرض اور منشاء بھی توحید ہی کی اشاعت تھی۔ لیکن جس اسلوب اور طرز پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

توحید لے کر آئے اور جس نہج پر قرآن نے توحید کے مراتب کو کھول کھول کر بیان کیا ہے کسی اور کتاب میں اس کا ہرگز پتہ نہیں ہے۔ پھر جب ایسے صاف چشمہ کو انھوں نے مکدر کرنا چاہا ہے، تو بتاؤ۔ اسلام کی توہین میں کیا باقی رہا۔ اس پر ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ جب ان کو وہ اصل اسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے پیش کیا جاتا ہے اور قرآن شریف کے ساتھ ثابت کر کے دکھایا جاتا ہے کہ تم غلطی پر ہو تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح مانتے آئے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں کہ کیا اتنی بات کہہ کر یہ اپنے آپ کو بری کر سکتے ہیں؟ نہیں! بلکہ قرآن شریف کے موافق اور خدا تعالیٰ کی سنتِ قدیم کے مطابق اس قول سے بھی ایک حجت اُن پر پوری ہوتی ہے۔ جب کبھی کوئی خدا کا مامور اور مُرسل آیا ہے تو مخالفوں نے اس کی تعلیم کو سُن کر یہی کہا ہے۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ (مومنون: ۲۵)

مجددین کی ضرورت

تعجب کی بات ہے کہ تجدید کا قانون یہ روزمرہ دیکھتے ہیں۔ ایک ہفتہ کے بعد کپڑے بھی میلے ہو جاتے ہیں اور اُن کے دُھلانے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن کیا پوری صدی گزر جانے کے بعد بھی مجدد کی ضرورت نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا۔ کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد اصلاحِ خلق کے لیے آتا ہے کیونکہ صدی کے اس درمیانی حصہ میں بہت سی غلطیاں اور بدعتیں دین میں شامل کر لی جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ کبھی پسند نہیں فرماتا کہ اس کے پاک دین میں خرابی رہ جاوے، اس لیے وُہ ان کی اصلاح کی خاطر مجدد بھیج دیتا ہے؛ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین پھر تابعین پھر تبع تابعین کے زمانے کیسے مبارک زمانے تھے۔ ان تین زمانوں کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خیر القرون فرمایا ہے۔ بعد اس کے نیکی اور خیر میں کمی آتی رہی اور غلطیاں پیدا ہونے لگیں۔ یہانتک کہ بہت ہی خطرناک غلطیاں پیدا ہو گئیں۔ یہ وُہ زمانہ ہے جس کا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیج اعوج رکھا ہے، جس میں جھوٹ کثرت سے پھیل گیا اور جس کی بابت آپؐ نے فرمایا۔ لَیْسُوْا مِنِّیْ وَلَسْتُ مِنْھُمْ۔

ظہور مہدی و مسیح موعود کی غرض

اب اس زمانہ کے بعد خدا نے چاہا ہے کہ ان غلطیوں کو دُور کرے اور اسلام کا حقیقی چہرہ پھر دنیا کو دکھائے اور شرک اور مُردہ انسان کی پرستش کو دُور کرے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزی طور پر ظہور ہوا۔ اور آپؐ کی عظمت کو مسیح کے مقابلہ میں ظاہر کرنے کے لیے خدا کی غیرت نے چاہا کہ احمدؐ کے غلام کو مسیح سے افضل قرار دیا۔

اسی بات کے لیے سُورج چاند کو رمضان میں مقررہ تاریخوں پر پیشگوئی کے موافق گرہن لگا۔ یہ مولوی جب تک یہ واقع نہ ہوا تھا۔ مہدی کی علامتوں میں بڑے زور شور سے منبروں پر چڑھ چڑھ کر اس کو بیان کرتے تھے۔

لیکن اب جبکہ خدا تعالیٰ نے اپنے وقت پر اس نشان کو ظاہر کر دیا تو میری مخالفت کے لیے یہ خدا تعالیٰ کے اس جلیل الشان نشان کی بے حرمتی کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک پیشگوئی کی توہین کرتے ہوئے حدیثوں کو جھوٹا قرار دیتے ہیں !!! افسوس۔

اسی طرح یہود کے بڑے بڑے مولوی فقیہ اور فریسی کرتے تھے۔ جب حضرت مسیح آئے اُنہوں نے بھی انکار کیا۔ یاد رکھو حق میں ایک خوشبو ہوتی ہے اور وہ خود بخود پھیل جاتی ہے اور خدا اس کی حمایت کرتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ نے مجھے مامور کیا تھا۔ اس وقت میں اکیلا تھا اور کوئی مجھے جانتا بھی نہ تھا، مگر اب پچاس ہزار سے بھی زیادہ انسان اس سلسلہ میں شامل ہیں اور اطرافِ عالم میں اس دعویٰ کا شور مچ گیا ہے۔ خدا تعالیٰ اگر ساتھ نہ ہوتا اور اُس کی طرف سے یہ سلسلہ نہ ہوتا، تو اس کی تائید کیونکر ہو سکتی تھی اور یہ سلسلہ قائم کیونکر رہ سکتا تھا؟

مخالفت کی وجہ

اور پھر یہ نہیں کہ اس طریق میں سب کو خوش کیا گیا تھا، نہیں بلکہ سب سے مخالفت اور سب کو ناراض کیا گیا۔ عیسائی الگ ناراض اور سب سے بڑھ کر ناراض ہیں، جبکہ اُن کو سُنایا گیا کہ صلیبی اعتقاد کو پاش پاش کرنے آیا ہوں اور اُن کو دعوت کی گئی کہ تمہارا یسوع مسیح جس کو تم نے خدا بنایا ہے اور جس کی صلیبی موت پر جو تمہارے نزدیک لعنتی موت ہے تمہاری نجات منحصر ہے، وہ تو ایک عاجز انسان تھا اور وہ کشمیر میں مرا پڑا ہے۔ عیسائی اگر ناراض تھے تو اور کسی قوم کے ساتھ بھی صُلح نہ رہی۔ آریوں کے ساتھ الگ مخالفت، جبکہ اُن کے نیوگ، تناسخ اور دُوسرے معتقدات کی ایسی تردید کی گئی کہ جس کا جواب اُن سے کبھی نہ ہو سکے گا۔ اور آخر خدا تعالیٰ نے اپنے ایک بیّن نشان کے ساتھ اُن پر حجت پوری کی اور اگر باہر والے ناراض تھے۔ تو مسلمان ہی خوش ہوتے، مگر تم دیکھ لو کہ ان لوگوں کی جب غلطیاں نکالی گئیں۔ اُن کے مشائخ، پیرزادوں مولویوں اور دُوسرے لوگوں کی بدعتوں اور مشرکانہ رسُومات کو ظاہر کیا گیا اور اُن کے خانہ ساز عقائد کو کھولا گیا تو یہ سب سے بڑھ کر دشمن ثابت ہوئے۔ اب ان سب لوگوں کی مخالفت کے ہوتے ہوتے اس سلسلہ کا ترقی کرنا۔ اور دن بدن بڑھنا بتاؤ خدا کی تائید کے بغیر ہو سکتا ہے؟ کیا انسانی منصوبوں سے یہ عظیم الشان سلسلہ چل سکتا ہے؟

انسان کی عادت میں داخل ہے کہ جب اسکی عادت اور عقیدہ کے خلاف کہا جاوے تو وہ مخالف ہو جاتا ہے اور ناراض ہو جاتا ہے۔ ایک ہندو کو جب گنگا کے خلاف ذرا سی بات بھی کہی جاوے تو وہ دشمن بن جاتا ہے۔ پھر کُل مذاہب کے خلاف کہا گیا۔ وُہ کیوں ناراض نہ ہوتے اور اس پر اگر خدا کی طرف سے یہ کام نہ ہوتا تو تباہ ہو جاتا۔ اس قدر مخالفت کے ہوتے ہوتے اُس کا سرسبز ہونا ہی اس کے خدا کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔

پھر عام پیروں اور مشائخ کی طرح نہیں کہ نذر و نیاز سے ہی کام ہے خواہ وُہ چوری کی ہی ہو۔ اور کچھ بھی خدا تعالیٰ کی سچی شریعت کے متعلق نہیں بتاتے، بلکہ بتاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ وُہ اس قدر جرأت نہیں کر سکتے کہ ایک عمر

مُرید کو چوری کرنے سے منع کرسکیں یا سود خوار یا بدکار کو اس کے عیبوں سے آگاہ کرسکیں۔ دُنیا کے گدی نشینوں اور مہنتوں کا اس طرح پر گذارہ نہیں ہو سکتا۔

یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے

یہ خدا ہی کے سلسلہ میں برکت ہے کہ وہ دشمنوں کے درمیان پرورش پاتا اور بڑھتا ہے۔

اُنھوں نے بڑے بڑے منصُوبے کئے۔ خون تک کے مقدمے بنوائے، مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو باتیں ہوتی ہیں، وُہ ضائع نہیں ہوسکتیں۔ مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ سلسلہ خدا کی طرف سے ہے۔ اگر انسانی ہاتھوں اور انسانی منصوبوں کا نتیجہ ہوتا تو انسانی تدابیر اور انسانی مقابلے اب تک اُس کو نیست و نابُود کرچکے ہوتے انسانی منصُوبوں کے سامنے اس کا بڑھنا اور ترقی کرنا ہی اس کے خدا کی طرف سے ہونے کا ثبوت ہے۔ پس جس قدر تم اپنی قوتِ یقین کو بڑھاؤ گے، اسی قدر دل روشن ہوگا۔

دُعا کے آداب

قرآن شریف کو پڑھو اور خدا سے کبھی نا اُمید نہ ہو۔ مومن خدا سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ یہ کافروں کی عادت میں داخل ہے کہ وُہ خدا تعالیٰ سے مایُوس ہو جاتے ہیں ہمارا خدا عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ خدا ہے۔ قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھو اور نمازوں کو سنوار سنوار کر پڑھو اور اس کا مطلب بھی سمجھو۔ اپنی زبان میں بھی دُعائیں کرو۔ قرآن شریف کو ایک معمولی کتاب سمجھ کر نہ پڑھو، بلکہ اُس کو خدا تعالیٰ کا کلام سمجھ کر پڑھو۔ نماز کو اسی طرح پڑھو، جس طرح رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔ البتہ اپنی حاجتوں اور مطالب کو مسنُون اذکار کے بعد اپنی زبان میں بیشک ادا کرو اور خدا تعالیٰ سے مانگو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے نماز ہرگز ضائع نہیں ہوتی۔ آجکل لوگوں نے نماز کو خراب کر رکھا ہے۔ نمازیں کیا پڑھتے ہیں ٹکریں مارتے ہیں۔ نماز تو بہت جلد جلد مُرغ کی طرح ٹھونگیں مار کر پڑھ لیتے ہیں اور پیچھے دُعا کے لیے بیٹھے رہتے ہیں۔ نماز کا اصل مغز اور رُوح تو دُعا ہی ہے۔ نماز سے نکل کر دُعا کرنے سے وہ اصل مطلب کہاں حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک شخص بادشاہ کے دربار میں جاوے اور اس کو اپنا عرضِ حال کرنے کا موقع بھی ہو، لیکن وہ اس وقت تو کچھ نہ کہے لیکن جب دربار سے باہر جاوے تو اپنی درخواست پیش کرے۔ اسے کیا فائدہ۔ ایسا ہی حال ان لوگوں کا ہے جو نماز میں خشوع خضوع کے ساتھ دُعائیں نہیں مانگتے۔ تم کو جو دعائیں کرنی ہوں، نماز میں کر لیا کرو۔ اور پورے آدابِ الدعا کو ملحوظ رکھو۔[1]

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے شروع ہی میں دُعا سکھائی ہے اور اس کے ساتھ ہی دُعا کے آداب بھی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۲ صفحہ ۳-۵ پرچہ ۱۷ ؍جون ۱۹۰۲ء

بتا دیئے ہیں۔ سُورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا لازمی ہے اور یہ دُعا ہی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصل دُعا نماز ہی میں ہوتی ہے، چنانچہ اس دُعا کو اللہ تعالیٰ نے یُوں سکھایا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ الیٰ آخرہ۔ یعنی دُعا سے پہلے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جاوے جس سے اللہ تعالیٰ کے لیے رُوح میں ایک جوش اور محبت پیدا ہو، اس لیے فرمایا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ سب کو پیدا کرنیوالا اور پالنے والا۔ الرَّحْمٰنِ۔ جو بلا عمل اور بن مانگے دینے والا ہے۔ الرَّحِیْمِ۔ پھر عمل پر بھی بدلہ دیتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی دیتا ہے۔ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ ہر بدلہ اُسی کے ہاتھ میں ہے نیکی بدی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ پُورا اور کامل موحد تب ہی ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کو مالک یوم الدین تسلیم کرتا ہے۔ دیکھو حکام کے سامنے جاکر ان کو سب کچھ تسلیم کر لینا یہ گُناہ ہے اور اس سے شرک لازم آتا ہے۔ اس لحاظ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو حاکم بنایا ہے۔ اُن کی اطاعت ضروری ہے، مگر اُن کو خدا ہرگز نہ بناؤ۔ انسان کا حق انسان کو اور خدا تعالیٰ کا حق خدا تعالیٰ کو دو۔ پھر یہ کہو۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ہم کو سیدھی راہ دکھا۔ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیے اور وہ نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین کا گروہ ہے۔ اس دُعا میں ان تمام گروہوں کے فضل اور انعام کو مانگا گیا ہے۔ ان لوگوں کی راہ سے بچا، جن پر تیرا غضب ہوا اور جو گمراہ ہوئے۔ غرض یہ مختصر طور پر سُورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہے۔ اسی طرح پر سمجھ سمجھ کر ساری نماز کا ترجمہ پڑھ لو اور پھر اسی مطلب کو سمجھ کر نماز پڑھو۔ طرح طرح کے حرف رٹ لینے سے کچھ فائدہ نہیں۔ یہ یقیناً سمجھو کہ آدمی میں سچی توحید آ ہی نہیں سکتی، جبتک وہ نماز کو طوطے کی طرح پڑھتا ہے۔ رُوح پر وہ اثر نہیں پڑتا اور ٹھوکر نہیں لگتی جو اس کو کمال کے درجہ تک پہنچاتی ہے۔ عقیدہ بھی یہی رکھو کہ خدا تعالیٰ کا کوئی ثانی اور ند نہیں ہے اور اپنے عمل سے بھی یہی ثابت کر کے دکھاؤ۔

سلسلہ احمدیہ کے برحق ہونے کا ثبوت

خدا تعالیٰ کی دُو زبردست گواہیاں ہر بات میں ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔ اوّل گواہی اس کی کتاب کی ہے جو قرآن شریف ہے۔ قرآن شریف میں جو کچھ لکھا ہے، وہ سب صحیح اور سچ ہے اور ہم ایمان لاتے اور یقین کرتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس اس کو مانو۔ اور دوسری گواہی اس کے کام کی ہے۔ زمین و آسمان اپنی شہادتوں سے اس کی سچائی کو ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو جو قائم کیا ہے اور مجھے جو پیدا کیا ہے تو اس میں بھی ان دونوں گواہیوں کو ساتھ رکھا ہے۔

اوّل ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فوت ہونے کا بڑی صفائی کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر کیا

اور تیس آیتوں میں کھول کھول کر اُس کی موت بیان کی۔

دوم۔ قرآن شریف نے یہ بھی تعلیم دی کہ حقیقی مُردے کبھی واپس نہیں آسکتے۔

سوم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ ٹھہرا کر یہ تعلیم دی کہ جس طرح سلسلہ موسوی میں رسول آتے رہے محمدی سلسلہ میں بھی اس کا نمونہ اور نظیر ہوگی۔ گویا اُس سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء کے نام پر مسیح کے نام سے آئے گا۔

چنانچہ ان وعدوں کے موافق جب خدا نے مجھے مسیح موعود بنا کر بھیجا تو میری تائید میں زمین اور آسمان نے بھی اپنی شہادت کو ادا کر دیا۔

یعنی زمین کی حالت بجائے خود ایسی ہو گئی کہ وہ پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ خدا کا مامور اور مُصلح اسوقت آئے۔ وُہ ہر قسم کے فساد سے لبریز ہو گئی تھی۔ اسلام پر خطرناک حملے شروع ہو چکے تھے۔ آسمان نے اپنے نشانوں سے میری شہادت دی؛ چنانچہ جس طرح پر پہلے کہا گیا تھا، اُسی طرح اپنے وقت پر کسوف و خسوف ہو گیا۔ زمین کے دُوسرے نشانات میں سے طاعون بھی ایک بڑا نشان ہے۔ غرض جو کچھ تسلّی کے لیے ضروری تھا۔ وہ خدا نے سب پُورا کر دیا۔ اگر کسی کو خبر نہیں تو اُسے چاہیے کہ ان کتابوں کو جو ہم نے لکھی ہیں پڑھے یا سُنے کہ کیونکر خدا تعالیٰ نے اپنے نشانات کو وقت پر پورا کیا ہے۔ بغیر علم کے انسان اندھا ہوتا ہے اور جہالت ایک موت ہے۔ پس اس نابینائی اور موت سے بچنا چاہیے۔ خدا کے نشانات سمندر کی طرح بہہ رہے ہیں۔ ایک زبردست اور کھُلا کھُلا نشان طاعون کا ہے جو خدا تعالیٰ نے طعنہ کرنے والوں اور سفیہوں کے لیے رکھا ہوا تھا۔ وُہ بھی پورا ہو گیا۔ مَیں سچ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ اس وقت غضب میں ہے۔ اُس کی باتوں پر ہنسی کی گئی۔ اس کے نشانوں کو ذلیل قرار دیا گیا، اس لیے خدا کے قہر کے دن آگئے۔ اب دیکھو گے کہ وہ کیا کرے گا۔ اب وہ وقت آیا ہے کہ یہ الہام پورا ہو رہا ہے۔

"دُنیا میں ایک نذیر آیا پر دُنیا نے اُس کو قبول نہ کیا لیکن خدا اُسے قبول کرے گا اور بڑے زور آور حملوں سے اُس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔"

اس لیے اب وہ وقت ہے کہ نیکبخت کو بھی ڈرنا چاہیے، کیونکہ خدا بے نیاز ہے۔ موت کو یاد رکھو کہ یہ دن خدا کے غضب کے ہیں۔ نمازوں پر پکے ہو جاؤ۔ تہجد پڑھو اور عورتوں کو بھی نماز کی تاکید کرو۔

طاعون قہرِ الٰہی ہے

غرض یہ طاعون خدا کا قہر ہے۔ عقلمند وہی ہے جو ہوا پہچان لے اور خدا کی باتوں پر صدقِ دل سے ایمان لے آئے۔ یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ جو اس وقت

عذاب دے رہا ہے۔ وہ ایک خاص کام کے لیے عذاب دے رہا ہے۔ ہمارے سلسلہ کی بابت مولویوں صوفیوں یا سجادہ نشینوں سے بات کرو تو وہ پہلے ہی گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں۔ اب دیکھ لو کہ خدا تعالیٰ کا صبر کتنا بڑا صبر ہے کہ ہزار برس سے اُوپر ہونے کو آیا ہے کہ خدا کے پاک نبیوں اور راستبازوں اور برگزیدوں کو گالیاں دی جاتی ہیں اور اُن کی بےحرمتی اور ذلّت کے لیے ہر قسم کے وسائل اختیار کئے جاتے ہیں آخر اُس نے ان سب نبیوں اور خصوصاً ہمارے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عزت وعظمت کو قائم کرنے کے لیے یہ سلسلہ قائم کیا۔ اور جب سے یہ قائم ہوا۔ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوا جو پہلے راستبازوں کے ساتھ ہوا تھا، مگر آخر خدا تعالےٰ نے ان حد سے بڑھے ہوئے بیباکوں اور شوخ چشموں کا علاج کرنا چاہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ وہ بہت حلیم ہے، مگر اس میں بھی کلام نہیں کہ جب پکڑتا ہے تو سخت پکڑتا ہے۔ کیا سچ کہا ہے۔ شعر ؎

ہاں مشو مغرور بر حلم خدا

دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے

آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ سعید الفطرت ہوتے ہیں جو پہلے ہی مان لیتے ہیں، یہ لوگ بڑے ہی دُور اندیش اور باریک بین ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور ایک بیوقوف ہوتے ہیں۔ جب سر پر آ پڑتی ہے تب کچھ چونکتے ہیں۔ اس لیے تم اس سے پہلے کہ خدا کا غضب آجاوے، دُعا کرو اور اپنے آپ کو خدا کی پناہ اور حفاظت میں دیدو۔ دُعا اس وقت قبول ہوتی ہے جب دل میں دَرد اور رقت پیدا ہو اور مصائب اور غضبِ الٰہی دُور ہو، لیکن جب بلا سر پر آئی ہے بیشک اس وقت بھی ایک درد پیدا ہوتا ہے، مگر وہ درد قبولیت دعا کا جذب اپنے اندر نہیں رکھتا۔ یقیناً سمجھو کہ اگر مصیبت سے پہلے اپنے دلوں کو گداز کرو گے اور خدا تعالیٰ کے حضور اپنی اور اپنے خاندان کی حفاظت کے لیے گریہ وبکا کرو گے تو تمہارے خاندان اور تمہارے بچے طاعون کے عذاب سے بچائے جائیں گے۔ اگر دنیاداروں کی طرح رہو گے تو اس سے کچھ فائدہ نہیں کہ تم نے میرے ہاتھ پر توبہ کی۔ میرے ہاتھ پر توبہ کرنا ایک موت کو چاہتا ہے تاکہ تم نئی زندگی میں ایک اور پیدائش حاصل کرو۔

بیعت اگر دل سے نہیں تو کوئی نتیجہ اس کا نہیں۔ میری بیعت سے خدا دل کا اقرار چاہتا ہے۔ پس جو سچے دل سے مجھے قبول کرتا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے۔ غفور ورحیم خدا اُس کے گناہوں کو ضرور بخش دیتا ہے۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے نکلا ہے۔ تب فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ ایک

گاؤں میں اگر ایک آدمی نیک ہو، تو اللہ تعالیٰ اُس نیک کی رعایت اور خاطر سے اس گاؤں کو تباہی سے محفوظ کر لیتا ہے، لیکن جب تباہی آتی ہے تو پھر سب پر پڑتی ہے، مگر پھر بھی وہ اپنے بندوں کو کسی نہ کسی نہج سے بچا لیتا ہے۔ سنت اللہ یہی ہے کہ اگر ایک بھی نیک ہو تو اس کے لیے دوسرے بھی بچائے جاتے ہیں۔

جیسے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ ہے کہ جب لُوط کی قوم تباہ ہونے لگی، تو اُنھوں نے کہا کہ اگر سَو میں سے ایک ہی نیک ہو تو کیا تباہ کر دے گا۔ کہا نہیں۔ آخر ایک تک بھی نہیں کروں گا۔ فرمایا، لیکن جب بالکل حد ہی ہو جاتی ہے تو پھر لَا یَخَافُ عُقْبٰھَا۔ خدا کی شان ہوتی ہے۔ پلیدوں کے عذاب پر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ اُن کی بیوی بچّوں کا کیا حال ہوگا اور صادقوں اور راستبازوں کے لیے کَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا کی رعایت کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ اور خضر کو حکم ہوا تھا کہ ان بچّوں کی دیوار بنا دو۔ اس لیے کہ اُن کا باپ نیک بخت تھا۔ اور اس کی نیک بختی کی خدا نے ایسی قدر کی کہ پیغمبر راج مزدور ہوئے۔ غرض ایسا تو رحیم کریم ہے، لیکن اگر کوئی شرارت کرے اور زیادتی کرے تو پھر بہت بُری طرح پکڑتا ہے۔ وہ ایسا غیور ہے کہ اس کے غضب کو دیکھ کر کلیجہ پھٹتا ہے۔ دیکھو لُوط کی بستی کو کیسے تباہ کر ڈالا۔

اس وقت بھی دنیا کی حالت ایسی ہو رہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے غضب کو کھینچ لائی ہے۔ تم بہت اچھے وقت آ گئے ہو۔ اب بہتر اور مناسب یہی ہے کہ تم اپنے آپ کو بدلا لو۔ اپنے اعمال میں اگر کوئی انحراف دیکھو تو اُسے دُور کرو۔ تم ایسے ہو جاؤ کہ نہ مخلوق کا حق تم پر باقی رہے نہ خدا کا۔ یاد رکھو جو مخلوق کا حق دباتا ہے اُس کی دُعا قبول نہیں ہوتی، کیونکہ وہ ظالم ہے[1]۔

اپنی زندگی میں انقلاب پیدا کرو

اس سلسلہ میں داخل ہو کر تمہارا وجود الگ ہو اور تم بالکل ایک نئی زندگی بسر کرنے والے انسان بن جاؤ۔ جو کچھ تم پہلے تھے وہ نہ رہو۔ یہ مت سمجھو کہ تم خدا تعالیٰ کی راہ میں تبدیلی کرنے سے محتاج ہو جاؤ گے یا تمھارے بہت سے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔ نہیں۔ خدا کا دامن پکڑنے والا ہرگز محتاج نہیں ہوتا۔ اس پر کبھی بُرے دن نہیں آ سکتے۔ خدا جس کا دوست اور مددگار ہو۔ اگر تمام دنیا اُس کی دشمن ہو جاوے تو کچھ پرواہ نہیں۔ مومن اگر مشکلات میں بھی پڑے تو وہ ہرگز تکلیف میں نہیں ہوتا بلکہ وہ دن اس کے لیے بہشت کے دن ہوتے ہیں۔ خدا کے فرشتے ماں کی طرح اُسے گود میں لے لیتے ہیں۔

مختصر یہ کہ خدا خود اُن کا محافظ اور ناصر ہو جاتا ہے۔ یہ خدا جو ایسا خدا ہے کہ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۲ تا ۴ پرچہ ۲۴؍جون ۱۹۰۲ء

ہے وہ عالم الغیب ہے وہ حیّ وقیوم ہے۔ اس خدا کا دامن پکڑنے سے کوئی تکلیف پا سکتا ہے؟ کبھی نہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے حقیقی بندے کو ایسے وقتوں میں بچا لیتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ آگ میں پڑ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زندہ نکلنا کیا دنیا کے لیے حیرت انگیز امر نہ تھا۔ کیا ایک خطرناک طوفان میں حضرت نوحؑ اور آپ کے رفقاء کا سلامت بچ رہنا کوئی چھوٹی سی بات تھی۔ اس قسم کی بے شمار نظیریں موجود ہیں۔ اور خود اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت کے کرشمے دکھائے ہیں۔ دیکھو مجھ پر خون اور اقدامِ قتل کا مقدمہ بنایا گیا۔ ایک بڑا بھاری ڈاکٹر جو پادری ہے وہ اس میں مدعی ہوا۔ اور آریہ اور بعض مسلمان اُس کے معاون ہوتے لیکن آخر وہی ہوا جو خدا نے پہلے سے فرمایا تھا۔ ابراء (بے قصور ٹھہرانا)

پس یہ وقت ہے کہ تم توبہ کرو اور اپنے دلوں کو پاک صاف کرو۔ ابھی طاعون تمہارے گاؤں میں نہیں۔ یہ خدا کا فضل و کرم ہے۔ اس لیے توبہ کا وقت ہے۔ اور اگر مصیبت سر پر آ پڑی اس وقت توبہ کیا فائدہ دے گی۔ جموں، سیالکوٹ اور لدھیانہ وغیرہ اضلاع میں دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک طوفان برپا ہے اور قیامت کا ہنگامہ ہو رہا ہے۔ اس قدر خوفناک موتیں ہوئی ہیں کہ ایک سنگدل انسان بھی اس نظارہ کو دیکھ کر ضبط نہیں کر سکتا۔ چھوٹا سا بچہ پاس پڑا ہوا تڑپ رہا اور بلبلا رہا ہے۔ ماں باپ سامنے مرتے ہیں، کوئی خبر گیر نہیں ہے بہت عرصہ کا ذکر ہے کہ میں نے ایک رویا دیکھی تھی کہ ایک بڑا میدان ہے۔ اس میں ایک بڑی نالی کھدی ہوئی ہے جس پر بھیڑیں لٹا کر قصاب ہاتھ میں چھری لئے ہوئے بیٹھے ہیں اور وہ آسمان کی طرف منہ کیے ہوئے حکم کا انتظار کرتے ہیں۔ میں پاس ٹہل رہا ہوں۔ اتنے میں میں نے پڑھا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان:۷۸) یہ سنتے ہی انہوں نے جھٹ چھری پھیر دی۔ بھیڑیں تڑپتی ہیں اور وہ قصاب انہیں کہتے ہیں کہ تم ہو کیا۔ گُوہ کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ وہ نظارہ اس وقت تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

غرض خدا بے نیاز ہے، اُسے صادق مومن کے سوا اور کسی کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور بعد از وقت دُعا قبول نہیں ہوتی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہے اُس وقت اُسے راضی کرنا چاہیے، لیکن جب اپنی سیہ کاریوں اور گناہوں سے اُسے ناراض کر لیا اور اس کا غضب اور غصہ بھڑک اُٹھا۔ اُس وقت عذابِ الٰہی کو دیکھ کر توبہ استغفار شروع کی اس سے کیا فائدہ ہوگا جب سزا کا فتویٰ لگ چکا۔

یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شہزادہ بھیس بدل کر نکلے اور کسی دولت مند کے گھر جا کر روٹی یا کپڑا پانی مانگے اور وہ باوجود مقدرت ہونے کے اس سے مسخری کریں اور دھکے مار کر نکال دیں۔ اور وہ اسی طرح سارے گھر پھرے، لیکن ایک گھر والا اپنی چارپائی دے کر بٹھائے اور پانی کی بجائے شربت اور خشک روٹی کی بجائے

پلاؤ دے اور پھٹے ہوئے کپڑوں کی بجائے اپنی خاص پوشاک اس کو دے تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ چونکہ دراصل تو بادشاہ تھا۔ اب ان لوگوں سے کیا سلوک کرے گا۔ صاف ظاہر ہے کہ ان کمبختوں کو جنھوں نے باوجود مقدرت ہونے کے اس کو دھتکار دیا اور اس سے بدسلوکی کی سخت سزا دے گا اور اس غریب کو جس نے اس کے ساتھ اپنی ہمت اور طاقت سے بڑھ کر سلوک کیا وہ دے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ خدا کہے گا کہ مَیں بھوکا تھا۔ مجھے کھانا نہ دیا۔ مَیں ننگا تھا۔ مجھے کپڑا نہ دیا۔ مَیں پیاسا تھا، مگر مجھے پانی نہ دیا۔ وہ کہیں گے کہ یا رب العالمین کب؟ وہ فرمائے گا۔ فلاں جو میرا حاجتمند بندہ تھا۔ اس کو دینا ایسا ہی تھا، جیسا مجھ کو۔ اور ایسا ہی ایک شخص کو کہے گا کہ تو نے روٹی دی کپڑا دیا۔ وہ کہے گا کہ تُو تو رب العالمین ہے کہ کب گیا تھا کہ مَیں نے دیا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فلاں بندہ کو دیا تھا۔

غرض نیکی وہی ہے جو قبل از وقت ہے۔ اگر بعد میں کچھ کرے تو کچھ فائدہ نہیں۔ خدا نیکی قبول نہیں کرتا جو صرف فطرت کے جوش سے ہو۔ کشتی ڈوبتی ہے تو سب روتے ہیں اگر وہ رونا اور چلانا چونکہ تقاضۂ فطرت کا نتیجہ ہے اس لیے اس وقت سُودمند نہیں ہو سکتا اور وہ اس وقت مفید ہے جو اس سے پہلے ہوتا ہے جبکہ امن کی حالت ہو۔

یقیناً سمجھو کہ خدا کو پانے کا یہی گر ہے جو قبل از وقت چوکتا اور بیدار ہوتا ہے۔ ایسا بیدار کہ گویا اس پر بجلی گرنے والی ہے اس پر ہرگز نہیں گرتی۔ لیکن جو بجلی کو گرتے دیکھ کر چلاتا ہے۔ اُس پر گِرے گی اور ہلاک کرے گی۔ وہ بجلی سے ڈرتا ہے نہ خدا سے۔

اسی طرح پر جب طاعون گھر میں آگئی اس وقت اگر توبہ و استغفار شروع کیا تو وہ طاعون کا خوف ہے نہ خُدا کا۔ اس کا بُت طاعون ہے خدا معبود نہیں۔ اگر خدا سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ یہ مت سمجھو کہ طاعون گرمی میں ہٹ جاتی۔ سردی میں پھر یہ ہی بلا آن موجود ہوتی ہے۔ بعض وقت اس کا دورہ ستّر ستّر برس تک ہوتا ہے۔ یہود پر بھی یہی بلا پڑی تھی۔

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ میں اللہ تعالیٰ نے یہی تعلیم دی ہے کہ ان یہودیوں کی راہ سے بچائیو جن پر طاعون پڑی تھی۔ پس قبل از وقت عاجزی کرو گے، تو تمہاری دعائیں بھی تمہارے لیے نیک نتیجے پیدا کریں گی۔ لیکن اگر تم غافل ہو گئے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ خدا کو ہر وقت یاد رکھو اور موت کو سامنے موجود سمجھو۔ زمیندار بڑے نادان ہوتے ہیں۔ اگر ایک رات بھی امن سے گذر جاوے تو بے خوف ہو جاتے ہیں۔

دیکھو تم لوگ کچھ محنت کر کے کھیت تیار کرتے ہو تو فائدہ کی امید ہوتی ہے۔ اسی طرح پر امن کے دن محنت کے لیے ہیں۔ اگر اب خدا کو یاد کرو گے تو اس کا مزہ پاؤ گے۔ اگرچہ زمینداری اور دُنیا کے کاموں کے

مقابلہ میں نمازوں میں حاضر ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے اور تہجد کے لیے اور بھی، مگر اب اگر اپنے آپ کو اس کا عادی کرلو گے، تو پھر کوئی تکلیف نہ رہے گی۔ اپنی دعاؤں میں طاعون سے محفوظ رہنے کی دعا ملالو۔ اگر دعائیں کرو گے تو وہ کریم رحیم خدا احسان کرے گا۔

دعائیں کرنے کے لیے نصیحت

دیکھو اب کام تم کرتے ہو۔ اپنی جانوں اور اپنے کُنبہ پر رحم ..... کرتے ہو بچوں پر تمہیں رحم آتا ہے جس طرح اب اُن پر رحم کرتے ہو۔ یہ بھی ایک طریق ہے کہ نمازوں میں اُن کے لیے دعائیں کرو۔ رکوع میں بھی دعا کرو۔ پھر سجدہ میں دُعا کرو۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بَلا کو پھیر دے اور عذاب سے محفوظ رکھے۔ جو دعا کرتا ہے۔ وہ محروم نہیں رہتا۔ یہ کبھی ممکن نہیں ہے کہ دُعائیں کرنے والا غافل پلید کی طرح مارا جاوے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدا کبھی پہچانا ہی نہ جاوے۔ وہ اپنے صادق بندوں اور غیروں میں امتیاز کرلیتا ہے۔ ایک پکڑا جاتا ہے۔ دوسرا بچایا جاتا ہے۔ غرض ایسا ہی کرو کہ پورے طور پر تم میں سچا اخلاص پیدا ہو جاوے۔[1]

۱۰ / اپریل ۱۹۰۲ء

دعا نہ کرنا سوءِ ادبی ہے

انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں یہی رہا ہے کہ وہ پیشگوئیوں کے دیئے جانے پر بھی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سچا ایمان رکھ کر بھی دعاؤں کے سلسلہ کو ہرگز نہ چھوڑتے تھے۔ اس لیے کہ وہ خدا تعالیٰ کے غنا ذاتی پر بھی ایمان لاتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خدا کی شان لَا یُدْرَکُ ہے اور یہ سوءِ ادب ہے کہ دُعا نہ کی جاوے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اضطراب سے دعا کر رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور! اب دُعا نہ کریں۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو فتح کا وعدہ دیا ہے، مگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں مصروف رہے

بعض نے اس پر تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت بہت بڑھی ہوئی تھی اور ہر کہ عارف تر باشد خائف تر باشد۔ وہ معرفت آپ کو اللہ تعالیٰ کے غنا ذاتی سے ڈراتی تھی۔ پس دُعا کا سلسلہ ہرگز چھوڑنا نہیں چاہیے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۵-۶ پرچہ ۱۰ / جولائی ۱۹۰۲ء

مسیح موعود کی دعاؤں کی عظمت

۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء صبح کی سیر میں فرمایا کہ

"میں آج کل طاعون سے قادیان کے محفوظ رہنے کے لیے بہت دعائیں کرتا ہوں اور باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے فرمائے ہیں لیکن یہ سُوءِ ادب اور انبیاء کے طریق سے دُور ہے کہ خدا کی لَایُدْرَکُ شان اور غناءِ ذاتی سے خوف نہ کیا جاوے۔ آج پہلے وقت ہی یہ الہام ہوا۔

دلم می بلرزد چو یاد آورم
مُناجات شوریدہ اندر حرم

شوریدہ سے مُراد دُعا کرنے والا ہے اور حرم سے مراد جس پر خدا نے تباہی کو حرام کر دیا ہو۔ اور دلم مے بلرزد خدا کی طرف ہے۔ یعنی یہ دعائیں قوی اثر ہیں میں انھیں جلدی قبول کرتا ہوں۔ یہ خدا تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا نشان ہے۔ دلم مے بلرزد بظاہر ایک غیر محل سا محاورہ ہو سکتا ہے اگر یہ اسی کے مشابہ ہے جو بخاری میں ہے کہ مومن کی جان نکالنے میں مجھے تردد ہوتا ہے۔

توریت میں جو پچھتانا وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں۔ دراصل وہ اسی قسم کے محاورہ ہیں جو اس سلسلہ کی ناواقفی کی وجہ سے لوگوں نے نہیں سمجھے۔ اس الہام میں خدا تعالیٰ کی اعلیٰ درجہ کی محبت اور رحمت کا اظہار ہے اور حرم کے لفظ میں گویا حفاظت کی طرف اشارہ ہے۔ (حرم کے لفظ پر اس وقت خاکسار ایڈیٹر نے عرض کیا تھا۔ مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا اور بھی اس لفظ حرم کی تصدیق کرتا ہے اور اب ہم کہتے ہیں کہ اِنِّیْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کا الہام بھی اسی کا مؤید ہے۔ یاد آورم اسی طرح ہے جیسے اُذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ (البقرہ: ۱۵۳)۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا

اللہ تعالیٰ جو قرض مانگتا ہے تو اس سے یہ مُراد نہیں ہوتی ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو حاجت ہے اور وہ محتاج ہے۔ ایسا وہم کرنا بھی کفر ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جزا کے ساتھ واپس کروں گا۔ یہ ایک طریق ہے اللہ تعالیٰ جس سے فضل کرنا چاہتا ہے۔

باپ کی شکل پر خدا تعالیٰ کو دیکھنا

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے رَاَیْتُ رَبِّیْ عَلٰی صُوْرَةِ اَبِیْ یعنی میں نے اپنے رب کو اپنے باپ کی شکل پر دیکھا۔ میں نے بھی اپنے والد صاحب کی شکل پر اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ ان کی شکل بڑی

بازُعب تھی۔ انہوں نے ریاست کا زمانہ دیکھا ہوا تھا، اس لیے بڑے بلند ہمت اور عالی حوصلہ تھے۔ غرض میں نے دیکھا کہ وہ ایک عظیم الشان تخت پر بیٹھے ہیں اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ خدا تعالیٰ ہے۔ اس میں سِر یہ ہوتا ہے کہ باپ چونکہ شفقت اور رحمت میں بہت بڑا ہوتا ہے اور قرب اور تعلق شدید رکھتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کا باپ کی شکل میں نظر آنا اُس کی عنایت تعلق اور شدت محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلئے قرآن شریف میں بھی آیا ہے کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ (البقرہ: ۲۰۱) اور میرے الہامات میں یہ بھی ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ۔ یہ قرآن شریف کی اسی آیت کے مفہوم اور مصداق پر ہے۔

الہام

۱۰؍اپریل کو الہام ہوا : " افسوس صد افسوس "۔

اور ۱۱؍اپریل کو الہام ہوا : " رہگرائے عالم جاودانی شد "

بعثتِ مسیح موعود کا اصل منشاء

" ہمارا اصل منشاء اور مدعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جلال ظاہر کرنا ہے اور آپ کی عظمت کو قائم کرنا۔ ہمارا ذکر تو ضمنی ہے۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں جذب اور افاضہ کی قوت ہے اور اسی افاضہ میں ہمارا ذکر ہے۔"[1]

۱۷؍اپریل ۱۹۰۲ء

طاعون سے متعلق ایک اعتراض کا جواب

بعد از نماز مغرب فرمایا :

طاعون کے متعلق بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اکثر غریب مرتے ہیں اور اُمراء اور ہمارے بڑے بڑے مخالف ابھی تک بچے ہوئے ہیں، لیکن سنت اللہ یہی ہے کہ ائمۃ الکفر اخیر میں پکڑے جایا کرتے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ کے وقت جس قدر عذاب پہلے نازل ہوئے۔ اُن سب میں فرعون بچا رہا، چنانچہ قرآن شریف میں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۷ صفحہ ۶ - ۷ پرچہ ۱۰؍مئی ۱۹۰۲ء

بھی آیا کہ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا (الرعد : ۴۲) یعنی ابتدا عوام سے ہوتا ہے اور پھر خواص پکڑے جاتے ہیں اور بعض کے بچانے میں اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت بھی ہوتی ہے کہ انھوں نے آخر میں توبہ کرنی ہوتی ہے یا اُن کی اولاد میں سے کسی نے اسلام قبول کرنا ہوتا ہے۔

مسیح موعود کا مقام

فرمایا : کمالاتِ متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے تھے۔ وہ سب حضرت رسول کریمؐ میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسولِ کریمؐ سے ظلّی طور پر ہم کو عطا کیے گئے۔ اور اسی لیے ہمارا نام آدم، ابراہیم، موسیٰ، نوح، داؤد، یوسف، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ وغیرہ ہے۔ چنانچہ ابراہیم ہمارا نام اس واسطے ہے کہ حضرت ابراہیم ایسے مقام میں پیدا ہوئے تھے کہ وہ بُت خانہ تھا اور لوگ بُت پرست تھے۔ اور اب بھی لوگوں کا یہی حال ہے کہ قسم قسم کے خیال اور وہمی بتوں کی پرستش میں مصروف ہیں اور وحدانیت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ پہلے تمام انبیاء ظِل تھے۔ نبی کریمؐ کی خاص خاص صفات میں اور اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریمؐ کے ظِل ہیں۔ مولانا رُوم نے خوب فرمایا ہے۔

نامِ احمدؐ نامِ جملہ انبیاء است
چوں بیامد صد نود ہم پیشِ ما است

نبی کریمؐ نے گویا سب لوگوں سے چندہ وصول کیا اور وہ لوگ تو اپنے اپنے مقامات اور حالات پر رہے پر نبی کریمؐ کے پاس کروڑوں روپے ہو گئے۔

ہندو اسلام کی طرف توجہ کریں گے

فرمایا : معلوم ہوتا ہے کہ اس عالمگیر طوفانِ وبا میں یہ ہندوؤں کی قوم بھی اسلام کی طرف توجہ کرے۔ چنانچہ جب ہم نے باہر مکان بنوانے کی تجویز کی تھی۔ تو ایک ہندو نے ہم کو آکر کہا تھا کہ ہم تو قوم سے علیحدہ ہو کر آپ ہی کے پاس باہر رہا کریں گے اور نیز دو دفعہ ہم نے رؤیا میں دیکھا کہ بہت سے ہندو ہمارے آگے سجدہ کرنے کی طرح جھکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اوتار ہیں اور کرشن ہیں اور ہمارے آگے نذریں دیتے ہیں اور ایک دفعہ الہام ہوا ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما ہو۔ تیری استتی گیتا میں موجود ہے۔ لفظ رودر کے معنے نذیر اور گوپال کے معنے بشیر کے ہیں۔

اُمتِ محمدی کی شان

فرمایا: عیسائیوں نے جو شور مچایا تھا کہ عیسیٰ مُردوں کو زندہ کرتا تھا۔ اور وُہ خدا تھا۔ اس واسطے غیرتِ الٰہی نے جوش مارا کہ دُنیا میں طاعون پھیلائے اور ہمارے مقام کو بچائے تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے کہ اُمتِ محمدی کا کیا شان ہے کہ احمدؐ کے ایک غلام کی اس قدر عزت ہے۔ اگر عیسیٰ مُردوں کو زندہ کرتا تھا، تو اب عیسائیوں کے مقامات کو اس بلا سے بچائے۔ اس وقت غیرتِ الٰہی جوش میں ہے، تاکہ عیسیٰ کی کسرِ شان ہو جس کو خدا بنایا گیا ہے۔

چہ خوش ترانہ زد ایں مطرب مقام شناس
کہ درمیان غزل قولِ آشنا آورد

قرآن میں مسیح کی معصومیت کے ذکر کی وجہ

قرآن شریف اور احادیث میں جو حضرت عیسیٰ کے نیک اور معصوم ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ دُوسرا کوئی نیک یا معصوم نہیں بلکہ قرآن شریف اور حدیث نے صرف یہود کے مُنہ کو بند کرنے کیلئے یہ فقرے بولے ہیں کہ یہود نعوذ باللہ مریم کو زنا کار عورت اور حضرت عیسیٰ کو ولدالزنا کہتے تھے۔ اس لیے قرآن شریف نے اُن کا ذب کیا ہے کہ وہ ایسا کہنے سے باز آویں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی برکات

فرمایا: حضرت رسُول کریمؐ کے ہزاروں جسمانی برکات بھی تھے۔ آپ کے جُبّہ سے بعد وفات آپ کے لوگ برکات چاہتے تھے۔ بیماریوں میں لوگوں کو شفا دیتے تھے اور بارش نہ ہوتی تو دُعا کرتے تھے اور بارش ہو جاتی تھی۔ ایک لاکھ سے زیادہ آپ کے اصحابی تھے۔ بہتوں کی جسمانی تکلیفات آپ کی دُعاؤں سے دُور ہو جاتی تھیں۔ عیسیٰ کو نبی کریمؐ کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ جس کے ساتھ چند آدمی تھے اور ان کا حال بھی انجیلوں سے ظاہر ہے کہ وہ کس مرتبہ رُوحانیت کے تھے۔

اِس اُمت کا فرعون

فرمایا: ابوجہل اس اُمت کا فرعون تھا، کیونکہ اس نے بھی نبی کریمؐ کی چند دن پرورش کی تھی جیسا کہ فرعونِ مصری نے حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی تھی۔ اور ایسا ہی مولوی محمد حسین صاحب نے ابتداء میں براہین پر ریویو لکھ کر ہمارے سلسلہ کی چند یوم پرورش کی۔

ایک الہام کی تشریح

حضرت اقدسؑ نے اپنا ایک پرانا الہام سُنایا۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَ الْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ اور فرمایا کہ :

اس میں ہم کو حضرت یحیٰیؑ کی نسبت دی گئی ہے کیونکہ حضرت یحیٰیؑ کو یہود کی ان اقوام سے مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ جو کتاب اللہ توریت کو چھوڑ بیٹھے تھے اور حدیثوں کے بہت گرویدہ ہو رہے تھے اور ہر بات میں احادیث کو پیش کرتے تھے۔ ایسا ہی اس زمانہ میں ہمارا مقابلہ اہل حدیث کے ساتھ ہوا کہ ہم قرآن پیش کرتے اور وہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

اذان کے وقت کوئی اور نیکی کا کام کرنا

ایک شخص اپنا مضمون اشتہار دربارہ طاعون سُنا رہا تھا۔ اذان ہونے لگی۔ وہ چُپ ہو گیا۔ فرمایا :

"پڑھتے جاؤ۔ اذان کے وقت پڑھنا جائز ہے۔"

طاعون زدہ علاقہ میں جانے کی ممانعت

ایک شخص نے دریافت کیا کہ میرے اہل خانہ اور بچے ایک ایسے مقام میں ہیں جہاں طاعون کا زور ہے۔ مَیں گھبرایا ہوا ہوں اور وہاں جانا چاہتا ہوں۔ فرمایا :

"مت جاؤ۔ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرہ : ۱۹۶) پچھلی رات کو اٹھ کر ان کے لیے دُعا کرو۔ یہ بہتر ہوگا بہ نسبت اس کے کہ تم خود جاؤ۔ ایسے مقام پر جانا گناہ ہے۔"

قرآنی الفاظ میں الہامات کی حکمت

حضرت اقدس کو الہام ہوا۔ اَنْتَ مَعِیْ وَاَنَا مَعَکَ۔ اِنِّیْ بَایَعْتُکَ بَایَعَنِیْ رَبِّیْ۔ فرمایا کہ :

اللہ تعالیٰ کا منشاء ہے کہ قرآن شریف کو حل کیا جائے اس واسطے اکثر الہامات جو قرآن شریف کے الفاظ میں ہوتے ہیں۔ ان کی ایک عملی تفسیر ہو جاتی ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ یہ دکھانا چاہتا ہے کہ یہی زندہ اور بابرکت زبان ہے اور تاکہ ثابت ہو جائے کہ تیرہ سو سال اس سے قبل ہی اسی طرح یہ خدا کا کلام نازل ہوا۔

قرآن مجید میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئیاں

فرمایا کہ :

اس آیت قرآن کریم میں اس زمانہ اور طاعون کے متعلق پیشگوئی ہے ۔ وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۔ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۔ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۔ فَالْمُلْقِیٰتِ ذِکْرًا۔ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا (المرسلات ۲ تا ۷)

قسم ہے ان ہواؤں کی جو آہستہ چلتی ہیں یعنی پہلا وقت ایسا ہوگا کہ کوئی کوئی واقعہ طاعون کا ہو جایا کرے۔ پھر وہ زور پکڑے اور تیز ہو جاوے۔ پھر وہ ایسی ہو کہ لوگوں کو پراگندہ کرے۔ اور پریشان خاطر کر دے۔ پھر ایسے واقعات ہوں کہ مومن اور کافر کے درمیان فرق اور تمیز کر دیں۔ اس وقت لوگوں کو سمجھ آ جائے گی کہ حق کس امر میں ہے۔ آیا اس امام کی اطاعت میں یا اس کی مخالفت میں۔ یہ سمجھ میں آنا بعض کے لیے صرف حجت ہوگا۔ (عذرًا) یعنی مرتے مرتے اُن کا دل اقرار کر جائے گا کہ ہم غلطی پر تھے اور بعض کے لیے (نُذرًا) یعنی ڈرانے کا موجب ہو گا کہ وہ توبہ کر کے بدیوں سے باز آویں[1]۔

---

۱۸ راپریل ۱۹۰۲ء

الہامات

فرمایا کہ آج رات کو یہ الہام ہوا :

اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ
وَمَنْ یَّلُوْمُہٗ اَلُوْمُ
اُفْطِرُ وَ اَصُوْمُ

یعنی میں اپنے رسُول کے ساتھ کھڑا ہوؤنگا۔ اُس کی مدد کروں گا اور جو اس کو ملامت کرے گا۔ اُس کو ملامت کروں۔ روزہ افطار کروں گا اور روزہ رکھوں گا یعنی کبھی طاعون بند ہو جائے گی اور کبھی زور کرے گی۔

نماز جمعہ کے بعد انجمن حمایت اسلام کا اشتہار در بارہ دعا برائے دفعیہ طاعون آپ کو دکھایا گیا۔ جس کی تحریک پر آپ نے طاعون کا مختصر اردو اشتہار لکھا۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۵ صفحہ ۷ تا ۹ ۔ پرچہ ۲۴ راپریل ۱۹۰۲ء

بدگو بدباطن مخالف سے اعراض مناسب ہے

قادیان میں ایک بدگو بدباطن مخالف آیا ہوا تھا۔ اس نے احباب میں سے ایک کو بلایا۔ وہ اس کے ساتھ بات کرنے کو گیا۔ حضرت کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ :

" ایسے خبیث مفسد کو اتنی عزت نہیں دینی چاہیے۔ کہ اُس کے ساتھ تم میں سے کوئی بات کرے "

خوابوں کو جمع کرنے کے لیے ارشاد

فرمایا کہ : مختلف لوگوں کو جو رویاء ہوتے ہیں۔ کہ قادیان میں طاعون نہیں ہوگی۔ ان خوابوں کو جمع کر کے شائع کر دینا چاہیے "

اصل مقصد تقدیس رسول ہے

مولوی محمد احسن صاحب ایک کتاب لکھنے کا ارادہ کرتے ہیں۔ ان کو فرمایا کہ :

" اصل میں ہمارا منشاء یہ ہے کہ رسول کریم کی تقدیس ہو اور آپ کی تعریف ہو۔ اور ہماری تعریف اگر ہو تو رسول اللہ کے ضمن میں ہو "

سلفِ صالحین کے متعلق مسلک

فرمایا " وفاتِ مسیح یا ایسے مسائل کے متعلق پہلے لوگ جو کچھ کہہ آئے ان کے متعلق ہم حضرت موسیٰ کی طرح یہی کہتے ہیں کہ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّيۡ (الاعراف : ۱۸۸) یعنی گذشتہ لوگوں کے حالات سے اللہ تعالیٰ بہتر واقف ہے۔ ہاں حال کے لوگوں کو ہم نے کافی طور پر سمجھا دیا ہے اور حجت قائم کر دی ہے "

ایک الہام کی تشریح

فرمایا " خدا تو چور کا بھی دشمن ہے۔ اگر میں مفتری ہوتا، تو وہ مجھے اتنی مہلت کیوں دیتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی عادت

یہی مصلحت ہے کہ موافق مخالف ہر طرح کے لوگ دُنیا میں ہوں تاکہ ایک نظارۂ قدرت ہو۔ جن دنوں لڑکی پیدا ہوئی تھی اور لوگوں نے غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے شور مچایا کہ پیشگوئی غلط نکلی۔ اُن دنوں میں یہ الہام ہوا تھا:

دشمن کا بھی خوب وار نکلا

تِس پر بھی وہ وار پار نکلا

یعنی مخالفوں نے تو یہ شور مچایا ہے کہ پیشگوئی غلط نکلی، مگر جلد فہیم لوگ سمجھ جائیں گے اور ناواقف شرمندہ ہوں گے۔

فرمایا: مکہ والوں کو جب فتح کا وعدہ دیا گیا۔ تو اُن کو ۱۳ سال اس کے انتظار میں گذر گئے۔ مگر آخر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا دن آگیا اور دشمن ہلاک ہو گئے، اور نہ وُہ کہا کرتے تھے مَتٰی ھٰذَا الْفَتْحُ (السجدہ: ۲۹)

ابتلا تمحیص کے لیے آتے ہیں

فرمایا: اللہ تعالیٰ تمحیص کرنا چاہتا ہے تاکہ جیسا دوسرے پیروں کا حال ہے۔ ہمارے پاس بھی ہر طرح کے گندے اور ناپاک لوگ شامل نہ ہو جاویں۔ اس واسطے اس قسم کے ابتلا بھی درمیان میں آجاتے ہیں۔

۲۶؍اپریل ۱۹۰۲ء

سوالات متعلقہ

بعض فقہی سوالات کے جوابات

ایک شخص نے عرض کی کہ زیور پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ:

"جو زیور استعمال میں آتا ہے اور مثلاً کوئی بیاہ شادی پر مانگ کر لے جاتا ہے تو دے دیا جاوے، وہ زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔"

سوال ہوا کہ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اُس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا:

الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۵ پرچہ ۳۰؍اپریل ۱۹۰۲ء

"اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا اور سمجھتا تھا، تو اس کا جنازہ نہ پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا، تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے، بشرطیکہ نماز جنازہ کا امام تم میں سے کوئی ہو۔ ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔"

سوال ہوا، کہ اگر کسی جگہ امام نماز حضور کے حالات سے واقف نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ فرمایا:

"پہلے تمہارا فرض ہے کہ اُسے واقف کرو۔ پھر اگر تصدیق کرے تو بہتر ورنہ اس کے پیچھے اپنی نماز ضائع نہ کرو اور اگر کوئی خاموش رہے نہ تصدیق کرے نہ تکذیب کرے تو وہ بھی منافق ہے۔ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھو۔"[1]

فرمایا: "اگر کوئی ایسا آدمی جو تم میں سے نہیں اور اس کا جنازہ پڑھنے اور پڑھانے والے غیر لوگ موجود ہوں اور وُہ پسند نہ کرتے ہوں کہ تم میں سے کوئی جنازہ کا پیش امام بنے اور جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایسے مقام کو ترک کرو اور اپنے کسی نیک کام میں مصروف ہو جاؤ۔"[1]

۲۷ر اپریل ۱۹۰۲ء

موجودہ عیسائیت درحقیقت پولوسی مذہب ہے

فرمایا: "جیسا کہ یہودی فاضل نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ موجودہ مذہب نصاریٰ جس میں شریعت کا کوئی پاس نہیں۔ اور سؤر کھانا اور غیر مختون رہنا وغیرہ تمام باتیں شریعت موسوی کے مخالف ہیں۔ یہ باتیں اصل میں پولوس کی ایجاد ہیں۔ اور اس واسطے ہم اس مذہب کو عیسوی مذہب نہیں کہہ سکتے بلکہ دراصل یہ پولوسی مذہب ہے اور ہم تعجب کرتے ہیں کہ حواریوں کو چھوڑ کر اور اُن کی رائے کے برخلاف کیوں ایسے شخص کی باتوں پر اعتبار کر لیا گیا تھا، جس کی ساری عمر یسوع کی مخالفت میں گذری تھی۔ مذہب عیسوی میں پولوس کا ایسا ہی حال ہے جیسا کہ باوا نانک صاحب کی اصل باتوں کو چھوڑ کر قوم سکھ گورو گوبند سنگھ کی باتوں کو پکڑ بیٹھی ہے۔ کوئی سند ایسی مل نہیں سکتی جس کے مطابق عمل کر کے پولوس جیسے آدمی کے خطوط اناجیل اربعہ کے ساتھ شامل کیے جا سکتے تھے۔ پولوس خواہ مخواہ معتبر بن بیٹھا تھا۔ ہم اسلام کی تاریخ میں کوئی ایسا آدمی نہیں پاتے۔ جو خواہ مخواہ صحابی بن بیٹھا ہو۔"[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

۲۸ر اپریل ۱۹۰۲ء

اشتہار دافع البلاء کی اشاعت کے لیے شیخ یعقوب علی صاحب کی امداد

اشتہار دافع البلاء کے متعلق حضرتؑ بہت تاکید کر رہے تھے کہ اس کو بہت جلد شائع کیا جائے۔ مگر مطبع میں ہفتہ کے اندر آٹھ سو چھپ سکتا ہے۔ اس پر شیخ یعقوب علی صاحب نے عرض کی کہ اخبار الحکم کے ہر دو پریس ہم دو دن کے لیے خالی کروا دیتے ہیں۔ حضرتؑ نے بہت پسند فرمایا اور حکم دیا کہ ایسا کیا جاوے تاکہ یہ اشتہار وقت پر جلد شائع ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ اُن کے مطبع سے اس طرح وقتاً فوقتاً حضرتؑ کے زیادہ ضروری کاموں میں نصرت ملتی رہتی ہے۔

الہام

حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا: اِنِّیْٓ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ فرمایا:

دار کے معنے نہیں کھلے کہ اس سے مراد صرف یہ گھر ہے یا قادیان میں جتنے ہمارے سلسلہ کے متعلق گھر ہیں مثلاً مدرسہ اور مولوی صاحب کا گھر وغیرہ۔

۲۹ر اپریل ۱۹۰۲ء

چراغ الدین جمونی کا توبہ نامہ

ظہر کے وقت فرمایا:

میاں چراغ الدین جموں والے نے اپنا توبہ نامہ بھیج دیا ہے۔ یہ اُن کی بڑی سعادت ہے اور ہم مانتے ہیں کہ انھوں نے دراصل کوئی افترا نہیں کیا تھا بلکہ حدیث نفس اور اضغاث احلام سے ایک دھوکا لگ جاتا ہے۔ شیخ یعقوب علی الحکم میں شائع کردیں کہ سب لوگ اُن کو اپنا بھائی سمجھیں اور خُلق کے ساتھ اُن سے پیش آویں۔

۲۸ر اپریل کے الہام کا ذکر تھا۔ فرمایا کہ:

"ہم تو چاہتے ہیں کہ ہمارا گھر اتنا بڑا ہوتا کہ سارے جماعت والے اس کے اندر آجاتے۔"

عیسائیوں کے باہمی اختلافات عیسائیوں کے باہمی اختلافات کا ذکر تھا اور ایک کتاب پڑھی جا رہی تھی جس میں یہ ذکر ہے کہ موجودہ مذہب عیسوی اصل میں پولوس نے فریب دہی سے بنایا ہے مسیح کا یہ مذہب نہ تھا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ

"دیکھو یہ لوگ آپ ہی عیسائیت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں، کیونکہ لکھا ہے کہ اگر مسیح دجال کو نہ مارے گا۔ تب بھی وہ گل گل کر مر جائے گا۔"[1]

۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

الہام

فرمایا: آج رات کو الہام ہوا:

وَ لَا الْاَمْرُ نَهْلَكَ الشَّمْرُ

یعنی اگر سنت اللہ اور امر الٰہی اس طرح پر نہ ہوتا کہ ائمۃ الکفر آخیر میں ہلاک ہوا کریں۔ تو اب بھی بڑے بڑے مخالف جلد تباہ ہو جاتے۔ لیکن چونکہ بڑے مخالف جو ہوتے ہیں۔ اُن میں ایک عزیمت اور عزم اور ہمت اور لوگوں پر حکمرانی اور اثر ڈالنے کی ہوتی ہے۔ اس واسطے اُن کے متعلق یہ امید بھی ہوتی ہے کہ شاید لوگوں کے حالات سے عبرت پکڑ کر توبہ کریں اور دین کی خدمت میں اپنی قوتوں کو کام میں لادیں۔

فرمایا: اس بات میں بڑی لذت ہے کہ انسان خدا کے وجود کو سمجھے کہ وہ ہے اور رسول کو برحق جانے انسان کو چاہیے کہ اپنے گزارے کے مطابق اپنی معیشت کو حاصل کرے اور دُنیا کی بہت مُراد یا بیوی کی خواہش کے پیچھے نہ پڑے۔"[2]

۵ر مئی ۱۹۰۲ء

الہامات

رات کے تین بجے حضرت اقدسؑ کو الہام ہوا:

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۷-۸ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۱۶ صفحہ ۸ پرچہ ۳۰ر اپریل ۱۹۰۲ء

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَار

یعنی میں دار کے اندر رہنے والوں کی حفاظت کروں گا۔ سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے تکبّر کے ساتھ علو کیا۔

فرمایا: علو دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک جائز ہوتا ہے اور دوسرا ناجائز۔ جائز کی مثال وہ علو ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام میں تھا اور ناجائز کی مثال وہ علو تھا جو فرعون میں تھا۔

اور فرمایا کہ صُبح کی نماز کے بعد یہ الہام ہوا:

اِنِّیْ اَرَی الْمَلٰٓئِکَةَ الشِّدَادَ

یعنی میں سخت فرشتوں کو دیکھتا ہوں جیسا کہ مثلاً ملک الموت وغیرہ ہیں۔

فرمایا کہ: خدا کے غضب شدید سے بغیر تقویٰ و طہارت کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ پس سب کو چاہیے کہ تقویٰ و طہارت کو اختیار کریں اور اگر کوئی فاسق اور فاجر دار میں داخل ہو جائے، تو اُس کا بچ رہنا یقینی کیونکر ہو سکتا ہے۔ ہاں اس میں پھر بھی ایک قسم کی خصوصیت کی گئی ہے۔ کیونکہ جو لوگ علو استکبار نہ کریں۔ اُن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ لیکن اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَةَ میں یہ امر نہیں۔ وہاں انتشار اور ہجل شدید سے بچنے کا وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا امر نہیں کرتا جس سے لوگوں کو جرأت پیدا ہو جائے اور گناہ کی طرف جُھکنے لگیں۔ متکبّر علو کرنے والوں کے استثناء کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک کافر نے حضرت رسُول کریمؐ کے زمانہ میں بیت اللہ کی پناہ لی تھی، تو آنحضرت علیہ الصلوٰة والسلام نے فرمایا تھا۔ کہ اس کو اسی جگہ قتل کر دو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا گھر مُفسد کو پناہ نہیں دیتا۔

اس گاؤں میں دراصل اس قسم کے سخت دل اور مخالفِ دینِ اسلام لوگ موجود ہیں کہ اگر اس سلسلہ کا اکرام مدّ نظر نہ ہوتا تو یہ سارا گاؤں ہلاک ہو جاتا۔ اور اب بھی اگرچہ ممکن ہے کہ بعض وارداتیں ہوں، مگر تاہم اللہ تعالیٰ ایک مابہ الامتیاز قائم رکھے گا۔

سیونگ بنک اور تجارتی کارخانوں کے سُود کا حکم

ایک شخص نے ایک لمبا خط لکھا کہ سیونگ بنک کا سُود اور دیگر تجارتی کارخانوں کا سُود جائز ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس کے ناجائز ہونے سے اسلام کے لوگوں کو تجارتی معاملات میں بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور جبتک کہ اس کے سارے پہلوؤں پر غور نہ کی جائے اور ہر قسم کے ہرج اور فوائد جو اس سے حاصل ہوتے ہیں وہ ہمارے سامنے پیش نہ کیے جاویں ہم اس کے

متعلق اپنی رائے دینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ یہ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہزاروں طریق روپیہ کمانے کے پیدا کیے ہیں۔ مُسلمان کو چاہیے کہ اُن کو اختیار کرے اور اس سے پرہیز رکھے۔ ایمان صراطِ مستقیم سے وابستہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو اس طرح سے ٹال دینا گناہ ہے۔ مثلاً اگر دنیا میں سؤر کی تجارت ہی سب سے زیادہ نفع مند ہو جاوے تو کیا مُسلمان اس کی تجارت شروع کر دیں گے۔ ہاں اگر ہم یہ دیکھیں کہ اس کو چھوڑنا اسلام کے لیے ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔ تب ہم فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ (الانعام: ۱۴۶) کے نیچے لا کر اس کو جائز کہدیں گے مگر یہ کوئی ایسا امر نہیں اور یہ ایک خانگی امر اور خود غرضی کا مسئلہ ہے۔ ہم فی الحال بڑے بڑے عظیم الشان امور دینی کی طرف متوجہ ہیں۔ ہمیں تو لوگوں کے ایمان کا فکر پڑا ہوا ہے۔ ایسے ادنیٰ امور کی طرف ہم توجہ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم بڑے عالیشان مہمات کو چھوڑ کر ابھی سے ایسے ادنیٰ کاموں میں لگ جائیں تو ہماری مثال اس بادشاہ کی ہو گی جو ایک مقام پر ایک محل بنانا چاہتا ہے، اگر اس جگہ بڑے شیر اور درندے اور سانپ ہیں اور نیز مکھیاں اور چیونٹیاں ہیں۔ پس اگر وہ پہلے درندوں اور سانپوں کی طرف توجہ نہ کرے اور ان کو ہلاکت تک نہ پہنچائے اور سب سے پہلے مکھیوں کے فنا کرنے میں مصروف ہو تو اس کا کیا حال ہو گا۔ اس سائل کو لکھنا چاہیے کہ تم پہلے اپنے ایمان کا فکر کرو اور دو چار ماہ کے واسطے یہاں آکر ٹھہرو، تاکہ تمہارے دل و دماغ میں روشنی پیدا ہو اور ایسے خیالات میں نہ پڑو۔[1]

---

۲۶ / مئی ۱۹۰۲ء

جماعت کو مباحثوں اور مقابلوں کی ممانعت

۲۶ / مئی ۱۹۰۲ء کو ۹ بجے دن کے خدام حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مختلف باتوں کے تذکرہ کے اثنار میں فرمایا:

"مَیں بڑی تاکید سے اپنی جماعت کو جہاں کہیں وہ ہیں منع کرتا ہوں کہ وہ کسی قسم کا مباحثہ مقابلہ اور مجادلہ نہ کریں۔ اگر کہیں کسی کو کوئی درشت اور نا ملائم بات سُننے کا اتفاق ہو، تو اعراض کرے۔ مَیں بڑے وثوق اور سچے ایمان سے کہتا ہوں کہ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری تائید میں آسمان پر خاص تیاری ہو رہی ہے۔ ہماری طرف سے ہر پہلو کے لحاظ سے لوگوں پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ اس لیے اب خدا تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس کارروائی کے کرنے کا ارادہ فرمایا ہے جو وہ اپنی سنتِ قدیم کے موافق اتمام حجت کے بعد کیا کرتا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۱۰-۱۱ پرچہ ۱۰ / مئی ۱۹۰۲ء

اگر ہماری جماعت کے لوگ بدزبانیوں اور فضول بحثوں سے باز نہ آئیں گے، تو ایسا نہ ہو کہ آسمانی کارروائی میں کوئی تاخیر اور روک پیدا ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہمیشہ اس کا عتاب ان لوگوں پر ہوتا ہے جن پر اس کے فضل اور عطایات بے شمار ہوں اور جنھیں وہ اپنے نشانات دکھا چکا ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتا کہ انہیں عتاب یا خطاب یا ملامت کرے جن کے خلاف اس کا آخری فیصلہ نافذ ہونا ہوتا ہے، چنانچہ ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ (الاحقاف : ۳۶) اور فرماتا ہے۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ (القلم : ۴۹) اور فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ (الانعام ، ۳۶) الآیہ۔ یہ محبت آمیز عتاب اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت جلد فیصلہ کفار کے حق میں چاہتے تھے، مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور سُنن کے لحاظ سے بڑے توقف اور حلم کے ساتھ کام کرتا ہے، لیکن آخر کار آنحضرت صلی اللہ علیہ کے دشمنوں کو ایسا کچلا اور پیسا کہ اُن کا نام و نشان مٹا دیا۔

اسی طرح پر ممکن ہے کہ ہماری جماعت کے بعض لوگ طرح طرح کی گالیاں، افترا پردازیاں اور بدزبانیاں خدا تعالیٰ کے پیتے سلسلے کی نسبت سنکر اضطراب اور استعجال میں پڑیں۔ مگر انھیں خدا تعالیٰ کی اس سنت کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برتی گئی ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ اس لیے میں پھر اور بار بار بتاکید حکم کرتا ہوں کہ جنگ و جدال کے مجمعوں تحریکوں اور تقریروں سے کنارہ کشی کرو۔ اس لیے کہ جو کام تم کرنا چاہتے ہو یعنی دشمنوں پر حجت پوری کرنا وہ اب خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

تمہارا کام اب یہ ہونا چاہیے کہ دعاؤں اور استغفار اور عبادتِ الٰہی اور تزکیہ و تصفیہ نفس میں مشغول ہو جاؤ۔ اس طرح اپنے تئیں مستحق بناؤ خدا تعالیٰ کی عنایات اور توجہات کا جن کا اس نے وعدہ فرمایا ہے؛ اگرچہ خدا تعالیٰ کے میرے ساتھ بڑے بڑے وعدے اور پیشگوئیاں ہیں جن کی نسبت یقین ہے کہ وہ پوری ہوں گی، مگر تم خواہ نخواہ اُن پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ ہر قسم کے حسد، کینہ، بغض، غیبت اور کبر اور رعونت اور فسق و فجور کی ظاہری اور باطنی راہوں اور کسل اور غفلت سے بچو اور خوب یاد رکھو کہ انجام کار ہمیشہ متقیوں کا ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ (الاعراف: ۱۲۹) اس لیے متقی بننے کی فکر کرو۔

سلسلہ احمدیہ کی عزت و عظمت

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ذکر کیا کہ حضور کی بیماری کی شدت میں میرے دل میں بہت رقت پیدا ہوئی، تو میں نے بہت دعا کی کہ مولا کریم اسلام کی عزت قرآن کی عزت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور بالآخر تیری اپنی عزت اور جلال کے اظہار کا بھی اس وقت یہی ذریعہ ہے۔ تو اس پر فرمایا:

بیماری کی شدت میں جبکہ یہ گمان ہوتا تھا کہ رُوح پرواز کر جائے گی۔ مجھے بھی الہام ہوا۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ اَھْلَکْتَ ھٰذِہٖ الْعِصَابَۃَ فَلَنْ تُعْبَدَ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔

یعنی اے خدا اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اسکے بعد اس زمین میں تیری پرستش کبھی نہ ہوگی۔

فرمایا: یقیناً یاد رکھو۔ یہ سلسلہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے قائم کیا ہے۔ اگر یہ سلسلہ قائم نہ ہوتا، تو دُنیا میں نصرانیت پھیل جاتی اور خدائے وحدہٗ لاشریک کی توحید قائم نہ رہتی۔ یا یہ مسلمان ہوتے جو اپنے ناپاک اور جھوٹے عقیدوں کے ساتھ نصرانیت کو مدد دیتے ہیں اور اُن کے معبود اور خدا بنائے ہوئے مسیح کے لیے میدان خالی کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اب کسی ہاتھ اور طاقت سے نابُود نہ ہوگا۔ یہ ضرور بڑھے گا اور پھُولے گا اور خدا کی بڑی بڑی برکتیں اور فضل اس پر ہوں گے۔ جب ہمیں خدا کے زندہ اور مبارک وعدہ ہر روز ملتے ہیں اور وہ تسلی دیتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری دعوت زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ پھر ہم کسی کی تحقیر اور گالی گلوچ پر کیوں مضطرب ہوں[1]۔

۳۰؍مئی ۱۹۰۲ء

ماموریں کی تمجید اور مدح و ثنا کی حقیقت

۳۰؍مئی ۱۹۰۲ء کی شام کو مختلف باتوں کے تذکرہ میں یہ ذکر شروع ہوا کہ لوگ جناب کے اس فقرہ پر کہ میں مسیحؑ اور حسینؓ سے بڑھ کر ہوں، بہت جھلا رہے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"دُنیا میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خواہ مخواہ بلا کسی قسم کے استحقاق کے اپنے تئیں محامد۔ مناقب اور صفاتِ محمودہ سے موصوف کرنا چاہتے ہیں۔ گو وہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی کی چادر آپ اوڑھ لیں۔ ایسے لوگ لعنتی ہوتے ہیں۔

دُوسری قسم کے وہ لوگ ہوتے ہیں جو طبعاً ہر قسم کی مدح و ثنا او منقبت سے نفرت اور کراہت کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اپنے اختیار پر چھوڑ دیئے جاویں تو دل سے پسند کرتے ہیں کہ گوشۂ گمنامی میں زندگی گذار دیں۔ مگر خدا تعالیٰ اپنے مصالح اور باریک حکمتوں کی بنا پر اُن کی تعریف اور تمجید کرتا ہے اور درحقیقت ہونا بھی اسی طرح چاہیے۔ کیونکہ جن لوگوں کو وہ مامور کر کے بھیجتا ہے۔ اُن کی ماموریت سے اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اس کی حمد و ثنا اور جلال

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۵ پرچہ ۳۱؍مئی ۱۹۰۲ء

دُنیا میں ظاہر ہو۔ اگر ان ماموروں کی نسبت وہ یہ کہے کہ فلاں مامور جسے میں نے مبعوث کیا ہے ایسا نکمّا بزدل نالائق کمینہ بسفلہ اور ہر قسم کے فضائل سے عاری اور بیگانہ ہے تو کیا خدا تعالیٰ کی اس کے ذریعہ سے کوئی صفت قائم ہوسکے گی۔ حقیقت میں خدا کا ان کی تمجید اور مدارج اور فضائل بیان کرنا اپنے ہی جلال اور عظمت کی تمہید کے لیے ہوتا ہے۔

وہ تو اپنے نفس سے بالکل خالی ہوتے ہیں اور ہر قسم کے مدح و ذم سے بے پروا ہوتے ہیں، چنانچہ سالہا سال اس سے پہلے جبکہ نہ کوئی مقابلہ تھا نہ گردوپیش میں کوئی مجمع تھا۔ نہ یہ مجلس اور اس کی کوئی تمہید تھی اور نہ دُنیا میں کوئی شہرت تھی۔

خدا تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں میری نسبت یہ فرمایا کہ:

يَحْمَدُكَ اللّٰهُ مِنْ عَرْشِهٖ۔ نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّيْ۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ وَاِفْتِخَارًا لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ يَا اَحْمَدُ فَاضَتِ الرَّحْمَةُ عَلٰى شَفَتَيْكَ۔ اِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا۔ يَرْفَعُ اللّٰهُ ذِكْرَكَ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ يَا اَحْمَدِيْ اَنْتَ مُرَادِيْ وَمَعِيْ غَرَسْتُ كَرَامَتَكَ بِيَدِيْ۔ يَا اَحْمَدُ يُتِمُّ اسْمُكَ وَلَا يُتِمُّ اسْمِيْ۔ بُوْرِكْتَ يَا اَحْمَدُ وَكَانَ مَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ حَقًّا فِيْكَ۔ شَاْنُكَ عَجِيْبٌ وَاَجْرُكَ قَرِيْبٌ۔ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اَنْتَ وَجِيْهٌ فِيْ حَضْرَتِيْ۔ اِخْتَرْتُكَ لِنَفْسِيْ۔ اَلْاَرْضُ وَالسَّمَآءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِيْ۔ وَسِرُّكَ سِرِّيْ۔ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ وَتَفْرِيْدِيْ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى زَادَ مَجْدَكَ۔ سَلَامٌ عَلَيْكَ جُعِلْتَ مُبَارَكًا۔ وَاِنِّيْ فَضَّلْتُكَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَفَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ وَاِنَّ عَلَيْكَ رَحْمَتِيْ فِي الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ۔ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ۔ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ۔ يَحْمَدُكَ اللّٰهُ وَيَمْشِيْ اِلَيْكَ۔ خَلَقَ اٰدَمَ فَاَكْرَمَهٗ۔ جَرِيُّ اللّٰهِ فِيْ حُلَلِ الْاَنْبِيَآءِ۔ اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مَعَكَ خَلَقْتُ لَكَ لَيْلًا وَّنَهَارًا۔ اِعْمَلْ مَا شِئْتَ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ۔ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةٍ لَا يَعْلَمُهَا الْخَلْقُ۔ وَيَعْصِمُكَ اللّٰهُ وَلَوْ لَمْ يَعْصِمْكَ النَّاسُ يَعْصِمُكَ اللّٰهُ۔ اَنْتَ الْمَسِيْحُ الَّذِيْ لَا يُضَاعُ وَقْتُهٗ۔ كَمِثْلِكَ دُرٌّ لَّا يُضَاعُ۔ اَنْتَ الشَّيْخُ الْمَسِيْحُ وَاِنِّيْ مَعَكَ وَمَعَ اَنْصَارِكَ۔ وَاَنْتَ اِسْمِيَ الْاَعْلٰى وَاَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِيْ وَتَفْرِيْدِيْ وَاَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ الْمَحْبُوْبِيْنَ۔ عَلَيْكَ بَرَكَاتٌ وَسَلَامٌ۔ سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ۔ مَظْهَرُ الْحَقِّ۔ وَاَنْتَ مِنِّيْ مَبْدَءُ الْاَمْرِ۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔

فرمایا۔ میں اپنے قلب کو دیکھ کر یقین کرتا ہوں کہ کل انبیاء علیہم السلام طبعاً ہر قسم کی تعریف اور مدح وثنا سے

کراہت کرتے تھے، مگر جو کچھ خدا تعالیٰ نے اُن کے حق میں بیان فرمایا ہے اور میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ الفاظ میرے الفاظ نہیں خدا تعالیٰ کے الفاظ ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ خدا تعالیٰ کی عزت اور جلال اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور عظمت اور جلال کو خاک میں ملا دیا گیا ہے اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت حسین کے حق میں ایسا غلو اور اطرا کیا گیا ہے کہ اس سے خدا کا عرش کانپتا ہے۔

اب جبکہ کروڑہا آدمی حضرت عیسیٰ کی مدح و ثنا سے گمراہ ہو چکے ہیں اور ایسا ہی بے انتہا مخلوق حضرت حسین کی نسبت غلو اور اطرا کر کے ہلاک ہو چکی ہے تو خدا کی مصلحت اور غیرت اس وقت یہی چاہتی ہے کہ وہ تمام عزتوں کے کپڑے جو بیجا طور پر اُن کو پہنائے گئے تھے۔ اُن سے اُتار کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا تعالیٰ کو پہنائے جاویں پس ہماری نسبت یہ کلمات درحقیقت خدا تعالیٰ کی اپنی عزت کے اظہار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لیے ہیں۔

فرمایا: مَیں حلفاً کہتا ہوں کہ میرے دل میں اصلی اور حقیقی جوش یہی ہے کہ تمام محامد اور مناقب اور تمام صفاتِ جمیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کروں۔ میری تمام تر خوشی اسی میں ہے اور میری بعثت کی اصل غرض یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت دُنیا میں قائم ہو۔ مَیں یقیناً جانتا ہوں کہ میری نسبت جس قدر تعریفی کلمات اور تمجیدی باتیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔ یہ بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف راجع ہیں۔ اس لیے کہ مَیں آپؐ کا ہی غلام ہوں اور آپؐ ہی کے مشکوٰۃِ نبوت سے نور حاصل کرنے والا ہوں اور مستقل طور پر ہمارا کچھ بھی نہیں۔ اسی سبب سے میرا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ مَیں مستقل طور پر بلا استفاضہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مامور ہوں اور خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہوں تو وہ مردود اور مخذول ہے۔ خدا تعالیٰ کی ابدی مُہر لگ چکی ہے۔ اس بات پر کہ کوئی شخص وصول اِلی اللہ کے دروازہ سے آ نہیں سکتا ہے۔ بجز اتباع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔[1]

۱۳؍ مئی ۱۹۰۲ء

شرک کی اقسام شرک تین قسم کا ہے۔ اوّل یہ کہ عام طور پر بت پرستی۔ درخت پرستی وغیرہ کی جاوے۔ یہ سب سے عام اور موٹی قسم کا شرک ہے۔ دوسری قسم شرک کی یہ ہے کہ اسباب پر

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۷-۸ پرچہ ۳۱؍ مئی ۱۹۰۲ء

حد سے زیادہ بھروسہ کیا جاوے کہ فلاں کام نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا۔ یہ بھی شرک ہے۔ تیسری قسم شرک کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو بھی کوئی شے سمجھا جاوے۔ موٹے شرک میں تو آجکل اس روشنی اور عقل کے زمانہ میں کوئی گرفتار نہیں ہوتا، البتہ اس مادی ترقی کے زمانہ میں شرک فی الاسباب بہت بڑھ گیا ہے۔ طاعون کے پھیلنے پر یہ کوئی خیال نہیں کرتا کہ شامتِ اعمال سے پھیلی ہے اور اور اسباب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

نماز عربی زبان میں پڑھنی چاہیے

نماز اپنی زبان میں نہیں پڑھنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے جس زبان میں قرآن شریف رکھا ہے اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ہاں اپنی حاجتوں کو اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے سامنے بعد مسنون طریق اور اذکار کے بیان کر سکتے ہیں، مگر اصل زبان کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیے۔ عیسائیوں نے اصل زبان کو چھوڑ کر کیا پھل پایا۔ کچھ بھی باقی نہ رہا۔

قرآن مجید میں طاعون کے متعلق پیشگوئی

قرآن شریف پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے کوئی جگہ باقی نہ رہے گی۔ جیسے فرمایا ہے۔ اِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا۔ الآیۃ (بنی اسرائیل : ۵۹)

اس سے لازم آتا ہے کہ کوئی قریہ مس طاعون سے باقی نہ رہے۔ اس لیے قادیان کی نسبت یہ فرمایا۔ اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ - یعنی اس کو انتشار اور افراتفری سے اپنی پناہ میں لے لیا۔ سزائیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک بالکلیہ ہلاک کرنے والی۔ جس کے مقابلہ میں فرمایا۔ لَوْلَا الْاِكْرَامُ لَهَلَكَ الْمُقَامُ۔ یعنی یہ مقام اہلاک سے بچایا جائے گا۔

دوسری قسم کی سزا بطور تعذیب ہوتی ہے۔ غرض خدا تعالیٰ نے قادیان کو ہلاکت سے محفوظ رکھا ہے اور تعذی سزا ممنوع نہیں بلکہ ضروری ہے۔

آیات اللہ

دانے کا کیا وجود ہوتا ہے لیکن جمع کیے جاویں تو سیری کا موجب ہو جاتا ہے۔ ایک سیر خام میں قریباً پندرہ ہزار کے دانہ ہوتے ہیں۔ جس سے ایک آدمی بخوبی سیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح پر آیات اللہ کو اگر جمع کیا جاوے اور قدر کی جاوے تو وہ روحانی سیری کا موجب ہو جاتی ہیں۔ ہمارے نشانات کو اگر یکجائی طور پر دیکھا جاوے تو ان کی قوت اور شوکت معلوم ہوتی ہے۔

ایک نشان

آج کل جو ایک پہاڑ کی وجہ سے جزائر غرب الہند میں سینٹ پیری اور مارٹینک ہلاک ہوئے ہیں۔ ان کے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

لوطؑ کی بستی پر بھی اسی طرح پتھر برسے جیسے کوہ آتش فشاں سے پڑتے ہیں۔ یہ قانونِ قدرت ہے۔ موجودہ واقعہ جو ہلاکت کا ہوا ہے۔ یہ مسیح کے زمانہ کا ایک نشان ہے۔

قرآن کے ذریعہ توریت کی اصلاح

ہم قرآن کریم کے ذریعہ توریت کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ توریت کے ذریعہ قرآن کی اصلاح کرنا نہیں چاہتے توریت کا مقابلہ ہی قرآن سے کیا ہے۔ جہاں قرآن اور توریت کا اختلاف ہے وہاں صاف نظر آتا ہے کہ توریت میں ایک گند اور جھوٹ ہے جو بعد میں ملایا گیا ہے۔

انبیاء اور مامورین کی ابتداء

انبیاء اور مامور ہمیشہ کمزور آتے ہیں۔ ابتداء میں حقیر اور ذلیل نظر آتے ہیں۔ فلسفی ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن آخر خدا تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے۔ [1]

۱۴؍جون ۱۹۰۲ء

مُردوں کا جی اُٹھنا

ہم خدا تعالیٰ کے اسی قانون قدرت کو مانتے ہیں جو قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ جو مُردہ ایسے ہیں کہ قبریں رکھے جاتے ہیں۔ اور اُن کے پاس ملائکہ آتے ہیں۔ اُن کی نسبت قرآن شریف کا یہی فتویٰ ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر ۴۳) مگر برنگ دیگر غیر حقیقی موت میں اِحیا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات خود ہمارے ساتھ بھی پیش آئے ہیں؛ چنانچہ مبارک کے متعلق اس قسم کی موتیں فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَى عَلَيْهَا الْمَوْتَ سے نہیں۔ اور وہ یہ احیاء ہے جس پر ہم ایمان لاتے ہیں کہ مُردہ جی اُٹھتا ہے۔

غرض خدا تعالیٰ نے جو قانون باندھا ہے اُسے ہم مانتے ہیں۔ اگر اس پر اعتبار نہ کریں اور یقین نہ لائیں تو

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۰ صفحہ ۸ پرچہ ۳۱؍مئی ۱۹۰۲ء

امان اُٹھ جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت جو کتاب اللہ میں درج ہے۔ اس پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اس پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اپنی صفات کے خلاف نہیں کرتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ قادر ہے تو کیا خودکشی بھی کرلیتا ہے؟ ہم اس کے جواب میں کہیں گے۔ کہ کبھی نہیں کیونکہ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ (الحشر: ۲۵) کوئی صفت اس سے منسوب نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی صفاتِ قدیمہ کے خلاف نہیں کرتا۔ غرض احیائے موتیٰ اور قانونِ قدرت کے متعلق ہمارا یہی مذہب ہے کہ ہم اس احیاء کے قائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان کیا ہے اور وہ قانونِ قدرت ہمارا امام ہے جو قرآن شریف سے ثابت ہوتا ہے۔ یورپ کا فلسفہ اور اس کی محدود تحقیقاتیں ہمارے لیے رہبر نہیں ہو سکتی ہیں۔

ہمارا خدا قادر خدا ہے

ہم اپنے خدا تعالیٰ پر یہ قوی ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اپنے صادق بندہ کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ حضرت ابراہیمؑ کی طرح اگر وہ آگ میں ڈالا جائے تو وہ آگ اس کو جلا نہیں سکتی۔ ہمارا مذہب یہی ہے کہ ایک آگ نہیں اگر ہزار آگ بھی ہو تو وہ جلا نہیں سکتی۔ صادق اُس میں ڈالا جاوے تو ضرور بچ جاوے گا۔ ہم کو اگر اس کام کے مقابلہ میں جو خدا تعالیٰ نے ہمارے سپرد کیا ہے۔ آگ میں ڈالا جاوے، تو ہمارا یقین ہے کہ آگ جلا نہیں سکے گی اور اگر شیروں کے پنجرہ میں ڈالا جاوے تو وہ کھا نہ سکیں گے۔ مَیں یقیناً کہتا ہوں کہ ہمارا خدا وہ خدا نہیں جو اپنے صادق کی مدد نہ کر سکے، بلکہ ہمارا خدا قادر خدا ہے جو اپنے بندوں اور اس کے غیروں میں مابہ الامتیاز رکھ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر دُعا بھی ایک فضول شئے ہے۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ مَیں خدا تعالیٰ کی نسبت بیان کرتا ہوں اس کی قوتیں اور طاقتیں اس سے بھی کروڑ در کروڑ درجے بڑھ کر ہیں جن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔

ہمارا ایمان ہے کہ اگر قریش مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر آگ میں ڈال دیتے، تو وہ آگ ہرگز ہرگز آپ کو جلا نہیں سکتی تھی۔ اگر کوئی محض اس بناء پر کہ آگ اپنی تاثیر نہیں چھوڑتی۔ انکار کرے تو وہ خبیث اور کافر ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے جب ان سب دشمنوں کو مخاطب کرکے یہ کہہ دیا۔ فَكِيدُونِي جَمِيعًا (ھود: ۵۶) تم سب مکر کرکے دیکھ لو میں اس کو ضرور بچالوں گا۔ پھر اگر کوئی یہ وہم بھی کرے کہ آگ میں ڈالتے تو معاذ اللہ جل جاتے یہ کفر ہے قرآن شریف سچا ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں وہ کوئی بھی حیلہ اور فریب آپ کی جان لینے کے لیے کرتے۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کے گزند سے محفوظ رکھتا جیسا کہ محفوظ رکھ کر دکھا دیا۔ خواہ وہ صلیب کا مکر کرتے خواہ آگ میں ڈالنے کا۔ غرض کوئی بھی کرتے۔ آخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے وعدے کے موافق صادق ثابت ہوتے۔ جیسا کہ ہوئے۔ جس طرف ہم اپنی جماعت کو کھینچنا چاہتے ہیں وہ یہی عظیم الشان مرحلہ خدا شناسی کا ہے اور ہم یقین رکھتے ہیں

کہ انشاء اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جاوے گا۔

تبلیغ کا جوش

ہمارے اختیار میں ہو تو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں اور اس ہلاک کرنے والے شرک اور کفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ لوگوں کو بچا لیں۔ اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے تبلیغ کریں اور اسی تبلیغ میں زندگی ختم کر دیں خواہ مارے ہی جاویں۔

مسیح کی قبر کی اشاعت یورپ میں

یورپ اور دوسرے ملکوں میں ہم ایک اشتہار شائع کرنا چاہتے ہیں جو بہت ہی مختصر ایک چھوٹے سے صفحے کا ہو تاکہ سب اُسے پڑھ لیں۔ اس کا مضمون اتنا ہی ہو کہ مسیح کی قبر سری نگر کشمیر میں ہے۔ جو واقعاتِ صحیحہ کی بناء پر ثابت ہو گئی ہے۔ اس کے متعلق مزید حالات اور واقفیت اگر کوئی معلوم کرنا چاہے تو ہم سے کرے۔ اس قسم کا اشتہار ہو جو بہت کثرت سے چھپوا کر شائع کیا جاوے۔

مضرِ صحت چیزیں مضرِ ایمان ہیں

حدیث میں آیا ہے وَمِنْ حُسْنِ الْاِسْلَامِ تَرْکُ مَالَا یَعْنِیْہِ یعنی اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ جو چیز ضروری نہ ہو وہ چھوڑ دی جاوے۔

اسی طرح پر یہ پان، حقہ، زردہ (تمباکو) افیون وغیرہ ایسی ہی چیزیں ہیں۔ بڑی سادگی یہ ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرے۔ کیونکہ اگر کوئی اور بھی نقصان اُن کا بالفرض محال نہ ہو، تو بھی اس سے ابتلا آ جاتے ہیں اور انسان مشکلات میں پھنس جاتا ہے۔ مثلاً قید ہو جاوے تو روٹی تو ملے گی لیکن بھنگ چرس یا اور منشی اشیاء نہیں دی جاوے گی۔ یا اگر قید نہ ہو کسی ایسی جگہ میں ہو جو قید کے قائم مقام ہو تو پھر بھی مشکلات پیدا ہو جاتے ہیں۔ عمدہ صحت کو کسی بے ہودہ سہارے سے کبھی ضائع کرنا نہیں چاہیے۔ شریعت نے خوب فیصلہ کیا ہے کہ ان مضرِ صحت چیزوں کو مُضرِ ایمان قرار دیا ہے اور ان سب کی سردار شراب ہے۔

یہ سچی بات ہے کہ نشوں اور تقویٰ میں عداوت ہے۔ افیون کا نقصان بھی بہت بڑا ہوتا ہے۔ طبی طور پر یہ شراب سے بھی بڑھ کر ہے اور جس قدر قویٰ لے کر انسان آیا ہے اُن کو ضائع کر دیتی ہے۔

بیدمشک اور کیوڑہ کا استعمال

منشی الٰہی بخش اور اُس کے دوسرے رفیق اعتراض کرتے ہیں کہ میں بیدمشک اور کیوڑہ کا استعمال کرتا ہوں یا اور اس قسم کی دوائیاں کھاتا ہوں۔ تعجب ہے کہ حلال اور طیّب چیزوں کے کھانے پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ اگر وہ غور کرکے دیکھتے اور مولوی عبداللہ غزنوی کی حالت پر نظر رکھتے تو میرا مقابلہ کرتے ہوئے اُن کو شرم آجاتی۔ مولوی عبداللہ کو بیویوں کا استغراق تھا، اس لیے انڈے اور مُرغ کثرت سے کھاتے تھے۔ یہاں تک کہ آخیر عمر میں شادی کرنا چاہتے تھے میری شہادت مل سکتی ہے کہ مجھے کیوڑہ وغیرہ کی ضرورت کس وقت پڑتی ہے۔ میں کیوڑہ وغیرہ کا استعمال کرتا ہوں جب دماغ میں اختلال معلوم ہوتا ہے یا جب دل میں تشنج ہوتا ہے۔ خدائے وحدہٗ لاشریک جانتا ہے کہ بجز اس کے مجھے ضرورت نہیں پڑتی۔ بیٹھے بیٹھے جب بہت محنت کرتا ہوں تو یکدفعہ ہی دورہ ہوتا ہے۔ بعض وقت ایسی حالت ہوتی ہے کہ قریب ہے کہ غش آجاوے اس وقت علاج کے طور پر استعمال کرنا پڑتا ہے اور اسی لیے ہر روز باہر سیر کو جاتا ہوں۔

گر مولوی عبداللہ جو کچھ کرتے تھے یعنی مُرغ۔ انگور۔ انڈے وغیرہ جو استعمال کرتے تھے اس کی وجہ کثرتِ ازدواج تھی اور کوئی سبب نہ تھا۔ انبیاء علیہم السلام ان چیزوں کو استعمال کرتے تھے مگر وہ خدا کی راہ میں فدا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی گھبراتے تھے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہاتھ مار کر کہتے کہ اے عائشہ ہم کو راحت پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو سارا جہان دشمن تھا۔ پھر اگر اُن کے لیے کوئی راحت کا سامان نہ ہو، تو یہ خدا کی شان کے ہی خلاف ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے کہ جیسے کافور کے ساتھ دو چار مرچیں رکھی جاتی ہیں کہ اُڑ نہ جاتے۔

اسلام کا آئندہ غلبہ

اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ تعلیم اور تربیت کے لیے کرتا ہے؛ چونکہ شوکت کا زمانہ دیر تک رہتا ہے اور اسلام کی قوت اور شوکت صدیوں تک رہی اور اُس کے فتوحات دُور دراز تک پہنچے۔ اس لیے بعض احمقوں نے سمجھ لیا کہ اسلام جبر سے پھیلایا گیا۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ: ۲۵۷) اس امر کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لیے کہ اسلام جبر سے نہیں پھیلا۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم الخلفاء کو پیدا کیا اور اس کا کام يَضَعُ الْحَرْبَ رکھ کر دوسری طرف لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (الصّف: ۱۰) قرار دیا۔ یعنی وہ اسلام کا غلبہ ملل باطلہ پر حجت اور براہین سے قائم کرے گا اور جنگ و جدال کو اُٹھا دے گا۔ وہ لوگ سخت غلطی کرتے ہیں جو کسی خُونی مہدی اور خُونی مسیح کا انتظار کرتے ہیں۔

اسلام کا عظیم الشان اعجاز

اسلام کا سب سے بڑا اور عظیم الشان معجزہ جس کی نظیر کہیں نہیں مل سکتی۔ وہ اس کی حقانیت اور روشنی ہے وہ کسی پہلو سے شرمندہ نہیں ہوتا۔ تمام حقائق اور صداقتیں اسلام میں موجود ہیں۔ ہر ایک پہلو سے کامل۔ سب کے حملوں کا جواب دیتا ہے اور دوسروں پر ایسا حملہ کرتا ہے کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

درازیٔ عمر کا راز

ہر ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کی عمر دراز ہو۔ لیکن بہت ہی کم ہیں وہ لوگ جنہوں نے کبھی اس اصول اور طریق پر غور کی ہو جس سے انسان کی عمر دراز ہو۔ قرآن شریف نے ایک اصول بتایا ہے۔ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد : ۱۸) یعنی جو نفع رساں وجود ہوتے ہیں۔ اُن کی عمر دراز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو درازیٔ عمر کا وعدہ فرمایا ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے مفید ہیں؛ حالانکہ شریعت کے دو پہلو ہیں۔ اوّل خدا تعالیٰ کی عبادت، دوسرے بنی نوع سے ہمدردی۔ لیکن یہاں یہ پہلو اس لیے اختیار کیا ہے کہ کامل عابد وہی ہوتا ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ پہلے پہلو میں اوّل مرتبہ خدا تعالیٰ کی محبت اور توحید کا ہے۔ اس میں انسان کا فرض ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچائے۔ اور اس کی صورت یہ ہے۔ اُن کو خدا کی محبت پیدا کرنے اور اس کی توحید پر قائم ہونے کی ہدایت کرے جیسا کہ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ (العصر : ۴) سے پایا جاتا ہے۔ انسان بعض وقت خود ایک امر کو سمجھ لیتا ہے، لیکن دوسرے کو سمجھانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اس لیے اُس کو چاہیے کہ محنت اور کوشش کرکے دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاوے۔ ہمدردیٔ خلائق یہی ہے کہ محنت کرکے دماغ خرچ کرکے ایسی راہ نکالے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکے تاکہ عمر دراز ہو۔ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ (الرعد : ۱۸) کے مقابل پر ایک دوسری آیت ہے جو دراصل اس وسوسہ کا جواب ہے کہ عابد کے مقابل نفع رساں کی عمر زیادہ ہوتی ہے اور عابد کی کیوں نہیں ہوتی؟ اگرچہ میں نے بتایا ہے کہ کامل عابد وہی ہو سکتا ہے، جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے، لیکن اس آیت میں اور بھی صراحت ہے اور وہ آیت یہ ہے۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ۔ (الفرقان : ۷۸) یعنی ان لوگوں کو کہہ دو۔ کہ اگر تم لوگ رب کو نہ پکارو تو میرا رب تمہاری پرواہ ہی کیا کرتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ وُہ عابد کی پرواہ کرتا ہے۔ وہ عابد زاہد جن کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ بنوں اور جنگلوں میں رہتے اور تارک الدنیا تھے۔ ہمارے نزدیک وُہ بودے اور کمزور تھے۔ کیونکہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو شخص اس حد تک پہنچ جاوے کہ اللہ اور اس کے رسُول کی کامل معرفت ہو جاوے وہ کبھی خاموش رہ سکتا ہی نہیں۔ وہ اس ذوق اور لذت سے سرشار ہو کر دُوسروں کو اس سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔

حکمتِ ایمانیاں راہم بخواں

یقین ایک ایسی شئے ہے جو انسان کو ایک قوت اور شجاعت عطا کرتا ہے۔ یقین معلومات سے بڑھتا ہے اور جب معلومات وسیع ہوں تو یقین کی قوت سے ایک ماتحت اپنے افسر کے سامنے اپنے مقصد کو بیان کرنے سے نہیں ڈرتا لیکن اگر معلومات کم ہوں تو یقین میں بھی ایک قسم کی کمزوری ہوگی اور پھر خواہ وہ افسر بھی ہو تو اُسے بھی دبنا پڑتا ہے۔

یہ صحیح بات ہے کہ زندگی اور طاقت تب پیدا ہوتی ہے جب پورا علم ہو۔ اس وقت انسان اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالتا ہوا بھی پرواہ نہیں کرتا۔ جیسے صحابہ جو یقین اور معرفت کے نور سے بھر کر دل میں ایک قوت اور شجاعت رکھتے تھے۔ وہ بادشاہوں کے سامنے کس دلیری سے جا بھڑے۔ یقین ایسی چیز ہے جو موت کو بھی آسان کر دیتا ہے۔ اسی لیے شہادت کی موت سہل اور آسان ہے۔

اگر ایک پکے مسلمان کو قتل کی دھمکی دی جاوے، تو وہ قتل اس کو سہل معلوم ہوگا یقین ایک رُوحانی سکن ہے۔ شہادت کی موت والا دُنیا اور طول امل کو طاق پر رکھ دیتا ہے۔ غرض انسان کو یقین حاصل کرنا چاہیے۔ اس سے پہلے کہ وہ فلسفہ اور طبیعیات میں ترقی کرے۔

اے کہ خواندی حکمتِ یونانیاں
حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

جس نے حکمتِ ایمان نہیں پڑھی وہ مُردہ پرست ہی رہا۔

ہر نیا دن موت کے قریب کرتا ہے

جوں جوں انسان بڈھا ہوتا جاتا ہے دین کی طرف بے پروائی کرتا جاتا ہے۔ یہ نفس کا دھوکا اور سخت غلطی ہے، جو موت کو دُور سمجھتا ہے۔ موت ایک ایسا ضروری امر ہے کہ اس سے کسی صورت میں بچ نہیں سکتے اور وہ قریب ہی قریب ہے۔ ہر ایک نیا دن موت کے زیادہ قریب کرتا جاتا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض آدمی اوائل عمر میں بڑے نرم دل تھے، لیکن آخر عمر میں آکر سخت ہوگئے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ نفس دھوکا دیتا ہے کہ موت ابھی بہت دُور ہے، حالانکہ بہت قریب ہے۔ موت کو قریب سمجھو، تاکہ گناہوں سے بچو۔

ایں درگہِ ما درگہِ نومیدی نیست

خدا تعالیٰ کے فضل و کرم کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا۔ انسان اگر سچے دل سے اخلاص سے کر رجوع کرے تو وہ غفور رحیم ہے اور توبہ قبول کرنے والا ہے۔ یہ سمجھنا کہ کس کس گنہگار کو بخشے گا۔ خدا تعالیٰ کے حضور سخت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس کی رحمت کے خزانے وسیع اور لا انتہا ہیں۔ اس کے حضور کوئی کمی نہیں۔ اس کے دروازے کسی پر

بند نہیں ہوتے۔ انگریزوں کی نوکریوں کی طرح نہیں کہ اتنے تعلیم یافتہ کو کہاں سے نوکریاں ملیں۔ خدا کے حضور جس قدر پہنچیں گے سب اعلیٰ مدارج پائیں گے۔ یہ یقینی وعدہ ہے۔ وہ انسان بڑا ہی بدقسمت اور بدبخت ہے جو خدا تعالیٰ سے مایوس ہو اور اس کی نزع کا وقت غفلت کی حالت میں اس پر آجاوے۔ بیشک اس وقت دروازہ بند ہو جاتا ہے۔[1]

۱۴؍ جون ۱۹۰۲ء

علم نور ہے اور جہالت حجابِ اکبر

یاد رکھو لغزش ہمیشہ نادان کو آتی ہے شیطان کو جو لغزش آئی وہ علم کی وجہ سے نہیں، بلکہ نادانی سے آئی۔ اگر وہ علم میں کمال رکھتا تو لغزش نہ آتی۔ قرآن شریف میں علم کی مذمت نہیں، بلکہ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: ۲۹) ہے۔ اور نیم ملاں خطرۂ ایمان مشہور مثل ہے۔ پس میرے مخالفوں کو علم نے ہلاک نہیں کیا، بلکہ جہالت نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (طٰہٰ: ۱۱۵) پس اگر علم کوئی معمولی اور چھوٹی سی چیز ہوتی تو یہ دعا آپ کو تعلیم نہ کی جاتی۔ اور پھر فرمایا۔ مَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ: ۲۷۰) غرض ساری سعادتیں علم صحیح کی تحصیل میں ہیں، یہ جس قدر لوگ نصرانی ہوئے ہیں، وہ جہالت کے سبب ہوئے۔ اگر علم کامل ہوتا تو انسان کو خدا نہ بناتے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جہنمی کہیں گے۔ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک: ۱۱) یہ جو کہتے ہیں۔ اَلْعِلْمُ الْحِجَابُ الْاَكْبَرُ یہ غلط ہے۔ اَلْجَهْلُ الْحِجَابُ الْاَكْبَرُ۔ علم نور ہے وہ حجاب نہیں ہو سکتا، بلکہ جہالت حجابِ اکبر ہے۔ خدا کا نام علیم ہے اور پھر قرآن میں آیا ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمان: ۲، ۳) اسی لیے ملائکہ نے کہا۔ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (البقرہ: ۳۳) مختصر یہ کہ یاد رکھو کہ ساری زہریں نادانی میں ہیں۔ جہالت پر سچ مچ ایک موت ہے۔ تمام اطباء اور ڈاکٹر اور دوسرے لوگ جو غلطی کھاتے ہیں وہ قصور علم کی وجہ سے کھاتے ہیں۔ انبیاء علم لے کر آتے ہیں جب دنیا میں ظلمت چھا جاتی ہے اور مخلوق شیطان ہو جاتی ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں رہتا اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تجدید کے لیے بھیجتا ہے۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۴ صفحہ ۲ تا ۴ پرچہ ۱۰؍ جولائی ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۲ پرچہ ۱۷؍ جولائی ۱۹۰۲ء

موت مومن کے لیے خوشی کا باعث ہے

موت کے متعلق ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

"موت سے نہیں ڈرنا چاہیے، مگر خدا کے غضب سے بچنا چاہیے، کیونکہ موت تو بہرحال آنے والی ہے۔"

"موت نہیں ٹلتی۔ مگر جو خدا کے دین کے خادم ہوں۔ اعلائے کلمۃ اللہ چاہتے ہوں ان کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ جو اپنی زندگی کھانے پینے تک محدود رکھتے ہیں، اُن کا خدا ذمہ دار نہیں۔

"موت مومن کے لیے خوشی کی باعث ہے، کیونکہ وہ ایک مرکب ہے جو دوست کو دوست کے پاس پہنچاتی ہے۔"

"قربِ الہٰی کے حصول کی دو چیزیں ہیں۔ اوّل سچا ایمان۔ دوم اعمالِ صالحہ۔ عیسائی مذہب میں دونوں باتیں نہیں ہیں۔ اصولِ ایمان کی جگہ کفارہ نے لے لی اور اس کے ساتھ ہی اعمالِ صالحہ حذف ہوئے۔ کیونکہ ضرورت نہ رہی۔"ؔ

اسلامی عبادات

عبادات کے دو حصے تھے۔ ایک وہ جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو ڈرنے کا حق ہے۔ خدا تعالیٰ کا خوف انسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لے جاتا ہے اور اُس کی رُوح گداز ہو کر الوہیت کی طرف بہتی ہے اور عبودیت کا حقیقی رنگ اس میں پیدا ہو جاتا ہے۔

دُوسرا حصّہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان خدا سے محبت کرے جو محبت کرنے کا حق ہے اسی لیے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (البقرہ : ۱۶۶) اور دُنیا کی ساری محبتوں کو غیر فانی اور آنی سمجھ کر حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہی کو قرار دیا جاوے۔

یہ دو حق ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی نسبت انسان سے مانگتا ہے۔ ان دونوں قسم کے حقوق کے ادا کرنے کے لیے یُوں تو ہر قسم کی عبادت اپنے اندر ایک رنگ رکھتی ہے، مگر اسلام نے دو مخصوص صورتیں عبادت کی اس کے لیے مقرر کی ہوئی ہیں۔

خوف اور محبت دو ایسی چیزیں ہیں کہ بظاہر اُن کا جمع ہونا بھی محال نظر آتا ہے کہ ایک شخص جس سے خوف کرے اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ایک الگ رنگ رکھتی ہے۔ جس قدر انسان خدا کے خوف میں ترقی کرے گا۔ اسی قدر محبت زیادہ ہوتی جاوے گی اور جس قدر محبت الہٰی میں ترقی کرے گا۔

ؔ الحکم جلد ۶ نمبر ۲۵ صفحہ ۸ پرچہ ۱۷ ر جولائی ۱۹۰۲ء

اسی قدر خداتعالیٰ کا خوف غالب ہو کر بدیوں اور برائیوں سے نفرت دلا کر پاکیزگی کی طرف لے جائے گا۔

پس اسلام نے ان دونوں حقوق کو پورا کرنے کے لیے ایک صورت نماز کی رکھی جس میں خدا کے خوف کا پہلو رکھا ہے اور محبت کی حالت کے اظہار کے لیے حج رکھا ہے۔ خوف کے جس قدر ارکان ہیں وہ نماز کے ارکان سے بخوبی واضح ہیں کہ کس قدر تذلّل اور اقرارِ عبودیت اس میں موجود ہے۔ اور حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں۔ بعض وقت شدّتِ محبت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے۔ کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا۔ سیالکوٹ میں ایک عورت ایک درزی پر عاشق تھی۔ اسے بہتیرا پکڑ کر رکھتے تھے۔ وہ کپڑے پھاڑ کر چلی آتی تھی۔ غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کے لباس میں ہوتا ہے۔ وہ حج میں موجود ہے۔ سر منڈایا جاتا ہے۔ دوڑتے ہیں۔ محبت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے۔ جو خدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے۔ پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔ اسلام نے پورے طور پر ان حقوق کی تکمیل کی تعلیم دی ہے۔ نادان ہے وہ شخص جو اپنی نابینائی سے اعتراض کرتا ہے[1]۔

یکم اگست ۱۹۰۲ء

دارالامان کی ایک شام

بعد نماز مغرب حضرت مسیح موعود حسبِ معمول تشریف فرما ہوئے۔ سیّد ناصر شاہ صاحب جموں سے تشریف لائے تھے۔ کئی سال بعد آئے تھے۔ وُہ پاؤں دبانے لگے۔ آپؑ نے فرمایا کہ

”آپ بیٹھ جائیے۔“

سیّد صاحب جوشِ ارادہ اور حُسنِ عقیدت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ دیر تک قدم مبارک کو دباتے رہیں آپؑ نے پھر کمال لُطف اور پیار سے فرمایا کہ

”آپ بیٹھ جائیں“

اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ۔ یہ سُنکر سیّد صاحب اُوپر شہ نشین پر بیٹھ گئے۔

جناب مولوی عبد الکریم صاحب نے استفسار کیا کہ آج جناب نے کیا لکھا ہے۔ مولانا ممدوح کی غرض اس قسم کے استفسار سے محض ایک تحریک کرنا ہوتی ہے کہ حضرت امامؑ کچھ بطور خلاصہ بیان فرما دیں۔ فرمایا:

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۶ صفحہ ۳ پرچہ ۲۴؍ جولائی ۱۹۰۲ء

"آج تو میں پہلا مسودہ دیکھتا رہا، کیونکہ کاتب لکھ رہا ہے۔"

اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے پھر قصیدوں کی بابت جو حضرت حجۃ اللہ اس کتاب کے ساتھ منضم فرمادیں گے۔ فرمایا:

"وہ آخر میں لگائے جائیں گے۔ نثر میں اس کے تداخل کی ضرورت نہیں۔ اس لیے بعد ہی میں اُن کو پورا کرونگا"

فرمایا:

اعجاز المسیح

فیصلہ بہت ہی آسان تھا، اگر یہ لوگ فیصلہ کرنے والے ہوتے۔ اب ان کو کیا معلوم ہے کہ جب میں عربی لکھتا ہوں تو کس طرح افواج کی طرح الفاظ اور فقرے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ ہاں ان کو پتہ لگ جاتا اگر یہ مقابلہ کرتے اور کچھ لکھنے کے لیے قلم اُٹھاتے۔ یہ جو سرقہ کا بیہودہ الزام لگاتے ہیں ہماری طرف سے اُن کو اجازت ہے کہ ساری دُنیا کی کتابوں سے سرقہ کر لیں۔ مگر جب علمی مضمون کو ادا ہی نہیں کر سکتے اور معارف سے آگاہ ہی نہیں تو نرے الفاظ اور جملوں کے سرقہ سے کیا ہوگا۔ الفاظ کے معانی کے تابع علمی رنگ میں کسی مضمون کو یہ لوگ ہرگز لکھ نہیں سکتے۔ یہ تو وہی مثال ہے کہ ایک شخص معمار ہو اور اینٹیں چُرا کر جمع کر لیں اور بس۔ مگر محض اینٹیں چُرانے سے تو عمارت تیار نہیں ہوسکتی۔ سرقہ کا الزام تو حریری پر بھی لگایا گیا۔ یہ لوگ الفاظ کی تتبع کرتے ہیں، مضمون کا نہیں کر سکتے۔ چنانچہ حریری کی بابت بھی مشہور ہے کہ جب اُسے ایک اظہار لکھنے کے لیے کہا گیا تو نہ لکھ سکا۔ یہ قرآن شریف ہی کا معجزہ ہے کہ عبارت بھی فصیح و بلیغ ایسی ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی اور مضامین بھی عالی اور علمی ہے۔

اس پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور ایک بار میرے دل میں آیا کہ میں کوشش کر کے مقامات حریری کی طرح مسجّع عبارت میں فرضی قصے لکھ سکتا ہوں؟ آخر یہ بات کھل گئی کہ الفاظ اپنے اغراض کے ماتحت کر کے افسانے لکھ لینے آسان ہیں۔ مگر حقائق و معارف اور واقعات فصیح و بلیغ عبارت میں لکھنا قریب محال ہے۔ فرمایا:

"یہی تو معجزہ قرآن شریف کا ہے"

پھر اسی سلسلہ کلام میں فرمایا کہ:

"فیصلہ کی کیسی آسان راہ تھی۔ یہ جو مشہور کرتے ہیں کہ گولڑی کے مقابلے میں لاہور نہ آئے۔ ہم نے کہا تھا کہ تفاول کے طور پر قرآن کہیں سے کھول کر اس کی تفسیر بالمقابل لکھنی چاہیے۔ اس کا جواب اس وقت گولڑی نے یہ دیا کہ پہلے عقائد پر تقریر کر کے مولوی محمد حسین کا فیصلہ مان لو۔ اگر وہ کہہ دے کہ یہ عقیدہ غلط ہے تو معاً میرے ہاتھ پر بیعت کر لو۔ پھر تفسیر لکھو۔ اب بتاؤ یہ کیا فیصلہ ہوا۔ اس پر کہتے ہیں کہ لاہور نہیں آئے"

حضرت حکیم الامت نے سید علی حایری لاہوری شیعہ کے رسالہ کا ذکر کیا کہ اس میں حضرت امام حسینؓ کی فضیلت

پر بحث کرتے ہوئے۔۔۔۔ لکھا ہے کہ بارہ امام نورِ الٰہی سے پیدا ہوئے تھے جس کا ظاہری ثبوت یہی ہے کہ اُن کا سایہ نہ تھا۔ پس جبکہ وہ نورِ الٰہی سے بنے تھے تو پھر اُن پر کسی کو فضیلت کیسی! اور پھر لکھا ہے کہ قرآن شریف کی چودہ منزلیں ہیں۔ یہ تقسیم اپنے طور پر کی ہے کہ لوحِ محفوظ پر آیا۔ پھر جبرائیل کے پاس، علی ہذا القیاس۔ (اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ :

کیا چودھویں منزل یہ نہیں تھی کہ آخر حضرت عثمان کے پاس محرّف مبدّل ہوگیا۔ چودھویں منزل تو ان کے اعتقاد کے موافق یہی ہوگی نا۔

اور مدینہ منورہ سے کربلا چودہ منزل ہیں۔ اس سے حضرت حسین کی فضیلت قرآن سے ثابت ہوگئی۔ غرض اس قسم کے لغویات اس میں بھرے ہیں۔ اور ایک جگہ باب کی کتاب ہی ثبوت کے لیے کافی قرار دی ہے۔

اور ایک مقام پر لکھا ہے کہ غایۃ المقصود پڑھ کر اتنے ہزار مرزائی مومن ہو گئے۔ اس پر مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کی کہ گولڑی کہتا ہے کہ میری کتاب پڑھ کر اتنے ہزار نے توبہ کی یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو تعداد کم بتلاتے ہیں اور پھر ہزاروں نکل کران میں بھی شامل ہو جاتے ہیں اور ختم نہیں ہوتے۔

حضرت حجۃ اللہ نے ہنس کر فرمایا :

"یہ عجیب حساب ہے جو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا نام رکھا جاوے۔ البتہ ہے یا کیا کہ جس قدر کم ہوتے جاویں وہ بڑھتے جاویں۔"

حضرت اقدسؑ نے ضمناً ایڈیٹر الحکم سے خطاب کر کے اشاعت السنّۃ کے متعلق دریافت فرمایا کہ ابھی شائع ہوا یا نہیں۔ عرض کی گئی کہ اشتہار اشاعت کے بعد کچھ کم معلوم نہیں ہوا۔ اسی کے ضمن میں دہلی کے ایک پنجابی کاتب والے اخبار کا ذکر ایڈیٹر نے کیا کہ اس میں ایک نوٹ لکھ کر گویا ۹ مختلف مقامات پر نالش کی دھمکی دی ہے۔

پھر ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک لڑکے کا خواب بتلایا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :

رویا ہمت اور استعداد کے مطابق ہوتی ہے

ہر شخص کی خواب اس کی ہمت اور استعداد کے موافق ہوتی ہے۔ معبّرین نے یہی لکھا ہے۔

ضمناً میاں جان محمد صاحب مرحوم امام مسجد قادیان کی ایک رویا کا تذکرہ فرمایا۔ پھر فرمایا :

خدا تعالیٰ کا فیضان ظرف اور استعداد کے موافق ہوتا ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے لیکن جیسے روشنی صاف اور روشن چیز پر جیسے شیشہ ہے بہت صفائی سے پڑتی ہے اسی طرح پر خدا تعالیٰ کے فیضان کا حال ہے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت بہت ہی بلند تھی۔ اس لیے قرآن شریف جیسا کلام آپ پر نازل ہوا۔ قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کی صاف تصویر نظر آتی ہے۔ اور کتابوں میں دھندلی سی روشنی پڑتی ہے۔ مسیح ہی کو دیکھ لو کہ اسرائیل کی قوم ہی پیشِ نظر ہے۔ مگر قرآن شریف کسی خاص قوم کو خطاب نہیں کرتا۔ شروع ہی سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ (الفاتحۃ : ۲) کہتا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی بلند ہمت اور عام دعوت ہے کہ کہتے ہیں۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵۹) مگر انجیل میں اسرائیل ہی کا ذکر ہے۔ جو پیشگوئیاں ہیں وُہ بھی اُن ہی کے متعلق ہیں۔ اسی سبب سے یہودیوں کو ٹھوکر لگی اور خدا کے وعدوں کے مصداق اپنی ہی قوم کو سمجھ کر تمام قوموں سے بے تعلق اور غافل ہو گئے اور خدا کے وعدوں کے ایفاء کی آخری منزل اسی دنیا کو خیال کر کے قیامت سے بے خبر اور بہتیرے مُنکر ہو گئے؛ اور فرمایا :

"ہمت بلند ہونی چاہیے، چنانچہ لکھا ہے۔ ہمت بلند دار کہ داور کردگار"[1]

ان باتوں میں ہی اذان ہو گئی۔ حضرت امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز کے لیے اُٹھے اور بعد نماز تشریف لے گئے۔

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض

انبیاء کی بعثت کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان پیدا کریں جو اعمالِ صالحہ کی قوت عطا کرتا ہے اور گناہ سوز فطرت پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ اعمالِ صالحہ کبھی نہیں ہو سکتے جب تک اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان اور معرفت پیدا نہ ہو۔ ہر ایک عمل معرفت صحیح اور عرفان کامل کے بعد اعمالِ صالحہ کی مد میں آتا ہے۔ لوگ جو کچھ اعمال صالحہ کرتے ہیں یا صدقات وخیرات کرتے ہیں یہ رسم اور عادت کے طور پر کرتے ہیں۔ اُس معرفت کا نتیجہ نہیں ہوتے جو ایمان علی اللہ کے بعد پیدا ہوتی ہے؛ چونکہ دُنیا کی نیکیاں اور بظاہر اعمال صالحہ رسم اور عادت کے طور پر ہوتے ہیں۔ اور دُنیا خداشناسی اور خدارسی کے مقاموں سے دُور ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرماتا ہے جو آکر دُنیا کو خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں۔ باقی تمام امور اسی ایمان کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس لیے اصل غرض انبیاء کے بعثت کی یہی ہوتی ہے کہ وُہ انسان کو اس کی زندگی کے اصل منشاء عبودیت تامہ سے آگاہ کریں اور خدا تعالیٰ پر عرفان بخش ایمان لانے کی تعلیم دیں۔

كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

انبیاء علیہم السلام تھوڑے ہوتے ہیں اور اپنے اپنے وقت پر آیا کرتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمام دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۰۲ء

کو رسم اور عادت سے نجات دینے اور سچا اخلاص اور ایمان حاصل کرنے کی یہ راہ بتائی ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ : ۱۱۹) یہ سچی بات ہے۔ اس کو کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ جس نے نبی کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا کر دیا۔ رسم اور عادت کی غلامی سے انسان اسی وقت نکل سکتا ہے جب وہ عرصہ دراز تک صادقوں کی صحبت اختیار کرے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلے۔

مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (الرعد : ۱۸) حقیقت یہی ہے کہ جو شخص دُنیا کے لیے نفع رساں ہو۔ اس کی عمر دراز کی جاتی ہے۔ اس پر جو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چھوٹی تھی۔ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اوّل اس لیے کہ انسانی زندگی کا اصل منشاء اور مقصد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کر لیا۔ آپؐ دُنیا میں اس وقت آئے جبکہ دنیا کی حالت بالطبع مصلح کو چاہتی تھی اور پھر آپؐ اُس وقت اُٹھے جب پُوری کامیابی اپنی رسالت میں حاصل کر لی۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ : ۴) کی صدا کسی دوسرے آدمی کو نہیں آئی اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (النصر : ۲،۳) پُوری کامیابی کا نظارہ اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب جس حال میں کہ رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پورے طور پر کامیاب ہو کر اُٹھے، پھر یہ کہنا کہ آپؐ کی عمر تھوڑی تھی سخت غلطی ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات اور فیوض اَبدی ہیں اور ہر زمانہ میں آپؐ کے فیوض کا دروازہ کھُلا ہوا ہے۔ اس لیے آپؐ کو زندہ نبی کہا جاتا ہے اور حقیقی حیات آپؐ کو حاصل ہے۔ طُولِ عمر کا جو مقصد تھا وُہ حاصل ہو گیا۔ اور اس آیت کے موافق آپؐ ابدالآباد کے لیے زندہ ہے۔

مسیح علیہ السلام کی وفات کے دو گواہ

مسیح علیہ السلام کی وفات پر دو زبردست گواہیاں علاوہ اور گواہوں کی شہادت کے موجود ہیں۔ جن کا انکار ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اوّل خدا تعالیٰ کی شہادت جیسے يٰعِيْسٰۤى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ (آلِ عمران : ۵۶) فرمایا ہے۔ اور پھر دوسری شہادت رسُول اللہ علیہ وسلم کی رؤیت کی ہے۔ آپؐ نے یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت مسیحؑ کو دیکھا۔ اب ان دو گواہوں کے خلاف یہ کہنا کہ وہ زندہ ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

رجُوع کا لفظ صعُود کے بعد ہوتا ہے۔ پھر جو لوگ مسیح کے مع وجود عنصری آسمان پر چڑھنے کو ثابت کرتے ہیں، ان کا فرض ہے کہ وہ مسیح کا رجُوع ثابت کریں، کیونکہ نزول کے لیے صعُود لازم نہیں ہے۔

صدق و وفا

حدیث میں آیا ہے کہ صوم و صلوٰۃ سے درجہ نہیں ملتا، بلکہ اُس بات سے جو انسان کے دل میں ہے یعنی صدق و وفا۔ خدا یہی چاہتا ہے کہ عمل صالح ہو اور اس کا اخفا ہو ریاکاری نہ ہو۔

صدق بڑی چیز ہے اس کے بغیر عمل صالحہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ اپنی سُنت نہیں چھوڑتا اور انسان اپنا طریق نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس لیے فرمایا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت: ۷۰) خدا تعالیٰ میں ہوکر جو مجاہدہ کرتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنی راہیں کھول دیتا ہے۔

وحدت الوجود

بُت پرست بھی وجودیوں کی طرح اپنے بُتوں کو مظاہر ہی مانتے ہیں۔ قرآن شریف اس مذہب کی تردید کرتا ہے۔ وہ شروع ہی میں یہ کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اگر مخلوق اور خالق میں کوئی امتیاز نہیں، بلکہ دونوں برابر اور ایک ہیں تو ربّ العالمین نہ کہتا اب عالم تو خدا تعالیٰ میں داخل نہیں کیونکہ عالم کے معنے ہیں مَا يُعْلَمُ بِهٖ اور خدا تعالیٰ کے لیے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام: ۱۰۴)

موجودات کو جو وہ عین اللہ کہتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ قرآن شریف نے عین اور غیر کی کوئی بحث نہیں کی۔ محی الدین ابن عربی سے جو منسوب کرتے ہیں کہ اس نے لکھا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَشْيَاءَ وَهُوَ عَيْنُهَا یہ بات صحیح ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (بنی اسرائیل: ۳۷) جب انسان کو کچھ خبر نہیں۔ پھر بتاؤ کہ غیب کہاں رہی۔ یہ تو سچی بات ہے کہ صفات کسی چیز کے اس سے الگ نہیں ہوتے۔ خواہ وہ کہیں چلی جاوے۔ پانی کو خواہ لندن لے جاؤ، آخر وہ پانی رہے گا۔ جب انسان خدا ہو تو اس کی صفات اس سے کیوں الگ ہونے لگیں۔ خواہ کسی حالت میں ہو۔

استحالہ کے ساتھ اس کے صفات معدوم ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک چیز کا بقا تو اس کے صفات ہی کے ساتھ ہے۔ اگر ایک پھول کے صفات اُس کے ساتھ نہیں تو وہ پھول کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس اگر انسان خدا ہے تو پھر اس کی خدائی کے صفات اس کے ساتھ ہونے ضروری ہیں۔ اگر صفات نہیں، تو پھر نادانی سے اُسے خدا بنایا جاتا ہے۔ انسان ایسی ایسی مصیبتوں اور مشکلات میں گرفتار ہوتا ہے کہ ٹکریں مارتا پھرتا ہے اور ایسا سرگرداں ہوتا ہے کہ کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ہزاروں آرزوئیں اور تمنائیں ایسی ہوتی ہیں کہ پوری ہونے میں نہیں آئیں۔ کیا خدا تعالیٰ کے ارادے بھی اس قسم کے ہوتے ہیں۔ کہ پورے نہ ہوں۔ اس کی شان تو یہ ہے۔ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰس: ۸۳)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو انسان کو اپنے ارادوں میں نامُراد کرتا ہے۔ وہ کوئی الگ اور

طاقتور ہستی ہے۔ اگر دونوں ایک ہوتے تو یہ نامرادی نہ ہونے پاتی۔ یہ باتیں قرآن شریف کی تعلیم کے صریح خلاف ہیں اور خدا تعالیٰ کے حضور خطرناک گستاخی کی باتیں ہیں۔ اس قسم کے اعتراض کرنا کہ پھر دنیا کہاں سے بنائی۔ بے ادبی ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو قادر مان لیا، پھر ایسے اعتراضات کیوں کیے جاویں۔ آریہ بھی اس قسم کے اعتراض کیا کرتے ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کو اپنی قوت اور طاقت کے پیمانہ سے ناپنا چاہتے ہیں۔

پھر دیکھو۔ وجودیوں کے بڑے بڑے صُوفی مرے ہیں اور مرتے ہیں۔ اگر وہ خدا تھے تو ان کو تو اس وقت خدائی کا کرشمہ دکھانا چاہیے تھا۔ نہ یہ کہ عاجز انسان کی طرح تڑپ کر جان دیدی۔ یاد رکھو انسان کی سعادت یہی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں اپنا دخل نہ دے، بلکہ اپنی عبُودیت کا اعتراف کرے۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے اور مذہب ہے کہ ایک فوق الفوق قادر ہستی ہے جو ہم پر کام کرتی ہے۔ جدھر چاہتی ہے لے جاتی ہے۔ وُہ خالق ہے ہم مخلوق ہیں۔ وہ حیّ قیوم ہے اور ہم ایک عاجز مخلوق۔ قرآن شریف میں جو حضرت سلیمان اور بلقیس کا ذکر ہے کہ اس نے پانی کو دیکھ کر اپنی پنڈلی سے کپڑا اُٹھایا۔ اس میں بھی یہی تعلیم ہے جو حضرت سلیمان نے اس عورت کو دی تھی۔ وہ دراصل آفتاب پرستی کرتی تھی۔ اس کو اس طریق سے اُنھوں نے سمجھایا کہ جیسے یہ پانی شیشہ کے اندر چل رہا ہے۔ دراصل اُوپر شیشہ ہی ہے۔ اسی طرح پر آفتاب کو روشنی اور ضیاء بخشنے والی ایک اور زبردست طاقت ہے۔

اور یہ اعتراض جو کیا جاتا ہے کہ قرآن شریف غیریّت اُٹھانے آیا تھا۔ اس کو وجُودیوں نے سمجھا نہیں — قرآن شریف ایک اتحاد عام مُسلمانوں میں قائم کرتا ہے نہ یہ کہ خالق اور مخلوق کو متحد فی الذات کر دے۔ نظائر کے بغیر تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ پس ایسی کوئی مثال وجودیوں کو پیش کرنی چاہیے جس سے معلوم ہو جاوے کہ خالق اور مخلوق ایک ہی ہیں۔ انسان گناہ سے محبت کرتا ہے۔ پھر وہ عین خدا کیونکر ہو سکتا ہے۔ وجودی کہتے ہیں کہ تم نے غیریّت سے شریک بنالیا۔ ہم کہتے ہیں۔ یہ غلط ہے۔ ہم تو مخلوق مانتے ہیں۔ کوئی الگ خدا تو تجویز نہیں کرتے اور پھر مخلوق بھی ایسی مانتے ہیں۔ جس پر سارا ہی تصرّف خدا تعالیٰ کا ہے، کیونکہ وہ حیّ وقیوم خدا ہے۔ جس کے سہارے سے زندگی قائم ہے۔ خدا تعالیٰ اس قسم کا حیّ وقیوم نہیں ہے کہ جیسے معمار کی عمارت کو ضرورت نہیں ہوتی کہ معمار اس کے ساتھ زندہ رہے یعنی اگر معمار مر جاوے تو عمارت کو اس کے مرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، بلکہ مخلوق کسی صورت میں اس کے سہارے سے الگ ہو ہی نہیں سکتی۔ بلکہ اور مخلوق کی زندگی اور قیام کا اصلی ذریعہ وہی ہے۔ ہم عین غیر کی بحث میں ہرگز نہیں پڑتے۔ قرآن شریف نے ان اصطلاحوں کو کبھی بیان نہیں کیا۔ جو تعلقات خالق اور مخلوقات کے اُس نے بیان کیے ہیں۔ ان سے باہر جانا گستاخی اور بے ادبی ہے۔

شیخ محی الدین سے پہلے اس وحدتِ وجود کا نام و نشان نہ تھا۔ ہاں وحدتِ شہودی تھی یعنی خدا تعالیٰ کے مشاہدہ میں اپنے آپ کو فانی سمجھنا۔ وحدتِ شہودی میں "من تو شدم تو من شدی" استیلائے محبت کا تقاضا تھا۔ وجودیوں نے اس سے تجاوز کر کے وہ کام کیا جو ڈاکٹر اور فلاسفر کرتے ہیں کہ وہ خدائی کے حصہ دار بنتے ہیں۔ اور دیکھا گیا ہے کہ یہ وحدت وجود والے عموماً اباحتی ہوتے ہیں اور نماز و روزہ کی ہرگز پرواہ نہیں کرتے۔ یہانتک کہ کنجروں (کنچنوں) کے ساتھ بھی تعلقات رکھتے ہیں۔ ان کو کوئی پرہیز اور عذر نہیں ہوتا۔ شہود کی حقیقت تو یہی ہے۔ کہ جیسے لوہے کو آگ میں ڈالا جاوے اور وہ اس قدر گرم ہو جاوے کہ سُرخ آگ کی طرح ہو جاوے۔ اس وقت اگرچہ آگ کے خواص اس میں پائے جاتے ہیں؛ تاہم وہ آگ نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح جس شخص کو خدا تعالیٰ سے تعلقات قوی اور شدید ہوتے ہیں اور فنائی اللہ کے درجہ پر ہوتا ہے، تو اس سے بسا اوقات خارق عادت معجزات صادر ہوتے ہیں جو اپنے اندر ایک قسم کی اقتداری قوت کا نمونہ رکھتے ہیں۔ لوگ اپنی غلط فہمی اور کمزوری سے یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ شاید یہ خدا ہو۔ شہودی حالت میں اکثر امور اُن کی مرضی کے موافق ہو جاتے ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعلوں کو خدا تعالیٰ نے اپنا فعل قرار دیا ہے اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدہ: ۴) اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ (النصر: ۲) کی صدا آپ کو آگئی۔[1]

---

۴ راگست ۱۹۰۲ء

۴ راگست کی شام کو بعد نماز مغرب حجۃ اللہ حسب معمول تشریف فرما ہوئے۔ خدام پروانہ وار ارد گرد تھے۔ ایک نوجوان نے عرض کی کہ میں اپنا خواب بیان کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا:

"کل صبح کو بیان کرو مسنون طریق یہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی صبح ہی کو خواب سُنا کرتے تھے۔"

ایک زبردست نشان

اثنائے کلام میں اس امر پر تذکرہ ہوا کہ فیضی ساکن بھیں نے اعجاز المسیح کا جواب لکھنا چاہا تھا، جو خدائے تعالیٰ کے وعدے کے موافق جو اعجاز المسیح کے ٹائیٹل پیج پر درج ہے۔ بامراد نہ ہو سکا، بلکہ اس دُنیا سے اُٹھ گیا۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:

"یہ کس قدر زبردست نشان ہے خدا کی طرف سے ہماری تصدیق اور تائید میں کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۷-۸ پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۰۲ء

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ سلسلہ جیسا کہ ہمارے مخالف مشہور کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا۔ تو چاہیے تھا کہ فیضی نے جو لوگوں کی نفع رسانی کا کام شروع کیا تھا اس میں اس کی تائید کی جاتی، لیکن اس طرح پر اس کا جوانا مرگ ہو جانا صاف ثابت کرتا ہے کہ اس سلسلہ کی مخالفت کے لیے قلم اُٹھانا لوگوں کی نفع رسانی کا کام نہ تھا۔ کم از کم ہمارے مخالفوں کو بھی اتنا تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی نیت نیک نہ تھی، ورنہ کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کی تائید نہ کی اور اس کو مُہلت نہ ملی کہ اس کو تمام کر لیتا۔

میرے اپنے الہام میں بھی یہ ہے وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ. تیس۳۰ برس سے زیادہ عرصہ ہوا جب میں تپ سے سخت بیمار ہوا۔ اس قدر شدید تپ مجھے چڑھی ہوئی تھی کہ گویا بہت سے انگارے سینے پر رکھے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ اس اثنا میں مجھے الہام ہوا۔ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ۔ یہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض مخالفِ اسلام بھی لمبی عمر حاصل کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ میرے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اُن کا وجود بھی بعض رنگ میں مفید ہی ہوتا ہے۔ دیکھو ابوجہل بدر کی جنگ تک زندہ رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ اگر مخالف اعتراض نہ کرتے تو قرآن شریف کے تیس سپارے کہاں سے آتے۔ جس کے وجود کو اللہ تعالیٰ مفید سمجھتا ہے اسے مُہلت دیتا ہے۔ ہمارے مخالف بھی جو زندہ ہیں۔ وہ مخالفت کرتے ہیں۔ ان کے وجود سے بھی یہ فائدہ پہنچتا ہے کہ خدا تعالیٰ قرآن شریف کے حقائق و معارف عطا کرتا ہے۔ اب اگر مہر علیشاہ اتنا شور نہ مچاتا تو نزول مسیح کیسے لکھا جاتا۔

اس طرح پر جو دُوسرے مذاہب باقی ہیں ان کے بقاء کا بھی یہی باعث ہے تا کہ اسلام کے اصولوں کی خُوبی اور حُسن ظاہر ہو۔ اب دیکھ لو کہ نیوگ اور کفارہ کے اعتقاد والے مذہب اگر موجود نہ ہوتے تو اسلام کی خُوبیوں کا امتیاز کیسے ہوتا۔ غرض مخالف کا وجود اگر مفید ہو تو اللہ تعالیٰ اُسے مُہلت دیتا ہے۔[1]

چونکہ حضرت کی طبیعت آج کسی قدر ناساز تھی اور گرمی بھی زیادہ تھی اس کے بعد جلد نماز عشاء ادا کر لی گئی۔

۶؍ اگست ۱۹۰۲ء

۶؍ اگست کی شام کو حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے۔ پیر گولڑی کی اس پُرفن کارروائی کا ذکر تھا جو اس نے اپنی کتاب سیف چشتیائی کی تالیف میں کی ہے اور جس کا راز اگلی اشاعت میں بالکل کھول دیا جاوے گا اور

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۱۱ پرچہ ۱۰؍ اگست ۱۹۰۲ء

دنیا کو دکھایا جاوے گا کہ کون کسوٹ مصنف بھی دُنیا میں ہیں۔ اس کے بعد امریکہ کے مشہور مفتری مدعی الیاس ڈوئی کا اخبار پڑھا گیا جو مفتی محمد صادق صاحب ایک عرصہ سے سُنایا کرتے ہیں۔ ڈوئی نے اپنے مخالف قوموں بادشاہوں اور سلطنتوں کی نسبت پیشگوئی کی ہے کہ وہ تباہ ہو جائیں گے۔ اس پر حضرت اقدسؑ کی رگِ غیرت وحمیت دینی جوش میں آئی اور فرمایا کہ :

"مفتری کذاب اسلام کا خطرناک دشمن ہے۔ بہتر ہے اُس کے نام ایک کھُلا خط چھاپ کر بھیجا جاوے اور اس کو مقابلہ کے لیے بُلایا جاوے۔ اسلام کے سوا دنیا میں کوئی سچا مذہب نہیں ہے اور اسلام ہی کی تائید میں برکات اور نشان ظاہر ہوتے ہیں میرا یقین ہے کہ اگر یہ مفتری میرا مقابلہ کرے گا، تو سخت شکست کھائے گا اور اب وقت آگیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کے افترا کی اس کو سزا دے۔"

غرض یہ قرار پایا کہ ، راگست کو حضرت اقدسؑ ایک خط اس مفتری کو لکھیں اور اسے نشان نمائی کے میدان میں آنے کی دعوت کریں۔ یہ خط انگریزی زبان میں ترجمہ ہوکر مختلف اخبارات میں بھی شائع ہو گا اور بھیجا جاوے گا۔"

الہام

نزول المسیح جو آجکل لکھ رہے ہیں۔ اور پیر گولڑی کی کتاب سیف چشتیائی بھی زیر نظر ہے۔ اس پر کسی قدر توجہ کرنے سے یہ الہام ہوا :

اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ الْقَدِیْرُ۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمَاتِیْ

۷راگست ۱۹۰۲ء

۷راگست کی صبح کو حسب معمول سیر کو نکلے۔ ایڈیٹر الحکم نے عرض کی کہ حضور امسال شکاگو کی طرز پر ایک مذہبی کانفرنس جاپان میں ہونے والی ہے۔ جس میں مشرقی دُنیا کے مذاہب کے سرکردہ ممبروں کا اجتماع ہو گا۔ اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیوں پر لیکچر دیئے جائیں گے۔ کیا اچھا ہو اگر حضور کی طرف سے اس تقریب پر کوئی مضمون لکھا جائے اور اسلام کی خوبیاں اس جلسہ میں پیش کی جاویں۔ ہماری جماعت کی طرف سے کوئی صاحب جیسے مولوی محمد علی صاحب ہیں، چلے جائیں۔ جاپان کے مصارف بھی بہت نہیں ہیں اور جاپان والوں

نے ہندوستانیوں کو دعوت کی ہے بلکہ وہ ہندوستان سے جانے والوں کے لیے اپنا الگ جہاز بھیجنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ اس پر فرمایا کہ :

بیشک ہم تو ہر وقت تیار ہیں۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ کب ہوگی اور اس کے قواعد کیا ہیں، تو ہم اسلام کی خوبیوں اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا مقابلہ کرکے دکھا سکتے ہیں اور اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو کہ ہر میدان میں کامیاب ہو سکتا ہے کیونکہ مذہب کے تین جزو ہیں۔ اوّل خداشناسی۔ مخلوق کے ساتھ تعلق اور اس کے حقوق اور اپنے نفس کے حقوق۔ جس قدر مذاہب اس وقت موجود ہیں بجز اسلام کے جو ہم پیش کرتے ہیں سب نے بے اعتدالی کی ہوئی ہے۔ پس اسلام ہی کامیاب ہوگا۔

ذکر کیا گیا کہ وہاں بدھ مذہب ہے اس کا ذکر بھی اس مضمون میں آجانا چاہیے۔ فرمایا :

بُدھ مت

بدھ مذہب دراصل سناتن دھرم ہی کی شاخ ہے۔ بدھ نے جو اوائل میں اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ دیا۔ اور قطع تعلق کر لیا، شریعتِ اسلام نے اس کو جائز نہیں رکھا۔ اسلام نے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے اور مخلوق سے تعلق رکھنے میں کوئی تناقض بیان نہیں کیا۔ بدھ نے اوّل ہی قدم پر غلطی کھائی ہے اور اس میں دہریت پائی جاتی ہے۔ مجھے اس بات سے بھی تعجب نہیں ہوتا کہ ایک کُتا مُردار کیوں کھاتا ہے جس قدر تعجب اس بات سے ہوتا ہے کہ انسان انسان ہو کر اپنی جیسی مخلوق کی پرستش کیوں کرتا ہے۔ اس لیے اس وقت جب خدا نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے تو سب سے اوّل میرا فرض ہے کہ خدا کی توحید قائم کرنے کے لیے تبلیغ اور اشاعت میں کوشش کروں۔ پس مضمون تیار ہو سکتا ہے اور وہاں بھیجا جا سکتا ہے۔ پہلے قواعد آنے چاہئیں۔

پھر فرمایا کہ :

اس مضمون کے پڑھنے کے لیے اگر مولوی عبدالکریم صاحب جائیں تو خوب ہے۔ اُن کی آواز بڑی بارُعب اور زبردست ہے اور وہ انگریزی لکھا ہوا ہو۔ تو اُسے خوب پڑھ سکتے ہیں اور ساتھ مولوی محمد علی صاحب بھی ہوں اور ایک اور شخص بھی چاہیے۔ اَلرَّفِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْقُ ۔

پھر اس سلسلہ کلام میں فرمایا :

زمانہ میں باوجود استغراق دُنیا کے مذہب کی طرف بھی توجہ ہو گئی ہے اور مذہبی چھیڑ چھاڑ کا ایسا سلسلہ جاری ہو گیا ہے کہ پہلے کبھی ایسا موقع نہیں ملا۔

پھر اس ذکر پر کہ انجمن حمایت اسلام کو بعض اخباروں نے توجہ دلائی ہے کہ وہ کوئی آدمی بھیجیں۔ فرمایا :

ہمارے مخالف اسلام کو کیا پیش کریں گے۔ جبکہ اسلام کی خوبیوں کا خود ان کو اعتراف نہیں ہے ۔ اوّل

خداتعالیٰ کی توحید اسلام نے بڑے زور سے قائم کی مگر جب یہ مسیح میں خدائی صفات کو قائم کرتے اور مانتے ہیں تو توحید کہاں رہی۔ پھر برکات اسلام کا فخر ہے، مگر یہ لوگ اس سے بھی منکر ہیں۔ اگر پچھلے قصے پیش کریں تو سناتن دھرم والے بھی کر سکتے ہیں۔ اسلام تو اس پھل کی طرح تھا جو تازہ بتازہ ہو۔ جس کے کھانے سے لذت اور خوشی محسوس ہوتی ہے، مگر اب ان لوگوں نے وہ حالت کر دینی چاہی ہے جیسے ایک سڑا ہوا پھل ہو، جس کی عفونت دماغ کو خراب کر دے۔ خداتعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق اسلام کو تازہ ہی رکھا ہے اور اس لیے بجز ہمارے کوئی دوسرا اس کو پیش نہیں کر سکتا۔ آج اسلام کو وہی کامیاب کر سکتا ہے جو بیان کرتے کرتے مسیح کو قبر تک پہنچا دے۔

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ :

خداتعالیٰ نے جو براہین میں وعدہ کیا تھا یَنْصُرُکَ اللّٰہُ فِی مَوَاطِنَ۔ یعنی اللہ بہت سے میدانوں میں تیری مدد کرے گا۔ ابتک جس قدر میدان ہمارے سامنے آئے خداتعالیٰ نے فتح دی۔[1]

---

۸ راگست ۱۹۰۲ء کی شام

امریکہ کے ڈاکٹر ڈوئی کے نام حضرت مسیح موعودؑ کی چٹھی کا خلاصہ

حضرت اقدس علیہ السلام نے مولوی محمد علی صاحب کو وہ چٹھی دی جو ڈاکٹر ڈوئی امریکہ کے مشہور عیسائی مفتری کے نام لکھی ہے؛ چنانچہ وہ چٹھی پڑھ کر سنائی گئی۔ اس چٹھی کو ہم انشاء اللہ اخیر ستمبر ۱۹۰۲ء تک الحکم میں شائع کرنے کے قابل ہوسکیں گے۔ تاہم حاصل بالمطلب کے طور پر اتنا اب بھی لکھ دیتے ہیں کہ حضرت اقدسؑ نے اس چٹھی میں ایک عظیم الشان فیصلہ کی بنیاد رکھ دی ہے۔

ہمارے ناظرین اخبار کو غالباً معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر ڈوئی کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ عہد نامہ کا رسول ہے۔ وہ الیاس پیغمبر ہے جس کا آنا مسیح سے پہلے ضروری تھا اور اس نے اپنے اخبار میں یہ پیشگوئی کی ہے کہ وہ سلطنت وہ انسان وہ قوم ہلاک ہو جائے گی جو اس کو رسول نہیں مانتے اور مسلمانوں کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور اس پیشگوئی میں ہماری گورنمنٹ کو بھی داخل کر لیا ہے۔ اور تمام دنیا کی سلطنتوں کو شامل کیا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے اس چٹھی کے ذریعہ ڈاکٹر ڈوئی کو دعوت کی ہے کہ :

اب فیصلہ کا طریق آسان ہے۔ اس قدر مسلمانوں کے ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ مسیح موعودؑ جس کا

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۸ صفحہ ۴ پرچہ ۱۰ راگست ۱۹۰۲ء

ڈاکٹر ڈوئی انتظار کرتا ہے آگیا ہے وہ میں ہوں پس میرے ساتھ مقابلہ کرکے یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ کون کاذب اور مفتری ہے۔ ڈاکٹر ڈوئی اپنے مُریدوں میں سے ایک ہزار آدمی کے دستخط دیکر ایک قسم اس طرح شائع کرے کہ ہم دونوں میں سے جو کاذب اور مُفتری ہے وہ راستباز اور صادق سے پہلے ہلاک ہو جاوے۔ پس پھر کاذب کی موت خود ایک نشان ہو جاوے گا۔

یہ خلاصہ اس چٹھی کا جس میں اور بھی بہت سے حقائق ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ ہمیشہ کے لیے ثابت کر دیا جاوے کہ یہ غلط خیال ہے کہ تلوار کبھی مذہب کا فیصلہ نہیں کر سکتی ہے۔ یعنی مسئلہ جہاد پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے ضمن میں حضرت مسیح کی موت اور آپ کی قبر پر بحث کی ہے۔ اور ان واقعات کی بناء پر جو انجیل میں درج ہوئے ہیں۔ ثابت کیا ہے کہ وہ صلیب پر نہیں مرے، بلکہ وہاں سے بچ کر نکل کھڑے ہوئے اور کشمیر میں آکر فوت ہوئے۔

اس چٹھی کے ختم کرنے کے بعد مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے ایک فارسی نظم غازی وگولڑی کے جواب میں پڑھی جو دوسری جگہ درج ہے۔ پھر مولوی جمال الدین صاحب سیکھواں والے نے ایک پنجابی نظم تصدیق المسیح میں جو سوہل کے خیالوں کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے۔ پڑھ کر سُنائی، جس میں حضرت حجۃ اللہ کی صداقت کا معیار آپ کی عظیم الشان کامیابیاں اور دشمنوں کی نامُرادیاں مذکور تھیں۔ ان نظموں کے پڑھے جانے کے بعد نماز عشاء ادا کی گئی۔

۹ر اگست ۱۹۰۲ء

قیصر کی تاجپوشی سیر میں مختلف تذکروں کے بعد قیصر ہند کی تاجپوشی کا ذکر آیا۔ فرمایا کہ:

رعیت کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ شاہ ایڈورڈ ہفتم ہندوستان کے سرپرست ہوتے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ نوجوان بادشاہ کی نسبت بوڑھا بادشاہ رعایا کے لیے بہت ہی مفید ہوتا ہے کیونکہ نوجوان اپنے جذبات اور جوش کے نیچے کبھی کبھی رعایا کے حقوق اور نگہداشت کے طریقوں میں فروگذاشت کر بیٹھتا ہے، مگر عمر رسیدہ بادشاہ اپنی عمر کے مختلف حصوں میں گذر جانے کے باعث تجربہ کار ہوتا ہے۔ اس کے جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ خدا کا خوف اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے وہ رعایا کے لیے بہت ہی مفید اور خیر خواہ ہوتا ہے۔

۹؍اگست ۱۹۰۲ء کی شام

حضرت اقدس نماز مغرب سے فارغ ہوکر حسب معمول بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد کپور تھلہ سے آئے ہوئے دو تین احباب نے بیعت کی۔ بیعت کے بعد ایک صاحب کی نسبت عرض کیا گیا کہ یہ قاری ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ سناؤ چنانچہ انہوں نے حضرت اقدس کے ارشاد کے موافق سورۂ مریم کا ایک رکوع نہایت ہی عمدہ طور پر پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد قاری صاحب سے حضرت اقدس معمولی امور دریافت فرماتے رہے۔ زاں بعد قاری صاحب نے عرض کی کہ حضور بہت عرصہ سے مجھے اس امر کا اشتیاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مجھے ہو جائے۔ اس لیے آپ کوئی وظیفہ مجھے بتا دیجئے کہ ایک جھلک ہو جاوے۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا: زیارت رسولؐ اصل مقصد نہیں۔

زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

دیکھو! آپ نے میری بیعت کی۔ جو شخص بیعت میں داخل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مقاصد کو مدنظر رکھے جو بیعت سے ہیں۔ یہ امور کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاوے۔ اصل منشاء اور مدعا سے دُور ہیں۔ انسان کا اصل منشاء یہ ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ قرآن شریف میں بھی یہ اصل مقصد نہیں رکھا گیا، بلکہ فرمایا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آلِ عمران : ۳۲) اصل غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع ہے۔ جب انسان آپ کی اتباع میں کھویا جاتا ہے، تو ایسا بھی ہو جاتا ہے ضمناً زیارت بھی ہو جاوے۔ جیسے کوئی میزبان کسی کی دعوت کرتا ہے، تو وہ اس کے لیے عمدہ کھانے لاتا ہے لیکن ان کھانوں کے ساتھ وہ ایک دستر خوان بھی لے آتا ہے۔ ہاتھ بھی دُھلائے جاتے ہیں، حالانکہ اصل مقصد تو کھانا ہوتا ہے۔ اسی طرح پر جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اتباع کرتا ہے۔ وہ اس کو اپنا مقصد ٹھہراتا ہے۔ اس کے ساتھ آپ کی زیارت کا ہو جانا بھی کسی وقت ممکن ہے۔ دیکھو بہت سے لوگ یہاں جو بیعت کرنے کے لیے آتے ہیں وہ مجھے دیکھتے ہیں لیکن اگر ان میں وہ تبدیلی جو میری اصل غرض ہے اور جس کے لیے مَیں بھیجا گیا ہوں، نہیں ہوتی تو میرے دیکھنے سے اُن کو کیا فائدہ ہوا۔

اس طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص بڑا ہی بدبخت ہے اور اس کی کچھ بھی قدر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں جس نے اگر سارے انبیاء علیہم السلام کی زیارت کی ہو، مگر وہ سچا اخلاص وفاداری اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان خشیت اللہ اور تقویٰ اس کے دل میں نہ ہو۔ پس یاد رکھو نری زیارتوں سے کچھ نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ نے جو پہلی دعا سکھلائی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحۃ : ۶، ۷) اگر اللہ تعالیٰ

کا اصل مقصود زیارت ہوتا تو وہ اِھْدِنَا کی جگہ اَرِنَا صُوَرَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی دُعا تعلیم فرماتا۔ جو نہیں کیا گیا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی میں دیکھ لو کہ آپ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ مجھے ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہو جاوے۔ گو آپ کو معراج میں سب کی زیارت بھی ہو گئی پس یہ امر مقصود بالذات ہرگز نہیں ہونا چاہیے۔ اصل مقصد سچی اتباع ہے۔

سُورۃ فاتحہ کی دُعا چونکہ سُورہ فاتحہ کا ذکر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ :

اِس میں تین گروہوں کا ذکر ہے۔ اوّل منعم علیہم۔ دوم مغضوب، سوم ضالین۔ مغضوب سے مُراد بالاتفاق یہود ہیں اور ضالین سے نصاریٰ۔ اب تو سیدھی بات ہے کہ کوئی دانشمند باپ بھی اپنی اولاد کو وہ تعلیم نہیں دیتا جو اس کے لیے کام آنے والی نہ ہو۔ پھر خدا تعالیٰ کی نسبت یہ کیونکر روا رکھ سکتے ہیں کہ اس نے ایسی دُعا تعلیم کی ہے کہ جو پیش آنے والے اُمور نہ تھے؟ نہیں بلکہ یہ اُمور سب واقعہ ہونے والے تھے۔ مغضوب سے مُراد یہودی ہیں اور دوسری طرف رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُمت کے بعض لوگ یہودی صفت ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ ان سے تشبہ اختیار کریں گے کہ اگر یہودی نے ماں سے زنا کیا ہو تو وہ بھی کریں گے۔ اب وہ یہودی جو خدا تعالیٰ کے عذاب کے نیچے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اُن پر لعنت پڑی تھی۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں یہ سب واقعات پیش آئیں گے۔ وہ وقت اب آگیا ہے۔ میری مخالفت میں یہ لوگ ان سے یک قدم بھی پیچھے نہیں رہے۔

رشوت کی تعریف اس کے بعد حضرت مولانا نورالدین صاحب نے عرض کی کہ حضور ایک سوال اکثر آدمی دریافت کرتے ہیں کہ اُن کو بعض وقت ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ جبتک وہ کسی اہلکار وغیرہ کو کچھ نہ دیں۔ اُن کا کام نہیں ہوتا اور وہ تباہ کر دیئے جاتے ہیں۔ فرمایا :

میرے نزدیک رشوت کی یہ تعریف ہے کہ کسی کے حقوق کو زائل کرنے کے واسطے یا ناجائز طور پر گورنمنٹ کے حقوق کو دبانے یا لینے کے لیے کوئی مابہ الاستفادہ کسی کو دیا جائے۔ لیکن اگر ایسی صورت ہو کہ کسی دُوسرے کا اس سے کوئی نقصان نہ ہو اور نہ کسی دُوسرے کا کوئی حق ہو صرف اس لحاظ سے کہ اپنے حقوق کی حفاظت میں کچھ دے دیا جاوے تو کوئی حرج نہیں اور یہ رشوت نہیں، بلکہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ہم راستہ پر چلے جاویں اور سامنے کوئی کُتا آجاوے تو اس کو ایک ٹکڑا روٹی کا ڈال کر اپنے طور پر جاویں اور اس کے شر سے محفوظ رہیں۔

استفتاء قلب اس پر حضرت حکیم الامت نے عرض کی کہ بعض معاملات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں لگتا کہ اصل میں حق پر کون ہے۔ فرمایا :

ایسی صورتوں میں استفتاءِ قلب کافی ہے۔ اس میں شریعت کا حصہ رکھا گیا ہے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر اگر زیادہ غور کی جاوے تو امید ہے قرآن شریف سے بھی کوئی نص مل جاوے۔

بعد نماز عشاء حضورؑ تشریف لے گئے۔

---

۱۰ راگست ۱۹۰۲ء

۱۰ راگست کی سیر میں شیعوں کے لاہوری مجتہد سیّد علی حائری کے دوسرے اشتہار یا رسالہ کا تذکرہ تھا جس میں علی حائری نے لغو اور بے معنی طریق پر حضرت امام حسینؓ کی فضیلت کو کل انبیاءؑ پر ثابت کرنے کی بالکل بیہودہ کی ہے اور ضمناً اس امر پر بھی ذکر ہوا کہ ہمارے مخالفین مکذبین کا جو انجام ہوا ہے۔ وہ ایک زبردست نشان ہے۔ مثلاً غلام دستگیر کا اپنی کتاب میں مباہلہ کرنا اور پھر اس کے چند روز بعد مر جانا۔ یا مولوی اسمٰعیل علیگڈھی کا مباہلہ کرنا اور ہلاک ہونا۔ ایسا ہی لدھیانہ کے اوّل المکذّبین مولوی عبدالعزیز کا تباہ ہونا یا دوسرے مخالفوں کا مختلف اذیتوں اور تکلیفوں میں مبتلا اور اس سلسلہ کا کامیاب اور بامراد ہونا یہ عظیم الشان نشان ہے۔

سچا سُکھ

پھر باتوں ہی باتوں میں جناب نواب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ مومن ہی دُنیا و آخرت میں سچا سُکھ پاتا ہے۔ جس پر وہ شخص کہنے لگا۔ کہ پھر سب سے بڑے مومن تو انگریز ہیں۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے جو کچھ فرمایا۔ اس کا خلاصہ وہ عنوان ہے جو ہم نے اس نوٹ کے حاشیہ میں لکھ دیا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا۔ کہ

یہ بات غلط ہے کہ سچا سُکھ یا راحت کفّار کو حاصل ہے۔ ان لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ یہ لوگ شراب جیسی چیزوں کے ایسے غلام ہیں اور اُن کے حوصلے کیسے پست ہیں۔ اگر اطمینان اور سکینت ہو تو پھر خودکشیاں کیوں کرتے ہیں۔ ایک مومن کبھی خودکشی نہیں کر سکتا۔ جیسے شراب اور دوسرے نشے بظاہر غم غلط کرنے والے مشہور ہیں۔ اسی طرح سب سے بہتر غم غلط کرنے والا اور راحت بخشنے والا سچا ایمان ہے۔ یہ مومن ہی کے لیے ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ (الرحمان : ۴۷)۔

مخلوق پرست دانشمند کہاں!

حضرت امام حسینؓ کی فضیلت کے دلائل یا دعاوی جو سیّد علی حائری نے بیان کیے ہیں۔ اُن کے تذکرے پر حضرت اقدسؑ نے ایک موقعہ پر فرمایا۔ کہ :

مخلوق پرست کبھی دانشمند نہیں ہو سکتے۔ اور اب تو زمانہ بھی ایسا آگیا ہے۔ علمی تحقیقات اور ایجادوں نے خود دلوں پر ایک اثر کیا ہے اور لوگ سمجھنے لگ گئے ہیں کہ یہ خیالی اُمور ہیں۔[1]

۱۱ ؍اگست ۱۹۰۲ء

ایک قریشی صاحب کئی روز سے بیمار ہو کر دارالامان میں حضرت حکیم الامت کے علاج کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے متعدد مرتبہ حضرت حجۃ اللہ کے حضور دُعا کے لیے التجا کی۔ آپ نے فرمایا:

"ہم دُعا کریں گے"

تیمارداری

۱۰ ؍اگست کی شام کو اس نے بذریعہ حضرت حکیم الامت التماس کی کہ مَیں حضور مسیح موعود کی زیارت کا شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، مگر پاؤں کے متورم ہونے کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ حضرت نے خود ۱۱ ؍اگست کو اُن کے مکان پر جا کر دیکھنے کا وعدہ فرمایا؛ چنانچہ وعدہ کے ایفاء کے لیے آپ سیر کو نکلتے ہی خدام کے حلقہ میں اس مکان پر پہنچے جہاں وہ فروکش تھے۔ آپ کچھ دیر تک مرض کے عام حالات دریافت فرماتے رہے۔ زاں بعد بطور تبلیغ فرمایا کہ

قبولیتِ دُعا کی شرط

مَیں نے دُعا کی ہے، مگر اصل بات یہ ہے کہ نِری دُعائیں کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔ جبتک اللہ تعالیٰ کی مرضی اور امر نہ ہو۔ دیکھو اہلِ حاجت لوگوں کو کس قدر تکالیف ہوتی ہیں۔ مگر حاکم کے ذرا کہہ دینے اور توجہ کرنے سے وُہ دور ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح پر اللہ تعالیٰ کے امر سے سب کچھ ہوتا ہے۔ مَیں دُعا کی قبولیت کو اس وقت محسوس کرتا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے امر اور اذن ہو، کیونکہ اس نے اُدْعُوْنِیْ تو کہا ہے مگر اَسْتَجِبْ لَکُمْ بھی ہے۔

یہ ضروری بات ہے کہ بندہ اپنی حالت میں ایک پاک تبدیلی کرے اور اندر ہی اندر خدا تعالیٰ سے صُلح کر لے اور یہ معلوم کرے کہ وہ دُنیا میں کس غرض کے لیے آیا ہے۔ اور کہاں تک اس غرض کو پُورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبتک انسان اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض نہیں کرتا۔ اس وقت تک کسی تکلیف میں مُبتلا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر انسان تبدیلی کرے۔ تو خدا تعالیٰ پھر رجُوع برحمت کرتا ہے۔ اس وقت طبیب کو بھی سُوجھ جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ پر کوئی امر مشکل نہیں، بلکہ اس کی تو شان ہے۔ اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۔ (یٰسٓ: ۸۳)۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶ پرچہ ۱۷ ؍اگست ۱۹۰۲ء

ایک بار میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ ایک ڈپٹی انسپکٹر پنسل سے ناخن کا میل نکال رہا تھا جس سے اس کا ہاتھ وَرم کر گیا۔ آخر ڈاکٹر نے ہاتھ کاٹنے کا مشورہ دیا۔ اس نے معمولی بات سمجھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اسی طرح ایک دفعہ میں نے پنسل کو ناخن سے بنایا۔ دوسرے دن جب میں سیر کو گیا، تو مجھے اس ڈپٹی انسپکٹر کا خیال آیا اور ساتھ ہی میرا ہاتھ وَرم کر گیا۔ میں نے اسی وقت دُعا کی اور الہام ہوا۔ اور پھر دیکھا تو ہاتھ بالکل دُرست تھا۔ اور کوئی وَرم یا تکلیف نہ تھی۔ غرض بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب اپنا فضل کرتا ہے، تو کوئی تکلیف باقی نہیں رہتی، مگر اس کے لیے ضروری شرط ہے کہ انسان اپنے اندر تبدیلی کرے۔ پھر جس کو وہ دیکھتا ہے کہ یہ نافع وجود ہے، تو اس کی زندگی میں ترقی دے دیتا ہے۔ ہماری کتاب میں اس کی بابت صاف لکھا ہے وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ (الرعد: ۱۸) ایسا ہی پہلی کتابوں سے پایا جاتا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں درج ہے۔

انسان بہت بڑے کام کے لیے بھیجا گیا ہے، لیکن جب وقت آتا ہے اور وُہ اس کام کو پورا نہیں کرتا۔ تو خدا اس کا تمام کام کر دیتا ہے۔ خادم کو ہی دیکھ لو کہ جب وُہ ٹھیک کام نہیں کرتا، تو آقا اس کو الگ کر دیتا ہے۔ پھر خدا تعالیٰ اس وجود کو کیونکر قائم رکھے، جو اپنے فرض کو ادا نہیں کرتا۔

ہمارے مرزا صاحب* پچاس برس تک علاج کرتے رہے۔ اُن کا قول تھا کہ اُن کو کوئی حکمی نسخہ نہیں ملا۔ پس یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کے اِذن کے بغیر ہر ایک ذرّہ جو انسان کے اندر جاتا ہے کبھی مفید نہیں ہو سکتا۔ توبہ و استغفار بہت کرنی چاہیے۔ تا خدا تعالیٰ اپنا فضل کرے۔ جب خدا تعالیٰ کا فضل آتا ہے، تو دُعا بھی قبول ہوتی ہے۔ خدا نے یہی فرمایا ہے کہ دُعا قبول کروں گا۔ اور کبھی کہا کہ میری قضاء و قدر مانو۔ اس لیے میں تو جب تک اِذن نہ ہو لے کم امید قبولیت کی کرتا ہوں۔ بندہ نہایت ہی ناتواں اور بے بس ہے پس خدا کے فضل پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

حُکام اور برادری سے سلوک

چوہدری عبداللہ خاں صاحب نمبردار بہلول پور نے سوال کیا کہ حکام اور برادری سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔

ہماری تعلیم تو یہ ہے کہ سب سے نیک سلوک کرو۔ حکام کی سچی اطاعت کرنی چاہیے، کیونکہ وہ حفاظت کرتے ہیں۔ جان اور مال اُن کے ذریعہ امن میں ہیں اور برادری کے ساتھ بھی نیک سلوک اور برتاؤ کرنا چاہیے کیونکہ

---

* حضرت اقدسؑ کے والد مرحوم و مغفور۔

برادری کے بھی حقوق ہیں؛ البتہ جو متقی نہیں اور بدعات و شرک میں گرفتار ہیں اور ہمارے مخالف ہیں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے؛ تاہم اُن سے نیک سلوک کرنا ضرور چاہیے۔ ہمارا اصول تو یہ ہے کہ ہر ایک سے نیکی کرو۔ جو دُنیا میں کسی سے نیکی نہیں کرسکتا، وہ آخرت میں کیا اجر لے گا۔ اس لیے سب کے لیے نیک اندیش ہونا چاہیے۔ ہاں مذہبی امور میں اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ جس طرح پر طبیب ہر مریض کی خواہ ہندو ہو یا عیسائی یا کوئی ہو سب کی تشخیص اور علاج کرتا ہے۔ اسی طرح پر نیکی کرنے میں عام اصُولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کفار کو قتل کیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ لوگ اپنی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے بہ سبب بلا وجہ قتل کرنے مُسلمانوں کے مجرم ہو چکے تھے۔ اُن کو جو سزا ملی مجرم ہونے کی حیثیت سے تھی۔ محض انکار اگر سادگی سے ہو اور اس کے ساتھ شرارت اور ایذا رسانی نہ ہو، تو وہ اس دُنیا میں عذاب کا موجب نہیں ہوتا۔

رشوت

رشوت ہرگز نہیں دینی چاہیے۔ یہ سخت گناہ ہے، مگر میں رشوت کی یہ تعریف کرتا ہوں کہ جس سے گورنمنٹ یا دوسرے لوگوں کے حقوق تلف کیے جاویں۔ میں اس سے سخت منع کرتا ہوں۔ لیکن ایسے طور پر بطور نذرانہ یا ڈالی اگر کسی کو دی جاوے جس سے کسی کے حقوق کے اتلاف مدِنظر نہ ہو، بلکہ اپنی حق تلفی اور شر سے بچنا مقصود ہو۔ تو یہ میرے نزدیک منع ہے۔ اور میں اس کا نام رشوت نہیں رکھتا۔ کسی کے ظلم سے بچنے کو شریعت منع نہیں کرتی، بلکہ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ (البقرۃ: ۱۹۶) فرمایا ہے۔

خدا تعالیٰ کی آزمائش نہ کرو

خانصاحب نواب خاں صاحب جاگیردار مالیرکوٹلہ نے ایک شخص کا ذکر کیا کہ وہ ارادت کا اظہار کرتا ہے۔ مگر چاہتا ہے کہ اس کی توجہ نماز کی طرف ہو جاتے۔ فرمایا کہ:

یہ لوگ خدا تعالیٰ سے ایسی شرطیں کیوں کرتے ہیں۔ پہلے خود کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن میں اِیَّاکَ نَعْبُدُ مقدم ہے۔ خدا تعالیٰ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ اگر وہ خود کوشش کرنا چاہتے ہیں، تو مہینے تک یہاں آکر رہیں۔ خدا نے فرمایا ہے۔ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹) یہاں وہ نماز پڑھنے والوں کو دیکھیں گے باتیں سُنیں گے۔

خدا تعالیٰ تو غنی ہے۔ اگر ساری دُنیا اُس کی عبادت نہ کرے تو اس کو کیا پرواہے۔ ہزاروں میں ایک انسان قبول کرے تو خدا کو خوش کرسکتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی آزمائش نہ کرو یہ اچھا طریق نہیں۔

حدیث

حدیثیں دو قسم کی ہیں۔ اوّل وہ جو صراحتاً بلا تاویل ہماری مدد اور معاون ہیں جیسے اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔ فَاَمَّکُمْ مِنْکُمْ۔ لَامَھْدِیَّ اِلَّاعِیْسٰی وغیرہ۔ اور دوم کچھ اس قسم کی ہیں جو ہمارے مخالف پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ ذرا سی توجہ سے ان کا مضمون اور مفہوم ہمارے مطابق ہو جاتا ہے اور بعض بالکل محرّف و مبدّل قرآن شریف کے خلاف اقوالِ مَردُودہ ہیں۔ ہم اُن کو رد کر دیں گے۔

خدا تعالیٰ کی آواز تو ہمیشہ آتی ہے، مگر مُردوں کی نہیں آتی۔ اگر کہیں کسی مردے کی آواز آتی ہے تو خدا کی معرفت۔ یعنی خدا تعالیٰ کوئی خبر اُن کے متعلق دے دیتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ کوئی ہو خواہ نبی ہو یا صدیق یہ حال ہے۔ کہ آنراکہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اور اہل و عیال کے درمیان ایک حجاب رکھ دیتا ہے۔ وہ سب تعلق قطع ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا ہے: فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ (المومنون:۱۰۲)

کہف والا قصہ ہماری راہ میں نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے اُن کو سُلایا ہو اور پھر جگایا ہو، تو ہمارا کوئی حرج نہیں۔ مسیح کی وفات سے اس کو کیا تعلق؟ مسیح کے لیے کہاں رقود آیا ہے۔

فضیلت کا مسئلہ

امام حسینؓ پر میری فضیلت کا ذکر سُنکر یُونہی غصہ میں آتے ہیں۔ قرآن نے کہاں امام حسین کا نام لیا ہے۔ زیدؓ کا ہی نام لیا ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو چاہیے تھا کہ حسین کا نام بھی لے دیا جاتا۔ اور پھر مَاکَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ کہہ کر اور بھی ابوت کا خاتمہ کر دیا۔ اگر اِلَّا حُسَیْن کہہ دیا ہوتا تو شیعہ کا ہاتھ پڑ سکتا تھا۔ اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ان باتوں سے لاپروا ہوتے ہیں۔ اُن کی تمنا بھی یہ نہ تھی، ورنہ اللہ تعالیٰ نبیوں کی تمنا بھی پوری کر دیتا ہے۔

مخالفین سے معانقہ

قبل از نماز ظہر حضرت اقدسؑ سے دریافت کیا گیا کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا اور معانقہ کرنا جائز ہے؟ فرمایا:

میرے نزدیک ہرگز جائز نہیں یہ غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔ وہ لوگ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں اور ہم اُن سے معانقہ کریں۔ قرآن شریف ایسی مجلسوں میں بیٹھنے سے بھی منع فرماتا ہے

جہاں اللہ اور اس کے رسولؐ کی باتوں پر ہنسی اُڑائی جاتی ہے اور پھر یہ لوگ خنزیر خور ہیں۔ اُن کے ساتھ کھانا کھانا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کی ماں بہن کو گالیاں دے، تو کیا وہ روا رکھے گا کہ اس کے ساتھ مل کر بیٹھے اور معانقہ کرے۔ پھر جب یہ بات نہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں اور گالیاں دینے والوں سے کیوں اس کو جائز رکھا ہے۔

۱۱؍اگست ۱۹۰۲ء

آنحضرتؐ اور آپ کے صحابہؓ کی فضیلت مسیحؑ اور اُن کے حواریوں پر

بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام معمول کے موافق خدام کے حلقہ میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ:

قرآن شریف کے ایک مقام پر غور کرتے کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عظمت اور کامیابی معلوم ہوئی جس کے مقابل میں حضرت مسیحؑ بہت ہی کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ سورۂ مائدہ میں ہے کہ نزول مائدہ کی درخواست جب حواریوں نے کی تو وہاں صاف لکھا ہے کہ قَالُوْا نُرِیْدُ اَنْ نَّاْکُلَ مِنْھَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَکُوْنَ عَلَیْھَا مِنَ الشّٰھِدِیْنَ (المائدہ: ۱۱۴) اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس قدر معجزات مسیح کے بیان کئے جاتے ہیں اور جو حواریوں نے دیکھے تھے۔ ان سب کے بعد اُن کا یہ درخواست کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اُن کے قلوب پہلے مطمئن نہ ہوئے تھے۔ ورنہ یہ الفاظ کہنے کی اُن کو کیا ضرورت تھی۔ وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا۔ مسیح کی صداقت میں بھی اس سے پہلے کچھ شک ہی ساتھا۔ اور وہ اس جھاڑ پھونک کو معجزہ کی حد تک نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے مقابلہ میں صحابہ کرامؓ ایسے مطمئن اور قوی الایمان تھے کہ قرآن شریف نے ان کی نسبت رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (البیّنۃ: ۹) فرمایا۔ اور یہ بھی بیان کیا کہ اُن پر سکینت نازل فرمائی۔ یہ آیت مسیح علیہ السلام کے معجزات کی حقیقت کھولتی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم کرتی ہے۔ صحابہ کا کہیں ذکر نہیں کہ اُنھوں نے کہا کہ ہم اطمینانِ قلب چاہتے ہیں، بلکہ صحابہ کا یہ حال کہ اُن پر سکینت نازل ہوئی۔ اور یہود کا یہ حال یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَھُمْ (البقرہ: ۱۴۷) ان کی حالت بتائی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یہانتک کھل گئی تھی کہ وہ اپنے بیٹوں کی طرح شناخت کرتے تھے اور نصاریٰ کا یہ حال کہ ان کی آنکھوں سے آپ کو دیکھیں تو آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ یہ مراتب مسیح کو کہاں نصیب!

اس پر عرض کیا گیا کہ حضور! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی احیائے موتیٰ کی کیفیت کے متعلق اطمینان چاہا تھا۔ کیا اُن کو بھی پہلے اطمینان نہ تھا؟ فرمایا:

انبیاءؑ تلامیذ الرحمٰن ہوتے ہیں اُن کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے مکتب میں تعلیم پانے والے ہوتے ہیں اور تلامیذ الرحمٰن کہلاتے ہیں۔ اُن کی ترقی بھی تدریجی ہوتی ہے۔ اس لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیے قرآن شریف میں آیا ہے۔ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (الفرقان: ۳۳) پس میں اس بات کو خوب جانتا ہوں کہ انبیاء علیہم السلام کی حالت کیسی ہوتی ہے جس دن نبی مامُور ہوتا ہے اُس دن اور اُس کی نبوت کے آخری دن میں ہزاروں کوس کا فرق ہو جاتا ہے۔ پس یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا کہا۔ ابراہیمؑ تو وہ شخص ہے جس کی نسبت قرآن شریف نے خود فیصلہ کر دیا ہے۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى (النجم: ۳۸) وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ (البقرۃ: ۱۲۵) پھر یہ اعتراض کس طرح پر ہو سکتا ہے۔

کیا ایک بچہ مثلاً مبارک (سلمہٗ ربّہٗ) جو آج مکتب میں بٹھایا وہ ایم۔ اے یا بی۔ اے کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کی بھی حالت ہوتی ہے کہ ان کی ترقی تدریجی ہوتی ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ میں باوجودیکہ خدا تعالیٰ نے وُہ تمام آیات جو حضرت مسیحؑ سے متعلق ہیں میرے لیے نازل کی ہیں اور میرا نام مسیح رکھا اور آدم۔ داؤد۔ سلیمان غرض تمام انبیاء کے نام رکھے، مگر مجھے معلوم نہ تھا کہ مَیں ہی مسیح موعود ہوں جبتک خود اللہ تعالیٰ نے اپنے وقت پر یہ راز نہ کھول دیا۔ حواریوں نے جو اطمینانِ قلب چاہا ہے وہ ان سب نشانات کے بعد ہے جو وہ دیکھ چکے تھے، اس لیے وہ اعتراض کے نیچے ہیں کہ ان کو ضرور شک تھا۔

آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ نصّ ہے مسیحؑ کے عدمِ نزول پر

اس کے بعد امریکہ کے مشہور کاذب اور مُفتری ڈاکٹر ڈوئی کے اخبار کا خلاصہ برادر مفتی محمدؐ صادق صاحب نے پڑھ کر سُنایا۔ اُس کے سُننے کے بعد حضرت حجۃ اللہ نے پھر ذکر کیا کہ:

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدۃ: ۱۱۸) سُورۂ مائدہ کی آیت پر آج پھر غور کرتے ہوئے ایک نئی بات معلوم ہوئی۔ اور وُہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حضرت مسیح سے یہ سوال ہوا کہ کیا تُو نے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو الٰہ بنا لو تو وُہ اپنی بریت کے لیے جواب دیتے ہیں کہ مَیں نے تو وُہی تعلیم دی تھی جو تُو نے مجھے دی تھی اور جبتک مَیں اُن میں رہا، اُن کا نگران تھا اور جب تُو نے مجھے وفات دے دی۔ تو تُو اُن پر

نگران تھا۔ اب صاف ظاہر ہے کہ اگر حضرت مسیحؑ دوبارہ دُنیا میں آئے تھے۔ اور یہ سوال ہوا تھا قیامت میں تو اس کا یہ جواب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بلکہ اُن کو تو یہ جواب دینا چاہیے تھا کہ ہاں بیشک میرے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد اُن میں شرک پھیل گیا تھا، لیکن پھر دوبارہ جا کر تو میں نے صلیبوں کو توڑا۔ فلاں کافر کو مارا۔ اُسے ہلاک کیا، اُسے تباہ کیا۔ نہ یہ کہ وہ یہ جواب دیتے۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ۔ (المائدہ ۱۱۸) اس جواب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کو ہرگز ہرگز خود دُنیا میں نہیں آنا ہے اور یہ نص ہے اُن کے عدم نزول پر۔

---

۱۲ اگست ۱۹۰۲ء (بوقت شام)

حضرت جری اللہ فی حُلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام ادائے نماز کے بعد جلوس فرما ہوئے۔ فرمایا کہ:
چونکہ یہ کتاب نزول المسیح تمام مسائل کی جامع کتاب بنانی چاہتا ہوں۔ اس لیے میرا ارادہ ہے کہ ہمارے چند احباب میری کتابوں کے مضامین کی ایک ایک فہرست بنا دیں تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ کون کون سے مضامین اس میں آچکے ہیں۔

اس کے بعد ایڈیٹر الحکم نے الحکم کا وہ نمبر پیش کیا جو ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ء کا چھپا ہوا ہے اور جس میں حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک خط مولوی عبدالرحمٰن صاحب لکھو کے والے کے نام حضرت حجۃ اللہ المسیح الموعود کے ایماء سے لکھا تھا اور جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ اگر تو حضرت اقدس کے برخلاف نام بنام کوئی مخالف الہام پیش کریگا، تو ہلاک ہو جاوے گا۔ غرض وہ مضمون ناظرین الحکم پڑھ چکے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف وجوہِ کفر

اس کے بعد حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ مولوی محمد حسین صاحب کا ایک رسالہ آیا ہے۔ جس میں چینیاں والی مسجد میں قیامت کے عنوان سے آپ نے ایک مضمون لکھا ہے۔ جو مولوی عبداللہ چکڑالوی کے خلاف ہے۔ لکھتے لکھتے ایک مقام پر لکھتا ہے کہ ہم اس کو پرافٹ آف قادیان کے ساتھ ملاتے ہیں۔ یعنی کفر کا فتویٰ دیتے ہیں؛ چنانچہ اس کے نیچے پھر کفر کا فتویٰ مرتب کیا ہے۔

اس پر حضرت اقدس نے دریافت فرمایا کہ: وجوہ کفر کیا ہیں؟

مولوی چکڑالوی کہتا ہے کہ حدیث کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ حدیث کا پڑھنا ایسا ہے۔ جیساکہ کُتّے کو ہڈی کا چسکا ہو سکتا ہے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ قرآن لانے میں اس سے بڑھ کر نہیں جیساکہ ایک چپڑاسی یا نوکری کا درجہ پروانہ سرکاری لانے میں ہوتا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے فرمایا :

ایسا کہنا کفر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بے ادبی کرتا ہے۔ احادیث کو ایسی حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے۔ کفار تو اپنے بُتوں کے جنتر منتر کو یاد رکھتے ہیں۔ تو کیا مسلمانوں نے اپنے رسولؐ کی باتوں کو یاد نہ رکھا۔ قرآن شریف کے پہلے سمجھنے والے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور اس پر آپؐ عمل کرتے تھے اور دُوسروں کو عمل کراتے تھے۔ یہی سُنّت ہے اور اسی کو تعامل کہتے ہیں۔ اور بعد میں ائمہ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے اس سُنّت کو الفاظ میں لکھا اور جمع کیا اور اس کے متعلق تحقیقات اور چھان بین کی۔ پس وہ حدیث ہوئی۔ دیکھو بخاری اور مُسلم کو کیسی محنت کی ہے۔ آخر اُنھوں نے اپنے باپ دادوں کے احوال تو نہیں لکھے۔ بلکہ جہاں تک بس چلا صحت و صفائی کے ساتھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال یعنی سنّت کو جمع کیا اور اکثر حدیثوں مثلاً بخاری کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں برکت اور نُور ہے۔ جو ظاہر کرتا ہے کہ یہ باتیں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی ہیں۔ مثلاً اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ کی حدیث کیسے صاف ظاہر کرتی ہے کہ مسیح تم میں سے ہوگا۔ اور یہ عیسائیوں کا رد ہے۔ کیونکہ عیسائی فخر کرتے تھے۔ کہ عیسیٰ پھر آئے گا اور دینِ عیسوی کو بڑھائے گا۔ لیکن آنحضرتؐ نے سُنایا کہ ہم نے اس کو آسمان پر دیگر فوت شدہ لوگوں میں دیکھا اور پھر فرمایا کہ جو آنیوالا مسیح ہے وُہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ ہوگا۔ غرض احادیث کے متعلق ایسا کلمہ نہیں بولنا چاہیے۔ ہاں اس معاملہ میں غلو بھی نہیں کرنا چاہیے کہ اس کو قرآن اور تعامل سے بڑھ کر سمجھا جائے، بلکہ جو کچھ قرآن اور سنّت کے مطابق حدیث میں ذکر ہوا ہو۔ اس کو ماننا چاہیے، کیونکہ جب حدیث کی کتابیں نہ تھیں تب بھی لوگ نمازیں پڑھتے تھے اور تمام شعائرِ اسلام بجالاتے تھے۔

پس قرآن شریف کے بعد تعامل یعنی سنّت ہے۔ اور پھر حدیث ہے۔ جو اُن کے مطابق ہو۔

مولوی محمد حسین نے پہلے اپنے رسالہ اشاعت السُّنّہ میں ایسا ہی ظاہر کیا تھا کہ جو لوگ خُدا سے وحی اور الہام پاتے ہیں وُہ اپنے طور پر براہِ راست احادیث کی صحت کر لیتے ہیں۔ بعض وقت قواعد علم حدیث کی رُو سے ایک حدیث موضوع ہوتی ہے اور اُن کے نزدیک صحیح اور ایک حدیث صحیح قرار دی ہوئی اُن کے نزدیک موضوع۔ غرض بات یہ ہے کہ قرآن اور سُنّت اور حدیث تین مختلف چیزیں ہیں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنا پرانا خواب مولوی

مولوی محمد حسین صاحب کے متعلق حضرت اقدس کا ایک پرانا خواب

محمد حسین صاحب کے متعلق بیان فرمایا۔ جو کہ کتاب سراج منیر کے آخر میں درج ہے۔ اور فرمایا کہ:

یہ بات ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء کی ہے جب ہم نے یہ رویاء دیکھا تھا کہ ہم نے جماعت کرائی ہے اور نماز عصر کا وقت ہے۔ اور ہم نے قرأت پہلے بلند آواز سے کی ہے۔ پھر ہم کو یاد آیا۔ اور اس کے بعد ہم نے محمد حسین سے کہا کہ ہم خدا کے سامنے جائیں گے۔ ہم چاہتے ہیں ہر بات میں صفائی ہو۔ اگر ہم نے آپ کے متعلق کچھ سخت الفاظ کہے ہوں تو آپ معاف کر دیں۔ اس نے کہا میں معاف کرتا ہوں۔ پھر ہم نے کہا ہم بھی معاف کرتے ہیں۔ پھر ہم نے دعوت کی اور اس نے عذر خفیف کے ساتھ اس دعوت کو قبول کر لیا۔ اور ایک شخص سلطان بیگ نام چبوترہ پر قریب الموت تھا۔ اور ہم نے کہا کہ ایسا ہی مقدر تھا۔ کہ اس کے مرنے کے وقت یہ واقعہ ہو اور ایسا ہی مقدر تھا۔ کہ بہاؤ الدین کے مرنے کے وقت یہ بات ہو۔

اس خواب کے بعد فرمایا:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ خواب میں تعینات شخصیہ ضروری نہیں۔

پھر حضرت اقدسؑ نے مولوی محمد حسین صاحب کے ان دنوں کی حالت کا ذکر کیا۔ جب وہ بات بات میں خاکساری دکھلاتے اور قدم قدم پر اخلاص رکھتے تھے اور جوتے اٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھتے تھے اور وضو کراتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میں مولویت کو نہیں چاہتا۔ مجھے اجازت دو تو میں قادیان میں آرہا ہوں اور فرمایا: کہ

کسی وقت کا اخلاص اور خدمت انسان کے کام آجاتا ہے۔ شاید ان وقتوں کا اخلاص ہی ہو جو بالآخر مولوی محمد حسین صاحب کو اس سلسلہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق دے، کیونکہ وہ بہت ٹھوکریں کھا چکے ہیں۔ اور آخر دیکھ چکے ہیں کہ خدا کے کاموں میں کوئی حارج نہیں ہو سکتا۔ فرمایا: کہ

ایسا ہی اجتہادی طور پر ہمیں بعض لوگوں پر بھی حسن ظن ہے کہ وہ کسی وقت رجوع کریں۔ کیونکہ ایک دفعہ الہام ہوا تھا کہ:

"لاہور میں ہمارے پاک محب ہیں۔ وسوسہ پڑ گیا ہے۔ پر مٹی نظیف ہے۔ وسوسہ نہیں رہے گا۔ مٹی رہے گی"

اس کے بعد چند مختلف باتیں ہو کر نماز عشاء ادا کی گئی۔

۱۳؍اگست ۱۹۰۲ء

نمازِ مغرب کے بعد حضرت اقدس نے کل کی تجویز کی تکمیل کے لیے فرمایا :

مخالفین کے اہم اعتراضات جمع کر لینے کا ارشاد

بہت بہتر ہو کہ اگر مخالفین کی کل کتابیں جمع کر کے اُن کے اہم اعتراضات کو یکجا کر لیا جاوے، تاکہ اُن کا جواب بھی ہماری اس کتاب میں آجاوے اور یہ کتاب تمام مسائل کی جامع ہو جاوے۔

اس کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب نے اس چٹھی کے مضمون کا تتمہ پڑھ کر سُنایا جو امریکہ کے مشہور کاذب مفتری الیاس ڈاکٹر ڈوئی کے نام مقابلہ کے لیے لکھی گئی ہے۔

خلاصہ تتمہ چٹھی بنام الیاس ڈاکٹر ڈوئی

اس تتمہ کا خلاصہ یہ ہے۔ حضرت اقدسؑ نے اس میں لکھا ہے کہ

صادق اور کاذب کی شناخت کا معیار وہ امر کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو مختلف قوموں میں بطور امرِ مشترک ہو۔ مثلاً سلبِ امراض کا طریق ہے۔ جس پر ڈاکٹر ڈوئی لاف زنی کیا کرتا ہے کہ فلاں شخص اچھا ہو گیا۔ اور فلاں نے صحت پائی۔ یہ طریق اس قسم کا ہے کہ اس کے لیے راستباز اور متقی ہونے کی بھی ضرورت نہیں، چہ جائیکہ یہ کسی کے مامور ہونے پر گواہ ہو سکے۔ کیونکہ سلبِ امراض کا طریق ہندوؤں یہودیوں عیسائیوں میں یکساں پایا جاتا ہے اور مُسلمانوں میں بھی بعض لوگ اس قسم کے پائے جاتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ جب امراضِ سلب کے معجزات دکھاتے تھے۔ اس وقت بعض یہودی بھی اس قسم کے کام کرتے تھے اور ایک تالاب بھی ایسا تھا جس میں غسل کرنے سے بعض مریض اچھے ہو جاتے تھے۔

غرض حضرت حجۃ اللہ نے پہلے اس میں یہ ظاہر کیا کہ جو امر مختلف قوموں میں مشترک ہے اور جس کے لیے نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں۔ صادق اور کاذب کی شناخت کا معیار نہیں ہو سکتا۔ پھر اس امر پر بحث کی ہے کہ :

اس کی ایک صورت ہے کہ کچھ بیمار لے کر بطور قرعہ اندازی صادق اور کاذب کو تقسیم کر دیئے جائیں ایسی صورت میں صادق کے حصّہ کے مریض بمقابلہ کاذب زیادہ اچھے ہوں۔ اس امر کے بیان میں یہ بھی ظاہر ہے کہ اس طریق کو اپنے ملک میں اپنے مخالفوں کے سامنے مَیں نے پیش کیا ہے ہرگز کوئی مقابلہ کے لیے نہ آیا۔

پھر حضرت اقدس نے ڈوئی کی اس تحدی پر بحث کی ہے جو اس نے اپنے مخالفوں کے لیے کی ہے کہ میرے مخالف ہلاک ہو جائیں گے خصوصاً مسلمان۔ حضرت حجۃ اللہ نے بڑے پُر زور اور پُر شوکت الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ :

کُل مُسلمانوں کو ہلاک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں یہ امر مشکوک ہو سکتا ہے۔ اس کو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ مسلمان ہلاک تو ہو ہی جائیں گے مگر پچاس یا ساٹھ سال کے اندر۔ اور وہ خود اس عرصہ میں ہلاک ہو جائے گا۔ پھر کون اس سے پُوچھنے والا ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ سارے مسلمانوں کو چھوڑ کر میرے مقابلہ میں آئے اور میں عیسائیوں کے خود ساختہ خدا کی نسبت تمام مسلمانوں سے زیادہ کراہت اور نفرت رکھتا ہوں۔ یہانتک کہ اگر کُل مسلمانوں کی نفرت عیسائیوں کے خُدا کی نسبت ترازو کے ایک پلّہ میں رکھ دی جاوے اور میری نفرت ایک طرف تو میرا پلّہ اس سے بھاری ہوگا۔ اور میں ایسے شخص کو جو عورت کے پیٹ سے نکل کر خُدا ہونے کا دعویٰ کرے بہت ہی بڑا گنہگار اور ناپاک انسان سمجھتا ہوں، مگر ہاں میرا یہ مذہب ہے کہ مسیح ابنِ مریم رسُول اس الزام سے پاک ہے۔ اس نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ میں اسے اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں، اگرچہ خدا تعالیٰ کا فضل مجھ پر اس سے بہت زیادہ ہے۔ اور وہ کام جو میرے سپرد کیا گیا ہے، اس کے کام سے بہت ہی بڑھ کر ہے، تاہم میں اس کو اپنا ایک بھائی سمجھتا ہوں اور میں نے اُسے بارہا دیکھا ہے۔ ایک بار میں نے اور مسیح نے ایک ہی پیالہ میں گائے کا گوشت کھایا تھا۔ اس لیے میں اور وُہ ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے ہیں۔

غرض اس طرح پر حضرت حجۃ اللہ نے بلحاظ اپنے کام اور ماموریت کے اور خدا تعالیٰ کے ان فضلوں اور احسانوں کے جو حضرت مسیح موعود کے شامل حال ہیں تحدیث بالنعمت اور تبلیغ کے طور پر ذکر فرمایا اور یہانتک کہا کہ

"میں خُدا سے ہُوں اور مسیح مجھ سے ہے"

ان امُور کے پیش کرنے کے بعد آپ نے پھر پُر شوکت اور تحدّی کے ساتھ اس کو مقابلہ کے لیے دعوت کی ہے۔ کہ

اگر وُہ سچا ہے تو اُسے چاہیے کہ مقابلہ کے لیے نکلے اور یہ دُعا کرے کہ

ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے وہ صادق کے سامنے ہلاک ہو

یہ خلاصہ ہے اس تتمہ کا جو ہم نے اپنے طور پر لکھا ہے۔ اصل چٹھی ستمبر کے آخیر تک انشاء اللہ شائع ہو سکے گی۔

آج کی ڈائری میں ایک امر ہم نے فروگذاشت کیا تھا۔ اسے یہاں درج کر دینا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے۔ حضرت صاحبزادہ مبارک احمد سلمہ اللہ الاحد کے ایک کبوتر کو بلی نے پکڑا جو ذبح کر لیا گیا۔ فرمایا کہ:

اس وقت میرے دل میں تحریک ہوئی کہ گویا عیسائیوں کے خدا کو ہم نے ذبح کر کے کھا لیا ہے۔

پھر فرمایا کہ:

انگریز بھی کبوتر کا شکار کرتے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کی قربانیوں میں بھی شاید اس کا تذکرہ ہے بہرحال کبوتر ہمیشہ کھائے جاتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ عیسائیوں کے خدا ذبح ہوتے ہیں۔ کیا یہ بھی کفارہ تو نہیں ہے[1]

۱۶ر اگست ۱۹۰۲ء بوقت شام

رزق میں قبض وبسط

حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ادائے نماز مغرب حسب معمول حلقۂ خدام میں بیٹھ گئے۔ کسی شخص نے ایک رقعہ دیا۔ جو دفتر میگزین میں محرر کی اسامی کے لیے سفارش کی خواہش پر مشتمل تھا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ:

قبض وبسط رزق کا سِرّ ایسا ہے کہ انسان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک طرف مومنوں سے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں وعدے کئے ہیں۔ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق: ۴) یعنے جو اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتا ہے اُس کے لیے اللہ کافی ہے۔ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق: ۳،۴) جو اللہ تعالیٰ کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے کہ اُس کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اور پھر فرماتا ہے۔ وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ (الذاریات: ۲۳) اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم کھاتا ہے کہ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ (الذاریات: ۲۴) آسمان اور زمین کے رب کی قسم ہے کہ یہ وعدہ سچ ہے۔ جیساکہ تم اپنی زبان سے بول کر انکار نہیں کر سکتے۔ جبکہ اس قسم کے وعدے اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ پھر باوجود ان وعدوں کے دیکھا جاتا ہے کہ کئی آدمی ایسے دیکھے جاتے ہیں جو صالح اور متقی اور

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۹ صفحہ ۶-۱۲ پرچہ ۱۷ر اگست ۱۹۰۲ء

نیک بخت ہوتے ہیں اور ان کا شعائرِ اسلام صحیح ہوتا ہے، مگر وُہ رزق سے تنگ ہیں۔ رات کو ہے تو دن کو نہیں۔ اور دن کو ہے تو رات کو نہیں۔

جُملہ معترضہ یہاں حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب نے عرض کی کہ جب میں پہلے یہاں آیا۔ تو حضور علامات المقربین ایک رسالہ لکھ رہے تھے۔ واپسی پر گجرات ٹھہرا، تو ایک شخص نے مجھ سے دریافت کیا کہ آج کل مرزا صاحب کیا لکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ (الانفطار: ۱۴) کی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ کفار آرام میں نہیں؟ سارا دن مکھیاں چلتی رہتی ہیں۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا: کہ

آپ کے اس آیت کے پڑھنے سے ایک اور آیت یاد آ گئی۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ۔ (الرحمان: ۴۷)۔

غرض یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے واقعات ہوتے ہیں، مگر تجربہ دلالت کرتا ہے کہ یہ اُمور خُدا کی طرف منسُوب نہیں ہو سکتے۔ ہمارا یہ مذہب کہ وہ وعدے جو خدا تعالیٰ نے کئے ہیں کہ متقیوں کو خود اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے۔ یہ سب سچے ہیں۔ اور سلسلہ اہل اللہ کی طرف دیکھا جاوے تو کوئی ابرار میں سے ایسا نہیں ہے۔ کہ بھُوکا مرا ہو۔ مومنوں نے جن پر شہادت دی اور جن کو اتقیا مان لیا گیا۔ یہی نہیں کہ وُہ فقر و فاقہ سے بچے ہوئے تھے۔ گو اعلیٰ درجہ کی خوشحالیاں نہ ہُوں، مگر اس قسم کا اضطراری فقر و فاقہ بھی کبھی نہیں ہوا کہ عذاب محسوس کریں۔ رسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اختیار کیا ہوا تھا۔ مگر آپ کی سخاوت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود آپ نے اختیار کیا ہوا تھا، نہ کہ بطور سزا تھا۔ غرض اس راہ میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں۔ بعض ایسے لوگ دیکھے جاتے ہیں کہ بظاہر متقی اور صالح ہوتے ہیں مگر رزق سے تنگ ہوتے ہیں۔ ان سب حالات کو دیکھ کر آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے تو سب سچے ہیں، لیکن انسانی کمزوری ہی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

یورپ کی پُرآسائش زندگی جنّت نہیں حضرت مولانا مولوی حکیم نورالدین صاحب نے پھر ذکر کیا کہ لندن سے ایک شخص نے مجھے خط لکھا ہے کہ لندن آکر دیکھو کہ جنّت عیسائیوں کو حاصل ہے یا مُسلمانوں کو۔ میں نے اس کو جواب لکھا کہ سچی عیسائیت مسیح اور اس کے حواریوں میں تھی اور سچا اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ میں تھا۔ پس ان دونوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے بہ تسلسل کلام سابق پھر ارشاد فرمایا:

ان رُوحانی اُمور میں ہر شخص کا کام نہیں ہے کہ نتیجہ نکال سکے۔ یہ لوگ جو لندن جاتے ہیں۔ وُہ

وہ وہاں جاکر دیکھتے ہیں کہ بڑی آزادی ہے شراب خوری کی اس قدر کثرت ہے کہ ساٹھ میل تک شراب کی دکانیں چلی جاتی ہیں۔ زنا اور غیر زنا میں کوئی فرق ہی نہیں۔ کیا یہ بہشت ہے؟ بہشت سے یہ مراد نہیں ہے۔ دیکھو۔ انسان کی بھی بیوی ہے اور وہ تعلقات زوجیت رکھتا ہے اور پرندوں اور حیوانوں میں بھی یہ تعلقات ہوتے ہیں۔ مگر انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک لطافت اور ادراک بخشا ہے۔ انسان جن حواس اور قویٰ کے ساتھ آیا ہے۔ اُن کے ساتھ وہ ان تعلقات زوجیت میں زیادہ لطف اور سُرور حاصل کرتا ہے۔ بمقابلہ حیوانات کے جو ایسے حواس اور ادراک نہیں رکھتے ہیں۔ اور اسی لیے وُہ اپنے جوڑے کی کوئی رعایت نہیں رکھتے جیسے کتے۔

پس اگر انسان حواس کے ساتھ سرور حاصل نہیں کر سکتے بلکہ حیوانات کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر اُن میں اور حیوانوں میں کیا فرق ہوا۔ یہ جو فرمایا ہے۔ کہ مومن کے لیے ہی جنت ہے۔ یہ اس لیے فرمایا ہے۔ کہ سچی راحت دُنیا کی لذات سے تب پیدا ہوتی ہے جب تقویٰ ساتھ ہو۔ جو تقویٰ کو چھوڑ دیتا ہے اور حلال و حرام کی قید کو اُٹھا دیتا ہے وہ تو اپنے مقام سے نیچے گر جاتا ہے اور حیوانی درجہ میں آجاتا ہے۔

لنڈن میں جب ہائیڈ پارک میں حیوانوں کی طرح بدکاریاں ہوتی ہیں اور کوئی شرم و حیا ایک دوسرے سے نہیں کیا جاتا۔ تو پھر ایک شخص انسانیت کو مدنظر رکھ کر دیکھے تو ایسی بہشت اور راحت سے بیزار تو یہ کرلے گا کہ ایسی دولت و شادی بے غیرت جماعت سے خدا بچائے۔ ایسی جماعت کو جو ایسی زندگی بسر کرتی ہے بہشت میں سمجھنا حماقت ہے۔ اصل یہی ہے کہ بہشت کی کلید تقویٰ ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ پر بھروسہ نہیں اُسے سچی راحت کیونکر مل سکتی ہے۔ بعض آدمی ایسے دیکھے گئے ہیں کہ جن کو خدا پر بھروسہ نہیں اور ان کے پاس روپیہ تھا وہ چوری چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی زبان بند ہو گئی۔ اور اُن (کفار) کو جو بہشت میں کہا جاتا ہے۔ اُن کی خودکشیوں کو دیکھو کہ کس قدر کثرت سے ہوتی ہیں۔ تھوڑی تھوڑی باتوں پر خودکشی کر لیتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ضعیف القلب اور پست ہمت ہوتے ہیں کہ غم کی برداشت ان میں نہیں ہے۔ جس کو غم کی برداشت اور مصیبت کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اس کے پاس راحت کا سامان بھی نہیں ہے۔ خواہ ہم اس کو سمجھا سکیں یا نہ سمجھا سکیں اور کوئی سمجھ سکے یا نہ سمجھ سکے۔ حقیقت الامر یہی ہے کہ لذا ئذ کا مزہ معرفت تقویٰ ہی سے آتا ہے۔ جو متقی ہوتا ہے اس کے دل میں راحت ہوتی ہے اور ابدی سرور رہتا ہے۔ دیکھو ایک دوست کے ساتھ تعلق ہو۔ تو کس قدر خوشی اور راحت ہوتی ہے لیکن جس کا خدا سے تعلق ہو اُسے کس قدر خوشی ہو گی۔ جس کا تعلق خدا سے نہیں ہے۔ اُسے

کیا امید ہوسکتی ہے۔ اور امید ہی تو ایک چیز ہے جس سے بہشتی زندگی شروع ہوتی ہے۔

ان مہذب ممالک میں اس قدر خودکشیاں ہوتی ہیں کہ جن سے پایا جاتا ہے کہ کوئی راحت نہیں۔ ذرا راحت کا میدان گم ہوا اور جھٹ خودکشی کرلی، لیکن جو تقویٰ رکھتا ہے اور خدا سے تعلق رکھتا ہے اُسے وُہ جاودانی خوشی حاصل ہے جو ایمان سے آتی ہے۔

دُنیا کی تمام چیزیں مَعرضِ تغیرّ و تبدّل میں ہیں۔ مختلف آفات آتی رہتی ہیں۔ بیماریاں حملے کرتی ہیں کبھی بچّے مرجاتے ہیں۔ غرض کوئی نہ کوئی دُکھ یا تکلیف رہتی ہے۔ اور دُنیا جائے آفات ہے۔ اور یہ امور سُکھ کی نیند انسان کو سونے نہیں دیتے۔ جس قدر تعلقات وسیع ہوتے ہیں، اسی قدر آفتوں اور مصیبتوں کا میدان وسیع ہوتا ہے اور یہ آفتیں اور بلائیں انسان کے منزلی تعلقات میں ایک غم کو پچاس بنا دیتی ہیں۔ کیونکہ اگر اکیلا ہو تو غم کم ہو۔ مگر جب بچّے، بیوی، ماں باپ، بہن بھائی اور دُوسرے رشتہ دار رکھتا ہے۔ تو پھر ذرا سی تکلیف ہوئی اور یہ آفت میں پڑا۔ اس قدر مجموعہ کے ساتھ تو اُس وقت راحت ہوسکتی ہے۔ جب کسی کو کوئی بیماری اور آفت نہ ہو اور کوئی تکلیف میں نہ ہو۔

صرف مال مُوجبِ راحت نہیں ہے

یہ بات بھی غلط ہے کہ مال سے راحت ہو۔ نرے مال سے راحت نہیں ہے۔ اگر مال ہے صحت اچھی نہیں۔ مثلاً معدہ خراب ہے۔ تو وُہ کیا بہشتی زندگی ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال بھی راحت کا باعث نہیں۔ سچّی بات یہی ہے کہ جو خدا سے تعلق رکھتا ہے۔ وہی ہر پہلو سے بہشتی زندگی رکھتا ہے کیونکہ اللہ قادر ہے کہ وہ بلائیں اور آفتیں نہ آئیں اور مالی اضطرار بھی نہ ہو۔ یا آئیں تو دل میں ایسی قوت اور ہمت بخش دے کہ وہ اُن کا پورا مقابلہ کرسکے۔

جس قدر پہلو انسان کی عافیت کے لیے ضروری ہے وہ کسی بادشاہ کیلئے بھی ہاتھ میں نہیں ہیں بلکہ وُہ سب ایک ہی کے ہاتھ میں ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ جسے چاہے دیدے۔

بعض لوگ اس قسم کے دیکھے گئے ہیں کہ روپیہ پیسہ سب کچھ موجود ہیں مگر مسلول مدقوق ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی انھیں تلخ معلوم ہوتی ہے۔ پس ان کروڑوں آفات کا جو انسان کو لگی ہوئی ہیں۔ کون بند و بست کرسکتا ہے۔ اور اگر رنج بھی ہو تو صبرِ جمیل کون دے سکتا ہے؟ اللہ ہی ہے جو عطا کرے۔

صبر بھی بڑی چیز ہے۔ جو بڑی بڑی آفتوں اور مصیبتوں کے وقت بھی غم کو پاس نہیں آنے دیتا۔ بعض امیر ایسے ہوتے ہیں کہ عافیت اور راحت کے زمانہ میں بڑے مغرور اور متکبّر ہوتے ہیں اور ذرا

رنج آگیا۔ تو بچوں کی طرح چلا اٹھے۔ اب ہم کس کا نام لے سکتے ہیں کہ اس پر حوادث نہ آئیں اور متعلقین کو رنج نہ پہنچے؟ کسی کا نام نہیں لے سکتے۔ یہ بہشتی زندگی کس کی ہو سکتی ہے۔ صرف اُس شخص کی جس پر خدا کا فضل ہو۔

بہشتی زندگی

اس لیے یہ بڑی غلطی ہے جو یُونہی کسی کے سفید کپڑے دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ وُہ بہشتی زندگی رکھتے ہیں۔ اُن سے جاکر پُوچھو تو معلوم ہو کہ کتنی بلائیں سُناتے ہیں۔ صرف کپڑے دیکھ کر یا بگھیوں پر سوار ہوتے دیکھ کر شراب پیتے دیکھ کر ایسا خیال کر لینا غلط ہے۔ ماسوا اس کے اباحتی زندگی بجائے خود جہنّم ہے۔ کوئی ادب اور تعلق خدا سے نہیں۔ اس سے بڑھ کر جہنّمی زندگی کیا ہوگی۔ کتا خواہ مُردار کھاے خواہ بدکاری کرے۔ کیا وُہ بہشتی زندگی ہوگی؟ اسی طرح پر جو شخص مُردار کھاتا ہے اور بدکاریوں میں مُبتلا ہے۔ حرام و حلال کے مال کو نہیں سمجھتا۔ یہ لعنتی زندگی ہے۔ اس کو بہشتی زندگی سے کیا تعلق۔

یہ سچ ہے۔ کہ بہشتی زندگی بھی ہوتی ہے، مگر اُن کی جن کو خدا پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔ اس لیے وُہ هُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف: ۱۹۷) کے وعدہ کے موافق خدا تعالیٰ کی حفاظت اور تولّی کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور جو خدا تعالیٰ سے دُور ہے۔ اس کا ہر دن ترساں و لرزاں ہی گذرتا ہے۔ وہ خوش نہیں ہو سکتا۔ سیالکوٹ میں ایک شخص رشوت لیا کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں ہر وقت زنجیر ہی دیکھتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ بُرے کام کا انجام بَد ہی ہونا چاہیے۔ اس لیے بدی ایسی چیز ہے کہ روح اس پر راضی ہو ہی نہیں سکتی۔ پھر بدی میں لذّت کہاں۔ ہر بُرے کام پر آخر دل پر ٹھوکر لگتی ہے اور ایک کثافت انسان محسوس کرتا ہے کہ یہ کیا حماقت کی اور اپنے اوپر لعنت کرتا ہے۔ ایک شخص نے توبارہ آنے کے عوض میں ایک بچہ مار دیا تھا۔

غرض زندگی بجُز اس کے کوئی نہیں کہ بدی سے بچے اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔ کیونکہ مصیبت سے پہلے جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے مصیبت کے وقت خُدا اس کی مدد کرتا ہے۔ جو پہلے سویا ہوا ہے وہ مصیبت کے وقت ہلاک ہو جاتا ہے۔ حافظ نے کیا اچھا کہا ہے۔ شعر

خیالِ زُلفِ تو جستن نہ کارِ خاماں است
کہ زیرِ سلسلہ رفتن طریقِ عیاری است

خدا تعالیٰ غنی ہے۔ بیکانیر وغیرہ میں جو قحط پڑے، تو لوگ بچّوں تک کو کھا گئے۔ یہ اسی لیے ہوا کہ وُہ کسی کے ہو کر نہیں رہے۔ خدا کے ہو کر رہتے تو بچّوں پر یہ بَلا نہ آتی۔ حدیث شریف اور قرآن مجید

سے ثابت ہے اور ایسا ہی پہلی کتابوں سے بھی پایا جاتا ہے کہ والدین کی بدکاریاں بچوں پر بھی بعض وقت آفت لاتی ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا (الشمس : ۱۶) جو لوگ لااُبالی زندگی بسر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو دُنیا میں جو اپنے آقا کو چند روز سلام نہ کرے تو اس کی نظر بگڑ جاتی ہے۔ تو جو خدا سے قطع کرے پھر خدا اس کی پرواہ کیوں کرے گا۔ اسی پر وُہ فرماتا ہے کہ وُہ اُن کو ہلاک کر کے اُن کی اولاد کی بھی پروا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو متقی صالح مر جاوے اس کی اولاد کی پروا کرتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے بھی پتہ لگتا ہے۔ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ (الکھف : ۸۳) اس باپ کی نیکی اور صلاحیت کے لیے خضر اور موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر کو مزدور بنا دیا کہ وہ ان کی دیوار درست کر دیں۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا کیا درجہ ہو گا۔ خدا تعالیٰ نے لڑکوں کا ذکر نہیں کیا چونکہ ستار ہے۔ اس لیے پردہ پوشی کے لحاظ سے اور باپ کے محل مدح میں ذکر ہونے کی وجہ سے کوئی ذکر نہیں کیا۔

پہلی کتابوں میں بھی اس قسم کا مضمون آیا ہے۔ کہ سات پُشت تک رعایت رکھتا ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مَیں نے کبھی متقی کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے نہیں دیکھا۔ غرض نشاط خدا کا رزق ہے جو غیر کو نہیں ملتا۔[1]

---

۱۸ راگست ۱۹۰۲ء کی شام

بیعت کی حقیقت

مرزا اعظم بیگ کے پوتے مرزا احسن بیگ نے بیعت کی درخواست کی۔ اس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

بیعت اگلے جمعہ کو کر لینا مگر یہ یاد رکھو کہ بیعت کے بعد تبدیلی کرنی ضروری ہوتی ہے۔ اگر بیعت کے بعد اپنی حالت میں تبدیلی نہ کی جاوے۔ تو پھر یہ استخفاف ہے۔ بیعت بازیچۂ اطفال نہیں ہے۔ درحقیقت وہی بیعت کرتا ہے، جس کی پہلی زندگی پر موت وارد ہو جاتی ہے اور ایک نئی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ ہر ایک امر میں تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ پہلے تعلقات معدوم ہو کر نئے تعلقات پیدا ہوتے ہیں۔ جب صحابہؓ مسلمان ہوتے تو بعض کو ایسے امور پیش آتے تھے کہ احباب

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳ صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۲۴ راگست ۱۹۰۲ء

رشتہ دار سب سے الگ ہونا پڑتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابوجہل کے ساتھ اسلام سے پہلے ملتے تھے۔ بلکہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل نے منصوبہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جاوے اور کچھ روپیہ بھی بطور انعام مقرر کیا۔ حضرت عمرؓ اس کام کے لیے منتخب ہوتے؛ چنانچہ انھوں نے اپنی تلوار کو تیز کیا اور موقع کی تلاش میں رہے۔ آخر حضرت عمر کو پتہ ملا کہ آدھی رات کو آپ کعبہ میں آکر نماز پڑھتے ہیں۔ چنانچہ یہ کعبہ میں آکر چھپ رہے۔ اور انھوں نے سنا کہ جنگل کی طرف سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز آتی ہے اور وہ آواز قریب آتی گئی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں آ داخل ہوتے اور آپؐ نے نماز پڑھی۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ آپؐ نے سجدہ میں اس قدر مناجات کی کہ مجھے تلوار چلانے کی جرأت نہ رہی؛ چنانچہ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوتے تو آپؐ آگے آگے چلے۔ پیچھے پیچھے میں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی اور آپؐ نے پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا کہ عمر۔ اس پر آپؐ نے فرمایا۔ اے عمر! نہ تو دن کو میرا پیچھا چھوڑتا ہے اور نہ رات کو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا کہ آپؐ بددعا کریں گے۔ اسلئے میں نے کہا کہ حضرت آج کے بعد میں آپؐ کو ایذا نہ دوں گا۔ عربوں میں چونکہ وعدہ کا لحاظ بہت بڑا ہوتا تھا۔ اس لیے آنحضرتؐ نے یقین کر لیا، مگر دراصل حضرت عمر کا وقت آ پہنچا تھا۔ آنحضرتؐ کے دل میں گذرا کہ اس کو خدا ضائع نہیں کرے گا؛ چنانچہ حضرت عمر مسلمان ہوتے اور پھر وہ دوستیاں وہ تعلقات جو ابوجہل اور دوسرے مخالفوں سے تھے یکلخت ٹوٹ گئے اور ان کی جگہ ایک نئی اخوت قائم ہوئی۔ حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے صحابہ ملے اور پھر ان پہلے تعلقات کی طرف کبھی خیال تک نہ آیا۔

غرض اس سلسلہ میں جو ابتلاؤں کا سلسلہ ہوتا ہے۔ بہت سی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اور بہت سی موتوں کو قبول کرنا پڑتا ہے۔ ہم قبول کرتے ہیں کہ ان انسانوں میں جو اس سلسلہ میں داخل ہوتے ہیں۔ ان میں بعض بزدل بھی ہوتے ہیں۔ شجاع بھی ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بزدل ہوتے ہیں کہ صرف قوم کی کثرت کو دیکھ کر ہی الگ ہو جاتے ہیں۔ انسان بات کو تو پورا کر لیتا ہے۔ مگر ابتلاء کے سامنے ٹھہرنا مشکل ہے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت ۳:)
یعنی کیا لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ ایمان لائیں اور امتحان نہ ہو۔ غرض امتحان ضروری شئے ہے۔ اس سلسلہ میں جو داخل ہوتا ہے وہ ابتلا سے خالی نہیں رہ سکتا۔ ہمارے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ وہ ایک طرف ہیں اور باپ الگ۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۹ پرچہ ۲۴ راگست ۱۹۰۲ء

۱۹ر اگست ۱۹۰۲ء کی شام

دلائل صداقت متقی کا منہ تو ایسے بند ہوتا ہے جیسے منہ میں روڑے ڈالے ہوئے ہوں متقی کبھی کفر کا دائرہ وسیع کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ ایمان کا دائرہ وسیع کرنا چاہتا ہے۔ ان مخالف مولویوں کی نسبت میرا یہ عقیدہ تھا کہ ان میں صفائی نہیں ہے۔ اور ملونی سے ضرور بھرے ہوئے ہیں۔ مگر یہ میرے وہم و خیال میں بھی نہیں تھا کہ ان سے یہ کمینہ پن ظاہر ہوگا۔ جو انھوں نے اب میری مخالفت میں ظاہر کیا ہے۔

چونکہ عمر گذرتی جاتی ہے جیسے برف ڈھلتی ہے اس لیے ہر روز یہ خیال آتا ہے کہ کوئی آدمی ایسا ہو جو اُن کے پاس جاوے اور اُن کو فیصلہ کی راہ پر لاوے اور بتائے کہ ایک وہ وقت تھا کہ اللہ تعالیٰ میری دُعا کی نقل فرماتا ہے۔ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا (الانبیاء: ۹۰) اور رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی (البقرہ: ۲۶۱) وُہ زمانہ کہاں کہ دو آدمی ثابت کرنے مشکل ہیں۔ اور یا اب یہ زمانہ ہے کہ فوجوں کی فوجیں آ رہی ہیں۔ قبل از وقت کہ جیسا کہا تھا وہ کر دیا اور کر رہا ہے اور لوگوں کی نظر میں عجیب۔ اگر کوئی سمجھنے والا ہو تو اُسے معلوم ہو سکتا ہے کہ خدا نے اپنی سُنّت قدیمہ کے موافق کیا اور جس طرح رُسل آتے ہیں وُہ اسی طرح پہچانے جاتے ہیں۔ مجھے ان ہی آثار اور نشانات کے ساتھ شناخت کرو جو خُدا کی طرف سے آتے ہیں۔ وُہ خدا کی محکم ہدایات کے خلاف نہیں کرتے۔ ایسا نہیں کہ حرام کو حلال یا حلال کو حرام کر دیں۔ دُوسرے وُہ ایسے وقت میں آتے ہیں۔ کہ وہ ضرورت کا وقت ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ تائید الٰہی کے بُزدل نہیں ہوتے۔ صریح نظر آتا ہے کہ خُدا تائید کرتا ہے۔

سچائی معلوم کرنے کی تین راہیں جہانتک مَیں خیال کرتا ہوں۔ سچائی کے تین ہی راہ ہیں۔ اوّل نصوص قرآنیہ و حدیثیہ۔ دوسرے عقل اور تیسرے خدا تعالیٰ کے تائیدات۔ ان تینوں ذریعوں سے جو چاہے ہم سے ثبوت لے، مگر انسان بن کر نہ سفلہ پن کی طرح۔ ہم سب کو دعوت دیتے ہیں خواہ سو روپیہ روز خرچ ہو جاوے۔ اگر آدمیت سے پوچھ لیں۔ اب دُور بیٹھے ہیں۔ نہ کتاب ہے۔ نہ غور ہے۔ نہ فکر ہے۔ سفلہ لوگوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر کام کرتے ہیں۔ یہ طریق تو تقویٰ کے خلاف ہے۔ اگر کوئی انسان ایسا ہو جو اُن پر رُعب داب رکھتا ہو وہ انہیں جا کر سمجھاتے۔ دُنیا دار لوگ اگر اُن کو کہیں تو اُن سے ڈرتے ہیں۔ خدا کرے کہ کوئی ایسا دنیادار ہو جس کو اس طرف توجہ ہو اور ان کو سمجھائے اور یہی خیال کرے۔ کہ اسلام میں پھوٹ پڑ رہی ہے اس کو ہی دُور کیا جاوے۔ غرض ہم تو چاہتے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ راہ پر آویں۔ اور ہماری مخالفت

کرکے تو کچھ بگاڑ نہیں سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ خود اپنی تائید کر رہا ہے۔ پرنالہ کا پانی تو ایک اینٹ سے بند کر سکتے ہیں، مگر آسمان کا کون بند کر سکتا ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں۔ چراغ کو تو پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں، مگر چاند سورج کو تو کوئی پھونک مار کر بجھا دے۔ خدا کے کام اونچے ہیں۔ انسان کی وہاں پیش رفت نہیں جاتی۔ وہاں نہ غبارہ جاوے اور نہ ریل۔ یہ بھی عظمتِ الٰہی ہے۔ تعالیٰ شانہٗ کا مصداق ہے۔ آسمانی امور اونچے ہیں۔ وہ تو آگے ہی آگے جاتے ہیں۔

عذاب سے متعلق خدا تعالیٰ کی سُنّت

ایک شخص نے عرض کی کہ حضور میرے گاؤں سے آٹھ آدمیوں نے خط بھیجا ہے کہ اگر سچے ہو تو ہم پر عذاب نازل ہو جاوے۔ فرمایا :

خدا تعالیٰ کے کام میں جلدی نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے دکھ دیئے گئے اور بعض ایسے بیباک اور شریر تھے جو کہتے تھے کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر پتھر برسیں۔ مگر اسی وقت تو اُن پر پتھر نہ برسے۔ خدا تعالیٰ کی سُنّت یہ نہیں کہ اسی وقت عذاب نازل کرے۔ اگر کوئی خدا تعالیٰ کو گالیاں دے تو کیا اسی وقت اس پر عذاب آجاوے گا۔ عذاب اپنے وقت پر آتا ہے جبکہ جُرم ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکھرام ایک آریہ تھا جو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت گالیاں دیا کرتا تھا۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس کی شرارتوں اور شوخیوں کے بدلے اس کو سزا دی۔ اور وہی زبان چھُری ہو کر اس کی ہلاکت کا باعث ہوئی جس سے وہ ٹکڑے کیا گیا پس خُدا تعالیٰ کی یہ سنّت نہیں ہے کہ وہ اُسی وقت عذاب دے۔ یہ لوگ کیسے بیوقوف اور بدقسمت ہوتے ہیں۔ عذاب مانگتے ہیں۔ ہدایت نہیں مانگتے۔

خدا کے نزدیک قومیّت کا لحاظ نہیں

اسی شخص نے کہا کہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ سیّد ہو کر اُمّتی کی بیعت کرتے ہو؟ فرمایا :

خدا تعالیٰ نہ محض جسم سے راضی ہوتا ہے نہ قوم سے۔ اس کی نظر ہمیشہ تقویٰ پر ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات: ۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگی رکھنے والا وہی ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہو۔ یہ بالکل جھوٹی باتیں ہیں۔ کہ مَیں سیّد ہوں یا مغل ہوں یا پٹھان اور شیخ ہوں۔ اگر بڑی قومیت پر فخر کرتا ہے تو یہ فخر فضول ہے۔ مرنے کے بعد سب قومیں جاتی رہتی ہیں خدا تعالیٰ کے حضور قومیت پر کوئی نظر نہیں اور کوئی شخص محض اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کی وجہ سے نجات نہیں پا سکتا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو کہا ہے کہ اے فاطمہؓ تو اس بات پر ناز نہ کر کہ تُو پیغمبر زادی ہے۔ خدا کے نزدیک قومیت کا لحاظ نہیں۔ وہاں جو مدارج ملتے ہیں وہ تقویٰ کے

لحاظ سے ملتے ہیں۔ یہ قومیں اور قبائل دُنیا کا عُرف اور انتظام ہیں۔ خدا تعالیٰ سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت تقویٰ سے پیدا ہوتی ہے اور تقویٰ ہی مدارجِ عالیہ کا باعث ہوتا ہے۔ اگر کوئی سیّد ہو اور وُہ عیسائی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دے اور خُدا کے احکام کی بیحرمتی کرے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو آلِ رسُولؐ ہونے کی وجہ سے نجات دے گا اور وہ بہشت میں داخل ہو جاوے گا۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران : ۲۰) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو سچا دین جو نجات کا باعث ہوتا ہے۔ اسلام ہے۔ اگر کوئی عیسائی ہو جاوے یا یہودی ہو۔ یا آریہ ہو وہ خدا کے نزدیک عزّت پانے کے لائق نہیں۔ خُدا تعالیٰ نے ذاتوں اور قوموں کو اڑا دیا ہے۔ یہ دُنیا کے انتظام اور عُرف کے لیے قبائل ہیں۔ مگر ہم نے خوب غور کر لیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے حضور جو مدارج ملتے ہیں ان کا اصل باعث تقویٰ ہی ہے جو متقی ہے وُہ جنّت میں جائے گا۔ خدا تعالیٰ اس کے لیے فیصلہ کر چکا ہے۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز متقی ہی ہے۔ پھر یہ جو فرمایا ہے۔ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ (المائدہ : ۲۸) کہ اعمال اور دُعائیں، متقیوں کی قبول ہوتی ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ مِنَ السَّیِّدِیْنَ۔ پھر متقی کے لیے تو فرمایا۔ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (الطلاق : ۳،۴) یعنی متقی کو ہر تنگی سے نجات ملتی ہے۔ اس کو ایسی جگہ سے رزق دیا جاتا ہے کہ اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ کہ یہ وعدہ سیّدوں سے ہوا ہے یا متقیوں سے۔ اور پھر یہ فرمایا کہ متقی ہی اللہ تعالیٰ کے ولی ہوتے ہیں۔ یہ وعدہ بھی سیّدوں سے نہیں ہوا۔ ولایت سے بڑھ کر اور کیا رُتبہ ہو گا۔ یہ بھی متقی ہی کو ملا ہے۔ بعض نے ولایت کو نبوّت سے فضیلت دی ہے اور کہا ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوّت سے بڑھ کر ہے۔ نبی کا وجود دراصل دو چیزوں سے مرکّب ہوتا ہے۔ نبوّت اور ولایت۔ نبوّت کے ذریعہ وہ احکام اور شرائع مخلوق کو دیتا ہے۔ اور ولایت اس کے تعلقات کو خُدا سے قائم کرتی ہے۔

پھر فرمایا ہے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ (البقرہ : ۳) هُدًى لِّلسَّیِّدِیْنَ نہیں کہا۔ غرض خدا تعالیٰ تقویٰ چاہتا ہے۔ ہاں سیّد زیادہ محتاج ہیں۔ کہ وُہ اس طرف آئیں کیونکہ وہ متقی کی اولاد ہیں۔ اس لیے ان کا فرض ہے کہ وہ سب سے پہلے آئیں نہ کہ خدا تعالیٰ سے لڑیں کہ یہ سادات کا حق تھا۔ وُہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔ (الجمعۃ : ۵)

یہ ایسی بات ہے کہ جیسے یہودی کہتے ہیں کہ بنی اسمٰعیل کو نبوّت کیوں ملی۔ وُہ نہیں جانتے ۔ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ۔ (آلِ عمران : ۱۴۱) خدا تعالیٰ سے اگر کوئی مقابلہ کرتا ہے۔ تو وہ مردُود

ہے۔ وہ ہر ایک سے پوچھ سکتا ہے۔ اُس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا۔

اگست ۱۹۰۲ء [1]

اخلاقِ الٰہیہ [2]

سُورۃ فاتحہ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیش کی ہے اور اس میں سب سے پہلی صفت رَبُّ العَالَمِینَ بیان کی ہے۔ جس میں تمام مخلوقات شامل ہے۔ اسی طرح پر ایک مومن کی ہمدردی کا میدان سب سے پہلے اتنا وسیع ہونا چاہیے کہ تمام چرند پرند اور کُل مخلوق اس میں آجاوے۔ پھر دُوسری صفت رحمٰن کی بیان کی ہے۔ جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ تمام جاندار مخلوق سے ہمدردی خصوصًا کرنی چاہیے۔ اور پھر رحیم میں اپنی نوع سے ہمدردی کا سبق ہے۔ غرض اس سورۃ فاتحہ میں جو اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہ گویا خدا تعالیٰ کے اخلاق ہیں جن سے بندہ کو حصّہ لینا چاہیے۔ اور وہ یہی ہے کہ اگر ایک شخص عمدہ حالت میں ہے تو اس کو اپنی نوع کے ساتھ ہر قسم کی ممکن ہمدردی سے پیش آنا چاہیے۔ اگر دُوسرا شخص جو اس کا رشتہ دار ہے یا عزیز ہے۔ خواہ کوئی ہے اس سے بیزاری نہ ظاہر کی جاوے اور اجنبی کی طرح اس سے پیش نہ آئیں بلکہ ان حقوق کی پروا کریں جو اس کے تم پر ہیں۔ اس کو ایک شخص کے ساتھ قرابت ہے۔ اور اس کا کوئی حق ہے تو اس کو پُورا کرنا چاہیے۔

اخلاقِ عالیہ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک اپنے اخلاق دکھلائے ہیں کہ بعض وقت ایک بیٹے کے لحاظ سے جو سچا مسلمان ہے منافق کا جنازہ پڑھ دیا ہے بلکہ اپنا مبارک کُرتہ بھی دے دیا ہے۔ اخلاق کا دُرست کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ جب تک انسان اپنا مطالعہ نہ کرتا رہے۔ یہ اصلاح نہیں ہوتی۔ زبان کی بداخلاقیاں دشمنی ڈال دیتی ہیں۔ اس لیے اپنی زبان کو ہمیشہ قابو میں رکھنا چاہیے۔ دیکھو کوئی شخص ایسے شخص کے ساتھ دشمنی نہیں کر سکتا جس کو وہ اپنا خیر خواہ سمجھتا ہے۔ پھر وہ شخص کیسا بیوقوف ہے جو اپنے نفس پر بھی رحم نہیں کرتا اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے جبکہ وہ اپنے قویٰ سے عمدہ کام نہیں لیتا اور اخلاقی قوتوں کی تربیت نہیں کرتا۔ ہر شخص کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی سے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۹-۱۰ پرچہ ۲۴ راگست ۱۹۰۲ء

[2] اخبار میں یہ مضمون بلا تاریخ لکھا گیا ہے۔ اس پرچہ میں آخری تاریخ جس کی ڈائری درج کی گئی ہے ۱۹ راگست ۱۹۰۲ء ہے اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ تقریر ۱۹ راگست اور ۲۴ راگست کے مابین کسی تاریخ کو ہوئی ہوگی۔ (شمس)

سے پیش آنا چاہیے ؛ البتہ وہ شخص جو سلسلہ عالیہ یعنی دین اسلام سے علانیہ باہر ہو گیا ہے اور وہ گالیاں نکالتا اور خطرناک دشمنی کرتا ہے۔ اس کا معاملہ اور ہے۔ جیسے صحابہ کو مشکلات پیش آئے اور اسلام کی توہین انہوں نے اپنے بعض رشتہ داروں سے سُنی۔ تو پھر باوجود تعلقات شدیدہ کے اُن کو اسلام مقدم کرنا پڑا۔ اور ایسے واقعات پیش آئے۔ جن میں باپ نے بیٹے کو یا بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ مراتب کا لحاظ رکھا جاوے۔

گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی

ایک شخص ہے جو اسلام کا سخت دشمن ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے وہ اس قابل ہے کہ اُس سے بیزاری اور نفرت ظاہر کی جاوے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کا ہو کہ وہ اپنے اعمال میں سُست ہے تو وہ اس قابل ہے کہ اس کے قصوُر سے درگذر کیا جاوے اور اس سے ان تعلقات پر زد نہ پڑے جو وہ رکھتا ہے۔

جو لوگ بالجہر دشمن ہو گئے ہیں اُن سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستی نہیں کی بلکہ ابوجہل کا سر کٹنے پر سجدہ کیا۔ لیکن جو دوسرے عزیز تھے۔ جیسے امیر حمزہ جن پر ایک وحشی نے حربہ چلایا تھا۔ تو باوجودیکہ وہ مسلمان تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری نظر سے الگ چلا جا، کیونکہ وہ قصّہ آپؐ کو یاد آگیا۔ اس طرح پر دوست دشمن میں پوری تمیز کر لینی چاہیے اور پھر اُن سے علیٰ قدر مراتب نیکی کرنی چاہیے۔

کمزور بھائیوں کا بار اٹھاؤ

اصل بات یہ ہے کہ اندرونی طور پر ساری جماعت ایک درجہ پر نہیں ہوتی۔ کیا ساری گندم تخمریزی سے ایک ہی طرح نکل آتی ہے۔ بہت سے دانے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ ضائع ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو چڑیاں کھا جاتی ہیں۔ بعض کسی اور طرح قابلِ ثمر نہیں رہتے۔ غرض اُن میں سے جو ہونہار ہوتے ہیں۔ اُن کو کوئی ضائع نہیں کر سکتا۔ خدا تعالیٰ کے لیے جو جماعت تیار ہوتی ہے وہ بھی کزرع ہوتی ہے۔ اسی لیے اس اصول پر اُس کی ترقی ضروری ہے۔ پس یہ دستور ہونا چاہیے کہ کمزور بھائیوں کی مدد کی جاوے اور ان کو طاقت دی جاوے۔ یہ کس قدر نامناسب بات ہے کہ دو بھائی ہیں۔ ایک تیرنا جانتا ہے اور دُوسرا نہیں۔ تو کیا پہلے کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ وہ دُوسرے کو ڈوبنے سے بچاوے یا اس کو ڈوبنے دے۔ اُس کا فرض ہے کہ اس کو غرق ہونے سے بچائے۔ اسی لیے قرآن شریف میں آیا ہے۔ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی (المائدہ : ۳) کمزور بھائیوں کا بار اُٹھاؤ۔ عملی ایمانی اور مالی کمزوریاں

میں بھی شریک ہو جاؤ۔ بدنی کمزوریوں کا بھی علاج کرو۔ کوئی جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جبتک کمزوروں کو طاقت والے سہارا نہیں دیتے اور اس کی یہی صُورت ہے کہ اُن کی پردہ پوشی کی جاوے۔ صحابہ کو یہی تعلیم ہوئی کہ نئے مُسلموں کی کمزوریاں دیکھ کر نہ چڑو، کیونکہ تم بھی ایسے ہی کمزور تھے۔ اسی طرح یہ ضروری ہے کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے اور محبت ملائمت کے ساتھ برتاؤ کرے۔ دیکھو وہ جماعت جماعت نہیں ہو سکتی جو ایک دُوسرے کو کھائے اور جب چار مل کر بیٹھیں۔ تو ایک اپنے غریب بھائی کا گلہ کریں اور نکتہ چینیاں کرتے رہیں اور کمزوروں اور غریبوں کی حقارت کریں اور اُن کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھیں۔ ایسا ہرگز نہیں چاہیے۔ بلکہ اجماع میں چاہیے کہ قوت آجاوے اور وحدت پیدا ہو جاوے جس سے محبت آتی ہے اور برکات پیدا ہوتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ ذرا ذرا سی بات پر اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف لوگ جو ہماری ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھتے ہیں۔ معمولی باتوں کو اخباروں میں بہت بڑی بنا کر پیش کر دیتے ہیں اور خلق کو گمراہ کرتے ہیں۔ لیکن اگر اندرونی کمزوریاں نہ ہوں تو کیوں کسی کو جرأت ہو کہ اس قسم کے مضامین شائع کرے اور ایسی خبروں کی اشاعت سے لوگوں کو دھوکا دے۔ کیوں نہیں کیا جاتا کہ اخلاقی قوتوں کو وسیع کیا جاوے اور یہ تب ہوتا ہے کہ جب ہمدردی، محبت اور عفو اور کرم کو عام کیا جاوے۔ اور تمام عادتوں پر رحم، ہمدردی اور پردہ پوشی کو مقدم کر لیا جاوے۔ ذرا ذرا سی بات پر ایسی سخت گرفتیں نہیں ہونی چاہئیں جو دل شکنی اور رنج کا موجب ہوتی ہیں۔ یہاں مدرسہ ہے مطبع ہے مگر کیا اصل اغراض ہمارے یہی ہیں۔ یا اصل امُور اور مقاصد کے لیے بطور خادم ہیں؟ کیا ہماری غرض اتنی ہی ہے کہ یہ لڑکے پڑھ کر نوکریاں کریں یا کتابیں بیچتے رہیں۔ یہ تو سفلی امُور ہیں ان سے ہمیں کیا تعلق۔ یہ بالکل ابتدائی امور ہیں۔ اگر مدرسہ چلتا رہے تب بھی بنظرِ ظاہر بیس برس تک بھی یہ اس حالت تک نہیں پہنچ سکتا۔ جو اس وقت علیگڈھ کالج کی ہے۔ یہ امر دیگر ہے کہ اگر خُدا چاہے تو ایک دم میں اسے علیگڈھ کالج سے بھی بڑا بنا دے۔ مگر ہماری ساری طاقتیں اور قوتیں اسی ایک امر میں خرچ ہو جانی ضروری نہیں ہیں۔

اخوت و ہمدردی کی نصیحت

ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جبتک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جو پوری طاقت دی گئی ہے وہ کمزور سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے، تو وہ اس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا، بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے، حالانکہ چاہیے تو یہ کہ اس کے لیے دُعا کرے۔ محبت کرے اور اُسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے۔ مگر بجائے اس کے کینہ میں زیادہ ہوتا

ہے۔ اگر عفو نہ کیا جائے۔ ہمدردی نہ کی جاوے۔ اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کرے پردہ پوشی کی جاوے۔ جب یہ حالت پیدا ہو تب ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور اپنے تئیں حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک شخص کا بیٹا ہو اور اس سے کوئی قصور سرزد ہو تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ سمجھایا جاتا ہے۔ بھائی کی پردہ پوشی کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب خدا تعالیٰ بھائی بناتا ہے تو کیا بھائیوں کے حقوق یہی ہیں؟ دُنیا کے بھائی اخوت کا طریق نہیں چھوڑتے میں مرزا نظام الدین وغیرہ کو دیکھتا ہوں کہ ان کی اباحت کی زندگی ہے۔ مگر جب کوئی معاملہ ہو تو تینوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ فقیری بھی الگ رہ جاتی ہے۔ بعض وقت انسان جانور، بندر یا کتے سے بھی سیکھ لیتا ہے۔ یہ طریق نامبارک ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ خدا تعالیٰ نے صحابہ کو بھی یہی طریق و نعمتِ اخوت یاد دلائی ہے۔ اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کرتے تو وہ اخوت ان کو نہ ملتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان کو ملی۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں قائم کریگا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بہت بڑی اُمیدیں ہیں۔ اُس نے وعدہ کیا ہے۔ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (آل عمران: ۵۶) میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلا کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں۔ ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسروں کا شکوہ کرنا، دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کر کے دُوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔ اب تم میں ایک نئی برادری اور نئی اخوت قائم ہُوئی ہے۔ پچھلے سلسلے منقطع ہو گئے ہیں۔ خدا تعالےٰ نے یہ نئی قوم بنائی ہے جس میں امیر غریب بچے جوان بوڑھے ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ پس غریبوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے معزز بھائیوں کی قدر کریں اور عزت کریں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں ان کو فقیر اور ذلیل نہ سمجھیں، کیونکہ وہ بھی بھائی ہیں گو باپ جُدا جُدا ہوں مگر آخر تم سب کا رُوحانی باپ ایک ہی ہے اور وہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں۔

جھُوٹ کی مذمّت

بدکاری فسق و فجور سب گناہ ہیں۔ مگر یہ ضرور دیکھا جاتا ہے کہ شیطان نے جو یہ جال پھینکا ہے اُس سے بجز خُدا کے فضل کے کوئی نہیں بچ سکتا۔ بعض وقت یُونہی جھوٹ بول دیتا ہے مثلاً بازیگر نے دس ہاتھ چھلانگ ماری ہو تو محض دوسروں کو خوش کرنے کے لیے یہ بیان کر دیتا ہے کہ چالیس ہاتھ کی ماری ہے۔ اس قسم کی شرارتیں شیطان نے پھیلا رکھی

پس اس لیے چاہیے کہ تمہاری زبانیں تمہارے قابو میں ہوں۔ ہر قسم کے لغو اور فضول باتوں سے پرہیز کرنیوالی ہوں۔ جھوٹ اس قدر عام ہو رہا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ درویش۔ مولوی، قصّہ گو۔ واعظ اپنے بیانات کو سجانے کے لیے خدا سے نہ ڈر کر جھوٹ بول دیتے ہیں۔ اور اس قسم کے اور بہت سے گناہ ہیں جو ملک میں کثرت کے ساتھ پھیلے ہوتے ہیں[1]۔

قرآن شریف نے جھوٹ کو بھی ایک نجاست اور رجس قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ (الحج : ۳۱) دیکھو یہاں جھوٹ کو بُت کے مقابل رکھا ہے۔ اور حقیقت میں جھوٹ بھی ایک بُت ہی ہے؛ ورنہ کیوں سچائی کو چھوڑ کر دوسری طرف جاتا ہے۔ جیسے بُت کے نیچے کوئی حقیقت نہیں ہوتی اسی طرح جھوٹ کے نیچے بجز ملمع سازی کے اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جھوٹ بولنے والوں کا اعتبار یہاں تک کم ہو جاتا ہے کہ اگر وہ سچ کہیں تب بھی یہی خیال ہوتا ہے کہ اس میں بھی کچھ جھوٹ کی ملاوٹ نہ ہو۔ اگر جھوٹ بولنے والے چاہیں کہ ہمارا جھوٹ کم ہو جاتے، تو جلدی سے دُور نہیں ہوتا۔ مدت تک ریاضت کریں۔ تب جا کر سچ بولنے کی عادت اُن کو ہوگی۔

کثرتِ گناہ اور اس کا علاج

اسی طرح پر اور قسم قسم کی بدکاریاں اور شرارتیں ہو رہی ہیں۔ غرض دنیا میں گناہ کے سیلاب کا طوفان آیا ہوا ہے اور اس دریا کا گویا بند ٹوٹ گیا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ یہ گناہ جو کیڑوں کی طرح چل رہے ہیں۔ کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ جس سے یہ بلا دُور ہو جاتے اور دُنیا جو خباثت اور گناہ کے زہر اور لعنت سے بھر گئی ہے۔ کسی طرح پر صاف ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کو قریبًا تمام مذہبوں اور ملتوں نے محسوس کیا اور اپنی اپنی جگہ پر وہ کوئی نہ کوئی علاج بھی گناہ کا بتاتے ہیں۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس زہر کا تریاق کسی کے پاس نہیں۔ اُن کے علاج استعمال کر کے مرض بڑھا ہے گھٹا نہیں۔

مثال کے طور پر ہم عیسائی مذہب کا نام لیتے ہیں۔ اس مذہب نے گناہ کا علاج مسیح کے خون پر ایمان لانا رکھا ہے کہ مسیح ہمارے بدلے یہودیوں کے ہاتھوں صلیب لٹکایا جا کر ملعون ہو چکا ہے۔ اس کی لعنت نے ہم کو برکت دی۔ یہ عجیب فلاسفی ہے کہ جو کسی زمانہ اور عمر میں سمجھی نہیں جا سکتی۔ لعنت برکت کا موجب کیونکر ہو سکتی ہے اور ایک کی موت دوسرے کی زندگی کا ذریعہ کیونکر ٹھہرتی ہے؟ ہم عیسائیوں کے اس طریق علاج کو عقلی دلائل کے معیار پر بھی پرکھنے کی ضرورت نہ سمجھتے۔ اگر کم از کم عیسائی دُنیا

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۰ صفحہ ۱-۳ پرچہ ۲۴ اگست ۱۹۰۲ء

ہیں یہ نظر آتا کہ وہاں گناہ نہیں ہے، لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہاں حیوانوں سے بھی بڑھ کر ذلیل زندگی بسر کی جاتی ہے۔ تو ہم کو اس طریق انسدادِ گناہ پر اور بھی حیرت ہوتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر تھا کہ یہ کفارہ نہ ہوا ہوتا۔ جس نے اباحت کا دریا چلا دیا۔

اور پھر اس کو معافی گناہ سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ اسی طرح پر دوسرے لوگوں نے جو طریقے نجات کے ایجاد کیے ہیں وہ اس قابل نہیں ہیں کہ اُن سے گناہ کی زندگی پر کبھی موت وارد ہوئی ہو۔ پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شریر اور خطا کار قوی ہیں معجزات دیکھ کر پیشگوئیاں دیکھ کر باز نہیں آئیں۔ حضرت موسیٰ کے معجزات کیا کم تھے۔؟ کیا بنی اسرائیل نے کھلے کھلے نشان نہ دیکھے تھے، مگر بتاؤ کہ اُن میں وُہ تقویٰ اور خدا ترسی اور نیکی جو حضرت موسیٰؑ چاہتے تھے کامل طور پر پیدا ہوئی۔ آخر ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرہ ۶۲:) کے مصداق وہ قوم ہوگی۔ پھر حضرت مسیح کے معجزات دیکھنے والے لوگوں کو دیکھو کہ اُن میں کہاں تک نیکی اور پرہیزگاری اور وفاداری کے اصولوں کی رعایت تھی۔ اُن میں سے ہی ایک اٹھا اور اے ربّی تجھ پر سلام کہتے ہوئے پکڑوا دیا۔ اور دُوسرے نے سامنے لعنت کی۔ اِن ساری باتوں کو دیکھ کر پھر سوال ہوتا ہے کہ وُہ کیا شئے ہے۔ جو انسان کو واقعی گناہ سے روک سکتی ہے۔؟

میرے نزدیک خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت ایسی چیز ہے جو انسان کی گناہ کی زندگی پر موت وارد کرتی ہے۔ جب سچا خوف دل میں پیدا ہوتا ہے تو پھر دُعا کے لیے تحریک ہوتی ہے اور دُعا وہ چیز ہے جو انسان کی کمزوریوں کا جبر نقصان کرتی ہے۔ اس لیے دُعا کرنی چاہیے۔ خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی ہے۔ اُدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ (المومن ۶۱:) بعض وقت انسان کو ایک دھوکا لگتا ہے کہ وہ عرصہ دراز تک ایک مطلب کے لیے دُعا کرتا ہے اور وُہ مطلب پُورا نہیں ہوتا تب وہ گھبرا جاتا ہے؛ حالانکہ گھبرانا نہ چاہیے۔ بلکہ طلبگار باید صبور و حمول۔ دُعا تو قبول ہو جاتی ہے، لیکن انسان کو بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا۔ کیونکہ وہ اپنی دُعا کے انجام اور نتائج سے آگاہ نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ جو عالم الغیب ہے اس کے لیے وہ کرتا ہے جو مفید ہوتا ہے۔ اس لیے نادان انسان یہ خیال کر لیتا ہے کہ میری دُعا قبول نہیں ہوئی؛ حالانکہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے علم میں یہی مفید تھا۔ کہ وہ دُعا اس طرح پر قبول نہ ہو بلکہ کسی اور رنگ میں ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک بچہ اپنی ماں سے آگ کا سُرخ انگارہ دیکھ کر مانگے تو کیا دانشمند ماں اُسے دیدے گی؟ کبھی نہیں۔ اسی طرح پر دُعا کے متعلق کبھی ہوتا ہے۔ غرض دعائیں کرنے سے کبھی تھکنا نہیں چاہیے۔ دُعا ہی ایسی چیز ہے جو خدا کی طرف سے ایک قوت اور نُور عطا کرتی ہے۔ جس سے انسان بدی پر غالب آجاتا ہے۔

صداقت کے دلائل اور نشانات

مجھے بارہا اس امر کا خیال آیا کہ ہماری جماعت یہ افسوس نہیں کر سکتی کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے کچھ نہیں دکھایا ہے۔ بلکہ یہاں تو اس قدر ثبوت اور نشانات اس نے جمع کر دیئے ہیں کہ سلسلۂ نبوت میں اس کی نظیر بہت تھوڑی ملیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی پہلو ثبوت کا خالی نہیں رکھا۔ نصوص قرآنیہ وحدیثیہ ہماری تائید کرتے ہیں۔ اور عقل اور قانونِ قدرت ہمارے مؤید و معاون ہیں۔ آسمانی تائیدات اور شواہد ہمارے ساتھ ہیں۔ پھر کسی پہلو میں کمی نہیں۔ میں نے ارادہ کیا ہوا ہے کہ اپنی جماعت کی سہولت اور آسانی کے لیے تین قسم کی ترتیبیں اپنے دعاوی دلائل کے متعلق دوں اور پھر وہ ترتیب شدہ نقشہ چھاپ دیا جائے۔ ایک نقشہ تو حروفِ تہجی کی ترتیب پر اُن نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کا ہو جو ہمارے مؤید ہیں۔ دُوسرا نقشہ عقلی دلائل اور قانونِ قدرت کے شواہد کا ہو۔ یہ بھی حروف تہجی کی ترتیب سے ہو۔ ایسا ہی تیسرا نقشہ نشانات اور تائیداتِ سماویہ کا ہو جو ہمارے لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کئے تھے۔ یا خدا تعالیٰ نے ہمارے ہاتھ پر ظاہر کئے۔ مثلاً اُن کی ترتیب یُوں سمجھئے:

(الف)

۱۔ اِبْرَاء اس سے ابراء کا نشان لو۔ یہ وہ نشان ہے جو مسٹر ڈگلس ڈپٹی کمشنر گورداسپور کے سامنے پُورا ہوا۔ امرتسر کے ایک پادری ڈاکٹر کلارک نے مجھ پر اقدام قتل کا مقدمہ بنایا تھا کہ عبدالحمید نام ایک شخص کو گویا میں نے اُس کے قتل کے لیے بھیجا ہے۔ یہ مقدمہ مسٹر ڈگلس کے سامنے پیش ہوا۔ اور خدا تعالیٰ کے وعدہ اور پیشگوئی کے موافق مجھے بُری کیا۔ جیسا کہ پہلے الہام ابراء (بے قصور ٹھہرانا) ہو چکا تھا۔ جو لوگ اس وقت یہاں ہمارے پاس موجود تھے۔ اور دوسرے مقامات کے لوگ بھی اس امر کے گواہ ہیں، کیونکہ مولوی عبدالکریم صاحب کی عادت ہے کہ جب کوئی الہام وہ سُنتے ہیں اُسے فوراً بذریعہ خطوط پھیلا دیتے ہیں۔ اس طرح پر یہ الہامات جو اس مقدمہ کے نام و نشان سے بھی پہلے ہوئے تھے۔ ہماری اپنی جماعت میں پورے طور پر اشاعت پا چکے تھے اور وُہ سب لوگ جانتے ہیں کہ مقدمہ سے پہلے اِنْ هٰذَا اِلَّا تَهْدِيْدُ الْحُكَّامِ اور صادق آں باشد کہ ایامِ بلا (الخ) وغیرہ الہام ہوئے تھے۔ اور ان سب کے بعد اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی تھی کہ ابراء (بے قصور ٹھہرانا)

ایک دانشمند اور سلیم الفطرت اس عظیم الشان نشان سے بہت بڑا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی عظمت دل میں نہ ہو تو اور بات ہے، مگر خدا ترس اور متقی آدمی سمجھ لیتا ہے کہ یہ پیشگوئی اس طرز کی نہیں

ہے جیسے راول ہاتھ دیکھ کر اناپ شناپ بتا دیتے ہیں۔ یہ خدا کی باتیں ہیں جو قبل از وقت ہزار ہا انسانوں میں مشتہر ہوئیں اور آخر اسی طرح ہوا ؛ ورنہ کیا کسی کے خیال اور وہم میں یہ بات آسکتی تھی کہ مِسَل پُورے طور پر مُرتب ہو جاوے اور عبدالحمید اپنا اظہار بھی دے کہ ہاں مجھے بھیجا ہے۔ آخری وقت پر جو فیصلہ لکھنے کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے مسٹر ڈگلس کے دل میں القا کیا کہ یہ مقدمہ بناوٹی ہے اور اس کے دل کو غیر مطمئن کر دیا ؛ چنانچہ اس نے کپتان لیمار چنڈ کو (جو ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھا) کہا کہ میرا دل اس سے تسلّی نہیں پاتا۔ بہتر ہے کہ تم اس مقدمہ کی تفتیش کرو اور عبدالحمید سے اصل حالات معلوم کرو ؛ چنانچہ جب کپتان لیمار چنڈ نے اس سے پُوچھا، تو اس نے پھر وہی پہلا بیان دیا، مگر جب کپتان صاحب نے اُسے کہا کہ تُو سچ سچ بتا عبدالحمید رو پڑا اور اقرار کیا کہ مجھے تو سکھایا گیا تھا اب بتاؤ کہ کیا یہ انسان کا کام ہے۔ کیا ہر روز یہ لوگ مقدمات میں اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ واقعات پر فیصلے دیتے ہیں۔ یا دل کی تسلیوں کو دیکھتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ جو وُہ وعدہ کر چکا تھا وہی ہونا تھا۔ پس ابرا ء کا نشان عظیم الشان نشان ہے جو الف کی مد میں ہے۔

۲۔ اٰوٰی

اور پھر اسی طرح اس مد میں اٰوٰی کا نشان ہے جو خدا تعالیٰ نے قادیان کو طاعون کی افراتفری سے محفوظ رکھنے کے متعلق دیا ہے۔ اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ ملک میں طاعون کثرت سے پڑا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ قادیان کے انتشار اور موت الکلاب سے محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے۔ کہ اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ یعنی اس گاؤں پر خصوصیت سے فضل رہے گا۔ اٰوٰی کے اصل معنے یہ ہیں کہ اُسے منتشر نہ کیا جاوے اور جبکہ عام طور پر قانونًا یہ امر روا رکھا گیا ہے کہ کسی گاؤں کو جبرًا باہر نہ نکالا جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ افراتفری اور موت الکلاب جو دُوسرے شہروں میں پڑی ہے اس سے خدا تعالیٰ قادیان کو محفوظ رکھے۔ یعنی یہاں طاعونِ جارف نہ ہوگی۔

۳۔ اَبْنَاء

پھر اسی طرح الف کے مد میں اَبْنَاء کا نشان ہے۔ کتابوں اور اشتہاروں کو پڑھو تو صاف معلوم ہو گا کہ ہر ایک کی پیدائش سے پہلے ایک اشتہار دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ لڑکا پیدا ہو گا ؛ چنانچہ ان اشتہاروں کے موافق یہ لڑکے پیدا ہوتے ہیں اور پھر یہانتک کہ تعداد بھی بتا دی کہ چار لڑکے ہوں گے اور چوتھے لڑکے کی بابت یہ بھی اعلان کر دیا کہ عبدالحق نہ مریگا جبتک چوتھا لڑکا پیدا ہونے کی خبر نہ سُن لے۔ ایسے ہی مولوی صاحب (مولوی نورالدین صاحب) کے بیٹے کی بابت جب سعداللہ نے اعتراض کیا تو خدا تعالیٰ نے میری دُعاؤں کے بعد مجھے بشارت

دی کہ مولوی صاحب کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کے بدن پر پھوڑوں کے نشان کا بھی پتہ دیا گیا اور اس کا علاج بھی بتایا گیا۔ اب کیا اشتہار پہلے سے نہیں دیا گیا تھا؟ اب دیکھ لو کہ اس اشتہار کے موافق وہ بچہ عبدالحی نام مولوی صاحب کے گھر میں پیدا ہوگیا۔ اور اس کے پھوڑوں کے نشانات بھی ہیں۔ یہ وہی خصوصیتیں ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کے وقت ہوا کرتی ہیں۔

۴۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

پھر اس کے ساتھ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ کا نشان ہے۔ یہ بہت پرانا الہام ہے اور اُس وقت کا ہے جبکہ میرے والد صاحب مرحوم کا انتقال ہوا۔ میں لاہور گیا ہوا۔ مرزا صاحب کی بیماری کی خبر جو مجھے لاہور پہنچی میں جمعہ کو یہاں آگیا۔ تو درد گردہ کی شکایت تھی۔ پہلے بھی ہوا کرتا تھا۔ اس وقت تخفیف تھی ہفتہ کے دن دوپہر کو حقہ پی رہے تھے اور ایک خدمتگار پنکھا کر رہا تھا۔ مجھے کہا کہ اب آرام کا وقت ہے تم جا کر آرام کرو۔ میں چوبارہ میں چلا گیا۔ ایک خدمتگار جمال نام میرے پاؤں دبا رہا تھا۔ تھوڑی سی غنودگی کے ساتھ الہام ہوا۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ۔ اور معاً اس کے ساتھ یہ تفہیم ہوئی۔ اب میں نہیں کہہ سکتا کہ لفظ پہلے آئے یا تفہیم۔ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس حادثہ کی جو غروب آفتاب کے بعد ہونے والا ہے۔ گویا خدا تعالیٰ عزا پُرسی کرتا ہے۔ یہ ایک عجیب بات ہے جس کو ہر ایک نہیں سمجھ سکتا۔ ایک مصیبت بھی آتی ہے اور خدا اُس کی عزا پُرسی بھی کرتا ہے؛ چونکہ ایک نیا عالم شروع ہونے والا تھا۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے قسم کھائی۔ مجھے یہ دیکھ کر خدا تعالیٰ کا عجیب احسان محسوس ہوا کہ میرے والد صاحب کے حادثہ انتقال کی وہ قسم کھاتا ہے۔ اس الہام کے ساتھ ہی پھر معاً میرے دل میں بشریت کے تقاضے کے موافق یہ خیال گزرا۔ اور میں اس کو بھی خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتا ہوں کہ چونکہ معاش کے بہت سے اسباب ان کی زندگی سے وابستہ تھے۔ کچھ انعام انہیں ملتا تھا۔ اور کچھ اور مختلف صورتیں آمدنی کی تھیں جس سے کوئی دو ہزار کے قریب آمدنی ہوتی تھی۔ میں نے سمجھا کہ اب وہ چونکہ ضبط ہو جائیں گے، اس لیے ہمیں ابتلا آئے گا۔ یہ خیال تکلف کے پر نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے میرے دل میں گزرا۔ اور اس کے گزرنے کے ساتھ ہی پھر یہ الہام ہوا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کیلئے کافی نہیں ہے! چنانچہ یہ الہام میں نے ملاوامل اور شرمپت کی معرفت ایک انگشتری میں اسی وقت لکھوا لیا تھا۔ جو حکیم محمد شریف کی معرفت امرتسر بنوائی تھی اور وہ انگشتری میں کھُدا ہوا الہام موجود ہے۔

اب دیکھ لو کہ اس وقت سے لے کر آج تک کیسا تکفل کیا۔ اگر کسی کو شک ہو تو ملاوامل اور شرمپت سے پوچھ لے۔ محمد شریف کی اولاد موجود ہے۔ شاید وہ مُہر کن بھی موجود ہو۔ تکفل بڑھتا گیا ہے یا نہیں جس

جس قدر منظوریں پیش آتی گئی ہیں۔ خود اس نے اپنے وعدہ کے موافق تکمیل کیا ہے اور کرتا ہے اب بتاؤ کہ کیا یہ کوئی چھوٹا سا نشان ہے۔ اس طرح پر الف میں اور بہت سے نشان آسکتے ہیں۔

(ب)

پھر اب (ب) کی مد میں دیکھو۔ ۱۔ بشیر ہے۔ یہ لڑکا بشیر جو اب موجود ہے اس کی بابت پہلے اشتہار ہوا تھا اور اس اشتہار کے موافق یہ پیدا ہوا۔ پھر اس کی آنکھوں سے اس قدر پانی جاری تھا کہ آنکھیں بوٹی کی طرح سُرخ ہو گئی تھیں۔ اور مجھے اندیشہ تھا کہ آنکھوں کو خطرناک نقصان نہ پہنچے۔ اس وقت میں نے دُعا کی تب الہام ہوا بَرِّقَ طِفْلِیْ بَشِیْرٌ۔ بہت سے لوگ اس الہام کے بھی گواہ موجود ہیں، کیونکہ میں الہام پوشیدہ تو رکھتا ہی نہیں ہوں۔ تبریق کے معنے ہیں آنکھوں کا اچھا ہونا، چنانچہ ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ یہ بالکل اچھا ہو گیا۔[1]

۲۔ بشمبر داس اسی طرح ب کی مد میں بشمبر داس کو داخل کرتے ہیں۔ بشمبر داس قادیان کا رہنے والا ایک ہندو تھا اور ایک خوشحال برہمن جو اُس وقت پٹواری تھا۔ یہ دونوں ایک مقدمہ میں ماخوذ ہوئے۔ جس میں خوشحال کو دو سال اور بشمبر داس کو ایک سال کی قید کی سزا ہوئی۔ شرمپت رائے نے آکر مجھے دُعا کے واسطے کہا اور میں نے دُعا کی تو میں نے کشف میں دیکھا۔ کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اس کی نصف قید کاٹ دی ہے۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ مسل واپس آکر نصف قید رہ جاوے گی اور خوشحال اپنی پوری سزا بھگتے گا۔ یہ خبر میں نے پہلے ہی شرمپت کو دیدی۔ وہ اب تک زندہ موجود ہے اور اگر اس کو قسم دیکر پوچھا جاوے، تو وہ انکار نہ کرے گا۔ غرض آخر جس طرح پر میں نے خبر دی تھی اور مجھے دکھایا گیا تھا۔ وہی ظہور میں آیا۔ یعنی مسل واپس آئی۔ اور اس میں بشمبر کی نصف سزا رہ گئی۔ وہ نصف قید بھگت کر رہا ہوا۔ اس پر شرمپت نے کہا کہ تم چونکہ متقی ہو اس لیے دُعا قبول ہو گئی۔ چونکہ اسلام کے ساتھ ان لوگوں کو بغض اور عداوت ہے۔ اس لیے شرارت سے اسلام کی تعریف نہ کی۔ اس مقدمہ میں جب اپیل کیا گیا تو رات کو علی محمد نام ایک شخص آیا اور اس نے آکر خبر دی کہ وہ بری ہو گئے ہیں۔ مجھے یہ خبر سُنکر تعجب ہوا، کیونکہ میں نے مذکورہ بالا پیشگوئی کی تھی۔ اس تردد میں جب میں نے نماز پڑھی تو نماز ہی میں الہام ہوا۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی۔ وہ رات تو اسی طرح گزر گئی۔ اور میں نے مزید تحقیقات نہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۲ تا ۴ پرچہ ۳۱ اگست ۱۹۰۲ء۔

کی لیکن صبح کو اصل حال معلوم ہوگیا کہ اپیل رد کئے گئے تھے جس سے یہ غلط نتیجہ نکال لیا گیا کہ وہ بَری ہو گئے ہیں۔ آخر جیسا کہ مَیں نے کہا ہے اسی طرح پیشگوئی کے مواقف مِسل واپس آئی اور اس میں بشمبر کی قید نصف رہ گئی اور خوشحال کو پوری سزا بھگتنی پڑی۔

اب بتاؤ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کیسے زبردست نشان ہیں۔ ابتک ان واقعات کے زندہ گواہ موجود ہیں۔ اُن سے قسم دے کر پوچھا جائے کہ کیا قبل از وقت ان کو بتایا گیا تھا یا نہیں؟ اور پھر ٹھیک پیشگوئی کے مواقف ان کا ظہور ہوا ہے یا نہیں؟ پھر اسی طرح جھنڈا سنگھ نامی ایک زمیندار کے ساتھ درخت کاٹنے کا مقدمہ تحصیل میں دائر تھا۔ مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوا کہ ڈگری ہو جائے گی۔ جب کوئی دس بارہ دن ہوئے، تو لوگوں نے بٹالہ سے آ کے کہا کہ وہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے اور خود اس نے بھی آکر بطور تمسخر کہا کہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ مجھے اس خبر کے سُننے سے اتنا غم ہوا کہ کبھی کسی ماتم سے بھی نہیں ہوا۔ مَیں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ڈگری کی خبر دی تھی، یہ کیا کہتے ہیں۔ وہ اسامی تھے اور ہم مالک تھے اور مالک کی اجازت کے بغیر وہ درخت کاٹنے کے مجاز نہ تھے۔ مختلف قسم کے پندرہ یا سولہ آدمی اس مقدمہ میں تھے۔ مجھے بہت ہی غم محسوس ہوا۔ اور مَیں جیسے کوئی مبہوت ہو جاتا ہے، سراسیمہ ہوکر سجدہ میں گر پڑا۔ اور دُعا کی تب ایک بلند آواز سے الہام ہوا " ڈگری ہوئی ہے مسلمان ہے " یعنی آیا باور نہ کرے گی۔ صُبح کو جب تحصیل گیا تو وہاں جاکر ایک شخص سے جو حاکم کا سررشتہ تھا۔ مَیں نے دریافت کیا کہ کیا فلاں مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ اُس میں تو ڈگری ہوئی ہے۔ پھر مَیں نے اس سے کہا کہ اُنھوں نے گاؤں میں مشہور کیا ہے کہ وُہ مقدمہ خارج ہوگیا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا۔ اصل بات یہ ہے کہ اس خبر میں وہ بھی سچے ہیں۔ جب حافظ ہدایت علی صاحب فیصلہ لکھنے لگے تو مَیں کہیں باہر چلا گیا تھا۔ جب باہر سے آیا، تو اُنھوں نے روبکار مجھے دی کہ یہ مقدمہ خارج کر دیا ہے۔ سررشتہ دار کہتا ہے کہ تب مَیں نے اُن کو کہا کہ تم نے غلطی کی ہے۔ اس نے کہا نہیں مَیں نے کمشنر کا فیصلہ جو اُنھوں نے پیش کیا تھا دیکھ لیا ہے۔ مَیں نے اُن کو کہا کہ فنانشل کمشنر کا فیصلہ بھی تو دیکھنا تھا۔ پھر اُسے معلوم ہوا کہ وہ فیصلہ جو اس نے کیا تھا وہ غلط ہے۔ اس نے روبکار سے کر پھاڑ کر پھینک دی اور دوسری روبکار لکھی جس میں ڈگری کا فیصلہ دیا اور اس طرح پر پیشگوئی جو خدا تعالیٰ نے قبل از وقت مجھے بتلائی تھی پُوری ہوئی۔ اس پیشگوئی کے بھی بہت سے لوگ گواہ ہیں۔ اور ابتک موجود ہیں۔

(ث)

۱۔ ثَمَانِیْنَ حَوْلاً۔ پھر ث میں ثَمَانِیْنَ حَوْلاً کی پیشگوئی ہے۔ اس پیشگوئی پر ایک زمانہ

گزر گیا۔ کوئی شخص ایک دم کے لیے بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں زندہ رہوں گا۔ لیکن ایک خاص تعداد سالوں تک کی خبر دے دینا کیا یہ انسانی طاقت کا کام ہے۔ اور پھر میرے جیسے آدمی کے لیے تو یہ قیافہ سے بھی ممکن نہیں۔ جس کو دو بیماریاں لگی ہوئی ہیں۔ باوجود ان بیماریوں اور ضعفوں کے خدا تعالیٰ کا یہ وعدہ دینا کہ تیری اسّی برس کے قریب عمر ہوگی۔ کیسا عجیب ہے۔ اور حقیقت میں خدا ہی کی طرف سے اس قسم کی خبر ہو سکتی ہے، ورنہ عاجز انسان کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ پیشگوئی بھی پوری شدہ ہی سمجھ لیجئے، کیونکہ بہت عرصہ اس پر گذر گیا ہے اور میری عمر اب ساٹھ سے متجاوز ہو چکی ہے۔

۲۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ

پھر ث ہی کی مد میں ایک اور پیشگوئی ہے۔ جو اس سے بھی عجیب تر اور عظیم الشان ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ۔ اس سے ایک عظیم الشان جماعت کے قائم کرنے کی خبر دیتا ہے۔ جس وقت یہ پیشگوئی کی گئی تھی، اس وقت ایک آدمی بھی ہم کو نہیں جانتا تھا اور کوئی یہاں آتا جاتا نہ تھا۔ براہین احمدیہ میں یہ الہام درج ہے۔ لیکن اب دیکھ لو کہ ستر ہزار سے زیادہ آدمی اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں اور دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ خاص قادیان میں ایک کثیر جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر کیا یہ کوئی جھوٹ بات ہے۔ یہ خدا کے کام ہیں اور لوگوں کی نظروں میں عجیب۔ اور بھی ث کی مد میں پیشگوئیاں ہیں مگر میں اس وقت صرف مثال کے طور پر ایک دو بیان کرتا ہوں۔

ج

۱۔ جنازہ اسی طرح ج کی مد میں جنازہ کا الہام ہے۔ جب ہمارے بڑے بھائی صاحب مرزا غلام قادر مرحوم فوت ہوئے، تو ان کے مرنے سے پہلے جنازہ کا الہام ہوا تھا۔

۲۔ جمال الدین اور اسی طرح جمال الدین کے متعلق بھی الہام ہوا تھا۔ خواجہ جمال الدین صاحب جب اپنے امتحان منصفی میں فیل ہوئے، تو میں نے دعا کی۔ الہام ہوا سیغفر لہٗ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ان کو جگہ دیدی۔

۳۔ جمع بین الصلوٰتین پھر ج کی مد میں جَمْعِ بَیْنَ الصَّلٰوتَیْنِ کی پیشگوئی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح موعود کے لیے ایک نشان ٹھہرایا ہے۔ اس پیشگوئی کو پورا کرنا اختیاری امر نہیں ہے۔ موت سر پر ہے۔ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ خود اس کی تکمیل کر رہا ہے۔

جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت بھی نہیں کرتا ہے۔ اس پیشگوئی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے کیونکہ لکھا ہے کہ تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ۔ یعنی اس کے لیے نماز جمع کی جائے گی۔ ایسے امور جمع ہو جائیں گے کہ اس کے لیے نمازیں جمع کرنی پڑیں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو میں اپنا اعتقاد رکھتا ہوں اس کو میں کسی کے دل میں نہیں ڈال سکتا۔ میں ایک سچے مسلمان کے لیے یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان امور کے ساتھ جو آپ کی نبوت کے لیے بطور شہادت ہوں۔ محبت کی جاوے۔ ان میں سے یہ پیشگوئیاں بھی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کشفی کیسی تیز ہے۔ اور آپ کی نگاہ کیسی دُور تک پہنچنے والی تھی کہ آپ نے سارا نقشہ اس زمانہ کا کھینچ کر دکھایا۔ ہم اس پیشگوئی کو جو تُجْمَعُ لَهُ الصَّلٰوةُ ہے۔ بہت ہی بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس کے پورا ہونے پر ہمیں ایک راحت اور لذت آتی ہے جو دوسرے کے آگے بیان نہیں کر سکتے، کیونکہ لذت خواہ جسمانی ہو، خواہ رُوحانی۔ ایک ایسی کیفیت اور اثر ہے جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے کمال درجہ کی عزت اور صداقت ثابت ہوتی ہے کہ آپ نے جو کچھ فرمایا۔ وہ پورا ہوا۔ اب بتاؤ کہ کیا یہ امور جو جمع نماز کے موجب ہوتے ہیں۔ خود ہم نے پیدا کر لیے ہیں یا خدا تعالیٰ نے یہ تقریب پیدا کر دی ہے؟ صحابہ نے اس پیشگوئی کو سُنا مگر پوری ہوتے نہیں دیکھا اور اب جو پیشگوئی پوری ہوئی اور انہیں اس کی خبر ملتی ہے تو انہیں کیسی لذت آتی ہے۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جیسا اس پیشگوئی کے پورا ہونے سے ہم ایک لطف اور لذت اٹھا رہے ہیں۔ آسمان پر بھی ایک لذت ہے۔ اس لیے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی اور عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ بعض زمینی امور ایسے ہوتے ہیں کہ آسمان پر اُن کی خبر دی جاتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں جو کچھ ہوتا ہے، اس کی خبر دی جاتی ہے اور اس کا انتشار ہوتا ہے۔ غرض یہ بڑی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ جس سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق ہوتی ہے۔ اُن کو حقیر سمجھنا کفر ہے یہ دوہرا نشان ہے۔ ایک طرف ہماری صداقت کیلئے کیونکہ ہمارے لئے یہ نشان رکھا گیا تھا۔ دوسری طرف خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہ آپ کی فرمائی ہوئی پیشگوئی پوری ہوئی۔ لوگ ناواقفی اور جہالت سے اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ یہ امر بہت ہی قابل غور ہے۔ کیا ہم نے خود ایسے امر پیدا کر لیے ہیں کہ نمازیں جمع کی جائیں؟ پھر جب یہ امر سب خدا کی طرف سے ہیں تو پھر اعتراض کرنا ہی بڑی حماقت اور خُبث ہے جو لوگ اس پیشگوئی پر اعتراض کرتے ہیں وہ مجھ پر نہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بلکہ خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھ مرتبہ نماز جمع نہ ہوگی، بلکہ ایک اچھی میعاد تک نماز جمع ہوتی رہے گی، کیونکہ ایک آدھ مرتبہ جمع کرنے کا اتفاق تو دوسرے مسلمانوں کو بھی ہو جاتا

ہے۔ پس یہ خدا کا زبردست نشان ہے جو ہماری اور ہمارے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک زبردست گواہ ہے۔

(ح)

۱۔ حیات خاں

ایسا ہی پھر ح کی مد میں حیات خاں کا مقدمہ ہے۔ بہت سے لوگ اس امر کے گواہ ہیں۔ یہانتک کہ اکثر ہندوؤں کو بھی معلوم ہے اور میرے لڑکے فضل احمد اور سلطان احمد بھی اس میں گواہ ہیں۔ سردار حیات خاں ایک دفعہ کسی مقدمہ میں معطل ہو گیا تھا۔ میرے بڑے بھائی مرزا غلام قادر مرحوم نے مجھے کہا کہ ان کے لیے دعا کرو۔ میں نے دعا کی تو مجھے دکھایا گیا کہ کرسی پر بیٹھا عدالت کر رہا ہے۔ میں نے کہا یہ تو معطل ہو گیا ہے۔ کسی نے کہا کہ اس جہان میں معطل نہیں ہوا تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ بحال ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کی اطلاع دی گئی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد وہ پھر بحال ہو گیا۔

۲۔ حَانَ اَنْ تُعَانَ

ایسا ہی فَحَانَ اَنْ تُعَانَ وَتُعْرَفَ بَیْنَ النَّاسِ یہ پیشگوئی بھی یہیں موجود ہے۔ کوئی ثابت کرے کہ اس الہام کے وقت کتنی جماعت تھی۔ یا میں ہوتا تھا یا میاں شمس الدین جو براہین احمدیہ کے مسودے لکھا کرتا تھا۔ مگر اب خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق لاکھوں کروڑوں انسانوں میں اس کو پورا کیا اور کر رہا ہے۔ ہر نیا دن اس پیشگوئی کی شان اور عظمت کو بڑھا رہا ہے جوں جوں یہ سلسلہ ترقی کرتا جاتا ہے۔

(خ)

خسُوف وکسوف

پھر خ ہے۔ اس میں خسوف کسوف کی عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ اس کو دیکھو کہ تیرہ سو برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہدی کا نشان مقرر کیا تھا کہ اس کے وقت میں رمضان کے مہینہ خسوف اور کسوف ہوگا اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ نشان ابتدائے آفرینش سے لے کر کبھی نہیں ہوا۔ کس قدر عظیم الشان نشان ہے جس کی نظیر آدمؑ سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر مہدی کے وقت تک پائی نہیں جاتی۔ اب مجھے جو دجال اور کذاب کہا جاتا ہے۔ کیا کاذب اور دجال کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ نشان مقرر کیا تھا۔ کیا خدا تعالیٰ کو بھی دھوکا لگ گیا۔ کہ ایک تو مجھے صدی کے سر پر بھیجا۔

اور پھر وہ تمام نشانات اور علامات بھی قائم کر دیئے جو مسیح موعود اور مہدی موعود کے وقت کیلئے مقرر تھے۔ صلیب کا غلبہ بھی میرے وقت میں ہی ہو گیا۔ اور پھر خسوف و کسوف کا نشان بھی پورا کر دیا۔ اس قدر لمبا سلسلہ خدا نے دھوکے کا رکھا۔ خدا تعالیٰ کی شان اس سے منزہ ہے۔ کہ وہ کسی کو دھوکا دے۔ مسلمانوں کی موجودہ حالت تو چاہتی تھی کہ کسی راستباز اور صادق کے ساتھ ان کی تائید کی جاتی نہ کہ کاذب اور مفتری کو بھیجا جاتا۔ اور پھر یہ کہ کاذب کے وقت میں نشان وُہ پورے کئے جو صادق کے لئے مقرر تھے۔ کیا یہ تعجب کی بات نہ ہو گی؟ اصل یہی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے موافق جبکہ اسلام بہت کمزور ہو گیا تھا اور بالکل رسم پرستی اور نام کے طور پر رہ گیا تھا اور جبکہ نصاریٰ کا فتنہ حد سے بڑھ گیا تھا۔ اور انہوں نے اسلام کے ذلیل کرنے کے لیے ہر قسم کے منصوبے کئے اور اپنی کوششوں میں کامیاب ہونے کیلیے مل مل کر اور اکیلے اکیلے زور لگایا۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی گئی یہانتک کہ آپؐ کو معاذ اللہ جھُوٹا نبی کہا گیا۔ اور خطرناک الزام آپؐ کی پاک ذات پر لگائے اور کوئی دقیقہ اسلام کی ہتک اور بے عزتی کا باقی نہ رکھا گیا۔ اور اپنے مذہب میں اس قدر غلو کیا۔ کہ ایک ضعیفہ عورت کے بچے کو خدائی کے تخت پر بٹھایا۔ اور ایک انسان کو خدا بنا کر پھر اس کو ملعُون قرار دے کر اس کی لعنت کو برکت کا ذریعہ بنایا، تو خدا تعالیٰ نے جو غیور خدا ہے۔ ایک عاجز انسان کو اپنے وعدہ کے موافق قائم کیا اور اس کی تائید اور نصرت کی۔ اس کے لیے ان نشانوں کو پورا کیا جو اس وقت کے لیے مقرر تھے اور اسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک اور توہین کا انتقام لینے والا ٹھہرایا۔ اور وہ اس طرح پر کہ جس عاجز انسان مسیح ابن مریم کو خدا ٹھہرایا گیا تھا۔ غیرت الٰہی نے اس کو مسیح ابن مریم سے افضل بنا کر دُنیا میں بھیجا اور مسیح موعود اس کا نام رکھا۔ مسیح موعود کا مسیح ابن مریم سے افضل ہونا خود یہود و نصاریٰ کے مسلمات سے ہے۔ عیسائی اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی آمد ثانی پہلی آمد کے مقابل میں جلالی ہو گی۔ پہلی آمد ناکامی کی تھی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت چاہیے۔ غرض خدا نے مجھے مسیح موعود ٹھہرایا اور میرے نشانات کو قوت اور تعداد میں مسیح کے نشانات سے بہت بڑھ کر ثابت کیا۔ اگر کسی عیسائی کو شک ہو تو قوتِ ثبوت اور تعداد کے لحاظ سے میرے نشانوں کا اور مسیح کے نشانوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ ان نشانوں میں سے ہی یہ خسوف و کسوف کا نشان ہے جو اپنے وقت پر میری صداقت اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر مُہر کرنے کے لیے پورا ہوا۔ مَیں نے سُنا ہے کہ پٹیالہ میں ایک مولوی تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ خسُوف و کسوف کا نشان پورا ہو گیا۔ تو اس نے ہاتھ مار مار کر کہا۔ کہ اب خلقت گمراہ ہو گی۔ اب خلقت گمراہ ہو گی۔ مگر اس احمق سے کوئی اتنا پوچھے کہ خدا تعالیٰ نے جب وہ نشان پورا کیا۔ جو صادق کے لیے مقرر تھا۔ پھر لوگ گمراہ ہوں گے یا ہدایت پائیں گے۔ خسُوف و کسوف کا نشان بہت بڑا نشان ہے۔

(۵)

۱۔ دیانند پھر قادیان میں دیانند کے مرنے کی خبر ہے اس کو زندگی میں مرنے سے پہلے یہ خبر بذریعہ ایک رجسٹری شدہ خط کے اس کو دی گئی تھی۔ اور شرمپت اور ملاوامل موجود ہیں۔ ان کو قسم دے کر پوچھا جاوے کہ کیا تین مہینے پہلے یہ خبر دی گئی تھی یا نہیں؟

۲۔ دلیپ سنگھ اور اسی میں دلیپ سنگھ کے ناکام ہونے کی پیشگوئی ہے۔ ابھی اُس کے آنے کی کوئی خبر بھی نہیں تھی۔[1]

بلا تاریخ

سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہونے کے اسباب اور معصوم بنانے کے اسباب جس قدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میسّر آتے تھے وہ کسی دوسرے نبی کو کبھی نہیں ملے۔ اسی لیے عصمت کے مسئلہ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس مقام اور درجہ پر ہیں۔ وہاں اور کوئی نہیں ہے۔ خود کوئی کبھی معصوم نہیں بن سکتا، بلکہ معصوم بنانا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ جس شخص کو کثیر التعداد مال مل گیا ہے۔ اس کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ وُہ چوری کرتا پھرے۔ لیکن جس پر خدا کی مار ہے اور گویا روٹیوں کا محتاج ہے اس سے تو ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ اگر پاخانہ میں کوڑی پڑی ہُوئی ہو تو وہ اُس کے اٹھانے میں بھی کوئی مضائقہ اور دریغ نہ کرے گا۔ سو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کا بہت بڑا فضل تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے؛ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء : ۱۱۴) اور اصل یہ ہے کہ انسان بچتا بھی فضل سے ہی ہے۔ پس جس شخص پر خدا تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہو اور جس کو کُل دُنیا کے لیے مبعوث کیا گیا ہو۔ اور جو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہو کر آیا ہو۔ اُس کی عصمت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے۔ عظیم الشان بلندی پر جو شخص کھڑا ہے ایک نیچے کھڑا ہوا اس سے مقابلہ کیا کر سکتا ہے۔ مسیح کی ہمت اور دعوت صرف بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں تک محدود ہے۔ پھر اس کی عصمت کا درجہ بھی اس حد تک ہونا چاہیے۔ لیکن جو شخص کل عالم کی نجات اور رستگاری کے واسطے آیا ہے۔ ایک دانشمند خود سوچ سکتا ہے کہ اس کی تعلیم کیسی عالمگیر صداقتوں پر مشتمل ہوگی اور اسی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۵ تا ۶ پرچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۲ء

یلے وہ اپنی تعلیم اور تبلیغ میں کس درجہ کا معصوم ہوگا۔
حضرت مسیح ایک بار چھوڑ ہزار بار کہیں کہ مَیں خُدا ہوں، لیکن کون ان کی خدائی کا اعتراف کرسکتا ہے۔ جبکہ انسانیت کا اقبال بھی آپ کے وجود میں نظر نہیں آتا۔ دشمنوں کے نرغہ میں آپ پھنس جاتے ہیں اور اُن سے طمانچے کھاتے ہوئے صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں۔ باوجودیکہ وہ طعن کرتے ہیں کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب سے اُتر آ۔ مگر آپ خاموش ہیں اور کوئی خدائی کرشمہ نہیں دکھاتے۔ برخلاف اس کے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف خسرو پرویز نے منصوبہ کیا اور آپ کو گرفتار کر کے قتل کرنا چاہا، مگر اسی رات خود ہی ہلاک ہو گیا۔ اور ادھر حضرت مسیح کو ایک معمولی چپڑاسی پکڑ کر لے جاتا ہے۔ تائیدِ الٰہی کا کوئی پتہ نہیں ملا۔
غرض جس قدر ان امور کی تنقیح کی جاوے گی، اسی قدر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدارجِ عالیہ معلوم ہوں گے اور آپ ایک بلند مینار پر کھڑے دکھائی دیں گے اور مسیح آپ سے مقابلہ کرنے میں بہت ہی نیچے کھڑے ہوں گے۔ اس سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور فضیلت کیا ہوگی کہ تیرہ سو برس بعد اپنے انفاسِ قدسیہ سے وہ ایک انسان کو تیار کرتے ہیں، جو مسیح ابن مریم پر فضیلت پاتا ہے۔ بلحاظ اپنے کام اور کامیابی کے یعنی مسیح موعود سے مقابلہ کرنے میں بھی مسیح اپنی کامیابی اور بعثت کے لحاظ سے کم ہے۔ کیونکہ محمدی مسیح محمدی کمالات کا جامع ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام نبیوں کے کمالات یکجا جمع تھے۔ اس لیے مسیح موعود جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بروزی ظہور ہے۔ اُن کمالات کو اپنے اندر رکھتا ہے اور اپنی دعوت کی وجہ سے مسیح ابن مریم سے بڑھ کر ہے۔ شعر

ابنِ مریم کے ذکر کو چھوڑو
اس سے بہتر غلام احمد ہے

مسیح ناصری کا آسمان پر جانا

مسیح کو جو آسمان پر چڑھایا جاتا ہے تو سوال ہوسکتا ہے کہ وہ آسمان پر کیوں چڑھے؟ کیا ضرورت پیش آئی تھی؟ عقل اس کے لیے تین شقیں تجویز کرتی ہے۔ اور ان تینوں صورتوں میں مسیح کا صعود ثابت نہیں ہوسکتا۔
شقِ اوّل: صلیب کی لعنت سے بچنے کے لیے۔ کیونکہ تورات میں لکھا ہوا تھا کہ جو صلیب پر لٹکایا جاوے، وہ ملعون ہوتا ہے۔ اب اگر مسیح کے صعود الی السماء سے یہ غرض تھی۔ کہ وہ لعنت سے بچے رہیں، تو اس رفع کے لیے ضروری ہے کہ پہلے موت ہو۔ کیونکہ یہ رفع وہ ہے، جو قربِ الٰہی کا مفہوم ہے۔ اور بعد موت ملتا ہے۔ اسی لیے۔ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ (آل عمران: ۵۶) کہا گیا۔ اور یہ وہی رفع ہے جو اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً (الفجر: ۲۹) میں خدا نے

بیان فرمایا ہے۔ اور مُفَتَّحَۃً لَّھُمُ الْاَبْوَابُ (ص ۵۱۱) سے پایا جاتا ہے۔ غرض اس رفع کے لیے جو لعنت سے بچنے کے لیے ہو اور جو قرب الٰہی کے معنوں میں ہو، کیونکہ لعنت کی ضد رفع تو وہی ہے جس سے قرب الٰہی ہو۔ یہ تو بجز موت کے حاصل نہیں ہوتا۔ پھر جو لوگ ہمارے مخالف ہیں وہ چونکہ موت کے قائل نہیں۔ اس لیے ان کے اعتقاد کے موافق مسیح کو ابھی رفع نہیں ہوا، کیونکہ یہ رفع انسان کی آخری زندگی کا نتیجہ ہے اور یہ ان کو حاصل نہیں ہوا۔ پس اس شِق کے لحاظ سے تو ان کا آسمان پر چڑھنا باطل ہوا۔

دُوسری غرض رفع سے یہ ہو سکتی ہے کہ حضرت مسیح کوئی نشان دکھانا چاہتے تھے، مگر یہودی جن کو نشان دکھانا مقصود تھا۔ وہ اب تک مُنکر ہی چلے آتے ہیں۔ انھوں نے عین صلیب کے وقت نشان مانگا تو ان کو کوئی نشان نہ دکھایا گیا۔ پھر ایک نشان جو اُن کو دکھانا مقصود تھا وہ بجز شاگردوں کے کسی اور کو نہ دکھایا گیا۔ کیسا یہ تعجب کی بات نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ صلیب پر جب ان سے نشان مانگا گیا تھا تو اس وقت نشان دکھاتے یا کہہ دیتے کہ مَیں آسمان پر اُڑ جانے کا نشان تم کو دکھاؤں گا۔ اور صعُود کے دن سب کو پکار کر کہہ دیتے۔ کہ آؤ اب دیکھ لو مَیں آسمان پر جاتا ہوں۔ پھر جب اس قسم کا کوئی واقعہ یہودیوں نے نہیں دیکھا اور وُہ اب تک ہنسی اُڑاتے ہیں اور خطرناک اعتراض کرتے ہیں، تو یہ غرض بھی ثابت نہ ہوئی۔

مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں ہمارے نشانوں کو دیکھو کہ کیسے واضح اور صاف ہیں اور لاکھوں انسان اُن میں سے بعض کے گواہ ہیں۔ براہین احمدیہ میں یہ الہام ۲۲ برس سے زیادہ عرصہ ہوا ہے درج ہے یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ اب اس کی بابت محمد حسین ہی سے پُوچھو کہ جب اس نے براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تھا۔ کس قدر لوگ یہاں آتے تھے اور کہاں سے آتے تھے اور اب تو آنیوالے لوگوں کی بابت ہم سے دریافت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ پولیس کا ایک کانسٹیبل یہاں رہتا ہے جو آنیوالے مہمانوں کی ایک فہرست تیار کر کے اپنے افسروں کے پاس بھیجا کرتا ہے۔ ان کے کاغذات کو جا کر کوئی دیکھ لے تو اُسے معلوم ہو جاوے گا کہ یہ پیشگوئی کس شان اور عظمت سے پوری ہو رہی ہے یہانتک کہ ہر شخص آنے والا اس پیشگوئی کو پورا کرتا ہے۔ اسی طرح اس کا دوسرا حصہ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ دیکھ لو کہاں کہاں سے تحفے تحائف چلے آتے ہیں۔ اور روپیہ آتا ہے۔ اس کے لیے بھی ڈاک خانہ کے کاغذات اور محکمہ ریلوے کے رجسٹر شہادت کے لیے کافی ہو سکتے ہیں۔ اب ان نشانوں کا ذرا مسیح کے نشانوں سے مقابلہ تو کر کے دکھاؤ۔ وہاں تو یہودی دُہائی دیتے ہیں کہ ہم نے کچھ بھی نہیں دیکھا اگر یہوُدی دیکھتے تو کیوں انکار کرتے اور یہاں مخالف تک اس بات کے گواہ ہیں اور صدہا نشان اس قسم کے ہیں۔ جن کو اگر تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاوے، تو کئی کتابوں کی ضرورت پڑے۔

تیسرا شق مسیح کے صعود کے متعلق یہ ہو سکتا ہے کہ ان کی غرض فرار کی تھی۔ یہ بالبداہت باطل ہے۔ کیا زمین پر کوئی جگہ نہ تھی۔ اور ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرہ : ۶۲) کے مصداق یہودیوں سے پھر اتنا خوف ہوا کہ پہلے آسمان پر بھی نہ ٹھہر سکے۔ غرض جس پہلو سے اس مسئلہ کو دیکھا جاوے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ایک ہی صورت ہے کہ انہوں نے اپنی طبعی موت سے جان دی اور پھر دوسرے مقربوں کی طرح خدا نے ان کا رفع کر دیا۔ بغیر اس کے اور کوئی صورت ایسی نہیں جو اعتراض سے خالی ہو۔

مسیح ناصری توجہ سے سلب امراض فرماتے تھے

علاج کی چار صورتیں تو عام ہیں۔ دوا سے، غذا سے، عمل سے، پرہیز سے علاج کیا جاتا ہے۔ ایک پانچویں قسم بھی جس سے سلب امراض ہوتا ہے، وہ توجہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اسی توجہ سے سلب امراض کیا کرتے تھے۔ اور یہ سلب امراض کی قوت مومن اور کافر کا امتیاز نہیں رکھتی۔ بلکہ اس کے لئے نیک چلن ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ نبی اور عام لوگوں کی توجہ میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ نبی کی توجہ کسی نہیں ہوتی۔ وہبی ہوتی ہے۔ آجکل ڈوئی جو بڑے بڑے دعوٰی کرتا ہے۔ یہ بھی وہی سلب امراض ہے توجہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس سے سلب ذنوب بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور مسیح علیہ السلام کی توجہ میں یہ فرق ہے کہ مسیح کی توجہ سے تو سلب امراض ہوتا تھا، مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے سلب ذنوب ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے آپؐ کی قوتِ قدسی کمال کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔ دُعا بھی توجہ ہی کی ایک قسم ہوتی ہے۔ توجہ کا سلسلہ کڑیوں کی طرح ہوتا ہے۔ جو لوگ حکیم اور ڈاکٹر ہوتے ہیں۔ ان کو اس فن میں مہارت پیدا کرنی چاہیے۔ مسیح کی توجہ چونکہ زیادہ تر سلب امراض کی طرف تھی۔ اسلئے سلبِ ذنوب میں وہ کامیابی نہ ہونے کی وجہ یہی تھی۔ کہ جو جماعت اُنہوں نے تیار کی وُہ اپنی صفائی نفس اور تزکیہ باطن میں ان مدارج کو پہنچ نہ سکی جو جلیل الشان صحابہ کو ملی۔ اور بیشک رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی با اثر تھی کہ آج اس زمانہ میں بھی تیرہ سو برس کے بعد سلبِ ذنوب کی وہی قوت اور تاثیر رکھتی ہے جو اس وقت میں رکھتی تھی۔ مسیح اس میدان میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے۔

کافر اور مومن کی رؤیا میں فرق

اللہ تعالیٰ نے وحی اور الہام کا مادہ ہر شخص میں رکھ دیا ہے کیونکہ اگر یہ مادہ نہ رکھا ہوتا، تو پھر حجت پُوری نہ ہو سکتی۔ اس لیے جو نبی آتا ہے اس کی نبوت اور وحی و الہام کے سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت میں ایک ودیعت رکھی ہوئی ہے۔ اور وہ ودیعت خواب ہے۔ اگر کسی کو کوئی خواب سچی کبھی نہ

آتی ہو، تو وُہ کیونکر مان سکتا ہے کہ الہام اور وحی بھی کوئی چیز ہے۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ صفت ہے کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا (البقرہ ۲۸۷) اس لیے یہ مادہ اس نے سب میں رکھ دیا ہے۔ میرا یہ مذہب ہے کہ ایک بدکار اور فاسق فاجر کو بھی بعض وقت سچی رؤیا آجاتی ہے اور کبھی کبھی کوئی الہام بھی ہوجاتا ہے۔ گو وُہ شخص اس کیفیت سے کوئی فائدہ اُٹھاوے یا نہ اُٹھاوے۔ جبکہ کافر اور مومن دونوں کو سچی رؤیا آجاتی ہے، تو پھر سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ عظیم الشان فرق تو یہ ہے کہ کافر کی رؤیا بہت ہی کم سچی نکلتی ہے اور مومن کی کثرت سے سچی نکلتی ہے۔ گویا پہلا فرق کثرت اور قلت کا ہے۔ دُوسرے مومن کے لیے بشارت کا حصّہ زیادہ ہے۔ جو کافر کی رؤیا میں نہیں ہوتا۔ سوم مومن کی رؤیا مصفا اور روشن ہوتی ہے۔ بحالیکہ کافر کی رؤیا مصفا نہیں ہوتی۔ چہارم مومن کی رؤیا اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

جماعت کے واعظین کی صفات

یہ امر بہت ضروری ہے کہ ہماری جماعت کے واعظ تیار ہوں۔ لیکن اگر دُوسرے واعظوں اور ان میں کوئی امتیاز نہ ہو تو فضول ہے۔ یہ واعظ اس قسم کے ہونے چاہئیں۔ جو پہلے اپنی اصلاح کریں اور اپنے چلن میں ایک پاک تبدیلی کرکے دکھائیں، تاکہ ان کے نیک نمونوں کا اثر دُوسروں پر پڑے۔ عملی حالت کا عمدہ ہونا یہ سب سے بہترین وعظ ہے۔ جو لوگ صرف وعظ کرتے ہیں، مگر خود اس پر عمل نہیں، وُہ دوسروں پر کوئی اچھا اثر نہیں ڈال سکتے، بلکہ اُن کا وعظ بعض اوقات اباحت پھیلانے والا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ سُننے والے جب دیکھتے ہیں کہ وعظ کہنے والا خود عمل نہیں کرتا۔ تو وُہ ان باتوں کو بالکل خیالی سمجھتے ہیں۔ اس لیے سب سے اوّل جس چیز کی ضرورت واعظ کو ہے وُہ اُس کی عملی حالت ہے۔ دُوسری بات جو اُن واعظوں کے لیے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان کو صحیح علم اور واقفیت ہمارے عقائد اور مسائل کی ہو۔ جو کچھ ہم دُنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اس کو انھوں نے پہلے خود اچھی طرح پر سمجھ لیا ہو اور ناقص اور ادھورا علم نہ رکھتے ہوں کہ مخالفوں کے سامنے شرمندہ ہوں۔ اور جب کسی نے کوئی اعتراض کیا تو گھبرا گئے کہ اب اس کا کیا جواب دیں۔ غرض علم صحیح ہونا ضروری ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ ایسی قوت اور شجاعت پیدا ہو کہ حق کے طالبوں کے واسطے ان میں زبان اور دل ہو۔ یعنی پوری دلیری اور شجاعت کے ساتھ بغیر کسی قسم کے خوف و ہراس کے اظہارِ حق کے لیے بول سکیں اور حق گوئی کے لیے اُن کے دل پر کسی دولتمند کا تمول یا بہادر کی شجاعت یا حاکم کی حکومت کوئی اثر پیدا نہ کرسکے۔ یہ تین چیزیں جب حاصل ہوجائیں۔ تب ہماری جماعت کے واعظ مفید ہوسکتے ہیں۔

یہ شجاعت اور ہمت ایک کشش پیدا کرے گی کہ جس سے دل اس سلسلہ کی طرف کھچے چلے آئیں گے، مگر یہ کشش اور جذب دو چیزوں کو چاہتی ہے جن کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی۔ اوّل پورا علم ہو۔ دوم تقویٰ ہو۔ کوئی علم بدوں تقویٰ کے کام نہیں دیتا ہے اور تقویٰ بدوں علم کے نہیں ہوسکتا۔ سنّت اللہ یہی ہے۔ جب انسان پورا علم حاصل کرتا ہے، تو اسے حیا اور شرم بھی دامنگیر ہو جاتی ہے پس ان تینوں باتوں میں ہمارے واعظ کامل ہونے چاہئیں۔ اور یہ میں اس لیے چاہتا ہوں کہ اکثر ہمارے نام خطوط آتے ہیں۔ فلاں سوال کا جواب کیا ہے؟ فلاں اعتراض کرتے ہیں اس کا کیا جواب دیں؟ اب ان خطوط کے کس قدر جواب لکھے جاویں۔ اگر خود یہ لوگ علم صحیح اور پوری واقفیت حاصل کریں اور ہماری کتابوں کو غور سے پڑھیں تو وہ ان مشکلات میں نہ رہیں۔

ہماری جماعت کو عمل کی ضرورت ہے

یاد رکھو ہماری جماعت اس بات کے لیے نہیں ہے جیسے عام دنیا دار زندگی بسر کرتے ہیں۔ نرا زبان سے کہہ دیا کہ ہم اس سلسلہ میں داخل ہیں اور عمل کی ضرورت نہ سمجھی جیسے بدقسمتی سے مسلمانوں کا حال ہے کہ پوچھو تم مسلمان ہو؟ تو کہتے ہیں شکر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ مگر نماز نہیں پڑھتے اور شعائر اللہ کی حرمت نہیں کرتے۔ پس میں تم سے یہ نہیں چاہتا کہ صرف زبان سے ہی اقرار کرو اور عمل سے کچھ نہ دکھاؤ یہ نکمّی حالت ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا۔ اور دنیا کی اس حالت نے ہی تقاضا کیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اصلاح کے لیے کھڑا کیا ہے۔ پس اب اگر کوئی میرے ساتھ تعلق رکھ کر بھی اپنی حالت کی اصلاح نہیں کرتا اور عملی قوتوں کو ترقی نہیں دیتا بلکہ زبانی اقرار ہی کو کافی سمجھتا ہے۔ وہ گویا اپنے عمل سے میری عدمِ ضرورت پر زور دیتا ہے۔ پھر تم اگر اپنے عمل سے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ میرا آنا بے سُود ہے، تو پھر میرے ساتھ تعلق کرنے کے کیا معنے ہیں؟ میرے ساتھ تعلق پیدا کرتے ہو تو میری اغراض و مقاصد کو پورا کرو۔ اور وہ یہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حضور اپنا اخلاص اور وفاداری دکھاؤ اور قرآن شریف کی تعلیم پر اسی طرح عمل کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا اور صحابہ نے کیا۔ قرآن شریف کے صحیح منشا کو معلوم کرو اور اس پر عمل کرو۔ خدا تعالےٰ کے حضور اتنی ہی بات کافی نہیں ہوسکتی کہ زبان سے اقرار کرلیا اور عمل میں کوئی روشنی اور سرگرمی نہ پائی جائے یاد رکھو کہ وہ جماعت جو خدا تعالیٰ قائم کرنی چاہتا ہے۔ وہ عمل کے بدوں زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ وہ عظیم الشان جماعت ہے جس کی تیاری حضرت آدم کے وقت سے شروع ہوئی۔ کوئی نبی دُنیا میں نہیں آیا جس نے اس دعوت کی خبر نہ دی ہو پس اس کی قدر کرو اور اس کی قدر یہی ہے کہ اپنے عمل سے ثابت کرکے دکھاؤ کہ اہل حق کا گروہ تم ہی ہو۔

سچا ہادی خیانت نہیں کرسکتا

جو شخص خدا کی طرف سے مامور ہو کر آتا ہے اس کا فرض ہوتا ہے کہ وُہ اپنی جماعت کی کمزوری کو دُور کرے۔ سچا ہادی کبھی خیانت نہیں کرسکتا مگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس طرز اور چال پر کوئی چلے خواہ اس کی زندگی اللہ اور اس کے رسُول کے حکم کے خلاف ہی ہو وہ پروا نہ کرے، تو سمجھو کہ وہ خُدا کی طرف سے اصلاح کے لیے نہیں آیا۔ بلکہ شیطان اس کا محرک ہے۔ سچا ہادی جو دیکھتا ہے اس کی اصلاح کرتا ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ وہ کسی کی ذلت اور رُسوائی نہیں کرنا چاہتا، مگر مریض کے امراض کو شناخت کرکے ان کا علاج بتاتا ہے۔

خدمتِ دین بھی عمر بڑھاتی ہے

جو لوگ دین کے لیے سچا جوش رکھتے ہیں۔ اُن کی عمر بڑھائی جاوے گی اور حدیثوں میں جو آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت عمریں بڑھا دی جاویں گی۔ اس کے معنی بھی مجھے سمجھائے گئے ہیں کہ جو لوگ خادمِ دین ہوں گے اُن کی عمریں بڑھائی جاویں گی۔ جو خادم نہیں ہو سکتا وہ بڈھے بیل کی مانند ہیں۔ کہ مالک جب چاہے اُسے ذبح کر ڈالے۔ اور جو سچے دل سے خادم ہے۔ وُہ خُدا کا عزیز ٹھہرتا ہے اور اس کی جان لینے میں خدا تعالیٰ کو تردد ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ۔ (الرعد: ۱۸)۔[1]

---

۲۶ راگست ۱۹۰۲ء

آپ حج کیوں نہیں کرتے

شیخ ابو سعید محمد حسین بٹالوی کے خط کا جواب الحکم کی گذشتہ اشاعت میں بھی قدر بسط سے شائع ہو چکا ہے، لیکن اتمامِ حجت اور ایک نکتہ معرفت کے لیے اتنا اور عرض کرنا ضروری سمجھا ہے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب وہ خط پڑھا گیا۔ اور یہ اعتراض پیش کیا گیا کہ آپ کیوں حج نہیں کرتے؟ تو فرمایا کہ:

میرا پہلا کام خنزیروں کا قتل اور صلیب کی شکست ہے۔ ابھی تو مَیں خنزیروں کو قتل کر رہا ہوں بہت سے خنزیر مر چکے ہیں۔ اور بہت سے سخت جان ابھی باقی ہیں۔ اُن سے فرصت اور فراغت تو ہو لے۔

شیخ بٹالوی صاحب اگر انصاف سے کام لیں، تو اُمید ہے یہ لطیف جواب اغلب تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ کیوں شیخ صاحب ٹھیک ہے نا! پہلے خنزیروں کو قتل کریں؟

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۱ صفحہ ۵ تا ۸ پرچہ ۳۱ راگست ۱۹۰۲ء

بغیر تاریخ

ابتلا کی حالت میں خدا سے روٹھنا نہیں چاہیے

ایک دوست کو دشمنوں نے سخت تکلیف دی اور ان کی شکایتیں بھی افسرانِ بالادست سے کیں جن کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو وہاں سے تبدیل ہونا پڑا۔ انھوں نے اس کے متعلق دعا کے لیے عرض کیا کہ اس سے دشمن خوش ہوں گے یہ نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے متعلق جو فرمایا، اس کا خلاصہ یہ ہے:

"خدا کے ساتھ روٹھنا نہیں چاہیے اور خدا تعالیٰ کا شکوہ کرنا کہ اس نے ہماری نصرت نہیں کی سخت غلطی ہے۔ مومنوں پر ابتلا آتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ برس تک کیسی کیسی تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ طائف میں گئے تو پتھر پڑے۔ اس وقت جبکہ آپ کے بدن سے خون جاری تھا۔ آپ نے کیسا صدق اور وفا کا نمونہ دکھایا۔ اور کیا پاک الفاظ فرمائے کہ یا اللہ میں یہ سب تکلیفیں اس وقت تک اٹھاتا رہوں گا۔ جبتک تو راضی ہو۔ امتحان کا ہونا ضروری ہے۔ نبیوں اور صادقوں پر ابتلا آتے ہیں حضرت مسیح کو دیکھو کہ کیسا ابتلا آیا۔ اَیْلِی اَیْلِی لِمَا سَبَقْتَنِیْ۔ کہنا پڑا۔ یہودیوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا۔ غرض مومن کو گھبرانا نہیں چاہیے اور خدا سے روٹھنا نہیں چاہیے۔"

اس مضمون پر ایک لمبی تقریر حضرتِ اقدس نے فرمائی جس کا خلاصہ آپ ہی کے اشعار میں یہ ہے[1]:

صادق آں باشد کہ ایامِ بلا ۔۔۔ مے گذارد با محبت با وفا (الحکم)
گر قضا را عاشقے گردد اسیر ۔۔۔ بوسد آں زنجیر را کز آشنا

ڈائری سے اقتباس

تقویٰ سے اکرام ہوتا ہے

مولوی غلام حسن صاحب سب رجسٹرار پشاور سے تشریف لائے عند الملاقات حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:

"خدا کا شکر ہے کہ مولوی صاحب باوجود ہمارے سلسلہ میں شامل ہونے کے ہر دلعزیز ہیں۔"

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۲ صفحہ ۱۶ پرچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۰۲ء

اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور تقویٰ اور رزق حلال ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو معزز بناتی ہیں۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا:

حقیقت میں تقویٰ ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے انسان کا اکرام ہوتا ہے۔

طاعون کا ٹیکہ اور اسباب پرستی کی ممانعت

طاعون کے ٹیکہ کا ذکر تھا۔ اس کے متعلق ایک مبسوط اشتہار تقویۃ الایمان کے نام سے عنقریب شائع ہوتا ہے جو چھپ رہا ہے۔ وہ الحکم کی کسی اشاعت میں انشاء اللہ کامل طور پر چھپے گا۔ اسی ذکر کے اثناء میں اور اسی کے متعلق ایک لطیف بات فرمائی۔ کہ:

دیکھو ایک زمیندار ہے اس کی زمین بارانی ہے اور ایک دوسرا ہے جس نے رات دن محنت کرکے کنوئیں سے آبپاشی کی ہے اور اپنے کھیتوں کو بھر لیا ہے۔ مگر آسمان پر یکایک بادل ہوئے اور بارانی زمین والے تمام کھیت بھر گئے۔ اب دونوں میں سے زیادہ شکرگذار کون ہوگا؟ کیا وہ جس نے رات دن ایک محنت کرکے اپنے کھیت بھرے ہیں یا وہ جو آسمان کی طرف دیکھتا رہا ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ جو رات کو سویا ہوا تھا اور صبح اُٹھ کر دیکھا، تو کھیتوں کو لبالب پایا۔

اس طرح پر ٹیکہ کے متعلق ایک تو ہم ہیں کہ خدا تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ اور ایک وُہ ہیں جو اسی پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔

اسباب سے اللہ تعالیٰ نے منع تو نہیں فرمایا، مگر اس قدر محو فی الاسباب نہ ہونا چاہیئے کہ شرک کی حد تک پہنچ جاوے۔ اسباب سے جائز فائدہ اعتدال کی حد تک ضرور اُٹھانا چاہیے، مگر شرک فی الاسباب نہ ہونے پائے اور یہ شرک اسباب اسباب سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

ہزاروں ہزار مخلوق جانتی ہے کہ جب ٹیکا کرانے والوں کو فائدہ ہوگا۔ جیسا کہ ظاہر کیا گیا ہے، تو وُہ شخص کس قدر خوش ہوگا اور کتنا بڑا نشان ہوگا جو یہ کہے گا کہ اوروں کو ٹیکہ نے فائدہ کیا اور مجھ کو خُدا نے۔ وَ لَنِعْمَ مَا قِيْلَ۔ تُرا کشتی آورد ما را خدا۔

جس راہ پر ہم چلتے ہیں یہ مرحلہ دُور ہے۔ ہم اسباب کو چھوڑتے نہیں، لیکن اُن کو پوجتے بھی نہیں۔ خدا نے اپنے فضل سے ایک نشان دیا ہے۔ اس کی قدر کرتے ہیں۔ اگر وہ ہم پر ظاہر نہ کرتا تو کچھ بات نہ تھی۔ لیکن اب اس نشان کے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کی قدر کریں۔ ہر ایک شخص اپنے صدق ثبات

اور وقت کو دیکھ سے ہم کسی کو منع نہیں کرتے۔

اسباب پرستی، پتھر پرستی سے بڑھ کر ہے۔ پتھروں کی پوجا اگر محرقہ ہے، تو اسباب پرستی تپ دق ہے جس نے دُنیا کو ہلاک کر دیا ہے۔ یاد رکھو جو اسباب میں دل لگاتا ہے، وُہ شرک میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

الدّار والوں کی حفاظت کا تو ذمّہ خدا نے لے لیا ہے، مگر ایک دار تو وُہ ہے جو خس و خاشاک خاک کا بنا ہوا در و دیوار والا گھر ہے اور ایک وہ جو ہمارے منشاء کے موافق رُوحانی طور پر اپنی تبدیلی کرتا ہے۔ وُہ بھی ہمارے دار میں ہے۔

برکت کا نشان میرے پاس ایک شیشی مُشک کی ہے جس میں سے مَیں کھایا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کے سلسلہ کو منقطع کرنا نہیں چاہتا، تو جس طرح چاہے اس کو برکت دیدے۔ مَیں نے گھر والوں سے کہا کہ لاؤ اس شیشی کو میں برکت دیتا ہوں، چنانچہ مَیں نے اُس میں پھونک ماردی۔ ڈاک کے وقت فضلِ الٰہی ایک شیشی لایا۔ مَیں نے سمجھا کہ کوئی دوائی ہے اور رکھ دی۔ مگر فجر کو جب اسے کھول کر دیکھا، تو وہ مُشک نکلا۔ مَیں نے اس کو بُلا کر پُوچھا کہ کس نے بھیجی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ کاغذ گم ہوگیا اس شیشی پر بھی مُرسل و فرستندہ کا نام نہیں۔ یہ نمونہ خدا تعالیٰ نے برکت کا دیا ہے۔ مَیں نے گھر میں خود پھونک ماری اور دُوسرے دن وُہ شیشی آگئی۔ یہ خدا کے عجیب کام ہیں، جو آئے دن ظاہر ہوتے ہیں[1]۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

۳۰؍ستمبر ۱۹۰۲ء

رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ در اصل دونوں ایک ہی ہیں۔ آدم زاد کی پرستش کرنے میں کوئی ایک دوسرے سے ممتاز نہیں ہے۔ ایک بیٹے کی پرستش کرتا ہے تو دوسرا ماں کو بھی خدا بناتا ہے اور اس معاملہ میں وہ عقلمندی سے کام لیتا ہے جب بیٹا خُدا ہے، تو ماں تو ضرور خدا ہونی چاہیئے۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ انسان پرستی کا شہتیر ٹوٹ جاوے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۴ صفحہ ۱۵-۱۶ پرچہ ۱۷؍ستمبر ۱۹۰۲ء

اصل تبلیغ توکل علی اللہ سے ہوتی ہے

مفتی محمد صادق صاحب کو فرمایا جبکہ انہوں نے مسٹر ویب کا ایک خط سنایا کہ:

اُن کو لکھ دو کہ عمر گذرتی جاتی ہے جو کرنا ہے اب کر لو۔ دن بدن قویٰ کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ دس برس پہلے جو قویٰ تھے وہ آج کہاں ہیں؟ گذشتہ کا حساب کچھ نہیں۔ آئندہ کا اعتبار نہیں۔ جو کچھ کرنا ہو آدمی کو موجودہ وقت کو غنیمت سمجھ کر کرنا چاہیے۔ اب اسلام کی خدمت کر لو۔ اوّل واقفیت پیدا کرو کہ ٹھیک اسلام کیا ہے؟ اسلام کی خدمت جو شخص درویشی اور قناعت سے کرتا ہے۔ وہ ایک معجزہ اور نشان ہو جاتا ہے جو جمعیت کے ساتھ کرتا ہے اس کا مزا نہیں آتا، کیونکہ توکل علی اللہ کا پورا لطف نہیں رہتا اور جب توکل پر کام کیا جاوے تو خدا مدد کرتا ہے اور یہ باتیں روحانیت سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب روحانیت انسان کے اندر پیدا ہو تو وہ وضع بدل دیتا ہے۔ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح پر صحابہؓ کی وضع بدل دی۔ یہ سارا کام اس کشش نے کیا جو صادق کے اندر ہوتی ہے۔ یہ خیالات باطل ہیں کہ کئی لاکھ روپیہ ہو تو کام چلے۔ خدا تعالیٰ پر توکل کر کے جب ایک کام شروع کیا جاوے اور اصل غرض اس کے دین کی خدمت ہو تو وہ خود مددگار ہو جاتا ہے اور سارے سامان اور اسباب بہم پہنچاتا ہے۔

خواجہ کمال الدین صاحب

خواجہ کمال الدین صاحب کے ذکر پر فرمایا کہ

بڑے بیدار اور مخلص ہیں اور حقیقت میں مردانگی یہی ہے کہ جب تعلق پکڑے۔ تو آخر تک نبھاوے۔ یک در گیر و محکم گیر۔

بے نظیر مجلس اور تائیدِ اسلام

یہ مجلس خود اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی ہے جس میں بیٹھ کر خدا نظر آتا ہے۔ جو راستہ ہم صاف کرتے ہیں۔ مشرق مغرب میں کہیں چلے جاؤ کسی جگہ وہ بات نہیں ملے گی۔ کوئی ہفتہ ایسا نہیں گذرتا جب ایک یا دو باتیں اسلام کی تائید میں پیدا نہ ہوتی ہوں۔ (۳۰-۹-۱۹۰۲)

بلا تاریخ

سچے مذہب کے پیرو ؤں کیساتھ خدا ہوتا ہے

جو لوگ سچے مذہب کے پیرو ہوتے ہیں۔

خدا تعالیٰ ان ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اُن کے اور اُن کے غیروں میں ایک امتیاز ہوتا ہے۔ جو تائید وہ اسلام کی کرتا ہے، وہ دُوسروں کی نہیں کرتا۔ اسلام کا خدا اپنے کلام کے ساتھ ایک شرف عطا کرتا ہے جو اور کسی کو نہیں ملتا اور اس طرح پر وہ قدرت کے نشان دکھاتا ہے اور کوئی ان کا مقابلہ نہیں سکتا۔ ہاں باتیں بنانے والے بہت ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ عادت نہیں کہ انسان کے تابع ہو، بلکہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے تابع ہوں۔

بلا تاریخ

آج ہمیں کوئی دکھائے کہ اسلام کے سوا کونسا مذہب ہے جو اللہ اور اس کی مخلوق کے لیے پاک ہدایت کرتا ہے۔

بلا تاریخ

دُنیا کی بے ثباتی اور مصائب

دُنیا ایسی ہے کہ یہ آرام کی جگہ نہیں، بلکہ ایک خارستان ہے۔ خوشی کی جگہ نہیں۔ اس کے ساتھ آلام و اسقام لگے ہوتے ہیں۔ ہمارے خاندان میں پچاس کے قریب آدمی تھے۔ وہ قریباً سب کے سب خاک کے نیچے چلے گئے۔ بچوں بیویوں میں ابتلا آتے ہیں۔ اس سے بھی انسان کو سبق ملتا ہے۔ اس پر دُنیا کی بے ثباتی اور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ انسان چونکہ دو محبتوں کا مجموعہ ہے، کیونکہ انسان اصل میں اُنسان ہے۔ اس لیے اُنس، شفقت کا مادہ زیادہ ہے۔ اگر اس میں یہ قوتیں نہ ہوتیں تو پھر بچوں اور دوسرے کمزور لوگوں کی پرورش کیونکر کرتا؟ حقوق کا ادا کرنا، دوستی کے تعلقات یہ سب اُنس کو چاہتے ہیں۔

دوستوں کے لیے فکر و غم

اس طرح پر میں دیکھتا ہوں کہ جس قدر یہ سلسلہ بڑھتا جاتا ہے اس قدر میرے تعلقات بڑھتے جاتے ہیں اور متعلقین کا غم اور فکر بڑھ رہا ہے اور ہر روز کسی نہ کسی عزیز یا دوست کی تکلیف کی کوئی نہ کوئی خبر آجاتی ہے تو میں اس سے سخت کرب اور بے آرامی میں رہتا ہوں اور بعض وقت تو یہاں تک حالت ہوتی ہے کہ نیند بھی نہیں آتی۔ یہ سچی بات ہے کہ جس قدر تعلقات بڑھتے ہیں اسی قدر غم اور فکر بڑھتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال لکھتے ہیں

کہ وُہ کہتے ہیں کہ مَیں بڑا خوش ہوں، کیونکہ بے تعلق ہوں مگر یہ کوئی فضیلت اور خُوبی نہیں ہے۔ اس سے اخلاق کے سارے شعبے مکمل نہیں ہوتے۔ یہ نقص کی بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گیارہ بچے مرے تھے آپ نے جو ثبات قدم اور رضا بالقضا کا کامل نمونہ دکھایا کسی اور کی زندگی میں کہاں ملتا ہے[1]؟

یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء

صُبح کی سیر

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول حلقہ خدام میں سیر کو نکلے۔ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے ایک مختصر سا نظر فریب (؟) اپنی جدید تصنیف کا (جو سائیں مہرشاہ گولڑوی کے متعلق آپ لکھ رہے ہیں) سُنانا شروع کیا جس میں سائیں جی کے سرقہ مضمون کُشتہ اعجاز المسیح محمد حسن بھیں اور اعجاز المسیح کا جواب باوجود سرقہ مضامین کے اُردو زبان میں بشکل سیف چشتیائی لکھنے سے سائیں جی کی قلعی کھولی ہے کہ اس سے وُہ الزام بھی سائیں جی پر قائم ہو گیا کہ عربی تفسیر نویسی کی دعوت میں واقعی لاجواب ہو گیا تھا۔ اور اُسے کوئی قوت اور قابلیت نہیں جو حضرت مسیح موعود کے مقابلہ میں آتا، ورنہ کیا وجہ ہے کہ اعجاز المسیح کا جواب اُردو میں لکھا حالانکہ خانہ نشین ہو کر لکھا ہے۔ بہرحال یہ لطیف اور ملیح دیباچہ سنایا گیا۔

وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر: ۵)

شہر سے باہر نکلتے ہی اونٹوں کی ایک قطار کھڑی تھی۔ آپؑ نے ان کو دیکھ کر فرمایا، کہ یہ بعینہٖ ریل گاڑی کی طرح ایک سلسلہ ہے اور کوئی جانور نہیں جس کو آگے پیچھے اس طرز سے باندھیں۔ گاڑیاں بھی اسی طرح باندھی جاتی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے اس قدر فرمایا تھا۔ خاکسار ایڈیٹر اس کو وسیع کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر بات کا سلسلہ اور نہ چلا دیا جاتا تو امید تھی کہ اس نقطہ پر بات آجاتی کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ کی پیشگوئی پوری ہو گئی ہے۔ خصوصاً یہ نظارہ عرب میں اور بھی زیادہ حیرت انگیز اور مسرت بخش ہو گا۔ جبکہ ان جنگلوں اور ریگستانوں میں جہاں یہ جہاز بیابان چلا کرتا تھا۔ اب اس جگہ ریل گاڑی چلتی نظر آتے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۲۳ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ جون ۱۹۰۲ء

گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوتی دکھائی دے گی۔

دو دھاری تلوار

گولڑوی کی کتاب سیفِ چشتیائی کے متعلق فرمایا کہ:

اس نے دوہرا کام کیا۔ فیضی کی موت کا ہماری پیشگوئی کے موافق ہونا اس سے ثابت ہوگیا۔ اور گولڑوی کی پردہ دری ہوگئی۔ اگر فیضی زندہ ہوتا تو ممکن تھا کہ وہ اصلاح کرتا۔ یا اس ارادہ سے ہی باز آجاتا۔ مگر موت نے پیشگوئی کے موافق اُسے آلیا اور گولڑوی اس کی کچی ہانڈی کھانے بیٹھ گیا اور نہ خیال کیا کہ اس کی ہر بات کی خود بھی تو تحقیق کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی پردہ دری کرائی۔ اور محمد حسن کی بھی۔

مسیح علیہ السلام بن باپ تھے

حضرت مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نے انبالہ سے آئے ہوئے ایک خط کا تذکرہ کیا۔ کہ کشتی نوح کے اس حصہ کو پڑھ کر جو الحکم میں شائع ہوا ہے۔ انبالہ سے ایک مخلص دوست لکھتے ہیں کہ مسیح کے بھائی بہنوں کا جو حضرت اقدس نے ذکر کیا ہے۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یوسف گویا مسیح کا باپ بھی تھا؟ فرمایا:

ہم مسیح کو بن باپ پیدا ہوا مانتے ہیں اور ہماری کتابوں۔ رسالوں اور اخبار کی بہت سی تحریروں میں لکھا جا چکا ہے۔ اور ہم اس بات کو کیا کریں کہ یہ تاریخی غلطی مسلمانوں میں پیدا ہوتی ہے جو صحیح تاریخ سے ثابت ہے کہ مریم کا یُوسف کے ساتھ نکاح ہوگیا تھا۔ اور پھر اس سے اولاد بھی ہوئی تھی۔ ہم نے تو اس اولاد کا ذکر کیا ہے اور اسی قسم کی غلطی واقعہ صلیب کے متعلق ہے۔ مسیح کو صلیب دیئے جانے کے دردناک قصے موجود ہیں۔ اور ان علما کے نزدیک وُہ چھت پھاڑ کر اُڑ گئے۔ اب اس میں کس کا قصور ہے۔ یہ تو ان کو بالکل خدا بنانا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بشریت ان کے پاس نہ آجاوے۔

اور ایسا ہی حضرت مریم کو ساری عمر بتول ٹھہراتا کہ انہوں نے نکاح نہیں کیا۔ بڑی غلطی ہے۔ ان تاریخی اُمور سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ مسیح کی نسبت ہمارا یہی مذہب ہے کہ وُہ بن باپ پیدا ہوئے۔

مریم علیہا السلام۔ محصنہ ہونے کی حقیقت

مولوی مبارک علی صاحب نے عرض کیا کہ حضور اس امر کی تائید میں کہ مریم علیہا السلام نے ساری عمر نکاح نہیں کیا۔ یہ دلیل پیش کرتے ہیں۔ کہ قرآن میں آیا ہے۔ وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (الانبیاء: ۹۲)

محصنات تو قرآن شریف میں خود نکاح والی عورتوں پر بولا گیا ہے۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۵) اور اَلَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا کے معنے تو یہ ہیں۔ کہ اس نے زنا سے اپنے آپ کو

مختار رکھا۔ یہ کہاں سے نکلا کہ اس نے ساری عمر نکاح ہی نہیں کیا۔

مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

مسیح کے اٰیۃُ اللہ ہونے میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے وہ اٰیۃ اللہ ہی ہوتا ہے۔ براہین احمدیہ میں مجھے مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے۔ وَلِنَجْعَلَکَ اٰیَۃً۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیت تھے۔ مسیح کی کوئی خصوصیت اس میں نہیں۔ عُزیر بھی اٰیۃُ اللہ تھے۔

مخالفوں کی طرف سے ہمارا حصّہ

ان مخالفوں کی طرف سے ہمارے حصّہ میں تو گالیاں ہی آئی ہیں۔ اب اس رسالہ کشتیٔ نوح کو پڑھ کر بھی بہت سی باتیں بنائیں گے اور گالیاں دیں گے۔ کوئی فریبی اور مکار کہے گا کوئی کچھ۔

محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء

ابن مریم پر فضیلت کے دعویٰ کو یہ لوگ بڑی بُری نگاہ سے دیکھتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کی صریح وحی سے مجھے معلوم کرایا گیا ہے کہ محمدی سلسلہ کا خاتم الخلفاء موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر ہے اور غور کر کے دیکھ لو ہر ایک بات اس سلسلہ کی موسوی سلسلہ سے بڑھی ہوئی ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام صرف بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُل دُنیا کے لیے مبعوث ہوئے اور فرمایا گیا۔ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (الانبیاء: ۱۰۸) پھر آپ کی تائیدات موسیٰ علیہ السّلام کی تائیدات سے بڑھ کر۔ آپ کے اعجازی نشان بڑھ کر۔ آپ کو جو کتاب دی گئی، وہ موسیٰ کی کتاب سے بڑھ کر۔ ہمیشہ کے لیے۔ غرض کُل سامان بڑھ کر۔ کامیابیاں بڑھ کر۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس سلسلہ کا خاتم الخلفاء۔ موسوی سلسلہ کے خاتم الخلفاء سے بڑھ کر نہ ہو؟ ہم ایسے نبی کے وارث ہیں جو رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ (سبا: ۲۹) کے لیے رسُول ہو کر آیا۔ جس کی کتاب کا خدا محافظ اور جس کے حقائق و معارف سب سے بڑھ کر ہیں۔ پھر ان معارف اور حقائق کو پانے والا کیوں کم ہے؟

پھر وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ (الجمعۃ: ۴) جو فرمایا گیا ہے یہ مسیح موعود کے زمانہ کے لیے ہے اور اس کے منھم کے وہی معنی ہیں جو اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ میں مِنْکُمْ سے مراد ہے۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وُہ گروہ بھی صحابہ ہی کا گروہ ہے حضرت عیسیٰ کے لیے یہ کہاں؟

اور پھر حضرت عیسیٰ اگر اسی شان سے آتے جس شان سے وہ پہلے آئے تو وہ کام نہ کر سکتے جو

مسیح موعودؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ٹھہرایا ہے۔ اُن کا دائرہ بہت تنگ اور چھوٹا تھا۔ اور مسیح موعود کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ ان سب اُمور پر جب نگاہ کی جاوے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعود (مسیح محمدی) ابنِ مریم (مسیح موسوی) سے بڑھا ہوا ہے۔ اور خود عیسائیوں نے بھی مسیح کی آمدِ ثانی کو پہلی آمد کے مقابلہ میں بڑھ کر مانا ہے۔

خدا تعالیٰ کا ایک احسان

خدا تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ انگریزوں کی سلطنت میں ہمیں پیدا کیا، ورنہ اگر اسلامی سلطنت ہوتی، تو ان مولویوں ہی کے قابو میں ہوتی۔ جو قتل کے فتوے اور کفر کے فتوے دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انگریزوں کو بھیج دیا۔ جنھوں نے کُل مذاہب کو آزادی دیدی۔ اور ہمارے لیے مُلک بھی چُن کر مقرر کیا۔ کُل مذاہب کی کھچڑی جہاں موجود ہے۔ ہم یہاں وُہ کام کر سکتے ہیں، جو مکہ مدینہ میں ہرگز نہ سکتے۔

لوگ کہتے ہیں کہ ہم انگریزوں کی خوشامد کرتے ہیں۔ بلکہ ہم هَلْ جَزَآءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ۔ (الرحمان: ۶۱) پر عمل کرتے ہیں۔ خوشامد وہ کرتے ہیں جو اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ مانتے اور سُلطان روم کے لیے امیرالمومنین ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں اور پھر دل میں کچھ رکھتے ہیں اور زبان سے کچھ کہتے ہیں۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں اور کرتے ہیں۔ وُہ خدا تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کے لیے اور وہ محض خوشامد اور نفاق ہے۔

(اس قدر بیان فرما کر پھر حضرت تشریف لے گئے)

نمازِ ظہر اور عصر کے وقت کوئی بات قابلِ نوٹ نہیں۔ حضرت حجۃ اللہ علی الارض تشریف لائے اور بعد ادائے نماز تشریف لے گئے۔[1]

یکم اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

حسبِ معمول حضرت امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام بعد ادائے نماز مغرب شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ خُدام ایک دُوسرے سے پہلے جگہ لینے کے لیے گرے پڑتے تھے۔ آخر جب سب اپنی اپنی جگہ جہاں

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۰-۱۱ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء

کسی کوبلی بیٹھ گئے۔ تو حضرت حجۃ اللہ نے کشتی نوح کی اشاعت کے متعلق فرمایا کہ

اُمید ہے جمعہ تک اشاعت ہو جائیگی۔

اور پھر انگریزی سلطنت کے متعلق قریباً وہی گفتگو فرمائی جو صبح کی سیر میں فرمائی تھی۔ ہاں اتنا اضافہ اور کیا کہ:

چونکہ مسیح ابن مریم کے ساتھ ہمیں مشابہت ہے۔ اُن کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَاٰوَیْنٰھُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِیْنٍ۔ (المومنون: ۵۱) یعنی واقعہ صلیب کے بعد ان کو ایک اُونچے ٹیلہ پر جگہ دی۔ جہاں آرام کی جگہ اور پانی کے چشمے تھے۔ اصل یہ ہے کہ اس جگہ یعنی واقعاتِ مسیح ابن مریم میں تو صرف ظل تھا اور یہاں اصل ہے۔ ہم کو ایسی جگہ پناہ دی جہاں یہودیوں کا بس نہیں چل سکتا۔ یعنی سلطنتِ انگلیشیہ کے ماتحت۔ اب یہاں یہودی حملہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے لیے یہ پناہ کی جگہ ہے۔ اور حقائق و معارف کے چشمے یہاں بہ رہے ہیں۔

اتنے میں آسمان پر مغرب کی طرف سے ایک غبار سا اُٹھا۔ کبھی کبھی اس آندھی میں بجلی کے کوندنے کی چمک بھی نظر آتی تھی۔ بعض احباب نے چاہا کہ نیچے چلیں۔ حضور نے فرمایا:

دیکھ لو جو امر آسمان پر ہوتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔

جناب میر صاحب نے عرض کی کہ حضور غور کر کے دیکھا جاوے تو پہلے زمانہ کی نسبت خدا کا فضل اب بہت زیادہ ہے۔ فرمایا:

وہ زمانہ اس آخری زمانہ کا نمونہ تھا اور بطور ارہاص تھا۔ صوفیوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم عصائے موسیٰ کا قائمقام تھا جو مذاہبِ مخالفہ کو کھانے والا ہے اور حقیقت بھی یونہی ہے۔ قرآن شریف کے مقابل پر کوئی کتاب نظر نہیں آتی۔

مولوی عبدالکریم صاحب کی ایک رویا۔

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنی ایک رؤیا سنائی کہ مَیں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سیالکوٹ کے بازار میں ایک آریہ بڑے کلّے ٹھلے والا وعظ کرتا ہے۔ اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ وید کی دعاؤں کی طرف توجہ کرو۔ مجھے یہ سُنکر جوش اور غیرت آئی اور مَیں نے کہا بیشک وید میں دُعائیں تو ہیں، مگر اُن کی قبولیت اور مستجاب الدعوت لوگوں کی علامات کا کوئی نشان بتاؤ۔ وید میں کہاں ہے۔ اس پر وہ بہت ہی چھوٹا سا ہو گیا۔ یہ خواب مبارک اور آریہ پر فتح کی دلیل ہے۔

فرمایا:

حقیقت میں خدا سے بے نصیب جانا ہی بڑا بھاری دوزخ ہے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

حکایتے ست کہ از روزگار ہجران است

اصل یہ ہے کہ جب انسان دُنیا کو مقدم کر لیتا ہے خواہ جان و مال کے لیے یا دولت و ملوک کے لیے پھر اس کو دین کی طرف آنا مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن جن لوگوں نے دین کو طلب کیا ہے۔ وُہ اس مقام پر اس وقت تک نہیں پہنچے جب تک انھوں نے اللہ تعالیٰ کو مقدم نہیں کر لیا۔ اور منقطعین اور مُتبتّلین میں داخل نہیں ہوئے۔

شعر

سخن ازنست کہ ما بے تو نخواہیم حیات
بشنو اے پیک سخن گیر و سخن باز رساں

قرآن شریف نے جو کہا ہے۔ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ (البقرہ: ۱۸۷) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُعا کا جواب ملتا ہے پس وید کی دُعائیں بے ثمر ہیں، جن کا کوئی جواب نہیں ملتا۔ بلکہ ساری دُعائیں اُلٹی ہی پڑتی ہیں۔

مسیح کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ آج میں تعبیر الرؤیا پڑھ رہا تھا۔ ایک مقام پر مجھے بہت ہی لطف آیا۔ لکھا ہے کہ اگر کوئی حضرت عیسٰی کو خواب میں دیکھے۔ تو وہ دلالت کرتا ہے کہ نقل مکان کرے گا۔ (ایڈیٹر: علم تعبیر الرؤیا کی رُو سے یہ کیسا عجیب استدلال ہے۔ اس امر پر کہ مسیح اپنے ملک سے کشمیر میں منزور آئے۔ خصوصًا ایسی حالت میں کہ قرآن اور حدیث ان کی مؤید ہوں۔)

مفتی محمد صادق صاحب آج کل ایک کتاب سُنا رہے ہیں۔ جو داستانِ مسیح کہنی چاہیے۔ اس میں واقعہ صلیب کو نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔ اور ان امرار سے پتہ لگتا ہے جو مسیح کے صلیب پر سے زندہ اُتار لیے جانے کے مؤید ہیں۔ مفتی صاحب نے عرض کی کہ حضور میں اس کو دیکھ رہا تھا۔ ایک مقام پر لکھا ہے۔ کہ جب مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا حکم ہو چکا۔ اور پیلاطوس اور اس کی بیوی کے چھوڑ دینے کی تدابیر میں کامیابی نہ ہوئی۔ تو پیلاطوس کی بیوی نے کہا کہ ہمیں عملی تدابیر میں لگ جانا چاہیے اور اس کے بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس کے بعد آندھی کا زور بڑھ گیا اور بارش کا اندیشہ ہوا۔ اس لیے نماز عشاء ادا کر لی گئی اور جلسہ برخاست ہوا۔

۱۲؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

آج حضرت صاحبزادہ بشیرالدین محمود سلمہ اللہ تعالیٰ کی بارات رڑکی کو قادیان سے علی الصباح روانہ ہوئی۔ اس بارات میں حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب اور جناب مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب اور جناب سید السادات میر ناصر نواب صاحب اور آپ کے صاحبزادہ میر محمد اسمٰعیل صاحب اور ڈاکٹر نور محمد صاحب اور صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی اور مفتی محمد صادق صاحب تھے۔ راہ میں مسنون طریق پر جناب میر ناصر نواب صاحب کو امیر قافلہ بنایا گیا۔ اسی روز عشاء کی نماز رڑکی میں ادا کی گئی۔ جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب جن کے ہاں بارات جانی تھی، اسٹیشن ریلوے رڑکی پر معہ اپنے دوستوں کے استقبال کے لیے تشریف لاتے اور تمام لوازمات تواضع جو ہونے چاہیے تھے۔ نہایت خندہ پیشانی اور شرح صدر سے ادا کیے۔

موت سے عبرت حضرت اقدس حسب معمول وقت مقررہ پر سیر کو نکلے۔ ابتدائے گفتگو میں فرمایا:

ہزار ہا بدبخت لوگوں سے قبریں بھری پڑی ہیں۔ ہزاروں نامراد بادشاہ ان میں ہیں۔ ہزاروں ہی بے نصیب اُن میں پڑے ہیں۔ انسان اگر اپنے ہی خاندان کی موت پر قیاس کرے تو عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ عمر کا سلسلہ اپنے خاندان سے معلوم کر سکتا ہے۔ بعض خاندان ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی عمریں پچاس تک پہنچتی ہیں۔ ناگپور اور ممالک متوسطہ کی طرف عمریں بہت ہی چھوٹی ہوتی ہیں۔ اس طرف بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض خاندانوں کی عمریں چھوٹی ہیں۔ اصل یہ ہے کہ یہ بھید کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ انگریز محقق ناحق ٹکریں مارتے پھرتے ہیں کہ زمینداروں کی عمریں زیادہ ہوتی ہیں۔ یا دماغی محنت کرنے والوں کی۔ یہ صرف خیالی باتیں ہیں۔

انسان کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ بعض حیوانات کی عمریں بہت بڑی ہوتی ہیں۔ مثلاً کچھوہ کی عمر پانچ ہزار برس تک ہوتی ہے۔ اس لیے اس کو عربی میں غیلم کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ گویا ہمیشہ ہی جوان رہتا ہے۔ سانپ کی عمر بھی بڑی ہوتی ہے۔ ہزار ہزار برس تک۔

مرضیٔ مولیٰ

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

خدا تعالیٰ جس کام کو کرنا چاہتا ہے وُہ ہو کر رہتا ہے۔ چاروں طرف سے ایسے اسباب جمع ہوتے ہیں اور ایسا زور اور دباؤ آ کر پڑتا ہے کہ آخر وہ کام ہو ہی جاتا ہے۔ بڑے بڑے راجے مہاراجے جو بعض اوقات مُسلمان ہوتے۔ خدا تعالےٰ کی مرضی اِسی طرح پر تھی۔ چاروں طرف سے ایسا زور آ کر پڑا کہ بجز اسلام کے چارہ نہ رہا۔

خُدا کی مہلت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے

مذہب ایک ایسی چیز ہے کہ مختلف مذہب کے لوگ یک جا جمع نہیں ہو سکتے۔ سُنّتہ اللہ کا نہ سمجھنا بھی ایک زہر ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ بعض وقت بلا کو ہم ٹلا دیتے ہیں، تو انسان بیباک ہو کر کہتا ہے کہ بلا ٹل گئی اور پھر شوخیاں کرنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ پکڑتا ہے اور ہلاک کر دیتا ہے۔ پس اگر طاعون کم ہو جاوے تو اس سے دلیر نہیں ہونا چاہیے۔ خُدا تعالیٰ کی مہلت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔

مسیح موعود کے وقت میں وَبا کا پھیلنا عیسائیوں اور مُسلمانوں کے نزدیک تو مسلّم ہی ہے۔ ہندو بھی مانتے ہیں کہ آخری دنوں میں ایک وَبا ہوگی اور اس وقت آنے والے کا نام رودرگوپال ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرقوں میں جیسے آخری دنوں میں ایک موعود کے آنے کا عقیدہ مشترک ہے ویسے ہی یہ بھی مانا گیا ہے کہ اس وقت وبا پڑے گی۔

آدابِ دُعا

پس دُعاؤں سے کام لینا چاہیے اور خدا تعالیٰ کے حضور استغفار کرنا چاہیے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ غنی بے نیاز ہے۔ اس پر کسی کی حکومت نہیں ہے۔ ایک شخص اگر عاجزی اور فروتنی سے اس کے حضور نہیں آتا وہ اس کی کیا پرواہ کر سکتا ہے۔ دیکھو اگر ایک سائل کسی کے پاس آ جاوے اور اپنا عجز اور غربت ظاہر کرے، تو ضرور ہے کہ اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ سلوک ہو۔ لیکن ایک شخص جو گھوڑی پر سوار ہو کر آوے اور سوال کرے اور یہ بھی کہے کہ اگر نہ دو گے تو ڈنڈے ماروں گا۔ تو بجز اس کے کہ خود اس کو ڈنڈے پڑیں اور اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ خُدا تعالیٰ سے اَڑ کر مانگنا ہے اور اپنے ایمان کو مشروط کرنا بڑی بھاری غلطی اور ٹھوکر کا موجب بنے۔ دُعاؤں میں استقلال اور صبر ایک الگ چیز ہے اور اَڑ کر مانگنا اور بات ہے۔ یہ کہنا کہ میرا فلاں کام اگر نہ ہوا تو میں انکار کر دوں گا یا یہ کہہ دُوں گا یہ بڑی نادانی اور شرک ہے اور آداب الدُّعا سے ناواقفیت ہے۔ ایسے لوگ دُعا کی فلاسفی سے ناواقف ہیں۔ قرآن شریف میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ ہر ایک دُعا تمہاری مرضی کے موافق میں قبول کروں گا۔ بیشک یہ ہم مانتے ہیں

کہ قرآن شریف میں لکھا ہوا ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) لیکن ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ اسی قرآن شریف میں یہ بھی لکھا ہوا ہے۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (البقرہ : ۱۵۶) الآیۃ۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ میں اگر تمہاری مانتا ہے تو لَنَبْلُوَنَّکُمْ میں اپنی منوانی چاہتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا احسان اور اس کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندہ کی بھی مان لیتا ہے، ورنہ اُس کی الوہیت اور ربوبیت کی شان کے یہ ہرگز خلاف نہیں کہ اپنی ہی منوائے۔

وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ جو فرمایا۔ تو اس مقام پر وہ اپنی منوانا چاہتا ہے۔ کبھی کسی قسم کا خوف آتا ہے اور کبھی بھوک آتی ہے۔ اور کبھی مالوں پر کمی واقع ہوتی ہے۔ تجارتوں میں خسارہ ہوتا ہے اور کبھی ثمرات میں کمی ہوتی ہے۔ اولاد ضائع ہوتی ہے اور ثمرات برباد ہو جاتے ہیں اور نتائج نقصان دہ مرتب ہوتے ہیں۔ ایسی صورتوں میں خدا تعالیٰ کی آزمائش ہوتی ہے۔ اُس وقت خدا اپنی شانِ حکومت دکھانا چاہتا ہے اور اپنی منوانا چاہتا ہے۔ اس وقت صادق اور مومن کا یہ کام ہوتا ہے کہ وہ نہایت اخلاص اور انشراح صدر کے ساتھ خُدا کی رضا کو مقدم کر لیتا ہے اور اس پر خوش ہو جاتا ہے۔ کوئی شکوہ اور بدظنی نہیں کرتا۔ اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (البقرہ : ۱۵۶) پس صبر کرنے والوں کو بشارت دو۔ یہ نہیں فرمایا کہ دُعا کرنیوالوں کو بشارت دو، بلکہ صبر کرنے والوں کو۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اگر بظاہر اپنی دعاؤں میں ناکامی دیکھے تو گھبرا نہ جاوے بلکہ صبر اور استقلال سے خدا تعالیٰ رضا کو مقدم کرے۔ اہل اللہ کو نظر آ جاتا ہے کہ یہ کام ہونہار ہے پس جب وہ یہ دیکھتے ہیں تو دُعا کرتے ہیں؛ ورنہ قضا و قدر پر راضی رہتے ہیں۔ اہل اللہ کے دو ہی کام ہوتے ہیں۔ جب کسی بلا کے آثار دیکھتے ہیں تو دُعا کرتے ہیں، لیکن جب دیکھتے ہیں کہ قضا و قدر اس طرح پر ہے، تو صبر کرتے ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچوں کی وفات پر صبر کیا۔ جن میں سے ایک بچہ ابراہیم بھی تھا۔

بلکہ خدا تعالیٰ نے یہ دو قسمیں رکھ دی ہیں اور یہ اس کی سُنّت ٹھہر چکی ہے اور یہ بھی اس نے فرمایا ہے۔ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبْدِیْلًا (الفتح : ۲۴) پھر کس قدر غلطی ہے جو انسان اس کے خلاف چاہے۔ مَیں نے بار بار بتایا ہے کہ انسان نے خُدا کے ساتھ دوستانہ معاملہ رکھا ہے۔ کبھی ایک دوست دُوسرے کی مان لیتا ہے اور کبھی اپنی منواتا ہے۔ اور دُعا بندہ اور خدا میں بھاجی کی طرح ہیں۔ اگر انسان یہ سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کمزور رعایا کی طرح ہر بات مان لے۔ تو یہ نقص ہے۔ ماں بھی بچہ کی ہر بات نہیں مان سکتی۔ کبھی بچہ آگ کی انگاریاں مانگتا ہے۔ تو وہ کب دیتی ہے۔ یا مثلاً آنکھیں دُکھتی ہوں تو اُسے زِنک یا اور کوئی دوا ڈالنی ہی پڑتی ہے اس طرح پر بندہ چونکہ تکمیل کا محتاج ہے۔ اُسے ماروں

کی ضرورت ہے تاکہ وہ صدق و صفا اور ثبات میں کامل ثابت ہو۔

پھر دُعا کرانے والے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صابر ہو۔ جلد باز نہ ہو۔ جو ذرا سی بات پر ورغلانے کو تیار رہے۔ پس وہ کیا فائدہ اٹھائے گا۔ اسے تو چاہیے کہ صبر کے ساتھ انتظار کرے۔ اور حُسنِ ظن سے کام لے۔

جب خدا تعالیٰ نے لَنَبْلُوَنَّكُمْ فرمایا ہے، تو صبر کرنے والوں کے لیے بشارت دی اور اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ بھی فرمایا۔ میرے نزدیک اس کے یہی معنی ہیں کہ قبولیت دُعا کی ایک راہ نکال دیتا ہے۔ حکام کا بھی یہی حال ہے کہ جس پر ناراض ہوتے ہیں اگر وہ صبر کے ساتھ برداشت کرتا اور شکوہ اور بدظنی نہیں کرتا تو اسے ترقی دیدیتے ہیں۔ قرآن شریف سے صاف پایا جاتا ہے کہ ایمان کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ ابتلا آویں۔ جیسے فرمایا۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت: ۳) یعنی کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ صرف اٰمنّا کہنے سے چھوڑے جائیں اور وہ فتنوں میں نہ پڑیں۔

انبیاء علیہم السلام کو دیکھو۔ اوائل میں کس قدر دُکھ ملتے ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف دیکھو کہ آپ کو مکی زندگی میں کس قدر دُکھ اٹھانے پڑے۔ طائف میں جب آپ گئے تو اس قدر آپ کے پتھر مارے کہ خون جاری ہو گیا۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ کیسا وقت ہے۔ مَیں کلام کرتا ہوں اور لوگ منہ پھیر لیتے ہیں اور کہا کہ اے میرے رب! میں اس دُکھ پر صبر کروں گا جبتک کہ تو راضی ہو جاوے۔

اولیاء اور اہل اللہ کا یہی مسلک اور عقیدہ ہوتا ہے۔ سید عبدالقادر جیلانیؒ لکھتے ہیں کہ عشق کا خاصہ ہے کہ مصائب آتے ہیں۔

اُنہوں نے لکھا ہے۔ ؎

عشقا! برآ! تو مغز گرداں خوردی
با شیر دلاں چہ رستی ہا کردی
اکنوں کہ بما روئے نبرد آوردی
ہر حیلہ کہ داری بکنی نامردی

مصائب اور تکالیف پر اگر صبر کیا جاوے اور خدا تعالیٰ کی قضا کے ساتھ رضا ظاہر کی جاوے تو وہ مشکلکشائی کا مقدمہ ہوتی ہے۔

ہر بلا کیں قوم را او دادہ است
زیر آں یک گنج ہا بنہادہ است

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تکالیف کا نتیجہ تھا کہ مکہ فتح ہوگیا۔ دُعا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ شرط باندھنا بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ جن مقدس لوگوں نے خدا کے فضل اور فیوض کو حاصل کیا۔ انہوں نے اس طرح حاصل کیا کہ خدا کی راہ میں مر مر کر فنا ہو گئے۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ جو دس دن کے بعد گمراہ ہو جانے والے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے نفس پر خود گواہی دیتے ہیں جبکہ لوگوں سے شکوہ کرتے ہیں۔ کہ ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔

ہم لوگوں کی شامت اعمال کو روک نہیں سکتے۔ وہ لوگ نامراد رہیں گے۔ جو ولی اور مامور کا یہ معیار ٹھہراتے ہیں کہ اس کی ہر دُعا اسی طرح قبول ہو جائے گی جس طرح وہ چاہتے ہیں۔ اور جو ولی یا مامور ہونے کا مدعی ایسا دعویٰ کرے وہ بھی کذاب ہے۔ حضرت یعقوبؑ چالیس برس تک دُعا کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ آپؐ کی مکی زندگی میں مصائب بڑھتے رہے۔ کیا آپؐ دُعا نہ کرتے ہوں گے؟ جو لوگ آسمانی علوم سے ناواقف ہیں وہ ان اسرار کو نہیں سمجھ سکتے۔ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور وہ اندھا ہوگیا۔ اس نے کہا کہ اسلام میرے لیے مبارک نہیں، اس لیے مُرتد ہوگیا۔ ایسے لوگ محروم رہ جاتے ہیں۔ میں نے ایک جگہ دیکھا ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ فتوحات کے لیے دعا کرتے تھے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تیرے لیے شہادت مقدر ہے اگر تو صبر نہ کرے گا تو اخیار ابرار کے دفتر سے تیرا نام کٹ جائے گا۔

نماز بھی ظہر ہی سے شروع ہوتی ہے جو زوال کا وقت ہے۔ یہاں تک کہ غروب تک بالکل تاریکی میں جا پڑتا ہے اور رات میں دُعائیں کرتا ہے۔ یہاں تک کہ صبح میں سے جا حصّہ لیتا ہے۔ نماز کی تقسیم بھی بتاتی ہے کہ خدا نے اس تقسیم میں ایک صبح اور باقی چار ایسی رکھی ہیں جو تاریکی سے حصّہ رکھتی ہیں اور نہ ممکن تھا کہ اقبال تک ختم ہو جائیں۔

ایسا ہی سُورۃ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ایسے لفظ رکھے ہیں جو اس وقت منشاء کو ظاہر کرتے ہیں۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ سے صاف پایا جاتا ہے کہ کچھ نہیں چاہتے۔ تیری عبادت کرتے ہیں اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ سے دعا کرتے ہیں۔ گویا اِیَّاكَ نَعْبُدُ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اور لَنَبْلُوَنَّكُمْ کو ملا ہے۔ نَعْبُدُ تو یہی ہے کہ بھلائی اور برائی کا خیال نہ رہے مطلب امید دامانی ہو۔ اور اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ میں دُعا کی تعلیم ہے۔

بوقتِ ظہر

خواجہ غلام فرید صاحب کا ذکر خیر خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والے کا ذکر ہوا۔ فرمایا

اس نے اپنے خط میں بڑی صفائی سے لکھ دیا تھا کہ میں آپ کے دعویٰ کا مصدق ہوں۔ اور میں نے کبھی ساری عمر بدظنی نہیں کی۔ یہ ایسا کام تھا جو دوسرے گدّی نشینوں سے نہیں ہوا۔ اور کسی نے خط کا جواب تک نہیں دیا اور کسی کو ایسی توفیق نہیں ملی۔ میرے خیال میں وہ نیکی جو اس کی طبیعت میں سخاوت تھی اسی کا یہ ثمرہ تھا کہ اس تصدیق کی توفیق ملی۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص مسلمان ہوا۔ وہ اسلام لانے سے پہلے بڑا سخی تھا۔ اس نے عرض کی کہ یا رسولَ اللہ میں نے اسلام سے پہلے جو سخاوت کی ہے، اس کا بھی کوئی اَجر ملے گا۔ فرمایا۔ وہی روپیہ تو تجھے اسلام میں کھینچ لایا ہے۔

بوقتِ عصر

حافظ محمّد یوسف ضلعدار کے اشتہار کا ذکر حافظ محمد یوسف ضلعدار کی باسی کڑھی کو پھر اُبال آیا۔ تحفۂ گولڑویہ کی اشاعت پر اس نے اشتہار دیا ہے کہ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا (الحاقۃ : ۴۵) پر جو اس سے مطالبہ کیا گیا۔ کہ کوئی ایسا مفتری پیش کرو جس نے خدا پر تقوّل کیا ہو اور اپنے ان مفتریات کو شائع کیا ہو اور پھر اس نے ۲۳ برس کی مہلت پائی ہو۔ تو پانچ سَو روپیہ انعام دیا جاوے گا۔ اس طرح پر قطع الوتین ایک لغو سا اشتہار کسی امرتسری عطار نے دیا تھا۔ حافظ صاحب نے اپنے اشتہار میں اسی کا حوالہ دے کر اس بوجھ کو گردن سے اتارا۔ اور ندوہ کے جلسہ میں حضرت کو بُلایا ہے حضرت حجۃ اللہ نے تجویز فرمایا کہ اس مسئلہ کے متعلق ایک مختصر اشتہار ندوہ کو مخاطب کر کے لکھا جاوے۔ چونکہ وہ اشتہار الگ طبع ہونا ہے جو کسی وقت الحکم میں شائع ہو جاوے گا۔ انشاء اللہ العزیز اس لیے ضرورت نہیں کہ اس مضمون کا اعادہ یہاں اپنے لفظوں میں کیا جاوے۔

دربارِ شام

ہمارے لیے خدا تعالیٰ کی عدالت کافی ہے

آج شیخ عبدالرشید صاحب زمیندار و تاجر میرٹھ جو آج ہی آئے تھے حضرت اقدسؑ سے نماز سے فارغ ہوتے ہی ملے۔ حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ان کو حضرت سے انٹروڈیوس کرایا۔ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ کے متعلق ذکر آنے پر شیخ عبدالرشید صاحب نے عرض کی کہ میں نے تو ارادہ کیا تھا کہ بذریعہ عدالت اس کے سخت توہین آمیز پر نوٹس لوں۔ حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا:

"ہمارے لیے خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہوگا اگر ہم خدا کی تجویز پر تقدم کریں۔ اس لیے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں۔"

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم سنائی جو بہت لطیف اور معنی خیز ہے خصوصاً عورتوں کے لیے۔ ہم نے ارادہ کیا ہے کہ عورتوں کے افادہ کے لیے اُس کو الگ چھاپ دیں۔

بعد نماز عشاء آج کا دربار ختم ہوا۔

۳؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

ندوہ کے لیے ایک اشتہار

آج جمعہ کا دن ہے۔ حضرت اقدس کا معمول ہے کہ جمعہ کو سیر کو تشریف نہیں لے جاتے۔ بلکہ نماز جمعہ کی تیاری کے لیے مسنون طریق پر غسل، حجامت، تبدیلی لباس، حنا وغیرہ امور میں مصروف رہتے ہیں۔ اس لیے سیر کو تشریف نہیں لے گئے۔ جمعہ سے پیشتر ندوہ کے لیے ایک اشتہار لکھا جو کل ۲؍اکتوبر کو عصر کے وقت تجویز کیا تھا، اگرچہ یہ اشتہار صرف ایک صفحہ کا تجویز کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلم اور کلام میں وہ قوت اور روانگی دی ہے کہ جو اعجازی رنگ سے رنگین ہے اس لیے بجائے ایک صفحہ کے کئی صفحے ہوگئے۔

بین المغرب و العشاء

رسالہ اسلام انصاری

شیخ عبدالحق صاحب نومسلم نے اپنے ایک جدید رسالہ کا کچھ حصہ سنایا۔ اس غرض سے کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس

رسالہ کا کوئی نام تجویز کردیں۔ یہ رسالہ شیخ صاحب نے ایک عیسائی کے ٹریکٹ سچا اسلام نام کے جواب میں لکھا ہے۔ جس میں اس نے عیسائیت کو سچا اسلام قرار دیا ہے۔ حضرت اقدس نام تجویز کرنا چاہتے تھے۔ کہ چند آدمیوں نے بیعت کی درخواست کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ :

بیعت کے بعد اس کا نام تجویز کرتا ہوں۔

چنانچہ بیعت کے لیے دو آدمی پیش ہوئے اور آپؑ نے اُن سے بیعت توبہ لی۔ اور پھر اس رسالہ کا نام اسلام نصاریٰ یا اسلام النصاریٰ تجویز فرمایا اور یہ تقریر فرمائی :

اس رسالہ کا نام اسلام النصاریٰ رکھو۔ اور اصل رسالہ سے پہلے ایک چھوٹا سا مقدمہ لکھو کہ سچا اسلام تو یہ ہے کہ قولاً اور فعلاً خدا تعالیٰ کو اپنی ساری طاقتیں سپرد کر دی جاویں اور اس کے احکام کے آگے گردن رکھی جاوے۔ کوئی اس کا شریک نہ ٹھہرایا جاوے اور ہر قسم کی بدراہی سے دُور رہیں۔ مگر یہ لوگ تو اس خدا سے دُور ہیں۔ جو اسلام نے بتایا اور کل نبیوں نے جس کی تعلیم دی۔ یہودی تو ابھی مر نہیں گئے۔ اُن سے پوچھو کہ وُہ کس خدا کو مانتے ہیں۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ توریت نے اس خدا کو بیان کیا ہے جو قرآن نے بتایا ہے۔ وہ انجیل کے خدا کو کب مانتے ہیں جو مریم کا بیٹا ہے جس کو عیسائیوں نے خُدا بنایا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس مقدمہ میں یہ بیان کیا جاوے کہ حقیقی اسلام کیا چیز ہے؟ عقل اور روشنیٔ قلب کس کو تسلیم کرتی ہے۔ کیا عیسائیت یا اسلام کو؟

پھر اس میں عیسائی مذہب کی خرابیاں دکھاؤ کہ انجیل نے کیا تعلیم دی ہے۔ مثلاً طلاق ہی کا مسئلہ دیکھو کہ انجیل میں لکھا ہے کہ جو طلاق دیتا ہے وُہ زنا کرتا اور زنا کراتا ہے، لیکن اب واقعات اور ضرورتوں نے اُن کو مجبور کیا ہے کہ اس مسئلہ کی اہمیت کو تسلیم کریں، چنانچہ امریکہ میں قانون بنایا گیا۔ ایسا ہی شراب کا مسئلہ ہے۔ جس کے بغیر عشاء ربانی کامل نہیں ہوتی، مگر اس کی خرابیاں دیکھو کیسی ہیں۔ اور ولایت کا یہ حال ہے کہ وہاں سادہ پانی پینے والے پر ہنسی ہوتی ہے اور پینے کے قابل صرف شراب سمجھی جاتی ہے اور پانی کو تو کپڑے ہی دھونے کے قابل قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح پر اس کی تعلیم پر ایک مختصر سی نظر کرو۔ اُن کے کھانے کے دانت اور ہیں اور دکھانے کے اور۔ مگر افسوس یہ ہے کہ وہ کھانے کے دانت بھی خراب ہیں۔ جب دکھانے کے دانتوں کا یہ حال ہے تو کھانے کے تو اور بھی خراب ہوں گے۔ کوئی چیز بھی عمدہ نہیں۔ خدا بنایا تو ایسا اور اعتقاد تجویز کئے تو ایسے تعلیم دی تو ایسی کہ اگر ایک ہفتہ اس تعلیم پر عمل کرنے کے لیے عدالتیں بند کر دی جائیں تو پتہ لگ جاوے۔ اس شخص نے سچا اسلام نام رکھ کر دراصل اسلام کو گالی دی ہے۔ کیونکہ اس نے اسلام کو

جھوٹا قرار دیا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کی نصرانیت کی قلعی کھولی جاوے۔ اباحتی زندگی کو اسلام ٹھہراتے ہیں۔ جو کچھ گند اس کتاب کے اندر ہے۔ وہ اس نام ہی سے ظاہر ہے۔ پس نصاریٰ کے اسلام کی حقیقت ضرور کھولنی چاہیے۔ اسلام کا لفظ صرف قرآن نے ہی اختیار کیا ہے اور کسی نے یہ نام اختیار نہیں کیا۔

مسیح کی آمدِ ثانی

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے عرض کیا کہ لاہور سے کسی مارکوئیس نام عیسائی نے بذریعہ خط دریافت کیا ہے۔ کہ اس کے کیا معنے ہیں جو متی کی انجیل میں لکھا ہے کہ جھوٹے مسیح اور نبی آئیں گے؟ حضرت نے فرمایا کہ :

اس کا جواب لکھ دیا جاوے اور اس سے پوچھا جاوے کہ یہ جو انجیل میں لکھا ہے۔ کہ چور کی طرح آؤں گا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا مسیح کا نام منافق بھی ہے۔ کہیں بادلوں میں آنا لکھا ہے اور کہیں چور کی طرح۔ ہم تو حکَم ہو کر آئے ہیں۔ پہلے ان ساٹھ ستر اناجیل کا تو فیصلہ ہوئے کہ کون اُن میں سے سچی ہے اور کون جھوٹی۔ ہم تو ایسے وقت آئے ہیں کہ اس آیت کو پیش کرتے ہوئے بھی ان کو شرم آنی چاہیے۔ کیونکہ انکے حساب کے موافق تو مسیح کی آمد پر بیس۲۰ برس گذر گئے۔ اب تو قانونی میعاد بھی ان کے ہاتھ میں نہیں رہی۔ اس لیے بعض اب مایوس ہو کر کلیسیا ہی کو مسیح کی آمد ٹھہراتے ہیں اور اسی قسم کی بیجا اور رکیک تاویلیں کرتے ہیں۔ پس اب جبکہ ان کے حساب اور اعتقاد کے موافق اب سچے مسیح کو بھی قدم رکھنے کو جگہ نہیں تو پھر فرشتوں کے ساتھ آنا اور وہ جلالی آمد تو غلط ہی ٹھہری۔ چور کی طرح آنا ہی صحیح ثابت ہوا۔ پہلے اپنے گھر میں اناجیل کا فیصلہ کرلیں۔ جھوٹے مسیح جو لکھا ہے تو اب تو سچے کا وقت بھی گذر گیا۔ تم خود بتاؤ کہ یہ زمانہ سچے مسیح کا ہے یا جھوٹے مسیح کا۔ تمہارے بزرگوں نے مان لیا ہے۔ اسی لئے جو عقلمند ہیں وہ اس مضمون کا ذکر بھی نہیں کرتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ اس صدی سے آگے نہ کوئی مسلمان گیا ہے، نہ عیسائی۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ تمام کشوف اور الہام جو مسیح کے متعلق ہیں وہ چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتے۔ لدھیانہ میں بھی ایک مرتبہ ایک عیسائی نے یہ سوال کیا تھا، مگر وہ ایسا لاجواب ہوا کہ آخر اس نے اعتراف کر لیا اور بعض عیسائی اس سے ناراض بھی ہو گئے۔

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے اپنی پنجابی نظم وفاتِ مسیح پر پڑھی۔ بعد نمازِ عشاءً

دربار ختم ہوا۔

۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

سیر

آج کی سیر میں طاعون کے متعلق ادھر اُدھر کی مختلف باتیں ہوتی ہیں۔

ظہور تحفۃ الندوہ کے متعلق جو جدید اشتہار حضرت حجۃ اللہ نے لکھا ہے۔ وہ ایک جزو کے قریب ہوگیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ:

اب اس کو رسالہ کی صورت میں شائع کیا جائے۔ کتاب میں ایک برکت ہوتی ہے۔ لوگ اشتہار کو اشتہار سمجھ کر پرواہ نہیں کرتے۔ اس پر ٹائیٹل پیج لگایا جاوے۔ برہنہ مرکب اچھا معلوم ہوتا ہے۔ ٹائیٹل پیج اس کا لباس ہے۔ اور اس کا نام تحفۃ الندوہ رکھ دو۔

آج تحفہ غزنویہ بھی شائع ہوگیا۔ چونکہ ندوہ کا اجلاس قریب ہے اور کشتی نوح کی اشاعت میں بھی جلدی ہے۔ کثرت کام کی وجہ سے جو چار پریسوں پر ہو رہا ہے۔ سب پتھر رُکے پڑے تھے۔ عرض کیا گیا کہ کشتی نوح کی اشاعت میں دیر نہ ہو جاتے۔ فرمایا:۔

ٹیکہ کے متعلق جو ہمارا اصل منشاء تھا وہ الحکم کے ذریعہ شائع ہوگیا اور گورنمنٹ تک بھی پہنچ گیا اگر یہ رسالہ دو روز توقف سے بھی شائع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ (الحکم ۱۰؍اکتوبر ۱۹۰۲ء)

بین المغرب و العشاء

طاعون کا ذکر بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ اور طاعون کا ذکر چلنے پر فرمایا:

خواہ کچھ ہی ہو اگر کوئی چاہے کہ یہ بلا ارضی تدابیر سے ٹل جاوے تو یہ محال ہے۔ خدا کا ایک قانون ہے کہ جس قدر کوئی قابل قدر ہے اُسی قدر اُسے بچایا جاتا ہے۔ دیکھو شہروں میں جو بکرے ذبح ہوتے ہیں۔ وہ ان بکرے بکروں سے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ جو پاؤں کے نیچے آ کر ہر روز مارے جاتے ہیں۔ اور بکروں کی نسبت گائے زیادہ مفید ہے وہ اس کی نسبت کم ذبح ہوتی ہیں۔ اور اُونٹ اس سے زیادہ مفید ہے وہ اس کی نسبت کم ذبح ہوتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر قابل قدر جانور ہے اسی قدر کم ذبح ہوتا ہے۔ انسان ان سب سے زیادہ قابل قدر ہے۔ اس پر وہ چھری نہیں چلتی جو اُن جانوروں پر چلائی جاتی

ہے۔ پھر ان انسانوں میں سے بھی جو سب سے زیادہ قابلِ قدر ہے اسے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا سچا تعلق رکھتے اور اپنے اندرونہ کو صاف رکھتے ہیں۔ اور نوعِ انسان کے ساتھ خیر اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ اور خدا کے سچے فرماں بردار ہیں؛ چنانچہ قرآن شریف سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ (الفرقان: ۷۸) اس کے مفہوم مخالف سے صاف پتہ لگتا ہے کہ وہ دوسروں کی پرواہ کرتا ہے اور وہی لوگ ہوتے ہیں جو سعادت مند ہوتے ہیں۔ وہ تمام کسر عیں ان کے اندر سے نکل جاتی ہیں جو خدا سے دور ڈال دیتی ہیں اور جب انسان اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور خدا تعالیٰ سے صلح کر لیتا ہے، تو خدا اس کے عذاب کو بھی ٹلا دیتا ہے۔ خدا کو کوئی ضد تو نہیں؛ چنانچہ اس کے متعلق بھی صاف طور پر فرمایا ہے مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ (النسآء: ۱۴۸) یعنی خدا نے تم کو عذاب دے کر کیا کرنا ہے۔ اگر تم دیندار ہو جاؤ۔ طاعون بڑا خطرناک عذاب ہے۔ بیوی بچے ہی نہیں تباہ ہوتے بلکہ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ جنازہ کا بھی کوئی انتظام نہیں ہو سکتا مرنے والا تو مر جاتا ہے دوسرے جو زندہ رہتے ہیں۔ وہ بھی مفقود العقل اور زندہ درگور ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ گھر والے مُردہ کو باہر پھینک آتے ہیں اور کتوں نے اس کو کھایا۔ اور وہ بھی طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ اس خوفناک مرض میں تعہد خدمت کا بھی نہیں ہو سکتا تیمار داروں کو نفرت اور خوف ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے۔ قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ۔ (الفرقان: ۷۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا منشاء یہ ہے کہ جیسے تم نے میرے شعار کو چھوڑ دیا۔ مَیں تمہاری بھی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ تجہیز و تکفین بھی ایک شعار ہے۔ اور اب تو یہ رسم ہو گئی ہے اور اس سے بڑھ کر نہیں۔ مُلّا آتا ہے تو اس کی غرض چادر لینا ہوتا ہے۔ جنازہ کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ تو اس کا ایک لفظ آگے نہیں جاتا۔ بلکہ وہ تو یہی سوچتا رہتا ہے۔ کہ کچھ نمک۔ دانے اور پیسے ملیں گے۔ اور پھر دیکھتا ہے کہ مُردہ کے کپڑوں سے کوئی حصّہ ملے گا۔ غرض یہ تو مال تک بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اپنے حقوق ہی جتاتے رہتے ہیں۔

جماعت ایک کنبہ ہے

حضرت اقدسؑ یہاں تک بیان کر چکے تھے کہ ایک تار آگیا۔ یہ تار مولوی غلام علی صاحب رہتاسی کی طرف سے تھا کہ مَیں بیمار ہو گیا ہوں۔ میرے لیے ڈولی نہ بھیجو۔ کچھ عرصہ تک حضرت مولوی صاحب کی بیماری کا ذکر کرتے رہے اور حالات پوچھتے رہے۔ پھر فرمایا کہ؛

ہماری جماعت جو اب ایک لاکھ تک پہنچی ہے۔ سب آپس میں بھائی ہیں اس لیے اتنے بڑے کنبہ میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی نہ کوئی دردناک آواز نہ آتی ہو۔ جو گزر گئے وہ بھی بڑے ہی مخلص تھے۔

جیسے ڈاکٹر بوڑھے خاں، سید خصیلت علی شاہ، ایوب بیگ منشی جلال الدین خدا ان سب پر رحم کرے۔

طاعون بیدار کرنے کا ذریعہ ہے

طاعون بھی ایک طرح اچھی ہی ہے، کیونکہ یہ غفلت سے بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ سر پر نہ ہو، تو اس زمانہ میں شاید خوف ہی نہ رہے۔ بڑے بڑے موذی طبع مفسد لوگوں کو بھی دیکھا ہے۔ جہاں ہیضہ زور سے پڑتا ہے۔ تو ان کے بھی خون خشک ہو گئے ہیں اور اپنے اپنے طور پر ڈر گئے ہیں۔ بعض دانشمند کہتے ہیں کہ نفس چونکہ باز نہیں آتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی محرک ہی ہو۔ اس دنیا کا انجام کار خاتمہ ہونا ہے اور دُوسرا عالم بھی یقینی ہے اور وہ زندگی کا عالم ہے۔ خواہ پہلی بار ہی اگر وہاں جا کر آنکھ کھلی اور بُرے آثار ہُوں تو پھر بڑے مشکلات ہیں۔ یہ بھی خُدا کا بڑا رحم ہے، جو اس مردُود ملک پر طاعون کا تازیانہ بھیج دیا۔ جس سے غفلت دُور ہوتی ہے۔ خدا کی سُنّت ہے کہ جب انسان بہت ہی سخت دل ہو جاوے تو ایسے عذاب بھیج دیتا ہے۔ انسان معمولی موت سے نہیں ڈرتا۔ مگر اب جیسے ایک بڈھا اپنے آپ کو قریب بہ قبر سمجھتا ہے۔ ویسے ہی بیس برس کا نوجوان بھی۔ غفلت اور شہوات کا نشہ ایسی چیز ہے کہ جب معمولی موت سے انسان نے سبق نہ لیا تو طاعون بھیج دی جو عذاب کی شکل میں ہلاک کر رہی ہے۔

الاستفتاء من ندوۃ العلماء

اس کے بعد مولانا مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب نے اپنا عربی قصیدہ سُنایا جو مندرجہ عنوان سے اُنھوں نے دو تین گھنٹہ میں لکھا ہے۔ جب وُہ قصیدہ پڑھ چکے تو مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے پنجابی نظم سُنائی اور بعد نماز عشاء دربار ختم ہوا۔

۵؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

صُبح کی سَیر

اشاعتِ کُتب

نزول المسیح اور کشتی نوح کے متعلق تذکرہ پر فرمایا۔ کہ کشتی نوح الگ بھی تقسیم ہو اور نزول المسیح کے ہمراہ بھی۔ کیونکہ تقسیم کے وقت ہر ایک اپنی اپنی الگ سمت اختیار کرتا ہے۔ دُنیا میں یہ دونوں قوتیں جاذبہ اور مجذوبہ ہیں۔ اور ان کا اثر بھی برابر جاری ہے۔ اس لیے اس قسم کی تقسیم سے یہ فائدہ ہو گا۔ کہ جو رُوحیں صرف تعلیم کی تلاش میں ہیں۔ ان کی سیری اس تعلیم

کو پڑھ کر ہوگی۔ اور بعض رُوحیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ثبوت کی تلاش میں ہیں۔ اُن کو نزول المسیح میں پورا ثبوت ملے گا۔ اور اس سے فائدہ پہنچے گا۔ بعض صرف یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ امام کی کیا ضرورت ہے۔ ان کے لیے بھی یہ مفید ہوگی۔ پس یہ دو قسم کی اشاعت اچھی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

المومن اور النّاس

ثبوت اِس قسم کے دیتے ہیں کہ اللہ اکبر! یہانتک کہ مشہودات اور محسوسات سے ایمان کی تقویت ہوتی ہے، لیکن جو ایمانی فراست سے حصّہ رکھتے ہیں۔ وُہ پہلے ہی سمجھ لیتے ہیں۔ جو لوگ حق قبول کرتے ہیں وہ اسی وقت فراست والے کہلاتے ہیں۔ جب وہ اوّل ہی اوّل قبول کرتے ہیں۔ خدا جو مومنوں کی تعریف کرتا ہے اور رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَ رَضُوۡا عَنۡہُ (البینۃ: ۹) کہتا ہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنی فراست سے پہلے رسول اللہ کو مان لیا۔ لیکن جب کثرت سے لوگ داخل ہونے لگے۔ اور انکشاف ہوگیا۔ اس وقت داخل ہونے والے کا نام النّاس رکھا۔ اس حالت میں تو گویا منع کرتا ہے یہ کہہ کر قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا وَ لٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا۔ (الحجرات: ۱۵) یعنی یہ مت کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت کی۔ ایمان اس وقت ہوتا ہے جب ابتلاء کے موقع آویں۔ جن پر ایمان لانے کے بعد ابتلا کے موقعے نہیں آئے۔ وہ اَسۡلَمۡنَا میں داخل ہیں۔ اُنہوں نے تکلیف کا نشانہ ہو کر نہیں دیکھا، بلکہ وُہ اقبال اور نصرت کے زمانہ میں داخل ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ فخر کا نام اور خطاب ان کو نہ ملا۔ بلکہ النّاس ان کا نام رکھا، کیونکہ وہ ایسے وقت میں داخل ہوتے جب کام چل پڑا۔ اور رسول اللہؐ نے اپنی صداقت کی روشنی دکھلائی۔ اس وقت دُوسرے مذاہب حقیر نظر آتے، تو سب داخل ہوگئے۔

انبیاء کا استغفار

نبی بہت بڑی ذمّہ داری لے کر آتا ہے۔ اس لیے جب وہ اپنے کام کو کر چکتا ہے اور تبلیغ کر کے رُخصت ہونے کو ہوتا ہے۔ تو وہ وقت اس کا گویا خدا تعالیٰ کو چارج دینے کا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ جس پر اپنا فضل کرتا ہے اس پر استغفار کا لفظ بولتا ہے۔ اسی طریق کے موافق رسول اللہؐ کو بھی ارشادِ الٰہی ہوتا ہے فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا۔ (النصر: ۴) خدا تعالیٰ ہر ایک نقص سے پاک ہے اور جو کچھ سہو بشریّت کی رُو سے اس ذمہ داری کے کام میں ہوا ہے ..... تو اس سے استغفار چاہو۔ جس کے سپُرد ہزاروں کام ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو مقاصد عظیم الشان لے کر آتے تھے۔ غرض یہ ایک چارج تھا جو آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیا۔ اور جس میں آپ کی پوری کامیابی کی طرف پہلے اشارہ کر دیا۔ اور یہ سُورہ گویا آنحضرتؐ کی وفات کا ایک پروانہ تھا۔ یہ

بھی یاد رکھو کہ انبیاء کی زندگی اسی وقت تک ہوتی ہے جبتک مصائب کا زمانہ رہے۔ اس کے بعد جب فتح ونصرت کا وقت آتا ہے۔ تو وہ گویا اُن کی وفات کا ایک پروانہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وُہ اس کام کو کر چکے ہوتے ہیں جس کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔ اور اصل تو یہ ہے۔ کہ کام تو اللہ کے فضل سے ہوتے ہیں۔ مُفت میں ثواب لینا ہوتا ہے۔ جو شخص اس میں بھی خود غرضی سُستی۔ ریا کی آمیزش کرے۔ وہ اصل ثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ کی تائید میں

ایک عرصہ ہوا میں نے خواب دیکھا تھا کہ گویا میر ناصر نواب ایک دیوار بنا رہے ہیں۔ جو فصیلِ شہر ہے۔ میں نے اس کو جو دیکھا تو خوف آیا، کیونکہ وہ قدِ آدم بنی ہوئی تھی۔ خوف یہ ہوا کہ اس پر آدمی چڑھ سکتا ہے۔ مگر جب دُوسری طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ قادیان بہت اونچی کی گئی ہے، اس لیے یہ دیوار دوسری طرف سے بہت اونچی ہے اور یہ دیوار گویا ریختہ کی بنی ہوئی ہے۔ فرش کی زمین بھی پختہ کی گئی ہے۔ اور غور سے جو دیکھا تو وُہ دیوار ہمارے گھروں کے اِرد گرد ہے۔ اور ارادہ ہے کہ قادیان کے ارد گرد بھی بنائی جاوے۔ شاید اللہ رحم کرکے ان بلاؤں میں تخفیف کر دے[1]

قادیان میں چند موتیں

آج معمولی موسمی عوارض بخار وغیرہ سے یہاں کے چوڑھوں اور دُوسری اقوام میں دو موتیں ہوگئی تھیں۔ اس کا ذکر آیا۔ فرمایا:

ایسی موتیں محرقہ تپ سے بھی ہوتی ہیں۔ طاعون کے حملے ہی الگ ہوتے ہیں۔ کوئی جنازہ پڑھنے اور اُٹھانے والا بھی نہیں ملتا۔ بعض وقت ایک گھر میں جب یہ بلا داخل ہوتی ہے، تو اس گھر کے گھر صاف کر دیتی ہے۔ اور عورتوں بچوں تک کو تو ہوتی ہی ہے۔ جانوروں کو بھی ہو جاتی ہے۔

بلاؤں اور خوف کی افادیت

طاعون بجائے خود انسان کے ایمان کے پرکھے جانے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ اب طاعون تو مان نہ مان میں ترا مہمان ہو کر آئی ہے۔ اگر طاعون نہ ہوتی تو سچے مسلمان کا پتہ لگنا ہی مشکل ہوتا۔ جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ وہ اس وقت طاعون کو دیکھ کر جلد تبدیلی کرتے ہیں۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ معمولی موتیں جو ہر روز ہوتی رہتی ہیں۔ یہ گو انسان کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر وہ ان سے عبرت حاصل کرے۔ لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ وہ ناکافی ہیں اور وہ دُنیا کے تعلقات پر موت وارد کرنے کے لیے اس قدر مفید اور موثر ثابت نہیں ہوتی ہیں جس قدر کہ اب طاعون۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ معمولی موتیں اب معمولی موتیں ہونے کی وجہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۶ صفحہ ۱۱ تا ۱۲۔ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء

سے اس قدر خوفناک نہیں رہی ہیں۔ لیکن اب طاعون کے حملوں سے ایک عالمگیر خوف چھا گیا ہے اور یہ وقت ہے کہ خدا تعالیٰ ہی کو اپنا ماویٰ و ملجا بنایا جاوے۔ غور کر کے دیکھو کہ کس قدر وحشت ہو سکتی ہے۔ جب ایک گھر میں دو چار مُردے پڑے ہوں اور کوئی اٹھانے والا بھی موجود نہ ہو۔ غرض طاعون اب انسان کا جوہر کھول کر دکھا دیتی ہے۔ مصیبت اور مشکلات بھی انسان کے ایمان کے پرکھنے کا ایک ذریعہ ہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ۔ (العنکبوت : ۳)۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہمیں جماعت کو بہت زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ موت سب سے بڑھ کر مُنذرات میں سے ہے۔ جو تبدیلی اس نظارہ موت سے ہو سکتی ہے۔ وہ دوسری مُنذرات سے نہیں ہوتی۔

خدا تعالیٰ جو تبدیلی چاہتا ہے وہ اسی طرح ہوتی ہے۔ یہ وقت ہے کہ لوگ خُدا کی طرف رجوع کریں اور اس سے دُعائیں مانگیں کہ ایک پاک تبدیلی انہیں عطا ہو۔ جن لوگوں کی پاک تبدیلی خدا تعالیٰ دعاؤں سے چاہتا ہے۔ ان کی تبدیلی اس طرح پر ہوتی ہے کہ اُن پر بلائیں اور خوف آتے ہیں۔ جیسے فرمایا: وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ۔ الآیۃ (البقرہ : ۱۵۶) اگر انسان کے افعال سے گناہ دُور ہو جاوے تو شیطان چاہتا ہے کہ آنکھ، کان، ناک تک ہی رہے اور جب وہاں بھی اُسے قابو نہیں ملتا۔ تو پھر وہ یہاں تک کوشش کرتا ہے کہ اور نہیں تو دل ہی میں گناہ رہے۔ گویا شیطان اپنی لڑائی کو اختتام تک پہنچاتا ہے، مگر جس دل میں خُدا کا خوف ہے، وہاں شیطان کی حکومت نہیں چل سکتی۔ شیطان آخر اس سے مایوس ہو جاتا ہے اور الگ ہوتا ہے اور اپنی بڑائی میں ناکام و نامُراد ہو کر اسے اپنا بوریا بستر باندھنا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں کہ وہ نفسانی قیدوں اور ناجائز خیالات سے الگ ہونا نہیں چاہتے اور کوئی بات ان پر مؤثر نہیں ہوتی۔ آخر خدا تعالیٰ اُن پر یوں رحم کرتا ہے۔ کہ بعض ابتلا آجاتے ہیں، تو وہ آہستہ آہستہ اُن سے باز آجاتے ہیں۔

قوموں کا باہمی جدال

اس وقت عام طور پر قوموں کا مناظرہ خدا تعالیٰ کی طرف سے پیش آگیا ہے مگر اس میں فتح و نصرت اُسی کو ملے گی جو خدا کے نزدیک تقویٰ والی ہو اور زبان کو سنبھال کر رکھے۔ بندوں پر ظلم نہ کرے۔ ان کے حقوق کی رعایت کرے۔ سفر میں، حضر میں، بنی نوع انسان کی ہمدردی اور رعایت کرے تو خدا تعالیٰ اس کی رعایت کرتا ہے۔ جب وہ تقویٰ دیکھتا ہے تو وُہ خود اس کا ولی اور مددگار ہوتا ہے۔ یہ بالکل سچّی بات ہے کہ خدا تعالیٰ

کا کسی کے ساتھ کوئی جسمانی رشتہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ خود انصاف ہے اور انصاف کو دوست رکھتا ہے۔ وُہ خود عدل ہے عدل کو دوست رکھتا ہے۔ اس لیے ظاہری رشتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ جو تقویٰ کی رعایت کرتا ہے اسے وہ اپنے فضل سے بچا لیتا ہے اور اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اور اسی لیے اُس نے فرمایا؛ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات: ۱۴) پس اس مناظرہ میں متقی ہی کامیاب ہوگا۔

طائف عرب کی تجارتی اشیاء کا ذکر ہوتا رہا۔ اور طائف کے ذکر پر فرمایا کہ؛

وہ گویا اس ریگستان میں بہشت کا نمونہ ہے۔

اسی ذکر میں یہ بھی کہا گیا کہ

عرب میں بازاروں میں ہر ایک چیز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ہر وقت جس قدر چاہو میسر آسکتی ہے۔

برات کے ساتھ باجا بجانا میاں اللہ بخش صاحب امرتسری نے عرض کیا کہ حضور یہ جو براتوں کے ساتھ باجے بجاتے جاتے ہیں۔ اس کے متعلق حضور کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا؛

فقہاء نے اعلان بالدف کو نکاح کے وقت جائز رکھا ہے اور یہ اس لیے کہ پیچھے جو مقدمات ہوتے ہیں تو اس سے گویا ایک قسم کی شہادت ہو جاتی ہے۔ ہم کو مقصود بالذات لینا چاہیے۔ اعلان کے لیے یہ کام کیا جاتا ہے یا کوئی اپنی شیخی اور تعلّی کا اظہار مقصود ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض چُپ چاپ شادیوں میں نقصان پیدا ہوتے ہیں یعنی جب مقدمات ہوتے ہیں تو اس قسم کے سوال اُٹھائے گئے ہیں۔ غرض ان خرابیوں کو روکنے کے لیے اور شہادت کے لیے اعلان بالدف جائز ہے اور اِس صورت میں باجا بجانا منع نہیں ہے، بلکہ نسبتوں کی تقریب پر جو شکر وغیرہ بانٹتے ہیں۔ دراصل یہ بھی اسی غرض کے لیے ہوتی ہے کہ دوسرے لوگوں کو خبر ہو جاوے اور پیچھے کوئی خرابی پیدا نہ ہو۔ مگر اب یہ اصل مطلب مفقود ہو کر اس کی جگہ صرف رسم نے لے لی ہے اور اس میں بھی بہت سی باتیں اور پیدا کی گئی ہیں۔ پس ان کو رسوم نہ قرار دیا جاوے بلکہ یہ رشتہ ناطہ کو جائز کرنے کے لیے ضروری امور ہیں۔ یاد رکھو جن امور سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے، شرع اس پر ہرگز زد نہیں کرتی۔ کیونکہ شرع کی خود یہ غرض ہے کہ مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

آتشبازی اور تماشا وغیرہ یہ بالکل منع ہیں، کیونکہ اس سے مخلوق کو کوئی فائدہ بجز نقصان کے نہیں ہے۔ اور باجا بجانا بھی اسی صورت میں جائز ہے، جبکہ یہ غرض ہو کہ اس نکاح کا عام اعلان ہو جاوے۔

اور نسب محفوظ رہے، کیونکہ اگر نسب محفوظ نہ رہے تو زنا کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جس پر خدا نے بہت ناراضی ظاہر کی ہے۔ یہاں تک کہ زنا کے مرتکب کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اعلان کا انتظام ضروری ہے، البتہ ریا کاری، فسق فجور کے لیے یا صلاح و تقویٰ کے خلاف کوئی منشا ہو تو منع ہے۔

شریعت کا مدار نرمی پر ہے سختی پر نہیں ہے۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا (البقرہ : ۲۸۷) باجا کے متعلق حرمت کا کوئی نشان بجز اس کے کہ وہ صلاح و تقویٰ کے خلاف اور ریاکاری اور فسق و فجور کے لیے ہے، پایا نہیں جاتا اور پھر اعلان بالدف کو فقہاء نے جائز رکھا ہے اور اصل اشیاء حلت ہے، اس لیے شادی میں اعلان کے لیے جائز ہے۔

شادی کے موقعہ پر لڑکیوں کا گانا

پھر یہ سوال کیا گیا کہ لڑکی یا لڑکے والوں کے ہاں جو جوان عورتیں مل کر گھر میں گاتی ہیں۔ وہ کیسا ہے؟

فرمایا :

اصل یہ ہے کہ یہ بھی اسی طرح پر ہے۔ اگر گیت گندے اور ناپاک نہ ہوں، تو کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لے گئے تو لڑکیوں نے مل کر آپ کی تعریف میں گیت گاتے تھے۔

مسجد میں ایک صحابی نے خوش الحانی سے شعر پڑھے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھے ہیں۔ تو آپ نے منع نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے ایک بار اس کے شعر سُنے تو آپؐ نے اس کے لیے "رحمت اللہ" فرمایا۔ اور جس کو آپؐ یہ فرمایا کرتے تھے وہ شہید ہو جایا کرتا تھا۔ غرض اس طرح پر اگر فسق و فجور کے گیت نہ ہوں، تو منع نہیں۔ مگر مردوں کو نہیں چاہیے کہ عورتوں کی ایسی مجلسوں میں بیٹھیں۔ یہ یاد رکھو کہ جہاں ذرا بھی مظنّہ فسق و فجور کا ہو وہ منع ہے۔

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا
ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ

یہ ایسی باتیں ہیں کہ انسان خود ان میں فتویٰ لے سکتا ہے جو امر تقویٰ اور خُدا کی رضا کے خلاف ہے، مخلوق کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وہ منع ہے۔ اور پھر جو اسراف کرتا ہے، وہ سخت گناہ کرتا ہے۔ اگر ریاکاری کرتا ہے، تو گناہ ہے۔ غرض کوئی ایسا امر جس میں اسراف، ریا، فسق، ایذائے خلق کا شائبہ ہو وہ منع ہے اور جو اُن سے صاف ہو وہ منع نہیں، گناہ نہیں۔ کیونکہ اصل اشیاء کی حلت ہے۔

ہر ایک کا کام نہیں کہ دین کے لیے بات کرے۔ پہلے خود متقی ہونا چاہیے تا کہ

سخن کز دل بروں آید نشیند لاجرم بر دل

کا مصداق ہو۔

منطقی بات بدبو دار ہوتی ہے، کیونکہ اس میں نرے داؤ پیچ ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے منطقیانہ طریق کو چھوڑ کر عارفانہ تقریر کا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔

۵ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربارِ شام

آج بعد عصر حضرت صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد سلمہ اللہ الاحد کی برات رُڑکی سے واپس آئی تھی۔ اس موقعہ پر ایڈیٹر الحکم نے اپنی احمدی جماعت کی طرف سے ایک مبارکباد کا خاص پرچہ شائع کیا جو برات کے دارالامان پہنچتے ہی شائع کیا گیا تھا۔

واقعہ صلیب کے بعد مسیح کی زندگی کے متعلق پطرس کی شہادت

قبل نماز مغرب جب حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو رُڑکی سے آئے ہوئے احباب ملے جو برات میں گئے تھے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے (جو حضرت اقدس کے سلسلہ میں ایک درخشندہ گوہر ہیں اور جو عیسائیوں کی کتابوں کو پڑھ کر ان میں سے سلسلہ عالیہ کے مفید مطلب مضامین کے اقتباس کرنے کا بے حد شوق اور جوش رکھتے ہیں) پطرس کے متعلق سُنایا کہ رُڑکی میں پادریوں سے مل کر میں نے اس سوال کو حل کیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر ۳۰ یا ۴۰ سال کے درمیان تھی۔ ناظرین کو اس سوال "عمر پطرس کی ضرورت" کے لیے ہم الحکم کا وہ نوٹ یاد دلاتے ہیں، جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ بعض کاغذات اس قسم کے ہیں۔ جن میں پطرس لکھتا ہے کہ میں نے مسیح کی وفات کے تین سال بعد ان کو لکھا ہے۔ اور اب میری عمر ۹۰ سال کی ہے۔ گویا مسیح نے جب وفات پائی، تو پطرس کی عمر ۸۷ سال کی ہوئی اور واقعہ صلیب کے وقت پطرس کی عمر تیس اور چالیس کے درمیان بتائی جاتی ہے، تو اب اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ مسیح واقعہ صلیب کے بعد کم از کم ۴۷ سال تک بموجب اس تحریر کے زندہ رہا۔ اور پطرس ان کے ساتھ رہا۔ اور یہ ثابت ہو گیا کہ صلیب پر مسیح نہیں مرا، بلکہ طبعی

موت سے مرا ہے اور نہ آسمان پر اس جسم کے ساتھ اٹھایا گیا، کیونکہ راس الحواریین پطرس اس کی موت کا اعتراف کرتا ہے اور موت کا وقت دیتا ہے۔

مفتی صاحب نے یہ عظیم الشان خوشخبری حضرت کو سنائی۔ پھر نماز مغرب ادا ہوئی۔

بعد نماز مغرب

۳۔ بعد ادائے نماز مغرب حضرت حجۃ اللہ

ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کے اخلاص اور نورِ فراست کا ذکر

حسب معمول شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ بیٹھتے ہی حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب نے مبارکباد دی اور عرض کیا کہ حضور ڈاکٹر صاحب کو بہت ہی مخلص پایا ہے۔ کوئی بات انہوں نے نہیں کی یہی کہا ہے کہ جو حکم دیا ہے وہ کرو۔ بھائیوں میں سے بھی کوئی شریک نہیں ہوا۔ فرمایا؛

خدا تعالیٰ نے ان کو بہت اخلاص دیا ہے اور یہ تقریب پیدا کر دی کہ مخالف بھائیوں سے قطع تعلق ہو جاوے۔

پھر مولوی صاحب نے عرض کی کہ باوجودیکہ کوئی تکلف کی بات نہ تھی، مگر وہ بڑی ہی خاطر و تواضع سے پیش آتے اور اسی میں اِدھر اُدھر پھرتے رہے۔ فرمایا؛

اُن میں اہلیت اور زیرکی بہت ہے۔

اس پر حضرت مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور جب الحکم میں میرا ایک خطبہ فَلَا وَ رَبِّكَ پر شائع ہوا تو انہوں نے بڑے ہی اخلاص اور صدق سے خط لکھا کہ اس کو پڑھ کر میرا ایمان بڑا قوی اور تازہ ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا

مَیں نے دیکھا ہے کہ اُن میں نورِ فراست ہے۔ وہ باپ سے بھی اس معاملہ میں گفتگو کیا کرتے تھے۔

حافظ محمد یوسف اور قطع الوتین

حافظ محمد یوسف کا ذکر آگیا کہ؛

اس نے اشتہار دیا ہے اور اس میں قطع الوتین کا حوالہ دیا ہے۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت توہین کی ہے کہ ایک مفتری کو بھی وہ تسلیم کرتا ہے کہ ۲۳ برس تک زندہ رہتا ہے؛ حالانکہ

خدا تعالیٰ نے آپ کی صداقت کا یہ عملی زمانہ مقرر کیا ہے۔ ایک انسان کو اگر لکھا جاوے کہ تیری شکل جانور جیسی ہے اس کی توہین ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدت نبوت کو کذاب کی طرح کہنا سخت بے ادبی ہے۔ آپ کی پاک زندگی کو مومن کبھی کسی ناپاک انسان کی زندگی سے مشابہت نہیں دے سکتا۔ آپ کی آمد اس وقت ہوئی جب دنیا فسق و فجور اور فساد سے بھری ہوئی تھی اور آپ اس وقت دُنیا سے رخصت ہوئے جب آپ پورے کامیاب ہو گئے اور سب کام کر لیے۔ اس اشتہار کا جواب لکھنا ضروری تھا۔ اس لیے میں نے ایک رسالہ مختصر سا بنا دیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر ٹائیٹل پیج بھی لگا دیا جاوے۔ بائیبل میں بھی چھوٹے چھوٹے صحیفے موجود ہیں۔ اس میں چونکہ ندوہ کو تبلیغ ہے، اس لیے اس کا نام **تحفۃ الندوۃ** رکھ دیا ہے۔

مبارک بشارت

اب بہتر ہے کہ اس کے پیچھے ایک مبارک بشارت لکھ دی جاوے کہ عیسائیوں کے محققین کی تحریروں سے ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عیسےٰ صلیب کے واقعہ کے بعد بھی زندہ رہے جیسا کہ پطرس کی اس تحریر سے جو ملی ہے معلوم ہوا۔

اس تحقیقات سے ہر ایک محقق کو خوش ہونا چاہیے، کیونکہ یہ ان کاغذات سے ثابت ہوئی ہے جو مسیح کے خاص حواری پطرس کے لکھے ہوئے ہیں۔

دُنیا میں اس وقت ایک عام تحریک ہو رہی ہے اور آئے دن ایک نہ ایک بات ہماری تصدیق اور تائید میں نکلتی آتی ہے۔ یہ خدا کا کام ہے۔ اب دیکھ لو کہ یہ کاغذ نکل آتے ہیں جو پطرس کے لکھے ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت ان کو پڑھ کر خوش ہوگی اور ان کا ایمان بڑھے گا۔

خاتم النبیین کے معنے

خاتم النبیین کے معنے یہ ہیں کہ آپ کی مُہر کے بغیر کسی کی نبوت تصدیق نہیں ہو سکتی۔ جب مُہر لگ جاتی ہے تو وہ کاغذ سند ہو جاتا ہے اور مصدقہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر اور تصدیق جس نبوت پر نہ ہو وہ صحیح نہیں ہے۔

ہماری تعلیم

کشتی نوح میں میں نے اپنی تعلیم لکھ دی ہے اور اس سے ہر ایک شخص کو آگاہ ہونا ضروری ہے۔ چاہیے کہ ہر ایک شہر کی جماعت جلسے کر کے سب کو یہ سُنا دے۔ ایک مستعد اور فارغ شخص کو بھیج دی جاوے جو پڑھ کر سُنا دے اور اگر یُونہی تقسیم کرنے لگو تو خواہ پچاس ہزار ہو کافی نہیں ہو سکتی ہیں۔ اس ترکیب سے اس کی اشاعت بھی ہو جاتے گی اور وہ وحدت جو ہم چاہتے ہیں جماعت میں پیدا ہونے لگے گی۔

دوگروہ خدا تعالیٰ نے دو گروہ بنا دیئے ہیں. جیسے صدر اسلام میں تھے. ایک ضعفاء اور غرباء کا گروہ ہے اور دُوسرے وہ جو نفسانیت رکھتے ہیں.

دربارِ شام

۶؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

بعد ادائے نماز مغرب حضرت حجۃ الارض حسب معمول شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے.

میاں غلام رسول حجام امرتسر نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا. کہ مخالف کس طرح پر ان کو تکلیفیں دیتے ہیں۔ اور اس نے یہ بھی ذکر کیا کہ وہ غلام محمد لڑکا جس نے یہاں سے جاکر ایک گندہ اشتہار شائع کیا ہے وہ سخت تکلیف میں ہے۔

ایک ہندو فقیر کوٹ کپورہ سے آیا ہوا تھا. جو آج صبح بھی ملا تھا. اس وقت پھر اس نے سلام کیا. حضرت اقدس نے نہایت شفقت سے فرمایا کہ :

یہ ہمارا مہمان ہے اس کے کھانے کا انتظام بہت جلد کر دینا چاہیے۔

چنانچہ ایک شخص کو حکم دیا گیا اور وہ ایک ہندو کے گھر اس کو کھانا کھلانے لے گیا.

میاں غلام رسُول نے پھر اپنی تکالیف کا ذکر کیا اور کہا کہ امرتسر کے مخالفوں نے باہم اتفاق کر کے یہ سازش کی ہے کہ جن گھروں میں مَیں کھانا پکانے جایا کرتا تھا. اُن کو بند کر دیا ہے کہ وہ مجھ سے کھانا نہ پکوائیں۔

حضرت اقدس نے فرمایا :

صبر کرنا چاہیئے. خبر ہے کہ تمہارے لیے کتنے گھر خُدا نے رکھے ہیں؟ اور اُن سے دو چند سہ چند تم کو مل جائیں گے. طاعون شروع ہو گئی ہے اور وہ ابھی ہنسی ٹھٹھا کرتے ہیں. اس لیے تم ان باتوں کا ذکر ہی نہ کرو کہ گھر چھوٹ گئے ورنہ ثواب جاتا رہے گا.

طاعون کی اقسام طاعون کے ذکر پر فرمایا :

تین قسم کی طاعون ہے. اوّل صرف تپ چڑھتا ہے اور گلٹی نکلتی ہے اور بعض ایسے ہیں کہ سخت تپ ہی ہوتا ہے. اور بعض ایسی ہوتی ہے کہ نہ تپ ہے نہ کچھ اور بس خاتمہ ہی ہو جاتا ہے۔

مچھلی کی ہڈی گلے میں پھنس جانے کا علاج

جناب نواب صاحب کے لڑکے کے گلے میں ایک ہڈی کا ٹکڑا پھنس گیا تھا. مولوی صاحب اس کے علاج کے لیے گئے ہوئے تھے. جب نواب صاحب کے ساتھ واپس آئے. تو انھوں نے ذکر کیا. کہ ہڈی پھنس گئی تھی اور شکر ہے کہ نکل گئی. فرمایا:

مچھلی کی ہڈی کا علاج تو سہل ہے کہ دہی سرکہ ملا کر پلایا جاوے، تو فوراً نکل جاتی ہے.

اور فرمایا کہ:

خُدا کا فضل قدم قدم پر انسان کو مطلوب ہے اگر اس کا فضل نہ ہو تو یہ جی نہیں سکتا.

مسیح موعود کا ذکر قرآن کریم میں

مولوی عبداللہ صاحب کشمیری نے دھرم کوٹ میں جو ان کا مباحثہ ہوا تھا اس کا مختصر سا تذکرہ کیا اور مہر نبی بخش صاحب بٹالوی کا بھی ذکر کیا کہ وہ وہاں آتے تھے اور انھوں نے ایک مختصر سی تقریر کی تھی. مولوی عبداللہ صاحب نے کہا کہ وہ بار بار یہ اعتراض کرتے تھے کہ مرزا صاحب کا نام قرآن سے نکال کر دکھاؤ.

اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

وہ احمق نہیں جانتے کہ اگر خدا تعالیٰ ایسے صاف طور پر کہتا تو اختلاف کیوں ہوتا؟ یہودی اسی طرح تو ہلاک ہو گئے. بات یہ ہے کہ اگر خُدا اس طرح پر پردہ برانداز کلام کرے تو ایمان ایمان ہی نہ رہے. فراست سے دیکھنا چاہیے کہ حق کیا ہے؟ ہماری تائید میں تو اس قدر دلائل ہیں کہ فراست والا سیر ہو کر کہتا ہے کہ یہ صحیح ہے.

یاد رکھو کہ گفتگو کرتے وقت ضروری ہے کہ پہلے مذہب متعین کر لو.

اس پر حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب حکیم الامت نے عرض کیا کہ گورداسپور میں ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے کچھ سوال کئے. مَیں نے کہا تم نے کسی راستباز کو دُنیا میں ماننا ہے یا نہیں. جن دلائل سے اس کو ماننا ہے اسی دلیل سے حضرت اقدس سچے ہیں. پھر خاموش ہو گیا.

فرمایا:

یہ لوگ جو بار بار پُوچھتے ہیں کہ قرآن میں کہاں نام ہے؟ ان کو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ نے میرا نام احمد رکھا ہے. یٰۤاَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ وغیرہ بہت سے الہام ہیں. میرا نام محمد رکھا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ. اور احمد نام پر ہی ہم بیعت لیتے ہیں. کیا یہ نام قرآن شریف میں نہیں ہیں؟ پھر جس قدر میرے نام آدم. عیسیٰ. داؤد. سلیمان

وغیرہ رکھے ہیں۔ وہ سب قرآن میں موجود ہیں۔ ماسوا اس کے یہ سلسلہ اپنے ساتھ ایک علمی ثبوت رکھتا ہے۔ اگر ان علمی امور کو یکجائی طور پر دیکھا جاوے، تو آفتاب کی طرح اس سلسلہ کی سچائی روشن نظر آتی ہے۔ خدا تعالےٰ نے میرے سارے نبیوں کے نام رکھے ہیں اور آخر جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ کہہ دیا ہے۔

مقامِ خاتم النبیین

ہم جس طرح پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں۔ اور پھر یہ کہتے ہیں کہ خدا نے میرا نام نبی رکھا۔ یہ بالکل سچی بات ہے۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چشمۂ افادیت مانتے ہیں۔ ایک چراغ اگر ایسا ہو جس سے کوئی دوسرا روشن نہ ہو۔ وہ قابلِ تعریف نہیں ہے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم ایسا نُور مانتے ہیں کہ آپؐ سے دوسرے روشنی پاتے ہیں۔

یہ جو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الاحزاب: ۴۱) یہ بالکل درست ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپؐ کی جسمانی ابوت کی نفی کی۔ لیکن آپ کی رُوحانی ابوت کا استثناء کیا ہے۔ اگر یہ مانا جائے جیسا کہ ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ آپ کا نہ کوئی جسمانی بیٹا ہے نہ رُوحانی تو پھر اس طرح پر معاذ اللہ یہ لوگ آپؐ کو ابتر ٹھہراتے ہیں، مگر ایسا نہیں۔ آپ کی شان تو یہ ہے کہ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر: ۲ تا ۴) اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کی آیت میں فرمایا ہے کہ جسمانی طور پر آپؐ اَب نہیں، مگر رُوحانی سلسلہ آپؐ کا جاری ہے۔ لیکن مافات کے لیے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ آپؐ خاتم ہیں۔ آپؐ کی مُہر سے نبوت کا سلسلہ چلتا ہے۔

ہم خود بخود نہیں بن گئے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے موافق جو بنایا وُہ بن گئے۔ یہ اس کا فعل اور فضل ہے۔ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ۔ خُدا نے جو وعدے نبیوں سے کیے تھے۔ ان کا ظہور ہوا ہے۔ براہین میں یہ الہام اس وقت سے درج ہے۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَکَانَ اَمْرًا مَّفْعُوْلًا۔ وغیرہ اس قسم کے بیسیوں الہام ہیں۔ جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی ارادہ فرمایا ہوا تھا۔ اس میں ہمارا کچھ تصرف نہیں، کیا جس وقت اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ وعدے فرمائے ہم حاضر تھے؟ جس طرح خدا تعالیٰ مُرسل بھیجتا ہے، اسی طرح اس نے یہاں اپنے وعدہ کو پورا کیا۔

آئندہ کے لیے اگر اس قسم کے جلسے گفتگو کے ہوں، تو سوالات پہلے قلمبند ہونے چاہئیں تاکہ ان کے جوابات دیکھ لیے جائیں، کیونکہ ہم تو ان بحثوں کا سلسلہ بند کر چکے ہیں۔

کیونکہ یہ کوئی بیٹر بازی نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ پہلے سے مُرتب ہو جاوے۔

حضرت مولانا مولوی نور الدین صاحب نے عرض کیا کہ حضوؐر نے جو لکھا ہے کہ سورۂ نُور سے نُور

حاصل کرو۔ یہ ایک لطیف نکتہ معرفت ہے۔

ایک شخص نے سوال لکھ کر بھیجا تھا کہ میرے دادا نے مکان کے ایک حصّہ ہی کو مسجد بنایا تھا۔ اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی تو کیا اس کو مکان میں ملا لیا جاوے؟ فرمایا

"ہاں۔ ملا لیا جاوے۔"[1]

زاں بعد بعد نماز عشاء اجلاس ختم ہوا

۷؍اکتوبر ۱۹۰۲ء (بعد نماز عصر)

مولوی کرم الدین کی دھمکی کا جواب

مولوی کرم الدین صاحب جیں نے سائیں مہر علی شاہ گولڑوی کے پردہ دری والے مضمون کو پڑھ کر اور سُن کر ایک خط لکھا جس میں انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اب جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا میں کروں گا۔ فرمایا:

اُن کو لکھ دو کہ تمہاری دھمکی تم پہ ہی پڑے گی۔ جو دُوسرے مولویوں پر پڑا ہے، وہی تم پر پڑے گا۔ ہماری باتیں آسمانی ہیں۔ ہم منصوبہ نہیں سوچتے۔ یہ نامردی ہے۔ کہ تم نے نام تک نہیں لکھا۔

دربارِ شام

مختلف مسائل پر گفتگو

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت بعارضہ زکام ناساز تھی۔ بعد ادائے نماز مغرب جب آپ اجلاس فرما ہوئے تو ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب طبی مشورہ عرض کرتے رہے، پھر مولانا مولوی محمد علی صاحب نے منشی مظہر علی صاحب کا خط سُنایا جو میگزین کو پڑھ کر اس سلسلہ کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے مزید اطمینان کے لیے چاہا تھا کہ ایک مقدمہ متدائرہ کے انجام کے متعلق حضرت اقدس جواب دیں۔ آپ نے سنّتِ انبیاء کے موافق جو اقتراحی معجزات مانگنے والوں کو جواب دینا چاہیے۔ جواب دیا اور فرمایا کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۷ تا ۱۰ پرچہ ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

خدا تعالیٰ نشان نمائی میں اپنی شرائط رکھتا ہے۔

اس کے بعد مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے اپنا ایک لطیف مضمون سنایا۔

پھر ٹیکہ طاعون پر مختلف باتیں ہوتی رہیں۔

اور طاعون کے ذکر آنے پر آپ نے اپنی پیشگوئی کو دہرایا؛ کہ

براہین میں اس کی خبر دی گئی ہے۔ اَتیٰٓ اَمْرُاللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۔ اور پھر نذیر نام رکھا اور کہا کہ زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ اور پھر فرمایا کہ یہی زور آور حملے ہیں۔ انسان جب کوئی بیمار ہی نہیں ہوتا، تو غافل ہوتا ہے۔ لیکن جب زلزلہ کی طرح ہلایا جاتا ہے۔ پھر تبدیلی کرنا چاہتا ہے۔ جیسے فرعون کا حال ہوا۔ '

دوزخ

حدیث آتش دوزخ کہ گفت واعظ شیخ

حدیث آتش روزگار ہجران است

خدا تعالیٰ سے جب انسان جدائی لے کر جاتا ہے، تو اس کے تمثلات دوزخ ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے کلام میں کذب نہیں ہے۔ مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ مُجْرِمًا (طٰہٰ : ۷۵) سچ فرمایا ہے۔ جب انسان عذاب اور درد میں مبتلا ہے؛ اگرچہ وہ زندہ ہے لیکن مُردوں سے بھی بدتر ہے وہ زندگی جو مرنے کے بعد انسان کو ملتی ہے وہ صلاح اور تقویٰ کے بدوں نہیں مل سکتی۔ جس کو تپ چڑھی ہوئی ہے اسے کیونکر زندہ کہہ سکتے ہیں سخت تپ میں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ رات ہے یا دن ہے۔

شدھی اور شودر

مولانا مولوی نور الدین صاحب حکیم الامت نے عرض کیا کہ رُوڑکی میں بعض مُسلمان آریہ ہو گئے ہیں۔ مَیں نے اُن سے پُوچھا کہ تمہیں کوئی نفع پہنچا۔ اور اب شدھ ہو کر تم کس وَرن میں ہوتے۔ اُس نے کہا کہ شودر ہیں۔ پھر دُوسرے آریہ سے پُوچھا کہ آپ کون ہیں۔ اس نے کہا کہ مَیں بھی شودر ہوں۔ مَیں نے کہا کہ کیا آپ اپنی لڑکی ان کو دے سکتے ہیں۔ خاموش ہی ہو گیا۔

پگٹ اور ڈوئی

مسٹر پگٹ کے متعلق ایک نوٹ فری تھنکر سے سنایا گیا کہ لوگوں نے اس پر حملہ کیا۔ پولیس نے بچا دیا۔ اور پھر مسٹر ڈوئی کا اخبار سُنایا گیا۔ اس نے

ایک فقرہ لکھا ہے کہ مسیح نے دو ہزار سؤروں کو شیطان میں ڈال دیا۔ تو گویا سُؤر کے لیے موزوں جگہ شیطان ہے اور پھر سُؤر کیلئے بہترین جگہ تمہارا پیٹ ہے۔

انجیل کی ایک تمثیل انجیل میں ایک خمیر کی مثال ہے۔ جس کو ناظرین کی دلچسپی کے لیے ہم انجیل متی کے $\frac{13}{33}$ سے نقل کرتے ہیں۔ یہ مثال ڈوئی نے بیان کی ہے اور اِس پر حجۃ اللہ نے مختصر سی تقریر کی۔ وہ ذیل میں درج ہوگی۔ وہ مثال انجیل میں یُوں لکھی ہے۔

"اس نے ایک اور تمثیل انہیں سُنائی کہ آسمان کی بادشاہت اُس خمیر کی طرح ہے جسے کسی عورت نے لیکر تین پیمانہ آٹے میں ملا دیا۔ اور ہوتے ہوتے سب خمیر ہوگیا۔"

فرمایا :

اگر یہ صحیح ہے تو یہ پیشگوئی ہے۔ عورت سے مراد دُنیا ہے اور مسیح سے لے کر اس وقت تک تین ہی پیمانے ہوتے ہیں۔ یعنی خود مسیح، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اس وقت یہ سلسلہ۔ ہم نے جو تعلیم لکھی ہے — اور کشتیٔ نُوح میں چھپی ہے۔ اس کو پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تین پیمانوں کو ایک کیا گیا ہے۔ عورت سے مراد دُنیا ہے۔ گو دُنیا نے طبعًا تقاضا کیا کہ یہ سلسلے اس طرح پر قائم ہوں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو پیش کر کے مسیح کی تعلیم کے زوائد کو نکال دیا ہے۔ براہین کے الہامات میں مجھے اور مسیح ابن مریم کو ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے کہا گیا ہے۔[1]

اس کے بعد نماز عشاء کا دربار ختم ہوا۔

۸ر اکتوبر ۱۹۰۲ء (صُبح کی سیر)

یاجُوج ماجُوج یاجُوج ماجُوج کے تذکرہ پر فرمایا کہ :

مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء : ۹۷) کے بعد وُہ خُدا سے جنگ کریں گے۔ اب گویا یہ خُدا سے جنگ ہے۔ یہ استعارہ ہے کہ جب اقبال یہانتک پہنچ جاوے کہ کوئی سلطنت ان کے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۱۱-۱۲ پرچہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۰۲ء

مقابل نہ ٹھہرے تو پھر خدا سے جنگ کرنی چاہیں گے۔

خُدا سے جنگ یہی ہے کہ نہ ان میں تضرّع اور زاری ہے اور نہ دُعا کی حقیقت پر نظر ہو بلکہ اسباب اور تدابیر پر پُورا بھروسہ ہو۔ اور قضاء و قدر کا مقابلہ کیا جاوے۔ ڈوئی کے سامنے جو ہمارا مقدمہ تھا۔ اس میں بھی خُدا نے یہی فرمایا کہ ہم گویا اتر کر لڑے۔ اِنَّا تَجَالَدْنَا فَانْقَطَعَ الْعَدُوُّ وَاَسْبَابُهٗ۔ اور اس میں دونوں دُشمن ناکام اور نامراد رہے۔

جب قضاء قدر اٹل ہو تو پھر جو کوئی اس کا مقابلہ کرتا ہے، تو گویا خُدا سے لڑائی کرتا ہے۔ یُورپ کی سلطنتوں اور خاص کر ہماری سلطنت کا بہت بڑا اقبال ہے۔ حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہر سلطنت میں طاعُون جاوے گی۔ ان کو خُدا کے تصرّف پر یقین نہیں۔ پہلے بادشاہوں کا یہی حال تھا کہ جب کوئی آفت رعایا پر آئی تو خود اُن میں تضرّع کی حالت پیدا ہوتی اور وہ دُعائیں کرتے اور کراتے اور صدقات سے کام لیتے۔ مگر آج کل تدابیر اور اسباب ہی پر سارا بھروسا ہے۔ دُعاؤں کو لغو اور بیہودہ شے سمجھا گیا ہے۔

اور اصل تو یہ ہے کہ قضاء۔ قدر کا سارا سلسلہ تو سچے خُدا پر ایمان لانا تھا۔ جب حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو خدا مان لیا۔ پھر اس سلسلہ پر کیوں ایمان لاتے۔

افیون کی مضرّت

فرمایا :-

جو لوگ افیون کھاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں موافق آگئی ہے۔ وُہ موافق نہیں آتی۔ دراصل وُہ اپنا کام کرتی رہتی ہے اور قوٰی کو نابود کر دیتی ہے۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ

اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو بشارت دی ہے یہ سچ ہے اور یہ ایک نشان ہے اس کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ کسی علاج سے منع نہیں کرتا، بلکہ شہد اور مشک وغیرہ کا خود ذکر کرتا ہے۔ اس لیے اگر ٹیکا ضروری ہوتا تو سب سے پہلے ہم کو حکم ہوتا۔ خود گورنمنٹ کو بھی اس پر پورا وثوق نہیں ہے۔ یہ الہام جو اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ ہے اس میں ڈرایا بھی ہے جبکہ اس نے فرمایا ہے۔ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ۔ جو لوگ فسق کی پرواہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی ذمّہ داری سے الگ ہیں۔ اور جن لوگوں کی زندگی کا درجہ ختم ہو گیا ہے وہ بھی الگ ہیں۔ اور سب سے آخر یہ بات ہے کہ نسبتاً جو اُن میں ہیں وُہ

محفوظ رہیں گے۔ قرآن شریف میں بھی آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں اور کافروں میں ایک فرق رکھ دیتا ہے اور ان میں فاروق ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے۔

اس زندگی پر کیا مزہ ہے جو حشائش پر ہاتھ مارتا ہے۔ وہی زندگی بہشتی زندگی اور قابلِ قدر زندگی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے تمسک ہو؛ ورنہ حشائش پر ہاتھ مارنے والوں کی زندگی کی تو ایسی مثال ہے جیسے بلی کے بچے کے پیچھے کتا ہو اور وُہ چُوہے کے بل پر ہاتھ مارتا پھرے۔

کیا انسان ابتدا میں وحشی تھا

جناب ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے ان سے اس امر پر گفتگو کی کہ انسان پہلے وحشی تھا اور وہ پھر ترقی کرتے کرتے تہذیب کے درجہ پر پہنچا ہے۔ فرمایا کہ ؛

جب ہم انسان کو مہذب دیکھتے ہیں تو کیوں اس کی جڑ تہذیب نہ بتائیں۔ قرآن شریف سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۔ (التین : ۵، ۶) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ پیچھے وحشی بن گئے۔ مَیں کہتا ہوں۔ کیا خدا تعالیٰ کو پہلا نمونہ عمدہ دکھانا چاہیئے تھا یا خراب اور اَوَّلُ الدَّنِّ دُرْدٌ کا مصداق۔ خُدا نے بُرا بنایا تھا اور پھر گِھس گِھس کر خود عمدہ بن گیا۔ خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی اور توہین ہے۔

مثنوی سے ایک مثال

اس کی تو وہی مثال ہے جو مثنوی میں ایک بہرہ کی حکایت لکھی ہے کہ وہ کسی بیمار کی عیادت کو گیا اور خود ہی تجویز کر لیا کہ پہلے مزاج پُوچھوں گا۔ وُہ کہے گا۔ اچھا ہے۔ مَیں کہوں گا۔ الحمد للہ اور پھر مَیں پُوچھوں گا۔ آپ کیا کھاتے ہیں۔ تو چونکہ وہ بیمار ہے یہی کہے گا کہ مونگ کی دال کھاتا ہوں۔ مَیں کہوں گا بہت اچھا۔ اور پھر پُوچھوں گا طبیب کون ہے۔ وہ کہے گا کہ فلاں ہے۔ مَیں کہوں گا۔ خُوب ہے۔ دستِ شفا ہے۔ لیکن جب وہاں گئے۔ تو

بہرہ۔ (مریض سے) آپ کا مزاج کیسا ہے؟

مریض ۔ مَر رہا ہوں۔

بہرہ ۔ الحمد للہ۔

بہرہ۔ (مریض سے) آپ کی غذا کیا ہے؟

مریض ۔ خونِ جگر ۔
بہرہ ۔ بہت اچھی غذا ہے ۔
بہرہ ۔ (مریض سے) طبیب کون ہے ؟
مریض ۔ ملک الموت ۔
بہرہ ۔ طبیب اچھا ہے ۔ دستِ شفا ہے ۔
ان لوگوں کی بھی کچھ ایسی ہی حالت ہے

کشتی نوحؑ

قرآن شریف سے پتہ لگتا ہے ۔ کہ جب نوحؑ کا بیٹا طوفان میں غرق ہونے لگا ۔ تو نوحؑ نے کہا کہ تو آجا ۔ تو اُس نے کہا کہ مجھے تیرے پاس آنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا ۔ گویا وہ نادان اپنے اسباب اور تدابیر سے بچنا چاہتا تھا ۔ مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ آج تجھے خُدا سے کوئی بچانے والا نہیں ۔ اسی طرح پر میرے الہام میں بھی یہی ہے کہ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۔ اور اس مسجد مبارک کے لیے فرمایا مَن دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا یہ دلالت کرتے ہیں ۔ کہ ایک طوفانِ عظیم آنے والا ہے اور اس میں وہی لوگ بچیں گے ۔ جو میری کشتی میں سوار ہوں گے ۔ اور اب اِنِّيْ اُحَافِظُ (الخ) بھی اس کا مؤید ہے ۔ اور وُہ طاعون کا طُوفان ہے اور براہین میں اُس کی طرف اشارہ کر کے صاف فرمایا ۔ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ اس وقت جو اس میں سوار ہوتے ہیں اور اپنی تبدیلی کرتے ہیں وہ بچ جائیں گے ۔

طاعون

فرمایا :

زمانہ کی رسم کے موافق اب لوگ طاعون کو کہتے ہیں کہ یہ معمولی بات ہے ۔ یہ ایک قسم کا عام ارتداد ہے جو پھیل رہا ہے ۔ جو لوگ ڈاکٹر ہوتے ہیں ، وُہ نیم دہریہ ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے علاج اور اسباب پر اس قدر توکل اور تکیہ کیے ہوئے ہوتے ہیں ۔ کہ خُدا سے ان کو کوئی تعلق نہیں رہتا ۔

پنجاب میں طاعون کا حملہ بہت بڑھ کر ہے ۔ بمبئی کراچی کا کوئی اوسط اس کے ساتھ مقابلہ نہیں کھاتا ۔ اور یہ بہت بڑھی ہوئی تعداد موت کی ہے ۔

پنجاب پر طاعون کا حملہ کیوں ہو رہا ہے ؟ ہمارے نزدیک اس کی یہ وجہ ہے کہ خُدا نے یہاں ایک

سلسلہ قائم کیا ہے، تو اوّل المکذبین یہی لوگ ہوئے ہیں۔ اور انھوں نے ہی کفر کے فتوے دیئے ہیں بعض آدمیوں نے کہا کہ یہ طاعون گویا ہماری شامتِ اعمال کا نتیجہ ہے۔ یہ آواز کوئی نئی آواز نہیں۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کو بھی کہا گیا تھا۔ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ (الاعراف: ۱۳۲) مگر مجھے یہ تعجب ہے کہ یہ لوگ طاعون کو ہماری شامت اعمال کا نتیجہ بتاتے ہیں لیکن مبتلا خود ہوتے ہیں، حالانکہ اگر ہماری شامتِ اعمال تھی تو چاہیے تھا کہ طاعون کی خبر تم کو دی جاتی۔ مگر یہ کیا ہوا کہ خبر بھی ہم کو دی گئی اور موتیں تم میں ہوتی ہیں۔ برخلاف اس کے کہ ہماری حفاظت کا وعدہ کیا جاتا اور اسے ایک نشان ٹھہرایا جاتا ہے۔ کچھ تو خدا سے ڈرو۔

خدا کے نذیر کے لیے زور آور حملے

خدا تعالیٰ کے نزدیک نذیر وہ ہوتا ہے جو خدا اس کے لیے تائیدی نشان جن میں اس کے مخالفوں کے لیے خوف ہو۔ اُوپر سے نازل کرتا ہے۔ لکھا ہے کہ خدا اُسے قبول کرے گا۔ اور بڑے زور آور حملوں سے اس کی سچائی ظاہر کر دے گا۔ خدا تعالیٰ کی پہلی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زور آور حملے طاعون کے ہیں جن سے ہر راہ بند کی جاتی ہے اور مُنہ سے اقرار کرنا پڑتا ہے۔ یَا مَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا۔

نَدْوَۃ

ندوہ کے متعلق ذکر تھا۔ فرمایا:

اصل یہ ہے کہ متقی کے لیے تو بولنے کی جگہ نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ کہ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ (البقرۃ: ۷۳) یہ لوگ جو امرت سر میں آتے ہیں ان کی بھی جھوٹی تہذیب نہ رہے، بلکہ اس کی حقیقت کھُل جاوے۔ یاد رکھو مداہنہ سے حق نہیں پھیلتا۔ بلکہ رہی سہی برکت بھی جاتی رہتی ہے۔ اگر کوئی شخص ڈر کر کہ یہ علماء کی جماعت ہے ان کے ساتھ ہو جاوے۔ ہم کو اُس کی پرواہ نہیں۔ جن لوگوں کے لیے سعادت مقدر ہے، ان کا حرج نہیں۔ خدا تعالیٰ ان کا آپ محافظ ہے اور یہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے کہ بعض خبیث فطرت مرتد ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی اور مسیح کے وقت میں بھی مرتد ہوئے۔

احمق نہیں جانتے کہ ہماری طرف سے بات ہوتی تو یہ شوکت کب رہتی۔ طاعون ہی کے ذریعہ سے دس ہزار کے قریب لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ خدا کی طرف سے نہ ہوتا تو وہ خود اس سلسلہ کو ہلاک کر دیتا۔ آخری حیلے ان لوگوں کے رشتوں ناطوں اور جنازوں کے متعلق ہوتے ہیں۔ مکّہ والوں نے بھی کئے تھے۔

مگر جیسے وہاں پہلے ہی سے فیصلہ ہو چکا تھا کہ ان سے الگ ہیں۔ ویسے ہی یہاں بھی۔ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورہ کیا گیا تھا۔ اس کا نام دار الندوہ تھا۔ وُہ بھی آخری حیلہ تھا اور یہ بھی آخری حیلہ ہے۔

امرتسر مکہ کی طرح ہو رہا ہے۔ گندے اشتہار وہاں ہی سے شائع ہوتے ہیں۔ ابوجہل کے اخوان و انصار وہاں موجود ہیں اور دار الندوہ کی کمی تھی۔ وہ بھی آگیا۔

بعد عصر

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر جب حضرت اقدسؑ اندر تشریف لے گئے۔ تو لالہ شرمپت رائے اور لالہ ملاوامل جو قادیان کے آریوں میں پرانے آریہ ہیں اور حضرت اقدسؑ کی اکثر پیشگوئیوں کے گواہ ہیں۔ اپنے اکثر احباب کو لے کر حضرت اقدس کی ملاقات کو آگئے۔ آپ نے ان میں سے ایک شخص معمر سفید ریش کو مخاطب کر کے فرمایا:

کشمکش کی زندگی دُنیا کی کشمکش کی زندگی میں لذت نہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کسی کو بیٹھے بٹھائے گذارہ دیدے تو کچھ ضرورت نہیں کہ انسان اہل حکومت کے پاس جاوے۔ ان لوگوں کے پاس جانا یہ بھی ایک قسم کا دوزخ ہے۔ ان لوگوں کی حالت خارش کی طرح ہے۔ کہ جو ایک مرض ہے اور کھجلانے والوں کو اس میں ایک لذت ملتی ہے۔ لیکن وہ شخص احمق ہی ہوگا جو اس لذت کو پسند کرے۔ اسی طرح حکام کے دروازوں پر جانا ایسا ہی ہے۔ گوشہ نشینی کی زندگی ایک قسم کی بہشتی زندگی ہے۔ کسی نے کہا ہے ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را با کسے کارے نباشد

بچپن میں جو بچوں کو مدرسہ میں بٹھاتے ہیں۔ اس کی کشمکش ساری عمر یاد رہتی ہے۔ اُستاد کی حکومت کے نیچے ایک قسم کی تلخی معلوم ہوتی ہے ہمیں اس وقت تک بھی یاد ہے کہ چھٹی کے دن کے بعد یعنی ہفتہ کو جو مدرسہ کا جانا ہوتا تھا، تو سخت ناگوار گذرا کرتا تھا۔ اور تو کچھ یاد نہیں رہا، مگر یہ درد ضرور یاد ہے کہ مدرسہ جانا ایک درد محسوس ہوا کرتا تھا، کیونکہ مرض کے خلاف بھی ایک درد ہی ہوا کرتا ہے۔ اور جو لوگ حکام کے دروازوں پر جاتے ہیں جیسے ذیلدار وغیرہ یا اور اسی قسم کے لوگ یہ عجیب عجیب قسم کے ابتلاء میں پھنس جاتے ہیں۔ بعض کو رشوت لینے کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ آدمی بڑا ہی خوش نصیب ہے اور اس کو خدا

کا شکر کرنا چاہیے جو کسی حکومت کے نیچے نہیں اور جسے فکر نہیں کہ رات کو یا دن کو کوئی آواز آئے گی۔ بعض لوگ اسیسر ہونے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں، مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ وہ بڑے پابند ہوتے ہیں۔ ایک بار ایک اسیسر کو جو اپنے وقت پر نہیں آیا تھا۔ سزا ہوئی۔ اس نے کہا کہ مَیں شادی پر یا کہیں اور گیا تھا۔ حاکم نے اُسے کہا کہ کیا تم کو معلوم نہ تھا۔ کہ مَیں اسیسر ہوں اور سزا دے دی۔ آخر چیف کورٹ نے اس کو بَری کر دیا۔ غرض اس قسم کے مصائب اور مشکلات ہوتی ہیں اور پھر ان بیچاروں کی حالت تا تریاق از عراق آوردہ شود کی مصداق ہو جاتی ہے خواہ اپیل میں بَری ہو جاویں۔ مگر وہ بے عزتی اور مصائب کا ایک بار تو مُنہ دیکھ لیتے ہیں۔ کیا اچھا کہا ہے سعدی نے : ؎

کس نیاید بخانۂ درویش
کہ خراج بوم و باغ گذار

جس قدر انسان کشمکش سے بچا ہوا ہو اسی قدر اس کی مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ کشمکش والے کے سینہ میں آگ ہوتی ہے اور وُہ مصیبت میں پڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس دُنیا کی زندگی میں یہی آرام ہے کہ کش مکش سے نجات ہو۔ کہتے ہیں ایک شخص گھوڑے پر سوار چلا جاتا تھا۔ راستہ میں ایک فقیر بیٹھا تھا جس نے بمشکل اپنا ستر ہی ڈھانکا ہوا تھا۔ اُس نے اُس سے پوچھا کہ سائیں جی کیا حال ہے؟ فقیر نے اُسے جواب دیا کہ جس کی ساری مُرادیں پُوری ہو گئی ہوں۔ اس کا حال کیسا ہوتا ہے؟ اُسے تعجب ہوا کہ تمہاری ساری مُرادیں کس طرح حاصل ہو گئی ہیں۔ فقیر نے کہا جب ساری مُرادیں ترک کر دیں، تو گویا سب حاصل ہو گئیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جب یہ سب حاصل کرنا چاہتا ہے تو تکلیف ہی ہوتی ہے۔ لیکن جب قناعت کر کے سب کو چھوڑ دے، تو گویا سب کچھ ملنا ہوتا ہے۔ نجات اور مُکتی یہی ہے کہ لذت ہو دُکھ نہ ہو۔ دُکھ والی زندگی تو نہ اِس جہان کی اچھی ہوتی ہے اور نہ اُس جہان کی۔ جو لوگ محنت کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں، وُہ گویا اپنی کھال اُتارتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ زندگی تو بہر حال ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ برف کے ٹکڑہ کی طرح ہے خواہ اس کو کیسی ہی صندوقوں اور کپڑوں میں لپیٹ کر رکھو، لیکن وہ پگھلتی ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر خواہ زندگی کے قائم رکھنے کی کچھ بھی تدبیریں کی جاویں۔ لیکن یہ سچی بات ہے کہ وُہ ختم ہوتی جاتی ہیں۔ اور روز بروز کچھ نہ کچھ فرق آتا ہی جاتا ہے۔ دُنیا میں ڈاکٹر بھی ہیں۔ طبیب بھی ہیں۔ مگر کسی نے عمر کا نسخہ نہیں لکھا۔ جب لوگ بڈھے ہو جاتے ہیں۔ پھر اُن کو خوش کرنے کو بعض لوگ آ جاتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ ابھی تمہاری عمر کیا ہے؟ ساٹھ برس کی بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔ رحمت علی ایک نذکوری تھا۔ اس کا بیٹا فقیر علی مُنصف ہو گیا تھا اور لوگ اس وجہ سے اس کی عزت بھی کیا کرتے تھے۔ ڈپٹی قائم علی نے ایک دفعہ اس سے پُوچھا

تمہاری کیا عمر ہے ؟ اس نے کہا کہ ۵۵ سال کی ہوگی ؛ حالانکہ وہ ۶۵ سال کا تھا۔ قائم علی نے اس کو کہا کہ کیا ہوا۔ ابھی تو بچے ہو۔ خود بھی وہ یہی عمر بتایا کرتا تھا۔ مَیں نے کہا کہ ۵۵ کا سال بڑا مشکل ہے۔ یہ ختم ہونے میں نہیں آتا۔ غرض انسان عمر کا خواہشمند ہو کر نفس کے دھوکوں میں پھنسا رہتا ہے۔ دُنیا میں عمریں دیکھتے ہیں کہ ۶۰ کے بعد تو قویٰ بالکل گداز ہونے لگتے ہیں۔ بڑا ہی خوش قسمت ہوتا ہے جو ۸۰ یا ۸۲ تک عمر پائے اور قویٰ بھی کسی حد تک اچھے رہیں ؛ ورنہ اکثر نیم سودائی سے ہو جاتے ہیں۔ اُسے نہ تو پھر مشورہ میں داخل کرتے ہیں اور نہ اس میں عقل اور دماغ کی کچھ روشنی باقی رہتی ہے۔ بعض وقت ایسی عمر کے بڈھوں پر عورتیں بھی ظلم کرتی ہیں کہ کبھی کبھی روٹی دینی بھی بھُول جاتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ در جوانی کار دو جہانی کن۔ اور مشکل یہ ہے کہ انسان جوانی میں مست رہتا ہے اور مرنا یاد نہیں رہتا۔ بُرے بُرے کام اختیار کرتا ہے اور آخر میں جب سمجھتا ہے تو پھر کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ غرض اس جوانی کی عمر کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔

نشان زندگانی تا بسی سال
چو چل آمد فرو ریزد پر و بال

انحطاط عمر کا ۴۰ سال سے شروع ہو جاتا ہے۔ ۳۰ یا ۳۵ برس تک جس قدر قد ہونا ہوتا ہے، وُہ پورا ہو جاتا ہے اور بعد اس کے بڈھے ہو کر پھُولنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور پھُولنے کا نتیجہ فالج ہو جاتا ہے۔

شرمپت اس وقت جانے لگا۔ فرمایا :

بیٹھو ! ان کے ساتھ جانا۔ یہ شرطِ وفا نہیں۔

پھر حضرت اقدس نے اسی سلسلہ سابقہ میں فرمایا کہ :

جس قدر ارادے آپ نے اپنی عمر میں کئے ہیں۔ اُن میں سے بعض پُورے ہوتے ہوں گے، مگر اب سوچ کر دیکھو کہ وہ ایک بُلبُلہ کی طرح تھے جو فوراً معدوم ہو جاتے ہیں۔ اور ہاتھ پلے کچھ نہیں پڑتا۔ گذشتہ آرام سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے تصوّر سے دُکھ بڑھتا ہے۔ اس سے عقلمند کے لیے یہ بات نکلتی ہے کہ انسان ابن الوقت ہو۔ رہی زندگی انسان کی جو اس کے پاس موجود ہے۔ جو گذر گیا۔ وہ وقت مر گیا۔ اس کے تصورات بے فائدہ ہیں۔ دیکھو جب ماں کی گود میں ہوتا ہے اس وقت کیا خوش ہوتا ہے۔ سب اُٹھاتے ہوئے پھرتے ہیں۔ وُہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ گویا بہشت ہے۔ اور اب یاد کر کے دیکھو کہ وُہ زمانہ کہاں ؟

سعدی کہتا ہے ؎

من آنگہ سر تاجور داشتم
کہ بر فرقِ ظلّ پدر داشتم

اگر بر وجودم نشستے مگس
پہ پریشاں شد خاطرے چند کس

یہ زمانے پھر کہاں مل سکتے ہیں۔ لکھا ہے کہ ایک بادشاہ چلا جاتا تھا۔ چند چھوٹے لڑکوں کو دیکھ کر رو پڑا۔ کہ جب سے اس صحبت کو چھوڑا، دُکھ پایا ہے۔ پیرانہ سالی کا زمانہ بُرا ہے۔ اس وقت عزیز بھی چاہتے ہیں کہ مر جاوے اور مرنے سے پہلے قویٰ مر جاتے ہیں۔ دانت گر جاتے ہیں۔ آنکھیں جاتی رہتی ہیں۔ اور خواہ کچھ ہی ہو۔ آخر پتھر کا پُتلا ہو جاتا ہے شکل تک بگڑ جاتی ہے۔ اور بعض ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ آخر خودکشی کر لیتے ہیں بعض اوقات جن دُکھوں سے بھاگنا چاہتا ہے۔ یکدفعہ ان میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگر اولاد ٹھیک نہ ہو تو اور بھی دُکھ اٹھاتا ہے۔ اس وقت سمجھتا ہے کہ غلطی کی اور عمر یُونہی گذر گئی۔ مگر .... دوہرا ؎

آگے کے دن پا پچھے گئے ہر خدا سے کیو نہ ہیت
اب پچتائے کیا ہوت ہے جب چڑیاں چُگ گئیں کھیت

عقلمند وہی ہے جو خدا کی طرف توجہ کرے۔ خُدا کو ایک سمجھے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ ہم نے آزما کر دیکھا ہے۔ نہ کوئی دیوی نہ دیوتا۔ کوئی کام نہیں آتا۔ اگر یہ صرف خدا کی طرف نہیں جھکتا تو کوئی اس پر رحم نہیں کرتا۔ اگر کوئی آفت آجاوے، تو کوئی نہیں پُوچھتا۔ انسان پر ہزاروں بلائیں آتی ہیں پس یاد رکھو کہ ایک پروردگار کے سوا کوئی نہیں وُہی ہے جو ماں کے دل میں بھی محبت ڈالتا ہے۔ اگر اس کے دل کو ایسا پیدا نہ کرتا، تو وہ بھی پرورش نہ کرسکتی۔ اس لیے اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔؎

تحفۃ الندوۃ

۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۲ء یوم جمعہ

فرمایا:

ندوہ میں لوگ اتمامِ حجت کی غرض سے ہم نے بھیجے ہیں۔ ورنہ کچھ بہتری کی امید ہرگز نہیں۔ کیونکہ ان کے اغراض عوام سے وابستہ ہیں۔ یہاں تو ان کو تحفۃ الندوہ دے کر بھیجا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو نزول المسیح دلّی میں بھیجیں گے۔ والسلام ؎

الحکم جلد ۶ نمبر ۳۷ صفحہ ۱۴-۱۵- پرچہ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

۱۱؍اکتوبر ۱۹۰۲ء یوم شنبہ

جلدی میں رائے قائم نہ کریں

ایک صاحب نووارد کو جن کا نام مولوی حامد حسین صاحب تھا۔ مخاطب کر کے فرمایا:

بہتر ہے۔ کہ آپ پانچ سات دن یہاں قیام کریں۔ اتنا عزم اور جلد واپس چلا جانا ٹھیک نہیں۔ بنیادی کاموں میں لوگ کتنی تحقیقات اور چھان بین کرتے ہیں۔ حقیقت میں جو شخص جلدی رائے قائم کر لیتا ہے۔ وُہ دُوسروں کو بھی ابتلاء میں ڈالتا ہے۔ پس خلاف واقعہ رائے ظاہر کرنا خون کرنے کے برابر ہے۔ بہت باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جوں جوں انسان ان پر زیادہ غور کرتا ہے، اسی قدر نتیجہ عمدہ نظر آتا جاتا ہے۔

انسان کو سچائی تک پہنچنے کے واسطے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ اوّل خداداد عقل اور فہم ہو۔ دوم خداداد سمجھ اور سعادت ہو۔ جن لوگوں کو مناسبت نہیں ہوتی۔ ان کے دِلوں میں کراہت اور اعتراض ہی پیدا ہوتے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ گذشتہ لوگوں میں سے اکثر لوگوں نے راستبازوں کا اِنکار کیا۔

آپ دُور دراز سے آئے ہیں اور آپ کو آتے ہی ایک روک بھی پیدا ہو گئی۔ اور ہم نے تو ایک ہی روک کا ذکر سُنا ہے۔ مخالفانہ گفتگو کے بجز احقاق حق نہیں ہوتا۔ بہت لوگ منافقانہ طور پر ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ پس ایسے لوگ کچھ فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ تم خُوب جی کھول کر اعتراض کرو۔ ہم پورے طور پر جواب دینے کو تیار ہیں۔

سچّے مذہب کی شناخت

مولوی حامد حسین صاحب کی طرف سے سوال ہوا کہ تمام اہل مذاہب اپنے مذہب کو صحیح خیال کر رہے ہیں۔ ہم فیصلہ کس طور سے کریں؟ فرمایا:

بات یہ ہے کہ آجکل بلکہ ہمیشہ سے سچّے مذہب کی شناخت کے لیے ضروری ہے۔ کہ دو باتیں اُس میں موجود ہوں۔ اوّل کہ اُس کی تعلیم پاک ہو۔ اور تعلیم پر انسان کی عقل اور کانشنس کا کوئی اعتراض نہ ہو۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ خُدا کے امور ناپاک ہوں۔ دوم۔ اس کے ساتھ تائیدات سماویہ کا سلسلہ ایسا وابستہ ہو کہ جس کے ساتھ انسان خُدا کو پہچان سکے اور اس کی تمام صفات کا مشاہدہ کرے تاکہ گناہ سے بچ سکے۔ گو انسان سچّے مذہب میں ہی داخل ہو مگر اس کے ساتھ کشش نہیں تو وہ ایسے چشمہ کی مثل ہے کہ جو ایسی جگہ واقع ہے جس کے اردگرد پہاڑ یا دیوار یا ایسا خارستان ہے کہ وہاں ہم کسی طرح پہنچ نہیں سکتے۔ پس ایسا چشمہ ہمارے لیے فضول ہے۔ غرض ضروری شرط یہ ہے کہ اس قدر اسباب موجود ہوں۔ جن سے پکی طرح

پر معرفت الٰہی پیدا ہو جاوے۔ یہ بات بھی بدیہی ہے کہ انسان کو زیادہ مصیبت اس بات کی ہے کہ طرح طرح کے مصائب شدائد کسل وغیرہ کیڑے ایسے لگے ہوئے ہیں کہ اس کو کھاتے اور خُدا سے روکتے ہیں۔ اور انہیں کی وجہ سے انسان اور خُدا کے درمیان ایک بُعد پڑا ہوا ہے۔

پس اس مذہب میں ایسے وسائل ہوں جو اس کو روز بروز کھینچتے جاویں اور کامل یقین پیدا کر کے خُدا سے ملا دیں۔

دُنیا تو یہی سمجھتی ہے کہ کیا ہم خُدا کے مُنکر ہیں۔ لیکن اس کے اعمال کہتے ہیں کہ ضرور وُہ منکر ہے۔ مَیں نے اس بات کا ذکر اکثر کتابوں میں بھی کیا ہے۔ دیکھو۔ اگر ایک سُوراخ میں سانپ ہو۔ تو کیا ایک شخص اس بات کو جان کر اس سُوراخ کے قریب جاوے گا؟ یا اس میں ہاتھ ڈالے گا؟ ایک بَن میں بہت درندے رہتے ہیں۔ کیا باوجود علم کے اس بَن میں کوئی جاوے گا؟ ایک زہریلے کھانے کو علم پاکر کھاوے گا؟ پس معلوم ہوا کہ یہ امر یقین کے لوازم میں سے ہے کہ جس چیز کو وُہ مُہلک سمجھتا ہے، اس کے قریب نہ جاوے۔ پس ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک موقعہ پر حقوق انسانی کو چھینتا ہے، تلف کرتا ہے، رشوت لیتا ہے، چوری کرتا ہے، بدمعاشی کرتا ہے، نہ غصہ اعتدال پر ہے وغیرہ وغیرہ پھر پیرانہ سالی اس کو ان گناہوں سے چھڑاتی ہے۔ پر جبتک جسمانی قویٰ اس کے ساتھ ہیں۔ ہر ایک قسم کی بدکاریاں کرتا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس کا خُدا پر ایمان نہیں۔ ہر ایک شخص اپنے نفس سے گواہی لے سکتا ہے کہ جیسا اس کا حق ہے اعتدال پر چلنے کا۔ ویسا وہ نہیں چلتا۔

پس بڑا مقصُود یہ ہے کہ یہ جو بے اعتدالیاں انسان سے ظہور میں آتی ہیں۔ اُن پر غور کرے کہ اُن کا کیا سبب ہے۔ تو آخر معلوم ہو گا کہ جیسا خُدا سے ڈرنا چاہیئے۔ وُہ پُورا پُورا نہیں ہے۔

بعض دفعہ احسان سے اور بعض دفعہ خوف سے گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ جیسے نسبتاً شریر لوگ ایام امراض طاعون و ہیضہ میں نمازیں شروع کر دیتے ہیں۔ پس ضروری ہے کہ جہاں دُو باتیں پائی جاویں۔ تعلیم پاک اور رفتہ رفتہ خُدا تک پہنچ جانا۔ وہی سچا مذہب ہے۔ اور یہ دونوں ذریعے ایسے ہیں کہ سوائے اسلام کے کہیں نہیں ملیں گے۔ جس خُدا کو اسلام پیش کرتا ہے۔ اس صفائی سے اور کسی مذہب نے پیش نہیں کیا۔ ایک طرف تو اسلام کی تعلیم اعلیٰ ہے۔ دُوسری طرف ایک شخص دس دن بھی تبدیلی کرے تو اس پر انوار و برکات نازل ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ آج کل اسلام کے بہت فرقے ہو گئے ہیں۔ گویا گھر گھر ایک فرقہ بنا ہوا ہے۔ اس سے تشویش ہو گئی ہے۔ ایک طرف شیعہ ہیں کہ حُسینؓ کو مثل لات کے بنا رکھا ہے۔ تو ایک شخص کہہ دے گا کہ کہاں جاؤں۔ شیعہ حُسین پرست بنے ہوتے ہیں۔ خوارج علی کو گالیاں دیتے ہیں۔ درمیان میں اہل سنت ہیں؛ اگرچہ بظاہر اُن کا اعتدال نظر آتا ہے۔ مگر اب اُنھوں نے ایسے قابلِ شرم اعتقاد بنا رکھے ہیں کہ وُہ شرک

تک پہنچ گئے ہیں۔ مثلاً مسیح کو خالق بنا رکھا ہے۔ احیائے موتے اکرنیوالا مانا ہوا ہے۔

پس پاک مذہب وہی ہے جو قرآن کا معیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے؛ اگرچہ انسان بظاہر گھبراتا ہے کہ اس پاک مذہب کو میں کس طرح پاؤں۔ مگر یاد رکھو کہ جو یندہ یابندہ۔ صبر اور تقویٰ ہاتھ سے نہ دے؛ ورنہ خداتعالےٰ غنی ہے۔ اس کو کسی کی کیا پرواہ ہے۔ پس انسان خدا کے سامنے خاکسار بنے، تو اس پر لطف اور احسان کرتا اور اس کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ توبہ، دُعا، استغفار کرے اور کبھی نہ گھبراوے۔ ہر ایک شخص بیمار ہے۔ اور کبھی صحت نہیں پاسکتا جبتک خدا کو نہ دیکھ لے۔ پس ہر وقت اُداس اور دل برداشتہ رہے اور تمام تعلقات کو توڑ کر خدا سے تعلق پیدا کرے؛ ورنہ اس وقت تک جبتک کہ خُدا سے نہیں ملا یہ گندہ اور نجس ہے۔

خداتعالیٰ نے فرمایا ہے مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ الآیۃ (بنی اسرائیل:۷۳)

خدا پر یقین بڑی دولت ہے۔ پس اندھا وہی ہے جس کو اسی دُنیا میں خُدا پر پُورا یقین حاصل نہیں ہوا۔ پس جب اس کا حُسن، جمال، جلال اس پر ظاہر ہوگا، تو خُدا کی تجلی ہوگی۔ اور پھر یہ دیکھ کر ممکن نہیں کہ گناہ کی طرف انسان رجوع کر سکے۔ پس گناہ بھی تبھی کرتا ہے۔ جب اس کو خدا پر شک پڑ جاتا ہے۔ پس جو شخص نفس کا خیر خواہ ہے اس کو تو خدا پر یقین ہونا چاہیے۔ یہ مسیح کے زمانہ میں تو گناہ کی کمی تھی، مگر کفارہ نے دنیا کو گناہ سے پُر کر دیا۔

انسان اپنی کوشش سے کچھ نہیں کر سکتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ تم سب اندھے ہو۔ مگر جس کو خدا آنکھیں دے۔ تم سب بہرے ہو مگر جس کو خُدا کان دے وغیرہ وغیرہ۔ پس جب انسان کو خُدا ہدایت دینے لگتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے۔ پس جبتک دل کا واعظ نہ ہو۔ تسلی نہیں ہو سکتی۔ پس دینی امور میں جبتک تقویٰ نہ ہو رُوح القدس سے تائید نہیں ملے گی۔ وُہ شخص ضرور ٹھوکر کھا کر گرے گا۔

اس دین کی جڑ تقویٰ اور نیک بختی ہے اور یہ ممکن نہیں جبتک خدا پر یقین نہ ہو۔ اور یقین سوائے خدا کے اور سے ملتا نہیں۔ اسی لیے فرمایا۔ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:۷۰)

پس انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنی زندگی پر نظر ڈالے اور اپنی حالت پر رحم کرے کہ میں نے دُنیا میں کیا بنایا۔ سوچے اور ظاہری الفاظ کی پیروی نہ کرے۔ اور دُعا میں مشغول رہے تو اُمید ہے کہ خُدا اس کو اپنی راہ دکھا دے گا۔ نیک دل لے کر خدا کے سامنے کھڑا ہو۔ اور رو رو کر دُعائیں مانگے۔ تضرع اور عاجزی کرے۔ تب ہدایت پا دے گا۔

ایک فرقہ وہ بھی ہے جو ہماری باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ اس سے ہماری بحث نہیں۔ اُن کی سرشت میں انکار ہے۔ وہ موت کے بعد اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔

سعادت مند کو تو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ پتھر پر لوہا مارنے سے آگ اس لیے نکلتی ہے کہ آگ پتھر میں

موجود ہے اور وہ صرف ضرب کا محتاج تھا، مگر جس کے اندر موجود نہیں۔ اس میں سے کیا نکلے گا۔

ہر ایک نیکی تب قبول ہوتی ہے جب اس کے اندر تقویٰ ہو؛ ورنہ قبول نہیں ہوتی۔ زندگی تو برف کے ٹکڑے کی مثال رکھتی ہے۔ ہزاروں پردوں میں رکھو، پگھلتی جاوے گی۔

اصل میں مخالف کی بات کا امتحان مخالف سے پُوچھ کر ہوتا ہے۔ مَیں نے تو اپنا مُسلک بیان کر دیا ہے۔ میرے پاس بہت سے عیسائی آیا کرتے تھے۔ اب نہیں آتے۔ مَیں تو ان کو ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ زندہ مذہب ثابت کرو۔ مُردہ تو ہمیں اُٹھانا پڑے گا اور زندہ ہم کو اُٹھا دے گا کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ یورپ، امریکہ میں سولہ ہزار اشتہار رجسٹری کرا کر بھیجا۔ کوئی جواب نہیں آیا۔

ہمارا خدا زندہ ہے۔ ہماری آواز سنتا ہے۔ ہمیں جواب دیتا ہے۔ پس ہم صلیب پر چڑھے ہوئے خدا کو کیوں مانیں۔ یہ لوگ شریر ہوتے ہیں اور ان کے پاس باتیں ہی باتیں ہوتی ہیں۔ مَیں پندرہ برس کا تھا جب سے اُن کے اور میرے درمیان مباحثات شروع ہیں۔ اُن کے پاس صرف اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ اور ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے ہیں اور جاہلوں اور بدنصیبوں کو ان اعتراضات سے شک پڑ جاتے ہیں۔ دُوسری طرف یہ لوگ اس کو طمع دُنیاوی دے کر ابتلا میں ڈال کر مُرتد کر لیتے ہیں۔ مَیں نے سُنا ہے کہ ۲۹ لاکھ آدمی کو اُنھوں نے ہند میں مُرتد کیا ہے پس اسلام کا سخت دشمن یہی مذہب ہے۔

آریہ لوگ ہیں۔ مگر ان کے ساتھ تو زمینی سلطنت بھی یاور نہیں۔ وہ کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ایک اخبار نے اپنی تحقیقات لکھی ہیں۔ کہ آریہ مذہب کے ہونے سے ہندو بہت مسلمان ہو رہے ہیں۔ مرتے بھی بہت ہیں اور مذہب بھی بہت چھوڑتے جاتے ہیں۔ پس یہ مذہب تو کچھ چیز نہیں۔

طاعون کو دیکھا ہے کہ پہلے ہنود میں آتی ہے۔ بمبئی، سیالکوٹ، جالندھر وغیرہ میں پہلے ہنود سے شروع ہوئی اور جب مسلمانوں میں گئی۔ تو بھی ہنود کو شامل کر لیا۔

وحدت الوجود اور وحدت الشہود

نووارد صاحب نے وجودی فرقہ کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا:

میرے نزدیک یہ بات بھی تدبّر کرنے کے لائق ہے۔ یہی وجود اور شہود۔ میرا مذہب تو یہ ہے کہ وہاں قدم رکھنا غلطی اور جرأت ہے جہاں انسان قدم رکھنے کا مستحق نہیں۔

وجودی فلسفی رنگ کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جس طرح ڈاکٹر مُردہ پھاڑ کر اس کا اندر دیکھ لیتا ہے مَیں نے اسی طرح خُدا کو دیکھ لیا ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَشْیَاءَ وَھُوَ عَیْنُھَا۔ یہ بہت بڑا دعویٰ ہے۔ شہودی مذہب استیلاء محبت کا نام ہے۔ جیسے لوہا اگر آگ میں نہایت سُرخ کیا جاوے

تو اس صورت میں کوئی دیکھنے والا اگر اس کو آگ کہہ دے تو ایک صورت سے معذور ٹھہر سکتا ہے۔ کیونکہ آگ اس پر مستولی ہوئی ہوتی ہے۔ کسی کا شعر ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

غرض شہودی مذہب کی یہ بنا ہے کہ انسان خدا کے وجود سے بہت بہرہ ور ہو سکتا ہے جب خُدا اور مخلوق کی محبت ایک دل میں آکر جمع ہوتی ہے تو انسان پر ایک نیا رنگ چڑھتا ہے اور اس حالت میں وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے کہ گویا بالکل خُدا میں کھویا گیا ہے اور اپنے تئیں محو دیکھتا ہے اور خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔ وجودی ایک حقیقت کا طلبگار ہوتا ہے۔ اس کو محبت سے کچھ تعلق نہیں۔ جیسے آج کل کے وجودیوں کا دعویٰ ہی دعوٰی ہے کہ مَیں خُدا ہوں۔

شہود والا کہتا ہے کہ انسان انسان ہے اور خُدا خُدا یعنی شہود کے طور پر اپنے تئیں طالب اور خُدا میں کھویا ہوا پاتا ہے۔

اگر انسان کو خُدا بننا تھا تو یا تو اس جہان میں خدا بنتا یا آخرت میں خُدا بنتا۔ مگر ثابت ہے کہ یہاں بھی انسان ہے اور وہاں بھی۔ یہ جامہ تو اس کے اُوپر سے اُترتا نظر نہیں آتا۔

ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک شخص اپنا رنگ رکھتا ہے۔ بہت لوگ قوالی میں ہی لذت اٹھاتے ہیں۔ مگر مَیں دیکھتا ہوں کہ یہ عارفانہ مشرب نہیں۔ پس اگر اس کی کوئی دلیل دُنیا میں ہوتی، تو چاہیے تھا کہ کوئی آدمی تو ایسا نظر آتا جس میں خدائی کے صفات ہوتے۔

دُنیاوی لوگوں کے من گھڑت خُدا اور خُدا کے مُرسل بندہ کا مقابلہ یوں ہو سکتا ہے کہ مسیح کو تو خُدا مانا۔ اور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کے ایک مُرسل تھے۔ پس مقابلتًا دیکھو کہ مسیح کو تو پکڑ دیا گیا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑنے والا خود مر گیا۔ پس انصاف کرو کہ ایک شخص انسان کہلاتا ہے اور اپنا کام خُدا پر چھوڑتا۔ اس کو پکڑنے والا خود مارا جاتا۔ یہودی جس کی صفت میں آیا ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (البقرہ : ۶۲) وہ اس خُدا کہنے والے کو ایک ہی گھنٹہ میں گرفتار کر لیتے اور مارنے کو تیار ہو جاتے۔ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ۔

اگر کوئی یہ کہے کہ وہ محض خدائی تھی تو اس کو جانے دو۔ جہانتک ہم دیکھتے ہیں۔ خُدا ہم سے باتیں کرتا ہے اور خوارق اور معجزات دکھلاتا ہے۔ پر پھر بھی ہم انسان ہیں۔ دیوار کا وجود ایک الگ چیز ہے۔ اور دھوپ کا وجود الگ ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۔ (الیٰ آخر السّورۃ) (الفاتحہ)
یہ ساری باتیں چاہتی ہیں کہ کوئی رب ہے اور کوئی چیز مخلوق بھی ہے پس ہم کو اپنی خدائی کا ثبوت دیں۔ خُدا نے انسان کو مخلوق پیدا کیا ہے اور دُنیا میں بھی مخلوق بنایا ہے۔ پھر ہم چاند سُورج وغیرہ کو کس طرح خُدا مان لیں۔

تمام انبیاء سے خوف ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ اگر ان میں کچھ بھی خدائی کا رنگ ہوتا، تو خوف کیوں آتا۔

میری جماعت میں بھی ایک شخص مولوی احمد جان صاحب وجودی تھے کبھی اُنہوں نے مجھ سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں۔ اور ساری عمر اسی میں گذار دی۔

ہم کسی کے زر خرید نہیں۔ ہم تو اَسْلَم اور روشن تر راہ اختیار کرتے ہیں۔ وجودیوں کے کوئی دشمن نہیں۔ ہم تو ان کو قابلِ رحم سمجھتے ہیں۔

اس پر نووارد صاحب نے آیت ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ (الحدید : ۴) وحدتِ وجود کے ثبوت میں پیش کی۔ فرمایا :

اللہ تعالیٰ کا کلام ایسا ہے کہ اس کی تفصیل بعض آیت کی بعض سے ہوتی ہے۔ اوّل کی تفسیر یہ ہے کہ کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ ۔ اٰخِرُ کے معنے یہ ہیں۔ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ (الرحمان : ۲۷) ہم تو انہی معنوں کو پسند کریں گے۔ جو خُدا نے بتلائے ہیں۔

افسوس ہے کہ اس زمانہ کے یہودی صوم وصلوٰۃ کے تو پابند ہی نہیں اور قرآن کو کبھی کھول کر دیکھا ہی نہیں۔ ہاں مَیں اپنے اس ملک کی بات کرتا ہوں۔ جس میں جالندھر، بٹالہ، ہوشیارپور، سیالکوٹ وغیرہ شامل ہیں۔ ان لوگوں کو مَیں نے شراب خوروں، بھنگیوں اور دہریوں کی مجلس میں اکثر دیکھا ہے۔ اکثر کہتے ہیں کہ وجودی وُہ ہے کہ جو خُدا کا نام بھی نہ لے بلکہ جو کچھ ہے مخلوق ہے پس یہ لوگ کہتے ہیں کہ اعلیٰ وجودی وُہ ہے جس کو لوگ دہریہ کہتے ہیں۔ پس ہر شخص اپنے قول وفعل کا خود ذمّہ وار ہے۔

کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَہٗ شَیْءٌ حدیث ہے۔ اور حدیث اور توریت سے ثابت ہے کہ خُدا تھا اور زمین اور آسمان وغیرہ میں سے کچھ نہ تھا۔ یہ مسلّم مسئلہ ہے تمام اہلِ کتاب کا۔ پس ہمارا اختیار نہیں کہ مروڑ کر اور معنی کریں۔ بعض آدمی مذاق کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ مگر مذاق بھی ایک قسم کا زہر ہے۔ ہمیں مذاقی معنے پسند نہیں کرنا چاہئیں۔ بلکہ توریت، قرآن اور حدیث کو دیکھنا چاہیے وہ یہی کہتی ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ ان موجودہ چیزوں میں سے ایک بھی نہ تھی۔

میرے خیال میں وحدتِ وجود بھی مذاق سے پیدا ہوا ہے۔ کُل کتبِ گذشتہ سے یہی معنی ثابت ہوتے ہیں اور اس کی تفصیل قرآن اور توریت میں موجود ہے۔ اوّل تو ان بحثوں کی حاجت نہیں۔ انسان کے واسطے پہلے تو یہی امر ضروری ہے کہ اجمالی طور پر خُدا پر ایمان لا دے۔ جب اس کا ایمان پیدا ہو گا، تو خود بخود اس پر حقائق کھلتے جاویں گے۔

دیکھو۔ ایک مرض میں قوتِ ذائقہ جاتی رہتی ہے۔ تُرشی، میٹھا، کڑوا، نمکین وغیرہ سب کچھ بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ قوتِ حاسہ بھی کام دے رہی ہے۔ ایک قوت ناک میں ہوتی ہے جس کے وہ نہیں رہتی اس کو اُخشَم کہتے ہیں۔ بعض کے کانوں کی قوت ماری جاتی ہے۔ پس جب اس طرح بعض قوتیں جاتی رہتی ہیں۔ تو اسی طرح بعض اوقات دینی قوتیں بھی بے حس ہو جاتی ہیں۔ اور انسان سید احمد خاں کی طرح دُعا کا قبول ہونا اور ایسی باتیں ناممکن خیال کر بیٹھتا ہے۔

قبولیتِ دُعا کا ثبوت

دُعا کے قبول ہونے پر ہمارا کامل ایمان ہے اور ہم نے اس کا نتیجہ بھی دیکھا ہے۔ کہ لیکھرام کے قتل سے پہلے پانچ سال میں نے خبر دی تھی۔

مَیں نے سید احمد خاں کو لکھا تھا کہ مَیں نے لیکھرام کے واسطے دُعا کی ہے، تو مجھے خبر دی گئی ہے کہ تیری دُعا قبول ہو گئی ہے اور خدا تعالیٰ اس کو ہیبت ناک موت سے مارے گا۔ یہی نمونہ تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ کہ اگر یہ دُعا قبول نہ ہوئی، تو تمہارے دعویٰ کا ثبوت ہوا۔ اور اگر قبول ہو گئی تو تم اس عقیدہ سے توبہ کرنا۔ اور وُہ لیکھرام کی موت دیکھ کر فوت ہوا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ۔ (الانعام: ۱۰۴) آنکھیں تو اس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اور وُہ آنکھوں کو دیکھ سکتا ہے۔ جب وجودی ہو گیا۔ تو پھر باقی کیا رہ گیا۔

اصل میں یہ سب مذاقی باتیں ہیں۔ ثبوت تو وہ ہے جس کا نمونہ انسان دکھلا دیوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ مُوسیٰ۔ عیسیٰ کے مصائب پر ذرا غور کرو۔

ان باتوں کے ذکر کی ضرورت نہیں۔ اوّل خُدا سے تعلق پیدا کرو۔ جب انسان کسی گھر میں داخل ہوتا ہے، تو اندر کے حالات کا آپ ہی پتہ لگ جاتا ہے۔ جب تک گھر سے ہزاروں کوس دُور ہے تو اندر کے حالات کس طرح بتلا سکے گا۔ یہ مناسب ہے کہ چند روز ہمارے پاس رہیں اور خاص ہمارے سلسلہ

کے متعلق جو اعتراض ہوں وہ بیان کریں۔

تو کارِ زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

ہم نے بعض آدمی ایسے دیکھے ہیں جو کہتے ہیں کہ ابھی اس جھگڑے کو جانے دو۔ رفع یدین اور انگلی کے اٹھانے کا فیصلہ کردو مگر یہ اپنا اپنا مذاق ہوتا ہے۔

نو وارد صاحب کی طرف سے سوال ہوا کہ سایہ کا وجود ہے کہ نہیں یعنی اس کی ذات ہے کہ نہیں۔

فرمایا: وجود کے معنی ہیں مَا یُوجَدُ یعنی جو چیز پائی جاوے اس کی ہویّت ہو یا نہ ہو۔ آپ آئینہ دیکھتے ہیں، اس میں چہرہ نظر آتا ہے۔ ہویّت تو نہیں یعنی ایک مستقل شئے قائم بالذات۔ پس ہویت تو نہیں لیکن وجود ہے۔ وجود اور ہے اور ہویّت اور ہے۔

آفتاب نے جہاں ظِل ہے وہاں بھی دھوپ ڈالنی ہے۔ مگر ایک چیز نے درمیان آکر ظل پیدا کردیا ہے۔ آفتاب اور ظِل کے درمیان جبتک اوٹ نہ ہو سایہ نہیں ہو سکتا۔

خیر آپ کو بھی اس وجودیت سے کچھ مذاق ہے اور ہم آپ کے مذاق کے خلاف ہیں۔

کُنْ کا اطلاق پھر سوال ہوا کہ کُنْ کا اطلاق کہاں آتا ہے۔ فرمایا:

بات یہ ہے کہ آپ کئی مرتبہ خوابوں میں طرح طرح کے تمثّلات دیکھا کرتے ہوں گے اور بظاہر آپ جانتے ہیں کہ ان کا وجود کچھ نہیں۔ حکماء نے بھی لکھا ہے پس جس طرح ہمارے تصورات ہوتے ہیں اسی طرح خدائی صفات میں سے اس کے تصورات بھی ہیں پس جو تصوّر آتا ہے۔ اگر انسانی ہے تو وہ ہیچ ہے اور اگر خدا کا ہے تو اس سے مخلوق پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر خدا کی کُنہ میں ہم دخل نہیں دے سکتے۔ اَسْلَم طریق یہی ہے کہ انسان لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ پر ایمان رکھے۔ کہ میرا منصب نہیں کہ خدا کی کل صفات کو مَیں دیکھ لوں اور ان کی تحقیقات کر لوں۔

طبیب بیان کرتے ہیں کہ پانی سرد اور آگ گرم ہے۔ مگر یہ نہیں بتلا سکتے کہ پانی سرد کیوں ہے اور آگ گرم کیوں ہے۔ فلاسفر بھی یہاں کُنہِ اشیاء میں آکر عاجز رہ گئے ہیں۔ یہاں اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰهِ پر چلے کہ ہم خدا پر چھوڑ دیں۔

بعض اکابر محی الدین العربی وغیرہ کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ یہ بحث فضول ہے۔ بہت امور مرنے کے بعد معلوم ہوں گے۔ اور بہت سے ایسے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی نہیں معلوم ہوں گے۔

محی الدین بھی قائل ہیں کہ انسان متقی ہو۔ اور خدا پر ایمان لانے والا ہو تو نجات پائے گا۔[1]

۱۲؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

بعد ادائے نماز مغرب حسب معمول حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے۔ حضرت مولانا مولوی عبد الکریم صاحب سلمہ الرحیم نے شحنۂ ہند کے ایڈیٹر کا ایک کارڈ سُنایا۔ جس میں اس نے اپنا ایک خواب لکھا تھا۔ کہ گویا وُہ قادیان آیا ہے اور حضرت اقدس کو ایسی حالت میں دیکھا ہے کہ سر پاؤں سے لگا ہوا ہے۔ اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ:

انبیاء آئینہ کا حکم رکھتے ہیں

تعبیر الرؤیا میں یہ صاف لکھا ہے۔ کہ جو لوگ مامورین کو بُری صورت میں دیکھتے ہیں۔ وُہ لوگ اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔

مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب کے والد مرحوم نے ایک بار مجھ سے ذکر کیا۔ کہ ایک ہندو ان کے پاس آیا کرتا تھا۔ جو اسلام سے رغبت رکھتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ کشمیر سے آیا اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اب مَیں پکا ہندو ہو گیا ہوں۔ لیکن پھر عرصہ کے بعد جو اس کو دیکھا تو وہ عیسائی ہو گیا تھا۔ جب اس سے وجہ پُوچھی۔ تو اس نے کہا کہ مَیں نے ایک خواب دیکھا تھا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تاریک کوٹھڑی میں دیکھا اور اس میں آگ جل رہی تھی (لعنۃ اللہ ھذیہ) گویا خبیث نے اس کو دوزخ سمجھا۔ اور اور اس کے گرد پادریوں کو دیکھا۔ اس سے مَیں نے نتیجہ نکالا کہ پادری حق پر ہیں۔ اور آپؐ (معاذ اللہ) مغلوب ہو رہے ہیں۔ مولوی صاحب کو تعبیر کا علم نہ تھا۔ مجھ سے جب انہوں نے کہا تو مَیں نے کہا کہ اس کی یہی تعبیر ہے۔ جو حالت اس شخص کی ہوتی ہے چنانچہ تعطیر الانام میں ایسا ہی لکھا ہے۔ کہ جب کسی نبی مامور و مرسل کو ردّی حالت میں دیکھتا ہے۔ مثلاً مجذوم دیکھتا ہے یا برہنہ دیکھتا ہے یا یہ کہ وہ بُری غذا کھاتے ہیں، تو سب اس کے اپنے ہی حالات ہوتے ہیں۔ انبیاء آئینہ کا حکم رکھتے ہیں اور اس کی اصلی صورت دکھا دیتے ہیں۔ اور یہ بات ہماری اپنی تجربہ کردہ ہے۔ کہ جب کوئی آدمی کسی مامور و مُرسل کو بُری حالت میں دیکھتے ہیں تو جلدی ہی ان کی وہ حالت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کی عقوبت کے دن قریب ہوتے ہیں۔ یہ میرے مجربات سے ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۴ تا ۸ پرچہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

نو وارد مولوی حامد حسین صاحب نے کہا کہ مَیں مکہ معظمہ میں تھا۔ حاجی امداد اللہ صاحب سے ایک شخص نے ایسا ہی کہا کہ مَیں نے ایسی شکل پر دیکھا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ یہ تمہاری اپنی شکل ہے۔

اس کے بعد خاکسار ایڈیٹر الحکم نے جلسہ ندوۃ العلماء پر جو کارروائی کی تھی، اس کا تذکرہ کیا جس کو سُنکر حضرت حجۃ اللہ محظوظ ہوئے۔

پھر مولوی عبداللہ صاحب نے اس روئداد کے تتمہ کے طور پر مولوی محمد حسین صاحب کا کچھ ذکر کیا۔ اور مولوی مبارک علی صاحب نے اپنا ایک واقعہ سُنایا۔ یہ سب امور جلسہ ندوہ کے متعلق ہمارے اپنے مضامین میں آئیں گے۔ زاں بعد مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے نے آبزرور میں سے پائونیر کا نقل کیا ہوا ایک مذہب نئے عنوان سے پڑھا جس میں ڈاکٹر ڈوئی کو جو دعوت کی گئی ہے۔ اس پر ریمارک تھا۔ پھر بعد نماز عشاء اجلاس ختم ہوا۔[1]

صُبح کی سیر

۱۳؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

۱۔ حضرت حجۃ اللہ علی الارض حسب معمول سیر کو نکلے۔ چند آدمیوں نے اپنے خواب سُنائے آپ نے فرمایا:

باطل میں جو تیاریاں حق کی طرف آنے کے لیے ہو رہی ہیں۔ اُسکے نظارے دکھائے جاتے ہیں۔ رؤیا کا بھی عجیب عالم ہوتا ہے۔ جن باتوں کا نام و نشان نہیں ہوتا وہ وجود میں لائی جاتی ہیں۔ معدوم کا موجود اور موجود کا معدوم دکھایا جاتا ہے اور عجیب عجیب قسم کے تغیرات ہوتے ہیں۔ آدمی کا جانور اور جانور کے آدمی دکھائے جاتے ہیں۔

۲۔ ہمارے موجودہ مخالفوں اور دس برس پہلے کے مخالفوں میں بہت فرق ہو گیا ہے۔ پہلے تو اپنے عقیدوں کو سچے ہی سمجھتے تھے۔ مگر اب صرف نفاق سے کہتے ہیں جو کہتے ہیں، ورنہ ان عقائد کی غلطیوں کو دل میں تسلیم کر چکے ہیں (جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ) (النمل: ۱۵)۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۸-۹ پرچہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

ایک شخص جو اپنے تئیں سچا سمجھتا ہے۔ وُہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے۔ مگر اب یہ بھروسہ نہیں کر سکتے۔ اور اسی لیے اگر خواہ کتنی ہزار روپیہ کا اشتہار دیا جاوے۔ یہ اپنے آپ کو بمقابل ہو کر نشانہ نہ بنائیں گے۔

۳۔ مخالفوں کی کمی اور اپنی روز افزوں ترقی پر فرمایا :

یہ فوق العادۃ ترقی نہ ہوا گر تغیر واقع نہ ہوا ہو۔ اُن کا خزانہ کم ہو رہا ہے اور ہمارا بڑھ رہا ہے۔ اگر اُن کے پاس اپنی سچائی کے دلائل ہیں۔ تو یہ لوگوں کو روک لیں۔ اگر کوئی بڑا سیلاب آیا ہوا ہو اور کسی کا گھر تباہ ہو رہا ہو اور اس کے پاس سامان بھی ہو۔ تو کیا وہ اس کے روکنے کی سعی نہ کرے گا۔

ہمارے پاس جو ہر روز بیعت کے لیے آتے ہیں ان میں سے ہی آتے ہیں۔ آسمان سے تو نہیں آتے۔

۴۔ ندوۃ العلماء کے جلسہ کی تقریب پر فرمایا کہ

اشاعت رسالوں کی خوب ہوگئی۔ بہت اچھا ہوا۔ بہت سے لوگ واقف ہو جائیں گے اور ان کو پڑھ لیں گے۔ دہلی کے جلسہ سے پہلے نزول المسیح بھی تیار ہو جاوے تو اچھا ہے۔

۵۔ ایڈیٹر الحکم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :

میاں نبی بخش صاحب عُرف عبد العزیز صاحب نمبردار بٹالہ کا توبہ نامہ جو اُس نے بھیجا ہے۔ الحکم میں چھاپ دیا جاوے۔

اور ساتھ اپنا ایک رویا بھی جسے بارہا آپ نے فرمایا ہے۔ سُنایا کہ

مَیں نے ایک بار اس کے متعلق دیکھا تھا کہ گویا اسی راستہ ہم سیر کو نکلے ہیں تو اس بڑ کے درخت کے نیچے جو میراں بخش حجام کی حویلی کے پاس ہے۔ نبی بخش سامنے سے آکر مِلا ہے اور اس نے مصافحہ کیا ہے۔ یہ رویاء اُن دنوں کی ہے جب وہ مخالفت کے اشتہار چھپواتا پھرتا تھا۔

جماعت کی ترقی اور اس کے متعلق براہین احمدیہ میں پیشگوئیاں

۶۔ جماعت کی ترقی پر اور مولوی محمد حسین کے ابھی تین

سو تیرہ ہی کہتے رہنے پر فرمایا کہ :

بڑے زور سے ترقی ہو رہی ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ خدا قادر ہے کہ ایک دم میں تین سو تیرہ سے تین لاکھ تیرہ ہزار کر دے۔ یہ ترقی محمد حسین کے لیے تو اعجاز ہے۔ اگر وہ سوچے اور سمجھے براہین احمدیہ کو پڑھے یہ کتاب مَیں نے اب تو نہیں بنائی۔ جس میں لکھا ہوا ہے کہ تیرے ساتھ فوجیں ہوں گی۔ باوجود مولویوں کی اس قدر مخالفت کے پھر اس قوم کا ترقی کرنا کیا یہ معجزہ نہیں۔ جبکہ وہ اپنے ارادوں میں عاجز آ گئے۔ کس قدر جدّ و جہد ان لوگوں نے ہمارے نابود کرنے کے لیے کی۔ گورنمنٹ تک سے چاہا کہ کسی نہ کسی طرح سے ہم کو پھنسائیں۔

مگر خدا تعالیٰ نے ایسی زور شور سے ترقی کی جس قدر زور انہوں نے مخالفت میں لگایا۔ اب تو بات صاف ہو گئی ہے۔ مردم شماری کے کاغذات سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ہماری جماعت تین سو تیرہ سے یا ایک لاکھ کے قریب۔

طاعون نے ان کو دو طرح گھٹایا ہے۔ کچھ مرتے ہیں اور اکثروں کو ادھر ملایا ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو بیج اچھی طرح بویا جاوے اور وقت پر بارش بھی ہو وہ دیکھتے ہی دیکھتے نشوونما پاتا اور ترقی کرتا ہے۔ دلوں کو کھینچنا اور قائم رکھنا یہ خدا کا کام ہے۔ ان مخالفوں کو اگر اب ابوسفیان کی طرح نظارہ کرایا جاوے تو حیران ہو جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو اپنی فوج دکھائی اور عباس کو کہا کہ ان کے پاس ٹھہر کر دکھاؤ اور جب اس نے وہ نظارہ کیا تو اس نے کہا کہ تیرا بھتیجا بڑا بادشاہ ہو گیا ہے۔ مگر اُس کو جواب دیا گیا کہ بادشاہی نہیں نبوّت ہے۔

براہین احمدیہ کے زمانہ پر غور کیا جاوے۔ جب وہ چھپ رہی تھی۔ اب تو نہیں بنائی گئی۔ اس وقت کے الہامات اس میں درج ہیں۔ جو انگریزی میں بھی ہیں اور عربی میں بھی۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ ۔ ایک مخلوق ہماری طرف رجوع کرے گی۔ تو کہا جائے گا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ۔ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا ۔ عربی میں بڑا عجیب فقرہ کہ زمانہ کا رجوع ہماری طرف ہو گا۔ اور آخری فیصلہ ہمارے ہی حق میں ہو گا۔ غرض بڑی بڑی پیشگوئیاں ہیں۔ جیسے یہ کہ "بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض ملوک کو بھی اس طرف توجہ ہو گی۔ اور ان میں بھی اس سلسلہ کی اشاعت ہو گی۔ ملوک اور رؤسا کے کان حق کے سننے سے بہرے ہوتے ہیں۔ نہ خود ان کو عادت ہوتی ہے اور نہ ان کے پاس والے ایسے ہوتے ہیں۔ ان کے مصاحب اور پاس رہنے والے بدمنع لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی سد دُنیا کا باعث سمجھتے ہیں۔ اگر وہ دین کی طرف توجہ کریں۔ مگر خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ یہ برکت ڈھونڈنے والے بیعت میں داخل ہوں گے۔ اور ان کے بیعت میں داخل ہونے سے گویا سلطنت بھی اس قوم کی ہو گی۔

پھر مجھے کشفی رنگ میں وہ بادشاہ دکھائے بھی گئے۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور چھ سات سے کم نہ تھے۔ اصل یہ ہے کہ خدا کے کام تدریجی ہوتے ہیں۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی گلیوں میں تکلیف اُٹھاتے پھرتے تھے۔ اس وقت کون خیال کر سکتا تھا اس شخص کا مذہب دُنیا میں پھیل جائے گا۔

علم خدا تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں ہوتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علم کا دائرہ بھی اشاعتِ اسلام کے متعلق اتنا نہ تھا، جتنا اب ہے۔ وہ تو یقین کرتے تھے کہ ہم فتح پائیں گے۔ میرا مذہب تو یہ ہے۔ خدا تعالیٰ

ہی علیم و خبیر ہے۔ ضروری نہیں کہ پیغمبروں پر بھی تفصیلی حالات ظاہر کیے جائیں۔ وہ جتنا علم چاہتا ہے دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس وقت آئیں تو اسلام کی اس قدر وسیع اشاعت اور ترقی کو دیکھ کر حیران ہو جائیں۔

صداقت کے چار قسم کے ثبوت ۷۔ اپنے تائیدی ثبوتوں کے متعلق فرمایا کہ:

اب وہ اس کثرت سے ہو گئے ہیں کہ گنے بھی نہیں جاتے۔ ہر روز زیادتی ہوتی رہتی ہے۔ یہ خدا کا کلام ہے۔ مجھے بارہا خیال آیا ہے کہ اگر کسی رئیس کو یہ خیال پیدا ہو تو جس ترتیب سے خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کی سچائی کو ظاہر کیا ہے۔ وہ ایک جلسہ کر کے اس ثبوت کو ہم سے لے۔ یہ ثبوت چار قسم کے ہیں اگر عقل کو بھی اس میں داخل کر لیا جاوے۔

(۱) نصوصِ قرآنیہ و حدیثیہ - (۲) آیاتِ ارضیہ و سماویہ - (۳) ضرورت مشہودہ و محسوسہ۔
(۴) دلائل عقلیہ۔

اس ترتیب سے اگر عیسائیوں کے اس جلسہ کی طرح (جو پندرہ دن تک امرت سر میں ہوتا رہا) ایک جلسہ کیا جاوے اور قیصر سوم کی طرح جس نے ایک مذہبی جلسہ کیا تھا مذہب کی تحقیقات کے لحاظ سے نہ سہی بطور تماشا ہی کوئی کر کے دیکھے۔ اس طرح پر آہستگی سے منہاجِ نبوت پر ہمارے ثبوت سُن لیے جاویں تو بہت بڑا مفید نتیجہ نکلے۔ بے شک جس طریق پر حضرت موسےٰ کی نبوت یا حضرت عیسیٰ اور دوسرے نبیوں کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ کو پرکھا جاوے۔

۸ - ایک بار حضرت نے پیشگوئیوں کے نقشہ کی تیاری کا حکم دیا تھا۔ پھر وہ نقشہ تیار ہوا۔ اس کے متعلق یاد دہانی کرائی گئی تو فرمایا کہ:

وُہ پیشگوئیاں اب نزول المسیح میں چھپ رہی ہیں۔ ان کی عبارات کا چست کرنا بھی ضروری تھا۔ اب اس سے نقشہ بھی مرتب ہو سکتا ہے۔

آتھم کا رجوع الی الحق (۹) آتھم کی پیشگوئی کے متعلق ذکر کرتے ہوئے۔ فرمایا کہ:

ہماری جماعت کو یہ مسائل مستحضر ہونے چاہئیں۔ آتھم کے رجوع کے متعلق یاد رہے کہ پیشگوئی سُنتے ہی اس نے اپنی زبان نکالی اور کانوں پر ہاتھ رکھا اور کانپا اور زرد ہو گیا۔ ایک جماعتِ کثیر کے سامنے

اس کا یہ رجوع دیکھا گیا۔ پھر اس پر خوف غالب ہوا۔ اور وہ شہر بشہر بھاگتا پھرا۔ اس نے اپنی مخالفت کو چھوڑ دیا اور کبھی اسلام کے مخالف کوئی تحریر شائع نہ کی۔ جب انعامی اشتہار دے کر قسم کے لیے بلایا گیا، تو وہ قسم کھانے کو نہ آیا۔ اخفاءِ شہادت حقہ کی پاداش میں اس پیشگوئی کے موافق جو اس کے حق میں کی گئی تھی۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ یہ باتیں اگر عیسائی منصف مزاج کے سامنے پیش کی جاویں تو اس کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ غرض اس طرح پر مسائل کو یاد رکھنا ایک فرض ہے اور کتابوں کا دیکھنا ایک ضروری امر ہوتا ہے۔

رفع کے معنے

۱۰۔ رفع کے متعلق جو اعتراض کرتے ہیں۔ اس کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ رفع سے یہودی تو یہی معنے سمجھے ہوئے تھے کہ جس پر لعنت پڑے، اس کا رُوح آسمان پر نہیں جاتا۔ اُن کا یہ مذہب کب تھا کہ نجات کے لیے آسمان پر جانا ضروری ہے پس یہودیوں کی اصل غرض مسیح کو صلیب دینے سے یہ تھی۔ ان کے جسم سے ان کو کیا کام تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بھی اسی اختلاف کا رفع کرنا اور ان کی غلط فہمی کو رفع کرنا مقصود تھا۔ اب اگر رفع سے جسمانی مراد ہے تو یہودیوں کے اس الزام کی بریّت کہاں ہے؟ اس طرح پر ہر قسم کے اعتراضوں کا جواب پہاڑوں کی طرح یاد ہونا چاہیے۔ مستحضر جواب دینا ہر ایک کا کام نہیں اگر پکا جواب نہ ہو تو ؎ عذرنا معقول ثابت میکند الزام را۔ کا معاملہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کی سچائی کے تو ایسے دلائل دے دیئے ہیں۔ کہ اگر یاد ہوں تو پھر کوئی مشکل نہیں۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کے بعد پھر امتحان کی صورت رکھی جاوے۔ رؤسا میں سے کسی کو خیال آوے کہ اسلام میں پھوٹ پڑ رہی ہے اور وہ اس کام کو اپنے ذمہ لے اور ایک جلسہ کر کے فیصلہ کرے۔

۱۱۔ فرمایا:

طاعون کے متعلق سارے نبی پیشگوئی کرتے آئے ہیں کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون شدت سے پھیلے گی۔[1]

۱۳؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

ندوۃ العلماء اور اصلاح کا صحیح طریق

۱۹۰۲ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ بمقام امرتسر ہوا تھا۔ اس جلسہ پر حضرت مسیح موعود علیہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۹ - ۱۰ پرچہ ۲۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے رسل بغرض تبلیغ بھیجے تھے۔ ۱۴ار اکتوبر کو جلسہ سے واپس آنے پر بعض اور لوگ بھی دارالامان آتے۔ سلسلہ کلام میں ندوہ کے متعلق ذکر آیا کہ وہ بحث مباحثہ سے الگ رہ کر اصلاح چاہتے ہیں۔ اس پر فرمایا :

اگر ندوہ کا دعویٰ اصلاح ہے تو امر تنقیح طلب یہ ہے کہ اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے اور کن راہوں سے ہو رہی ہے اور اسلام پر کیا حملہ ہو رہا ہے؟ اس کی مدافعت اور انسداد کی تدابیر کا سوال بے محل اور ایسا دعویٰ خیالی دعویٰ ہوگا۔

پھر قابلِ غور امر یہ ہے کہ ان ساری خرابیوں کا انسداد ارضی طاقت سے ہو سکتا ہے یا آسمانی تائیدات سے؟ اگر ندوہ والے چاہتے ہیں کہ لوگ پڑھ کر یعنی انگریزی تعلیم حاصل کر کے نوکر ہو جائیں اور ان کو ملازمت کے لیے آسانیاں ہوں تو یہ دین کا کام نہیں ہے۔ یہ تو قوم کو غلام بنانے کی تدابیر ہیں۔ اور اگر ان کی غرض دینی اصلاح ہے تو پھر یاد رکھیں کہ ؎

خدا را بخدا تواں شناخت

اس اصل کو چھوڑ کر جو شخص چاہتا ہے کہ دینی اصلاح ہو جاوے۔ وہ کبھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس خشک اور خیالی اصلاح سے کیا فائدہ ہوگا۔ جس کے ساتھ خدا تعالیٰ کی تائیدیں اور نصرتیں نہیں ہیں۔ وہ باتیں جو نری لفاظی کے طور پر بیان کی جاویں یا قصہ اور کہانی کی طرح گذشتہ امور پر جس کا حوالہ ہو۔ ان کی پہلے سے کیا کمی ہے۔ جو ایک خاص جماعت اپنا وقت اور غریب مسلمانوں کا روپیہ لے کر صرف کرے اور نتیجہ کچھ بھی نہ ہو۔ میں اس قسم کی کارروائیوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ ایسی باتوں سے ریاکاری اور نفاق کی بو آتی ہے۔ کیونکہ یہ طریق اس مطلب اور غرض کے حصول سے کوسوں دور ہے جس کے لیے انسان پیدا کیا گیا ہے اور جس طرح دنیا کی اصلاح ہوا کرتی ہے۔ وہ رنگ اس میں موجود نہیں ہے۔

اصلاح کا طریق ہمیشہ وہی مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اذن اور ایما سے ہو۔ اگر ہر شخص کی خیالی تجویزوں اور منصوبوں سے بگڑی ہوئی قوموں کی اصلاح ہو سکتی تو پھر دنیا میں انبیاء علیہم السلام کے وجود کی کچھ حاجت نہ رہتی جب تک کامل طور پر ایک مرض کی تشخیص نہ ہو اور پھر پورے وثوق کے ساتھ اس کا علاج معلوم نہ ہو لے کامیابی علاج میں نہیں ہو سکتی۔

اسلام کی جو حالت نازک ہو رہی ہے وہ ایسے ہی طبیبوں کی وجہ سے ہو رہی ہے جنہوں نے اس کی مرض کو تو تشخیص نہیں کیا اور جو علاج اپنے خیال میں گذرا اپنے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر شروع کر دیا۔ مگر

یقیناً یاد رکھو کہ اس مرض اور علاج سے یہ لوگ محض ناواقف ہیں۔ اس کو وہی شناخت کرتا ہے جس کو خدا تعالیٰ نے اسی غرض کے لیے بھیجا ہے اور وہ میں ہوں۔

اصلاح احوال کے لیے آسمانی تدابیر کی ضرورت ہے

اسلام کے اندر ایک خطرناک پھوڑا ہو گیا ہے اور ایک جذام باہر کی طرف سے اُسے لگ رہا ہے۔ اندرونی پھوڑے کا باعث خود مسلمان ہوئے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات اور اُسوہ حسنہ کو چھوڑ کر اپنی تجویز اور رائے کے موافق اس میں اصلاح اور ترمیم شروع کر دی۔ وہ باتیں جو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھیں آج عبادت قرار دی گئی ہیں اور زہد و ریاضت کا بہت بڑا مدار انہیں پر رکھا گیا ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر بیرونی دشمنوں کو بھی موقع ملا اور وہ تیر و تفنگ لے کر اسلام پر حملہ آور ہوئے اور اس کے پاک وجود کو چھلنی کر دیا اور اسے ایسی مکروہ ہیئت میں دشمنوں نے دکھانا شروع کر دیا کہ غیر تو غیر تھے ہی اپنوں کو بھی متنفر کر دیا۔ ہر شخص نے اپنی طرز پر اس کی تصویر کو بھیانک بنانے کی فکر کی۔ ایسی صورت میں زمینی حربہ اور ارضی تدابیر کام نہیں دے سکتی ہیں۔ اس کے لیے آسمانی حربہ اور آسمانی تدابیر کی حاجت ہے۔ اس لیے جب تک آسمانی کشش اور آسمانی تائیدات کسی کو نہ دی جاویں کامیابی ہو نہیں سکتی۔ ضرورت انبیاء کا یہی بڑا بھاری ثبوت ہے۔ کیونکہ اگر بگڑے وقت اصلاح دنیا ہو سکتی تو ہر زمانہ میں فلاسفر اور دانشمند مدبر ہوتے ہی رہے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ ہو گذرے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں لیکن وہ فلاسفر اور ریفارمر خدا تعالیٰ سے اس قدر دُور جا پڑے ہیں کہ ان کے نزدیک شاید خدا تعالیٰ کا نام لینا بھی ایک گناہ اور غلطی قرار دیا گیا ہے۔ پھر بتاؤ کہ یہ فلسفہ اور یہ اصلاح تمہیں کہاں تک لے جائے گی؟ اس سے کسی بہتری کی امید رکھنا خطرناک غلطی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا تعالیٰ نے یہی سنت رکھی ہے کہ اصلاح کے واسطے نبیوں کو مامور کر کے بھیجا ہے۔ انبیاء علیہم السلام جب آتے ہیں تو بظاہر دنیا میں ایک فسادِ عظیم نظر آتا ہے۔ بھائی بھائی سے باپ بیٹے سے جُدا ہو جاتا ہے۔ ہزاروں ہزار جانیں بھی تلف ہو جاتی ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت طوفان سے ان کے مخالفوں کو تباہ کر دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت اور دُوسرے کئی عذاب وارد ہوئے اور فرعون کے لشکر کو غرق کیا گیا۔

غرض خوب یاد رکھو کہ قلوب کی اصلاح اسی کا کام ہے جس نے قلوب کو پیدا کیا ہے۔ نرے کلمات اور چرب زبانیاں اصلاح نہیں کر سکتی ہیں۔ بلکہ ان کلمات کے اندر ایک رُوح ہونی چاہیے۔ پس

جس شخص نے قرآن شریف کو پڑھا اور اس نے اتنا بھی نہیں سمجھا کہ ہدایت آسمان سے آتی ہے تو اس نے کیا سمجھا؟

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ کا جب سوال ہوگا تو پتہ لگے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ ؎

خدا را بخدا تواں شناخت

اور یہ ذریعہ بغیر امام نہیں مل سکتا کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ نشانوں کا مظہر اور اس کی تجلیات کا مورد ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ۔ یعنی جس نے زمانہ کے امام کو شناخت نہیں کیا۔ وہ جہالت کی موت مرگیا۔[1]

۱۴؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربارِ شام

دُعا بعد نماز مولوی سید محمود شاہ صاحب نے جو سہارنپور سے تشریف لائے ہوئے ہیں حضرت اقدس امام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور جب آپ نماز مغرب سے فارغ ہو کر شہ نشین پر اجلاس فرما ہوتے۔ یہ عرض کیا کہ میں نے آج تحفہ گولڑویہ اور کشتی نوح کے بعض مقامات پڑھے ہیں۔ میں ایک امر جناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ وہ فروعی ہے لیکن پوچھنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم لوگ عموماً بعد نماز دعا مانگتے ہیں، لیکن یہاں نوافل تو خیر دعا بعد نماز نہیں مانگتے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا:

اصل یہ ہے کہ ہم دُعا مانگنے سے تو منع نہیں کرتے اور ہم خود بھی دُعا مانگتے ہیں۔ اور صلوٰۃ بجائے خود دُعا ہی ہے۔ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی جماعت کو نصیحت کی ہے کہ ہندوستان میں یہ عام بدعت پھیلی ہوئی ہے کہ تعدیلِ ارکان پورے طور پر ملحوظ نہیں رکھتے اور ٹھونگے دار نماز پڑھتے ہیں۔ گویا وہ نماز ایک ٹیکس ہے جس کا ادا کرنا ایک بوجھ ہے۔ اس لیے اس طریق سے ادا کیا جاتا ہے، جس میں کراہت پائی جاتی ہے؛ حالانکہ نماز ایسی شے ہے کہ جس سے ایک ذوق، اُنس اور سُرور بڑھتا ہے۔ مگر جس طریق پر نماز ادا کی جاتی ہے اس سے حضورِ قلب نہیں ہوتا اور بے ذوقی اور بے لُطفی پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنی جماعت کو یہی نصیحت کی ہے کہ وہ بے ذوقی اور بے حضوری پیدا کرنے والی نماز نہ پڑھیں، بلکہ حضورِ قلب کی کوشش کریں جب

---

[1] الحکم جلد ۹ نمبر ۱۸ صفحہ ۱۰ مورخہ ۲۴؍مئی ۱۹۰۵ء

سے اُن کو سرور اور ذوق حاصل ہو۔ عام طور پر یہ حالت ہو رہی ہے کہ نماز کو ایسے طور سے پڑھتے ہیں کہ جس میں حضورِ قلب کی کوشش نہیں کی جاتی، بلکہ جلدی جلدی اس کو ختم کیا جاتا ہے اور خارج نماز میں بہت کچھ دُعا کے لیے کرتے ہیں اور دیر تک دُعا مانگتے رہتے ہیں؛ حالانکہ نماز کا (جو مومن کی معراج ہے) مقصود یہی ہے کہ اس میں دُعا کی جاوے اور اسی لیے اُمّ الْاَدْعِیَۃ، اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ دُعا مانگی جاتی ہے۔ انسان کبھی خدا تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرتا۔ جبتک کہ اقام الصلوٰۃ نہ کرے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اس لیے فرمایا کہ نماز گری پڑتی ہے مگر جو شخص اقامُ الصَّلٰوۃ کرتے ہیں۔ تو وہ اس کی رُوحانی صورت سے فائدہ اٹھاتے ہیں تو پھر وُہ دُعا کی محویت میں ہو جاتے ہیں۔ نماز ایک ایسا شربت ہے کہ جو ایک بار اُسے پی لے اُسے فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اور وہ فارغ ہی نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ اس سے سرشار اور مست رہتا ہے۔ اس سے ایسی محویت ہوتی ہے کہ اگر ساری عمر میں ایک بار بھی اسے چکھتا ہے تو پھر اس کا اثر نہیں جاتا۔

مومن کو ہمیشہ اُٹھتے بیٹھتے ہر وقت دعائیں کرنی چاہئیں۔ مگر نماز کے بعد جو دعاؤں کا طریق اس ملک میں جاری ہے وہ عجیب ہے۔ بعض مساجد میں اتنی لمبی دعائیں کی جاتی ہیں کہ آدھ میل کا سفر ایک آدمی کر سکتا ہے۔ مَیں نے اپنی جماعت کو بہت نصیحت کی ہے کہ اپنی نماز کو سنوارو یہ بھی دُعا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ بعض لوگ تیس تیس برس تک برابر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر کورے کے کورے ہی رہتے ہیں۔ کوئی اثر روحانیت اور خشوع و خضوع کا ان میں پیدا نہیں ہوتا۔ اس کا یہی سبب ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں جس پر خدا تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے۔ ایسی نمازوں کے لیے ویل آیا ہے۔ دیکھو جس کے پاس اعلیٰ درجہ کا جوہر ہو تو کیا کوڑیوں اور پیسوں کے لیے اسے پھینک دینا چاہیے۔ ہرگز نہیں۔ اوّل اس جوہر کی حفاظت کا اہتمام کرے اور پھر پیسوں کو بھی سنبھالے۔ اس لیے نماز کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھے

سائل : الحمد شریف بیشک دُعا ہے مگر جن کو عربی کا علم نہیں۔ اُن کو تو دُعا مانگنی چاہیے۔

حضرت اقدس : ہم نے اپنی جماعت کو کہا ہوا ہے کہ طوطے کی طرح مت پڑھو۔ سوائے قرآن شریف کے جو ربّ جلیل کا کلام ہے اور سوائے ادعیہ ماثورہ کے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھیں۔ نماز بابرکت نہ ہوگی جب تک اپنی زبان میں اپنے مطالب بیان نہ کرو۔ اس لیے ہر شخص کو جو عربی زبان نہیں جانتا۔ ضروری ہے کہ اپنی زبان میں اپنی دُعاؤں کو پیش کرے اور رکوع میں سجود میں مسنون تسبیحوں کے بعد اپنی حاجات کو عرض کرے۔ ایسا ہی التحیات میں اور قیام اور جلسہ میں۔ اس لیے میری جماعت کے لوگ اس تعلیم کے موافق نماز کے اندر اپنی زبان میں دُعائیں کر لیتے ہیں۔ اور ہم بھی کر لیتے ہیں، اگرچہ ہمیں تو عربی

اور پنجابی یکساں ہی ہیں مگر مادری زبان کے ساتھ انسان کو ایک ذوق ہوتا ہے۔ اس لیے اپنی زبان میں نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ اپنے مطالب اور مقاصد کو بارگاہ رب العزت میں عرض کرنا چاہیے۔ میں نے بارہا سمجھایا ہے کہ نماز کا تعہد کرو جس سے حضور اور ذوق پیدا ہو۔ فریضہ تو جماعت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ باقی نوافل اور سنن کو جیسا چاہو طول دو۔ اور چاہیے کہ اس میں گریہ و بکا ہو، تاکہ وہ حالت پیدا ہو جاوے جو نماز کا اصل مطلب ہے۔ نماز ایسی شے ہے کہ سیئات کو دُور کر دیتی ہے۔ جیسے فرمایا: اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (ھود: ۱۱۵) نماز کُل بدیوں کو دُور کر دیتی ہے۔ حسنات سے مراد نماز ہے، مگر آج کل یہ حالت ہو رہی ہے کہ عام طور پر نمازی کو مکار سمجھا جاتا ہے، کیونکہ عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ جو نماز پڑھتے ہیں، یہ اسی قسم کی ہے جس پر خدا نے واویلا کیا ہے، کیونکہ اس کا کوئی نیک اثر اور نیک نتیجہ مترتب نہیں ہوتا۔ نرے الفاظ کی بحث میں پسند نہیں کرتا۔ آخر مر کر خدا تعالیٰ کے حضور جاتا ہے۔ دیکھو ایک مریض جو طبیب کے پاس جاتا ہے اور اس کا نسخہ استعمال کرتا ہے۔ اگر دس بیس دن تک اس سے کوئی فائدہ نہ ہو تو وہ سمجھتا ہے کہ تشخیص یا علاج میں کوئی غلطی ہے۔ پھر یہ کیا اندھیر ہے کہ سالہا سال سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اور اس کا کوئی اثر محسوس اور مشہود نہیں ہوتا۔ میرا تو یہ مذہب ہے کہ اگر دس دن بھی نماز کو سنوار کر پڑھیں تو تنویر قلب ہو جاتی ہے۔ مگر یہاں تو پچاس پچاس برس تک نماز پڑھنے والے دیکھے گئے ہیں کہ بدستور رُو بدنیا اور سفلی زندگی میں نگونسار ہیں۔ اور انہیں نہیں معلوم کہ وہ نمازوں میں کیا پڑھتے ہیں اور استغفار کیا چیز ہے۔ اس کے معنوں پر بھی انہیں اطلاع نہیں ہے۔ طبیعتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو عادت پسند ہوتی ہیں۔ جیسے اگر ہندو کا کسی مسلمان کے ساتھ کپڑا بھی چھو جائے تو وہ اپنا کھانا پھینک دیتا ہے، حالانکہ اس کھانے میں مسلمان کا کوئی اثر سرایت نہیں کر گیا۔ زیادہ تر اس زمانہ میں لوگوں کا یہی حال ہو رہا ہے کہ عادت اور رسم کے پابند ہیں۔ اور حقیقت سے واقف اور آشنا نہیں ہیں۔ جو شخص دل میں یہ خیال کرے کہ یہ بدعت ہے کہ نماز کے پیچھے دُعا نہیں مانگتے بلکہ نمازوں میں دُعائیں کرتے ہیں۔ یہ بدعت نہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادعیہ عربی میں سکھائی تھیں جو اُن لوگوں کی اپنی مادری زبان تھی اسی لیے ان کی ترقیات جلدی ہوئیں لیکن جب دوسرے ممالک میں اسلام پھیلا تو وہ ترقی نہ رہی۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ اعمال رسم و عادت کے طور پر رہ گئے۔ ان کے نیچے جو حقیقت اور مغز تھا وہ نکل گیا۔ اب دیکھ لو مثلاً ایک افغان نماز تو پڑھتا ہے، لیکن وہ اثرِ نماز سے بالکل بے خبر ہے۔ یاد رکھو رسم اور چیز ہے اور صلوٰۃ اور چیز۔ صلوٰۃ ایسی چیز ہے کہ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے قُرب کا کوئی قریب ذریعہ نہیں۔ یہ قرب کی کنجی ہے۔ اسی سے کشوف ہوتے ہیں۔ اسی

سے الہامات اور مکالمات ہوتے ہیں۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کا ایک ذریعہ ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کو اچھی طرح سمجھ کر ادا نہیں کرتا۔ تو وہ رسم اور عادت کا پابند ہے اور اس سے پیار کرتا ہے۔ جیسے ہندو گنگا سے پیار کرتے ہیں۔ ہم دعاؤں سے انکار نہیں کرتے۔ بلکہ ہمارا تو سب سے بڑھ کر دعاؤں کی قبولیت پر ایمان ہے۔ جبکہ خدا تعالیٰ نے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن : ۶۱) فرمایا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نماز کے بعد دُعا کرنا فرض نہیں ٹھہرایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی التزامی طور پر مسنون نہیں ہے۔ آپ سے التزام ثابت نہیں ہے۔ اگر التزام ہوتا اور پھر کوئی ترک کرتا تو یہ معصیت ہوتی تقاضائے وقت پر آپ نے خارج نماز میں بھی دُعا کر لی۔ اور ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ آپ کا سارا ہی وقت دُعاؤں میں گزرتا تھا۔ لیکن نماز خاص خزینہ دعاؤں کا ہے جو مومن کو دیا گیا ہے۔ اس لیے اس کا فرض ہے کہ جبتک اس کو درست نہ کرے اور اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ کیونکہ جب نفل سے فرض جاتا رہے تو فرض کو مقدم کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص ذوق اور حضور قلب کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو پھر خارج نماز بے شک دعائیں کرے ہم منع نہیں کرتے۔ ہم تقدیم نماز کی چاہتے ہیں اور یہی ہماری غرض ہے۔ مگر لوگ آج کل نماز کی قدر نہیں کرتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے بہت بُعد ہو گیا۔ مومن کے لیے نماز معراج ہے اور وہ اس سے ہی اطمینانِ قلب پاتا ہے، کیونکہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اپنی عبودیت کا اقرار، استغفار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود۔ غرض وہ سب امور جو روحانی ترقی کے لیے ضروری ہیں۔ موجود ہیں۔ ہمارے دل میں اس کے متعلق بہت سی باتیں ہیں جن کو الفاظ پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے۔ بعض سمجھ لیتے ہیں اور بعض رہ جاتے ہیں۔ مگر ہمارا کام یہ ہے کہ ہم تھکتے نہیں۔ کہتے جاتے ہیں۔ جو سعید ہوتے ہیں اور جن کو فراست دی گئی ہے وہ سمجھ لیتے ہیں۔

عربی کی بجائے اپنی زبان میں نماز پڑھنا درست نہیں

سائل : ایک شخص نے رسالہ لکھا تھا کہ ساری نماز اپنی ہی زبان میں پڑھنی چاہیے۔

حضرت اقدسؑ : وہ اور طریق ہوگا۔ جس سے ہم متفق نہیں۔ قرآن شریف بابرکت کتاب ہے اور ربِ جلیل کا کلام ہے۔ اس کو چھوڑنا نہیں چاہیے۔ ہم نے تو ان لوگوں کے لیے دعاؤں کے واسطے کہا ہے جو اُمّی ہیں۔ اور پورے طور پر اپنے مقاصد عرض نہیں کر سکتے ان کو چاہیے۔ کہ اپنی زبان میں دُعا کر لیں۔ ان لوگوں کی حالت تو یہاں تک پہنچی ہوئی ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ فتح محمد ایک شخص تھا۔ اس کی چچی بہت بڈھی ہو گئی تھی۔ اس نے کلمہ کے معنے پوچھے تو اس کو کیا معلوم تھا کہ کیا ہیں۔ اس نے بتائے تو اس عورت نے پوچھا

کہ محمدؐ مرد تھا کہ یا عورت تھی۔ جب اس کو بتایا گیا کہ وہ مرد تھا، تو وہ حیرت زدہ ہوکر کہنے لگی۔ کہ پھر کیا میں اتنی عمر تک بیگانے مرد ہی کا نام لیتی رہی ؟

یہ حالت مسلمانوں کی ہوگئی ہے۔ ؎۱

مولانا مولوی سید محمد احسن صاحب فاضل امروہی نے جب حضرت حجۃ اللہؑ تقریر ختم کر چکے تو مستفسر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ صاحب سفر السعادت نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ نماز کے بعد دعا کی حدیث ثابت نہیں۔

حدیث پر میرا مذہب اس پر پھر حضرت اقدسؑ نے سلسلہ کلام یوں شروع کیا کہ :

میرا مذہب یہ ہے کہ حدیث کی بڑی تعظیم کرنی چاہیے کیونکہ یہ آنحضرتؐ سے منسوب ہے۔ جبتک قرآن شریف سے متعارض نہ ہو۔ تو مستحسن یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جاوے مگر نماز کے بعد دعا کے متعلق حدیث سے التزام ثابت نہیں۔ ہمارا تو یہ اصول ہے کہ ضعیف سے ضعیف حدیث پر بھی عمل کیا جاوے۔ جو قرآن شریف کے مخالف نہ ہو۔

اس کے بعد دو تین آدمیوں نے بیعت کی درخواست کی اور آپ نے بیعت میں داخل کیا۔

مسٹر پگٹ مولانا مولوی محمد علی صاحب۔ ایم۔ اے نے مسٹر پگٹ اور فرانس کے ایک جدید مدعی مسیحیت کے متعلق ولایت کے اخبار فری تھنکر سے دو نوٹ پڑھ کر سنائے۔ اور مفتی محمد صادق صاحب نے ڈاکٹر ڈوئی کے اخبار کے بعض پیراگراف سنائے ؛

جان الیگزینڈر ڈوئی ڈوئی کے ذکر پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ ؛

یہ وہ شخص ہے جس نے الیاس ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اپنے آپ کو عہد نامہ کا رسُول کہتا ہے۔ ہم نے اس کو دعوت کی ہے کہ اگر تو یسُوع مسیح کو خدا سمجھتا ہے تو میں سچ کہتا ہوں کہ میں خدا کی طرف سے مسیح موعود ہوکر آیا ہوں۔ پس تو اس قسم کی دُعا کر کہ ہم دونوں میں سے جو کاذب ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ یہ جوش مجھے زیادہ اس لیے آیا ہے کہ اس نے تمام مسلمانوں کے ہلاک ہونے کی پیشگوئی کی ہے۔ یہ شخص اسلام کا بڑا دشمن ہے۔ یہ زمانہ اس قسم کا آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے وسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ کہ دنیا ایک شہر کا حکم رکھتی ہے۔ اور وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر : ۸) کی پیشگوئی پوری ہوگئی ہے۔ اب سب مذاہب میدان

؎۱ الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۱۱-۱۲ پرچہ ۲۴ ؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

میں نکل آئے ہیں۔ اور یہ ضروری امر ہے کہ ان کا مقابلہ ہو۔ اور ان میں ایک ہی سچا ہو گا اور غالب آئے گا۔ لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ (الصّف: ۱۰) اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ مقابلہ مذاہب کا شروع ہو گیا ہے۔ اور اس مذہبی کشتی کا سلسلہ نری زبان تک ہی نہیں رہا، بلکہ قلم نے اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ لاکھوں مذہبی رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ اس وقت مختلف مذاہب خصوصاً نصاریٰ کے جو حملے اسلام پر ہو رہے ہیں۔ جو شخص ان حالات سے واقفیت رکھتا ہے اور اسے ان پر سوچنے کا موقع ملا ہے تو وہ ان ضرورتوں کو دیکھ کر بے اختیار ہو کر اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ یہ وقت ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے اسلام کی طرف زیادہ توجہ کرے۔ جو شخص اسلام پر ان حملوں کی رفتار کو دیکھتا ہے، تو وہ اس ضرورت کو محسوس کرتا ہے، لیکن جس کو کوئی خبر ہی نہیں ہے وہ ان نقصانوں کی بابت کیا کہہ سکتا ہے جو اسلام کو پہنچائے گئے ہیں۔ مسلمانوں نے نادان دوست کے رنگ میں اور غیر مذاہب والوں خصوصاً عیسائیوں نے دشمنی کے لباس میں، وہ تو یہی کہتا ہے کہ اسلام کا کیا بگڑا ہے؟ مگر اسے معلوم نہیں کہ اسلام کی ظاہری اور جسمانی صورت میں بھی ضعف آگیا ہے۔ وہ قوت اور شوکت اسلامی سلطنت کو نہیں۔ اور دینی طور پر بھی وہ بات جو مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ (البیّنۃ: ۶) میں سکھائی گئی تھی اس کا نمونہ نظر نہیں آتا ہے۔

اندرونی طور پر اسلام کی حالت بہت ضعیف ہو گئی ہے اور بیرونی حملہ آور چاہتے ہیں کہ اسلام کو نابود کر دیں۔ اُن کے نزدیک مسلمان کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہیں۔ ان کی غرض اور ارادے یہی ہیں کہ وہ اسلام کو تباہ کر دیں اور مسلمانوں کو ہلاک کریں۔ اگر ایک سچے مسلمان کو ان ارادوں پر اطلاع ملے جو یہ لوگ اسلام کے خلاف کرتے ہیں تو میں سچ کہتا ہوں کہ وہ ان کے تصور کے صدمہ ہی سے مر جاوے۔ اب خدا کی کتاب کے بغیر اور اس کی تائید اور روشن نشانوں کے سوا اُن کا مقابلہ ممکن نہیں۔ اور اسی غرض کے لیے خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے۔

عیسائیت کا فتنہ ہی دجال کا فتنہ ہے

دجال بھی کتاب ہی کا پیرو ہونا چاہیے، ورنہ دجل کیا کیا۔ یہ تحریف کرتے ہیں۔ پہلے حاشیہ پر لکھتے ہیں پھر ان مطالب کو متن میں داخل کرتے ہیں اور اس طرح پر آئے دن ان کی تحریف کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دُنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں انہوں نے انجیل کا ترجمہ نہیں کیا۔ اور اپنے باطل عقیدوں کی اشاعت نہیں کی۔ انہوں نے اپنی تحریروں اور رسالوں کے ذریعہ بہت بڑی خباثت اور گند کو پھیلایا ہے۔ ان کی نیتیں اسلام کے لیے ہرگز بخیر نہیں ہیں۔ آدم سے لیکر اس وقت تک ایسے مُغوِی اور مُضِل پیدا نہیں ہوتے۔ جیسی کہ یہ قوم ہے۔ روپیہ۔ قوت۔ شوکت جو آج ان کو ملا ہے اور کسی کو نہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ قوم اسلام کے معدوم کرنے

میں کس قدر کوشش کرتی ہے۔ اور کیا کیا طریقے انہوں نے اختیار کئے ہیں؟ اور اپنے ارادوں اور کوششوں میں کہاں تک کامیابی اس نے حاصل کی ہے؟ اب اس سوال کا جواب سوچ کر ہمیں بتاتے کہ جب یہ عظیم الشان فتنہ اور اسلام کے لیے دشمن ہے تو پھر اس کی پیش گوئی بھی تو ضرور ہونی چاہیے تھی۔ پھر وہ کہاں ہے؟

قرآن شریف میں وَلَا الضَّآلِّيْنَ تو کہا۔ اگر دجال کوئی الگ چیز تھی تو چاہیے تھا وَلَا الدَّجَّال بھی کہا ہوتا۔ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ اور وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے متعلق تمام مفسر متفق ہیں کہ ان سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ جب پانچ وقت نمازوں میں ان فتنوں سے بچنے کے لیے دعا کی تعلیم کی گئی ہے کہ الضالین سے نہ کرنا۔ اور نہ مغضوب قوم میں سے بنانا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا اور اہم فتنہ یہی تھا جو اُمّ الفِتن کہنا چاہیے۔

مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی ثابت ہوتا ہے

اور باتوں کو جانے دو۔ واقعات بھی تو کچھ چیز ہیں متشابہات کی بحث میں نہ پڑو۔ مگر یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ پیشگوئیوں کے وہ معنے ہوتے ہیں جو واقعات کی رُو سے صحیح ثابت ہو جائیں۔ اب تیرہ سو برس گذر گئے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہو گیا ہے کہ کوئی کشف اور الہام چودھویں صدی سے آگے نہیں جاتا۔ سب گویا بالاتفاق یہی مانتے ہیں۔ کہ مسیح موعود کا زمانہ چودھویں صدی سے آگے نہیں۔ خود عیسائی قوموں میں مسیح موعود کی بعثت کا وقت یہی سمجھا اور مانا جاتا ہے اور ضروریاتِ مشہودہ محسوسہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ آنے والے کے لیے یہی وقت ہے۔ وہ علامات اور نشانات جو مقرر کئے گئے تھے۔ سب اپنے اپنے وقت پر پورے ہو گئے۔ یاجوج ماجوج بھی مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء ۹۷) کا نظارہ دکھا رہے ہیں اور دجال بھی اپنے دجل اور فریب سے ایک عالم کو ہلاک کر رہا ہے۔ مگر فرضی دجال جو مسلمانوں کے تخیل میں ہے۔ اس کا ابھی نام و نشان نہیں۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ قرآن شریف میں تو لکھا ہوا ہے کہ:

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (آل عمران: ۵۶)

وَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (المائدہ: ۱۵)

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ (المائدہ: ۶۵)۔

یعنی قیامت تک عیسائیوں کا وجود پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ کہتے ہیں کہ مسیح موعود آ کر عیسائیوں سے لڑائی کرے گا۔ میں کہتا ہوں کہ پھر وہ دجال کہاں گیا۔ جس کی بابت کہتے ہیں کہ حرمین کے سوا اس کا دخل ساری جگہ

ہوگا۔ اس تناقض کا جواب ان کے پاس کیا ہے۔ دجّال تو کھوٹ کرنے والا ہے۔ اس لیے اس کے معنے تاجر کے بھی ہیں۔ سونے کا نام بھی دجال ہے اور شیطان کا بھی اصل یہی ہے کہ نصاریٰ کی قوم جو اسلام کی تخریب کے لیے ہے اور طرح طرح کے مشن قائم کرکے اسلام کو نابود کرنا چاہتی ہے اور حق و باطل میں التباس کرتی ہے اور اپنی کتابوں میں تحریف کرتی ہے۔ یہی وہ گروہ ہے، جس پر دجّال کا اطلاق ہوا ہے۔ کیونکہ دجّال تو گروہ کا نام ہے۔ اور جو فتور اس نے پیدا کیا ہے۔ وہ عام طور پر محسوس ہو چکا ہے۔ جو بازار ارتداد کا یہاں گرم ہے، وہ مصر اور دوسرے ممالک میں بھی ہو رہا ہے۔ تو اب ایک دانشمند سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرضی دجّال سے بچایا تو اس قریب تر آنے والی آفت کا کوئی سامان نہیں کیا؟ اور اس کا ذکر تک بھی نہ کیا؟ یہ غلط ہے۔ خدا نے ذکر کیا اور اس سے بچایا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی گروہ دجّال ہے۔ لغت میں گروہ ہی کے معنے ہیں۔ یہی تحریف و تبدیل کرتے ہیں۔ قرآن شریف کا اگر ترجمہ کرتے ہیں وہ بھی ایسا۔ اسلام کو معدوم کرنا اپنا فرض اور مدعا رکھتے ہیں۔ اور یہ گروہ نرے پادریانہ رنگ میں ہی اسلام پر حملہ آور نہیں بلکہ فلسفیانہ رنگ میں بھی حملہ کرتا ہے اور اپنی ذریّت کو ایسی طرز پر تعلیم دینا چاہتا ہے۔ کہ اعمال میں سُست ہو جاویں۔ ناول ہیں تو اس طریق پر بھی اُن کو اسلام سے دُور ہٹانا چاہتا ہے۔ اور فسق و فجور کی زندگی میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور تاریخ ہے تو اس رنگ میں بھی بداعتقادی اور بدظنی پھیلانے کا خواہشمند ہے۔ غرض ہر پہلو سے اسلام سے بیزار کرانا چاہتا ہے اور یہ بات بالکل بدیہی ہے۔ جو لوگ ان کی پالیسی سے آگاہ ہیں اور اُن کے مکائد اور اغراض کا علم رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ انھوں نے اسلام کی مخالفت کو انتہا تک پہنچا دیا ہے۔ شفاخانوں کے اجراء سے بھی یہی غرض ہے۔ غرض جو پیرایہ اختیار کرتے ہیں۔ اس میں اسلام کی مخالفت اصل مدعا ہوتا ہے۔ اور ارتداد علّت غائی ہوتی ہے۔ یہ اس قدر طریق لیے پھرتے ہیں۔ کہ فرضی دجّال کے وہم و خیال میں بھی نہ ہوں گے۔

پھر بڑی غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے ابتدا میں بھی ان کا ہی ذکر کیا جیسے کہ وَلَا الضَّآلِّيْنَ پر سورہ فاتحہ کو ختم کیا۔ اور پھر قرآن شریف کو بھی اسی پر تمام کیا کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے لے کر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ (النّاس: ۲) تک غور کرو۔ اور وسط قرآن میں بھی ان کا ہی ذکر کیا۔ اور تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ (مریم: ۹۱) کہا۔ بتاؤ اس دجّال کا بھی کہیں ذکر کیا۔ جس کا ایک خیالی نقشہ اپنے دلوں میں بنائے بیٹھے ہیں۔ پھر حدیث میں آیا ہے کہ دجّال کے لیے سورۃ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھو۔ اس میں بھی ان کا ہی ذکر ہے اور احادیث میں ریل کا بھی ذکر ہے۔ غرض جہانتک غور کیا جاوے۔ بڑی وضاحت کے ساتھ یہ امر ذہن میں آجاتا ہے کہ دجّال سے مراد یہی نصاریٰ کا گروہ ہے۔

دَابَّۃُ الْاَرْض

دابتہ الارض کے دو معنے ہیں۔ایک تو وہ علماء جن کو آسمان سے حصہ نہیں ملا۔ وُہ زمین کے کیڑے ہیں۔ دوسرے دابتہ الارض سے مراد طاعون ہے۔ دَآبَّۃُ الْاَرْضِ تَاْکُلُ مِنْسَاَتَہٗ (سبا : ۱۵) قرآن شریف سے بھی ثابت ہے کہ جبتک انسان میں رُوحانیت پیدا نہ ہو۔ یہ زمین کا کیڑا ہے۔ اور طاعون کی نسبت بھی سب نبیوں نے پیشگوئی کی تھی۔ کہ مسیح کے وقت پھیلے گی۔ تُکَلِّمُ النَّاسَ۔ تکلیم کاٹنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور خود قرآن شریف نے ہی فیصلہ کر دیا ہے۔ اس سے آگے لکھ دیا ہے کہ وہ اس لیے لوگوں کو کاٹے گی۔ کہ ہمارے مامور پر ایمان نہیں لاتے۔

یہ غور کرنے کے مقام ہیں۔ اب زمانہ قریب آگیا ہے اور لوگ سمجھ لیں گے۔ طاعون بڑا بھاری کتب مقدسہ اور احادیث میں مسیح موعود کا نشان ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وقت میں بھی ہوئی تھی۔ خدا تعالےٰ نے مجھے جو کچھ طاعون کی نسبت فرمایا ہے۔ اُسے مَیں نے مفصل لکھ دیا ہے۔ یہ میرا نشان ہے جس قدر اس کا تعلق پنجاب سے ہے، دوسرے حصّہ ملک سے نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ اصل جڑ اس کی پنجاب میں مخفی ہے۔ سہارن پور وغیرہ میں جو لوگ اس سلسلہ کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ پنجاب کی طرف سے تکفیر کا فتویٰ تیار ہوا ہے اور پنجاب والوں نے پیش دستی کی ہے اور تہمتیں لگا کر بدنام کیا ہے۔ مگر اب جو یہ بلا آئی ہے۔ سوچکر دیکھو تو دشمن اسی طریق سے مانے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو یہ خیال کرتے ہو کہ وہ زمین میں دفن ہوئے اور حضرت عیسٰی کی نسبت یہ عقیدہ کہ وہ زندہ آسمان پر بیٹھے ہیں اور پھر یہ کہ مسیح مُردے زندہ کرتے تھے اور وہ خالق تھے اور انھوں نے پرندے بنائے یہاں تک کہ لاکھوں کروڑوں پرندے اب بھی موجود ہیں۔ مَیں نے ایک اہل حدیث سے پوچھا کہ اگر دو جانور پیش کیے جاویں، تو کیا آپ فرق کر سکتے ہیں اور بتا سکتے ہیں۔ کہ یہ مسیح کا ہے اور وہ خدا کا ہے۔ اس نے یہی کہا کہ اب رَل مِل گئے ہیں، اس لیے تمیز نہیں ہوسکتی۔ پھر جب حضرت عیسٰی کو خالق مانتے ہیں۔ محی مانتے ہیں۔ عالم الغیب مانتے ہیں اور بقول اُن کے قرآن میں اُن کی موت کا بھی کہیں ذکر نہیں تو پھر خُدا بنانے میں کیا شک رہا۔ تعجب کی بات ہے کہ وہی مُتَوَفِّیْکَ کا لفظ حضرت مسیح کی نسبت آئے۔ تو اس کے معنے ہوں جسم سمیت آسمان پر اُٹھانا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آئے تو کہہ دیا جائے کہ اس کے معنے ہیں مرنا۔ اب غور کر کے بتاؤ کہ عیسائیوں کو کتنا بڑا موقع اور ہتھیار حملہ کرنے کا آپ دے دیا ہے۔ اگر عیسائی سوال کریں تو پھر ان کے پاس کیا جواب ہے۔ آپ نہ پڑھ سکیں گے کہ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ یا فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کیونکہ اس کے معنے انہوں نے آسمان پر زندہ اٹھانے کے کیے ہیں۔ پھر کس آیت سے ان کی وفات ثابت کریں گے اور خدائی کو باطل کریں گے۔

یقیناً سمجھو کہ ان ہتھیاروں سے ان پر فتح نہیں پا سکتے۔ ان پر فتح اور کسرِ صلیب کے لیے وہی ہتھیار اور

حربہ ہے جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ بیشک مسلمانوں کو اس کی پروا نہیں کہ اسلام پر کیا آفت آ رہی ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کو پروا ہے جس کا باغ ہے اس کو پروا ہے۔ اس کا باغ کاٹا جاتا ہے اور جلایا جاتا ہے۔ اس کی غیرت نے اس کی حفاظت کے لیے تقاضا کیا ہے۔ اور اب ایک سلسلہ خود اس نے قائم کیا ہے اور کوئی نہیں ہے جو اس کو روک سکے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۱-۴ پرچہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ملفوظات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

★ (۳۱؍ اگست ۱۹۰۱ء کو جناب بابو غلام مصطفیٰ صاحب میونسپل کمشنر وزیر آباد' قادیان دارالامان آئے تھے اس تقریب پر حضرت حجۃ اللہ علی الارض علیہ السلام نے بطور تبلیغ مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔ جو الحکم کی اس اور اگلی اشاعتوں میں درج ہوتی ہے۔ وباللہ التوفیق وھو خیر الرفیق۔ ایڈیٹر)

نئی بات سنتے ہی اس کی مخالفت نہ کریں

اصل بات یہ ہے کہ جب تک انسان کسی بات کو خالی الذہن ہو کر نہیں سوچتا اور تمام پہلوؤں پر توجہ نہیں کرتا اور غور سے نہیں سنتا اس وقت تک پرانے خیالات نہیں چھوڑ سکتا اس لئے جب آدمی کسی نئی بات کو سنے تو اسے یہ نہیں چاہئے کہ سنتے ہی اسکی مخالفت کے لئے تیار ہو جاوے بلکہ اس کا فرض ہے کہ اس کے سارے پہلوؤں پر پورا فکر کرے اور انصاف اور دیانت اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے خوف کو مد نظر رکھ کر تنہائی میں اس پر سوچے۔ میں جو کچھ اس وقت کہنا چاہتا ہوں وہ کوئی معمولی اور سرسری نگاہ سے دیکھنے کے قابل بات نہیں بلکہ بہت بڑی اور عظیم الشان بات ہے میری اپنی بنائی ہوئی نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی بات ہے اس لئے جو اس کی تکذیب کے لئے جرات اور دلیری کرتا ہے وہ میری تکذیب نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر دلیر ہوتا ہے مجھے اس کی تکذیب سے کوئی رنج نہیں ہو سکتا البتہ اس پر رحم ضرور آتا ہے کہ نادان اپنی نادانی سے خدا تعالیٰ کے غضب کو بھڑکاتا ہے۔

ہر صدی کے سر پر مجدد کا ظہور

یہ بات مسلمانوں میں ہر شخص جانتا ہے اور غالباً کسی کو بھی اس سے بے خبری نہ ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد کو بھیجتا ہے

★ یہاں سے سابقہ ایڈیشن کی جلد چہارم شروع ہوتی ہے۔

جو دین کے اس حصہ کو تازہ کرتا ہے جس پر کوئی آفت آئی ہوئی ہوتی ہے یہ سلسلہ مجددوں کے بھیجنے کا اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق ہے جو اس نے اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر : ۱۰) میں فرمایا ہے پس اس وعدہ کے موافق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کے موافق جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر فرمائی تھی یہ ضروری ہوا کہ اس صدی کے سر پر جس میں سے انیس برس گذر گئے کوئی مجدد اصلاح دین اور تجدید ملت کے لئے مبعوث ہوتا اس سے پہلے کہ کوئی خدا تعالیٰ کا مامور اس کے الہام اور وحی سے مطلع ہو کر اپنے آپ کو ظاہر کرتا۔ مستعد اور سعید فطرتوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ صدی کے سر آ جانے پر نہایت اضطراب اور بے قراری کے ساتھ اس مرد آسمانی کی تلاش کرتے اور اس آواز کو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہو جاتے جو انہیں یہ مژدہ سناتی کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے وعدہ کے موافق آیا ہوں۔

چودھویں صدی کا مجدّد

یہ سچ ہے کہ چودھویں صدی پر اکابر امت کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور تمام کشوف اور رؤیا اور الہامات اس امر کی طرف ایما کرتے تھے کہ اس صدی پر آنے والا موعود عظیم الشان انسان ہو گا جس کا نام احادیث میں مسیح موعود اور مہدی آیا ہے مگر میں کہوں گا کہ جب وہ وقت آگیا اور آنے والا آگیا تو بہت تھوڑے وہ لوگ نکلے جنہوں نے اس کی آواز کو سنا غرض یہ بات کوئی نرالی اور نئی نہیں ہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد آتا ہے پس اس وعدہ کے موافق ضروری تھا کہ اس صدی میں بھی جو انیس سال تک گذر چکی ہے مجدد آئے اب اس دوسرے پہلو کو دیکھنا بھی ضروری ہے کہ کیا اس وقت اسلام کے لئے کوئی آفات اور مشکلات ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو کسی مامور کے لئے داعی ہیں جب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر اس وقت دو قسم کی آفتیں آئی ہیں۔ اندرونی اور بیرونی۔

اسلام کی اندرونی حالت

اندرونی طور پر یہ حالت اسلام کی ہو گئی ہے کہ بہت سی بدعتیں اور شرک بجی توحید کی بجائے پیدا ہو گئے ہیں اعمال صالحہ کی جگہ صرف چند رسومات نے لے لی ہے قبر پرستی اور پیر پرستی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ بجائے خود ایک مستقل شریعت ہو گئی ہے مجھ کو ہمیشہ تعجب اور حیرت ہوتی ہے کہ مجھ کو یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ اس امر کو انہوں نے نہیں سمجھا کہ

میں کیا کہتا ہوں مگر اپنے گھر میں یہ لوگ غور نہیں کرتے کہ نبوت کا دعویٰ تو انہوں نے کیا ہے جنہوں نے اپنی شریعت بنالی ہے کوئی بتائے کہ وہ ورد اور وظائف جو سجادہ نشین اور مختلف گدیوں والے اپنے مریدوں کو سکھاتے ہیں میں نے ایجاد کئے ہیں؟ یا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور سنت پر عمل کرتا ہوں اور اس پر ایک نقطہ یا شعشہ بڑھانا کفر سمجھتا ہوں۔

اور ہزار ہا قسم کی بدعات ہر فرقہ اور گروہ میں اپنے اپنے رنگ کی پیدا ہو چکی ہیں تقویٰ اور طہارت جو اسلام کا اصل منشاء اور مقصود تھا جس کے لئے آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطرناک مصائب برداشت کیں جن کو بجز نبوت کے دل کے کوئی دوسرا برداشت نہیں کر سکتا وہ آج مفقود و معدوم ہو گیا ہے۔ جیل خانوں میں جا کر دیکھو کہ جرائم پیشہ لوگوں میں زیادہ تعداد کن کی ہے زنا' شراب اور اتلافِ حقوق اور دوسرے جرائم اس کثرت سے ہو رہے ہیں کہ گویا یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ کوئی خدا نہیں۔ اگر مختلف طبقاتِ قوم کی خرابیوں اور نقائص پر مفصل بحث کی جاوے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاوے۔ ہر دانشمند اور غور کرنے والا انسان قوم کے مختلف افراد کی حالت پر نظر کر کے اس صحیح اور یقینی نتیجہ پر پہنچ جاوے گا کہ وہ تقویٰ جو قرآن کریم کی علتِ غائی تھا جو اکرام کا اصل موجب اور ذریعہ شرافت تھا آج موجود نہیں۔ عملی حالت جس کی اشد ضرورت تھی کہ اچھی ہوتی اور جو غیروں اور مسلمانوں میں مابہ الامتیاز تھی سخت کمزور اور خراب ہو گئی ہیں

بیرونی آفات، عیسائی مذہب کی طرف سے اسلام کی مخالفت

بیرونی حصہ میں دیکھو کہ جس قدر مذاہب مختلفہ موجود ہیں ان میں سے ہر ایک اسلام کو نابود کرنا چاہتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اسلام کا سخت دشمن ہے عیسائی مشنریوں اور پادریوں کی ساری کوشش اس ایک امر میں صرف ہو رہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور جس طرح ممکن ہو اسلام کو نابود کیا جاوے اور اس توحید کو جو اسلام نے قائم کی تھی جس کے لئے اس کو بہت سی جانوں کا کفارہ دینا پڑا تھا' اسے ناپید کر کے یسوع کی خدائی کا دنیا کو قائل کرایا جاوے اور اس کے خون پر یقین دلایا جاوے جو بے قیدی' آزادی اور اباحت کی زندگی کو پیدا کرتا ہے اور اس طرح پر وہ پاک غرض تقویٰ و طہارت و عملی پاکیزگی کی جو اسلام کا مدعا تھا' مفقود کی جاوے۔ عیسائی پادریوں نے اپنی ان اغراض میں کامیابی حاصل کرنے کے واسطے بہت سے طریقے اختیار کئے ہیں اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو مرتد کر لیا اور بہت سے ہیں جن کو نیم عیسائی بنا دیا ہے اور بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو ملحدانہ طبیعت رکھتے ہیں اور اپنی طرز بود و باش اور رفتار و گفتار میں عیسائیت کے اثر سے متاثر ہیں۔ نوجوانوں کی ایک جماعت

اور مخلوق ہے جو مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہوئی ہے اور کالجوں میں اسکی تربیت ہوئی۔ وہ خدا تعالیٰ کے کلام کی بجائے فلسفہ اور طبیعیات کی قدر کرتی ہے اور اس کو مقدم اور ضروری سمجھتی ہے اسلام اس کے نزدیک عرب کے جنگلوں کے حسب حال تھا۔ ان باتوں اور حالتوں کو جب میں دیکھتا ہوں اور سنتا ہوں' میں دوسروں کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا' مگر میرے دل پر سخت صدمہ ہوتا ہے کہ آج اسلام ان مشکلات اور آفتوں میں پھنسا ہوا ہے اور مسلمانوں کی اولاد کی یہ حالت ہو رہی ہے جو وہ اسلام کو اپنے مذاق ہی کے خلاف سمجھتے ہیں۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو الٰہی حدود سے باہر تو نہیں ہوئے حلال کو حرام نہیں کرتے مگر وضع قطع لباس پسند کرتے ہیں انہوں نے ایک قدم نصرانیت میں رکھا ہوا ہے اب صاف سمجھ آتا ہے کہ اندرونی طور پر وہ بدعات اور مشرکانہ رسوم ہیں اور بیرونی طور پر یہ آفتیں۔ خصوصاً صلیبی مذہب نے جو نقصان پہنچایا ہے اسلام وہ مذہب تھا کہ اگر ایک آدمی بھی اس سے نکل جاتا اور مرتد ہو جاتا تو قیامت برپا ہو جاتی اور یا اب یہ حالت ہے کہ مرتدوں کی انتہا ہی نہیں رہی۔

خدا تعالیٰ کی خاص تجلی کی ضرورت

اب ان تمام امور کو یکجائی طور پر کوئی عقلمند سوچے اور خدا کے لئے غور کرے کہ کیا خدا کی خاص تجلی کی ضرورت نہیں؟ کیا ابھی تک اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ حفاظت کے پورا ہونے کا وقت نہیں آیا کہ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر : ۱۰) اگر اس وقت اس کی مدد اور تجلی کی ضرورت نہیں تو کوئی ہمیں بتائے کہ وہ وقت کب آئے گا۔ غور کرو اور سوچو کہ ایک طرف تو واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس قسم کی ضرورتیں پیدا ہو گئی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی فرمائے اور اپنے دین کی نصرت عملی سچائیوں اور آسمانی تائیدات سے کر کے دکھاوے دوسری طرف صدی نے مہر لگا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ کے موافق (جو اس کے برگزیدہ اور افضل الرسل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر جاری ہوا کہ ہر صدی کے سر پر تجدید دین کے لئے مجدد بھیجا جاوے گا) کوئی مجدد آنا چاہئے۔ صدی میں سے انیس برس گذر گئے مگر اب تک باوجود ان ضرورتوں کے پیدا ہو جانے کے بھی کوئی مامور مبعوث نہیں ہوا تو پھر خدا کے لئے غور کرو کہ اس میں اسلام کا کیا باقی رہتا ہے؟ کیا اس سے اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ کے وعدہ کا خلاف ثابت نہ ہو گا؟ کیا اس سے ارسال مجدد کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باطل نہ ہو گی؟ کیا یہ نہ پایا جائے گا۔ کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ اس پر ایسی آفتیں آئیں اور خدا تعالیٰ کو اس کے لئے غیرت نہ آئی۔

پیشگوئی اور بشارات کے موافق خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا

اب کوئی ہمارے دعویٰ کو چھوڑے اور الگ رہنے دے مگر ان باتوں کو سوچ کر جواب دے۔ میری تکذیب کرو گے تو اسلام کو ہاتھ سے تمہیں دینا پڑے گا مگر میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن شریف کے وعدہ کے موافق اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت فرمائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی پوری ہوئی کیونکہ عین ضرورت کے وقت' خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی بشارت کے موافق خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی باتیں سچی ہیں ظالم طبع ہے وہ انسان جو ان کی تکذیب کرتا ہے۔[۱]

اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے

اب میرا یہ دعویٰ کہ اس صدی پر میں تجدید دین کے لئے بھیجا گیا ہوں صاف ہے میں زور سے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے اور اس پر بائیس برس سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے اس قدر عرصہ تک میری تائیدوں کا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا الزام اور حجت ہے تم لوگوں پر۔ کیونکہ میں نے جو مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ میں فسادوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں' حدیث اور قرآن کی بناء پر کیا ہے اب جو لوگ میری تکذیب کریں گے وہ میری نہیں اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کریں گے۔ ان کو کوئی حق تکذیب کا نہیں پہنچتا۔ جب تک وہ میری جگہ دوسرا مصلح پیش نہ کریں کیونکہ زمانہ اور وقت بتاتا ہے کہ مصلح آنا چاہئے۔ کیونکہ ہر جگہ مفاسد پیدا ہو چکے ہیں۔ اور قرآن شریف کہتا ہے کہ ایسی آفتوں کے وقت حفاظت قرآن کے لئے مامور آتا ہے اور حدیث کہتی ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد بھیجا جاتا ہے پھر ضرورتیں موجود ہیں اور یہ وعدے حفاظت اور تجدید دین کے الگ ہیں تو ان ضرورتوں اور وعدوں کے موافق آنے والے کی تکذیب کی تو دو ہی صورتیں ہیں یا کوئی اور مصلح پیش کیا جاوے یا ان وعدوں کی تکذیب کی جاوے۔

حفاظتِ دین کی ضرورت

بعض لوگ ایسے دیکھے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ سخت غلطی کرتے ہیں دیکھو جو شخص باغ لگاتا ہے یا عمارت بناتا ہے تو کیا اس کا فرض نہیں ہوتا یا وہ

---

[۱] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۳،۴ مورخہ ۱۰؍ جنوری ۱۹۰۳ء

نہیں چاہتا کہ اس کی حفاظت اور دشمنوں کی دست برد سے بچانے کے لئے ہر طرح کوشش کرے؟ باغات کے گرد کیسے کیسے احاطے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں اور مکانات کو آتشزدگیوں سے بچانے کے لئے نئے نئے مصالحے تیار ہوتے ہیں۔اور بجلی سے بچانے کے لئے تاریں لگائی جاتی ہیں یہ امور اس فطرت کو ظاہر کرتے ہیں جو بالطبع حفاظت کے لئے انسانوں میں ہے پھر کیا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دین کی حفاظت کرے؟ بے شک حفاظت کرتا ہے اور اس نے ہر بلا کے وقت اپنے دین کو بچایا ہے۔ اب بھی جبکہ ضرورت پڑی اس نے مجھے اسی لئے بھیجا ہے۔ہاں یہ امر حفاظت کا مشکوک ہو سکتا یا اس کا انکار ہو سکتا تھا۔ اگر حالات اور ضرورتیں اس کی موید نہ ہوتیں۔ مگر کئی کروڑ کتابیں اسلام کے رد میں شائع ہو چکی ہیں اور ان اشتہاروں اور دو ورقہ رسالوں کا تو شمار ہی نہیں جو ہر روز اور ہفتہ وار اور ماہوار پادریوں کی طرف سے شائع ہوتے ہیں ان گالیوں کو اگر جمع کیا جاوے جو ہمارے ملک کے مرتد عیسائیوں نے سید المعصومین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پاک ازواج کی نسبت شائع کی ہیں تو کئی کوٹھے ان کتابوں سے بھر سکتے ہیں اور اگر ان کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھا جائے تو وہ کئی میل تک پہنچ جائیں۔ عماد الدین۔ صفدر علی اور شائق وغیرہ نے جیسی تحریریں شائع کی ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ عماد الدین کی تحریروں کے خطرناک ہونے کا بعض انصاف پسند عیسائیوں کو بھی اعتراف ہے چنانچہ لکھنؤ سے جو ایک اخبار شمس الاخبار نکلا کرتا تھا اس میں اسکی بعض کتابوں پر یہ رائے لکھی گئی تھی کہ اگر ہندوستان میں پھر کبھی غدر ہو گا تو ایسی تحریروں سے ہو گا ایسی حالتوں میں بھی کہتے ہیں کہ اسلام کا کیا بگڑا ہے اس قسم کی باتیں وہ لوگ کر سکتے ہیں جن کو یا تو اسلام سے کوئی تعلق اور درد نہیں اور یا وہ لوگ جنہوں نے حجروں کی تاریکی میں پرورش پائی ہے اور ان کو باہر کی دنیا کی کچھ خبر نہیں ہے پس ایسے لوگ اگر ہیں تو ان کی کچھ پروا نہیں ہاں وہ لوگ جو نور قلب رکھتے ہیں جن کو اسلام کے ساتھ محبت اور تعلق ہے اور زمانہ کے حالات سے آشنا ہیں ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ وقت کسی عظیم الشان مصلح کا وقت ہے۔

ماموراِلٰہی ہونے کی شہادتیں

غرض اس وقت میرے مامور ہونے کی بہت سی شہادتیں ہیں۔ اول۔ اندرونی شہادت، دوم بیرونی شہادت، سوم صدی کے سر پر مجدد کی نسبت حدیث صحیح۔

چہارم- اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) کا وعدۂ حفاظت

اب پانچویں اور زبردست شہادت میں اور پیش کرتا ہوں اور وہ سورہ نور میں وعدۂ استخلاف

ہے اس میں اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ (نور : ۵۶) اس آیت میں وعدۂ استخلاف کے موافق جو خلیفے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ہوں گے وہ پہلے خلیفوں کی طرح ہوں گے اسی طرح قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ فرمایا گیا ہے جیسے فرمایا :- اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا (المزمل : ۱۶) اور آپ مثیل موسیٰ استثناء کی پیشگوئی کے موافق بھی ہیں پس اس مماثلت میں جیسے کَمَا کا لفظ فرمایا گیا ہے ویسے ہی سورہ نور میں کَمَا کا لفظ ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مشابہت اور مماثلت تامہ ہے موسوی سلسلہ کے خلفاء کا سلسلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آکر ختم ہوگیا تھا اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں آئے تھے اس مماثلت کے لحاظ سے کم از کم اتنا تو ضروری ہے کہ چودھویں صدی میں ایک خلیفہ اسی رنگ و قوت کا پیدا ہو جو مسیح سے مماثلت رکھتا ہو اور اس کے قلب اور قدم پر ہو۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اس امر کی اور دوسری شہادتیں اور تائیدیں نہ بھی پیش کرتا تو یہ سلسلہ مماثلت بالطبع چاہتا تھا کہ چودھویں صدی میں عیسوی بروز آپؐ کی امت میں ہو ورنہ آپؐ کی مماثلت میں معاذاللہ ایک نقص اور ضعف ثابت ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس مماثلت کی تصدیق اور تائید فرمائی بلکہ یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ مثیل موسیٰ، موسیٰ سے اور تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل تر ہے

مسیح موعود کی آمد کا مقصد

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے اپنی کوئی شریعت لے کر نہ آئے تھے بلکہ توریت کو پورا کرنے آئے تھے اسی طرح پر محمدی سلسلہ کا مسیح اپنی کوئی شریعت لے کر نہیں آیا بلکہ قرآن شریف کے احیاء کے لئے آیا ہے اور اس تکمیل کے لئے آیا ہے جو تکمیل اشاعتِ ہدایت کہلاتی ہے

تکمیل اشاعتِ ہدایت کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اتمام نعمت اور اکمال الدین ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول، تکمیل ہدایت۔ دوسری تکمیل اشاعت ہدایت۔ تکمیل ہدایت من کل الوجوہ آپؐ کی آمد اول سے ہوئی اور تکمیل اشاعت ہدایت آپؐ کی آمد ثانی سے ہوئی کیونکہ سورۃ جمعہ میں جو اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ (الجمعۃ : ۴) والی آیت آپؐ کے فیض اور تعلیم سے ایک اور قوم کے تیار کرنے کی ہدایت کرتی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک بعثت اور ہے اور یہ بعثت بروزی رنگ میں ہے جو اس وقت ہو رہی ہے پس یہ

وقت تکمیل اشاعت ہدایت کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اشاعت کے تمام ذریعے اور سلسلے مکمل ہو رہے ہیں چھاپہ خانوں کی کثرت اور آئے دن ان میں نئی باتوں کا پیدا ہونا' ڈاکخانوں' تار برقیوں' ریلوں' جہازوں' کا اجرا اور اخبارات کی اشاعت' ان سب امور نے مل ملا کر دنیا کو ایک شہر کے حکم میں کر دیا ہے پس یہ ترقیاں بھی دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ترقیاں ہیں کیونکہ آپ کی کامل ہدایت کے کمال کا دوسرا جزو تکمیل اشاعت ہدایت پورا ہو رہا ہے۔ اور یہ اسی کے موافق ہے جیسے مسیحؑ نے کہا تھا کہ میں توریت کو پورا کرنے آیا ہوں۔ اور میں کہتا ہوں کہ میرا ایک کام یہ بھی ہے تکمیل اشاعت ہدایت کروں۔ غرض یہ عیسوی مماثلت بھی ہے۔

مسیح موسوی اور مسیح محمدی میں مماثلت

علاوہ بریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو آفتیں پیدا ہو گئی تھیں اسی قسم کی یہاں بھی موجود ہیں۔ اندرونی طور پر یہودیوں کی حالت بہت بگڑ گئی تھی۔ اور تاریخ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے۔ کہ توریت کے احکام انہوں نے چھوڑ دیئے تھے اور اس کی بجائے طالمود اور بزرگوں کی روایتوں پر زیادہ زور دیتے تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں بھی ایسی ہی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ کتاب اللہ کو چھوڑ دیا گیا ہے اور اس کی بجائے روایتوں اور قصوں پر زور مارا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سلطنت کے لحاظ سے بھی ایک مماثلت ہے۔ اس وقت رومی گورنمنٹ تھی اور اس وقت برٹش گورنمنٹ ہے جس کے عدل وانصاف کا عام شہرہ ہے۔ اور یہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ وہ بھی چودھویں صدی میں آئے تھے اور اس وقت بھی چودھویں صدی ہے۔

ان سب کے علاوہ ایک اور سر بھی ہے جو مماثلت کو مکمل کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ اخلاقی تعلیم پر زور دیتے تھے اور موسوی جہادوں کی اصلاح کرنے آئے تھے۔ انہوں نے کوئی تلوار نہیں اٹھائی۔ مسیح موعود کے لئے بھی یہی مقرر تھا۔ کہ وہ اسلام کی خوبیوں کو تعلیم کی عملی سچائیوں سے قائم کرے اور اس اعتراض کو دور کرے جو اسلام پر اسی رنگ میں کیا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے ذریعہ پھیلایا گیا ہے۔ یہ اعتراض مسیح موعود کے وقت میں بالکل اٹھا دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اسلام کے زندہ برکات اور فیوض سے اس کی سچائی کو دنیا پر ظاہر کرے گا اور اس سے یہ ثابت ہو گا کہ جیسے آج اس ترقی کے زمانہ میں بھی اسلام محض اپنی پاک تعلیم اور اس کے برکات اور ثمرات کے لحاظ سے موثر اور مفید ہے۔ ایسا ہی ہمیشہ اور ہر زمانہ میں مفید اور موثر پایا گیا ہے۔ کیونکہ یہ زندہ مذہب ہے۔ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آنے والے مسیح موعود کی پیشگوئی فرمائی اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا یَضَعُ الْحَرْبَ وہ لڑائیوں کو اٹھا دے

گا۔ اب ان ساری شہادتوں کو جمع کرو اور بتاؤ کہ کیا اس وقت ضرورت نہیں کہ کوئی آسمانی مرد نازل ہو؟ جب یہ مان لیا گیا کہ صدی پر مجدد آنا ضروری ہے تو اس صدی پر مجدد تو ضرور ہو گا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مماثلت موسیٰ علیہ السلام سے ہے تو اس مماثلت کے لحاظ سے ضروری ہے کہ اس صدی کا مجدد مسیح ہو کیونکہ (مسیح) چودھویں صدی پر موسیٰ کے بعد آیا تھا اور آجکل چودھویں صدی ہے

چودہ کے عدد کو روحانی تغیر سے مناسبت ہے

چودہ کے عدد کو بڑی مناسبت ہے چودھویں صدی کا چاند مکمل ہوتا ہے اسی کی طرف اللہ تعالیٰ نے وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران : ۱۲۴) میں اشارہ کیا ہے یعنی ایک بدر تو وہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفوں پر فتح پائی اس وقت بھی آپ کی جماعت قلیل تھی اور ایک بدر یہ ہے۔ بدر میں چودھویں صدی کی طرف اشارہ ہے اس وقت بھی اسلام کی حالت اَذِلَّةٌ کی ہو رہی ہے سو ان سارے وعدوں کے موافق اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے

آنیوالے موعود کی ایک علامت

احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنے والے موعود کے وقت دنیا ظلم اور زُور سے بھری ہوئی ہوگی۔ ظلم اور زُور سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت حکومت ظالم ہوگی جو لوگ یہ سمجھتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں آنے والے مسیح کے وقت میں ضروری ہے کہ سلطنت عادل ہو اور امن ہو اور ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہم کو ایسی عادل اور امن دوست گورنمنٹ اس نے عطا کی ہے جس کی نظیر آج دنیا کی کسی سلطنت میں نہیں ملتی ہے جیسے مسیحؑ کے زمانہ میں رومی گورنمنٹ جو اپنے عدل و انصاف کے لئے مشہور تھی مگر ہماری گورنمنٹ رومی گورنمنٹ سے بدرجہا بہتر اور بڑھ چڑھ کر عادل ہے یہاں تک کہ اس مقدمہ میں جو پادری ہنری مارٹن کلارک کی طرف سے مجھ پر ہوا تھا کپتان ڈگلس نے جو ان دنوں گورداسپور کا ڈپٹی کمشنر تھا۔ باوجودیکہ بعض کوتاہ اندیشوں کا یہ خیال تھا............... کہ ایک معزز پادری کی طرف سے مقدمہ ہے لیکن اس انصاف پسند حاکم نے اصلیت کو نکال لیا اور معلوم کر لیا کہ وہ مقدمہ بعض ادنیٰ درجہ کے آدمیوں کی چالاکی کا نتیجہ تھا۔ کپتان ڈگلس جو آج کل دہلی میں ڈپٹی کمشنر ہیں ہمیشہ تک اس عدیم المثال انصاف کے باعث مشہور رہیں گے اور یہ تو گورنمنٹ کے ایک عہدہ دار کی مثال ہے اور ایسی ہزاروں لاکھوں مثالیں ہیں غرض احادیث میں آیا ہے کہ جب وہ موعود آئے گا تو دنیا ظلم اور زُور سے بھری ہوئی

ہوگی اس کا مطلب یہی ہے کہ اس وقت دنیا میں شرک اور زُور کا بہت زور ہو گا چنانچہ اس وقت دیکھ لو کیسی بت پرستی، صلیب پرستی، مردہ پرستی اور قسم قسم کی پرستش ہو رہی ہے اور حقیقی اور سچے خدا کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے[1]

ایک مصلح کی ضرورت

اب ان تمام امور کو یک جا کر کے دانشمند غور کرے کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں کیا وہ اس قابل ہے کہ سرسری نگاہ سے اسے رد کر دیا جائے؟ یا یہ کہ اس پر پورے غور اور فکر سے کام لیا جاوے۔ جو کچھ ہمارا دعویٰ ہے کیا یہ صدی کے سر پر ہے یا نہیں؟ اگر ہم نہ آتے تب بھی ہر ایک عقلمند اور خدا ترس کو لازم تھا کہ وہ کسی آنے والے کی تلاش کرتا۔ کیونکہ صدی کا سر آگیا تھا اور اب تو جب کہ بیس برس گزرنے کو ہیں اور بھی زیادہ فکر کی ضرورت تھی موجودہ فساد پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ کوئی شخص اصلاح کے لئے آنا چاہئے۔ عیسائیت نے وہ آزادی اور بے قیدی پھیلائی ہے جس کی کوئی حد ہی نہیں ہے اور مسلمانوں کے بچوں پر جو اس کا اثر ہوا ہے اسے دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے بچے ہی نہیں ہیں۔

کاسر الصلیب مسیح موعود کا ہی دوسرا نام ہے

ساری باتوں کو چھوڑ دو اس صلیبی فتنہ ہی کی اصلاح کے لئے جو شخص آئے گا اس کا نام کیا رکھا جائے گا؟ یہ فتنہ بالطبع اپنی اصلاح کرنے والے کا نام کاسر الصلیب رکھتا ہے اور یہ مسیح موعود کا دوسرا نام ہے قرآن اور حدیث نے مختلف طریقوں پر اس مضمون کو ادا کیا ہے اور آنے والے موعود کی بشارت دی ہے۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے۔ کیونکہ جب انسان ناقص طور پر سمجھتا ہے گویا کچھ نہیں سمجھتا لیکن جب کامل غور اور فکر کے بعد ایک بات کو سمجھ لیتا ہے پھر مشکل ہوتا ہے کہ کوئی اسے گمراہ کر سکے۔ اس لئے میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ اس سوال کو حل کرنے کی خوب فکر کریں۔ یہ معمولی اور چھوٹی سی بات نہ سمجھیں بلکہ یہ ایمان کا معاملہ ہے جنت اور دوزخ کا سوال ہے۔

مسیح موعود کی تکذیب اور انکار کا نتیجہ

میرا انکار میرا انکار نہیں ہے بلکہ یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے کیونکہ جو میری تکذیب کرتا ہے وہ میری تکذیب سے پہلے معاذاللہ اللہ تعالیٰ کو جھوٹا ٹھہرا لیتا ہے

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۲ تا ۳ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۳ء

جبکہ وہ دیکھتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی فساد حد سے بڑھے ہوئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے باوجود وعدہ
اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ (الحجر : ۱۰) کے ان کی اصلاح کا کوئی انتظام نہ
کیا جب کہ وہ اس امر پر بظاہر ایمان لاتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آیت استخلاف میں وعدہ کیا تھا کہ
موسوی سلسلہ کی طرح محمدیؐ سلسلہ میں بھی خلفاء کا سلسلہ قائم کرے گا۔ مگر اس نے معاذاللہ اس
وعدہ کو پورا نہیں کیا اور اس وقت کوئی خلیفہ اس امت میں نہیں اور نہ صرف یہاں تک ہی بلکہ
اس بات سے بھی انکار کرنا پڑے گا کہ قرآن شریف نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل
موسیٰ قرار دیا ہے یہ بھی صحیح نہیں ہے معاذاللہ۔ کیونکہ اس سلسلہ کی اتم مشابہت اور مماثلت کے
لئے ضروری تھا کہ اس چودھویں صدی پر اسی امت میں سے ایک مسیح پیدا ہوتا اسی طرح پر جیسے
موسوی سلسلہ میں چودھویں صدی پر ایک مسیح آیا۔ اور اسی طرح پر قرآن شریف کی اس آیت کو
بھی جھٹلانا پڑے گا جو اٰخَرِیۡنَ مِنۡہُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ (الجمعہ : ۴) میں ایک آنے
والے احمدی بروز کی خبر دیتی ہے اور اس طرح پر قرآن شریف کی بہت سی آیتیں ہیں جن کی تکذیب
لازم آئے گی بلکہ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اَلۡحَمۡدُ سے لے کر وَالنَّاسِ تک سارا
قرآن چھوڑنا پڑے گا پھر سوچو کہ میری تکذیب کوئی آسان امر ہے یہ میں ازخود نہیں کہتا بلکہ خدا کی
قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حق یہی ہے کہ جو مجھے چھوڑے گا اور میری تکذیب کرے گا وہ زبان سے نہ
کرے مگر اپنے عمل سے اس نے سارے قرآن کی تکذیب کر دی اور خدا کو چھوڑ دیا۔

اس کی طرف میرے ایک الہام میں بھی اشارہ ہے اَنۡتَ مِنِّیۡ وَاَنَا مِنۡکَ بے شک
میری تکذیب سے خدا کی تکذیب لازم آتی ہے اور میرے اقرار سے خدا تعالیٰ کی تصدیق ہوتی اور
اس کی ہستی پر قوی ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر میری تکذیب میری تکذیب نہیں یہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے اب کوئی اس سے پہلے کہ میری تکذیب اور انکار کے لئے جرأت
کرے۔ ذرا اپنے دل میں سوچے اور اس سے فتویٰ طلب کرے کہ وہ کس کی تکذیب کرتا ہے؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیوں تکذیب ہوتی ہے؟ اس طرح پر کہ آپؐ نے جو وعدہ کیا تھا کہ
ہر صدی کے سر پر مجدد آئے گا۔ وہ معاذاللہ جھوٹا نکلا۔ پھر آپ نے اِمَامُکُمۡ مِنۡکُمۡ فرمایا تھا
وہ بھی معاذاللہ غلط ہوا ہے اور آپ نے جو صلیبی فتنہ کے وقت مسیح کے آنے کی بشارت دی تھی وہ
بھی معاذاللہ غلط نکلی کیونکہ فتنہ تو موجود ہو گیا مگر وہ آنے والا امام نہ آیا۔ اب ان باتوں کو جب کوئی
تسلیم کرے گا عملی طور پر کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکذب ٹھہرے گا یا نہیں؟

پس پھر میں کھول کر کہتا ہوں کہ میری تکذیب آسان امر نہیں۔ مجھے کافر کہنے سے پہلے خود کافر

بنا ہو گا مجھے بے دین اور گمراہ کہنے میں دیر ہو گی مگر پہلے اپنی گمراہی اور روسیاہی کو مان لینا پڑے گا مجھے قرآن و حدیث کا چھوڑنے والا کہنے سے پہلے خود قرآن اور حدیث کو چھوڑ دینا پڑے گا اور پھر بھی وہی چھوڑے گا۔ میں قرآن و حدیث کا مصدق و مصداق ہوں۔ میں گمراہ نہیں بلکہ مہدی ہوں میں کافر نہیں بلکہ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ کا مصداق صحیح ہوں اور جو کچھ میں کہتا ہوں خدا نے مجھ پر ظاہر کیا کہ یہ سچ ہے۔

خدا تعالیٰ سے فیصلہ طلب کریں

جس کو خدا پر یقین ہے جو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق مانتا ہے اس کے لئے یہی حجت کافی ہے کہ میرے منہ سے سنکر خاموش ہو جائے لیکن جو دلیر اور بے باک ہے اس کا کیا علاج؟ خدا خود اس کو سمجھائے گا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ خدا کے واسطے اس امر پر غور کریں اور اپنے دوستوں کو بھی وصیت کریں کہ وہ میرے معاملے میں جلدی سے کام نہ لیں۔ بلکہ نیک نیتی اور خالی الذہن ہو کر سوچیں اور پھر خدا تعالیٰ سے اپنی نمازوں میں دعائیں مانگیں کہ وہ ان پر حق کھول دے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر انسان تعصب اور ضد سے پاک ہو کر حق کے اظہار کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف توجہ کرے گا تو ایک چلّہ نہ گزرے گا کہ اس پر حق کھل جائے گا مگر بہت ہی کم لوگ ہیں جو ان شرائط کے ساتھ خدا تعالیٰ سے فیصلہ چاہتے ہیں اور اس طرح پر اپنی کم سمجھی یا ضد و تعصب کی وجہ سے خدا کے ولی کا انکار کر کے ایمان سلب کرا لیتے ہیں کیونکہ جب ولی پر ایمان نہ رہے تو ولی جو نبوت کے لئے بطور میخ کے ہے۔ اسے پھر نبوت کا انکار کرنا پڑتا ہے اور نبی کے انکار سے خدا کا انکار ہوتا ہے اور اسطرح پر بالکل ایمان سلب ہو جاتا ہے۔

ایک مصلح کی ضرورت

اس وقت ضروری ہے کہ خوب غور کر کے دیکھا جاوے کہ کیا عیسائی فتنہ نہیں ہے جو مِنْ کُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ (الانبیاء : ۹۷) کا مصداق ہو کر لاکھوں انسانوں کو گمراہ کر رہا ہے اور مختلف طریق اس نے اپنی اشاعت کے رکھے ہیں۔ اب وقت ہے کہ اس سوال کا جواب دیا جاوے کہ اس فتنہ کی اصلاح کرنے والے کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا رکھا ہے؟ صلیب کا زور تو دن بدن بڑھ رہا ہے اور ہر جگہ اس کی چھاؤنیاں قائم ہوتی جاتی ہیں مختلف مشن قائم ہو کر دور دراز ملکوں اور اقطاعِ عالم میں پھیلتے جاتے ہیں اس لئے اگر اور کوئی بھی ثبوت اور دلیل نہ ہوتی تب بھی طبعی طور پر ہم کو ماننا پڑتا کہ اس وقت ایک مصلح کی ضرورت ہے جو اس فساد کی آگ

کو بجھائے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو صرف ضروریات محسوسہ مشہودہ تک ہی نہیں رکھا بلکہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ سلم کی عظمت و عزت کے اظہار کے لئے بہت سی پیشگوئیاں پہلے سے اس وقت کے لئے مقرر رکھی ہوئی ہیں جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس وقت ایک آنے والا مرد ہے اور اس کا نام مسیح موعود اور اس کا کام کسر صلیب ہے اب اس ترتیب کے ساتھ ہر ایک سلیم الفطرت کو اتنا تو ماننا پڑے گا کہ بجز اس تسلیم کے چارہ نہیں کہ کوئی مرد آسمانی آوے اور اس کا کام اس وقت کسر صلیب ہی ہونا چاہئے۔

کسرِ صلیب کی حقیقت

لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ یہ جو فرمایا گیا ہے کہ کسر صلیب مسیح موعود کا کام ہو گا اس کا کیا مطلب ہے کیا وہ لکڑی کی صلیب کو توڑے گا؟ اور اس سے فائدہ کیا ہو گا؟ صاف ظاہر ہے کہ لکڑی کی صلیب کو اگر توڑتا پھرے گا تو یہ کوئی عظیم الشان کام نہیں۔ اور نہ اس کا کوئی معتد بہ فائدہ ہو سکتا ہے اگر وہ لکڑی کی صلیب توڑے گا تو اس کی بجائے سونے چاندی اور دھاتوں کی صلیبیں عیسائی بنا لیں گے اور اس سے کیا نقصان ہوا اور پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور یزید اور صلاح الدین نے بہت سی صلیبیں توڑیں تو کیا وہ اس ایک امر سے مسیح موعود بن گئے؟ نہیں' ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہو سکتی کہ وہ لکڑی کی صلیب جو بعض عیسائیوں نے لٹکائی ہوئی ہے مسیح موعود توڑتا پھرے گا بلکہ اس کے اندر ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کی تائید میں حدیث کا ایک اور لفظ یَضَعُ الْحَرْبَ آیا ہے یعنی مسیح موعود لڑائیوں کو اٹھا دے گا اب ہمیں کوئی سمجھاوے کہ ایک طرف تو مسیح موعود کا یہ کام ہے کہ وہ لڑائی کے سلسلہ کو یکدفعہ اٹھا دے اور دین کے لئے لڑائی کا نام لینا حرام سمجھا جاوے اور دوسری طرف یہ بھی صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ زمانہ امن کا زمانہ ہو گا اور سلطنت عادل سلطنت ہو گی جس سے اور بھی تقویت ہوتی ہے اس منشاء کی کہ اس وقت لڑائیاں حرام ہوں گی۔ اچھا' لڑائیاں ہوں گی نہیں اور صلیب توڑنا مسیح موعود کا کام ہے پھر سوچ کر دیکھو کہ ہمارے اس دعویٰ کی تائید صاف طور پر ہوتی ہے یا نہیں کہ صلیب توڑنے سے یہ لکڑی یا پیتل وغیرہ کی صلیبیں (جو عیسائی شرک کے طور پر گلے میں لٹکائے پھرتے ہیں) توڑنا مراد نہیں ہے بلکہ یہ لفظ ایک اور حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہی ہے جو ہم لے کر آئے ہیں ہم نے صاف طور پر اعلان کیا ہے کہ اس وقت جہاد حرام ہے کیونکہ جیسے مسیح موعود کا وہ کام ہے یَضَعُ الْحَرْبَ بھی اس کا کام ہے۔ اس کام کی رعایت سے ہم کو

ضروری تھا کہ جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ صادر کریں پس ہم کہتے ہیں کہ اس وقت دین کے نام سے تلوار یا ہتھیار اٹھانا حرام اور سخت گناہ ہے ہم کو ان وحشی سرحدیوں پر افسوس آتا ہے کہ وہ آئے دن جہاد کے نام سے بعض وارداتیں کر کے جو دراصل اپنا پیٹ پالنے کے لئے کرتے ہیں اسلام کے نام کو بدنام کرتے ہیں اور امن میں خلل انداز ہوتے ہیں ایک سچے مسلمان کو ان وحشیوں کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہونی چاہئے تو پھر یَکْسِرُ الصَّلِیْبَ کے کیا معنی ہیں؟ توجہ سے سننا چاہئے کہ مسیح موعود کی بعثت کا وقت غلبہ صلیب کے وقت ٹھہرایا گیا ہے اور وہ صلیب کو توڑنے کے لئے آئے گا اب مطلب صاف ہے کہ مسیح موعود کی آمد کی غرض عیسوی دین کا ابطالِ کلی ہو گا اور وہ حجت اور براہین کے ساتھ جن کو آسمانی تائیدات اور خوارق اور بھی قوی کر دیں گے اور صلیب پرستی کے مذہب کو باطل کر کے دکھا دے گا اور اس کا باطل ہونا دنیا پر روشن ہو جائے گا اور لاکھوں روحیں اعتراف کریں گی کہ فی الحقیقت عیسائی دین انسان کے لئے رحمت کا باعث نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ ہماری ساری توجہ اس صلیب کی طرف لگی ہوئی ہے۔ صلیب کی شکست میں کیا کوئی کسر باقی ہے؟ موت مسیح کے مسئلہ نے ہی صلیب کو پاش پاش کر دیا ہے کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مسیح صلیب پر مرا ہی نہیں بلکہ وہ اپنی طبعی موت سے کشمیر میں آکر مرا۔ تو کوئی عقلمند ہمیں بتائے کہ اس سے صلیب کا باقی کیا رہتا ہے۔ اگر تعصب نے اور ضد نے بالکل ہی انسان کے دل کو تاریک اور اس کی عقل کو ناقابل فیصلہ نہ بنا دیا ہو تو ایک عیسائی کو بھی یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ اس مسئلہ سے عیسائی دین کا سارا تارو پود ادھڑ جاتا ہے۔[1]

مسیح موعود کا ظہور غلبۂ صلیب کے وقت مقدر تھا

غرض یہ بات بالکل صاف ہے کہ مسیح موعود کو اللہ تعالیٰ اس وقت بھیجے گا جب صلیب کا غلبہ ہو گا جس سے مراد یہ ہے کہ صلیبی دین کا فتنہ بڑھا ہوا ہو گا اس کی اشاعت اور توسیع کے لئے ہر ایک قسم کے حیلوں کو کام میں لایا جائے گا اور دنیا میں وہ ظلم و زُور جس کا دوسرے لفظوں میں شرک اور مردہ پرستی نام ہو سکتا ہے' پھیلایا جاوے گا اس وقت اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھیجے گا اس کا کام یہی ہو گا کہ اس ظلم و زُور سے دنیا کو پاک کرے اور مردہ پرستی اور صلیب پرستی کی لعنت سے دنیا کو بچائے اس طرح پر وہ صلیب کو توڑے گا۔ بظاہر یہ تناقض معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاموں میں سے یَضَعُ الْحَرْبَ بھی لکھا ہے کہ وہ لڑائیاں نہ کرے گا اور صلیب کے توڑنے میں لڑائیوں کی

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۲-۳ مورخہ ۲۴؍ جنوری ۱۹۰۳ء

ضرورت ہے یہ تناقض سطحی خیال کے آدمیوں کو نظر آتا ہے جنہوں نے مسیح موعود کی آمد اور بعثت کی غرض کو ہرگز نہیں سمجھا حالانکہ یَضَعُ الْحَرْبَ کا لفظ ہی کسر صلیب کی حقیقت کو بتاتا ہے کہ اس سے مراد جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے لکڑی یا دوسری چیزوں کی صلیبوں کو توڑنا نہیں بلکہ صلیبی ملت کی شکست ہے اور ملت کی شکست بینہ اور براہین سے ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال : ۴۳)

بہرحال ہمارے مخالف علماء جو مخالفت میں اس قدر غلو کرتے ہیں اگر ٹھنڈے دل سے اور خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا یقین رکھ کر ان باتوں کو سوچتے تو یقیناً ان کو اس کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ وہ میرے پیچھے ہو لیتے وہ دیکھتے کہ صدی کا سر آگیا۔ بلکہ اس میں سے انیس سال گزرنے کو آگئے ہیں اور صدی پر مجدد کا آنا ضروری ہے ورنہ اس سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب لازم آتی ہے۔

عیسائیت کا عظیم فتنہ

اور جب وہ نصاریٰ کے فتنہ پر نظر کرتے تو ان کو نظر آتا کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی آفت اور فتنہ اسلام کے لئے کبھی پیدا نہیں ہوا ہے بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ شروع ہوا ہے ایسا خطرناک فتنہ کبھی نہیں اٹھا۔فلسفیانہ رنگ میں الگ، طبعی رنگ میں الگ مذہب پر زد ہے۔ ہر شخص جو کسی فن میں کسی علم میں کوئی دسترس رکھتا ہے وہ اسی پہلو سے اسلام پر حملہ کرنا چاہتا ہے مرد، عورتیں واعظ ہیں اور وہ مختلف تدابیر سے اسلام سے بیزاری پیدا کرنی چاہتے ہیں اور عیسائیت کی طرف لوگوں کو مائل کرتے ہیں۔شفاخانوں میں جاؤ تو دیکھو گے کہ دوا کے ساتھ عیسوی دین کا وعظ ضرور کیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ بعض عورتیں یا بچے علاج کے لئے شفاخانہ میں داخل ہو گئے ہیں اور پھر ان کا پتہ اس وقت تک نہیں ملا جب تک وہ عیسائی بن کر ظاہر نہیں کئے گئے۔ سادھوؤں کے رنگ میں وعظ کرتے ہیں۔ غرض کوئی طریقہ وسوسہ اندازی کا ایسا نہیں جو اس قوم نے اختیار نہ کیا ہو۔ اب اس فتنہ پر ان کی نگاہ ہوتی۔ تو ان کو ماننا پڑتا کہ اس فتنہ کی اصلاح ومدافعت کے لئے کوئی شخص خدا کی طرف سے ضرور آنا چاہئے۔ قرآن شریف سے بے توجہی اور لاپرواہی پر نظر کرتے تو کہتے کہ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) کے وعدہ کے موافق ضرور کوئی محافظ قرآن اس وقت آنا چاہئے اور پھر سلسلہ خلافت موسوی اور سلسلہ خلافت محمدی کی مشابہت پر نظر ہوتی تو ماننا پڑتا کہ اس وقت چودھویں صدی میں ایک خاتم الخلفاء ضرور آنا چاہئے۔

اس طرح پر ایک نہیں بہت سی باتیں تھیں جو ان لوگوں کی ہدایت اور راہبری کا موجب بن

سکتی تھیں مگر نفس پرستی کی وجہ سے تعصب اور ضد سے انہوں نے ان پر غور نہیں کیا اور مخالفت اختیار کی۔ ان امور کا جو میں پیش کرتا ہوں وہی انکار کر سکتا ہے جو گھر سے باہر نہیں نکلتا اور حجروں ہی میں پرورش پاتا ہے جو شخص کہتا ہے فتنہ نہیں ہوا تو میں اس کو متعصب ہی نہیں سمجھتا بلکہ وہ بے ادب اور گستاخ ہے جس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عزت و تکریم کا خیال نہیں ہے اور اس سے بے خبر محض ہے۔ مگر عقلمند اور دین سے واقف سمجھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس فتنہ کو خفیف نہیں سمجھا اور حقیقت میں خفیف نہیں۔ میں بار بار اس امر پر اسی لئے زور دیتا ہوں کہ لوگوں کو اس امر پر اطلاع ملے۔ ان کا ایک ایک پرچہ اگر دیکھا جاوے تو وہ ایک ایک لاکھ نکلتا ہے وہ وسائل اشاعت اور تبلیغ کے جو اب پیدا ہو گئے ہیں پہلے کہاں تھے؟ اس سے پہلے رد اسلام میں ایک رسالہ تو دکھاؤ۔ مگر اس صدی میں اگر ان رسالوں اور اخباروں اور کتابوں کو جو اسلام کے خلاف لکھے گئے ہیں' ایک جگہ جمع کرو تو ان کا اونچا ڈھیر کئی میل تک چلا جاوے بلکہ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ یہ اونچا ڈھیر دنیا کے بلند ترین پہاڑوں کی اونچائی سے بھی بڑھ جاوے اور اگر ان کو برابر سطح پر رکھا جاوے تو کئی میل لمبی لائن ہو۔ اس وقت اسلام شہیدان کربلا کی طرح دشمنوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے اور اس پر بھی افسوس ہے کہ مخالف کہتے ہیں کہ کسی شخص کی ضرورت نہیں۔ ہم مجادلہ کرنے والے سے بات کرنا نہیں چاہتے اور اس سے بحث کرنا بجز تضیع اوقات اور کچھ نہیں ہے۔ ہاں جو طالب حق ہو وہ ہمارے پاس آئے اور یہاں رہے اور پھر ہر طرح اس کی تسلی اور اطمینان کو تیار ہیں مگر افسوس تو یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ پائے نہیں جاتے بلکہ مخالف تو دو چار دس منٹ میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا مذہبی قمار بازی ہے اس طرح پر حق کھل نہیں سکتا۔ آپ خود سوچیں کہ عیسائیت اسلام کو مغلوب کرنے کے واسطے کس قدر زور لگا رہی ہے کلکتہ کے بشپ نے لندن جا کر جو تقریر کی ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ کوئی آدمی گورنمنٹ انگلشیہ کا سچا خیر خواہ اور وفادار نہیں ہو سکتا جب تک وہ عیسائی نہ ہو۔ ایسی تقریروں اور بحثوں سے کیا یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ عیسائی بنانے کے لئے کس قدر کوشش یہ لوگ کرنی چاہتے ہیں اور ان کی نیت میں کیا ہے؟ وہ صاف چاہتے ہیں کہ کوئی مسلمان نہ رہ جاوے۔ عیسائی مشنریوں نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ جس قدر اسلام ان کی راہ میں روک ہے اور کوئی مذہب ان کی راہ میں روک نہیں ہے مگر یاد رکھو اللہ تعالیٰ اپنے دین کے لئے غیور ہے اس نے سچ فرمایا ہے

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) اس نے اس وعدہ کے موافق اپنے ذکر کی محافظت فرمائی اور مجھے مبعوث کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کے موافق کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے اس نے مجھے صدی چہار دہم کا مجدد کیا۔ جس کا نام کاسر الصلیب بھی رکھا ہے

اگر ہم اس دعویٰ میں غلطی پر ہیں تو پھر سارا کاروبار نبوت کا ہی باطل ہو گا اور سب وعدے جھوٹے ٹھہریں گے اور پھر سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہو گی کہ خدا تعالیٰ بھی جھوٹوں کی حمایت کرنے والا ثابت ہو گا (معاذ اللہ) کیونکہ ہم اس سے تائیدیں پاتے ہیں اور اس کی نصرتیں ہمارے ساتھ ہیں۔

نزولِ مسیح اور دجّال سے متعلق عام خیالات اور اصل حقیقت

اب ایک شخص کو بطور وسوسہ کے یہ اعتراض گذرتا ہے کہ مسیح آسمان سے اترے گا اور اس کے ہاتھ میں ایک حربہ ہو گا اور وہ دجال کو جس کے ہاتھ میں خدائی کی ساری قوتیں ہوں گی اور روٹیوں کا پہاڑ اس کے ساتھ ہو گا وہ قتل کرے گا اور آسمان سے تو یونہی اتر آئے گا مگر دمشق کے منارہ پر آکر سیڑھی کے بغیر نہ اترے گا اور دجال مردوں کو زندہ کرے گا وغیرہ بہت سی باتیں ہیں جو نزول المسیح کے متعلق ان لوگوں نے بنا رکھی ہیں اور دجال کے لئے کہتے ہیں کہ وہ کانا ہو گا مگر دجال اس کے لئے یہ نہیں کہہ سکے گا کہ وہ اس لئے کانا ہے کہ وحدہٗ لا شریک ہے اور سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتا ہے اب ان باتوں پر اگر دانشمند غور کرے تو خود اس کو ہنسی آئے گی کہ کیا کہتے ہیں۔ ہم نے جو کچھ پیش کیا ہے وہ خیالی امور نہیں بلکہ یقینی باتیں ہیں جن کے ساتھ نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ ہیں اور تائیدات الٰہیہ بھی ہیں جو آج نہیں سمجھتا وہ آخر سمجھے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نور کو کوئی بجھا نہیں سکتا۔

پیشگوئیوں میں استعارات کا استعمال

یاد رکھو۔ الفاظ کے معنے کرنے میں بڑی غلطی کھاتے ہیں۔ بعض وقت الفاظ ظاہر پر آتے ہیں اور بعض اوقات استعارہ کے طور پر آتے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے پہلے لمبے ہاتھوں والی بی بی فوت ہوں گی۔ اور آپؐ کے سامنے ساری بیبیوں نے باہم ہاتھ ناپنے بھی شروع کر دیئے اور آپؐ نے منع بھی نہ فرمایا۔ لیکن جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا۔ تو اس کے معنے کھلے کہ لمبے ہاتھوں والی سے مراد اس بی بی سے تھی جو سب سے زیادہ سخی تھی۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسی آیتیں موجود ہیں جن کے اگر ظاہر معنے کئے جائیں تو کچھ بھی مطلب نہیں نکل سکتا۔ جیسے فرمایا

مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳)

اب آپ وزیر آباد میں ہی حافظ عبد المنان سے جو اس سلسلہ کا سخت دشمن ہے' دریافت کریں کہ کیا اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا اٹھایا

جائے گا؟ یا ظاہر پر اس سے مراد نہیں لی جاتی' کچھ اور مطلب ہے۔ یقیناً اس کو یہی کہنا پڑے گا۔ کہ بیشک اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر اندھا اور نابینا قیامت کو بھی اندھا اور نابینا اٹھے بلکہ اس سے مراد معرفت اور بصیرت کی نابینائی ہے

جب یہ ثابت ہے کہ الفاظ میں استعارات بھی ہوتے ہیں اور خصوصاً پیشگوئیوں میں۔ تو پھر مسیح کے نزول کے متعلق جو پیشگوئیوں میں الفاظ آئے ہیں' ان کو بالکل ظاہر ہی پر حمل کر لینا کونسی دانشمندی ہے؟ یہ لوگ جو میری مخالفت کرتے ہیں ظاہر پرستی سے کام لیتے ہیں اور ظن سے کام لیتے ہیں۔ مگر یاد رکھیں کہ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا (النجم : ۲۹) اور بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات : ۱۳)

پس اگر بدظنی سے کام لیتے ہیں اور ظاہر معنوں ہی پر حمل کرتے ہیں تو پھر نابینوں کو تو نجات سے جواب ہوگا ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیوں ناحق ایک ایسی بات پر زور دیتے ہیں جس کے لئے ان کے پاس کوئی یقینی ثبوت نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی کتابوں کی زبان سے محض ناواقف ہیں اگر واقف ہوتے تو سمجھتے کہ پیشگوئیوں میں کس قدر استعارات سے کام لیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں تو اس سے مراد جھوٹے نبی تھے اور جب آپؐ کو گائیوں کا ذبح ہونا دکھایا گیا تو اس سے مراد صحابہؓ کی شہادت تھی۔ اور یہ کوئی خاص بات نہیں عام طور پر قانون الٰہی رؤیا اور پیشگوئیوں کے متعلق اس قسم کا ہے۔ دیکھو حضرت یوسفؑ کی رؤیا جو قرآن شریف میں ہے کیا اس سے سورج اور چاند اور ستارے مراد تھے؟ یا عزیز مصر کی رؤیا جس میں گائیاں دکھائی گئی تھیں اس سے فی الواقعہ گائیں مراد تھیں یا کچھ اور؟ اس قسم کی ایک دو نہیں ہزاروں ہزار شہادتیں ملتی ہیں۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ نزول المسیح کے معاملہ میں یہ لوگ ان کو بھول جاتے ہیں اور ظاہر الفاظ پر زور دینے لگتے ہیں ان معاملات میں اختلاف کی جڑ وہی باتیں ہوا کرتی ہیں کہ مجاز اور استعارہ کو چھوڑ کر اس کو ظاہر پر حمل کر لیا جائے اور جہاں ظاہر مراد ہے وہاں استعارہ قرار دیا جائے۔ اگر پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارہ نہیں ہے تو پھر کسی نبی کی نبوت کا ثبوت بہت مشکل ہو جاوے گا۔

عہد نامہ قدیم وجدید میں استعارات کا استعمال اور یہود کا ابتلاء

یہودیوں کو یہی مشکل اور آفت تو پیش آئی کیونکہ حضرت مسیح کے لئے لکھا تھا کہ اس کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا۔ چنانچہ ملاکی نبی کی کتاب میں یہ پیشگوئی بڑی صراحت سے درج ہے۔ یہودی اس پیشگوئی کے موافق منتظر تھے۔ کہ ایلیا آسمان سے آوے لیکن جب مسیح آگیا اور ایلیا آسمان سے

نہ اترا تو وہ گھبرائے[1]

اور یہ ابتلا ان کو پیش آگیا کہ ایلیا کا آسمان سے آنا مسیح کے آنے سے پہلے ضروری ہے اب انصاف شرط ہے۔ اگر یہ فیصلہ کسی جج کے سامنے پیش ہو تو وہ بھی یہودیوں ہی کے حق میں ڈگری دے گا کیونکہ یہ صاف طور پر لکھا گیا تھا کہ ایلیا آئے گا اور اس سے پہلے کوئی نظیر اس قسم کے بروز کی ان میں موجود نہ تھی جو مسیح نے یوحنا کو ایلیا بنایا۔ اب اگرچہ ہم ان کتابوں کی بابت تو یہی کہتے ہیں کہ لَا تُصَدِّقُوْا وَلَا تُكَذِّبُوْا لیکن یہ بھی ساتھ ہی ضروری بات ہے کہ قرآن شریف میں یہ آیا ہے۔ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (النحل : ۴۴) علاوہ بریں اس قصہ ایلیا کی قرآن شریف نے کہیں تکذیب اور تردید نہیں کی اور یہودی اور عیسائی دونو قومیں بالاتفاق اس کو صحیح مانتی ہیں۔ اگر یہ قصہ صحیح نہ ہوتا۔ تو عیسائیوں کا حق تھا کہ وہ بول پڑتے اور اس کی تکذیب کرتے خصوصاً ایسی حالت میں کہ اگر اس قصہ کو غلط کہا جائے تو عیسائیوں کے لئے مشکلات سے نجات اور مخلصی ہے۔ جو اس کو صحیح مان کر ان کو پیش آتی ہیں لیکن جبکہ انہوں نے تکذیب نہیں کی اور اس کو صحیح تسلیم کر لیا ہے پھر کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ ہم بلا وجہ تکذیب پر آمادہ ہوں۔ حق یہی ہے کہ یہودیوں میں یہ خبر صحیح موجود تھی کہ مسیح کے آنے سے پہلے ایلیا آئے گا

مسیح علیہ السلام کا فیصلہ

اور اسی لئے جب مسیح آگیا تو وہ مشکلات میں پڑے اور انہوں نے مسیح سے ایلیا کے متعلق سوال کیا اور مسیح نے یوحنا کی صورت میں اس کے آنے کو تسلیم کر لیا۔ یہاں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ پیشگوئی صحیح نہ ہوتی تو سب سے پہلے مسیح کا یہ حق تھا کہ وہ بجائے اس کہ یہ کہتے کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے' یوں جواب دیتے کہ کوئی ایلیا آنے والا نہیں ہے مسیح نے اگر اس کو صحیح تسلیم نہ کیا ہوتا تو وہ یوحنا کی شکل میں ایلیا کو نہ اتارتے۔ یہ چھوٹی اور معمولی سی بات نہیں۔ مسیح کا یہودیوں کے اس اعتراض کو مان کر اس کا جواب دینا بھی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ وہ بجائے خود اس امر کو صحیح اور یقینی سمجھتے تھے۔ یہودیوں کا یہ عذر بہرحال قابل پذیرائی تھا اور مسیح نے اس کو قبول کر کے یہی جواب دیا ہے کہ آنے والا ایلیا یوحنا ہی ہے چاہو تو قبول کرو۔ اب اگر استعارات کوئی چیز نہیں اور خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں میں یہ جزو اعظم نہیں ہوتے تو پھر جیسے یہودیوں نے حضرت مسیح کی اس تاویل کو تسلیم نہیں کیا' یہ بھی انکار کریں کہ وہ فیصلہ صحیح نہیں تھا کیونکہ یہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ایلیا والے قصہ کی مسلمان تکذیب تو کر نہیں سکتے کیونکہ قرآن شریف نے کہیں اس

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۴ صفحہ ۳،۴ مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۰۳ء

کی تکذیب نہیں کی اور تکذیب کے اول حقدار تو حضرت مسیحؑ اور ان کے متبعین ہو سکتے ہیں جبکہ یہ بات ہے کہ استعارات کوئی چیز نہیں اور ہر پیشگوئی لازماً اپنے ظاہری الفاظ ہی پر پوری ہوتی ہے تو پھر ان کو گویا ماننا پڑے گا یہود۔یوں کی طرح کہ مسیح ابھی نہیں آئے گا اور جب مسیح کے آنے کا بھی انکار ہی ہوا تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی انکار کرنا پڑا اور اس طرح پر اسلام ہاتھ سے جاتا ہے اسی لئے میں بار بار اس امر پر زور دیتا ہوں کہ میری تکذیب سے اسلام کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اس صورت میں عقلمند سوچ سکتا ہے کہ ایلیا کے دوبارہ آنے کے قصہ کے رنگ میں مسیح کی آمد ثانی ہے اور انکا فیصلہ گویا چیف کورٹ کا فیصلہ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ نامراد رہتا ہے اگر حضرت عیسیٰؑ نے خود آنا تھا تو صاف لکھ دیتے کہ میں خود ہی آؤں گا۔یہودی بھی تو اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ایلیا کا مثیل آنا تھا تو کیوں خدا نے یہ نہ کہا کہ ایلیا کا مثیل آئے گا۔غرض جس قدر یہ مقدمہ ایلیا کا ہے اس پر اگر ایک دانشمند صفائی اور تقویٰ سے غور کرے تو صاف سمجھ آجاتا ہے کہ کسی کے دوبارہ آنے سے کیا مراد ہوتی ہے اور وہ کس رنگ میں آیا کرتا ہے۔دو شخص بحث کرتے ہیں ایک نظیر پیش کرتا ہے اور دوسرا کوئی نظیر پیش نہیں کرتا تو بتاؤ کس کا حق ہے کہ اس کی بات مان لی جاوے؟ یہی کہنا پڑے گا کہ ماننے کے قابل اسی کی بات ہے جو دلائل کے علاوہ اپنی بات کے ثبوت میں نظیر بھی پیش کرتا ہے اب ہم تو ایلیا کا فیصلہ شدہ مقدمہ جو خود مسیح نے اپنے ہاتھ سے کیا ہے بطور نظیر پیش کرتے ہیں یہ اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو دو چار ایسے شخصوں کے نام لے دیں جن کی آسمان سے اترنے کی نظیریں موجود ہیں سچ کے حق میں کوئی نہ کوئی نظیر ضرور ہوتی ہے اس مقدمہ میں تنقیح طلب امر یہی ہے کہ جب کسی کے دوبارہ آنے کا وعدہ ہو تو کیا اس سے اس شخص کا پھر آنا مراد ہوتا ہے یا اس کا مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور اس کی آمد ثانی سے یہ مراد ہوتی ہے کہ کوئی اس کا مثیل آئے گا۔اگر اس تنقیح طلب امر میں ان کا دعویٰ سچا ہے کہ وہ شخص خود ہی آتا ہے تو پھر حضرت عیسیٰ پر جو الزام عائد ہوتا ہے اسے دور کر کے دکھائیں۔ اول یہ ان کا فیصلہ فراست صحیحہ سے نہیں ہوا۔اور دوسرے معاذاللہ وہ جھوٹے نبی ہیں کیونکہ ایلیا تو آسمان سے آیا ہی نہیں وہ کہاں سے آگئے؟ اس صورت میں فیصلہ یہودیوں کے حق میں صادر ہوگا اس کا جواب ہمارے مخالف مسلمان ہم کو ذرا دے کر تو دکھائیں۔ لیکن یہ ساری مصیبت ان پر اس ایک امر سے آتی ہے جو کہتے ہیں کہ ہم استعارہ نہیں مانتے اصل بات یہی ہے اور وہی فیصلہ حق ہے جو مسیح نے دیا ہے کہ ایلیا کے آنے سے مراد یہ تھی کہ اس کی خو اور طبیعت پر اس کا مثیل آئے گا اس کے خلاف ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ مشرق یا مغرب میں پھرو اور اس کی نظیر لاؤ کہ دوبارہ آنے والا خود ہی آیا کرتا ہے۔

اس اعتقاد کو دل میں جگہ دو گے تو نتیجہ وہی ہوگا۔ کہ اسلام ہاتھ سے جائے گا۔ مسیح کو یہودیوں نے اسی وجہ سے جھوٹا قرار دیا۔ کیا ہمارے مخالف مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ اس کو جھوٹا قرار دیں؟ پھر ایک اور اعتراض اسی قصہ کی بدولت پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مسیح مردوں کو زندہ کرتے تھے یا وہ قدرتیں اور طاقتیں ان میں موجود تھیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں تو پھر کیا وجہ ہوئی کہ انہوں نے ایلیا کو زندہ نہ کرلیا یا آسمان سے بہ اختیار خود نہ اتار لیا۔

میرے مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے میرے مخالفوں کو ضرور ہے کہ وہ اس قضیہ کو صاف کرلیں جو مسیح کو پیش آیا اور جس کا فیصلہ انہوں نے میرے حق میں کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ بہت سی باتیں پیشگوئیوں کے طور پر نبیوں کی معرفت لوگوں کو پہنچتی ہیں۔ اور جب تک وہ اپنے وقت پر ظاہر نہ ہوں۔ ان کی بابت کوئی یقینی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ لیکن جب ان کا ظہور ہوتا ہے اور حقیقت کھلتی ہے تو معلوم ہوجاتا ہے کہ اس پیشگوئی کا یہ مفہوم اور منشا تھا۔ اور جو شخص اس کا مصداق ہو یا جس کے حق میں ہو اس کو اس کا علم دیا جاتا ہے جیسے فقیہ اور فریسی برابر ایلیا کے دوبارہ آنے کا قصہ پڑھتے رہتے تھے اور وہ نہایت شوق کے ساتھ اس کا انتظار کرتے رہے لیکن اس کی حقیقت اور اصلیت کا علم ان کو اس وقت عطا نہ ہوا جب تک کہ خود آنے والا مسیحؑ جس کے آنے کا وہ نشان تھا' نہ آگیا۔ پس یہ علم مسیح کو ملا اور اس نے آکر فیصلہ کیا کہ ایلیا کی آمد سے یہ مراد ہے۔

اسی طرح پر حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں چالیس سال تک روتے رہے آخر جا کر آپ کو خبر ملی تو کہا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (یوسف : ۹۵) ورنہ اس سے پہلے آپ کا یہ حال ہوا کہ قرآن شریف میں فرمایا گیا ہے وَابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ (یوسف : ۸۵) تک نوبت پہنچی اسی کے متعلق کیا اچھا کہا ہے ؎

کسے پرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی؟[1]

ابتلاء اور آزمائش کی غرض

یہ بیہودہ باتیں نہیں ہیں بلکہ جب سے نبوت کا سلسلہ جاری ہوا ہے یہی قانون چلا آیا ہے۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۰،۱۱ مورخہ ۷؍ فروری ۱۹۰۳ء

قبل از وقت ابتلا ضرور آتے ہیں تا کچوں اور پکوں میں امتیاز ہو اور مومنوں اور منافقوں میں بین فرق نمودار ہو اسی لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ (العنکبوت : ۳) یہ لوگ گمان کر بیٹھے ہیں کہ وہ صرف اتنا ہی کہنے پر نجات پا جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کا کوئی امتحان نہ ہو۔ یہ کبھی نہیں ہوتا۔ دنیا میں بھی امتحان اور آزمائش کا سلسلہ موجود ہے جب دنیاوی نظام میں یہ نظیر موجود ہے تو روحانی عالم میں یہ کیوں نہ ہو۔ بغیر امتحان اور آزمائش کے حقیقت نہیں کھلتی۔ آزمائش کے لفظ سے یہ بھی دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کو جو عَالِمُ الْغَيْبِ اور يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ہے امتحان یا آزمائش کی ضرورت ہے اور بدوں امتحان یا آزمائش کے اس کو کچھ معلوم نہیں ہوتا ایسا خیال کرنا نہ صرف غلطی بلکہ کفر کی حد تک پہنچتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان صفات کا انکار ہے امتحان یا آزمائش کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ تا حقائق مخفیہ کا اظہار ہو جاوے اور شخص زیر امتحان پر اس کی حقیقتِ ایمان منکشف ہو کر اسے معلوم ہو جاوے کہ وہ کہاں تک اللہ کے ساتھ صدق و اخلاص و وفا رکھتا ہے اور ایسا ہی دوسرے لوگوں کو اس کی خوبیوں پر اطلاع ملے۔ پس یہ خیال باطل ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ جو امتحان کرتا ہے تو اس سے پایا جاتا ہے کہ اس کو علم نہیں اس کو تو ذرہ ذرہ کا علم ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک آدمی کی ایمانی کیفیتوں کے اظہار کے لئے اس پر ابتلا آویں اور وہ امتحان کی چکی میں پیسا جاوے کسی نے کیا اچھا کہا ہے

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ اند
زیر آں گنج کرم بنہادہ اند

ابتلاؤں اور امتحانوں کا آنا ضروری ہے بغیر اس کے کشف حقائق نہیں ہوتا یہودی قوم کے لئے یہ ابتلا جو مسیح کی آمد تھا بہت ہی بڑا تھا اور جب کبھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی مامور آتا ہے ضرور ہے کہ وہ ابتلاؤں کو لے کر آوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی توریت میں مثیلِ موسیٰ والی موجود ہے لیکن کیا کہنے والے نہیں کہتے کہ کیوں اللہ تعالیٰ نے پورا نام لیکر نہ بتایا اور سارا پتہ نہ دے دیا کہ وہ عبداللہ کے گھر میں آمنہ کے پیٹ سے پیدا ہو گا اور اسماعیلی سلسلہ سے ہو گا تیرے بھائیوں کا لفظ کیوں کہہ دیا؟ اصل بات یہ ہے کہ اگر ایسی ہی صراحت سے بتا دیا جاتا تو پھر ایمان ایمان نہ رہتا دیکھو اگر ایک شخص پہلی رات کا چاند دیکھ کر بتا دے تو وہ تیز نظر کہلا سکتا ہے لیکن اگر کوئی چودھویں کا چاند دیکھ کر کہہ دے کہ میں نے بھی چاند دیکھ لیا ہے تو کیا لوگ اس پر ہنسیں گے نہیں؟ یہی حال خدا تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کی شناخت کے وقت ہوتا ہے جو لوگ قرائنِ قویہ سے شناخت کر لیتے اور ایمان لے آتے ہیں وہ اول المومنین ٹھہرتے ہیں ان کے مدارج اور مراتب

بڑے ہوتے ہیں۔ لیکن جب ان کا صدق آفتاب کی طرح کھل جاتا ہے اور ان کی ترقی کا دریا بہہ نکلتا ہے تو پھر ماننے والے عوام الناس کہلاتے ہیں۔

جب خدا تعالیٰ کا ہمیشہ سے ایک قانون سلسلہ نبوت کے متعلق چلا آتا ہے۔ اور اس کے اپنے ماموروں کے ساتھ یہی سنت ہے تو میں اس سے الگ کیونکر ہو سکتا ہوں پس اگر ان لوگوں کے دل میں بخل اور ضد نہیں تو میری بات سنیں اور میرے پیچھے ہو لیں پھر دیکھیں کہ کیا خدا تعالیٰ ان کو تاریکی میں چھوڑتا ہے یا نور کی طرف لے جاتا ہے؟ میں یقین رکھتا ہوں کہ جو صبر اور صدق دل سے میرے پیچھے آتا ہے وہ ہلاک نہ کیا جاوے گا۔ بلکہ وہ اسی زندگی سے حصہ لے گا جس کو کبھی فنا نہیں۔ اس قدر لوگ جو میرے ساتھ ہیں اور جو اب اس وقت موجود ہیں کیا ان میں سے ایک بھی ہے جو یہ کہے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا ایک نہیں سینکڑوں نشان خدا تعالیٰ نے دکھائے ہیں مگر نشانات پر ایمان کا حصر کرنا یہ ٹھوکر کھانے کا موجب ہو جایا کرتا ہے جس کا دل صاف ہے اور خدا ترسی اس میں ہے اس کے سامنے دوبارہ آنے کے متعلق حضرت عیسیٰؑ کا ہی فیصلہ پیش کرتا ہوں وہ مجھے سمجھاوے کہ یہودیوں کے سوال کے جواب میں (کہ مسیح سے پہلے ایلیا کا آنا ضروری ہے) جو کچھ مسیح نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ یہودی تو اپنی کتاب پیش کرتے تھے کہ ملاکی نبی کے صحیفہ میں ایلیا کا آنا لکھا ہے مثیل ایلیا کا ذکر نہیں۔ مسیح یہ کہتے ہیں کہ آنے والا یہی یوحنا ہے چاہو تو قبول کرو اب کسی منصف کے سامنے فیصلہ رکھو اور دیکھو کہ ڈگری کس کو دیتا ہے وہ یقیناً یہودیوں کے حق میں فیصلہ دے گا مگر ایک مومن جو خدا تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور جانتا ہے کہ خدا کے فرستادے کس طرح آتے ہیں وہ یقین کرے گا کہ مسیح نے جو کچھ کہا اور کیا وہی صحیح اور درست ہے اب اس وقت وہی معاملہ ہے یا کچھ اور؟ اگر خدا کا خوف ہو تو پھر دل کانپ جاوے یہ کہنے کی جرات کرتے ہوئے کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے افسوس اور حسرت کی جگہ ہے کہ ان لوگوں میں اتنا بھی ایمان نہیں جتنا کہ اس شخص کا تھا جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور جس نے یہ کہا اگر یہ کاذب ہے تو خود ہلاک ہو جائے گا۔ میری نسبت اگر تقویٰ سے کام لیا جاتا تو اتنا ہی کہہ دیتے اور دیکھتے کہ کیا خدا تعالیٰ میری تائیدیں اور نصرتیں کر رہا ہے یا میرے سلسلہ کو مٹا رہا ہے۔

قرآنِ کریم کے مقابلہ میں سُنّت اور حدیث کا درجہ

میری مخالفت میں ان لوگوں نے قرآن شریف کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ میں قرآن شریف پیش کرتا ہوں اور یہ اس کے مقابلہ میں احادیث کو پیش کرتے ہیں مگر یاد رکھنا چاہئے کہ احادیث اس درجہ پر نہیں ہیں جو قرآن شریف کا درجہ ہے اور نہ ہم احادیث کو کلام اللہ کا درجہ دے سکتے ہیں احادیث

تیسرے درجہ پر ہیں اور بالاتفاق مانی ہوئی بات یہ ہے کہ وہ ظن کے لئے مفید ہیں اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا (النجم : ۲۹)

اصل میں تین چیزیں ہیں قرآن سنت اور احادیث۔ قرآن خدا تعالیٰ کی پاک وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور سنت وہ اسوہ حسنہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وحی کے موافق قائم کر کے دکھایا قرآن اور سنت یہ دونو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام تھے کہ ان کو پہنچا دیا جاوے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب تک احادیث جمع نہیں ہوئی تھیں اس وقت تک بھی شعائر اسلام کی بجا آوری برابر ہوتی رہی ہے۔ اب دھوکا یہ لگا ہے کہ یہ لوگ احادیث کو اور سنت کو ایک کر دیتے ہیں حالانکہ یہ ایک چیز نہیں ہیں۔ پس احادیث کو جب تک قرآن اور سنت کے معیار پر پرکھ نہ لیں ہم کسی درجہ پر رکھ نہیں سکتے۔ لیکن یہ ہمارا مذہب ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ حدیث بھی جو اصول حدیث کی رو سے کیسی ہی کمزور اور ضعیف ہو لیکن قرآن یا سنت کے خلاف نہیں تو وہ واجب العمل ہے۔ مگر ہمارے مخالف یہ کہتے ہیں کہ نہیں محدثین کے اصول تنقید کی رو سے جو صحیح ثابت ہو۔ وہ خود قرآن اور سنت کی کیسی ہی مخالف ہو اس کو مان لینا چاہئے۔ اب عقلمند غور کریں۔ اور خدا کا خوف دل میں رکھ کر فکر کریں کہ حق کس کے ساتھ ہے' ان کے یا میرے۔ میں خدا کے کلام اور اس کے پاک رسول کے عمل کو مقدم کرتا ہوں اور یہ ان لوگوں کی باتوں اور خیالی اصولوں کو مقدم کرتے ہیں جنہوں نے کوئی دعویٰ نہیں کیا کہ یہ اصول تنقید احادیث کے ہم نے خدا کی وحی اور الہام سے قائم کئے ہیں۔

اگر یہی بات ہے کہ احادیث کے لئے قرآن اور سنت کے علاوہ کوئی اور معیار ہے جو محض اپنی دانش اور عقل سے قائم کیا گیا ہے تو پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ سُنیوں کی پیش کردہ احادیث یا شیعوں کی پیش کردہ احادیث صحیح نہ مانی جاویں۔ کیوں ایک فریق دوسرے کو رد کرتا ہے۔ اس کا جواب ہمیں کوئی کچھ نہیں دیتا۔ ان ساری باتوں سے بڑھ کر اور ایک بات ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب نے اپنے رسالہ اشاعت السنۃ میں یہ اقرار کیا ہے کہ اہل کشف جو لوگ ہوتے ہیں وہ احادیث کی صحت کے لئے محدثین کے اصول تنقید احادیث کے پابند نہیں ہوتے بلکہ وہ بعض اوقات ایک صحیح حدیث کو ضعیف ٹھہرا سکتے ہیں یا ضعیف کو صحیح کیونکہ وہ براہ راست اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اطلاع پاتے ہیں۔ جب یہ بات ہے تو پھر مسیح موعود جو حکم ہو کر آئے گا کیا اس کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ احادیث کی صحت اس طریق پر کر سکے؟ کیا وہ خدا تعالیٰ سے فیض نہ پا سکے گا؟ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلمؐ کے فیض سے محروم ہوگا؟ اگر اس کو یہ مقدرت نہ ہوگی تو پھر بتاؤ کہ ایسا حکم کس کام کا اور مصرف کا ہوگا؟

اس لئے احادیث کو یہ لوگ جب مخلط کرنے لگیں تو اس امر کو کبھی بھولنا نہ چاہئے کہ قرآن اور سنت سے اس کو الگ کر لیا جاوے ہمارے ضلع میں حافظ ہدایت علی صاحب ایک عہدہ دار تھے مجھے اکثر ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا ایک بار انہوں نے کہا کہ میں ان کتابوں کو جن میں مسیح اور مہدی کے آنے کا ذکر ہے دیکھ رہا تھا۔ ان میں ہزاروں نشانیاں قائم کر رکھی ہیں چونکہ یہ ساری نشانیاں تو پوری ہونے سے رہیں اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ اس وقت جھگڑا ہی پڑے گا یہ لوگ اس وقت ماننے سے رہے جب تک وہ سارے نشان پورے نہ ہو لیں اور وہ نشان یک دفعہ پورے ہونے سے رہے حقیقت میں ان کی فراست صحیح نکلی اس وقت وہی ہوا انکار ہی کیا گیا۔

پیشگوئیوں میں مجاز اور استعارات کا استعمال

اصل بات یہی ہے جس کو میں نے بارہا بیان کیا ہے کہ پیشگوئیوں کا بہت بڑا حصہ مجازات اور استعارات کا ہوتا ہے اور کچھ حصہ ظاہری رنگ میں بھی پورا ہو جاتا ہے یہی ہمیشہ سے قانون چلا آیا ہے اس سے تو ہم انکار نہیں کر سکتے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔اگر ساری حدیثیں پوری ہونی ہیں یعنی جو سُنیوں کی ہیں وہ بھی اور جو شیعوں کی ہیں وہ بھی علیٰ ہذالقیاس تمام فرقوں کی تو یقیناً یاد رکھو کہ پھر نہ کبھی مسیح ہی آئے گا اور نہ مہدی۔

دیکھو میری ضرورت سے زیادہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت تھی جب آپ تشریف لائے۔ اب بتاؤ کہ کیا اس وقت سب نے آپ کو تسلیم کر لیا؟ اور کیا وہ سارے نشانات جو توریت یا انجیل میں آپ کے لئے رکھے گئے تھے پورے ہو گئے تھے؟ خدا کے واسطے سوچو جواب دو۔ اگر وہ ساری روائتیں جو ان میں چلی آتی تھیں اور وہ ساری نشانیاں جو ان کی کتابوں میں پائی جاتی تھیں، پوری ہو گئی تھیں پھر یہودیوں کو کیا ہو گیا تھا جو انہوں نے انکار کر دیا کبھی ساری نشانیاں پوری نہیں ہوتیں کیونکہ ایسی بہت سی ہوتی ہیں جو خود تجویز کر لی جاتی ہیں اور بہت سی ایسی ہوتی ہیں جو کچھ اور مطلب اور مفہوم رکھتی ہیں جب سب راستبازوں کے وقت ان کا انکار کیا گیا اور یہی عذر پیش کیا گیا کہ نشانات پورے نہیں ہوئے تو اس وقت اگر انکار کیا گیا تو اسی سنت پر انہوں نے قدم مارا ہے میں کسی کی زبان انکار تو بند نہیں کر سکتا مگر میں یہ کہتا ہوں کہ وہ میرے عذرات کو سن کر جواب دیں یونہی باتیں بنانا تو طریق تقویٰ کے خلاف ہے۔

اِس سلسلہ کو منہاجِ نبوّت پر آزمائیں

منہاج نبوت پر اس سلسلہ کو آزمائیں اور پھر دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے خیالی اصولوں

اور تجویزوں سے کچھ نہیں بنتا اور نہ میں اپنی تصدیق خیالی باتوں سے کرتا ہوں میں اپنے دعویٰ کو منہاج نبوت کے معیار پر پیش کرتا ہوں پھر کیا وجہ ہے کہ اسی اصول پر اس کی سچائی کی آزمائش نہ کی جاوے۔

جو دل کھول کر میری باتیں سنیں گے میں یقین رکھتا ہوں کہ فائدہ اٹھاویں گے اور مان لیں گے لیکن جو دل میں بخل اور کینہ رکھتے ہیں ان کو میری باتیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکیں گی ان کی تو اَحول جیسی مثال ہے جو ایک کے دو دیکھتا ہے اس کو خواہ کسی قدر دلائل دیئے جائیں کہ دو نہیں ایک ہی ہے وہ تسلیم ہی نہیں کرے گا کہتے ہیں کہ ایک احول خدمت گار تھا آقا نے کہا کہ اندر سے آئینہ لے آؤ وہ گیا اور واپس آکر کہا کہ اندر تو دو آئینے پڑے ہیں کونسا لے آؤں آقا نے کہا کہ ایک ہی ہے دو نہیں اَحول نے کہا تو کیا میں جھوٹا ہوں؟ آقا نے کہا کہ اچھا ایک کو توڑ دے جب توڑا گیا تو اسے معلوم ہوا کہ درحقیقت میری غلطی تھی مگر ان اَحولوں کا جو میرے مقابل ہیں کیا جواب دوں[1]؟

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ بار بار اگر کچھ پیش کرتے ہیں تو احادیث کا ذخیرہ جس کو خود یہ ظن کے درجہ سے آگے نہیں بڑھاتے۔ ان کو معلوم نہیں کہ ایک وقت آئے گا کہ ان کے رطب و یابس امور پر لوگ ہنسی کریں گے۔

یہ ہر ایک طالب حق کا حق ہے کہ وہ ہم سے ہمارے دعویٰ کا ثبوت مانگے۔ اس کے لئے ہم وہی پیش کرتے ہیں جو نبیوں نے پیش کیا۔ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ' عقلی دلائل یعنی موجودہ ضرورتیں جو مصلح کے لئے مستدعی ہیں۔ پھر وہ نشانات جو خدا نے میرے ہاتھ پر ظاہر کئے میں نے ایک نقشہ مرتب کر دیا ہے۔ اس میں ڈیڑھ سو کے قریب نشانات دیئے ہیں۔ جن کے گواہ ایک نوع سے کروڑوں انسان ہیں۔ بیہودہ باتیں پیش کرنا سعادتمند کا کام نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا تھا کہ وہ حکم ہو کر آئے گا۔ اس کا فیصلہ منظور کرو۔ جن لوگوں کے دل میں شرارت ہوتی ہے۔ وہ چونکہ ماننا نہیں چاہتے ہیں۔ اس لئے بیہودہ حجتیں اور اعتراض پیش کرتے رہتے ہیں۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ آخر خدا تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق زور آور حملوں سے میری سچائی ظاہر کرے گا۔

میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر میں افترا کرتا۔ تو وہ مجھے فی الفور ہلاک کر دیتا۔ مگر میرا سارا کاروبار اس کا اپنا کاروبار ہے۔ اور میں اسی کی طرف سے آیا ہوں۔ میری تکذیب اس کی تکذیب ہے۔ اس لئے وہ خود میری سچائی ظاہر کر دے گا۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۵ص ۱ تا ۳۔ ۱۰ فروری ۱۹۰۳ء

پیشگوئیوں کو ظاہر پر حمل کرنے کا نتیجہ

جو لوگ پیشگوئیوں کی حقیقت کو نہ سمجھ کر مجاز اور استعارہ کو ظاہر پر حمل کرنا چاہتے ہیں آخر ان کو انکار کرنا پڑتا ہے جیسے یہودیوں کو یہی مصیبت پیش آئی اور اب عیسائیوں کو پیش آرہی ہے اور اس کی آمد ثانی کے متعلق اکثر یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ کلیسیا ہی سے مراد تھی سارے نشانات عام لوگوں کے خیال کے موافق کبھی پورے نہیں ہوا کرتے ہیں تو پھر انبیاء کے وقت اختلاف اور انکار کیوں ہو۔ یہودیوں سے پوچھو کہ کیا وہ یہ مانتے ہیں کہ مسیح کے آنے کے وقت سارے نشانات پورے ہو چکے تھے؟ نہیں یاد رکھو قانون قدرت اور سنت اللہ اس معاملہ میں یہی ہے جو میں پیش کرتا ہوں وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب : ۶۳)

انسانی خیالات انسانی تاویلات اور قیاسات بالکل صحیح اور قطعی اور یقینی نہیں ہوسکتے ان میں غلطی کا احتمال ہے ایک امر کے واقع ہونے سے پہلے جو رائے قائم کی جائے۔ اس پر قطعیت کا حکم نہیں لگا سکتے۔ لیکن جب وقت آتا ہے تو سارے پردے کھل جاتے ہیں یہی وجہ تھی کہ آنے والے کا نام حَکَم رکھا گیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس وقت اختلاف عام ہوگا تب ہی تو اس کا نام حَکَم رکھا گیا پس سچی بات وہی ہو سکتی ہے جو حَکَم کے منہ سے نکلے۔

نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ وہ قرآن کی طرف توجہ کرے گا کیونکہ حدیث کو تو لوگوں کا ہاتھ لگا ہوا ہے مگر قرآن شریف خدا تعالیٰ کا لاتبدیل کلام ہے جس پر کسی انسانی ہاتھ نے کوئی کام نہیں کیا اب خدا تعالیٰ کا کلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جو پہلا اور ابدی معجزہ تھا اس کو پیش کیا جاتا ہے تو اس کے مقابلہ میں اقوال پیش کئے جاتے ہیں کیا یہ تعجب اور افسوس کی بات نہیں؟

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ خدا کے فضل سے سمجھدار اور فہیم معلوم ہوتے ہیں کیا حدیث کا وہ مرتبہ ہو سکتا ہے جو قرآن شریف کا ہے؟ اگر حدیث کا وہی مرتبہ ہے جو قرآن شریف کا ہے تو پھر نعوذ باللہ ماننا پڑے گا کہ آپؐ نے اپنا فرض ادا نہ کیا کیونکہ قرآن شریف کا اہتمام تو آپ نے کیا مگر حدیث کا کوئی اہتمام نہ ہوا اور نہ آپ نے اپنے سامنے کبھی حدیث کو لکھوایا۔ کیا کوئی مسلمان یہ ماننے کے لئے تیار ہو سکتا ہے جو کہے کہ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرض رسالت ادا نہیں کیا یہ مسلمان کا کام تو ہو نہیں سکتا بلکہ بڑے بے دین اور ملحد کا کام ہوگا پھر سوچ کر دیکھو کہ کیا حدیث کو آپ نے اپنے سامنے مرتب کروایا۔یا قرآن شریف کو؟ صاف ظاہر ہے کہ قرآن شریف ہی کو آپ نے اپنے بعد چھوڑا کیونکہ تعلیم قرآن ہی تھا ہاں یہ سچ ہے کہ آپ

نے اپنی سنت کو بھی قرآن کے ساتھ رکھا اور اصل یہی ہے کہ نبی دو ہی باتیں لے کر آتے ہیں۔ کتاب اور سنت۔ حدیث ان دونوں سے الگ شیئے ہے اور یہ دونو حدیث کی محتاج نہیں ہیں ہاں یہ ہم مانتے ہیں کہ ادنیٰ درجہ کی حدیث پر بھی عمل کر لینا چاہیئے خواہ وہ محدثین کے نزدیک موضوع ہی ہو۔ اگر قرآن و سنت کے خلاف نہ ہو۔ ہم تو یہاں تک حدیث کی عزت کرتے ہیں لیکن اس کو قرآن پر قاضی اور حَکَم نہیں بنا سکتے۔ آپؐ نے نہیں فرمایا کہ میں تم میں حدیث چھوڑتا ہوں بلکہ فرمایا کتاب اللہ چھوڑتا ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ انہوں نے نہیں کہا کہ حدیث کافی ہے؟

کتاب اللہ کا فیصلہ

اب کتاب اللہ کو کھول کر دیکھو وہ فیصلہ کرتی ہے پہلی ہی سورۃ کو پڑھو جو سورۃ فاتحہ ہے جس کے بغیر نماز بھی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو اس میں کیا تعلیم دی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ۔ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحہ : ۶،۷) اب صاف ظاہر ہے کہ اس دعا میں مغضوب اور ضالین کی راہ سے بچنے کی دعا ہے مغضوب سے بالاتفاق یہودی مراد ہیں اور ضالین سے عیسائی۔ اگر اس امت میں یہ فتنہ اور فساد پیدا نہ ہونے والا تھا۔ تو پھر اس دعا کی تعلیم کی کیا غرض تھی؟ سب سے بڑا فتنہ تو الدَّجَّال کا تھا مگر یہ نہیں کہا وَلَا الدَّجَّال کیا خدا تعالیٰ کو اس فتنہ کی خبر نہ تھی؟ اصل یہ ہے کہ یہ دعا بڑی پیشگوئی اپنے اندر رکھتی ہے۔ ایک وقت امت پر ایسا آنیوالا تھا کہ یہودیت کا رنگ اس میں آجاوے گا۔ اور یہودی وہ قوم تھی جس نے حضرت مسیحؑ کا انکار کیا تھا پس یہاں جو فرمایا کہ یہودیوں سے بچنے کی دعا کرو اس کا یہی مطلب ہے کہ تم بھی یہودی نہ بن جانا یعنی مسیح موعود کا انکار نہ کر بیٹھنا اور ضالین یعنی نصاریٰ کی راہ سے بچنے کی دعا جو تعلیم کی تو اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت صلیبی فتنہ خطرناک ہوگا اور یہی سب فتنوں کی جڑ اور ماں ہوگا دجال کا فتنہ اس سے الگ نہ ہوگا ورنہ اگر الگ ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کا بھی نام لیا جاتا اب سارے گرجوں میں جا کر دیکھو کہ کیا یہ فتنہ خطرناک ہے یا نہیں؟ اسی طرح قرآن شریف کو غور سے پڑھو اور سوچو کہ کیا اس نے یہ وعدہ نہیں کیا إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر : ۱۰)

اور پھر آیت استخلاف میں ایک خاتم الخلفاء کا وعدہ دیا گیا ان سب امور کو یکجائی نظر سے اس طرح پر دیکھو!

اول۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف نے توریت کی پیشگوئی کے موافق مثیل

موسیٰ تسلیم کیا ہے اس مماثلت کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ جس طرح پر موسوی خلفاء کا سلسلہ قائم ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ایک سلسلہ خلافت قائم ہو۔ اگر اور کوئی بھی دلیل اس کے لئے نہ ہو تب بھی یہ مماثلت بالطبع یہ چاہتی ہے کہ ایک سلسلہ خلفاء کا ہو۔

دوم۔ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر ایک سلسلہ خلافت قائم کرنے کا وعدہ فرمایا اور اس سلسلہ کو پہلے سلسلہ خلافت کے ہمرنگ قرار دیا جیسا کہ فرمایا كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور : ۵۶) اب اس وعدہ استخلاف کے موافق اور اس مماثلت کے لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ جیسے موسوی سلسلہ خلافت کا خاتم الخلفاء مسیح تھا ضرور ہے کہ سلسلہ محمدیہ کے خلفاء کا خاتم بھی ایک مسیح ہی ہو۔

سوم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ تم میں سے تمہارا امام ہوگا۔

چہارم۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد تجدید دین کے لئے بھیجا جاتا ہے اب اس صدی کا مجدد ہونا ضروری تھا اور مجدد کا جو کام ہوتا ہے وہ اصلاح فسادات موجودہ ہوتا ہے پس جو فساد اور فتنہ اس وقت سب سے بڑھ کر ہے وہ عیسائی فتنہ ہے اس لئے ضروری ہے کہ اس صدی کا جو مجدد ہو وہ کاسر الصلیب ہو۔ جس کا دوسرا نام مسیح موعود ہے۔

پنجم۔ موسوی خلافت کی مماثلت کے لحاظ سے بھی خاتم الخلفاء سلسلہ محمدیہ کا چودھویں ہی صدی میں ہونا ضروری ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد چودھویں صدی میں مسیح علیہ السلام آئے تھے۔

ششم۔ جو علامات مسیح موعود کی مقرر تھیں ان میں سے بہت سی پوری ہو چکیں جیسے کسوف و خسوف کا رمضان میں ہونا جو دو مرتبہ ہو چکا۔ حج کا بند ہونا۔ ذوالسنین ستارہ کا نکلنا۔ طاعون کا پھوٹنا۔ ریلوں کا اجرا۔ اونٹوں کا بیکار ہونا وغیرہ۔

ہفتم۔ سورہ فاتحہ کی دعا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنے والا اسی امت میں سے ہوگا غرض ایک دو نہیں۔ صدہا دلائل اس امر پر ہیں کہ آنے والا اسی امت میں سے آنا چاہئیے اور اس کا یہی وقت ہے اب خدا تعالیٰ کے الہام اور وحی سے میں کہتا ہوں وہ جو آنے والا تھا وہ میں ہوں۔ قدیم سے خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت پر جو طریق ثبوت کا رکھا ہوا ہے وہ مجھ سے جس کا جی چاہے لے لے۔

نشاناتِ صداقت

جو نشانات میری تائید میں ظاہر ہوئے ہیں ان کو دیکھ لو۔ مجھے افسوس ہوتا ہے جب ان

مخالفوں کی حالت پر نظر کرتا ہوں کہ جن امور کو بطور نشان پیش کیا کرتے تھے اب وہ جب پورے ہو گئے تو ان کی صحت پر اعتراض کرنے لگے مثلاً کسوف خسوف والی پیشگوئی کو اب کہتے ہیں یہ حدیث صحیح نہیں مگر ان سے پوچھے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے صحیح ثابت کر دیا۔ کیا اب وہ ان کے کہنے سے جھوٹی ہو جائے گی؟ افسوس تو یہ ہے کہ اتنا کہتے ہوئے ان کو شرم نہیں آتی کہ اس سے ہم مسیح موعود کی تکذیب نہیں کرتے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں میری تصدیق اور تائید کے لئے ایک کسوف خسوف ہی نہیں ہزارہا دلائل اور شواہد ہیں اور اگر ایک نہ بھی ہو تو کچھ بگڑتا نہیں۔ مگر اس سے تو یہ پایا جائے گا کہ یہ پیشگوئی غلط ہوئی۔ افسوس یہ لوگ میری مخالفت میں سید الصادقین کی پیشگوئی کو باطل کرنا چاہتے ہیں ہم اس پیشگوئی کو بڑے زور سے پیش کرتے ہیں یہ ہمارے آقا کی صداقت کا نشان ہے۔

پس حدیث جس کو تم ظن کی سیاہی سے لکھتے تھے واقعہ نے اس کی صداقت کو یقین تک پہنچا دیا اب اس سے انکار کرنا بے ایمانی اور لعنت ہے۔ موضوع احادیث میں کیا محدثین یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے چور پکڑ لیا ہے نہیں بلکہ یہی کہیں گے کہ کسی کا حافظہ درست نہیں یا راست باز ہونے میں کلام ہے مگر محدثین نے یہ اصول تسلیم کر لیا ہے کہ ایک حدیث اگر ضعیف بھی ہو مگر اس کی پیشگوئی پوری ہو جاوے تو وہ صحیح ہوتی ہے پھر اس معیار پر کیونکر کوئی یہ کہنے کی جرات کر سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔

پس یاد رکھو کہ آنے والا یا تو نصوص صریحہ سے پرکھا جاتا ہے' وہ اس کی تائید کرتی ہیں اور پھر عقل چونکہ بدوں نظیر نہیں مان سکتی عقلی نظائر اس کے ساتھ ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی تائیدیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں اگر کسی کو کوئی شک و شبہ ہو تو وہ میرے سامنے آئے اور ان طریقوں سے جو منہاج نبوت پر ہیں میری سچائی کا ثبوت مجھ سے لے۔ میں اگر جھوٹا ہوں تو بھاگ جاؤں گا۔ مگر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انیس برس پہلے مجھے کہا

يَنْصُرُكَ اللّٰهُ فِىْ مَوَاطِنَ

پس جس طرح نبیوں یا رسولوں کو پرکھا گیا' مجھے پرکھ لو اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ اس معیار پر مجھے صادق پاؤ گے۔ یہ باتیں میں نے مختصر طور پر کہی ہیں ان پر غور کرو اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرو وہ قادر ہے کوئی راہ کھول دے گا اس کی تائید اور نصرت صادق ہی کو ملتی ہے۔ فقط[1]

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۷ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۱ر فروری ۱۹۰۳ء

نواب محمد علی خان صاحب کے ایک سوال کے جواب میں تقریر

جب حضرت صاحبزادہ بشیر احمد۔ شریف احمد اور مبارکہ بیگم کی آمین ہوئی اس وقت جیسا کہ حضرت حجتہ اللہ کا معمول ہے کہ خداتعالیٰ کے انعام و عطایا پر شکریہ کے طور پر صدقات دیتے ہیں آپ نے شکریہ کے طور پر ایک دعوت دی اس پر حضرت نواب صاحب قبلہ نے ایک سوال کیا کہ حضور یہ جو آمین ہوئی ہے یہ کوئی رسم ہے یا کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت حجتہ اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا وہ ہم یہاں درج کرتے ہیں[1] (ایڈیٹر الحکم)

شُبہ کا ازالہ کروانا صفائیٔ قلب کا نشان ہے

فرمایا جو امر یہاں پیدا ہوتا ہے اس پر اگر غور کیا جاوے اور نیک نیتی اور تقویٰ کے پہلوؤں کو ملحوظ رکھ کر سوچا جاوے تو اس سے ایک علم پیدا ہوتا ہے۔ میں اس کو آپ کی صفائی قلب اور نیک نیتی کا نشان سمجھتا ہوں کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اس کو پوچھ لیتے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ اس کو نکالتے نہیں اور پوچھتے نہیں جس سے وہ اندر ہی نشوونما پاتا رہتا ہے اور پھر اپنے شکوک وشبہات کے انڈے بچے دے دیتا ہے اور روح کو تباہ کر دیتا ہے ایسی کمزوری نفاق تک پہنچا دیتی ہے کہ جب کوئی امر سمجھ میں نہ آوے تو اسے پوچھا نہ جاوے اور خود ہی ایک رائے قائم کرلی جاوے۔ میں اس کو داخل ادب نہیں کرتا کہ انسان اپنی روح کو ہلاک کرلے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر سوال کرنا مناسب نہیں اس سے منع فرمایا گیا ہے لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ (المائدہ : ۱۰۲) اور ایسا ہی اس سے بھی منع کیا گیا ہے کہ آدمی جاسوسی کرکے دوسروں کی برائیاں نکالتا رہے یہ دونو طریق برے ہیں لیکن اگر کوئی امر اہم دل میں کھٹکے تو اسے ضرور پیش کرکے پوچھ لینا چاہیئے یہ ایسی ہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص خراب غذا کھالے اور وہ پیٹ میں جاکر خرابی پیدا کرے اور اس سے جی متلانے لگے تو چاہیئے کہ فوراً قے کرکے اس کو نکال دیا جائے لیکن اگر وہ اس کو نکالتا نہیں تو پھر وہ آلات ہضم میں فتور پیدا کرکے صحت کو بگاڑ دے گی جیسے ایسی غذا کو فوراً نکالنا چاہیئے اسی طرح جو بات دل میں کھٹکے اسے جلد باہر نکال دو۔

غرض میں اس کو آپ کی سعادت کی نشانی سمجھتا ہوں کہ آپ جو بات سمجھ میں نہ آوے اسے

---

[1] یہ مبارک تقریب نومبر ۱۹۰۱ء میں ہوئی تھی۔

پوچھ لیتے ہیں اور اس کو اعتراض بن جانے کا موقع نہیں دیتے۔
بخاری کی پہلی حدیث یہ ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال نیت ہی پر منحصر ہیں صحت نیت کے ساتھ کوئی جرم بھی جرم نہیں رہتا۔ قانون کو دیکھو اس میں بھی نیت کو ضروری سمجھا ہے۔ مثلاً ایک باپ اگر اپنے بچے کو تنبیہہ کرتا ہو کہ تو مدرسہ جا کر پڑھ اور اتفاق سے کسی ایسی جگہ چوٹ لگ جاوے کہ بچہ مر جاوے تو دیکھا جاوے گا کہ یہ قتل عمد مستلزم سزا نہیں ٹھہر سکتا کیونکہ اس کی نیت بچے کو قتل کرنے کی نہ تھی تو ہر ایک کام میں نیت پر بہت بڑا انحصار ہے اسلام میں یہ مسئلہ بہت سے امور کو حل کر دیتا ہے۔
پس اگر نیک نیتی کے ساتھ محض خدا کے لئے کوئی کام کیا جاوے اور دنیا داروں کی نظر میں وہ کچھ ہی ہو تو اس کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔

تحدیثِ نعمت کے آداب

یاد رکھو کہ انسان کو چاہیئے کہ ہر وقت اور ہر حالت میں دعا کا طالب رہے اور دوسرے اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ : ۱۲) پر عمل کرے۔ خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی تحدیث کرنی چاہیئے اس سے خدا تعالیٰ کی محبت بڑھتی ہے اور اس کی اطاعت اور فرماں برداری کیلئے جوش پیدا ہوتا ہے تحدیث کے یہی معنے نہیں ہیں کہ انسان صرف زبان سے ذکر کرتا رہے بلکہ جسم پر بھی اس کا اثر ہونا چاہیئے مثلاً ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے کہ وہ عمدہ کپڑے پہن سکتا ہے لیکن وہ ہمیشہ میلے کچیلے کپڑے پہنتا ہے اس خیال سے کہ وہ واجب الرحم سمجھا جاوے یا اس کی آسودہ حالی کا حال کسی پر ظاہر نہ ہو ایسا شخص گناہ کرتا ہے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے فضل اور کرم کو چھپانا چاہتا ہے اور نفاق سے کام لیتا ہے دھوکہ دیتا ہے اور مغالطہ میں ڈالنا چاہتا ہے یہ مومن کی شان سے بعید ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب مشترک تھا۔ آپ کو جو ملتا تھا پہن لیتے اعراض نہ کرتے تھے جو کپڑا پیش کیا جاوے اسے قبول کر لیتے تھے لیکن آپ کے بعد بعض لوگوں نے اسی میں تواضع دیکھی کہ رہبانیت کی جز و ملا دی۔ بعض درویشوں کو دیکھا گیا ہے کہ گوشت میں خاک ڈال کر کھاتے تھے۔ ایک درویش کے پاس کوئی شخص گیا اس نے کہا کہ اس کو کھانا کھلا دو اس شخص نے اصرار کیا کہ میں تو آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گا آخر جب وہ اس درویش کے ساتھ کھانے بیٹھا تو اس کے لئے نیم کے گولے تیار کر کے آگے رکھے گئے اس قسم کے امور بعض لوگ اختیار کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو اپنے باکمال ہونے کا یقین دلائیں مگر اسلام ایسی باتوں کو کمال میں داخل نہیں کرتا اسلام کا کمال تو تقویٰ ہے جس سے ولایت

ملتی ہے جس سے فرشتے کلام کرتے ہیں خدا تعالیٰ بشارتیں دیتا ہے ہم اس قسم کی تعلیم نہیں دیتے کیونکہ اسلام کی تعلیم کے منشا کے خلاف ہے قرآن شریف تو كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ (المومنون : ۵۲) کی تعلیم دے اور یہ لوگ طیب عمدہ چیز میں خاک ڈال کر غیر طیب بنا دیں۔ اس قسم کے مذاہب اسلام کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئے ہیں یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اضافہ کرتے ہیں ان کو اسلام سے اور قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ خود اپنی شریعت الگ قائم کرتے ہیں۔ میں اس کو سخت حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوہ حسنہ ہیں ہماری بھلائی اور خوبی یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو' آپ کے نقش قدم پر چلیں اور اس کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھائیں۔

عورتوں سے حُسنِ معاشرت

اسی طرح عورتوں اور بچوں کے ساتھ تعلقات اور معاشرت میں لوگوں نے غلطیاں کھائی ہیں اور جادۂ مستقیم سے بھک گئے ہیں قرآن شریف میں لکھا ہے عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (النساء : ۲۰) مگر اب اس کے خلاف عمل ہو رہا ہے
دو قسم کے لوگ اس کے متعلق بھی پائے جاتے ہیں ایک گروہ تو ایسا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو بالکل خلیع الرسن کر دیا ہے دین کا کوئی اثر ہی ان پر نہیں ہوتا اور وہ کھلے طور پر اسلام کے خلاف کرتی ہیں اور کوئی ان سے نہیں پوچھتا۔ بعض ایسے ہیں کہ انہوں نے خلیع الرسن تو نہیں کیا مگر اس کے بالمقابل ایسی سختی اور پابندی کی ہے کہ ان میں اور حیوانوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا اور کنیزکوں اور بہائم سے بھی بدتر ان سے سلوک ہوتا ہے مارتے ہیں تو ایسے بے درد ہو کر کہ کچھ پتہ ہی نہیں کہ آگے کوئی جاندار ہستی ہے یا نہیں غرض بہت ہی بری طرح سلوک کرتے ہیں یہاں تک کہ پنجاب میں مثل مشہور ہے کہ عورت کو پاؤں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کہ ایک اتار دی دوسری پہن لی۔ یہ بڑی ہی خطرناک بات ہے اور اسلام کے شعائر کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری باتوں کے کامل نمونہ ہیں آپ کی زندگی میں دیکھو کہ آپ عورتوں سے کیسی معاشرت کرتے تھے میرے نزدیک وہ شخص بزدل اور نامرد ہے جو عورت کے مقابلہ میں کھڑا ہوتا ہے آنحضرت اللہ صلی علیہ وسلم کی پاک زندگی کو مطالعہ کرو تا تمہیں معلوم ہو کہ آپؐ ایسے خلیق تھے۔ باوجودیکہ آپ بڑے بارعب تھے لیکن اگر کوئی ضعیفہ عورت بھی آپ کو کھڑا کرتی تو آپ اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ وہ اجازت نہ دے آپ سودے خود خرید لایا کرتے تھے ایک بار آپؐ نے کچھ خریدا تھا ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور مجھے دے دیں آپ

نے فرمایا کہ جس کی چیز ہو اس کو ہی اٹھانی چاہئے اس سے یہ نہیں نکالنا چاہئے کہ آپ لکڑیوں کا گٹھا بھی اٹھا کرلایا کرتے تھے غرض ان واقعات سے یہ ہے کہ آپ کی سادگی اور اعلیٰ درجہ کی بے تکلفی کا پتہ لگتا ہے آپؐ پیادہ ہی چلا کرتے تھے اس وقت یہ کوئی تمیز نہ ہوتی تھی کہ کوئی آگے ہے یا پیچھے۔ جیسا کہ آج کے وضعدار لوگوں میں پایا جاتا ہے کہ کوئی آگے نہ ہونے پائے یہاں تک سادگی تھی کہ بعض اوقات لوگ تمیز نہیں کرسکتے تھے کہ ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی داڑھی سفید تھی لوگوں نے یہی سمجھا کہ آپ ہی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کوئی خادمانہ کام کیا اور اس طرح پر سمجھا دیا کہ آپ پیغمبر ہیں تب معلوم ہوا۔[ل]

• بعض وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑے بھی ہیں ایک مرتبہ آپ آگے نکل گئے اور دوسری مرتبہ خود نرم ہو گئے تاکہ حضرت عائشہ آگے نکل جائیں اور وہ آگے نکل گئیں اسی طرح پر یہ بھی ثابت ہے کہ ایک بار کچھ حبشی آئے جو تماشہ کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کا تماشہ دکھایا اور پھر عمر حضرت رضی اللہ عنہ جب آئے تو وہ حبشی ان کو دیکھ کر بھاگ گئے۔

غرض جب انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو غور سے مطالعہ کرتا ہے تو اسے بہت کچھ پتہ ملتا ہے۔ لیکن بعض احمق کور باطن ایسے بھی ہیں جو آپ کی زندگی پر تدبر تو کرتے نہیں اعتراض کرنے کے لئے زبان کھولتے ہیں یہ حال عیسائیوں اور آریوں کا ہے۔

ل از ایڈیٹر: حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سادگی بعینہٖ اس قسم کی ہے۔ آپ سیر کو نکلتے ہیں تو کوئی تمیز نہیں ہوتی کہ کوئی آگے نہ بڑھے بلکہ بسا اوقات جلیل القدر اصحاب کو خیال پیدا ہوتا ہے کہ خاک اڑتی ہے اور حضرت اقدس پیچھے ہیں مگر حضرت حجۃ اللہ نے کبھی اس قسم کا خیال بھی نہیں فرمایا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیچھے سے لوگ چلے آتے ہیں اور اعلیٰ حضرت کو ٹھوکر لگ گئی ہے یا جوتی نکل گئی ہے یا چھڑی گر گئی ہے مگر کبھی کسی نے نہیں دیکھا یا سنا ہوگا کہ آپ نے کوئی ملال ظاہر کیا ہو یا کسی خاص وضع کو پسند کیا ہو۔ مسجد میں بہت مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صحابہ کے زمرہ میں بیٹھے ہیں اور کوئی اجنبی آیا ہے تو اس نے بڑھ کر مولانا عبد الکریم صاحب یا حضرت حکیم الامت سے اول مصافحہ کیا اور حضرت صاحب آپ کو سمجھا تو ان بزرگوں نے زبان سے بتایا کہ حضرت صاحب یہ ہیں غرض شان محمدی کا سارا نمونہ آپ میں نظر آتا ہے جس کو شک ہو وہ یہاں آکر اور رہ کر دیکھ لے۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۳۰ صفحہ ۲)

سُنّت اور بدعت میں فرق

غرض اس وقت لوگوں نے سنت اور بدعت میں سخت غلطی کھائی ہوئی ہے اور ان کو ایک خطرناک دھوکہ لگا ہوا ہے وہ سنت اور بدعت میں کوئی تمیز نہیں کرسکتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو چھوڑ کر خود اپنی مرضی کے موافق بہت سی راہیں خود ایجاد کرلی ہیں اور ان کو اپنی زندگی کے لئے کافی راہنما سمجھتے ہیں حالانکہ وہ ان کو گمراہ کرنے والی چیزیں ہیں جب آدمی سنت اور بدعت میں تمیز کرلے اور سنت پر قدم مارے تو وہ خطرات سے بچ سکتا ہے لیکن جو فرق نہیں کرتا اور سنت کو بدعت کے ساتھ ملاتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ قرآن شریف میں بیان فرمایا ہے وہ بالکل واضح اور بین ہے اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے کرکے دکھا دیا ہے آپؐ کی زندگی کامل نمونہ ہے لیکن باوجود اس کے ایک حصہ اجتہاد کا بھی ہے جہاں انسان واضح طور پر قرآن شریف یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی کمزوری کی وجہ سے کوئی بات نہ پا سکے تو اس کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے مثلاً شادیوں میں جو بھاجی دی جاتی ہے اگر اس کی غرض صرف یہی ہے کہ تا دوسروں پر اپنی شیخی اور بڑائی کا اظہار کیا جاوے تو یہ ریا کاری اور تکبر کے لئے ہوگی اس لئے حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص محض اسی نیت سے کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ کا عملی اظہار کرے اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ پر عمل کرنے کے لئے دوسرے لوگوں سے سلوک کرنے کے لئے دے تو یہ حرام نہیں۔ پس جب کوئی شخص اس نیت سے تقریب پیدا کرتا ہے اور اس میں معاوضہ ملحوظ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا غرض ہوتی ہے تو پھر وہ ایک سو نہیں خواہ ایک لاکھ کو کھانا دے منع نہیں۔ اصل مدعا نیت پر ہے نیت اگر خراب اور فاسد ہو تو ایک جائز اور حلال فعل کو بھی حرام بنا دیتی ہے ایک قصہ مشہور ہے۔

ایک بزرگ نے دعوت کی اور اس نے چالیس چراغ روشن کئے بعض آدمیوں نے کہا کہ اسقدر اسراف نہیں کرنا چاہئے اس نے کہا کہ جو چراغ میں نے ریا کاری سے روشن کیا ہے اسے بجھا دو کوشش کی گئی ایک بھی نہ بجھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی فعل ہوتا ہے اور دو آدمی اس کو کرتے ہیں ایک اس فعل کو کرنے میں مرتکب معاصی کا ہوتا ہے اور دوسرا ثواب کا۔ اور یہ فرق نیتوں کے اختلاف سے پیدا ہو جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک شخص مسلمانوں کی طرف سے نکلا جو اکڑ اکڑ کر چلتا تھا اور صاف ظاہر ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا تو فرمایا کہ یہ وضع خدا تعالیٰ کی نگاہ میں معیوب ہے مگر

اس وقت محبوب ہے کیونکہ اس وقت اسلام کی شان اور شوکت کا اظہار اور فریق مخالف پر ایک رعب پیدا ہوتا ہے پس ایسی بہت سی مثالیں اور نظیریں ملیں گی جن سے آخرکار جاکر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ بالکل صحیح ہے۔

اسی طرح پر میں ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں کہ کوئی راہ ایسی نکلے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کا اظہار ہو اور لوگوں کو اس پر ایمان پیدا ہو۔ ایسا ایمان جو گناہ سے بچاتا ہے اور نیکیوں کے قریب کرتا ہے۔

آمین کی تقریب

میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے مجھ پر لاانتہا فضل اور انعام ہیں ان کی تحدیث مجھ پر فرض ہے پس میں جب کوئی کام کرتا ہوں تو میری غرض اور نیت اللہ تعالیٰ کے جلال کا اظہار ہوتی ہے ایسا ہی اس آمین کی تقریب پر بھی ہوا ہے یہ لڑکے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک نشان ہیں اور ہر ایک ان میں سے خدا تعالیٰ کی پیشگوئیوں کا زندہ نمونہ ہیں اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے ان نشانوں کی قدر کرنی فرض سمجھتا ہوں کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت اور خود خدا تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت ہیں اس وقت جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کلام کو پڑھ لیا تو مجھے کہا گیا اس تقریب پر میں چند دعائیہ شعر جن میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکریہ بھی ہو لکھ دوں میں جیسا کہ ابھی کہا ہے کہ اصلاح کی فکر میں رہتا ہوں میں نے اس تقریب کو بہت ہی مبارک سمجھا اور میں نے مناسب جانا کہ اس طرح پر تبلیغ کردوں[1]

ہر کام میں نیّت تقویٰ کی ہونی چاہیئے

پس یہ میری نیت اور غرض تھی۔ چنانچہ جب میں نے اس کو شروع کیا اور یہ مصرعہ لکھا ؎

ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے

تو دوسرا مصرعہ الہام ہوا ؎

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے

جس سے یہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی میرے اس فعل سے راضی ہوا ہے قرآن شریف تقویٰ ہی کی تعلیم دیتا ہے اور یہی اس کی علت غائی ہے اگر انسان تقویٰ اختیار نہ کرے تو اس کی نمازیں بھی بے فائدہ اور دوزخ کی کلید ہو سکتی ہیں چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرکے سعدی کہتا ہے

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ ص ۱-۲ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۹۰۳ء

کلید در دوزخ است آں نماز
کہ در چشم مردم گذاری دراز

ریاء الناس کے لئے خواہ کوئی کام بھی کیا جاوے اور اس میں کتنی ہی نیکی ہو وہ بالکل بے سود اور الٹا عذاب کا موجب ہو جاتا ہے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے کے فقراء خدا تعالیٰ کے لئے عبادت کرنا ظاہر کرتے ہیں مگر دراصل وہ خدا کے لئے نہیں کرتے بلکہ مخلوق کے واسطے کرتے ہیں انہوں نے عجیب عجیب حالات ان لوگوں کے لکھے ہیں وہ بیان کرتے ہیں۔ ان کے لباس کے متعلق لکھا ہے کہ اگر وہ سفید کپڑے پہنتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ عزت میں فرق آئے گا اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر میلے رکھیں گے تو عزت میں فرق آئے گا اس لئے امراء میں داخل ہونے کے واسطے یہ تجویز کرتے ہیں کہ اعلیٰ درجہ کے کپڑے پہنیں مگر ان کو رنگ لیتے ہیں ایسا ہی اپنی عبادتوں کو ظاہر کرنے کے لئے عجیب عجیب راہیں اختیار کرتے ہیں مثلاً روزہ کے ظاہر کرنے کے واسطے وہ کسی کے ہاں کھانے کے وقت پر پہنچتے ہیں اور وہ کھانے کے لئے اصرار کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ آپ کھائیے میں نہیں کھاؤں گا مجھے کچھ عذر ہے اس فقرہ کے یہ معنے ہوتے ہیں مجھے روزہ ہے اس طرح پر حالات ان کے لکھے ہیں پس دنیا کی خاطر اور اپنی عزت اور شہرت کے لئے کوئی کام کرنا خدا تعالیٰ کی رضامندی کا موجب نہیں ہو سکتا اس زمانہ میں بھی دنیا کی ایسی ہی حالت ہو رہی ہے ہر ایک چیز اپنے اعتدال سے گر گئی ہے عبادات اور صدقات سب کچھ ریاکاری کے واسطے ہو رہے ہیں اعمال صالحہ کی جگہ چند رسوم نے لے لی ہے اس لئے رسوم کے توڑنے سے یہی غرض ہوتی ہے کہ کوئی فعل یا قول قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف اگر ہو تو اسے توڑا جائے۔ جبکہ ہم مسلمان کہلاتے ہیں اور ہمارے سب اقوال اور افعال اللہ تعالیٰ کے نیچے ہونے ضروری ہیں پھر ہم دنیا کی پروا کیوں کریں؟ جو فعل اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اس کو دور کر دیا جاوے اور چھوڑا جاوے جو حدود الٰہی اور وصایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہوں ان پر عمل کیا جاوے کہ احیاء سنت اسی کا نام ہے اور جو امور وصایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف نہ ہوں یا اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں اور نہ ان میں ریاکاری مد نظر ہو بلکہ بطور اظہار شکر اور تحدیث بالنعمۃ ہو تو اس کے لئے کوئی حرج نہیں۔ ہمارے علماء سابقہ تو یہاں تک بعض اوقات مبالغہ کرتے ہیں کہ میں نے سنا ایک مولوی نے ریل کی سواری کے خلاف فتویٰ دیا اور ڈاکخانہ میں خط ڈالنا بھی وہ گناہ بتاتا تھا اب یہاں تک جن لوگوں کے حالات پہنچ جاویں ان کے پاگل ہونے یا نیم پاگل ہونے میں کیا شک باقی رہا؟ یہ حماقت ہے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ میرا فلاں فعل اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کے موافق ہے یا خلاف ہے

اور جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ کوئی بدعت تو نہیں اور اس سے شرک تو لازم نہیں آتا اگر ان امور میں سے کوئی بات نہ ہو اور فساد ایمان پیدا نہ ہو تو پھر اس کے کرنے میں کوئی ہرج نہیں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کا لحاظ رکھ لے۔ میں نے بعض مولویوں کی نسبت ایسا بھی سنا ہے کہ صرف و نحو وغیرہ علوم کے پڑھنے سے بھی منع کرتے ہیں اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ علوم نہ تھے پیچھے سے نکلے ہیں اور ایسا ہی بعض نے توپ یا بندوق کے ساتھ لڑنا بھی گناہ قرار دیا ہے۔ ایسے لوگوں کے احمق ہونے میں شک کرنا بھی غلطی ہے قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ جیسی تیاری وہ کریں تم بھی ویسی ہی تیاری کرو یہ مسائل دراصل اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں نیت کا بہت بڑا دخل ہے غرض ہمارا یہ فعل اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ محض اس کی شکر گزاری کے اظہار کے لئے ہے۔

ہمیشہ حُسنِ ظن سے کام لینا چاہیئے

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہاں کوئی کام ہوتا ہے اور جو لوگ حسن ظنی سے کام نہیں لیتے یا اسرار شریعت سے ناواقف ہوتے ہیں بعض وقت ان کو ابتلا آجاتا ہے اور وہ کچھ کا کچھ سمجھ لیتے ہیں کبھی ایسا ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کہانیاں سنا رہے ہیں اس وقت اگر کوئی نادان اور نااہل آپ کو دیکھے اور آپ کے اغراض کو مد نظر نہ رکھے تو اس نے ٹھوکر ہی کھانی ہے۔ یا ایک مرتبہ آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور دوسری بیوی نے آپ کے لئے شوربہ کا پیالہ بھیجا تو حضرت عائشہؓ نے اس پیالہ کو گرا کر پھوڑ دیا۔ اب ایک ناواقف حضرت عائشہ کے اس فعل پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے افعال پر نظر نہیں کرتا ایسے امور پیش آتے ہیں جو دوسرے علم نہ رکھنے کی وجہ سے ان پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں۔ اعتراض سے پہلے انسان کو چاہئے کہ حسن ظن سے کام لے اور چند روز تک صبر سے دیکھے پھر خود بخود حقیقت کھل جاتی ہے۔ کچھ عرصہ کا ذکر ہے کہ ایک عورت مہمان آئی اور ان دنوں میں کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ چند بیبیوں سے نماز ساقط ہو گئی تھی اس نے کہا کہ یہاں کیا آنا ہے کوئی نماز ہی نہیں پڑھتا حالانکہ وہ معذور تھیں اور عنداللہ ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا مگر اس نے بغیر دریافت کئے اور سوچے ایسا کہہ دیا۔

حضرت امّاں جان کا عظیم نمونہ

تزکیہ دل میں ہوتا ہے۔ بغیر اس کے کچھ نہیں بنتا۔ حالانکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے گھر میں اس قدر التزام نماز کا ہے کہ جب پہلا بشیر پیدا ہوا تھا۔ اس کی شکل مبارک سے بہت ملتی

تھی- وہ بیمار رہا اور شدت سے اس کو بخار چڑھا ہوا تھا یہاں تک کہ اس کی حالت نازک ہو گئی- اس وقت نماز کا وقت ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ میں نماز پڑھ لوں- ابھی نماز ہی پڑھتے تھے کہ بچہ فوت ہو گیا- نماز سے فارغ ہو کر مجھ سے پوچھا کہ کیا حال ہے- میں نے کہا- کہ اس کا تو انتقال ہو گیا- اس وقت میں نے دیکھا کہ انہوں نے بڑی شرح صدر کے ساتھ کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (البقرۃ : ۱۵۷) اسی وقت میرے دل میں ڈالا گیا کہ اللہ تعالیٰ ان کو نہیں اٹھائے گا جب تک اس بچہ کا بدلہ نہ دے لے- چنانچہ اس کے فوت ہونے کے قریباً چالیس دن بعد محمود پیدا ہوا- اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ بچے پیدا ہوئے-

نماز کا مغز دُعا ہے

غرض ظنون فاسدہ والا انسان ناقص الخلقت ہوتا ہے چونکہ اس کے پاس صرف رسمی امور ہوتے ہیں اس لئے نہ اس کا دین درست ہوتا ہے نہ دنیا- ایسے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں مگر نماز کے مطالب سے ناآشنا ہوتے ہیں اور ہرگز نہیں سمجھتے کہ کیا کر رہے ہیں نماز میں تو ٹھونگے مارتے ہیں لیکن نماز کے بعد دعا میں گھنٹہ گھنٹہ گذار دیتے ہیں تعجب کی بات ہے کہ نماز جو اصل دعا کے لئے ہے اور جس کا مغز ہی دعا ہے اس میں وہ کوئی دعا نہیں کرتے- نماز کے ارکان بجائے خود دعا کے لئے محرک ہوتے ہیں- حرکت میں برکت ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بیٹھے بیٹھے کوئی مضمون نہیں سوجھتا جب ذرا اٹھ کر پھرنے لگتے ہیں تو مضمون سوجھ گیا اس طرح پر سب اعمال کا حال ہے اگر ان کی اصلیت کا لحاظ اور مغز کا خیال نہ ہو تو وہ ایک رسم اور عادت رہ جاتی ہے اسی طرح پر روزہ میں خدا کے واسطے نفس کو پاک رکھنا ضروری ہے لیکن اگر حقیقت نہ ہو تو پھر یہ رسم ہی رہ جاتی ہے-

خدا تعالیٰ کے فضلوں پر خوشی کا اظہار کرنا چاہیئے

یقیناً یاد رکھو کہ جو خدا تعالیٰ کے فضل پر خوش نہیں ہوتا اور اس کا عملی اظہار نہیں کرتا وہ مخلص نہیں ہے میرے خیال میں اگر کوئی شخص خدا تعالیٰ کے فضل پر سال بھر تک گاتا رہے تو وہ سال بھر ماتم کرنے والے سے اچھا ہے جو امور قال اللہ اور قال الرسول کے خلاف ہوں یا ان میں شرک یا ریا ہو اور ان میں اپنی شیخی دکھائی جاوے وہ امور اثم میں داخل ہیں اور منع ہیں دف کے ساتھ شادی کا اعلان کرنا بھی اسی لئے ضروری ہے کہ آئندہ اگر جھگڑا ہو تو ایسا اعلان بطور گواہ ہو جاتا ہے ایسا ہی اگر کوئی شخص نسبت اور ناطہ پر شکر وغیرہ اس لئے تقسیم کرتا ہے کہ وہ ناطہ پکا ہو جائے تو گناہ نہیں- لیکن اگر یہ خیال نہ ہو بلکہ اس سے مقصد صرف اپنی شہرت اور شیخی ہو تو پھر یہ

جائز نہیں ہوتے۔ اسی طرح میرے نزدیک باجے کی بھی حلت ہے اس میں کوئی امر خلاف شرع نہیں دیکھتے بشرطیکہ نیت میں خلل نہ ہو۔نکاحوں میں بعض وقت جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور وراثت کے مقدمات ہو جاتے ہیں جب اعلان ہو گیا ہوا ہوتا ہے تو ایسے مقدمات میں انفصال سہل اور آسان ہو جاتا ہے۔ اگر نکاح گم و صم ہو گیا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی تو پھر وہ تعلقات بعض اوقات قانوناً ناجائز سمجھے جا کر اولاد محروم الارث قرار دے دی جاتی ہے ایسے امور صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہیں کیونکہ ان سے شرع کے قضایا فیصل ہوتے ہیں۔ یہ لڑکے جو پیدا ہوتے رہتے ہیں بعض وقت ان کے عقیقہ پر ہم نے دو دو ہزار آدمی کو دعوت دی ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہماری غرض اس سے یہی تھی کہ تا اس پیشگوئی کا جو ہر ایک کے پیدا ہونے سے پہلے کی گئی تھی بخوبی اعلان ہو جاوے۔

بدظنّی

بدظنی سے حبطِ اعمال ہو جاتا ہے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھوں گا ایک بار وہ دریا پر گیا تو اس نے دیکھا ایک جوان عورت ہے اور ایک مرد بھی اس کے ساتھ ہے اور دونو بڑی خوشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں وہاں اس نے دعا کی کہ الٰہی میں اس شخص سے تو بہتر ہوں کیونکہ اس نے حیا چھوڑ دیا ہے اتنے میں کشتی آئی سات آدمی تھے وہ غرق ہو گئے وہ شخص جس کو اس نے شرابی سمجھا تھا دریا میں کود پڑا اور چھ کو بچا لایا اور ایک باقی رہا تو اس کو مخاطب کر کے کہا کہ تو نے ایسا گمان کیا تھا اب ایک باقی ہے اسے نکال لا اس وقت اس نے سمجھا کہ یہ تو مجھے ٹھوکر لگی۔ آخر اس سے اصل معاملہ پوچھا تو اس نے کہا کہ میں تیرے لئے خدا کا مامور ہوں یہ عورت میری والدہ ہے اور جس کو تو شراب کہتا ہے یہ اس دریا کا پانی ہے اور یہاں میں خدا تعالیٰ کے بٹھائے سے بیٹھا ہوں۔

غرض حسن ظن بڑی عمدہ چیز ہے اس کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اور خدا تعالیٰ کے فضل اور انعام پر اس کا شکر کرنا کبھی ناجائز نہیں ہو سکتا جب تک محض اس کی رضا ہی مطلوب ہو اور دنیا کی شیخی اور نمود غرض نہ ہو۔[1]

۱۵؍اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر میں)

فرمایا :-

"دل اللہ کے قابو میں ہیں جب تک وہ سمجھانے پر نہ آئے دل کب کھلتا ہے اور کان کب

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۳ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷؍اپریل ۱۹۰۳ء

سنتے ہیں"

"منجملہ اسلام کی بہتری کے نشانوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بڑے آدمی دیندار ہو جائیں اور یہ وقت پر مقدر ہے"

ریلوے مسیح موعود کی نشانی ہے

فرمایا :-

حقیقت میں یہ ریلوے مسیح موعود کا ایک نشان ہے قرآن شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ (التکویر : ۵)

فرمایا :-

دینداری تو تقویٰ کے ساتھ ہوتی ہے یہ لوگ اگر غور کریں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ لَیُتۡرَکَنَّ الۡقِلَاصُ میں ریل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اگر اس سے ریل مراد نہیں تو پھر ان کا فرض ہے کہ وہ حادثہ بتائیں کہ جس سے اونٹ ترک کئے جاویں گے پہلی کتابوں میں بھی اشارہ ہے کہ اس وقت آمد و رفت سہل ہو جائے گی۔

اصل تو یہ ہے کہ اس قدر نشانات پورے ہو چکے ہیں کہ یہ لوگ اس میدان سے بھاگ ہی گئے ہیں جیسے کسوف خسوف رمضان میں کیا اس طریق پر نہیں ہوا جیسا کہ مہدی کی آیات کے لئے مقرر تھا؟ اسی طرح ابتدائے آفرینش سے ایسی سواری بھی نہیں نکلی ہے۔

فرمایا :-

علامات دلالت کرتی ہیں کہ مسیح موعود پیدا ہو گیا ہے اگر یہ لوگ ہم کو نہیں مانتے تو پھر کسی اور کی تلاش کریں اور بتائیں کہ کون ہے کیونکہ جو نشانات اس کے مقرر کئے تھے وہ تو سب کے سب پورے ہو گئے۔

ظہورِ مہدیؑ سے متعلق احادیث کا مرتبہ

محمد حسین اور صدیق حسن نے لکھا ہے کہ مہدی کی حدیثیں مجروح ہیں مہدی اور مسیح گویا ایک شعر کے دو مصرعے ہیں جب ایک مصرعہ ٹوٹ گیا تو پھر دوسرا وزن پورا کرنے کے لئے کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ان کے لئے بڑی مشکلات ہیں عادت اللہ اسی طور پر جاری ہے کہ جب کوئی بات اس کی طرف سے پیدا ہوتی ہے تو لوگ اس کو تعجب انگیز ہی سمجھتے ہیں یہودی اپنے خیال میں انتظار ہی کرتے رہے اور آنے والا مسیح اور وہ نبی گذر بھی گئے تعجب کی بات ہے کہ ہمارے

مخالفوں کے ہاتھ میں مسیحؑ کی وفاتؑ[1] کے متعلق کیا ہے جس سے ان کو پوری تسلی ملتی ہے۔"

سہ سالہ پیشگوئی سے مراد

[ایک صاحب شاہ جہان پور سے آنے والے نے پوچھا کہ سہ سالہ پیشگوئی سے کیا مراد ہے؟]

فرمایا :-

ان تین سال کے اندر بہت سی پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں وہ سب اسی کے ماتحت ہیں اور پھر یہ طاعون والی عظیم الشان پیشگوئی ہے جس کے ذریعہ قریباً دس ہزار لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوئے اور ابھی اڑھائی مہینے باقی ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اور کوئی خاص عظیم الشان نشان بھی دکھادے جو ان سب سے بڑھ کر ہو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑے بڑے معجزات ظاہر ہوتے رہے لیکن مخالف یہی کہتے رہے فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ (الانبیاء : ٦)

یہ کتاب جو اَب لکھی جا رہی ہے ہر قسم کے معجزات کا مجموعہ ہے استجابت دعا کا نمونہ اس میں موجود ہے خوارق اور پیشگوئیوں کا یہ مجموعہ ہے کوئی غور کر کے دیکھے کہ کیا طاعون ہم نے خود بنا لیا ہے اور پھر اعجاز المسیح چھوٹا نشان ہے؟

"مَنَعَهُ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاءِ" بھی اسی کے ساتھ ہے

نماز میں سستی دُور کرنے کا علاج

[علی گڑھ کے ایک طالب علم نے اپنی حالت کا ذکر کیا کہ نماز میں سستی ہو جاتی ہے اور میرے ہم مجلسوں نے اس پر اعتراض کیا اور ان کے اعتراض نے مجھے بہت کچھ متاثر کیا ہے اس لئے حضور کوئی علاج اس سستی کا بتائیں]

فرمایا :-

جب تک خوف الٰہی دل پر طاری نہ ہو گناہ دور نہیں ہو سکتا اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں تک موقعہ ملے ملاقات کرتے رہو ہم تو اپنی جماعت کو قبر کے سر پر رکھنا چاہتے ہیں کہ قبر ہر وقت مد نظر ہو لیکن جو اس وقت نہیں سمجھے گا وہ آخر خدا تعالیٰ کے قہری نشان سے سمجھے گا۔

طاعون کا نشان.

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ آخری دنوں میں آسمان سے ایک وبا نازل کرے گا اور اس سے

---

[1] سہو کاتب معلوم ہوتا ہے "حیات" چاہئے۔(مرتب)

ہلاک کردے گا ان دنوں میں جب موت کا بازار گرم ہو اور خدا تعالیٰ کی گرفت کا سلسلہ شروع ہو جائے پھر توبہ کرے اور سمجھے کہ زندگی ناچیز ہے اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ توبہ اور خدا تعالیٰ سے خوف اس وقت مفید ہوتا ہے جبکہ خدا کا عذاب نہ آگیا ہو خدا تعالیٰ سے دور تر وہ ہے جو آنکھ کا اندھا اور دل کا سخت ہو اگر طاعون نہ آتی تو بھی ایک دانشمند اور سعید الفطرت کے لئے یہ سبق کافی تھا کہ لوگوں کے باپ دادا مرگئے اور مرتے جاتے ہیں اور یہاں کوئی ہمیشہ رہ نہیں سکتا۔ لیکن اب تو خدا تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعہ مجھے اطلاع دی کہ اَلْاَمْرَاضُ تُشَاعُ وَالنُّفُوْسُ تُضَاعُ مرضیں پھیلیں گی اور جانیں جائیں گی اور ایسا ہی فرمایا غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا میں سخت غضب میں بھر گیا ہوں یاد رکھو کہ یہ ساری باتیں ہونے والی ہیں اور ان کے آثار تم دیکھتے ہو پس لازم ہے کہ انسان ایسی حالت بنائے رکھے کہ فرشتے بھی اس سے مصافحہ کریں ہماری بیعت سے تو یہ رنگ آنا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی ہیبت اور جلال دل پر طاری رہے جس سے گناہ دور ہوں۔ اگر ان پیشگوئیوں پر کسی کو ایمان نہ ہو تو کم از کم اتنا ہی سمجھ لے کہ اب تو ڈاکٹروں کی شہادت سے بھی معلوم ہو گیا ہے کہ خطرناک بیماریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جبکہ ایسا خوفناک نمونہ پیدا ہو گیا ہے تو وہ شخص کیسا ہی بد نصیب ہے جو اس وقت بھی غفلت سے زندگی بسر کرتا ہے۔

اس بات پر تمام کتابوں کا اتفاق ہے اور سب لوگ مانتے ہیں کہ آخری دنوں میں طاعون آئے گی سارے نبی اس کی خبر دیتے آئے ہیں اور یہ جو لکھا ہے کہ آخری دنوں میں توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا' اس کے یہی معنے ہیں کہ جب موت نے آکر پکڑ لیا پھر کیا فائدہ توبہ سے ہو گا؟ پکڑا ہوا تو درندہ بھی عاجز ہوتا ہے خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور خدا کا خوف اور خشیت کی پابندئ نماز سے شناخت ہوتی ہے دیکھو انسان گورنمنٹ کے احکام کی کس قدر پابندی کرتا ہے پھر آسمانی گورنمنٹ کے احکام کی جس کو زمینی گورنمنٹ سے کوئی نسبت ہی نہیں کیوں قدر نہیں کرتا؟ یہ بڑا ہی خطرناک وقت ہے طاعون ایک عذاب الٰہی ہے اس سے ڈرو اور اچھا نمونہ دنیا کو دکھاؤ اگر کوئی شخص سلسلہ میں ہو کر برا نمونہ دکھاتا ہے تو اس سے سلسلہ پر کوئی اعتراض نہیں آتا کیونکہ سمندر میں تو ہر ایک چیز ہوتی ہے لیکن وہ خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور اسے شرمندہ ہونا پڑے گا اس واسطے بہت دعائیں کرنی چاہئیں تاکہ خدا تعالیٰ غفلت سے بیدار کرے۔ سستیوں اور غفلتوں سے گناہ آتے ہیں اور پھر خدا کے خوف کا نقشہ آنکھوں سے جاتا رہتا ہے پس وہی سعید سعادت کے دامن کے اندر ہے جو اس خطرناک وقت میں ٹھٹھے کرنے والوں کی مجلس میں نہ بیٹھے اور خدا سے تنہائی میں دعائیں کرے اور اس سے ڈرے کہ ایسا نہ ہو رات کو یا دن کے کسی حصہ میں اس کا عذاب آجائے۔

قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ایک مصلح کی ضرورت

[پھر اسی نوجوان نے عرض کیا کہ انہوں نے یہ سوال بھی مجھ سے کیا کہ قرآن شریف تو محرف مبدل نہیں ہوا کسی کے آنے کی کیا ضرورت ہے؟]

فرمایا کہ :-

کیا خدا کی طرف سے کسی کے آنے کی ضرورت کا ایک یہی باعث ہے کہ قرآن شریف محرّف مبدّل ہو اور علاوہ بریں قرآن شریف کی معنوی تحریف تو کی جاتی ہے جبکہ اس میں لکھا ہے کہ مسیح مرگیا اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ زندہ آسمان پر چڑھ گیا اور تحریف کیا ہوتی ہے؟ یہ لوگ تحریف تو کر رہے ہیں اور پھر مسلمانوں کی عملی حالت بہت ہی خراب ہو رہی ہے نیچریوں ہی کو دیکھو۔ انہوں نے کیا چھوڑا ہے بہشت دوزخ کے وہ قائل نہیں۔وحی اور دعا اور معجزات کے وہ منکر ہیں انہوں نے یہودیوں کے بھی کان کاٹے یہاں تک کہ تثلیث میں بھی نجات مان لی۔ یہ حالت ہو چکی ہے اور پھر کہتے ہیں کہ کسی آنے والے کی ضرورت نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ دنیا تو گناہ سے بھر گئی ہے مگر ان کی حالت ایسی مسخ ہوئی ہے کہ وہ محسوس ہی نہیں کرتے کہ کسی مصلح کی بھی ضرورت ہے مگر عنقریب وقت آتا ہے کے خدا تعالیٰ ان کو معلوم کرائے گا اور اس کے غضب کا ہاتھ اب نکلتا آتا ہے۔

زمانہ تو ایسا تھا کہ رو رو کر راتیں کاٹتے مگر ان کی شوخی سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے ہی بدبخت ہیں۔

گناہ سے بچنے کا ذریعہ

گناہ سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کا خوف دل پر ہو اور جب خدا تعالیٰ چاہتا ہے تو اپنا خوف ڈال دیتا ہے محبت بھی ایک ذریعہ گناہ سے بچنے کا ہے مگر یہ بہت اعلیٰ مقام ہے مگر خوف ایک عام ذریعہ ہے جس سے جوان بھی ڈر جاتا ہے مخصوصاً ان دنوں میں بلکہ بعض طبیبوں کا قول ہے کہ جوانوں کو بوڑھوں کی نسبت طاعون کا زیادہ خطرہ ہے کیونکہ خون میں زیادہ جوش ہوتا ہے پس یہ دن جن کو خدا کے قہر کے دن کہا جاتا ہے دراصل خدا تعالیٰ کے رحم کے دن ہیں کیونکہ انسان کو بیدار کرنے والے اور غفلت کی زندگی سے نکالنے والے ہیں چونکہ لوگ غفلت اور گناہ سے باز نہ آتے تھے خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کی چمکار دکھائی۔ یقیناً یاد رکھو کہ اب دن برے آتے جاتے ہیں جیسا کہ سب نبیوں نے خبردی تھی خدا تعالیٰ نے اپنا پاک کلام مجھ پر یہی بھیجا کہ اب عقوبت کے دن آتے جاتے ہیں جو اس وقت دعا کرے گا اور زور لگائے گا کہ نمازوں میں اس کو رونا آئے اور

اس کا دل نرم ہو جائے اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے گا جب شدت عذاب ہو اور اس وقت ڈرنے لگتا ہے تو پھر شریر اور حق شناس میں کیا فرق ہوا؟
غرض اس وقت کے تعلقات جو خدا تعالیٰ سے قائم کرو گے وہ کام آئیں گے کیا اچھا کہا ہے حافظ نے ؎

چو کارے عمر ناپید است بارے آں اولیٰ
کہ روزے واقعہ پیش نگارے خود باشیم

اور ایک یہ بھی علاج ہے گناہوں سے بچنے کا کہ کشتیٔ نوح میں جو نصائح لکھی ہیں ان کو ہر روز ایک بار پڑھ لیا کرو۔

دربارِ شام

حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب کی طبیعت کل ناساز تھی آج الحمدللہ اچھی تھی حضرت اقدس نے حال دریافت فرمایا اور پھر فرمایا کہ :۔
ہم نے جو تصرفات اللہ کے دیکھے ہیں اس سے تو بعض وقت دواؤں کا بھی خیال نہیں آتا بعض وقت ہم کو دوا سے شفا ہوئی اور بعض وقت محض دعا سے۔ میں نے دعا کی کہ بدون دوا کے شفا دے تو پھر اذن ہوا کہ ہم نے شفا دی اور شفا ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ سنتا اور جواب دیتا ہے

اس خدا پر ایمان لانے سے کیا مزا جو قریب قریب بتوں کے ہو نہ سنتا ہو اور نہ جواب دے اس خدا پر ایمان لانے سے مزا آتا ہے جو قدرتوں والا خدا ہے جو ایسے خدا پر ایمان نہیں لاتا اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور تصرفات پر ایمان نہیں رکھتا اس کا خدا بت ہے۔ اصل میں خدا تو ایک ہی ہے مگر تجلیات الگ ہیں جو اس بات کا پابند ہے اس سے ایسا ہی سلوک ہوتا ہے اور جو متوکل ہے اس سے وہی۔
اگر خدا تعالیٰ ایسا ہی کمزور ہوتا تو پھر نبیوں سے بڑھ کر کوئی ناکام نہ ہوتا کیونکہ وہ اسباب پرست نہ تھے بلکہ خدا پرست اور متوکل تھے[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۴ تا ۶ مورخہ ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

۱۶؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء (دربارِشام)

ایک رؤیا

[بعد ادائے نماز مغرب حضرت اقدس امام ہمام علیہ الصلوٰۃ والسلام شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے تو آپ نے بیٹھتے ہی اپنی ایک رؤیا سنائی کہ]

میں نے اپنے والد صاحب کو خواب میں دیکھا (دراصل ملائکہ کا تمثل تھا مگر آپ کی صورت میں) آپ کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چھڑی ہے گویا مجھے مارنے کے لئے ہے میں نے کہا۔ کوئی اپنی اولاد کو بھی مارتا ہے؟ جب میں یہ کہتا ہوں تو ان کی آنکھیں پُرآب ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ تو میں یہی کہتا ہوں۔ آخر دو تین بار جب اسی طرح ہوا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی۔

فرمایا :۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک الہام میں یوں بھی فرمایا ہے۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ۔ اور یہ قرآن شریف کی ایک آیت کے موافق بھی ہے۔ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ قُلْ فَلِمَ یُعَذِّبُکُمْ[1] (المائدۃ : ۱۹)

ختمِ نبوّت غیر اُمّتی نبی کے آنے کو مانع ہے

ختم نبوت بھی ایک عجیب سلسلہ ہے اللہ تعالیٰ نبوت کو بھی قائم رکھتا ہے اور اسی کے استفادہ سے ایک سلسلہ جاری کرتا ہے یہ تو ایک علمی بات ہے مگر کجا یہ کہ اس سلسلہ کو الٹ پلٹ کر دوسرے نبی کو لایا جاوے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی حکمت اور ارادہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا نبی آوے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ شریعت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ خواہ شریعت نہ بھی رکھتا ہو تب بھی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی دوسرا نبی آپ کے سوا اور آپ کے استفادہ سے الگ ہو کر نہیں آسکتا۔ ساری براہین احمدیہ اس قسم کی باتوں سے بھری پڑی ہے اور بہت سے الہام اس کے ممد و معاون ہیں۔

علاوہ اس کے کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ (النور : ۵۶) میں جو استخلاف کا وعدہ ہے یہ بھی اسی امر پر صاف دلیل ہے کہ کوئی پرانا نبی اخیر تک نہ آوے ورنہ "کَمَا" باطل ہوتا ہے اللہ

---

[1] اس میں یہ اشارہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی محبت اور حفاظت حضرت موعودؑ کے ساتھ دائمی اور مثل والد کے اولاد سے ہے (یہ تشریحی نوٹ ایڈیٹر کا اپنا معلوم ہوتا ہے۔ مرتب)

تعالیٰ نے کَمَا کے نیچے تو مثیل کو رکھا ہے عین کو نہیں رکھا پھر یہ کس قدر غلطی اور جرات ہے کہ خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ایک بات اپنی طرف سے پیدا کرلی جائے اور ایک نیا اعتقاد بنا لیا جائے اور پھر کَمَا میں مدت کی بھی تعیین ہے کیونکہ مسیحؑ موسیٰؑ کے بعد چودھویں صدی میں آیا تھا اس لئے ضروری تھا کہ آنے والا محمدیؐ مسیح بھی چودھویں صدی میں آئے غرض یہ آیت ان تمام امور کو حل کرتی ہے۔ اگر کوئی سوچنے والا ہو۔

ابنِ مریم کے آنے سے مُراد

ابن مریم کا سوال بھی خدا تعالیٰ نے بڑی صفائی سے حل کیا ہوا ہے سورہ التحریم میں اس راز کو کھول دیا ہے کہ مومن مریم صفت ہوتا ہے اور پھر اس میں نفخ روح ہوتا ہے خدا تعالیٰ نے اسی ترتیب سے پہلے میرا نام مریم رکھا۔ پھر ایک وقت آیا کہ اس میں نفخ روح ہوا اب مریم کے حمل سے جیسے مسیح پیدا ہوا۔ جو اسی روح القدس کے نفخ کا نتیجہ تھا اسلئے یہاں خود مسیح بنادیا۔ براہین احمدیہ کو قرآن شریف کی اس آیت کے ساتھ جو سورۃ تحریم میں بیان ہوئی رکھ کر دیکھو اور پھر اس ترتیب پر غور کرو کہ جو براہین میں رکھی ہے کہ پہلے نام مریم رکھا پھر نفخ روح کیا اور پھر یَا عِیْسٰی کہہ کر پکارا اس آیت کی تفسیر کے لئے بھی دراصل یہی زمانہ تھا زمانہ بھی ایک قسم کی عقیم کی صورت پر ہوتا ہے۔

اور روح اللہ اس لئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو حضرت مسیح کا تبریہ منظور تھا کیونکہ بعض اولاد میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس واسطے روح اللہ کہہ کر اس الزام کو دور کیا غرض حضرت مریم کے متعلق جس قدر واقعات قرآن شریف میں ہیں وہی الہام یہاں بھی موجود ہیں یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ ھٰذَا (مریم : ۲۴) دراصل جس قسم کی گھبراہٹ مریم کو تھی اسی قسم کا جوش اب بھی یہودیوں میں پیدا ہوا ہے اور ایسا ہی اَنّٰی لَکِ ھٰذَا بھی براہین میں درج ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلوی کی وفات کی خبر آنے پر الہام

مولوی نذیر حسین دہلوی کے مرنے کی خبر آئی تو زبان پر اس کے لئے جاری ہوا
مَاتَ ضَالٌّ ھَآئِمًا [1]

---

[1] چنانچہ اس الہام سے اس کی وفات کی تاریخ بھی نکلتی ہے مَاتَ ضَالٌّ ھَآئِمًا : ۱۳۲۰ھ

مسیح ناصری کے متعلق مروّجہ عقائد کا نتیجہ

[ایک شخص نبی بخش نام ساکن بٹالہ نے آپؑ کو لکھا کہ میں عیسائیوں سے بحث کرنے لگا ہوں حضور نے اس کو لکھا کہ]

تم عیسائیوں سے کیا مباحثہ کرو گے؟ ان کی ساری باتیں تو تم خود مانتے ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر سمجھتے ہو۔ غیب دان، مردوں کو زندہ کرنے والا کہتے ہو۔ اور پھر تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ صرف وہی مسِّ شیطان سے پاک ہے غرض اس قسم کے جب تمہارے عقائد ہیں تو پھر ان سے کیا بحث کرنی چاہتے ہو؟ اس سلسلہ کے بغیر اور کوئی صورت عیسائیوں سے مباحثہ کی نہیں رہی۔ ہمارے مخالفوں نے تو اقبالی ڈگری کرا لی ہوئی ہے اور ان کے تمام عقائد باطلہ کی تائید کی ہوئی ہے۔

مسیح علیہ السلام کے رُوۡحٌ مِّنۡهُ ہونے کی حقیقت

مسیح کو جو روح اللہ کہتے ہیں اور عیسائی اس پر ناز کرتے ہیں کہ یہ مسیح کی خصوصیت ہے یہ ان کی صریح غلطی ہے ان کو معلوم نہیں کہ قرآن شریف میں مسیح پر روح اللہ کیوں بولا گیا اصل بات یہ ہے کہ قرآن شریف نے مسیح ابن مریم پر خصوصیت کے ساتھ بہت بڑا احسان کیا ہے جو ان کا تبریہ کیا ہے بعض ناپاک فطرت یہودی حضرت مسیح کی ولادت پر بہت ہی ناپاک اور خطرناک الزام لگاتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ بعض ولد اس قسم کے ہوتے ہیں کہ شیطان ان کی پیدائش میں شریک ہو جاتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح اور حضرت مریمؑ کے دامن کو ان اعتراضوں سے پاک کرنے کے لئے اور اس اعتراض سے بچانے کے لئے جو ولد شیطان کا ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں رُوۡحٌ مِّنۡهُ (النساء : ۱۷۲) کہا۔ اس سے خدائی ثابت کرنا حماقت ہے کیوں کہ دوسری جگہ حضرت آدم کے لئے نَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِىۡ (الحجر : ۳۰) بھی تو آیا ہے۔ یہ صرف تبریہ کیا ہے جو لوگ اس حقیقت سے واقف نہیں ہیں وہ ان سے بحث خاک کریں گے[1]

۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

(بعد از نماز مغرب)

[میاں احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ سے حسب الحکم حضرت اقدسؑ تشریف لائے

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۶، ۷ مورخہ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

ان کے اتنی جلدی تشریف لانے پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ] :-

ریل بھی ایک عجیب شئے ہے ایک خارق عادت طور پر انسان کہیں کا کہیں جا پہنچتا ہے۔

(ایک شخص نے اپنی آنکھوں کے مرض سے شفا پانے کے لئے دعا کی درخواست کی۔)

حضرت اقدسؑ نے فرمایا :-

"اچھا کریں گے۔" پھر فرمایا کہ :-

آنکھ کان ناک وغیرہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ انعام کی بھی کیا عجیب راہ اختیار کی ہے۔ اگر ایک آنکھ جاتی رہے تو کس قدر بلا نازل ہوتی ہے۔

پنجاب میں طاعون کی ترقّی

پھر حضرت اقدسؑ نے نواب محمد علی خان صاحب سے طاعون کا حال مالیرکوٹلہ کی طرف دریافت فرمایا۔ نواب صاحب نے جواب دیا کہ کچھ شروع ہے مگر کم۔ اب کے دفعہ رپورٹ سے معلوم ہوا ہے کہ گذشتہ ہفتہ کل ہندوستان میں تو کم ہے مگر خاص پنجاب میں بہت ترقی پر ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

"پنجاب ہی بگڑا ہوا ہے کوئی اس کا سِرّ تو دریافت کرے۔"

فرمایا :-

"حکماء نے لکھا ہے کہ اَلطَّاعُوْنُ هُوَالْمَوْتُ جس کے آثار ردی ظاہر ہوں۔ رنگ سیاہ ہو جائے اور جلد جلد موت ہو تو وہ بلائے آسمانی ہوتی ہے۔ ورنہ مشابہ بالطاعون گلٹیوں کا ہونا اور بخار کا ہونا طاعون نہیں۔ ایک دفعہ ہمارے سب بچوں کو گلٹیاں نکل آئیں صرف اینٹ گرم کر کے سینکتے رہے۔ سب کو آرام ہو گیا۔

طاعون تو ایک سِرّ مخفی کی طرح ہے۔ ورنہ بعض اوقات اس کے عوارض ہو کر پھر انسان کو کچھ نہیں ہوتا"۔

احمد دین صاحب اپیل نویس نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ سرکار نے یہ قانون پاس کیا ہے کہ اگر ایک محلہ میں ایک مریض کو طاعون ہو اور اس محلہ کے پانچ کس یہ کہیں کہ اسے نکالا جائے اور پانچ صد یہ کہیں کہ نہ نکالو تو ان پانچ کی رائے پر عملدرآمد ہو گا۔ اور اگر مریض یا اس کے ورثاء اس کی خلاف ورزی کریں تو زیر دفعہ ۱۸۸ وہ مجرم گردانے جائیں گے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

ایک طرح سے گورنمنٹ نے اپنے سر سے بلا اتار کر رعایا پر ڈال دی ہے۔ محلہ میں اکثر عداوت

وغیرہ بھی ہوتی ہے۔ خواہ لوگ ایک مبتلائے بخار کو طاعون کہہ کر نکال دیں۔

الدّار کی حفاظت

فرمایا :۔

آج میری زبان پر پھر یہ الہام جاری تھا۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا مِنِ اسْتِکْبَارٍ۔[1]

اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا ہمیشہ ساتھ ہی ہوتا ہے۔ خدا معلوم اس کے کیا معنے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ لوگ متنبہ رہیں۔ تقویٰ پر قائم رہیں۔ ایک علو تو اس رنگ میں ہوتا ہے جیسے کہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ : ۱۲) اور ایک علو شیطان کا ہوتا ہے جیسے اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ (البقرہ : ۳۵) اور اس کے بارے میں ہے اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ (ص : ۷۶) یہ اس سے سوال ہے کہ تیرا علو تکبر کے رنگ میں ہے یا واقعی ہے۔ خدا تعالیٰ کے بندوں کے واسطے بھی اعلیٰ کا لفظ آیا اور ہمیشہ آتا ہے جیسے اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی (طٰہٰ : ۶۹) مگر یہ تو انکسار سے ہوتا ہے اور وہ تکبر سے ملا ہوا ہوتا ہے۔[2]

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ایک شاگرد کا غلط فتویٰ

شاہ عبدالعزیز صاحب کے شاگردوں میں سے ایک کا ذکر ہوا فرمایا کہ :۔

ایک دفعہ وہ شاید بٹالہ میں تھے تو ایک نے حقہ کا فتویٰ پوچھا تو انہوں نے جواب دیا (حالانکہ غلط تھا) کہ حقہ دو قسم کا ہے ایک وہ جو تکیوں میں ہوتا ہے دس دس دن تک پانی نہیں بدلتے اسے غسل نہیں دیتے وہ تو حرام ہے اور دوسرا جس کا پانی بدلتا رہتا ہے اور اسے غسل دیتے رہتے ہیں وہ

---

[1] الحکم میں اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ لکھا ہے (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] علو کے ذکر میں الحکم میں مندرجہ ذیل مضمون بیان ہوا ہے :۔

علو جو خدا تعالیٰ کے خاص بندوں کو دیا جاتا ہے وہ انکسار کے رنگ میں ہوتا ہے اور شیطان کا علو استکبار سے ملا ہوا تھا دیکھو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ کو فتح کیا تو آپؐ نے اسی طرح اپنا سر جھکایا اور سجدہ کیا جس طرح ان مصائب اور مشکلات کے دنوں میں جھکاتے اور سجدے کرتے تھے جب اسی مکہ میں آپؐ کی ہر طرح سے مخالفت کی جاتی اور دکھ دیا جاتا تھا جب آپؐ نے دیکھا کہ میں کس حالت میں یہاں سے گیا تھا اور کس حالت میں اب آیا ہوں تو آپؐ کا دل خدا کے شکر سے بھر گیا اور آپؐ نے سجدہ کیا

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

حلال ہے۔

مُردوں کے قبروں سے نکلنے کی تعبیر

پھر اس کے بعد مفتی محمد صادق صاحب ایک انگریزی کتاب حضرت اقدس کو سناتے رہے جس میں ایک موقعہ پر یہ بھی تھا کہ جب مسیح کو صلیب دی گئی تو اس وقت مردے قبروں میں سے نکلے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :۔

عالم رؤیا میں مردہ کے قبر سے نکلنے کی یہ تعبیر ہوتی ہے کہ کوئی گرفتار آزاد ہو ممکن ہے کہ کسی نے اس وقت عالم کشفی میں یہ دیکھا ہو ورنہ یہ اپنے ظاہری معنوں میں ہرگز نہیں ہوا

طاعون کی کیا مجال ہے کہ اس کے پاس آئے

احباب میں سے ایک نے ذکر سنایا کہ آج قادیان میں ٹیکہ والے آئے تھے باہر باغ میں انہوں نے سب کو بلایا اور ایک لمبی تقریر کی جس میں ٹیکہ کے فوائد لوگوں کو بتلائے انجام یہ ہوا کہ سب نے اس امر پر اتفاق کر لیا کہ ہم ٹیکے لگوائیں گے۔ تقریر کرنے والے صاحب رائے پرتاپ سنگھ تھے انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے مرزا صاحب کو بھی تاکید کرنی تھی مگر چونکہ انہوں نے ماننا نہیں اور ڈھنگ بنایا ہوا ہے اس لئے سردست ان کی خدمت میں کچھ نہیں کہتا پھر کسی وقت موقعہ ہوا تو کہوں گا میں یہاں پر نہ آتا مگر چونکہ متواتر طور پر رپورٹ پہنچی کہ چوڑھوں میں طاعون ہے اس لئے آنا پڑا

اس پر حکیم نورالدین صاحب نے بیان کیا کہ ہمارے ہاں نہالی چوڑھی آتی ہے میں نے اس سے طاعون کا حال دریافت کیا تھا کہنے لگی کہ طاعون تو ہے نہیں ایک لڑکی مری ہے وہ کئی دنوں سے بیمار تھی اب کہتے ہیں کہ طاعون سے مری۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

چوڑھوں میں ہمیشہ کبھی نہ کبھی ایسی موتیں ہوتی رہتی ہیں ایک دفعہ اسی موسم میں پچاس آدمی ہیضہ سے مر گئے تھے حالانکہ طاعون وغیرہ نہ تھی اور چوڑھوں کا محلہ تو ہم سے ایسا ہی دور ہے جیسے کہ ننگل۔ بھینی۔[1] یہ لوگ زبردستی اسے الحاق کرتے ہیں (آخر کار چوڑھوں کی موت کی یہ وجہ معلوم ہوئی کہ ان لوگوں نے مردہ مویشی اس وقت کھائے جب کہ وہ متعفن ہو گئے تھے)

پھر بیان کیا گیا کہ ٹیکہ والوں نے سرِدست کل اکابرین ہندو، مسلمان کے دستخط کرائے ہیں شاید کل

---

[1] ننگل۔ بھینی۔ قادیان کے متصل دو گاؤں۔

یا پرسوں پھر آویں گے حضرت اقدس نے فرمایا :-

ہمارے دستخط کشتی نوح میں ہیں جو خدا کے ساتھ سیدھا اور راست ہو گا تو طاعون کی کیا مجال کہ اس کے پاس آوے۔

پھر جماعت کو مخاطب کر کے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

صحابہؓ میں طاعون ہوتا رہا ہے ہاں انبیاء کو ہرگز نہیں ہوا۔ اگر کوئی اس پر سوال کرے تو جواب یہی ہے کہ ہر ایک رنگ جدا ہے ثابت کرو کہ کوئی نبی طاعون سے مرا ہو ورنہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کس قدر فتنہ برپا ہوتا یہ کبھی نہیں ہوا کہ یہودیوں کو طاعون ہوا ہو تو موسیٰؑ کو بھی ساتھ ہوا ہو ورنہ سارے یہودی مرتد ہو جاتے۔

طاعون کا علاج

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ٹیکہ بھی علاج نہیں اور اللہ تعالیٰ کا حفاظت کا وعدہ ہے تو پھر مرہم عیسیٰ اور جدوار کا استعمال کیوں بتلایا ہے

حضرت صاحب نے فرمایا کہ :-

جو علاج اللہ تعالیٰ بتلاوے وہ تو اسی حفاظت میں داخل ہے کہ اس نے خود ایک طریق حفاظت بھی ساتھ بتلا دیا اور انشراح صدر سے ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں لیکن اگر ٹیکہ میں خیر ہوتی تو ہم کو اس کا حکم کیا جاتا اور پھر دیکھتے کہ سب سے اول ہم ہی کرواتے اگر خدا تعالیٰ آج ہی بتلا دے کہ فلاں علاج ہے یا فلاں دوا مفید ہے تو کیا ہم اسے استعمال نہ کریں گے؟ وہ تو نشان ہو گا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود کس قدر متوکل تھے مگر ہمیشہ لوگوں کو دوائیں بتلاتے تھے اگر ہم عوام الناس کی طرح ٹیکہ کروائیں تو خدا پر ایمان نہ ہوا پہلے یہ تو فیصلہ کیا جائے کہ آیا ہم نے ۲۲ برس پہلے طاعون کی اطلاع دی۔ کہ جس وقت طاعون کا نام و نشان تک نہ تھا اور پھر ہر ۵ برس بعد اس کے متعلق ضرور کوئی نہ کوئی خبر دی جاتی رہی ہے پھر پنجاب کے متعلق خبر دی حالانکہ اس وقت کوئی مقام اس میں مبتلا نہ تھا۔ پھر ایک دم پنجاب کے ۲۳ ضلعوں میں پھیل گئی وہ تمام کتابیں جن میں یہ بیان ہیں خود گورنمنٹ کے پاس موجود ہیں اگر ٹیکہ میں کوئی خیر ہوتی تو خدا خود ہمیں بتلاتا اور ہم اس وقت سب سے پہلے ٹیکہ لگوانے میں اول ہوتے مگر جب گورنمنٹ نے اختیار دیا ہے تو یہ اختیار ہے گویا خدا تعالیٰ ہی نے ہمیں دیا ہے کہ جبراً اٹھوا دیا ہے۔

طاعون کے سلسلہ میں جماعت کو نصیحت

ہماری جماعت کا صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہی نہ ہو کہ وہ اس دعویٰ بیعت پر نازاں رہیں بلکہ ان

کو اپنے اندر تبدیلی کرنی چاہئے دیکھو طاعون کئی بار موسیٰ علیہ السلام کے لشکر پر پڑی اب دشمن تو خوش ہوتے ہوں گے مگر موسیٰ علیہ السلام کو کس قدر شرمساری ہوئی ہوگی لکھا ہے کہ بلعم کی بددعا کی وجہ سے اسی (۸۰) ہزار وبا سے مر گئے تھے [1] گرچہ اور لوگ بھی گنہ گار تھے مگر موسیٰ علیہ السلام کی قوم اس وقت دوہری ذمہ دار تھی بہت کم لوگ ہیں جو کہ دلوں کو صاف کرتے ہیں اگر ایک پاخانہ میں سے پاخانہ تو اٹھا لیا جاوے مگر اس کے چند ایک ریزے باقی رہیں تو کسی کا دل گوارا کرتا ہے کہ اس میں روٹی کھاوے اسی طرح اگر پاخانہ کے ریزے دل میں ہوں تو رحمت کے فرشتے اس میں داخل نہیں ہوتے۔[2]

اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا کا لفظ ہمیشہ دل میں خطرہ ڈالتا ہے کہ قضا و قدر مقدر ہے بارہا قرآن شریف کو پڑھو [3] اور اپنی اصلاح کرو اگر ہماری جماعت میں سے کسی کو طاعون ہوا تو مخالف ہی

---

[1] الحکم میں ہے یہ سب ابتلاء ان کی اپنی بدکاریوں کا نتیجہ تھا اور انہوں نے اس طرح پر اپنے عمل سے گویا موسیٰ علیہ السلام کو بدنام کیا پس تم اپنے آپ کو درست کرو تاکہ ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی سلسلہ کو بدنام کرنے والا ٹھہرے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] اسی ذکر میں الحکم میں مزید لکھا ہے :۔

میرے واسطے یہ ایک نشان ہے اور میں اپنے اللہ پر یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسا ہی کرے گا جیسا کہ اس نے فرمایا اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اور اُحَافِظُکَ خَاصَّۃً مگر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہ نرے دعویٰ پر ہی نہ رہے اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو درست کرے اور اپنی اصلاح کرے جو اپنی اصلاح نہیں کرتا اور تقویٰ اور طہارت اختیار نہیں کرتا وہ گویا اس سلسلہ کا دشمن ہے جو اس کو بدنام کرنا چاہتا ہے اور یہ سلسلہ خود خدا تعالیٰ نے قائم کیا ہے اس لئے اپنے عمل سے وہ گویا خدا تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کی کیا پروا کرے گا اسے تو اپنے سلسلہ کی عظمت منظور ہے وہ ایسے لوگوں سے جو اس کے لئے دشمنی کا کام کریں سلسلہ کو صاف کر دے گا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[3] الحکم میں لکھا ہے :۔

الہام میں جو یہ آیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا بِاسْتِکْبَارٍ یہ بڑا منذر اور ڈرانے والا ہے اس لئے ضروری ہے کہ بار بار کشتی نوح کو پڑھو اور قرآن شریف کو پڑھو اور اس کے موافق عمل کرو کسی کو کیا معلوم ہے کہ کیا ہونے والا ہے تم نے اپنی قوم کی طرف سے جو لعنت ملامت لینی تھی لے چکے۔ لیکن اگر اس لعنت کو لے کر خدا تعالیٰ کے ساتھ بھی تمہارا معاملہ صاف نہ ہو اور اس کی رحمت اور فضل کے نیچے نہ آؤ تو پھر کس قدر مصیبت اور مشکل ہے اخباروں والے کس قدر شور مچاتے ہیں اور ہماری مخالفت میں ہر پہلو سے زور لگاتے ہیں مگر وہ یاد رکھیں کہ خدا

شور ڈالیں گے کہ دیکھو ٹیکہ نہ کرایا تو ہلاک ہوئے اور اگر وہ بچے رہے تو ہنسیں گے خدا کے کام اور حفاظت سے حصہ لینے والا وہ شخص ہے جو اپنے دل میں سمجھ لے کہ میں نے تبدیلی پیدا کر لی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح ہو جائے۔ جس طرح انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے تھے[1]

عذاب شدید آنے والا ہے فرق سے فرق ہوتا ہے اگر بیعت کے وقت وعدہ اور ہے اور پھر عمل اور ہے تو دیکھو کتنا فرق ہے اگر تم خدا سے فرق رکھو گے تو وہ تم سے فرق رکھے گا اگر ہماری جماعت میں سو آدمی مرجائیں تو ہم یہی کہیں گے کہ ان کے دلوں میں فرق تھا کیونکہ ہمیں کسی کے اندرونہ کا کیا حال معلوم ہے عیسیٰ اور موسیٰ کے وقت کیا ہوا۔[2]

ہم دواؤں کی تاثیرات سے منکر نہیں ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ ادھر تم نے ٹیکہ نہ کرایا اور اگر چند ایک لوگ مبتلائے طاعون ہوئے تو وہ لوگ کس قدر ہنسیں گے جنہوں نے ٹیکہ کرایا ہو گا مگر بڑا بے وقوف ہے جو کہ اس دوا کو بھی نہ پیوے اور پھر اس دوا سے بھی محروم رہے کہ اس کا معاملہ

تعالیٰ کے کام بابرکت ہوتے ہیں ہاں یہ ضروری ہے کہ اس برکت سے حصہ لینے کے لئے ہم اپنی اصلاح اور تبدیلی کریں اس لئے تم اپنے ایمانوں اور اعمال کا محاسبہ کرو کہ کیا ایسی تبدیلی اور صفائی کر لی ہے کہ تمہارا دل خدا تعالیٰ کا عرش ہو جائے اور تم اس کی حفاظت کے سایہ میں آجاؤ۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[1] اسی ذکر میں الحکم میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :-

میں تمہیں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم ایسے پاک صاف ہو جاؤ جیسے صحابہ نے اپنی تبدیلی کی انہوں نے دنیا کو بالکل چھوڑ دیا گویا ٹاٹ کے کپڑے پہن لئے اسی طرح تم اپنی تبدیلی کرو۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۸-۹ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] الحکم میں ہے

رُو بدُنیا نہ رہو بلکہ خدا ہی کی طرف متوجہ ہو جاؤ

خدا تعالیٰ کا شدید عذاب آنے والا ہے اور وہ خبیث اور طیب میں ایک امتیاز کرنے والا ہے وہ تمہیں فرقان عطا کرے گا جب دیکھے گا کہ تمہارے دلوں میں کسی قسم کا فرق باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی بیعت میں تو اقرار کرتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم کروں گا مگر عمل سے وہ اس کی سچائی اور وفاء عہد ظاہر نہیں کرتا تو خدا کو اس کی کیا پرواہ ہے اگر اس طرح پر ایک نہیں سو بھی مرجائیں تو ہم یہی کہیں گے کہ اس نے اپنے اندر تبدیلی نہیں کی اور وہ سچائی اور معرفت کے نور سے جو تاریکی کو دور کرتا اور دل میں یقین اور لذت بخشتا ہے دور رہا اور اس لئے ہلاک ہوا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

خدا کے ساتھ ٹھیک نہ ہو تو وہ گویا دونو طرف سے محروم رہا[1] پھر اگر ہماری جماعت میں سے کسی کو طاعون ہو گا تو اس کا اثر اس کے ایمان پر بھی پڑے گا وہ خیال کرے گا کہ میں تو بیعت میں تھا مجھے کیوں طاعون ہوئی خدا کسی کی ظاہری صورت کو نہیں دیکھتا وہ اس منشاء کو دیکھتا ہے جو انسان نے اپنے دل میں بنایا ہوا ہے خدا کے ساتھ صفائی ایک مشکل کام ہے طاعون اگرچہ مومن کے واسطے ایک خوشی ہے مگر چونکہ مخالف کہتے ہیں کہ یہ تمہاری شامت سے آئی ہے اس لئے اگر یہ جماعت اسی طرح تباہ ہو جس طرح دوسرے تباہ ہوتے ہیں تو پھر تو ان کو خوب ثبوت مل جائے گا کہ واقعی ہماری شامت سے آئی ہے اور اگر ٹیکہ لگوانے والے بھی ہلاک ہوں اور تم بھی ہلاک ہو تو پھر بھی کوئی تمیز نہیں رہتی۔ اس لئے تبدیلیاں پیدا کرنی چاہئیں کشتی نوح میں میں نے بہت کچھ کہنا تھا مگر انشاء اللہ پھر کسی دوسرے موقعہ پر لکھا جائے گا۔ اتنا لکھا بھی کافی ہے۔

مجھے یہ فکر ہے کہ وہ مثل نہ ہو "کیے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ"۔ ایک تو مریں اور پھر

---

[1] الحکم میں ہے

دیکھو ٹیکہ والے اپنی جگہ اسباب پر پنجہ مارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بچ جاویں گے اور کچھ تعجب نہیں کہ اس سے فائدہ بھی اٹھاویں لیکن وہ جو ہمارے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اگر وہ اس دوا کو جو ہم پیش کرتے ہیں استعمال نہیں کرتے ہیں اور اس ٹیکہ کو جو خدا نے ان کے لئے تجویز کیا ہے استعمال نہیں کرتے تو افسوس ہے کہ وہ اس ٹیکہ سے بھی جو گورنمنٹ نے تیار کیا ہے محروم رہے اس سے تو بہتر تھا کہ وہ ٹیکہ ہی کرا لیتے کیونکہ اگر وہ پورا ایمان اور اس کے موافق عمل نہیں رکھتے تو خدا تو ان کی پروا نہ کرے گا اور پھر ان کی موت حسرت کی موت ہو گی اور اس سے ان کے ایمان کو اور بھی صدمہ پہنچے گا۔ خدا تعالیٰ صورت کو نہیں دیکھتا وہ تو یہ دیکھتا ہے کہ آیا اس نے میرے منشاء کے موافق اپنے آپ کو بنایا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی طاعون سے مرے اور اسے کہا جائے کہ وہ جماعت میں تھا تو یہ ایک دھوکا اور مغالطہ ہو گا وہ حقیقت میں اس سے الگ تھا ورنہ ایک موت تو دوسری موت کا کفارہ ہوتی ہے اگر اس کے اپنے جذبات اور نفسانی خواہشوں پر موت آچکی تھی اور وہ دنیا کے فریبوں اور مکاریوں سے الگ ہو چکا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ہلاک کیا جاتا ہے اس کا ہلاک کیا جانا ہی اس امر کی دلیل ٹھہرے گی کہ وہ اس سے الگ تھا۔

طاعون سے مرنا بے شک شہید ہونا ہے مگر اس وقت خدا تعالیٰ نے اس کو ایک نشان ٹھہرایا ہے اس لئے اگر طاعون سے جماعت تباہ ہو جاوے تو پھر یہ نتیجہ نکلے گا کہ یہ ہماری شامت سے آئی ہے جیسا کہ بعض ظالم طبع لوگوں نے مجھے اس قسم کے خطوط لکھے مگر انہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ کس کی شامت سے اور کن کے لئے آئی ہے مگر جماعت کا فرض ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرے (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

جھوٹے کہلا کر مریں اگر ایک طرف مخالفوں کی ہزار موت ہو تو وہ نام نہ لیں گے اور ہمارا ایک بھی مرے تو ڈھول بجائیں گے خدا نے صورت تو نہیں دیکھنی۔ اس نے دل دیکھنا ہے مگر لوگ تو ظاہر دیکھتے ہیں اور جس شخص کا نام رجسٹر بیعت میں ہے اسے جماعت میں خیال کرتے ہیں وہ تو رجسٹر میں صرف نام دیکھیں گے لیکن اگر خدا کے رجسٹر میں نام نہیں ہے تو ہم کیا کر سکیں گے خدا نے ترقی کا موقعہ خوب دیا ہے نفس کو لگام دینے کے لئے اس سے بڑھ کر اور کونسا وقت ہو سکتا ہے اس وقت سے غافل نہ رہنا چاہئے اور محنت کرنی چاہئے۔

سالک اور مجذوب کی تعریف

وہ انسان جو آپ محنت کرتا ہے اسے سالک کہتے ہیں اور جسے خود خدا دیوے۔ وہ مجذوب ہوتا ہے اور جو سویا رہے تو اسے کوئی کیا کرے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ [1] بات سن کر صرف کان تک رکھنے سے فائدہ نہیں ہوتا جب تک دل کو خبر نہ ہو انسان ایک دو کاموں سے سمجھ لیتا ہے کہ میں نے خدا کو راضی کر لیا۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی۔

اطاعت کی حقیقت

اطاعت ایک بڑا مشکل امر ہے صحابہ کرامؓ کی اطاعت' اطاعت تھی کہ جب ایک دفعہ مال کی ضرورت پڑی تو حضرت عمرؓ اپنے مال کا نصف لے آئے اور ابو بکرؓ اپنے گھر کا مال و متاع فروخت کر کے جس قدر رقم ہو سکی لے آئے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے سوال کیا کہ تم گھر میں کیا چھوڑ آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نصف۔ پھر ابو بکرؓ سے دریافت کیا انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اسکا رسول گھر چھوڑ آیا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- جس قدر تمہارے مالوں میں فرق ہے اسی قدر تمہارے اعمال میں فرق ہے۔

---

[1] الحکم میں ہے

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد : ۱۲) خدا نے میرے الہام میں جو طاعون کے متعلق ہے یہ آیت رکھی ہے جو اس امر کی طرف راہبری کرتی ہے کہ تبدیلی کی بڑی ضرورت ہے یہ بڑی ہی خوفناک بات ہے کہ انسان سن کر کانوں تک ہی رہنے دے اور دل تک نہ پہنچے بڑا ہی ظالم وہ شخص ہے جو ظاہری حالت پر خوش ہو جاتا ہے اور سچی اطاعت کی حالت نہیں دکھاتا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۹ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

کیا اطاعت ایک سہل امر ہے [1] جو شخص پورے طور پر اطاعت نہیں کرتا وہ اس سلسلہ کو بدنام کرتا ہے حکم ایک نہیں ہوتا بلکہ حکم تو بہت ہیں جس طرح بہشت کے کئی دروازے ہیں کہ کوئی کسی سے داخل ہوتا ہے اور کوئی کسی سے داخل ہوتا ہے اسی طرح دوزخ کے کئی دروازے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم ایک دروازہ تو دوزخ کا بند کرو اور دوسرا کھلا رکھو ہمارے لئے تو دوہرا وقت ہے گورنمنٹ بھی ایک طرح سے مخالف ہے کیونکہ اگر گورنمنٹ کو ہم پر ایمان ہوتا [2] تو وہ ہم سے کہتی کہ دعا کرو۔ ادھر اخباروں نے شور مچایا ہے کہ ہم گورنمنٹ کی مخالفت کی لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں پس خوب یاد رکھو جس طرح دنیا میں ایک عام قانون قدرت خدا کا ہے کہ تربد اگر ہندو کھائے تو اسے بھی دست آئیں گے اور اگر مسلمان کھائے تو اسے بھی دست آئیں گے اسی طرح آفتاب مہتاب کی روشنی سے ہر ایک قوم مشترکہ فائدہ اٹھاتی ہے اور ایک خاص قانون ہے جو مومنین کے ساتھ برتا جاتا ہے وہ بہت لذیذ اور شیریں ہے اور بہت سے پھلوں سے بھرا ہوا ہے اور ان پھلوں کے درمیان شیرہ بھرا ہوا ہے نہ کہ نشتر [3]

---

[1] الحکم میں ہے :-

اطاعت کوئی چھوٹی سی بات نہیں اور سہل امر نہیں یہ بھی ایک موت ہوتی ہے جیسے ایک زندہ آدمی کی کھال اتاری جائے ویسی ہی اطاعت ہے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ راکتوبر ۱۹۰۲ء)

[2] الحکم میں ہے :-

یہ وقت بہت ہی نازک ہے اور ہماری جماعت خصوصیت کے ساتھ بڑی ذمہ داری کے نیچے ہے گورنمنٹ کو بھی ٹیکہ سے جواب دیا اور خود اصلاح بھی نہ کرے تو اس کے لئے سخت خطرہ ہے گورنمنٹ تو ہم پر ایمان نہیں رکھتی جو ہمارے آسمانی ٹیکہ سے فائدہ اٹھائے مگر تم جو اس سلسلہ کو خدا کی طرف سے مانتے ہو اگر عمل نہ کرو گے تو خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ ٹھہرو گے۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ راکتوبر ۱۹۰۲ء)

[3] الحکم میں مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان ہوا ہے

خدا تعالیٰ نے ایک خاص قانون اپنے برگزیدوں اور راست بازوں کے لئے رکھا ہوا ہے وہ ایسا ٹیکہ ہے کہ اس میں نہ نشتر کی ضرورت ہے نہ اس میں تپ آتا ہے جب کوئی اس کی شرائط کو پورا کرنے والا ہو۔ تو وہ خدا کے سایہ میں آجاتا ہے تم اسے اختیار کرو تا تم ضائع نہ ہو۔ ہر شخص جو اس کو سمجھے وہ دوسرے کو سمجھا دے اور حاضر غائب کو پہنچا دے تا کہ کوئی دھوکا نہ کھائے۔ یاد رکھو محض اسم نویسی سے کوئی جماعت میں داخل نہیں جب تک وہ حقیقت کو اپنے اندر پیدا نہ کرے۔ آپس میں محبت کرو اتلاف حقوق نہ کرو اور خدا کی راہ میں دیوانہ کی طرح ہو جاؤ تا کہ خدا تم پر فضل کرے اس سے کچھ باہر نہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ راکتوبر ۱۹۰۲ء)

ہر ایک کو واجب ہے کہ خوب سمجھے اور اپنے بھائی کو سمجھاوے اور گھروں میں عورتوں کو سمجھاوے حاضر غائب کو بتلاوے۔ دھوکا کھانے والے بہت ہوں گے کیونکہ ابتدائی حالت ہے اسم نویسی کروا کر کوئی خیال نہ کرے کہ صرف اتنے ہی فعل سے وہ خدا کی حفاظت میں آگیا۔[1]

۱۸؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ (بوقت سیر)

الدّار کی حفاظت کے متعلق الہام

فرمایا کہ :۔

آج کوئی پہر رات باقی ہوگی کہ الہام ہوا :۔

اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا۔ عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ۔

اور یہ بھی الہام ہوا مگر اصل لفظ یاد نہیں کہ **ایمان کے ساتھ نجات ہے۔**

یعنی اِنِّیْ اُحَافِظُ کو ایک آیت بنا دیں گے اور کہ علاج ہمارے ہی پاس ہے مجھے اس سے بڑی خوشی ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کچھ کھلا کھلا دکھانا چاہتا ہے اب گویا بڑا معاملہ ہے ایک قوم تمنا سے ٹیکہ کراتی ہے دوسری طرف ہم ہیں جو بالکل خدا پر چھوڑتے ہیں جس وقت مجھے یہ الہام ہوا اس وقت میں نے گھر میں پوچھا کہ تم کو بھی کوئی خواب آیا ہے کیونکہ دیکھا ہے کہ میرے الہام کے ساتھ ان کو بھی کوئی مصدق خواب آجایا کرتا ہے انہوں نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا بکس ادویہ کا چراغ لایا ہے[2] اور شیخ رحمت اللہ صاحب نے روانہ کیا ہے جب کھولا گیا تو دیکھا کہ ہزارہا شیشیاں اس میں دوا کی ہیں کوئی بڑی کوئی چھوٹی۔ تب گھر میں تعجب کیا کہ کبھی کدائیں[3] دس بارہ شیشیاں منگوائی جاتی تھیں مگر یہ ہزارہا شیشیاں کیوں منگوائی گئیں۔

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱ صفحہ ۴ و ۵ مورخہ ۱۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

[2] اخبار الحکم نے مزید یہ لکھا ہے

حکیم فضل الدین اور ہُو دائی پاس کھڑی ہیں (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

[3] "کدائیں" پنجابی لفظ ہے جو کبھی کبھار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے (مرتب)

یہ خواب بھی عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ کی تصدیق کرتا ہے مجھے بتلایا گیا ہے ان کو دکھلایا گیا۔[1]

اسباب سے استفادہ جائز ہے

علاج حرام تو نہیں اب دیکھو انگریزوں نے ریل بنائی ہے ہم اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تار ایجاد کی ہے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تیلیاں آگ جلانے کی ولایت سے آتی ہیں اسی طرح اگر ان کی دوا ہو اور ہم استعمال کریں تو کوئی حرج نہیں۔ ہاں جو خدا بتلا دیوے وہ خارج نشان نہیں ہے اگر ٹیکہ کروا کر کہیں کہ نشان ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے ہم کو علیحدہ رکھا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کوئی مخفی امر ہے جو بعد ازاں معلوم ہوگا ورنہ ہم ان کی چیزیں اور ادویہ استعمال کرتے ہی ہیں۔[2]

عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ جب تک طاعونی کیڑے کا طبیعت میں تعلق نہ ہو تب تک طاعون نہیں ہوتی اور دوسری طرف آپ وہ کیڑے داخل کرتے ہیں اور چیچک کے ساتھ اس کا قیاس مع الفارق ہے چیچک کا مادہ تو شیر مادر کے ساتھ آتا ہے مگر اس میں ظن کیا گیا ہے کہ بہت سی طبائع میں مادہ موجود ہی نہیں ہوتا صرف اس ظن پر ٹیکہ لگایا جاتا ہے کسی طرح وہ مادہ نہ آجائے۔

مولوی محمد احسن صاحب نے ذکر کیا کہ حضور تُخْرِجُ الصُّدُوْرُ اِلَی الْقُبُوْرِ کا آغاز تو ہوگیا کیونکہ ادھر مولوی نذیر حسین دہلوی فوت ہوئے ادھر فتح علی شاہ فوت ہوا

حضرت اقدس نے فرمایا :-

ہاں - آپ نے خوب سمجھا

---

[1] الحکم میں مزید یہ لکھا ہے

خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ کیسا عجیب توارد ہے ادھر الہام میں رَحْمَةً مِّنَّا ہے ادھر رؤیا میں دکھایا گیا ہے کہ رحمت اللہ نے بھیجا ہے اور پھر حکیم فضل الدین کی بیوی مریم کا پاس ہونا۔ چراغ کا لانا سب مبشرات ہیں۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ / اکتوبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] الحکم میں ہے :-

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ قرآن شریف میں صاف ہے وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر : ۶) اس لئے ضروری ہے کہ صفائی کا التزام رکھا جاوے۔ خدا کی شان ہے کہ یورپ کی ہم صدہا چیزیں استعمال کرتے ہیں تار، پریس، ریل اور بہت سی اشیاء حتیٰ کہ دیا سلائی سے تو فائدہ اٹھاتے ہیں مگر خدا کی کوئی عظیم الشان حکمت ہے کہ ہم کو ٹیکہ کی طرف توجہ نہیں دلائی بلکہ فرمایا عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ اور عندی کو مقدم کرکے اور بھی تاکید کا رنگ پیدا کیا کہ معالجات میرے ہی پاس ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۰ مورخہ ۳۱ / اکتوبر ۱۹۰۲ء)

نجات ایمان کے ساتھ ہے

بعض رؤساء لاہور کے ٹیکہ لگوانے پر جو راضی ہوئے ہیں یہ امران کی شجاعت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ تہوّر ہے کہ سرکار راضی ہو یا تھ بتایا جاوے ابھی تک ہماری جماعت کو تو گورنمنٹ کا مخالف ہی خیال کیا جائے گا بڑی ضرورت خدا شناسی کی ہے سب امور خدا کے بعد ہیں جیسے ہم نے ابھی بتلایا کہ نجات ایمان کے ساتھ ہے۔[1]

پھر ساکنان قادیان کے ٹیکہ لگوانے پر فرمایا :۔

یہ ہمارے لئے مفید ہے کیونکہ فاسق فاجر لوگ بھی ہیں اور ظاہری اسباب میں سے ٹیکہ بھی ہے

جب یہ لوگ اپنے ظنوں (یعنی ٹیکہ) پر یقین رکھتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے یقین پر یقین نہ رکھیں۔

پھر مفتی محمد صادق صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ :۔

ان سابقہ نوشتوں میں یہ تو لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں طاعون ہوگی مگر یہ بھی لکھا ہے کہ نہیں کہ جس طرح کے الہامات جیسے "اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ" اور دوسرے ہمیں ہوئے ہیں ان کا بھی کوئی ذکر ہے کہ نہیں؟

مفتی صاحب نے کہا کہ دیکھ کر عرض کروں گا۔

---

[1] (الحکم سے)

جیسا کہ آج کی رؤیا سے معلوم ہوتا ہے درحقیقت نجات ایمان سے ہے اور خدا شناسی کی اس وقت بڑی ضرورت ہے کیونکہ خدا شناسی کے بغیر گناہ کی ناپاک زندگی پر موت وارد نہیں ہوتی اور خدا شناسی کا پہلا زینہ یقین ہے خدا تعالیٰ اور اس کی عجیب در عجیب قدرتوں اور طاقتوں پر سچا ایمان اور یقین معرفت کا نور عطا کرتا ہے اور دل میں اس سے ایک قوت پیدا ہوتی ہے پھر انسان اس قوت کے ساتھ گناہ کا مقابلہ کر سکتا ہے دیکھو یہ لوگ ظنوں (یعنی ٹیکہ وغیرہ) پر ایک قسم کا یقین رکھتے ہیں تو کیا ہم اپنے یقین پر بھی یقین نہ رکھیں؟ جو کچھ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بالکل سچ ہے اور وہ ہو کر رہے گا کوئی طاقت اور قوت اس کو روک نہیں سکتی یہ عجیب زمانہ ہے واقعات خطرناک پیش آرہے ہیں اور اس وقت کسی کو معلوم نہیں کہ کل کیا ہونے والا ہے؟ مگر خدا تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ وہ اپنے سلسلہ کی حمایت کرے گا اور مَنْ فِی الدَّارِ کی حفاظت کا نشان دکھائے گا۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۲ء)

پھر فرمایا کہ :-

اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ میں قریہ کا لفظ ہے قادیان کا نام نہیں ہے اور قَرْیَۃ، قِرْیٌ سے نکلا ہے جس کے معنے جمع ہونے اور اکٹھے بیٹھ کر کھانے کے ہیں وہ لوگ جو آپس میں مواکلت رکھتے ہوں اس میں ہندو اور چوڑھے بھی داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہمارے ساتھ مل کر کھاتے ہی نہیں۔ قریہ سے مراد وہ حصہ ہو گا جس میں ہمارا گروہ رہتا ہے۔

مسیح موعود کے اپنی جماعت کو طُور پر لیجانے کا مطلب

پھر ذکر ہوا کہ حدیث میں یہ بھی ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جائے گا۔

حضرت اقدس نے فرمایا :-

اس کے یہ معنے ہیں۔ تجلّی گاہ حق میں لے جانا[1] یعنی قرب اور ہیبت کے مقام پر لے جائے گا کہ جس سے جماعت کی تبدیلی ہوتی ہے کہ ایک طرف تو طاعون کو دیکھ کر اور دوسری طرف ہماری تعلیم کو دیکھ کر وہ خدا تعالیٰ کی تجلیات کو نظر میں رکھیں گے عظیم الشان معاملہ آپڑا ہے گورنمنٹ نے ہر ایک فرقہ کو لپیٹ لیا ہے

مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ حضور یہ لوگ پہلے اعتراض کرتے تھے کہ ہم گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں مگر اب کیا کہیں گے کیا یہ کاروائی ٹیکہ کی خوشامد سے ہے کہ جس سے ہم نے اتفاق نہیں کیا۔

نواب محمد علی خان صاحب نے کہا کہ ٹیکہ بھی کہاں تک لگے گا

---

[1] (الحکم سے)

یہ جو لکھا ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو کوہ طور پر لے جائے گا اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ اپنی قوم کو طہارت اور تقویٰ کی بلند چٹان پر کھڑا کرے گا کیونکہ طور تجلی گاہ حق ہے اس لئے مسیح اپنی جماعت کو قرب اور ہیبت کے مقام پر لے جائے گا۔ کوہ طور پر جیسا میں نے ابھی کہا ہے تجلی اور ہیبت حق کی جگہ ہے جہاں تبدیلی ہوتی ہے اور انسان گناہ سے بچ جاتا ہے پس یہ ایک تقریب پیش آگئی ہے کہ انسان اپنی تبدیلی کرے اور خدا کا قرب اس کی ہیبت سے تلاش کرے خدا کا خوف اور ہیبت گناہوں سے بچائے گی اور اس سے تقویٰ اور طہارت میں ترقی ہو گی جو قرب حق کا ذریعہ ٹھہرے گی ہیبت حق کے لئے خود اللہ تعالیٰ نے طاعون کو ایک ذریعہ اور سامان ٹھہرا دیا ہے بڑا ہی بد قسمت ہے وہ انسان جو اس بلا اور طوفان میں بھی خدا سے نہیں ڈرتا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلتے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۱۱ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء)

اس پر حضرت اقدس نے ہنس کر فرمایا :-

وہی مثال ہے جس کا ذکر مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک شخص کی ماں بدکار تھی اس نے اسے مار ڈالا لوگوں نے کہا کہ ماں کو کیوں مار ڈالا؟ اس کے دوستوں کو مارنا تھا اس نے جواب دیا کہ ایک کو مارتا دو کو مارتا آخر کتنوں کو مارتا؟ اس لئے اسے ہی مارنا مناسب تھا یہی حال ٹیکہ کا ہے۔

طاعون کا دَورہ

میرے نزدیک طاعون کے جتنے عدد ہیں اتنے ہی سال تک اس کا دورہ ہوتا ہے حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں لوگ خدا سے لڑائی کریں گے تو اب یہ خدا سے لڑائی ہی ہے لوگ خود کہیں گے کہ خدا سے لڑ رہے ہیں۔

ہمارا الہام بھی ہے کہ اَجَھِّزُ جَیْشِی یعنی میں اپنا لشکر تیار کر رہا ہوں ہمیں یہ تو خوشی ہے کہ سمجھ دار لوگ خوب خبردار ہو جاویں گے خدا کی قدرت ہے کہ وہی وقت آگیا ہے اور وہی موسم ہے جس کا ذکر تھا اور اس پر خدا تعالیٰ نے گواہی بھی دے دی اب یہ نہ مانیں تو اصل میں خدا کا انکار ہے یہ لوگ ہمارے آگے حدیثیں پیش کرتے ہیں حالانکہ اس نے حکم ہو کر آنا ہے پھر ان کو حکم تو یہ ہے کہ تم کو بولنا نہ چاہئے جو حکم کہے وہ مان لو تقویٰ ہوتا تو یہ لوگ کبھی نہ بولتے اگر فی الواقعہ ہی ان کے ہاتھ میں کوئی حدیث ہوتی تو پھر اسے غایت مرتبہ ظن کا ہوتا مگر اصل میں ان لوگوں کو یقین ہی نہیں ہے۔

مگر کیا قساوت قلبی ہے کہ جس قدر گندی اور فحش باتیں ہیں اور تحقیر اور توہین ممکن تھی اور جہاں تک ان کا ہاتھ پڑتا تھا وہ تمام افترا بنائے۔ صرف چند ایک باتیں گورنمنٹ کے قانون کے ڈر سے اُن سے باقی رہ گئی ہیں۔ اکالئے جو ہوئے۔

پھر میاں احمد دین صاحب عرائض نویس درجہ اول ساکن گوجرانوالہ سے حضرت اقدس بعض قانونی وجوہات پر گفتگو فرماتے رہے ایک مقام پر فرمایا کہ

قانون بھی ایک موم کی ناک ہوتا ہے اس لئے کچی بات ہرگز نہ پیش کرنی چاہئے اور ایسی کچی بات کے پیش کرنے سے تو اس کا پیش نہ کرنا ہی اچھا ہے

ایک نومسلم پشاوری کا ذکر

نماز مغرب کے بعد حکیم نورالدین صاحب نے ایک نومسلم پشاوری کا حال سنایا جو گزشتہ ماہ میں پشاوری جماعت کے ساتھ پشاور سے آیا تھا اور حضرت سے بیعت کی تھی ان نومسلم صاحب کو

اہل اسلام پشاور نے امدادی چندہ کر کے ایک دکان کھول دی تھی حکیم صاحب نے بیان کیا کہ آج اس کا خط آیا ہے کہ مسلمانوں نے جو امدادی طور پر چندہ سے مجھے دکان کھول دی تھی وہ اب اس لحاظ سے ضبط کرلی ہے کہ میں قادیان گیا اور بیعت کی۔

حضرت اقدس نے فرمایا :۔

ابتلاء ہے۔ صبر کرنا چاہئے۔

پھر آج صبح جو گفتگو حفاظت الٰہی کے وعدوں کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام نے سیر میں کی تھی اس کا اعادہ حکیم نورالدین صاحب سے کیا اور اپنے الہام اور گھر کا خواب سنایا اس گفتگو میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا :۔

سعید فرقہ جو کہ عذاب سے نجات پانے والا ہے وہ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ : ۷) ہے اور جو عذاب میں مبتلا ہونے والا ہے وہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ : ۷) ہے۔ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ضَآلِّيْنَ میں وہی فرق ہے جو ایک مریض محرقہ اور مدقوق میں ہوتا ہے کہ ایک جلدی ہلاک ہو جاتا ہے اور ایک آہستہ آہستہ ہلاکت تک پہنچتا ہے مگر انجام کار دونو ہلاک ہوتے ہیں کوئی آگے کوئی پیچھے۔

کتبِ سابقہ میں حفاظتِ الٰہی کا وعدہ

پھر مفتی محمد صادق صاحب نے حسب الحکم حضرت اقدسؑ وہ تمام حوالہ جات کتب سابقہ کے سنائے جن کا ارشاد حضرت اقدس نے آج صبح کی سیر میں کیا تھا اور اس کا خلاصہ یہ ہے۔

زبور ۹۱ :۔

"وہ جو حق تعالیٰ کے پردہ تلے سکونت کرتا ہے سو قادر مطلق کے سایہ تلے رہے گا میرا خدا جس پر میرا توکل ہے یقیناً وہ تجھ کو صیاد کے پھندے سے اور مہلک وبا سے رہائی دے گا۔ وہ تجھے اپنے پروں تلے چھپائے گا............ اور نہ اس وبا سے جو اندھیرے میں چلتی ہے اور نہ اس مری سے جو دوپہر کو ویران کرتی ہے تیرے آس پاس ایک ہزار گر جاویں گے اور دس ہزار تیرے دہنے ہاتھ پہ لیکن وہ تیرے نزدیک نہ آوے گی تو نے حق تعالیٰ کو اپنا مسکن تیار کیا اس لئے تجھ پر کوئی آفت نہ آئے گی اور کوئی وبا تیرے خیمے کے پاس نہ پہنچے گی"۔

لالہ شرمپت کا حُسنِ ظن

پھر حضرت اقدسؑ نے ذکر سنایا کہ

شرمپت آریہ میرے پاس مشورہ لینے آیا تھا کہ مجھے بخار سا معلوم ہوتا ہے۔ جسم گرم ہے۔ ٹیکہ کراؤں یا نہ۔ میں نے کہہ دیا کہ نہ کراؤ کیونکہ اس میں تو حرارت اور زیادہ ہوگی

فرمایا :-

ان لوگوں کا دستور ہے کہ مجھ سے ہمیشہ مشورہ دریافت کرتے ہیں بلکہ لیکھرام کے قتل کے دنوں میں ایک دفعہ یہ دوا پوچھنے آیا تو میں نے کہا کہ اس وقت تو تم ہمیں دشمن جانتے ہو کہ اس کے قاتل ہم ہیں۔ ہماری دوا تم کو لینی مناسب نہیں ہے مگر اس نے کہا کہ ہم کو یقین ہے آپ دوا دے دیں۔

ایک اِلہام

فرمایا :-

رات کو مجھے ایک اور فقرہ الہام ہوا تھا بھول گیا تھا اب یاد آیا ہے وہ یہ ہے

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ

مخالفین سے شفقت

اس کے بعد میاں احمد دین صاحب عرائض نویس گوجرانوالہ نے مقدمہ کے متعلق کچھ گفتگو حضرت اقدس علیہ السلام اور آپ کے موجودہ احباب سے کی حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک مقام پر فرمایا :- کہ

ہماری مراد سزا سے نہیں ہے کہ اسے سزا ضرور ہو۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جیسے یوسف کی حقیقت عزیز مصر کے سامنے کھل گئی تھی ویسے ہی ہماری بھی حقیقت کھل جائے۔ یوسف نے جیل خانہ سے باہر قدم نہیں نکالا جب تک اپنا باعصمت ہونا ثابت نہ کرا دیا۔[1]

۱۹؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ (بوقت سیر)

دابۃ الارض کی حقیقت

حسب معمول حضرت اقدسؑ سیر کے لئے باہر تشریف لائے اور نواب محمد علی خان صاحب کے

---

[1] البدر جلد اول نمبر ا صفحہ ۵ تا ۷ مورخہ ۳۱؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

مکان کے آگے آکر تھوڑی دیر نواب صاحب کا انتظار فرماتے رہے جب نواب صاحب تشریف لائے تو روانہ ہوئے اور فرمایا کہ :-

نئی تحقیقات نے دابۃ الارض کی بہت تائید کی ہے اور اس کے معنے کھول دیئے ہیں کہ وہ ایک کیڑا ہی ہے اور پھر یہ بھی کہ بہت باریک ہے جیسے کہ سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں ہے تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ (سبا : ۱۵) باریک ہی تھا تو اندر اندر کھاتا رہا اور پتہ نہ لگا اور تُكَلِّمُهُمْ (النمل : ۸۳) سے مراد بھی یہی ہے کہ طاعون ہو کیونکہ ایک اور مقام پر قرآن شریف میں ہے کہ ہم ہر ایک قریہ کو قیامت سے پہلے ہلاک کریں گے یا عذاب میں مبتلا کریں گے۔

مغضوب علیہ اور ضال کا فرق

مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ کا آخر جیسے موت ہے اسی طرح وَالضَّآلِّيْنَ کا بھی آخر موت ہے مگر آہستہ آہستہ۔ کیونکہ ضلالت کے معنے ہیں راستے سے بھٹک جانا۔ بھٹکتے پھرنا۔ آخر انسان کو جب کوئی راہ نہ ملا تو مر ہی جائے گا ریگستانوں وغیرہ میں لوگ راستہ بھول کر مر ہی جاتے ہیں۔ لیکھرام مَغْضُوْبِ عَلَيْهِ تھا اور آتھم ضَالّ کہ ایک جلدی مرگیا اور ایک آہستہ آہستہ سسکتا ہوا مرا اور آریہ بھی یہود میں داخل ہیں ان کا ھَوَنْ وغیرہ تمام رسوم یہود سے ملتی ہیں بعض نے لکھا ہے کہ برہمن، مصر جی اسی لئے کہلاتے ہیں کہ یہ لوگ مصر سے آئے تھے

ایک نفسیاتی نکتہ

ایک شخص کی حالت پر حضور نے فرمایا کہ :-

جوش والا آدمی درست ہونے کے لائق بہت ہوتا ہے مگر منافق نہیں ہوتا۔

سرسید احمد خان کی رائے

ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ سرسید احمد صاحب سے ایک دفعہ جب میری کتابوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ ان میں ذرہ خیر نہیں ہے۔

مولوی نذیر حسین دہلوی کا ذکر

مولوی نذیر حسین دہلوی متوفی کے ذکر پر بعض احباب نے یہ کہا کہ قوم اور برادری کی محبت ہی نے دراصل اسے اخفاء حق کے لئے مجبور کیا ہوا تھا۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا :-

محبت دین کی ہی محبت ہوتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی برادری، قوم اور رشتہ داریاں

تھیں مگر صحابہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ لوگ دین کے دشمن ہیں تو اپنے ہاتھوں سے ان کو ہلاک کیا اگر ان میں (نذیر حسین میں) تقویٰ ہوتا تو ایسے سخت دلی کے لکھے ہوئے خط نہ پہنچتے یہ کہدیتے کہ تقویٰ اجازت نہیں دیتا یہ تمام امور تقویٰ کے خلاف ہیں کہ قرآن شریف بین دلائل سے وفات مسیح ثابت کرتا ہے جیسے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ (المائدہ : ۱۱۸) اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران:۱۴۵) پھر خود پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معراج میں ان کو مردوں میں دیکھنا اور پھر تمام فرقے اسلام کے اور صوفی موت کو مانتے ہیں اور یہ لوگ اس بات کے قائل نہیں ہیں سب سے پہلا اتفاق اسی امر پر ہوا کہ کل انبیاء فوت ہو چکے ہیں صرف قوم اور برادری کو مدنظر رکھ کر (نذیر حسین) نے انکار کیا

سنا تھا کہ نذیر حسین کہتا تھا کہ مجھے ایک ایسی بات یاد ہے کہ اگر بتاؤں تو ہزاروں آدمی مرزا صاحب کے مرید ہو جاویں وہ تو ہزاروں داخل کراتا ہی رہ گیا یہاں لاکھوں داخل ہو گئے۔

حجرہ نشین لوگوں کو نہ تو آسمانی منطق نصیب ہوتی ہے اور نہ زمینی۔

مولوی اسمٰعیل شہید صاحب آئے تو سنگھڑ بھی گئے اور شیخ سلیمان سے ملے شاید جہاد کے لئے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ فقیر نے اپنے ہاتھ سے چڑیا بھی نہیں ماری تلوار کیسے اٹھاوے گا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ۳۶۳ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے تھے

پھر فرمایا کہ :-

اب تو میں یقین کرتا ہوں کہ وہ (نذیر حسین) ہماری جماعت میں داخل ہوا۔ کئی مرتبہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک آدمی زندگی میں تو قائل نہ ہوا مگر جب فوت ہو گیا تو ہماری جماعت میں داخل ہوا۔

محمد حسین بٹالوی کا عقیدہ

محمد حسین بٹالوی کے ذکر پر فرمایا کہ :-

اس عمارت کے دو کونے ہیں ایک مہدی اور ایک مسیح۔ مہدی کی نسبت وہ کہہ چکا تھا کہ کوئی حدیث بھی جرح سے خالی نہیں ہے جب ایک کونہ گر گیا تو دوسرا کس کام کا۔ اسی لئے ہمارا انکار کر دیا یہ مسئلہ ایک مرکب شے ہے جیسے ایک پیالہ اگر اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ جائے تو باقی کس کام کا۔ اور ایک پہلو سے محمد حسین ہمارے مفید مطلب ہوا کہ مہدی کی تردید کر چکا۔

(بوقت نماز ظہر)

مقدمہ بازی اچھی نہیں ہوتی

حکیم فضل دین صاحب کے مقدمہ پر حضرت اقدسؑ غور فرماتے رہے اور بہت سی باتیں سننے کے بعد حضور نے فرمایا کہ :-

مقدمہ وہ بہت منحوس ہوتا ہے جس کا انجام بخیر نظر نہ آوے اور صاف وہ مقدمہ ہوتا ہے جس کے آثار فتح و نصرت کے جلد نظر آجاویں مقدمہ بازی اچھی نہیں ہوتی۔ بار بار حکام کے پاس جانا ان کے متھے لگنا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ مردار بعد بگذار صلح کرلو۔

قرآن کے حکم کی تعمیل میں کوئی تکلیف نہیں

ایک صاحب نے کہا کہ حضور کو بھی شہادت کے لئے جانے کی تکلیف ہوگی اس نے اسی لئے آپ کی شہادت لکھائی ہے کہ یہ لوگ تکالیف کو دیکھ کر صلح کرلیں حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

ہمیں کوئی تکلیف نہیں قرآن کا حکم ہے کہ جب گواہی کے لئے بلایا جاوے تو جاؤ۔ میں کوئی بے دست و پا تو ہوں نہیں۔ ہمیشہ پیدل بٹالہ آیا جایا کرتا تھا۔ یہ تو کوئی بات نہیں چلنے پھرنے کی عادت ہے مگر یہ ایک منحوس بے حیثیت سا مقدمہ نظر آتا ہے مومن کو اپنی عزت کا پاس بھی کرنا چاہئے گندے آدمیوں سے یہ جگہ پر تھی معلوم نہیں کہ خدا کو کیوں یہ جگہ پسند آئی

(نمازِ عصر سے پیشتر)

نماز عصر سے پیشتر مولوی عبدالکریم صاحب نے اخویم عبدالعزیز صاحب کا خط سنایا جو سہارنپور سے آیا تھا اس میں لکھا تھا کہ یہاں کے لوگوں میں ایک عجیب ولولہ اور شوق قادیان پہنچنے کا پیدا ہو رہا ہے۔

(نمازِ مغرب سے پہلے)

عصمتِ انبیاء

کسی پادری نے عصمت انبیاء کے متعلق چند ایک اعتراضات مولوی محمد علی صاحب کے پاس روانہ کئے ہوئے تھے اور نوح کا گنہگار ہونا بھی لکھا تھا کہ اس نے خلاف منشاء ایزدی اپنے بیٹے کے لئے دعا کی یہ اعتراض مولوی صاحب نے نماز مغرب سے پہلے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پیش

کیئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا :۔

کیا وجہ ہے کہ اس نے مسیح کا ذکر نہ کیا کہ ایک انجیر کے درخت کی طرف گیا اور جانتا تھا کہ اس میں پھل نہیں ہے پھر وہ جانتا تھا کہ صلیب ملنی ہے اور دعائیں کرتا رہا کہ مجھے نجات ملے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے ثبوت میں فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (یونس : ۱۷) کی دلیل پیش کرتے ہیں اس کے مقابلہ کا ایک فقرہ بھی انجیل میں نہیں ہے اور پیغمبر خدا کی تمام عمر کا یہ حوالہ ہے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (یونس : ۱۷)

استغفار کے اصل معنے تو یہ ہیں کہ یہ خواہش کرنا کہ مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو یعنی میں معصوم رہوں اور دوسرے معنے جو اس سے نیچے درجے پر ہیں کہ میرے گناہ کے بد نتائج جو مجھے ملنے ہیں میں ان سے محفوظ رہوں[1]

مسیح تو خود کنجریوں سے تیل ملواتا رہا۔ اگر استغفار کرتے تو یہ حالت نہ ہوتی۔

(بعد از نماز مغرب)

پھر اس کے بعد اذان ہو کر نماز مغرب ہوئی اور حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے اور فرمایا کہ :۔

الزامی جواب

مفتی محمد صادق صاحب جو کتاب سنایا کرتے ہیں جس میں مشیعہ عورت اور مشیح یہودی عاشق سلومی کا ذکر ہے کہ وہ عورت سلومی مشیح کو چھوڑ کر یسوع کے شاگردوں میں جا ملی۔ اس لئے اس مشیح نے یہ سارا منصوبہ صلیب کا بنایا گویا ایک عورت کے واقعہ نے ان کی صلیب تک نوبت پہنچائی۔

جس طرح بد ظنیاں ان لوگوں نے نکالی ہیں ویسے ہی ہمارا بھی حق ہے ان کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا گناہ ہے مگر ایک بازاری عورت عطر ملتی ہے تیل بالوں کو لگاتی ہے بالوں میں کنگھی کرتی ہے اور یہ مہنت کی طرح بیٹھے ہوئے مزے سے سب کرواتے جاتے ہیں یہ بھی پوچھو کہ گناہ ہے یا نہیں۔ ان کو لازم تھا کہ اعتراض نہ کرتے جو واقعات ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں وہی پیش کرنے پڑتے ہیں اور کیا جواب دیویں۔ یہ کوئی چھوٹا اعتراض نہیں ہے کہ ان کو کنجریوں سے کیا تعلق تھا اور اگر کہو کہ اس کنجری نے توبہ کی تھی تو کنجری کی توبہ کا اعتبار کیا۔ ایک طرف توبہ کرتی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۱ صفحہ ۷ مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء

ہیں ایک طرف پھر موڑھے پر بازار میں جا بیٹھتی ہیں۔
پھر شراب کو دیکھو کہ تمام گناہوں کی جڑھ ہے اس کی تخم ریزی مسیح نے کی۔ شراب کے جائز رکھنے سے کروڑہا لوگوں کی گردن پر چھری پھر گئی جب انسان نشہ کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر چھوڑنا مشکل ہے یہ نشہ بھی کیا شیئے ہے۔ کہ ایک طرف زندگی کو کھا جاتا ہے دوسری طرف زندگی کا شہتیر بھی ہے نشہ والوں کو نشہ نہ ملے تو موت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

ایک نشہ کا سائل

ایک دفعہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی کہ مجھے تین دن سے نشہ نہیں ملا اس کی حالت بہت ردی تھی اور نشہ کے لئے مجھ سے پیسہ طلب کرتی تھی میں نے تعجب کیا کہ یہ نہ روٹی کا سوال کرتی ہے نہ کپڑے کا اور نشہ کے لئے بے قرار ہے۔ اسے عادت ہو گی اور اب اس کی زندگی کا گویا جزو ہو گیا ہے اس لئے اس کو اپنے بیان میں سچا جان کر میں نے ایک پیسہ اسے دے دیا۔
اس موقعہ پر حضرت اقدس نے حکیم نورالدین صاحب سے سوال کیا کہ کتنے عرصہ کے بعد انسان کسی نشہ کا ایسا عادی ہو جاتا ہے کہ پھر اسے چھوڑ نہیں سکتا اور مجبور ہو جاتا ہے حکیم صاحب نے کہا کہ کسی جگہ شاید نظر سے تو نہیں گزرا مگر چالیس دن میں ایسا ہو سکتا ہے۔
حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :۔
ہر ایک شیئے کے لئے چالیس دن ہی ہیں بات یہ ہے کہ شراب اور اس کے بہن بھرا (بھنگ افیون وغیرہ) ایسی خراب شیئے ہیں کہ ان سے مٹی پلید ہوتی ہے مگر پھر وہ مذہب کیسے اچھا ہو سکتا ہے جس میں ایسی تعلیم ہو ہاں ایک صورت ہے یہ نشہ چھوٹ سکے کہ جیلخانہ میں بند ہوں داروغہ بھی ایسا ہو کہ کسی سے سازش نہ کرے پھر شاید یہ عادت چھوٹ جاوے۔
فرمایا کہ :۔
یحیٰؑ جو نشہ نہیں پیتے تھے تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی منع تھا مسیح نے مرشد کی تقلید کیوں نہ کی۔
شائد کوئی یہ اعتراض کرے کہ اوائل اسلام میں تو حرمت تھی نہیں۔ ۱۴ برس کے بعد حرمت ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اسلام تو آہستہ آہستہ صفائی کرتا جاتا تھا اور قوم بن رہی تھی جب قوم بن گئی تو حکم آگیا ابتداء میں تو صحابہؓ کو یہ مصیبت تھی کہ پانی بھی بھولا ہوا ہوگا شراب کا کیا ذکر ہے۔

ماموریت کا مقصد

ایک علی حائری نامی شیعہ کے رسالہ کا ذکر ہوا جس میں مصنف نے ہمارے مقابلہ میں اہل سنت کو خطاب کیا ہے کہ تم اور ہم ایک ہیں حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ :-
سنیوں کو تو ایک کر لیا اب ان کو چاہیئے کہ خارجیوں کو بھی ایک کریں ان کا بھی حق ہے پھر کبھی مل کر علیؓ اور عثمانؓ کو گالیاں دے لیا کریں اور کبھی وہ ابو بکرؓ و عمرؓ کو دے لیا کریں ہمیں خدا نے اس لئے مامور کیا ہے کہ جو حد سے زیادہ شاخیں خدا کی مخلوق کی بنائی ہوئی ہیں ان کو دور کریں اس کے حصہ دار سنی بھی ہیں ان میں بھی شرک بہت پھیلا ہوا ہے۔

تازہ الہامات

پھر حضرت نے آج کے الہامات سنائے کہ :-
آج یہ الہام ہوئے
"يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَكَ - يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفُوْا عِرْضَكَ - اِنِّيْ مَعَكَ وَ مَعَ اَهْلِكَ۔"
فرمایا کہ :-
خدا تعالیٰ ہمیں اکیلا کمزور ضعیف پا کر ہماری حمایت پر آسمان سے تار بھیج دیتا ہے۔[1]

۲۰ / اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

(بوقت سیر)

حسب معمول حضرت اقدسؑ سیر کے لئے نکلے اور طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ :-
اس موسم میں آجکل عموماً گلٹیاں بغل وغیرہ میں نکلا کرتی ہیں مگر جب تک ان کے ساتھ کوئی زہریلا مادہ نہ ہو تب تک طاعون نہیں کہلاتی۔

عیسائیوں کے چار سوالوں کا جواب

ایک شخص کے چار سوال دہلی سے آئے تھے جو کہ عیسائیوں کی طرف سے اس پر ہوئے تھے وہ شیخ یعقوب علی صاحب نے پڑھ کر سنائے۔

---

[1] البدر جلد ۱ صفحہ ۱۰ مورخہ ۷ / نومبر ۱۹۰۲ء

کلمہ اللہ کی حقیقت

اول سوال اس مضمون پر تھا کہ انجیل میں لکھا ہے کہ اول کلام تھا اور کلام سے خدا ہوا اور خدا کی روح سے مسیح پیدا ہوا اور قرآن نے بھی اسے کلمہ فرمایا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :-

کلمہ تو میرے الہام میں میرا نام بھی رکھا گیا ہے تم اس کے معنے بتلاؤ پھر ہم اس کے بتلائیں گے اگر کہو کہ الہام سچا نہیں تو آؤ اول اس کا فیصلہ کرلیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمَاتِہٖ (اعراف : ۱۵۹) مَا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰہِ (لقمان : ۲۸) تو معلوم ہوا کہ قضاء و قدر کا نام بھی کلمہ ہے روح کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ روح الشیطان اور روح اللہ پہلا لفظ ولد الزنا اور دوسرا اصیل پر بولا جاتا ہے

قرآن کریم کے مصدق ہونے کی حقیقت

دوسرا سوال اس مضمون کا تھا کہ جو قرآن جو انجیلوں کا مصدق ہے توکیا اناجیل صحیح ہیں؟

فرمایا کہ :-

مصدق کے معنے قرآنی طور پر یہ ہیں کہ جو کچھ صحیح تھا اس کی تو نقل کردی اور جو نہیں لیا وہ غلط تھا پھر انجیلوں کا آپس میں اختلاف ہے اگر قرآن نے تصدیق کی ہے تو بتلاؤ کونسی انجیل کی کی ہے قرآن نے یوحنا متی وغیرہ کی انجیل کی کہیں تصدیق نہیں کی۔ہاں پطرس کی دعا کی تصدیق کی ہے اسی طرح کونسی توریت کہیں جس کی تصدیق قرآن نے کی۔ پہلے توریت تو ایک بتاؤ قرآن تو تمہاری توریت کو محرف بتلاتا ہے اور تم میں خود اختلاف ہے کہ توریت مختلف ہیں۔

قرآن کریم کا خطاب

تیسرا سوال۔ قرآن نے خود رسول اللہ کو کہا اِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ (یونس : ۹۵)

فرمایا :-

اول یہ بتلاؤ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا کہ ماں باپ کی عزت کرو ان کے والدین کہاں تھے ہاں یہ شک کا لفظ اول مسیح پر وارد ہو سکتا ہے کیونکہ اگر وہ قربان اور فدیہ ہونے کے واسطے ہی آیا تھا اور یہ قطعی فیصلہ تھا تو اس نے کیوں کہا کہ اے خدا یہ پیالہ مجھ سے ٹال دے معلوم ہوا کہ اسے ضرور شک تھا قرآن میں جہاں شک کا لفظ ہے ہر ایک مخاطب کی طرف ہے نہ کہ

خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خدا نے ہمیں قاعدہ بتلایا ہے کہ جو بات قرآن کے مطابق ہو اس پر عمل کرو اور جو مخالف ہو اسے رد کردو۔

کلمہ والی بات تو ہم تھوڑے دنوں تک خود شائع کرنے والے ہیں یہ تو کلمہ کلمہ لئے پھرتے ہیں اور یہاں خود میرا الہام ہے اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ اَوْلَادِیْ۔

شریعت شارح کی محتاج ہے

جو مامور ہو کر آتا ہے اس کی ذاتیات سے الہام وابستہ نہیں ہوتے وہ تو شریعت کا شارح ہوتا ہے جس طرح حضرت مسیح کے وقت شریعت شارح کی محتاج تھی اسی طرح اس وقت بھی شریعت شارح کی محتاج ہو رہی تھی کیونکہ جس طرح اس وقت یہود کے ۷۲ فرقے تھے اسی طرح اسلام کے ۷۲ فرقے ہو گئے۔ اب خدا ان سب کو ملا کر ایک بنانا چاہتا ہے۔

شیطان کی آخری جنگ

رات کے تین بجے کے قریب مجھے الہام ہوا :۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ لِلسِّلْسِلَةِ السَّمَاوِيَّةِ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ۔ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ۔ فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِيْنَ۔

معلوم ہوتا ہے کہ آدمی دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جانتے تو نہیں مگر ان میں ابھی انسانیت ہے دوسرے وہ جن کے آنکھ کان فہم وغیرہ سب جاتے رہتے ہیں اور حجارہ میں داخل ہیں وہ بھی جہنم میں داخل ہوں گے جو کہ سمجھے ہوئے تو ہیں مگر بعض تعلقات دنیاوی کی وجہ سے وہ قبول نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی تجویز ہے اور اس کو ابھی مخفی رکھا ہے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ترقی ہونے والی ہے اور اللہ کریم کچھ چشم نمائی کرنے والے ہیں اور یہ بھی فرمایا کہ جو کچھ ہمارے ارادہ میں ہے وہ ہو چکا۔ اب ٹل نہیں سکتا لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ یہ براہین کا میرا الہام ہے مجھے خدا نے اس لئے بھیجا ہے کہ ان اہل کتاب کو بیّنہ دکھلا کر دم بخود کیا جاوے عنقریب سمجھ لیویں گے کہ ان کو کوئی مفر نہیں۔ مسلمانوں نے تو اقبالی ڈگری اپنے اوپر عیسائیوں کو دیدی۔ آؤ وہ فیصلہ ہمارے ساتھ بھی کرو جو انبیاء کے ساتھ ہونا چاہئے تا کہ آسمان سے اس کا فیصلہ ہو۔ تم کہتے ہو مسیح کلمۃ اللہ ہے ہم کہتے ہیں ہمیں خدا نے اس سے بھی زیادہ درجہ دیا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ مسلمان تم کو کافر کہتے ہیں تو دیکھو تم کو رومن

کیتھو لک کافر کہتے ہیں اور تم ان کو کافر کہتے ہو اور ڈوئی سب کو کافر کہتا ہے میرے پاس تو خدا کی گواہی ہے اور اس کے نشانات ہیں نہ کسوف و خسوف تھا۔ نہ جماعت تھی' نہ اس کی ترقی تھی نہ طاعون تھی یہ سب باتیں مجھے قبل از وقت بتلائی گئیں اس ملک پر اتفاقاً افلاس کا سخت صدمہ آیا اور اس وجہ سے بہت سے بھوکے اور خبیث طبع لوگ جو نرے روٹی کے طالب تھے اس عیسائی فرقہ میں چند روپیوں کے لالچ میں شامل ہو گئے

اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دانیال اور حزقیل نبی کی کتابوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ یہ ایک آخری جنگ ہے جو کہ شیطان کی لڑائی کہلاتی ہے اور خود شیطان نے تو لڑائی کرنی نہیں بلکہ انہی لوگوں کے ذریعہ سے ہو رہی ہے پس ایسی لڑائیوں سے یہ ہمارے مخالفین کو غشی بنا دیویں گے اور آخر بات ہم پر ہی آ کر پڑے گی ان ہمارے مخالفوں کا یہ مذہب ہے کہ کلمتہ اللہ اور روح اللہ خالق اور مسِ شیطان سے بری اور آسمان سے دوبارہ دنیا میں واپس آنے والا یہ سب صفات حضرت مسیح ہی میں ہیں۔ کمبخت! خدا جانے کہاں کے کہاں چلے جاتے ہیں پھر کہتے ہیں

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پھر یہ مصرعہ تو حضرت مسیح کے بارہ میں لکھنا چاہئے نہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان لوگوں کے خیال کے موافق آنحضرتؐ تو قتل دجال سے دست بردار ہو گئے کیونکہ مسیح نے آ کر جو قتل کرنا ہوا اور اول حصہ بھی مسیح کا ہوا اور آخر حصہ بھی مسیح کا۔

ابتداء میں کلمہ تھا اور کلمہ خدا کا کلام تھا وغیرہ وغیرہ یہ سب الحاقی عبارتیں ہیں ان کے پاس الحاقی عبارتیں ہوئیں اور ہمارے پاس اصل۔ آخر پر ان کا یہی جواب ہوتا ہے کہ مرزائیوں سے بات نہ کرو ایک درخت کی چھوٹی اور کمزور شاخ تو ایک چڑیا کو بھی ناز سے اپنے اوپر بٹھا لیتی ہے لیکن اگر اس کے اوپر مور بیٹھنا چاہے تو ایک سیکنڈ کے لئے برداشت نہیں کر سکتی۔

زمانہ اور قرائن کے لحاظ سے دیکھو کہ جو باتیں تم مسیح پر چسپاں کرتے ہو وہ پورے طور پر ہم پر چسپاں ہوتی ہیں قیمتی پیشگوئیاں آمد ثانی پر تھیں وہ سارے کا سارا تھیلا ہم نے چھین لیا۔ آمد اول میں تو ساری ذلت اور مار کھانے والی پیشگوئیاں ہیں اور جلال اور عظمت والی تو آمد ثانی پر تھیں جو کہ ہم کو ملیں۔

ایک تفسیری نکتہ

عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ (الزخرف : ۸۶) پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ :۔

یہ بات واقعی ہے اور قرآن پاک سے بھی ثابت ہے کہ ساعۃ سے اس جگہ مراد یہودیوں کی

تباہی کا زمانہ ہے یہ وہی زمانہ تھا اور جس ساعت کے یہ لوگ منتظر ہیں اس کا تو ابھی کہیں پتہ بھی نہیں ہے ایک پہلو سے اول مسیح کے وقت یہودیوں نے بدبختی لے لی اور دوسرے وقت میں نصاریٰ نے بدبختی کا حصہ لے لیا مسلمانوں نے بھی پوری مشابہت یہود سے کرلی۔ اگر ان کی سلطنت یا اختیار ہوتا تو ہمارے ساتھ بھی مسیح والا معاملہ کرتے۔

نشانوں کے ظہور کا وقت

جس طرح کھانگڑ بھینس کا دودھ نکالنا بہت مشکل ہے اسی طرح خدا کے نشان بھی سخت تکلیف کی حالت میں اترا کرتے ہیں جیسے حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل نے کہا تھا کہ اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء : ۶۲) وہ ایسا سخت مشکل کا وقت تھا کہ آگے سے بھی اور پیچھے سے بھی ان کو موت ہی موت نظر آتی تھی سامنے سمندر اور پیچھے فرعون کا لشکر۔ اس وقت موسیٰؑ نے جواب دیا كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (الشعراء : ۶۳)

پس ایسی ضرورتوں اور ابتلا کے اوقات میں نشان ظاہر ہوا کرتے ہیں جبکہ ایک قسم کی جان کندنی پیش آجاتی ہے چونکہ خدا کا نام غیب ہے اس لئے جب نہایت ہی اشد ضرورت آبنتی ہے تو امورِ غیبیہ ظاہر ہوا کرتے ہیں لیکھرام کے قتل کی طرز اور وضع اور وقت اور تاریخ وغیرہ سب کچھ کس صفائی سے بتلایا گیا۔ مگر بے ایمانوں کے واسطے تھوڑا سا شبہ اور ایمان والوں کے واسطے تھوڑی سی بات ایمان کے لئے باقی رکھ لی تھی بے ایمانی کی بات ہی ہوئی جو کہا کہ شاید ان کی جماعت میں سے کسی نے اس کو قتل کردیا ہو۔

(بعد از نماز مغرب)

بعد ادائے نماز مغرب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حسب معمول اجلاس فرما ہوئے تو قادیان میں جو چوڑھوں میں چند آدمی مر گئے ہیں بہ ایں وجہ کہ ان ایام میں انہوں نے کئی ہلاک شدہ بھینسیں کھائی تھیں ان کا ذکر ہو کرتے ہوئے آخر طاعون کا تذکرہ ہو پڑا فرمایا :-

خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو

ایک بار مجھے الہام ہوا تھا کہ خدا قادیان میں نازل ہو گا اپنے وعدہ کے موافق اور پھر یہ بھی تھا۔ ”اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ“

فرمایا :۔

طاعون کے خوفناک نتائج یہ بھی ہیں کہ آخر کو جنگل بنا دیتی ہے

اس پر حکیم نورالدین صاحب نے کہا کہ حضور میں نے پڑھا ہے کہ جو یہ نئی آبادی بار میں ہوئی ہے اس میں پرانی آبادیوں کے نشانات ملے ہیں اور یہ لکھا ہے کہ یہ قطعات آباد تھے اور طاعون سے ہلاک ہوئے تھے

حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ:

خواہ موذی طبع لوگ ہزاروں ہی مرجاویں مگر میرا جی یہ چاہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا جلال ظاہر ہو اور دنیا کو خدا کا پتہ لگے اور ثبوت ملے کہ کوئی قادر خدا بھی موجود ہے اس وقت دہریت اور الحاد بہت پھیلا ہوا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے بے پرواہی ظاہر کی جاتی ہے اور جن لوگوں نے بظاہر خدا تعالیٰ کا اقرار بھی کیا ہے انہوں نے یا تو خطرناک شرک کیا ہے جیسے عیسائی اور دوسرے بت پرست مشرک اور پھر جنہوں نے بظاہر توحید کا اقرار بھی کیا ہے جیسے مسلمان انہوں نے بھی دراصل شرک اختیار کر رکھا ہے اور مسیح کو خدا کی صفات سے متصف ٹھہرا رکھا ہے علاوہ بریں خدا تعالیٰ کی حکومت کے نشان ان کے اعمال سے ثابت نہیں ہوتے۔ اعمال میں سستی اور بیباکی اور گناہوں پر دلیری پائی جاتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا خوف دلوں پر نہیں رہا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس بے باکی کے دور کرنے میں بے شک ہزاروں ظالم طبع لوگ ہلاک ہوں تاکہ وہ دوسروں کے لئے عبرت ہو۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی قدرتوں اور طاقتوں پر ایمان لانے والے ہوں۔ دیہات کے لوگ تو جنگل کے وحشیوں کی طرح ہیں مگر شہروں میں جو تعلیم یافتہ ہیں ان کی حالت بہت ہی ناگفتہ بہ ہو رہی ہے میں دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ اور اپنے اعمال کی اصلاح اور تبدیلی کا جوش نہیں ہے باپ دادا سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سن لیا اسی کو کافی سمجھا۔ اعمال کی پروا نہیں۔

یہ جو الہام ہو چکا ہے اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ اگر منتشر کرنے کا قانون منسوخ نہ ہوتا تو اس مفہوم کو اس الہام میں داخل سمجھا جا سکتا مگر اب جبکہ سب جگہ قانون منسوخ ہو گیا ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہی ہے جیسا کہ دوسرے الہام لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَھَلَکَ الْمَقَامُ سے پایا جاتا ہے۔ اس میں ایک شوکت بھی ہے اور چشم نمائی ہے جیسے ایک مجرم کو جج ۳ سال کی سزا دے اور ساتھ ہی کہدے کہ اصل میں ۱۴ سال قید کی سزا کے لائق تھا مگر عدالت رحم کر کے ۳ سال سزا دیتی ہے اسی طرح پر یہ الہام ظاہر کرتا ہے کہ دراصل یہ جگہ بھی ایسی ہی تھی

کہ ہلاک کی جاتی مگر خدا تعالیٰ اپنے سلسلہ کا اکرام ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ اسی اکرام کی وجہ سے اسے ہلاکت سے بچا لیا اور اس طرح پر یہ نشان ٹھہرا۔

جماعت کو نصیحت

میری نصیحت اس وقت جماعت کو یہ ہے کہ یہ دن بڑے سخت اور ہولناک ہیں اس لئے جہاں تک ہو سکے اپنے دلوں کو اور آنکھوں کو برے جذبات سے روکیں اور اپنے اعمال اور چال چلن میں خاص تبدیلی پیدا کریں یہ وقت خاص تبدیلی کا ہے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا ہے پس اس وقت خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کرو میں نے سنا ہے کہ ایک شخص عین شادی کے دن طاعون سے مر گیا۔ دنیا کی بے ثباتی کی یہ کیسی عبرت بخش مثال ہے اگر دانشمند غور کرے تو ایک طرح سے یہ دن بڑے عجیب ہیں ان پر تفکر کرنے سے موت یاد آتی ہے اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین پیدا ہوتا ہے اور یقین ہی ایک ایسی شے ہے جو اعلیٰ درجے کی لذت اور سرور صادق الیقین کو بخشتا ہے جو کسی اور کو میسر نہیں آسکتے خدا شناسی کے مسئلہ پر اس وقت ہزاروں قسم کے حجاب اور گرد و غبار پڑے ہیں اور وہ یقین جو لذت بخش نتائج اپنے ساتھ رکھتا ہے وہ نہیں رہا اور وہ سرور جو دنیا کے تعلقات میں پیدا ہونے والے رنج و غم کو دور کرتا ہے اس وقت نہیں بلکہ یہ حالت ہو رہی ہے کہ اکسیر مل جاوے تو مل جاوے لیکن ایسے آدمی اس زمانہ میں ملنے مشکل ہیں جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایسا یقین رکھتے ہوں جس نے ان کی ساری قوتوں اور جذبات پر ایسا اثر کیا ہو اور ایسی معرفت عطا کی ہو جس سے ان کے گناہ کی زندگی پر موت وارد ہو چکی ہو میں سچ کہتا ہوں کہ ایسے دلوں کا ملنا بہت مشکل ہے جو ایمان اور اس کے لذت بخش نتائج کی معرفت سے بھرے ہوئے ہوں

ضرورتیں تو اس وقت بہت سی ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ہاتھ دکھائے اور اپنی چمکار سے دنیا کو روشن کرے مگر سب سے بڑی ضرورت ایسی معرفت اور یقین کا پیدا کرنا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ طاعون اسی کو پورا کر رہی ہے ٹیکہ کا علاج اس وقت تک آخری سمجھا گیا لیکن اگر یہ علاج ٹھیک نہ ہوا تو پھر مشکل ہو گی ابھی تک اس کا پورا تجربہ بھی نہیں ہوا۔ جب تک ایک عدد کثیر نہ ہو کیا کہہ سکتے ہیں مثلاً لاہور میں ۵۰ یا ۶۰ ہزار آدمی ٹیکہ لگوائے اور پھر ایک دو جاڑے ان پر امن سے گذر جاویں تو کچھ پتہ ملے لیکن اگر چھ ماہ کے بعد اس کا اثر زائل ہو جاوے تو اور ہر ششماہی کے بعد یہ نسخہ گلے پڑا تو پھر تو کچھ نہیں احادیث میں جو آیا ہے کہ آخر خدا سے لڑائی کریں گے یہ اس قسم کی جنگ ہو گی جو خدا تعالیٰ کی قضا و قدر کے مقابلہ کے لئے ہر قسم کی تیاری کی جاوے گی میرے الہام میں جو اِنِّی اُجَهِّزُ الْجَیْشَ آیا ہے اس سے مراد طاعون ہی ہے اور ایسا ہی

حضرت مسیح نے اپنی آمد کا زمانہ نوح کے زمانہ کی طرح قرار دیا ہے اور پھر خدا تعالیٰ نے میرا نام بھی نوح رکھا ہے اور وَاصْنَعِ الْفُلْكَ کا الہام ہوا اور لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ بھی فرمایا۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عظیم الشان طوفان آنے والا ہے اور پھر اس طوفان میں میری بنائی ہوئی کشتی ہی نجات کا ذریعہ ہوگی۔ اب طاعون وہی طوفان ہے اور خدا کا زور آور حملہ اور اس کی چمکار ہے یہی وہ سیف الہلاک ہے جس کا براہین میں ذکر ہوا ہے طبیبوں اور ڈاکٹروں کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ اس کا کوئی نظام مقرر نہیں ہے کہ گرمی میں کم ہوتی ہے یا سردی میں۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض جگہوں میں گرمیوں میں بھی اس کی کثرت میں فرق نہیں آیا غرض اس کا علاج بجز استغفار اور دعا اور اعمال میں پاکیزگی اور طہارت کے اور کیا ہو سکتا ہے[1]

۱۲؍اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

(بوقت سیر)

کوئی ۷ بجے کے قریب حضرت اقدسؑ سیر کے لئے تشریف لائے۔ کپور تھلہ سے چند ایک احباب آئے ہوئے تھے حضرت اقدسؑ نے ان سے ملاقات کی۔ اور طاعون کا حال اس طرف کا دریافت کیا اس سے پیشتر حضرت اقدسؑ قادیان کے شمال کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے مگر آج آپ نے حکم صادر کیا کہ اس طرف (یعنی مشرقی طرف) چلیے۔ گویا آج اس مشرقی زمین کے بخت بیدار ہوئے جس پر حضرت اقدسؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک قدم پڑنے تھے۔

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

آج بھی وہی مضمون زیر بحث رہا جس پر گزشتہ ایام میں بحث تھی کہ عیسائی جو دوسرے نبیوں کو گنہگار ٹھہراتے ہیں مسیح کے گناہوں کو کیوں چھپاتے ہیں فرمایا کہ

ان کو (عیسائیوں کو) بحث میں ذلت اور ندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں۔ دوسرے پر حملہ کرنے سے پیشتر اپنے گھر کی صفائی تو کرلیں۔ اگر موسیٰؑ کے قتل پر اعتراض ہے تو وہ توریت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے مگر مسیح کو کیا ہوا کہ انجیل نازل ہو رہی ہے اور کنجری سے تیل ملوا رہا ہے پھر موسیٰؑ کا فعل ارادتاً نہ تھا۔ نہ اس کو مارنے کا ارادہ تھا اس لئے قتل کا الزام غلط ہے میں

---

[1] البدر جلد ۱ صفحہ ۱۰ تا ۱۱ مورخہ ۷؍نومبر ۱۹۰۲ء نیز الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱ و ۲ مورخہ ۱۰؍نومبر ۱۹۰۲ء

نے خود دیکھا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص نے ایک بیل کو ڈنڈا مارا اور وہ مر گیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا چونکہ یہ ایک اتفاقیہ امر تھا آخر عدالت نے اسے چھوڑ دیا۔

بَلَغَ اَشُدَّہٗ سے مراد وہ نبوت لیتے ہیں اس سے مراد نبوت نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ جب ہوش آیا اَشُدَّ بھی دو قسم کی ہوتی ہے ایک وحی کی اَشُدَّ اور دوسری جسمانی اَشُدَّ موسیٰ نے مکا مارا۔ اتفاقیہ ایسی جگہ لگ گیا کہ موت واقع ہو گئی۔

مولوی محمد علی صاحب نے کہا کہ الہام کا سلسلہ بعد بپتسمہ لینے کے شروع ہوا اور روح القدس بھی پیچھے ہی اترا ہے۔ حضرت اقدسؑ نے فرمایا :-

پھر یوں کہو کہ مسیح کے برکات کا سرچشمہ یحییٰ ہی تھا۔ یحییٰ پاکیزگی بلا روح القدس نہیں مل سکتی یحییٰ بھی اس پر ایمان نہیں لایا وہ کہتا تھا کہ میں آنے والے سے اول آیا ہوں مگر اس نے ان کو مسیح نہیں مانا اور اسی لئے جب اس سے پوچھا گیا کہ تو ایلیاء ہے تو اس نے انکار کر دیا نیک نیتی کے ساتھ اسے (یحییٰ کو) کچھ امور پیش آگئے اس نے خیال کیا ہو گا کہ جب اس نے خود میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے تو یہ مسیح کیسے ہو گا۔ ان (عیسائیوں) پر سخت مشکلات ہیں بے وقوف ہیں جو اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔

پھر حضرت اقدسؑ نے مفتی محمد صادق صاحب کو حکم دیا کہ :-

ملک صدق کا حال دیکھنا جس نے حضرت ابراہیمؑ کو تحفہ اور سوغات دیئے تھے کیونکہ یہ تین آدمیوں کو مسیح کے علاوہ بے گناہ کہا کرتے ہیں ایک ملک صدق ۔ دوسری مریم تیسرے یحییٰ۔ ان کے نزدیک تو مسیح اور مریم ہی مسِّ شیطان سے پاک ہیں مگر قرآن نے مساوی رکھا ہے کہ ہر ایک راستباز مسِّ شیطان سے پاک ہے کچھ تہمتیں چونکہ حضرت مسیح علیہ السلام پر آگئی تھیں کہ یہودی لوگ ان کو مس شیطان سے منسوب کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے اور الزام لگاتے تھے اس لئے ان کا ذَبّ ضروری تھا ان پر سخت الزامات تھے اور اب تک وہی چلے آتے ہیں سو خدا نے وہی (الزام) اتارے ۔دوسروں (نبیوں) پر اس قدر الزام نہ تھے اس لئے ان کے ایسے ذکر کی ضرورت نہ تھی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کا خاصہ ہے کہ جیسے جیسے یہ بہت پیچھے پڑے ہیں اس طرف سے بہت سی باتیں نکلتی آتی ہیں لوگ کہا کرتے ہیں کہ "فقیراں دی بددعا لگ جاندی ہے" اسی طرح عیسیٰ کی بددعا ان کو لگ گئی جو وہ دیا کرتے تھے کہ تم بے ایمان ہو یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب بات انتہا تک پہنچ جاتی ہے تو بے ایمانوں سے جواب تو بن نہیں آتا اس لئے آخر خاموش ہو کر پیچھا چھوڑاتے ہیں۔

اندرونی مخالفوں کا ذکر

اندرونی مخالفوں کی حالت پر فرمایا کہ :-
اگر یہ کوئی تحریر نہیں کرتے تو دس بارہ آدمی مل کر آویں کہ ہمیں حق کی طلب ہے اور آدمیت کی بحث کریں جس میں چند ایک منصف مزاج بھی موجود ہوں اور تمام باتوں پر سنجیدگی سے غور کریں کہ حقیقت کھل جاوے مگر یہ لوگ ایسی بات کبھی نہیں چاہتے دراصل یہ لوگ اب سرد ہو گئے ہیں اپنی حفاظتوں کو مقدم رکھ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی ان (مرزائیوں) سے نہ ملے۔ ان کو جانے دو۔
پھر مولوی غلام قادر صاحب بھیروی کے ذکر اذکار دیگر احباب کرتے رہے کہ وہ وہابیوں کے سخت دشمن ہیں بلکہ ایک دفعہ میاں نجم الدین نے جب آپ کی بیعت کی تو اس نے طعنہ مارا کہ دیکھو تم نے وہی بات مانی جو ہم منواتے تھے اور اس نے حضور کی مخالفت میں کبھی نہ قلم اٹھایا نہ زبان کھولی بلکہ وہ اس سلسلہ کو اسلئے پسند کرتا تھا کہ وہابیوں کی خوب خبر لی۔
پیشہ وروں کی نازنمائی پر فرمایا کہ :-
یہ لوگ نازنمائی بغیر رہ نہیں سکتے ضرور کرتے ہیں۔

قبل وبعد از نماز مغرب

وَسِّعْ مَكَانَكَ

مغرب کی اذان سے پیشتر ہی حضرت اقدس بالائی مسجد میں تشریف لے آئے اور جس مکان کی خر کے متعلق حضور نے کشتی نوح میں اشتہار دیا ہے اس کا ذکر کرتے رہے کہ :-
توسیع مکان کی بہت ضرورت ہے جہاں تک ہو سکے جلدی فیصلہ کرنا چاہئے۔

پھر اذان ہوئی اور نماز ادا کر کے حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے۔ ایک خط اخبار عام کے کارپردازوں کی طرف سے حضرت اقدس کی خدمت میں آیا تھا جس کا راقم ایک شخص رحمت مسیح نامی بٹالہ سے تھا اس خط میں لکھا تھا کہ قادیان میں سخت طاعون پھوٹی ہے دھڑا دھڑ لوگ مر رہے ہیں مرزا صاحب کی جماعت بھی بہت طاعون سے تباہ ہو چکی ہے خود مرزا صاحب بھی مبتلائے طاعون ہیں وغیرہ وغیرہ۔
اخبار عام نے اس خط کو بجنسہٖ حضرت اقدس کے پاس تصدیق کے لئے روانہ کر دیا تھا اس کا

ذکر حضرت اقدسؑ نے کیا۔ راقمِ خط کے متعلق کہا کہ

حُسن ظنّی

بعض لوگ شدید فتنہ پردازی سے ایسا کرتے ہیں کہ ایک خط لکھ کر دوسرے مخالف کا نام اس پر لکھ دیا کرتے ہیں اس لئے کہ کیا معلوم کہ کس کا لکھا ہوا ہے میں نے اخبار عام کو لکھ دیا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے صرف چند ایک اموات چوڑھوں میں ہوئی ہیں سو ان کا باعث بھی مشکوک ہے چھ ڈنگر مرے تھے وہ چوڑھوں نے کھائے پھر جن لوگوں نے ان کو کھایا وہی مرے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ طاعون سے مرے۔

آخرین کا اِخلاص

پھر تین صاحبوں نے حضرت اقدس سے بیعت کی جس میں ایک صاحب سید اختر الدین احمد ساکن کٹک بنگال بھی تھے مولوی عبدالکریم صاحب نے احمد حسین صاحب آمدہ از کٹک کی طرف سے ایک کرنسی نوٹ اور کچھ زیورات حضرت کی خدمت میں پیش کئے۔ زیورات ان کی اہلیہ مرحومہ کی طرف سے تھے جن کی وصیت تھی کہ یہ خاص حضرت اقدس کی خدمت میں دینی خدمت کے لئے دیئے جائیں حضرت اقدس نے ان کے اخلاق کی تعریف کی اور فرمایا کہ :۔

خدا ان کو اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ (الجمعہ : ۴) میں ملاوے[1]

---

[1] الحکم میں ۳۱ اکتوبر- دربار شام کے زیر عنوان اس کی تفصیل یوں درج ہے :۔

"کٹک سے دو بھائی آئے ہوئے ہیں ان میں سے ایک نے نہایت اخلاص سے اپنی مرحومہ بیوی کا زیور حضور کی خدمت میں پیش کیا کیونکہ مرحومہ اس کی وصیت کر گئی تھی۔ مولوی نورالدین صاحب حکیم الامت نے اس پر عرض کیا کہ بڑے ہی اخلاص اور شہادت کا نشان ہے فرمایا :۔

اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ کہہ کر جو خدا تعالیٰ اس جماعت کو صحابہؓ سے ملاتا ہے تو صحابہؓ کا سا اخلاص اور وفاداری اور ارادت ان میں بھی ہونی چاہیئے صحابہؓ نے کیا کیا جس طرح پر انہوں نے خدا تعالیٰ کے جلال کے اظہار کو دیکھا اسی طریق کو انہوں نے اختیار کیا یہاں تک کہ اس کی راہ میں جانیں دے دیں وہ جانتے تھے کہ بیویاں بیوہ ہوں گی بچے یتیم رہ جائیں گے لوگ ہنسی کریں گے مگر انہوں نے اس امر کی ذرہ پروا نہ کی۔ انہوں نے سب کچھ گوارا کیا مگر اس ایمان کے اظہار سے نہیں رکے جو وہ اللہ اور اس کے رسول پر لائے تھے حقیقت میں ان کا ایمان بڑا قوی تھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اب دیکھ لو کہ ایک تو وہ گروہ تھا جس نے اپنی جانوں کو خدا کی راہ میں کچھ چیز نہ سمجھا اور ایک عیسائی جو مسیح کے کفارہ پر ناز کرتے ہیں اور ایک جان دینے پر گھمنڈ کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی غلط نکلی ہے مقابلہ کر کے دیکھو کہ صحابہ کی وفاداری اور استقلال جانوں کے دینے میں کیا تھا اور خود مسیح کا کیسا؟ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام

صحابہ کرام کے ذکر پر فرمایا کہ :-

شیعہ سب و شتم تو کرتے ہیں مگر ان کا (صحابہؓ کا) کام دیکھو کہ جیسے خدا کی مرضی تھی ویسے ہی اسلام کو پھیلا کر دکھا دیا خوب جانتے تھے کہ بیویاں مریں گی' بچے ذبح ہوں گے اور ہر ایک قسم کی تکلیف شدید ہوگی مگر پھر بھی خدا کے کام سے منہ نہ موڑا۔ یہی فقرہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک جماعت وہ ہے کہ اپنا نحب (ذمہ) ادا کر چکے ہیں جیسے مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡتَظِرُ (الاحزاب : ۲۴) کیسا سرٹیفکیٹ ہے کہ بعض نے میری راہ میں جان دے دی۔ایک جان وہ جس پر عیسائی پھڑک رہے ہیں اور پیچھے سے یہ معلوم ہوا کہ وہ بھی نہیں دی گئی

استغفار کی حقیقت

ہم نے تحقیق کر لی ہے کہ استغفار کے یہ معنے ہیں کہ انسانی قویٰ جو کرتوت کر رہے ہیں ان کا افراط و تفریط یعنی بے محل استعمال نا فرمانی ہوتا ہے تو خدا کا لطف و کرم مانگنا کہ تو رحم کر اور ان کے استعمال کی افراط و تفریط سے محفوظ رکھ یعنی اللہ تعالیٰ سے امداد طلب کرنی ہے۔ مسیح بھی خدا تعالیٰ کی مدد کے محتاج تھے اگر کوئی اس طرح نہیں سمجھتا تو وہ مسلمان نہیں۔

بڑا فنا فی اللہ وہ ہے جو کہ ہر آن میں خدا کی امداد چاہتا ہے جیسے اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ (الفاتحہ : ۵)

پھر مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے اپنی فینی ایک انگریزی عیسائی پرچہ میں سے حضرت اقدس کو ایک مضمون سنایا جو ایک مسلمان کے قلم سے استغفار کے متعلق نکلا ہوا تھا جس میں اس نے اپنی نادانی سے ایک عیسائی کو یہ جواب دیا تھا کہ استغفار کا حکم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ اس سے امت مقصود ہے کہ آپ کی امت استغفار کرے۔

اس عیسائی پرچہ کے ایڈیٹر نے اس پر اعتراض کیا ہوا تھا کہ اگر یہ حکم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس لئے ہوا کہ امت کو تعلیم دیں تو امت کے روبرو پڑھ کر سنا دینا کافی تھا مگر ایک دن میں ستر ستر اور سو سو بار استغفار کرنے اور پھر تنہائی میں کرنے سے کیا فائدہ تھا؟ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لوگ نادانی سے نہیں سمجھتے اس مسلمان شخص نے تو خود عیسائیوں کو اعتراض کا موقعہ دے دیا ہے اور یہ اس کی کم فہمی ہے۔ کہ اس نے خود استغفار کا مطلب نہیں سمجھا اس سے مراد تو

ترقی مراتب ہے۔

پھر ایک اور مسلمان کا مضمون اسی پرچہ میں سے سنایا جس نے لفظ ذنب کے متعلق لکھا ہوا تھا اور حضرت اقدسؑ کے مضمون مندرجہ انگریزی میگزین میں سے اس کا جواب اقتباس شدہ تھا اس شخص نے اپنے جواب میں اس انگریزی میگزین کا حوالہ بھی دے دیا تھا اس سے حضرت اقدس بہت خوش ہوئے کیونکہ اس ترتیب سے علاوہ جواب معقول ہونے کے اس سلسلہ کی یہ تائید ہوئی کہ تیرہ چودہ ہزار آدمیوں میں میگزین کا اشتہار ہوگیا جن کے پاس یہ عیسائی پرچہ جاتا ہے۔

بپتسمہ کا ظاہر اور حقیقت

پھر عیسائیوں کے بپتسمہ دینے کے وقت جو پانی وغیرہ چھڑکا جاتا ہے اور بعض ان کے فرقے اس وقت نئے دیندار کو ایک چھوٹے سے حوض میں دھکا دے دیتے ہیں اس کے ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

پانی کا لحاظ تو ہر ایک نے رکھا ہے ان لوگوں نے تالاب وغیرہ رکھا ہے اور قرآن نے گریہ و بکا کا پانی رکھا ہے۔وہ ظاہر پر گئے ہیں اور قرآن شریف حقیقت پر گیا ہے جیسے تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ (المائدہ : ۸۴)

عیسائیت اور شریعت

عیسائی پرچہ اپی فینی میں قرآن کریم پر شریعت کے متعلق حملہ کیا ہوا تھا اور اس کے مقابل پر انجیل کو مبارک بتلایا ہوا تھا جس نے شریعت کو لعنت کہا ہے اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

جب ان میں شریعت کوئی نہیں ہے تو اگر ان کو کہا جائے کہ نجاست کھاؤ تو کھا سکتے ہیں اور ماں کے ساتھ زنا کریں تو کر سکتے ہیں پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ کپڑا کیوں پہنتے ہیں۔ کیونکہ ان کو مذہب (شریعت) سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ برائے نام گناہ گناہ کرتے ہیں اور اصل میں چاہتے ہیں کہ ہر ایک گناہ کو چالاکی سے ہضم کرلیں جب ہر ایک قسم کی بدکاری کرنے پر وہ تیار ہیں تو پھر گناہ کیا شئے ہے اگر بالکہ ہمشیرہ یا لڑکی کو نکاح میں لادیں تو وہ حرام نہیں ہے اگر کہیں سابقہ کتب میں حرام ہے تو وہ ان کے نزدیک منسوخ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں پر فرمایا کہ
وہ تو جائز طور پر جن کو مارنا تھا مار چکے مگر ان لوگوں (عیسائیوں) نے لاکھوں خون ناجائز طور پر کئے عیسائی مذہبی جنگوں سے پتہ لگتا ہے کہ کس قدر خون ناحق ہوئے ہیں[۱]

اسلامی جنگیں بالکل دفاعی لڑائیاں تھیں جب کفار کی تکالیف اور شرارتیں حد سے گذر گئیں تو خدا تعالیٰ نے ان کو سزا دینے کے لئے یہ حکم دیا مگر عیسائیوں نے جو مختلف اوقات میں مذہب کے نام سے لڑائیاں کی ہیں ان کے پاس خدا تعالیٰ کی کونسی دستاویز اور حکم تھا جس کی رو سے وہ لڑتے تھے ان کو تو ایک گال پر طمانچہ کھا کر دوسری پھیر دینے کا حکم تھا۔[۲]

عُسر اور یُسر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلقِ عظیم

انسان کا خلق اس کی فتح اور کامیابی کے متعلق ہوتا ہے کہ جو کچھ صبر وغیرہ اخلاق فاضلہ مصیبت اور بلا کے وقت دکھلاتا ہے وہی فتح اور اقبال کے وقت دکھلاوے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں قسم کے وقتوں پر اخلاق دکھانے کا موقع ملا جو خلق عظیم تنگی اور بلا کے وقت آپ نے مکہ میں دکھلائے تھے وہی آپ نے بادشاہ ہو کر دکھلایا۔
حضرت مسیح کا کوئی شعبہ خلق کا دکھلاؤ وہ تو اس سے بالکل فارغ ہیں بلا ثبوت تو جوگی بھی مدعی ہوسکتے ہیں کہ ہم نے نفس کو مارا ہوا ہے ستر بی بی از بے چادری۔ مسیح نے تو امام حسین علیہ السلام جتنا حوصلہ بھی نہ دکھلایا کیونکہ ان کو مفر کی گنجائش تھی اگر چاہتے تو جا سکتے تھے مگر جگہ سے نہ ہلے۔ اور سینہ سپر ہو کر جان دی اور مسیح کو تو مفر ہی کوئی نہ تھا یہودیوں کی قید میں تھے حوصلہ کیا دکھلاتے[۳]

۲۲؍اکتوبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

(بوقت سیر)

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور مشرقی جانب آپ نے چلنے کا حکم

---

۱ البدر ۷؍نومبر ۱۹۰۲ء ۲ الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۳ مورخہ ۱۰؍نومبر ۱۹۰۲ء

۳ البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۲ تا ۱۳ مورخہ ۷؍نومبر ۱۹۰۲ء

دیا فرمایا کہ :-

اس طرف جنگل ہے ادھر ہی چلئے۔ جلد جنگل میں نکل جاتے ہیں۔

انبیاء کی پیشگوئیوں کا امتیاز

نزول المسیح کے متعلق مفتی محمد صادق صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ :-

پیشگوئی کا جس قدر تکرار ہو گا وہ ایک نیا نشان ہو گا خدا کا عمیق علم اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جن باتوں کا وجود بھی نہیں ہوتا۔ ان کی قبل از وقت خبر دے دیتا ہے اس کا علم غیبوبیت سے پتہ لگتا ہے جو کہ طاقتوں اور قدرتوں کے ساتھ بھرا ہوا ہوتا ہے اس علم میں غیب بھی ہوتا ہے اور طاقت بھی۔ نجومی جھوٹا ہوتا ہے اس کے ساتھ طاقت نہیں ہوتی مگر انبیاء کی خبروں میں طاقت ہوتی ہے جیسے دشمن کا ادبار اور اپنا اقبال دشمن کو شکست اور اپنی فتح۔ جو اسے نجومی کے ساتھ ملاتے ہیں وہ دھوکا کھاتے ہیں کیونکہ اس میں صراحت ہوتی ہے کہ وہ (نبی) ایسا وجود ہے کہ دشمن کو پامال کرنا چاہتا ہے یہ چھیڑ چھاڑ جو عیسائیوں (کے اعتراضوں) کی ہوتی ہے آخر کسی حد تک بڑھتی جاوے گی مگر آخر کار فیصلہ ہو گا۔ خدا تو ایک دم میں فیصلہ کر سکتا ہے مگر وہ تماشہ دیکھنا چاہتا ہے زمین میں کشمکش رہتی ہے مگر آخر کار فرشتہ آکر ہاتھ مارتا ہے تو فیصلہ ہو جاتا ہے۔[1]

ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی

پھر ڈوئی اور پگٹ کا ذکر ہوا کہ اسے اس ماہ کے آخر میں ہمارا رسالہ مل جاوے گا فرمایا :-

معلوم نہیں اخبار میں ذکر کرے یا چپ رہے اس کے چپ رہنے سے معلوم ہو گا کہ وہ جسے خدا بنا رہا ہے اسے کچھ جرات بھی ہے کہ نہیں۔ اگر ذکر نہ کیا تو معلوم ہو گا کہ اس عقیدہ میں اسے خود کھٹکا ہے جس جگہ اس نے ہاتھ ڈالا ہے اس کا اسے خود علم نہیں جو توحید پر نہیں ہوتا اسے اس کا قلب خود جھوٹا ثابت کرتا ہے ان لوگوں نے ہزاروں بحثیں کیں اور جلسے بھی کئے مگر

---

[1] الحکم میں یوں مذکور ہے :-

فرمایا۔

عیسائیوں کی چھیڑ چھاڑ مذہبی رنگ میں بہت بڑھ گئی ہے اور قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتنہ بہت بڑھے گا آخر خدا تعالیٰ مقابلہ کرے گا اور دکھا دے گا کہ آخری فتح توحید ہی کی ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ ر نومبر ۱۹۰۲ء)

اب تک کوئی ایسی بات نہ ثابت کر سکے کہ حضرت مسیح کو انسان سے برتر کچھ خصوصیت ہے۔

ٹھاکرداس نے بھی مان لیا ہے کہ انجیل کتب سابقہ کا خلاصہ ہے کوئی نئی نہیں ہے مسیح صرف مصلوب ہونے کو آیا تھا۔

ڈوئی کے نزدیک انسان حقہ ' شراب اور سور کھانے سے تو کافر ہو جاتا ہے مگر انسان کو خدا بنانے سے نہیں ہوتا۔ دوسرے مشرک تو مثل چوہوں کے ہیں ان سے تو وہ نفرت کرتا ہے اور جو بڑا بھاری مشرک ہاتھی کی مثل ہے اسے قبول کیا ہوا ہے قوم کو چونکہ اس شرک میں بہت ہی گرفتار دیکھا اس لئے دلیری نہ کر سکا کہ ان کی مخالفت کرے (مسیح کو خدا ماننے میں)

پگٹ

پگٹ کے ذکر پر فرمایا کہ

یہ لوگ بہت ہی گھبرائے ہوئے ہیں کہ آخر گھبرا گھبرا کر مسیح کو منگوا رہے ہیں۔ ڈوئی و پگٹ کے دعاوی کی اشاعت پر فرمایا کہ

ان کی شہرت کا باعث اخبار ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں پنجاب کے اخبار تو گویا برائے نام ہیں وہاں تو ایک دن میں لاکھوں کو خبر ہو جاتی ہے۔

ڈوئی کی نسبت اگر ہمارے مقابلہ پر پگٹ آئے تو بہت اثر ہو گا دجال ایک گروہ کا نام ہے اور مسیح سیاحت کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ان لوگوں نے نبوت کا دعویٰ کیا کہ خدا کی کتابوں کو توڑ موڑ کر اپنے منشا کے مطابق بنا لیا اور پھر فلسفہ کے رنگ میں خدائی کا دعویٰ کیا ان کی مثال ایسی ہے کہ ایک شاگرد استاد سے پڑھ رہا تھا سبق میں مثال آئی "ضَرَبَ زَیۡدٌ عَمۡرًوا" شاگرد نے استاد سے پوچھا کہ زید نے عمرو کو کیوں مارا؟ استاد نے کہا کہ صرف ایک مثال ہے شاگرد نے کہا نہیں یہ تو اصل واقعہ ہے سبب بتلایئے کہ مار تک نوبت کیوں پہنچی؟ آخر استاد نے دیکھا کہ یہ پیچھا نہیں چھوڑتا اس نے کہا کہ اب مجھے مار کا سبب یاد آگیا ہے کہ عمرو نے و کا حرف چرا لیا ہے اور اپنے نام کے ساتھ لگا لیا ہے تب شاگرد نے کہا اب ٹھیک ہے باعث تو معلوم ہو گیا۔

فرمایا کہ :۔

پگٹ کو ضرور چٹھی لکھنی چاہئے اگر مقابلہ کرے تو خوب اثر ہو گا اور لوگ بھی توجہ کریں گے۔

مفتی صاحب نے کہا کہ چٹھی لکھ دی ہوئی ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

بہ نسبت امریکہ کے ولایت والوں کو ہم سے بہت واسطہ ہے اس کا اگر مقابلہ ہو اور وہ مقابلہ لکھا جاوے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی نشان ظاہر کر دے ڈوئی نے تو کم مرتبہ اختیار کیا ہے مثل

غلاموں کے۔ اگر وہ (پگٹ) ذرہ دلیر بنے تو یہ (ڈوئی) قابو میں آیا ہوا ہے کیونکہ وہ اس کی مقررہ معیاد کے اندر آگیا ہے۔ کہدیوے کہ مسیح پانی کی طرح پگھل کر آسمان سے آیا ہے اور میرے اندر رچ گیا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ دجال کے متعلق جب سوال ہوا کہ کیا وہ ایسے اعلیٰ درجہ والا ہو گا کہ چاند سورج سب پر اختیار پاوے گا اور مردے زندہ کرے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ جھوٹ ہے اسے رتی بھر اختیار نہ ہو گا صرف مکر اور حیلہ ہی ہو گا۔

فرمایا :-

ڈوئی نے ایک بات عجیب کی ہے کہ معجزات مسیح کی مٹی پلید کر دی۔ سلب امراض کے معجزے ہی مسیح کی نسبت ان کے ہاتھ میں تھے ویسے ہی ڈوئی بھی کرتا ہے اور جب کوئی اعتراض کرے کہ تمہاری لڑکی اچھی نہ ہوئی تو جواب دیتا ہے کہ مسیح سے بھی فلاں فلاں مریض اچھا نہ ہوا۔

کیسے منحوس معجزے تھے کہ جو شخص ان کے نزدیک کافر ہے وہ بھی معجزے دکھلا سکتا ہے حالانکہ موسیٰؑ کی طرح نہ اس نے سوٹے کو سانپ بنایا اور نہ کچھ اور۔

بس یہی استدلال کافی ہے کہ زہے خدائی کہ ایک کافر نے بھی وہی بات کر کے دکھا دی۔ سلب امراض کوئی شئے نہیں ہے یہودی بھی کر سکتے ہیں اور فاسق فاجر جو خدا کی راہ سے غافل ہیں وہ بھی کر سکتے ہیں ڈوئی سے پوچھا جائے کہ مسیح کے معجزات تو وہی ہیں جو تو کر رہا ہے اور تو ان لوگوں کے نزدیک کافر ہے اب بتلا کہ مسیح کے وہ معجزات کونسے ہیں جو اس کی خدائی پر دلیل ہیں؟

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں ایرانی لوگ مشرک تھے اور قیصر روم جو کہ عیسائی تھا دراصل موحد تھا اور مسیح کو ابن اللہ نہیں مانتا تھا اور جب اس کے سامنے مسیح کا وہ ذکر جو قرآن میں درج ہے پیش کیا گیا تو اس نے کہا میرے نزدیک مسیح کا درجہ اس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں جو قرآن نے بتلایا ہے حدیث میں بھی اس کی گواہی بخاری میں موجود ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی کلام ہے جو کہ توریت میں ہے اور اسکی حیثیت نبوت سے بڑھ کر نہیں ہے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (الروم : ۲ تا ۵) یعنی روم اب مغلوب ہو گیا ہے مگر تھوڑے عرصہ میں (۹ سال میں) پھر غالب ہو گا عیسائی لوگ نہایت شرارت سے کہتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونو طاقتوں کا اندازہ کر لیا تھا اور پھر فراست سے یہ پیشگوئی کر دی تھی۔

مسیح کا سلب امراض کا معجزہ

ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مسیح بھی بیماروں کو دیکھ کر اندازہ کر لیا کرتا تھا جو اچھے ہونے کے قابل نظر آتے تھے ان کا سلب امراض کر دیتا۔ اس طرح تو سارے معجزات ان کے ہاتھ سے جاتے ہیں یَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ (الروم:۵) اس دن مومنوں کو دو خوشیاں ہوں گی ایک تو جنگ بدر کی فتح۔ دوسری رومی روم والی پیشگوئی کے پورا ہونے کی۔

منتر جنتر بھی سلب امراض ہی ہے مگر بڑا خبیث کام ہے اس لئے اسلام میں اس کی بجائے خدا پر توقع کا حکم دیا گیا ہے اور صرف روحانی امراض کے لئے سلب رکھا گیا ہے جیسے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا (الشمس : ۱۰) حضرت مسیح تو روحانی امراض کا سلب نہ کر سکے اس لئے گالیاں دیئے چلے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلب امراض کا نمونہ صحابہ ہیں[1]

صحابہ کا مقام اور شیعوں پر حجت

اسی طرح آزمائش کرو کہ خدا اور رسول کی راہ میں کس نے صدق دکھلایا۔ آپس کی رنجشیں خانگی امور ہوتے ہیں ان کا اثر ان (صحابہ) پر نہیں پڑ سکتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ (الحجر : ۴۸) اور عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (الحجر : ۴۸)۔ یہ ایک پیشگوئی ہے کہ آئندہ زمانہ میں آپس میں رنجشیں ہوں گی لیکن غِلٍّ ان کے سینوں میں سے ہم کھینچ لیں گے وہ بھائی بھائی ہوں گے تختوں پر بیٹھنے والے۔ اب شیعوں سے پوچھو کہ اس وقت زمانہ نبوی میں تو کوئی رنجش نہ تھی اور اگر ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت آپس میں صلح کرا دیتے آخر یہ بات آئندہ زمانہ میں ہونے والی تھی ورنہ اس طرح پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حرف آتا ہے کہ انہوں نے صلح کی کوشش تو کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔

---

[1] الحکم میں مضمون کا یہ حصہ ڈائری نویس نے تفصیل سے یوں لکھا ہے :۔

سلب امراض سے جن لوگوں کو مسیح نے عیسائیوں کے قول کے موافق زندہ کیا وہ آخر مر گئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا کے نیچے لا کر جن کو زندہ کیا وہ ابد الآباد تک زندہ رہے صحابہ کا مقابلہ حواریوں سے ہو ہی نہیں سکتا۔ ساری انجیل میں ایک بھی ایسا فقرہ نہیں جو صحابہ کی اس حالت کا جو قرآن نے بیان کی ہے کہ خدا کی راہ میں انہوں نے جان و مال سے دریغ نہ کیا' مقابلہ کر سکے انہوں نے خدا اور رسول کی راہ میں جو صدق دکھلایا وہ لا نظیر ہے۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۴ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

یہ بات شیعہ پر بڑی دلیل ہے وہ صرف دو آدمیوں کا نام لیتے ہیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آیت تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تھی نہ علیؓ پر اور نہ کسی اور پر۔ اگر کہو کہ اس وقت ہی غِلّ تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ نعوذباللہ صحابہ ایسے سخت دل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار کہا اور سمجھایا مگر کسی نے آپ کا کہنا نہ مانا۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے یہ تو بڑی بے ادبی ہے۔

اس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ بعد کی خبر ہے مگر خدا تعالیٰ کے سامنے یہ کوئی شے نہیں اسی لئے فرماتا ہے کہ تم اس پر خیال نہ کرو یہ بشریت کے اختلاف ہیں ہم ان کو بھائی بھائی بنا دیویں گے خدا تعالیٰ ہی نے یہ پیشگوئی کی کہ ایسا ہو گا بعض آپس میں لڑیں گے پھر سب سے آخر جو لوگ اسلام میں داخل ہوئے تھے نیز فرمایا

وہ وہی گروہ تھے کہ جنہوں نے آپ کی صحبت نہ پائی مگر آپ کو دیکھ لیا ایسے لوگ تیسرے طبقہ میں ہیں اور بعض ان میں سے مرتد بھی ہو گئے تھے ان کی نسبت ہے کہ آپؐ (بروز قیامت) خدا تعالیٰ کو کہیں گے کہ یہ تو ایمان لائے تھے خدا تعالیٰ کہے گا مَا تَدْرِیْ یعنی تجھ کو علم نہیں کیونکہ وہ لوگ آپ کی صحبت میں بہت قلیل رہے تھے اور وہی تھے جو پیچھے بعض ان میں سے مرتد بھی ہو گئے اور زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے قتل ہوئے تھے اہل اسلام خود اس قسم کے مرتد مانتے ہیں جو صحابہ کہلاتے تھے مگر یہ تو قرآن ہے جو بتلاتا ہے کہ جو آپس میں موحدین ہوں گے ان میں بھی تفرقہ ہو گا ایک وہ موحد تھے جنہوں نے کم وقت پایا اور پھر ان کی نسبت قرآن شریف نے کہا ہے قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ (الحجرات : ۱۵) یعنی (یوں کہو کہ) ہم نے مقابلہ چھوڑ دیا لیکن ان کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا انہی کی طرف اشارہ ہے وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر : ۳) کجا صحابہ کی شان اور کجا یہ لوگ۔ ایک گروہ جان دے چکا۔ خدا نے روح القدس سے اس کی تائید کی۔

بعض وقت غیر محل پر ذکر کرنے سے ایک عالم بھی گھبرا جاتا ہے جیسے اگر کوئی شیعہ کہے کہ......... کون ہے تو خدا نے بتلا دیا کہ یہ لوگ جو پیچھے آئے تھے اور داخل اسلام ہوئے تھے۔

(مغرب وعشاء)

اَلدَّار کی توسیع

مجوزہ مکان کی تعمیر کے واسطے میر صاحب کو ارشاد فرمایا کہ لکڑی کا بندوبست بہت جلد کرنا

چاہئے اور مولوی عبدالکریم صاحب کو تاکید کی کہ

احباب کی توجہ چندہ کی طرف مائل کرنی چاہئے اور تاکید کرنی چاہئے کیونکہ یہ کام بغیر چندہ کے نہیں ہو سکتا۔

(اس مکان کی تعمیر کرنے کی علت غائی یہ ہے کہ توسیع مکان ہو جائے گی تو زیادہ احباب اس میں رہ سکیں گے اور خصوصیت کے ساتھ جو الہام اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ ہے وہ تمام اس حفاظت خاص سے حصہ گیر ہو سکیں گے)

مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط حامد سنو صاحب (ایک نومسلم انگریز) کا پڑھ کر سنایا۔ اس میں راقم نے اس امر پر تعجب کیا ہوا تھا کہ میگزین کی انگریزی مولوی محمد علی صاحب کی ہوتی ہے اور نیز راقم نے ایک کتاب تصنیف کی تھی اس کے متعلق بیان تھا کہ اگر اجازت ہو تو وہ حضرت اقدس کے نام مبارک پر طبع کی جاوے۔ حضرت اقدس نے کہا کہ

اول وہ کتاب آجاوے دیکھ کر پھر رائے قائم کی جاوے گی۔

اور اس پر حضرت اقدس نے یہ بھی تجویز فرمایا کہ

ایک اہم ارشاد

اپنے عقائد کی ایک مختصر فہرست چھاپ دی جاوے کہ عقیدہ کے ہر پہلو کا اس میں بیان ہو معجزات۔ فرشتے۔ وحی۔ حیات و وفات مسیح وغیرہ تاکہ جب کسی کو اپنے عقائد کی اطلاع دینی ہو تو جھٹ وہ روانہ کر دی جائے۔

میر ناصر نواب صاحب کی تائید پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مولوی محمد علی صاحب کا ایسی عمدہ انگریزی لکھنا ایک خارق عادت امر ہے چنانچہ انگریزوں نے بھی خیال کیا ہے کہ ہم نے کوئی یورپین رکھا ہوا ہے جو کہ انگریزی رسالہ لکھتا ہے۔

مولوی محمد علی صاحب نے بیان کیا کہ یہ خدا کا فضل ہی ہے ورنہ اس سلسلہ سے پیشتر میرا ایک حرف تک کہیں شائع نہیں ہوا۔

گناہ کی تعریف

مفتی محمد صادق صاحب حسب الارشاد حضرت اقدس ایک عیسائی کی کتاب سے گناہ کی حقیقت سناتے رہے اس کتاب میں ایک جگہ گناہ کی تعریف یہ لکھی تھی کہ جو امر کانشنس یا شریعت کے خلاف ہو وہ گناہ ہے

حضرت اقدس نے فرمایا :-

قرآن شریف میں بھی ہے لَوْكُنَّا نَسْمَعُ اَوْنَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (الملک : ۱۱) یعنی اگر ہم شریعت پر چلتے یا کانشنس پر ہی عمل کرتے تو اصحٰب السعیر سے نہ ہوتے۔

موسیٰ پر الزام مکا مارنے کا جو عیسائی لگاتے ہیں' اس کی نسبت فرمایا کہ

وہ گناہ نہیں تھا ان کا ایک اسرائیلی بھائی نیچے دبا ہوا تھا طبعی جوش سے انہوں نے ایک مکا مارا وہ مرگیا جیسے اپنی جان بچانے کے لئے اگر کوئی خون بھی کردے تو وہ جرم نہیں ہوتا۔ موسیٰؑ کا قول جو قرآن شریف میں ہے هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ (القصص : ۱۶) یعنی قبطی نے اس اسرائیلی کو عمل شیطان (فاسد ارادہ) سے دبایا ہوا تھا۔

پھر اس کتاب میں خود غرضی کو گناہ کہا تھا حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہر ایک خود غرضی گناہ میں داخل نہیں ہے جیسے کھانا پینا وغیرہ جبتک کہ وہ خلاف کانشنس یا شریعت نہ ہو جب خدا کے حکم کو توڑ کر کوئی شہوات کی خواہش کرے تو گناہ ہے اور جو (اشارہ مسیح) اپنے نفس کے لئے نجات چاہتا ہے یہ خود غرضی ہے کہ نہیں؟

مسیح کے گناہ اٹھانے پر فرمایا کہ

اس نے تمام کے گناہ اُٹھا کر پھر گناہ کیا کہ اس کو معلوم تھا کہ دعا قبول نہ ہوگی مگر پھر بھی کرتا ہی رہا۔[1]

۲۳؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء (صبح کی سیر)

قرآن کریم کا مقام

اس سلسلہ مضمون میں فرمایا کہ :-

مسلمانوں میں قرآن کی عظمت نہیں رہی۔ شیعہ ہیں وہ ائمہ کے اقوال کو مقدم کرتے ہیں اور دوسرے فریق حدیثوں کے ظنی سلسلہ کو قرآن پر قاضی بناتے ہیں۔

اسی ذکر میں عبداللہ چکڑالوی اور محمد حسین کی بحث کا ذکر آگیا فرمایا :-

چکڑالوی نے تفریط کی ہے اور حدیث کو بالکل لاشئے سمجھا ہے اور محمد حسین افراط کی طرف گیا ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن کو لاشئے سمجھتا ہے۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۲ ص ۱۴-۱۵ مورخہ ۷؍ نومبر ۱۹۰۲ء

کتاب اللہ، سُنّت اور حدیث

پھر آپ نے واضح اور بین طور پر اس مضمون پر کلام کیا کہ
ہمارے نزدیک تین چیزیں ہیں ایک کتاب اللہ دوسرے سنت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور تیسرے حدیث۔ ہمارے مخالفوں نے دھوکہ کھایا ہے کہ سنت اور حدیث کو باہم ملایا ہے ہمارا مذہب حدیث کے متعلق یہی ہے کہ جب تک وہ قرآن اور سنت کے صریح مخالف اور معارض نہ ہو اس کو چھوڑنا نہیں چاہئے خواہ وہ محدثین کے نزدیک ضعیف سے ضعیف کیوں نہ ہو جبکہ ہم اپنی زبان میں دعائیں کر لیتے ہیں تو کیوں حدیث میں آئی ہوئی دعائیں نہ کریں جبکہ وہ قرآن شریف کے مخالف بھی نہیں۔ قرآن شریف پر حدیث کو قاضی بنانا سخت غلطی ہے اور قرآن شریف کی بے ادبی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک بڑھیا نے حدیث پیش کی تو انہوں نے یہی کہا کہ میں ایک بڑھیا کے لئے قرآن شریف نہیں چھوڑ سکتا۔ ایسا ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کسی نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے ماتم کرنے سے مردہ کو تکلیف ہوتی ہے تو انہوں نے یہی کہا کہ قرآن میں تو آیا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (انعام : ۱۶۵) پس قرآن پر حدیث کو قاضی........ بنانے میں اہل حدیث نے سخت غلطی کھائی۔

اصل بات یہ ہے کہ اپنی موٹی عقل کی وجہ سے اگر کوئی چیز قرآن میں نہ ملے تو اس کو سنت میں دیکھو اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جن باتوں میں ان لوگوں نے قرآن کی مخالفت کی ہے خود ان میں اختلاف ہے ان کی افراط تفریط نے ہم کو سیدھی اور اصل راہ دکھا دی جیسے یہودیوں اور عیسائیوں کی افراط اور تفریط نے اسلام بھیج دیا۔

پس حق بات یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے ذریعہ تواتر دکھا دیا ہے اور حدیث ایک تاریخ ہے اس کو عزت دینی چاہئے سنت کا آئینہ حدیث ہے۔

یقین پر ظن کبھی قاضی نہیں ہوتا کیونکہ ظن میں احتمال کذب کا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قابل قدر ہے انہوں نے قرآن کو مقدم رکھا ہے۔

نزول اور ختمِ نبوت کی حقیقت

احادیث میں مسیح موعود کے لئے نزول من السماء نہیں لکھا نزول کا لفظ ہے اور یہ ظلی معنی رکھتا ہے نہ کہ حقیقی۔ نزیل لغت میں مسافر کو کہتے ہیں کیا وہ آسمان سے اترتا ہے بہرحال قرآن ہر میدان میں فتح یاب ہے۔ آپؐ کو خاتم النبیین ٹھہرایا اور اٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ

کہہ کر مسیح موعود کو اپنا بروز بتا دیا ہے۔

معراج ایک کشف تھا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات اسی جسم کے ساتھ آسمان پر گئے ہیں مگر وہ نہیں دیکھتے کہ قرآن شریف اس کو رد کرتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی رویا کہتی ہیں۔

حقیقت میں معراج ایک کشف تھا جو بڑا عظیم الشان اور صاف کشف تھا اور اتم اور اکمل تھا کشف میں اس جسم کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ کشف میں جو جسم دیا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا حجاب نہیں ہوتا بلکہ بڑی بڑی طاقتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں اور آپؐ کو اسی جسم کے ساتھ جو بڑی طاقتوں والا ہوتا ہے معراج ہوا۔

پھر آپ نے اس امر کی تائید میں چند آیات سے استدلال کیا کہ جسم آسمان پر نہیں جاتا یہ باتیں قریباً پہلے ہم بار بار درج کر چکے ہیں بخوف طوالت اعادہ نہیں کرتے۔

مسیح کی پیدائش اور خارق عادت امور

مسیح کی پیدائش کے ذکر پر فرمایا کہ

خدا کی سنت دو طرح پر ہوتی ہے ایک کثرتی جیسے عموماً عورت سے دودھ نکلتا ہے مگر بعض اوقات نر سے بھی نکلا کرتا ہے ایسے واقعات دنیا میں ہوئے ہیں یہ قلیل الوقوع واقعات خارق عادت کہے جاتے ہیں[1]

---

۴ ۲ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربارِ شام

برادر مکرم محمد یوسف صاحب اپیل نویس نے اپنے گاؤں میں بعض لوگوں کے شکوک کے رفع کرنے کے واسطے بعض احباب کو حضرت اقدس کے ایما سے لے جانا چاہا اس کی تجویز ہوئی کہ مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی سرور شاہ صاحب کو بھیجا جاوے۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء

مسیح کی عصمت

پھر مفتی محمد صادق صاحب نے رسالہ بے گناہی مسیح سنایا۔
اس کے ضمن میں مندرجہ ذیل نکات آپ نے بیان فرمائے :-
قرآن شریف میں خدا تعالیٰ کے اسماء مفعول کے لفظ میں نہیں جیسے قدوس تو ہے مگر معصوم نہیں لکھا کیونکہ پھر بچانے والا اور ہوگا۔
اس پر حضرت مولوی نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ حضور وجودیوں سے جب کبھی مجھے کلام کرنے کا موقع ملا ہے میں نے یہی کہا ہے کہ خدا کا نام موجود نہیں لکھا کیونکہ موجود بمعنی مُدْرَك ہے اور خدا تعالیٰ کی شان ہے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (الانعام : ۱۰۴)اور پھر یہ لفظ صحابہ میں بھی نہیں بولا گیا۔
فرمایا :-
جیسے مسیح پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان کو صلیب پر چڑھایا گیا ایسا واقعہ کسی نبی کے ساتھ نہیں ہوا۔گناہ کا کمال کفر پر جا کر ہوتا ہے اور مسیح پر یہودیوں نے کفر کا فتویٰ لگایا (ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں نے برخلاف اس کے آپ کو اَلْاَمِیْن اور اَلْمَامُوْن کہا۔مسیح کے مخالفوں کا ان کی نسبت کفر کا فتویٰ دینا اور آپؐ کے مخالفوں کا آپ کو اَلْاَمِیْن کہنا رتبہ اور درجہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا فرق بتاتا ہے۔[1]

۲۶؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

مولوی جمال الدین صاحب ساکن سید والا نے سوال کیا کہ حضرت زکریا علیہ السلام کی بابت جو آیا ہے کہ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا (آل عمران : ۴۲) کیا اس سے یہ مراد ہے کہ وہ کلام نہ کریں گے۔ فرمایا :-
اس سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ لَا تَسْتَطِيْعُ نہیں کہا۔

معجزہ کی حقیقت

سلیمان علیہ السلام کے لئے جو آیا ہے کہ لوہا نرم کر دیا اس سے کیا مراد ہے؟

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۵ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

فرمایا :-

تدابیر مشہودہ سے الگ ہو کر جو فعل ہوتا ہے اس میں اعجازی رنگ ہوتا ہے معجزات جن باتوں میں صادر ہوتے ہیں ان میں سے بہت سے افعال ایسے ہوتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان میں شریک ہوتے ہیں مگر نبی ان تدابیر اور اسباب سے الگ ہو کر وہی فعل کرتا ہے اس لئے وہ معجزہ ہوتا ہے اور یہی بات یہاں سلیمانؑ کے قصہ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کیا لوگ قصائد نہ کہتے تھے؟ کہتے تھے مگر آنحضرت صلی علیہ وسلم نے جو کلام فصیح وبلیغ پیش کیا تو وہ جوڑ توڑ کا نتیجہ نہ تھا بلکہ وحی سے تھا اس لئے معجزہ تھا کہ درمیان اسباب عادیہ نہ تھے۔ آپ نے کوئی تعلیم نہ پائی تھی اور بدوں کوشش کے وہ کلام آپ نے پیش کیا۔ غرض اسی طرح لوہا نرم کرنے کا معجزہ ہے کہ اس میں اسباب عادیہ نہ تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے اور معنی بھی ہوں مشکلات صعب سے بھی مراد لوہا ہوتا ہے۔ وہ حضرت سلیمان پر آسان ہو گئیں مگر اصل اعجاز کا کسی حال میں انکار نہیں کرتے ورنہ اگر خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر ایمان نہ ہو تو پھر خدا کو کیا مانا؟

ہم اس کو خارق عادت نہیں مان سکتے جو قرآن شریف کے بیان کردہ قانون قدرت کے خلاف ہو مثلاً ہم احیاء موتی حقیقی کا کیوں انکار کرتے ہیں؟ اس لئے کہ قرآن شریف نے یہ فیصلہ کر دیا ہے فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ (الزمر : ۴۳)

اسی طرح ہم یہ نہیں مان سکتے کہ خدا اپنے جیسا کوئی اور خدا بھی بنا لیتا ہے کیونکہ یہ اس کی توحید کے خلاف ہے یا یہ کہ وہ خود کشی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی صفت حی وقیوم کے خلاف ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور یہاں ہی دوزخ بہشت ہوگا، ہم نہیں مان سکتے۔ اسکی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (الفاتحہ : ۴) کے خلاف ہے اور اس کے خلاف جا ٹھہرتا ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (الشوریٰ : ۸) ایسا ہی ہم مان نہیں سکتے کہ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر بھی چڑھ سکتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے کہا کہ تو آسمان پر چڑھ جا' آپ نے یہی فرمایا

سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۹۴)

ایسا ہی مُردے اگر واپس آ سکتے تو چاہئے تھا کہ قرآن شریف ان کے لئے کوئی خاص قانون وراثت بیان کرتا اور فقہ میں کوئی باب اس کے متعلق بھی ہوتا غرض جو امور قرآن شریف کے بیان کردہ قانون کے خلاف ہیں ہم ان کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم کا متن

پوچھا گیا کہ قرآن کا جو نزول ہوا ہے وہ یہی الفاظ ہیں یا کس طرح؟

فرمایا :-

یہی الفاظ ہیں اور یہی خدا کی طرف سے نازل ہوا قرات کا اختلاف الگ امر ہے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (الحج : ۵۳) میں لَامُحَدَّثٍ قرأت شاذہ ہے اور یہ قرأت حدیث صحیح کا حکم رکھتی ہے جس طرح نبی اور رسول کی وحی محفوظ ہوتی ہے اسی طرح محدث کی وحی بھی محفوظ ہوتی ہے جیسا کہ اس آیت سے پایا جاتا ہے

جبرائیل علیہ السلام کا نزول

پوچھا گیا جبرائیل کا نزول قلب پر ہوتا تھا یا آواز آتی تھی فرمایا :-

اس میں بحث کی کچھ ضرورت نہیں جبرائیل کا تعلق قلب ہی سے ہوتا ہے اور قرآن شریف میں یہ لفظ آیا بھی ہے مگر یہ عالم الگ ہی ہوتا ہے قرآن شریف جو تمام کتابوں اور علوم کا خاتمہ کرتا ہے اس لئے وہ بڑی اقویٰ وحی ہے اور شدت کے ساتھ اس کا نزول تھا۔

اِسلام فطرتی مذہب ہے

ایک شخص نے اپنی رؤیا سنائی جس میں یہ آیت تھی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم : ۳۱)

فرمایا :-

اس کے معنی یہی ہیں کہ اسلام فطرتی مذہب ہے انسان کی بناوٹ جس مذہب کو چاہتی ہے وہ اسلام ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اسلام میں بناوٹ نہیں ہے اس کے تمام اصول فطرت انسانی کے موافق ہیں۔تثلیث اور کفارہ کی طرح نہیں ہیں کہ جو سمجھ میں نہیں آسکتے۔ عیسائیوں نے خود مانا ہے کہ جہاں تثلیث نہیں گئی وہاں توحید کا مطالبہ ہوگا کیونکہ فطرت کے موافق توحید ہی ہے اگر قرآن شریف نہ بھی ہوتا۔ تب بھی فطرت انسانی توحید ہی کو مانتی۔ کیونکہ وہ باطنی شریعت کے موافق ہے ایسا ہی اسلام کی کل تعلیم باطنی شریعت کے موافق ہے برخلاف عیسائیوں کی تعلیم کے جو مخالف ہے دیکھو حال ہی میں امریکہ میں طلاق کا قانون خلاف انجیل پاس کرنا پڑا۔

یہ دقت کیوں پیش آئی اس لئے کہ انجیل کی تعلیم فطرت کے موافق نہ تھی۔

مسیح کو صلیب پر لٹکائے جانے کے دلائل

سوال کیا گیا کہ مسیح کو صلیب پر چڑھانا قرآن سے کہاں ثابت ہوتا ہے؟

فرمایا

وَلٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ (النساء : ۱۵۸) یہ واقعہ عیسائیوں اور یہودیوں کے متواترات سے ہے قرآن شریف اس کا انکار کیوں کرنے لگا تھا قرآن یا حدیث صحیح میں کہیں ذکر نہیں ہے کہ مسیح چھت پھاڑ کر آسمان پر چلا گیا۔ یہ صرف خیالی امر ہے کیونکہ اگر مسیح صلیب پر چڑھایا نہیں گیا اور وہ کوئی اور شخص تھا۔ تو دو صورتوں سے خالی نہیں یا دوست ہو گا یا دشمن۔ پہلی صورت میں مسیح نے اپنے ہاتھ سے ایک دوست کو ملعون بنایا جس لعنت سے خود بچنا چاہتا تھا اس کا نشانہ دوست کو بنایا۔ یہ کون شریف پسند کر سکتا ہے پس وہ حواری تو ہو نہیں سکتا اگر دشمن تھا تو چاہئے تھا کہ وہ دہائی دیتا اور شور مچاتا کہ میں تو فلاں شخص ہوں مجھے کیوں صلیب دیتے ہو میری بیوی اور رشتہ داروں کو بلاؤ میرے فلاں اسراران کے ساتھ ہیں تم دریافت کرلو۔

غرض اس تواتر کا انکار فضول ہے اور قرآن شریف نے ہرگز اس کا انکار نہیں کیا۔ہاں یہ سچ ہے کہ قرآن شریف نے تکمیل صلیب کی نفی کی ہے جو لعنت کا موجب ہوتی تھی۔ نفس صلیب پر چڑھائے جانے کی نفی نہیں کی اس لئے مَاقَتَلُوْہُ کہا اگر یہ مطلب نہ تھا تو پھر مَاقَتَلُوْہُ کہنا فضول ہو جائے گا یہ ان کے تواترات میں کہاں تھا؟ یہ اس لئے فرمایا کہ صلیب کے ذریعہ قتل نہیں کیا پھر مَاصَلَبُوْہُ سے اور صراحت کی اور لٰکِنْ شُبِّہَ لَھُمْ سے اور واضح کر دیا کہ وہ زندہ ہی تھا یہودیوں نے مردہ سمجھ لیا۔

اگر آسمان پر اٹھا لیا جاتا تو خدا تعالیٰ کی قدرت پر ہنسی ہوتی کہ اصل مقصود تو بچانا تھا یہ کیا تماشا کیا کہ دوسرے آسمان سے پہلے بچا ہی نہ سکا۔ چاہئے تھا کہ ایک یہودی کو ساتھ لے جاتے اور آسمان سے گرا دیتے تاکہ ان کو معلوم ہو جاتا۔

فرمایا :۔

رَفَعْنَاہُ مَکَانًا عَلِیًّا (مریم:۵۸) میں ان کو ماننا پڑا ہے کہ ادریسؑ مر گیا۔ صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ اگر حضرت ادریس کو ایسا مانیں تو پھر ان کے بھی واپس آنے کا عقیدہ رکھنا پڑتا ہے جو صحیح نہیں تعجب ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے لئے توَفّی موجود ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

۲۷؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

(بوقت صبح کی سیر)

یروشلم اور بیت المقدس سے مُراد

اس تذکرہ پر کہ عیسائیوں اور یہودیوں میں پھر اس امر کی تحریک ہو رہی ہے کہ ارض مقدس کو ترکوں سے خرید لیا جاوے مختلف باتوں کے دوران میں فرمایا :۔

یروشلم سے مراد دراصل دارالامان ہے یروشلم کے معنی ہیں وہ سلامتی کو دیکھتا ہے یہ سنت اللہ ہے کہ وہ پیشگوئیوں میں اصل الفاظ استعمال کرتا ہے اور اس سے مراد اس کا مفہوم اور مطلب ہوتا ہے

اسی طرح پر بیت المقدس یعنی مسجد اقصیٰ ہے ہماری اس مسجد کا نام بھی اللہ تعالیٰ نے مسجد اقصیٰ رکھا ہے کیونکہ اقصیٰ یا باعتبار بعد زمانہ کے ہوتا ہے اور یا بعد مکان کے لحاظ سے اور اس الہام میں اَلْمَسْجِدِ الْاَقْصَى الَّذِيْ بَارَكْنَا حَوْلَهٗ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تاثیرات زمانی کو لیا ہے اور اس کی تائید وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ الجمعہ : ۴) سے بھی ہوتی ہے اور بَارَكْنَا حَوْلَهٗ کا اس زمانہ کی برکات سے ثبوت ملتا ہے جیسے ریل گاڑی اور جہازوں کے ذریعہ سفروں کی آسانی اور تار و ڈاک خانہ کے ذریعہ سلسلہ رسل و رسائل کی سہولت اور ہر قسم کے آرام و آسائش قسم قسم کی کلوں کے اجراء سے ہوتے جاتے ہیں اور سلطنت بھی ایک امن کی سلطنت ہے۔

بنی اسرائیل

بنی اسرائیل خدا تعالیٰ کا دیا ہوا لقب ہے اسرائیل کے معنے ہیں جو خدا سے بے وفائی نہیں کرتے اس کی اطاعت اور محبت کے رشتہ میں منسلک قوم۔ حقیقی اور اصلی طور پر اسلام کے یہی معنی ہیں بہت سی پیشگوئیوں میں جو اسرائیل نام رکھا ہے یہ قلت فہم کی وجہ سے لوگوں کو سمجھ نہیں آئی ہیں۔ اسرائیل سے مراد اسلام ہی ہے اور وہ پیشگوئیاں اسلام کے حق میں ہیں۔

اِنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (الانبیاء : ۱۰۶)

فرمایا :۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اَلْاَرْض سے مراد جو شام کی سرزمین ہے یہ صالحین کا ورثہ ہے اور جو اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے خدا تعالیٰ نے يَرِثُهَا فرمایا

یَمۡلِکُھَا نہیں فرمایا اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وارث اس کے مسلمان ہی رہیں گے اور اگر یہ کسی اور کے قبضہ میں کسی وقت چلی بھی جاوے تو قبضہ اسی قسم کا ہو گا جیسے راہن اپنی چیز کا قبضہ مرتہن کو دے دیتا ہے یہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئی کی عظمت ہے ارض شام چونکہ انبیاء کی سر زمین ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا کہ وہ غیروں کی میراث ہو۔

یَرِثُھَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوۡنَ (الانبیاء : ۱۰۶) فرمایا صالحین کے معنے یہ ہیں کہ کم از کم صلاحیت کی بنیاد پر قدم ہو۔

مومنوں کے مدارج

مومن کی جو تقسیم قرآن شریف میں کی گئی ہے اس کے تین ہی درجے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ ظالم۔ مقتصد۔ سابق بالخیرات۔ یہ ان کے مدارج ہیں ورنہ اسلام کے اندر یہ داخل ہیں۔ ظالم وہ ہوتا ہے کہ ابھی اس میں بہت غلطیاں اور کمزوریاں ہیں اور مقتصد وہ ہوتا ہے کہ نفس اور شیطان سے اس کی جنگ ہوتی ہے مگر کبھی یہ غالب آجاتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے کچھ غلطیاں بھی ہوتی ہیں اور صلاحیت بھی - اور سابق بالخیرات وہ ہوتا ہے جو ان دونوں درجوں سے نکل کر مستقل طور پر نیکیاں کرنے میں سبقت لے جاوے اور بالکل صلاحیت ہی ہو۔ نفس شیطان کو مغلوب کرچکا ہو قرآن شریف ان سب کو مسلمان ہی کہتا ہے۔

ہماری جماعت ہی کو دیکھ لو کہ وہ ایک لاکھ سے زیادہ ہے اور یہ سب کی سب ہمارے مخالفوں ہی سے نکل کرہی ہے اور ہر روز جو بیعت کرتے ہیں یہ ان میں ہی سے آتے ہیں ان میں صلاحیت اور سعادت نہ ہوتی تو یہ کس طرح نکل کر آتے۔ بہت سے خطوط اس قسم کی بیعت کرنے والوں کے آتے ہیں کہ پہلے میں گالیاں دیا کرتا تھا مگر اب توبہ کرتا ہوں مجھے معاف کیا جاوے۔ غرض صلاحیت کی بنیاد پر قدم ہو تو وہ صالحین میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

مسیح کا جنازہ

بعد ادائے نماز مغرب جب ہمارے سیدو مولیٰ شہ نشین پر اجلاس فرما ہوئے تھے تو ڈاکٹر سید عبدالستار صاحب رعیہ نے عرض کی کہ ایک شخص منشی رحیم بخش عرضی نویس بڑا سخت مخالف تھا مگر اب تحفہ گولڑویہ پڑھ کر اس نے مسیح کی موت کا تو اعتراف کرلیا ہے اور یہ بھی مجھ سے کہا کہ مسیح کا جنازہ پڑھیں۔ میں نے تو یہی کہا کہ بعد استصواب و استمزاج حضرت اقدس جواب دوں گا۔ فرمایا :-

جنازہ میت کے لئے دعا ہی ہے کچھ حرج نہیں۔ وہ پڑھ لیں۔

اَلعَاقِبَةُ لِلمُتَّقِین

ہمارے ناظرین منشی شاہدین صاحب سٹیشن ماسٹر مردان سے خوب واقف ہیں وہ اس سلسلہ میں قابل قدر شخص ہیں تبلیغ و اشاعت کا سچا شوق رکھتے ہیں جہاں جاتے ہیں ایک جماعت ضرور بنا دیتے ہیں الحکم کے خاص معاونین میں سے ہیں بہرحال ناظرین یہ بھی جانتے ہیں کہ مردان میں بعض شریر النفس لوگوں کی طرف سے ان کو سخت ایذائیں دی گئیں اور آخر ان کی شرارت سے ان کی تبدیلی ہو گئی۔ حضرت اقدس کے حضور جب ان کی تکالیف اور مصائب کا ذکر ہوا تھا تو آپ نے صبر اور استقامت کی تعلیم دی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر خدا تعالیٰ نے اظہار حق کیا افسران بالا دست نے بدوں کسی قسم کی تحریک کے جو منشی صاحب کی طرف سے کی جاتی۔ از خود اس مقدمہ کی تفتیش کی اور انجام کار منشی شاہدین صاحب ترقی پر گوجر خان ایک عمدہ سٹیشن پر تبدیل ہوئے اور ان کے متعلق بہت ہی اطمینان بخش رائے افسروں نے قائم کی غرض جب منشی صاحب کی اس کامیابی کا ذکر ہوا فرمایا :۔

عاقبت متقی کے لئے ہے

برگردن او بماند ما بگذشت والا معاملہ ہو گیا خدا تعالیٰ نیک نیت حاکم کو اصلیت سمجھا دیتا ہے اگر اصلیت نہ سمجھیں تو پھر اندھیر پیدا ہو۔

بغداد کی تباہی

بغداد وغیرہ کی تباہی کے ذکر پر جو ہلاکو نے کی۔ فرمایا کہ :۔

بدکاری حد سے بڑھ گئی تھی۔ آخر خدا تعالیٰ نے اس طرح پر انکو تباہ کیا لکھا ہے کہ آسمان سے آواز آتی تھی "اَیُّھَا الْکُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُجَّارَ"

فرمایا۔ صادق مخالفوں کی شرارت اور ایذا رسانی سے اگر مارا بھی جاتا ہے تو وہ شہید ہوتا ہے مگر وہ ناعاقبت اندیش طاعون کا شکار ہونے کو باقی رہ جاتے ہیں جو ان کی شامت اعمال سے آتی ہے۔

اذان ایک عمدہ شہادت ہے

اذان ہو رہی تھی آپ نے فرمایا :۔

کیسی عمدہ شہادت ہے جب یہ ہوا میں گونجتی ہوئی دلوں تک پہنچتی ہے تو اس کا عجیب اثر پڑتا ہے دوسرے مذاہب کے جس قدر عبادت کے لئے بلانے کے طریق ہیں وہ اس کا مقابلہ نہیں کر

سکتے انسانی آواز کا مقابلہ دوسری مصنوعی آوازیں کب کر سکتی ہیں؟

جماعت کیلئے غلبہ کا وعدہ

اپنی جماعت کے ذکر پر فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے لئے وعدہ فرمایا ہے وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور خدا کے وعدے سچے ہیں ابھی تو تخم ریزی ہو رہی ہے ہمارے مخالف کیا چاہتے ہیں؟ اور خدا تعالیٰ کا کیا منشاء ہے یہ تو ان کو ابھی معلوم ہو سکتا ہے اگر وہ غور کریں کہ وہ اپنے ہر قسم کے منصوبوں اور چالوں میں ناکام اور نامراد رہتے ہیں اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف کیا چاہتے تھے؟ ان کا تو یہی مدعا اور مقصد تھا کہ اس جماعت کو نابود کر دیں مگر دیکھو انجام کیا ہوا؟ اگر اس اعجاز کامیابی کو جو ہمارے نبی کو حاصل ہوئی ابوجہل اس وقت دیکھے تو اس کو پتہ لگے۔ کس قدر فوق العادۃ ترقی مخالفوں کی مخالفت اور شرارت کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے کرکے دکھائی۔ یہی معاملہ یہاں ہے اگر یہ مخالف نہ ہوتے تو ایسی اعجازی ترقی یہاں بھی نہ ہوتی یعنی اس ترقی میں اعجازی رنگ نہ رہتا کیونکہ اعجاز تو مقابلہ اور مخالفت سے ہی چمکتا ہے ایک طرف تو ہمارے مخالفوں کی یہ کوششیں ہیں کہ وہ ہم کو نابود کردیں ہمارا سلام تک نہیں لیتے اور غائبانہ ذکر بھی نفرت سے کرتے ہیں دوسری طرف اللہ تعالیٰ حیرت انگیز طریق پر اس جماعت کو بڑھا رہا ہے یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟

کیا یہ ہمارا فعل ہے یا ہماری جماعت کا؟ نہیں یہ خدا تعالیٰ کا ایک فعل ہے جس کی تہ اور سر کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اب ان کو کس قدر تعجب ہوتا ہو گا کہ چند سال پہلے جس جماعت کو بالکل کمزور اور ذلیل اور ضعیف سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ چند آدمی شامل ہیں اب اس کا شمار ایک لاکھ سے بھی بڑھ گیا ہے اور کوئی (دن) نہیں جاتا کہ بذریعہ خطوط اور خود حاضر ہو کر لوگ اس سلسلہ میں داخل نہیں ہوتے یہ خدا کا کام ہے اور اس کی باتیں عجیب ہوتی ہیں[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۳۸ صفحہ ۷-۸ مورخہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۲

۲۸؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

(بوقت صبح کی سیر)

طاعون

حسب معمول آپ حلقہ خدام میں سیر کو نکلے طاعون کا تذکرہ شروع ہونے پر فرمایا کہ :-

قرآن شریف میں اس کو رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (البقرۃ:۶۰) کہا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پر انسانی ہاتھ نہیں پڑ سکتا اور نہ زمینی تدابیر اس کا مقابلہ کرسکتی ہیں۔ ورنہ یہ عذاب آسمانی نہ رہے۔

طاعون جو اس کا نام رکھا ہے یہ مبالغہ کا صیغہ ہے جیسے فاروق۔ جب طعن اور تکذیب حد سے گذر جاتی ہے تو پھر اس کی پاداش میں طاعون آتی ہے اور پھر صفائی کر کے ہی قہر الٰہی بس کرتا ہے۔

دَآبَّةُ الْاَرْضِ اور طاعون میں تعلق

عرض کیا گیا کہ دَآبَّةُ الْاَرْضِ (سبا : ۱۵) اور رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ میں کیا تعلق ہے؟

فرمایا :-

امر تو آسمانی ہی ہوتے ہیں یعنی اس طاعون کا امر آسمان سے آتا ہے اور وہ انسانی ہاتھوں سے بالاتر امر ہوتا ہے اور اس کا معالجہ بھی آسمان ہی سے آتا ہے دَآبَّةُ الْاَرْضِ طاعون کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے کیڑے تو زمینی ہی ہوتے ہیں۔

طاعونی موت شہادت ہوتی ہے

عرض کیا گیا کہ طاعون سے مرنا شہادت بتاتے ہیں۔ تو پھر عذاب کیونکر ہوا

فرمایا جو لوگ طاعون سے مرنا شہادت بتاتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ طاعونی موت تو عذاب الٰہی ہی ہے لیکن جو حدیث میں آیا ہے کہ اگر مومن ہو کر طاعون میں مرجاوے تو شہادت ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ نے گویا ہر مومن کی پردہ پوشی کی ہے۔ کثرت سے اگر مرنے لگیں تو شہادت نہ رہے گی۔ پھر عذاب ہو جائے گا شہادت کا حکم شاذ کے اندر ہے کثرت ہمیشہ کافروں پر ہوتی ہے۔

اگر یہ ایسی ہی شہادت اور برکت والی بات تھی تو اس کا نام رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ نہ رکھا جاتا اور کثرت سے مومن مرتے اور انبیاء مبتلاء ہوتے مگر کیا کوئی کسی نبی کا نام لے سکتا ہے؟ ہرگز

نہیں پس یاد رکھو کہ اگر کوئی شاذ مومن اس سے مرجاوے تو اللہ تعالیٰ اپنی ستاری سے اس کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور اس کے لئے کہا گیا کہ وہ شہادت کی موت مرتا ہے ما سوا اس کے میں نے بارہا کہا ہے کہ اگر کوئی حدیث قرآن شریف کے متعارض ہو اور اس کی تاویل قرآن شریف کے موافق نہ ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہئے حکم ہمیشہ کثرت پر ہوتا ہے شاذ تو معدوم کا حکم رکھتا ہے۔

دربارِ شام

بعد ادائے نماز مغرب اول چند آدمیوں نے بیعت کی پھر مفتی محمد صادق صاحب نے ڈوئی کے اخبار سے چند پیراگراف سنائے فرمایا :۔

یہ لغو اور کفر تو ہوتا ہے مگر اس سے تحریک ہو جاتی ہے اور تحریک بچہ کے بازیچہ سے بھی ہو جاتی ہے۔

یہی اعتراض میری سچائی کا گواہ ہے

ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب نے منشی رحیم بخش عرضی نویس کا خط پیش کیا جس میں دو سوال لکھے تھے پہلا سوال یہ تھا کہ براہین میں مسیح کی آمد ثانی کا اقرار تھا کہ وہی مسیح آئے گا پھر اس کے خلاف دعویٰ کیا گیا یہ تزلزل بیانی قابل اعتبار نہیں ہوگی فرمایا :۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ہم نے ایسا لکھا ہے اور ہمیں یہ بھی دعویٰ نہیں ہے کہ ہم عالم الغیب ہیں ایسا دعویٰ کرنا ہمارے نزدیک کفر ہے اصل بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نہ آوے ہم کسی امر کو جو مسلمانوں میں مروج ہو چھوڑ نہیں سکتے۔

براہین احمدیہ کے وقت اس مسئلہ کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہمیں توجہ نہیں ولائی۔ پھر جبکہ ایک چرخہ کاتنے والی بڑھیا بھی یہی عقیدہ رکھتی تھی اور جانتی تھی کہ مسیح دوبارہ آئے گا تو ہم اس کو کیسے چھوڑ سکتے تھے جب تک کہ خدا کی طرف سے صریح حکم نہ آجاتا اس لئے ہمارا بھی یہی خیال تھا۔ مخالفوں کی بے ایمانی ہے کہ ایک خیال کو وحی یا الہام بنا کر پیش کرتے ہیں۔ براہین میں یہ بات عامیانہ اعتقاد کے رنگ میں ہے نہ یہ کہ اس کی نسبت وحی کا دعویٰ کیا گیا ہو مگر جب خدا تعالیٰ نے ہم پر بذریعہ وحی اس راز کو کھول دیا اور ہم کو سمجھایا اور یہ وحی تواتر تک پہنچ گئی تو ہم نے اس کو شائع کر دیا۔ انبیاء علیہم السلام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے جب خدا تعالیٰ کسی امر پر اطلاع دیتا ہے تو وہ اس سے ہٹ جاتے ہیں یا اختیار کرتے ہیں۔ دیکھو۔ افک عائشہ رضی اللہ عنہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اول کوئی اطلاع نہ ہوئی یہاں تک نوبت پہنچی کہ حضرت عائشہؓ اپنے والد کے

گھر چلی گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی کہا کہ اگر ارتکاب کیا ہے تو توبہ کرلے ان واقعات کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو کس قدر اضطراب تھا مگر یہ راز ایک وقت تک آپ پر نہ کھلا لیکن جب خدا تعالیٰ نے اپنی وحی سے تبریہ کیا اور فرمایا اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ ...... وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ (النور : ۲۷) تو آپ کو اس افک کی حقیقت معلوم ہوئی اس سے کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی فرق آتا ہے؟ ہرگز نہیں وہ شخص ظالم اور ناخدا ترس ہے جو اس قسم کا وہم بھی کرے۔ اور یہ کفر تک پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ وہ عالم الغیب ہیں۔ عالم الغیب ہونا خدا کی شان ہے۔ یہ لوگ سنت انبیاء علیہم السلام سے اگر واقف اور آگاہ ہوں تو اس قسم کے اعتراض ہرگز نہ کریں افسوس ہے کہ ان کو گلستان بھی یاد نہیں جہاں حضرت یعقوب کی حکایت لکھی ہے ؎

یکے پُرسید زاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
زمصرش بوئے پیراہن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برق جہاں است
دمے پیدا و دیگر دم نہاں است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم
اگر درویش بر یک حال ماندے
سر دست از دو عالم بر فشاندے

یہ سچی بات ہے اور ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے دکھائے بغیر نہیں دیکھتے اور اس کے سنائے بغیر نہیں سنتے اور اس کے سمجھائے بغیر نہیں سمجھتے۔ اس اعتراف میں ہمارا فخر ہے ہم نے کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ہم عالم الغیب ہیں ہم نے انہیں خیالات کے مسلمانوں میں نشو و نما پایا تھا ایسا ہی مہدی و مسیح کے متعلق ہمارا علم تھا مگر جب خدا تعالیٰ نے اصل راز ہم پر کھولا اور حقیقت بتا دی تو ہم نے اس کو چھوڑ دیا اور نہ خود چھوڑا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی طرف اسی کے حکم سے دعوت دی اور اس کو چھڑایا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جس امر کو نادان اعتراض کے رنگ میں پیش کرتا ہے اسی میں ہمارا فائدہ اور ہماری تائید ہوتی ہے دیکھو براہین میں ایک طرف مجھے مسیح موعود ٹھہرایا ہے اور وہ تمام وعدے جو آنے والے مسیح کے حق میں ہیں میرے ساتھ کئے

اور دوسری طرف ہم اپنے اسی قلم سے مسیح کے دوبارہ آنے کا اقرار کرتے ہیں اب ایک دانشمند اور خدا ترس مسلمان اس معاملہ میں غور کرے اور دیکھے کہ اگر یہ دعویٰ ہمارا افتراء ہوتا اور ہم نے از خود بنایا ہوتا یا منصوبہ بازی ہوتی تو اس قسم کا اقرار ہم اس میں کیوں کرتے یہ سادگی صاف بتاتی ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ نے ہم کو علم دیا اسے ہم نے ظاہر کیا بظاہر یہ کاروائی متناقض ہے مگر ایک سعید فطرت انسان کے لئے ایک روشن تر دلیل ہے کیونکہ جب تک خدا تعالیٰ نے ہم پر نہیں کھولا باوجودیکہ ہمارے ساتھ وہی وعدے جو مسیح موعود کے ساتھ کئے جاتے اور اسی براہین میں میرا نام مسیح رکھا جاتا ہے اور هُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ (الآیۃ) الہام ہوتا ہے مگر اسی قلم سے میں لکھتا ہوں کہ مسیح موعود دوبارہ آئے گا ہم نے قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ کو نہیں چھوڑا جب تک کہ آفتاب کی طرح کھل نہیں گیا یہی اعتراض ہماری سچائی کا گواہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلے پہل وحی آئی تو آپ نے یہی فرمایا خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ بیوی کہتی ہے کَلَّا لَا وَاللّٰہِ اور پھر بیوی نے کہا کہ آپ ضعفاء کے مددگار ہیں آپ کو خدا ضائع نہیں کرے گا پھر خدا تعالیٰ نے جب آپ پر امر نبوت کو واضح طور پر کھول دیا تو آپ نے تبلیغ اور اشاعت میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ مومن اس مقام کو جہاں ہوتا ہے نہیں چھوڑتا جب تک خدا نہ چھڑائے۔

مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے ضمناً" عرض کیا کہ تعجب کی بات ہے ایک قوم اور بھی تو ہے جس نے خدا کے اس راستباز اور صادق مسیح موعود کو تسلیم کیا ہے اور وہ اس پر ایمان لائی ہے اس کے سامنے کیا یہ باتیں نہیں ہیں؟ ہیں مگر ان کو ان پر کوئی اعتراض نہیں معلوم ہوتا بلکہ ایمان بڑھتا اور اس کی سچائی پر ایک عرفانی رنگ کی دلیل پیدا ہوتی ہے حضرت اقدس نے سن کر فرمایا

بے شک یہ تو سچائی کی دلیل ہے نہ اعتراض۔ کیونکہ ماننا پڑے گا کہ تصنع سے یہ دعویٰ نہیں کیا گیا بلکہ خدا کے حکم اور وحی سے کیا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ کی آمد کے واقعات کو ہی تو اس میں بیان کیا بلکہ میرا نام عیسیٰ رکھا اور لکھا کہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ میرے حق میں ہے اور ادھر کوئی توجہ نہیں۔ پس اس سے صاف ثابت ہے کہ اگر میرا یہ کام ہوتا تو اس میں دوبارہ آنے کا اقرار نہ ہوتا۔ یہ اقرار ہی بتاتا ہے کہ یہ خدا کا کام ہے

اس پر مولانا مولوی عبدالکریم صاحب نے اس نکتہ سے خاص ذوق اٹھا کر عرض کیا کہ یہ بعینہ وہی بات ہے جو قرآن شریف کی حقانیت پر پیش کی جاتی ہے کہ اگر یہ آنحضرت کا کلام ہوتا تو اس میں زینب کا قصہ نہ ہوتا۔ حضرت اقدس نے پھر اس سلسلہ کلام میں فرمایا کہ

اب کونسی نئی بات ہے جس کا ذکر براہین میں نہیں ہے براہین کو طبع ہوئے پچیس برس کے قریب ہو

گزرے ہیں اور اس وقت کے پیدا ہوئے بچے بھی اب بچوں کے باپ ہیں اس میں ساری باتیں درج ہیں بناوٹ کا مقابلہ اس طرح پر ہو سکتا ہے؟ کیا تیس برس پہلے ایک شخص ایسا منصوبہ کر سکتا ہے؟ جبکہ اسے اتنا بھی یقین نہیں کہ وہ اس قدر عرصہ تک زندہ رہے گا۔ پھر کیونکر میں اپنا نام اتنے سال پہلے از خود عیسیٰ رکھ سکتا تھا اور ان کاموں کو جو اس کے ساتھ منسوب تھے اپنے ساتھ منسوب کرتا۔ ہاں اس سے منصوبہ بے شک پایا جاتا اگر میں اس وقت لکھ دیتا کہ آنے والا میں ہی ہوں مگر اس وقت نہیں کہا باوجودیکہ هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی کا اعتراف کیا ہے کہ میرے حق میں ہے یہ خدا کا کام تھا کہ مسیح کا دعویٰ تو اس میں بیان کیا گیا مگر اس کو چھپایا اور زبان سے یہ نکلوا دیا کہ وہ آئے گا میں حلفاً" یہ کہتا ہوں کہ آج جو دعویٰ کیا گیا ہے براہین میں یہ سارا موجود ہے ایک لفظ بھی کم و بیش نہیں ہوا اگر اس میں الہامات نہ ہوتے تو اعتراض کی گنجائش ہوتی گو اس وقت بھی اعتراض فضول ہوتا کیونکہ وہ دعویٰ وحی سے نہیں تھا بلکہ اپنی ذاتی رائے تھی خدا تعالیٰ نے یہ اس لئے کیا تا ظنون اور جعل سازی کے وہم دور ہوں۔

مسیح موعود کے قریشی ہونے کی حقیقت

دوسرا سوال ان کا اس امر پر تھا کہ آپؑ نے مسیح موعود کو لکھا ہے کہ وہ قریش میں سے نہیں اور پھر بعض جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ وہ قریشی ہے اس کی مطابقت کیونکر ہو؟

فرمایا :۔

مسیح موعود کو جس طرزِ پر ہم کہتے ہیں کہ وہ قریش میں سے نہیں وہ اس اعتبار سے نہیں جیسے قریش ہیں اہل فارس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں سے ٹھہرایا ہے اور میرا الہام بھی ہے سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ اسی نام سے مجھے اہل بیت میں داخل کیا ہے داخل کرنا اور بات ہے اور ہونا اور۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار ہے اہل فارس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت اور قریش سے ٹھیرایا ہے اسلئے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلام سے قریش اور اہل بیت میں ہوں۔

اس پر حضرت حکیم الامتہ نے یُسْلَبُ الْمُلْكُ مِنْ قُرَیْشٍ کا ذکر کر کے عرض کیا کہ حضور ہم قریشیوں سے ملک چھینا گیا مگر کسی نے ہماری قوم سے غور نہیں کی کہ کیوں ایسا ہوا؟ تکبر کا اتنا بڑا خطرناک مرض ہماری قوم میں ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ سید کی لڑکی کسی دوسرے کے گھر میں دینا کفر سمجھا گیا ہے اس پر میر صاحب نے کہا کہ ہم سے کوئی پوچھا کرتا ہے تو اس کو یہی جواب دیا کرتے ہیں کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کی ایک بہن تھی کوئی ہمیں بتائے

وہ کس سید کو دی گئی تھی۔

بروز کی حقیقت

پھر بروز کے متعلق سلسلہ کلام یوں شروع ہوا

فرمایا :-

نیکوں اور بدوں کے بروز ہوتے ہیں۔ نیکوں کے بروز میں جو موعود ہے وہ ایک ہی ہے یعنی مسیح موعود۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ (الفاتحہ : ۶و۷) سے نیکوں کا بروز اور ضَآلِّیۡنَ سے عیسائیوں کا بروز اور مَغۡضُوۡب سے یہودیوں کا بروز مراد ہے اور یہ عالم بروزی صفت میں پیدا کیا گیا ہے جیسے پہلے نیک یا بد گزرے ہیں ان کے رنگ اور صفات کے لوگ اب بھی ہیں خدا تعالیٰ ان اخلاق اور صفات کو ضائع نہیں کرتا۔ ان کے رنگ میں اور آجاتے ہیں جب یہ امر ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ابرار اور اخیار اپنے اپنے وقت پر ہوتے رہیں گے اور یہ سلسلہ قیامت تک چلا جاوے گا جب یہ سلسلہ ختم ہو جاوے گا تو دنیا کا بھی خاتمہ ہے لیکن وہ موعود جس کے سپرد عظیم الشان کام ہے وہ ایک ہی ہے کیونکہ جس کا وہ بروز ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ بھی ایک ہی ہے۔

اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَھَا

حضرت حکیم الامتہ نے مولوی ابو رحمت حسن صاحب کا ذکر سنایا کہ وہ بڑے اخلاص سے خط لکھتے ہیں اور انہوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اس آیت پر مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تہذیب کے خلاف ہے فرمایا کہ

جو خدا تعالیٰ کو خالق سمجھتے ہیں تو کیا اس خلق کو لغو اور باطل قرار دیتے ہیں جب اس نے ان اعضاء کو خلق کیا اس وقت تہذیب نہ تھی خالق مانتے ہیں اور خلق پر اعتراض نہیں کرتے تو پھر اس ارشاد پر اعتراض کیوں؟ دیکھنا یہ ہے کہ زبان عرب میں اس لفظ کا استعمال ان کے عرف کے نزدیک کوئی خلاف تہذیب امر ہے جب نہیں تو دوسری زبان والوں کا حق نہیں کہ اپنے عرف کے لحاظ سے اسے خلاف تہذیب ٹھہرائیں۔ ہر سوسائٹی کے عرفی الفاظ اور مصطلحات الگ الگ ہیں۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۸ تا ۱۰ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

۲۹؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(صبح کی سیر)

دُرِّ حکمت

طاعون کے ذکر پر ضمناً فرمایا :۔

(۱) خدا کے کام عجیب ہوتے ہیں لوگ مغرور ہو کر مطمئن ہو جاتے ہیں مگر خدا تعالیٰ پھر پکڑتا ہے۔

(۲) نادان انسان ذرا سی خوشی پر تکبر سے باتیں کرتا ہے مگر آخر فتح اسی کی ہوتی ہے جس کے ساتھ خدا ہو۔

(۳) اسلام نے ہمیشہ نصرانیت کی سرکوبی کی ہے اور اب وہ وقت ہے کہ ان کے عقائد کی پردہ دری ہو گئی ہے اور اس کے بعد کسی کو حوصلہ نہ ہو گا کہ انسان کے بچہ کو خدا بنائے۔

فضائلِ صحابہ رضی اللہ عنہم

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے وفادار اور مطیع فرمان تھے کہ کسی نبی کے شاگردوں میں ایسی نظیر نہیں ملتی اور خدا کے احکام پر ایسے قائم تھے کہ قرآن شریف ان کی تعریفوں سے بھرا پڑا ہے لکھا ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نافذ ہوا تو جس قدر شراب برتنوں میں تھی وہ گرا دی گئی اور کہتے ہیں کہ اس قدر شراب بہی کہ نالیاں بہ نکلیں اور پھر کسی سے ایسا فعل شنیع سرزد نہ ہوا اور وہ شراب کے پکے دشمن ہو گئے دیکھو یہ کیسا ثبات اور استقلال علی الطاعت تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت جس وفاداری۔ محبت اور ارادت اور جوش سے انہوں نے کی کبھی کسی نے نہیں کی۔ موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کے حالات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی بار پتھراؤ کرنا چاہتی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تو ایسے کمزور اور ضعیف الاعتقاد تھے کہ خود عیسائیوں کو تسلیم کرنا پڑا ہے اور حضرت مسیح آپ انجیل میں سست اعتقاد ان کا نام رکھتے ہیں انہوں نے اپنے استاد کے ساتھ سخت غداری کی اور بے وفائی کا نمونہ دکھایا کہ اس مصیبت کی گھڑی میں الگ ہو گئے ایک نے گرفتار کرا دیا دوسرے نے لعنت بھیج کر انکار کر دیا۔

مگر صحابہؓ ایسے ارادت مند اور جاں نثار تھے کہ خود خدا تعالیٰ نے ان کی شہادت دی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کی راہ میں جانوں تک دینے میں دریغ نہیں کیا اور ہر صفت ایمان کی ان میں پائی جاتی ہے عابد، زاہد، سخی، بہادر اور وفادار، یہ شرائط ایمان کی کسی دوسری قوم میں نہیں پائی جاتیں۔

جس قدر مصائب اور تکالیف صحابہؓ کو ابتدائے اسلام میں اٹھانی پڑیں ان کی نظیر بھی کسی اور

قوم میں نہیں ملتی۔اس بہادر قوم نے ان مصیبتوں کو برداشت کرنا گوارا کیا لیکن اسلام کو نہیں چھوڑا ان مصیبتوں کی انتہا آخر اس پر ہوئی کہ ان کو وطن چھوڑنا پڑا اور نبی کریمؐ کے ساتھ ہجرت کرنی پڑی اور جب خدا تعالیٰ کی نظر میں کفار کی شرارتیں حد سے تجاوز کر گئیں اور وہ قابل سزا ٹھہر گئیں تو خدا تعالیٰ نے انہیں صحابہؓ کو مامور کیا کہ اس سرکش قوم کو سزا دیں چنانچہ اس قوم کو جو مسجدوں میں دن رات اپنے خدا کی عبادت کرتی تھی اور جس کی تعداد بہت تھوڑی تھی جس کے پاس کوئی سامان جنگ نہ تھا مخالفوں کے حملوں کو روکنے کے واسطے میدان جنگ میں آنا پڑا۔ اسلامی جنگیں دفاعی تھیں۔

پھر ان جنگوں میں یہ چند سو کی جماعت کئی کئی ہزار کے مقابلہ میں آئی اور ایسی بہادری اور وفاداری سے لڑی اگر حواریوں کو اس قسم کا موقع پیش آتا تو ان میں سے ایک بھی آگے نہ ہوتا۔ ایک ذرا سے ابتلا پر وہ اپنے آقا کو چھوڑ کر الگ ہو گئے تو ایسے معرکوں میں ان کا ٹھہرنا ایک ناممکن بات ہے مگر اس ایمان دار اور وفادار قوم نے اپنی شجاعت اور وفاداری کا پورا نمونہ دکھایا اور جو کچھ جوہر انہوں نے دکھائے وہ سچے ایمان اور یقین کے نتائج تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو کہا کہ بڑھ کر دشمن پر حملہ کرو تو انہوں نے کیا شرمناک جواب دیا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (المائدة : ۲۵) تو اور تیرا رب جاؤ اور لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ صحابہؓ کی لائف میں ایسا کوئی موقع نہیں آیا بلکہ انہوں نے کہا کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں جنہوں نے یہ کہا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ ایسی قوت اور شجاعت اور وفاداری کا جوش کیونکر پیدا ہو گیا تھا؟ یہ سب ایمان اور یقین کا نتیجہ تھا جو آپؐ کی قوت قدسی اور تاثیر کا اثر تھا آپ نے ان کو ایمان سے بھر دیا تھا۔

مسیح کے حواریوں کا ایمان

مسیح کے حواریوں میں جو ایمانی قوت پیدا نہیں ہوئی اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کو ان کے معجزات پر کوئی قوی ایمان اور بھروسہ نہ تھا۔ بلکہ اصل بات یہی ہے جیسا کہ بعض عیسائی مصنفوں نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ حواری دنیا دار اور سطحی خیال کے آدمی تھے انہیں یہ خیال تھا کہ یہ بادشاہ ہو جائے گا۔ تو ہم کو عہدے ملیں گے ان کا تعلق ایک لالچ کے رنگ میں مسیح کے ساتھ تھا اس لئے وہ ایمانی قوت اور عرفانی مذاق ان میں پیدا نہ ہوا۔ اگر وہ معجزات مسیح کو دیکھتے کہ مردوں کو زندہ کرتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایسے عجوبے دیکھ کر بھی ایمان میں قوت نہ آئے۔ حقیقت یہی ہے کہ مسیح سے سلبِ امراض وغیرہ کے نشانات جو دیکھتے تھے وہ ایسے عام تھے کہ یہودی بھی

کرتے تھے اور ایک تالاب پر بھی مریض جا کر اچھے ہو جایا کرتے تھے اس لئے ان باتوں نے معجزات مسیح کی کوئی عظمت دل میں پیدا نہ کی اور وہ نور یقین و معرفت جو گناہوں کو زائل کرتا ہے ان میں پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے یہودا اسکریوطی جو مسیح کا خزانچی تھا اور جس کے پاس ایک ہزار روپیہ کی تھیلی رہتی تھی اس میں سے چرا لیا کرتا تھا اور اسی لالچ نے اس کو تیس درہم لے کر گرفتار کرانے پر آمادہ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسیح

مسیح کے پاس تو ایک ہزار کی تھیلی رہتی تھی اور تعجب ہے کہ باوجودیکہ ایک ہزار روپیہ پاس رہتا تھا پھر بھی کہتے ہیں کہ ابن آدم کو سر رکھنے کو جگہ نہیں۔ آنحضرت کی یہ حالت تھی کہ آپ کے پاس جو کچھ ہوتا تھا وہ سخاوت کر دیا کرتے تھے ایک بار آپ کے گھر میں...... ایک مہر تھی آپؑ نے اس کو لیکر تقسیم کر دیا۔

مسیح کا شوقِ جہاد

پادری جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں پر اعتراض کرتے ہیں اپنے گھر میں نگاہ نہیں کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیاں بالکل دفاعی تھیں مگر مسیح کو اس قدر شوق تھا کہ اس نے شاگردوں کو کہا کہ کپڑے بیچ کر بھی ہتھیار خریدو۔ اصل میں مسیح کا لڑائیاں نہ کرنا "مستری بی از بے چادری" کا مصداق ہے اگر انہیں موقع ملتا تو وہ ہرگز تامل نہ کرتے۔ بلکہ اس قسم کی تعلیم سے جو انہوں نے ہتھیاروں کے خریدنے کی دی۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کس قدر شوق تھا اور داؤد کے تخت کی وراثت کا خیال لگا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ فتح کیا تو آپؑ نے ان مخالفوں سے جنہوں نے سخت ایذائیں دی ہوئی تھیں اور جو اب واجب القتل ٹھہر چکے تھے پوچھا تمہارا میری نسبت کیا خیال ہے انہوں نے کہا تو کریم ابن کریم ہے تو آپؑ نے فرمایا۔ اچھا میں نے تم سب کو بخش دیا آپ کے اس رحم و کرم نے ان پر ایسا اثر کیا کہ وہ سب مسلمان ہو گئے حضرت مسیح کو اپنے ایسے اخلاق کے اظہار کا موقع ہی نصیب نہیں ہوا اور حواریوں کے لئے تو مسیح کا آنا ایک قسم کا ابتلا تھا کیونکہ ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا اور انہوں نے کچھ نہ سیکھا۔

مسیح ناصری اور مسیح محمدی

فرمایا:۔

جو کامیابی اور اثر مسیح ابن مریم کا ہوا وہ تو صاف ظاہر ہے اور جس کمزوری اور ناکامی کے

ساتھ انہوں نے زندگی بسر کی وہ انجیل کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتی ہے مگر مسیح موعود جیسے اپنے زبردست اور قوت قدسیہ کے کامل اثر والے متبوع کا پیرو ہے اسی طرح پر اس کی عظمت اور بزرگی کی شان اس سے بڑھی ہوئی ہے جو کامیابیاں اور نصرتیں اس جگہ خدا نے ظاہر کی ہیں مسیح کی زندگی میں ان کا نشان نہیں۔ نہ معجزات میں' نہ پیشگوئیوں میں' نہ تعلیم میں۔ غرض جیسے آنحضرتؐ اپنے مثیل موسیٰؑ سے ہر پہلو میں بڑھے ہوئے تھے اور گویا آپ اصل اور موسیٰؑ آپ کا ظل تھے اسی طرح مسیح موعود موسوی مسیح سے نسبت رکھتا ہے۔

نصرانیت کا اثر

نصرانیت کا اثر آج کل عام ہو رہا ہے بعض تو بالکل مرتد ہو گئے ہیں اور بعض نے اور نہیں تو فیشن میں ہی ان کی تتبع کر لیا ہے۔

نیکی اور بدی کی کشش

فرمایا :-

انسان کے اندر نیکی اور بدی کی ایک کشش ہے آدمی نیکی کرتا ہے مگر نہیں سمجھ سکتا کہ کیوں نیکی کرتا ہے اسی طرح ایک شخص بدی کی طرف جاتا ہے لیکن اگر اس سے پوچھا جاوے تو کدھر جاتا ہے تو وہ نہیں بتا سکتا۔ مثنوی رومی میں ایک حکایت اس کشش پر لکھی ہے کہ ایک فاسق آقا کا ایک نیک غلام تھا صبح کو جو مالک نوکر کو لے کر بازار سودا خریدنے کو نکلا تو راستہ میں اذان کی آواز سن کر نوکر اجازت لے کر مسجد میں نماز کو گیا اور وہاں اسے ذوق اور لذت پیدا ہوا تو بعد نماز ذکر میں مشغول ہو گیا آخر آقا نے انتظار کر کے اس کو آواز دی اور کہا کہ تجھے اندر کس نے پکڑ لیا نوکر نے کہا کہ جس نے تجھے اندر آنے سے باہر پکڑ لیا غرض ایک کشش لگی ہوئی ہے اسی کی طرف خدا نے اشارہ فرمایا ہے كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ[1] (بنی اسرائیل:۸۵)

۳۰؍ اکتوبر ۱۹۰۲ء

(صبح کی سیر)

الہام

"نتیجہ خلاف امید ہے"

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

اس کی کوئی تصریح نہیں فرمائی گئی۔
آج کی سیر میں متفرق مقامی اور آنی امور پر سلسلہ گفتگو شروع رہا اور ختم ہوا۔

(دربارِ شام)

ضرورت عمل کی ہے

۱۔ میاں نبی بخش نمبردار پنڈوری نے عرض کی کہ حضور میں کچھ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں۔
فرمایا :۔
علم کیا' اصل ضرورت عمل کی ہے

قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہ

۲۔ ایک شخص نے ملازمت چھوڑ کر تجارت کے متعلق مشورہ پوچھا۔ فرمایا:
نوکری چھوڑنی نہیں چاہئے قِیَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہ بھی ضروری ہے بلا وجہ ملازمت کو چھوڑنا اچھا نہیں ہے۔

طلبِ حق کیلئے ضروری امور

۳۔ ایک ہندو نوجوان نے (جو اپنا نام طالب حق رکھتا تھا) عرض کی کہ میں ایک عرصہ سے طلب حق چاہتا ہوں مگر مجھے ابھی تک وہ راہ نہیں ملی۔ فرمایا :۔
طلب حق کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے اول عقل سلیم چاہئے بعض لوگ طلب حق تو چاہتے ہیں مگر غبی اور بلید طبع ہوتے ہیں اور قوت فیصلہ نہیں رکھتے اس لئے جو کچھ سمجھایا جاوے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور کل مذاہب ان کے سامنے پیش کئے جاویں تو وہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ ان میں سے حق کس کے ساتھ ہے یہ بیماری ہے طبیبوں نے اس کو سوفسطائی عقل لکھا ہے ان پر وہم غالب ہوتا ہے اس لئے اول طالب حق کے واسطے ضروری ہے کہ وہم غالب نہ ہو۔
دوم۔ قبول حق کے لئے جرأت رکھتا ہو بہت لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ حق کو سمجھ تو لیتے ہیں مگر برادری کے تعلقات نہیں ٹوٹتے ایسے لوگ بزدل ہوتے ہیں یہ بزدلی بھی فائدہ نہیں پہنچاتی۔
پہلے پہل جو بچہ مدرسے میں بھیجا جاتا ہے اس کے سامنے تو ابجد ہی پیش کی جاتی ہے۔ کوئی بڑی کتاب نہیں رکھی جاتی اسی طرح مذہب کی پرکھ میں پہلے نسبتاً موٹے موٹے اصولوں میں مقابلہ

کر کے دیکھ لینا چاہئے کہ مذہب حق کونسا ہے ؟ مجھے تعجب آتا ہے کہ اس وقت مذاہب کا مقابلہ ہو رہا ہے اور امر حق صاف طور پر معلوم ہو سکتا ہے اور اس ہند ہی میں سب مذاہب موجود ہیں سناتن' عیسائی' آریہ' مسلمان وغیرہ بڑے بڑے یہی مذہب ہیں۔

مذہب کی جڑ خدا شناسی ہے

مذہب کی پہلی جزو اور جڑھ خدا شناسی ہے جس کا پہلا قدم ہی غلط اور بے ٹھکانے ہے دوسرا قدم اس کا کب ٹھکانے پر پڑے گا اب اس اصل پر مذہب کو شناخت کرلو۔

سناتن دھرم

سناتن دھرم کو لو انہوں نے کوئی جڑی بوٹی پتھر درخت چاند سورج غرض مخلوق میں کوئی چیز نہیں چھوڑی جس کی پرستش نہیں کی اور جس کو خدا نہیں بنایا اب جس مذہب کا خدا شناسی کے متعلق یہ عقیدہ ہو۔ اس کو علوم حقہ سے حصہ کب مل سکتا ہے؟ اس کی اخلاقی حالتیں کیونکر درست ہو سکتی ہیں؟ وہ تو ریل کو بھی دیکھیں تو اسے بھی سجدہ کرنے کو تیار ہیں۔ اور اسے خدا ماننے لگتے ہیں۔

آریہ دھرم

پھر ان لوگوں میں ایک اور فرقہ ہے جو اپنے آپ کو اصلاح یافتہ فرقہ سمجھتا ہے اور اس کو آریہ کہتے ہیں۔

آریہ کی خدا شناسی کا یہ حال ہے کہ انہوں نے برخلاف وید کے خدا کی توحید کا زبانی اقرار تو کیا ہے گو وید اگنی وایو وغیرہ کی پرستش کی گئی ہے لیکن یہ لوگ اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم بتوں کی پوجا نہیں کرتے مگر خدا شناسی میں باوجود اس اقرار کے سخت ٹھوکر کھائی ہے اور وہ یہ کہ وہ خدا کو کسی چیز کا خالق نہیں مانتے اور صرف جوڑنے جاڑنے والا مانتے ہیں جب خدا کی اس عظیم الشان صفت سے انکار کیا گیا تو ایسا ناقص اور ادھورا خدا کب کسی کے ماننے میں آسکتا ہے پھر انہوں نے خدا کی دوسری صفتوں کا بھی انکار کیا مثلاً وہ مانتے ہیں کہ وہ کسی انسان کو کوئی چیز عطا نہیں کر سکتا۔ جو کچھ کسی کو ملتا ہے اس کے عملوں کی ہی پاداش ملتی ہے پھر انہیں یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اگر گناہ نہ ہوتا تو دنیا کا کام نہ چل سکتا کیونکہ گائے' بکری' بھینس اور دوسری آرام دہ مخلوق نہ ہو سکتی اس قسم کا خدا انہوں نے مانا ہے گویا خدا شناسی کے مقام سے یہ مذہب بھی گرا ہوا ہے۔

عیسائیت

پھر ایک اور مذہب ہے جس کی اشاعت کے لئے کروڑہا روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور وہ عیسائی مذہب ہے اس میں خدا شناسی کی اور بھی ردی حالت ہے وہ اول تو سرے سے خدا ہی کو تین مانتے ہیں اور یہ ایسا مسئلہ ان کے نزدیک ہے کہ وہ سمجھ میں آہی نہیں سکتا اور پھر ان تین میں سے ایک عاجز انسان بھی ہے جو مریم کے پیٹ سے پیدا ہوا اور جس کی ساری عمر جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے ایک کرب اور اضطراب میں گذری۔ ماریں کھاتا رہا اور آخر یہودیوں نے اس کو پکڑ کر صلیب پر چڑھا دیا اب اگر خدا کا یہی نمونہ ہے تو کون اس پر ایمان لا سکتا ہے؟

اسلام

مگر اسی خدا شناسی کے متعلق جو تعلیم اسلام نے دی ہے وہ ایسی صاف ہے کہ ہر عقلمند کو اس کے ماننے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ اللہ وہ ہے جو تمام اوصاف حمیدہ سے موصوف اور تمام نقصوں سے مبرا ہے وہ تمام اشیاء کا خالق اور مالک ہے وہ رحمان اور رحیم ہے۔ اسلام کسی مخلوق کو خدا یا خدا کا ہمسر نہیں بناتا۔ وہ خالق اور مخلوق میں فرق بتاتا ہے۔

اب اس اصل میں جب مقابلہ کیا جاوے تو کیسے صاف اور واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی مذہب اس اصل میں اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور اسلام ہی سچا مذہب ہے۔

دوسری اصل

پھر مذہب کی دوسری جزو یا اصل یہ ہے کہ وہ مخلوق کے حقوق کیسے قائم کرتا ہے اس اصل میں بھی دوسرے مذاہب سے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ آریہ مذہب نے تو ایسا ظلم کیا ہے کہ بجز بے غیرتی کے اور معلوم نہیں ہوتا۔ اس نے نیوگ کی تعلیم دی ہے کہ جس شخص کے گھر میں اولاد نہ ہو تو وہ اپنی عورت کو دوسرے شخص سے ہم بستر کرا دے اور اولاد حاصل کر لے اب اس سے بڑھ کر پاکیزگی اور غیرت کا خون کیا ہو گا کہ ایک شخص کو جس کی بدقسمتی سے دو چار سال تک اولاد نہیں ہوئی' کہہ دیا جاوے تو اپنی بیوی کو دوسرے آدمی سے ہم بستر کرا لے یہ کیسی شرمناک بات ہے۔ یہاں قادیان میں ایک شخص موجود ہے اس سے جب نیوگ کی بابت پوچھا گیا تو اس نے یہی کہا کیا مضائقہ ہے۔

اب کوئی عقلمند اس تعلیم کو کب گوارہ کر سکتا ہے میں نے پڑھا تھا ایک بنگالی آریہ ہو گیا ایک برہمو نے جب اس پر نیوگ کی حقیقت کھولی تو اس نے ستیارتھ پرکاش کو پھنکار کر مارا اور کہا کہ یہ

مذہب قبول کرنے کے لائق نہیں۔

عیسائیوں نے مخلوق پر یہ ظلم کیا کہ کفارہ کی تعلیم دے کر شریعت کو لعنت کہہ کر نیکی کا دروازہ ہی بند کر دیا اور قوائے انسانی کی بے حرمتی کی۔ جب کہہ دیا کہ کوئی نیکی کر ہی نہیں سکتا۔ مگر اسلام مخلوق کے حقوق کو جائز اور مناسب مقام پر قائم کرتا ہے وہ ایسی تعلیم نہیں دیتا جو نیوگ کے پیرایہ میں دی گئی وہ انسانی قویٰ کی بے حرمتی نہیں کرتا اور انسان کو کفارہ کی تعلیم دے کر سست نہیں بنانا چاہتا اس نے شریعت کو لعنت نہیں بتایا بلکہ انسانی طاقتوں کے اندر اسے رکھا اس طرح معاملہ تو بالکل صاف ہے اگر وہم نہ ہو اور قبول حق میں کوئی روک نہیں ہو سکتی اگر بزدلی نہ ہو۔

سائل :۔ ان مذاہب کی بابت تو مجھے پہلے سے اعتراض ہیں مگر اسلام کی کتابیں میں نے نہیں پڑھی ہیں۔ فرمایا:

آپ قرآن شریف کو پڑھیں اس سے معلوم ہو جاوے گا کہ وہ خدا کی نسبت کیا تعلیم دیتا ہے اور مخلوق کی نسبت کیا؟ ان دونوں تعلیموں کو اگر آدمی غور سے دیکھ لے تو حق کھل جاتا ہے۔

پھر مفتی صاحب نے میور صاحب کی ایک تصنیف سنائی جو اس نے مسلمانوں سے مناظرہ کرنے کے متعلق ہدایات پر لکھی ہے پھر چند لوگوں نے بیعت کی پھر طالب حق نے عرض کیا کہ مجھے خواب آیا تھا کہ تو مسیح کے پاس جا اور اس سے پوچھ اگر وہ کہے کہ میں مسیح ہوں تو پھر جو وہ کہے مان لے۔

فرمایا :۔

ہم تو سالہا سال سے اس دعویٰ کی اشاعت کر رہے ہیں اور خدا نے صدہا نشان اس کی تائید میں دکھائے ہیں جن کو خدا نے سعادت اور فہم دیا ہے وہ سمجھ لیتے ہیں جس کو ان سے حصہ نہیں وہ محروم رہ جاتا ہے۔

فرمایا :۔

حق شناسی کی راہ میں اگر وہم اور بزدلی نہ ہو تو کوئی مشکل نہیں۔ مشرق اور مغرب میں تلاش کرو۔ اسلام کے سوا حق نہیں ملے گا مجھے تعجب ہے کہ لوگ ایک پیسہ کی چیز لیتے ہیں تو اسے خوب دیکھ بھال کر لیتے ہیں مگر مذہب کے معاملہ میں توجہ نہیں کرتے اگر انسان توہمات میں گرفتار نہ ہو تو آجکل مذہب کے حسن قبح کو معلوم کرنے میں کوئی مشکل نہیں' مقابلہ کر کے دیکھ لو اگر سچا مسلمان انسان ہو جاوے تو پاک ہو جاتا ہے دوسرے مذاہب میں یہ نہیں - کیا ایک عیسائی پاک ہو سکتا ہے؟ جس کو کفارہ پر ایمان لاتے ہی عشاء ربانی میں شراب استعمال کرنی پڑتی ہے یا انجیل پر عمل کر کے وہ پاکیزگی میں ترقی کر سکتا ہے؟ جس کی رو سے منع نہیں کہ غیر مردوں کے ساتھ عورتیں

بڑے بڑے جلسوں میں جیسا کہ ناچتی ہیں نہ ناچیں۔ یہ تو قرآن ہی تعلیم دیتا ہے کہ تو نامحرم کو مت دیکھ۔ مجھے تعجب ہے کہ وہ کیا عقل ہے جو تاریکی کو روشنی سمجھتی ہے یہ امر دیگر ہے کوئی سچا متبع نہ ہو لیکن جو وید یا انجیل کا سچا متبع ہے اس کو اس کی تعلیم پر عمل کر کے پورا نمونہ دکھانا ہوگا اب اگر وید کے سچے متبع کی تصویر کھینچیں تو ضروری ہوگا کہ وہ وایو اور اگنی کو خدا کہے اور اولاد نہ ہوتی ہو تو نیوگ کرالے مگر جو قرآن پر عمل کرتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ خدا کو مانے اور ہر قسم کی بے حیائی اور ناپاکی سے دور رہے اور فسق و فجور سے بچے۔ عورتیں پاک دامن ہوں۔ اب ان دونوں تصویروں پر غور کرلو اصل میں ایک شخص جس دین کی طرف منسوب ہوتا ہے وہ حقیقی نام اس وقت حاصل کرتا ہے جب اس کا سچا متبع ہو اور پابند مذہب ہو۔ آپ قرآن کا ایک جز بھی پڑھیں گے تو معلوم ہو جاوے گا۔[1]

۱۳ر اکتوبر ۱۹۰۲ء

دربارِ شام

بعد ادائے نماز مغرب اولاً چند آدمیوں نے بیعت کی۔ پھر میاں نبی بخش صاحب نمبردار چک نمبر ۱۰۸ نے دعا کی درخواست کی کہ حضور کی محبت ہمارے دل میں بڑھے۔

فرمایا :۔

خدا کا فضل

خدا تعالیٰ نے جو اخلاص اور توجہ عطا کی ہے خود اس نے ابتدا کی ہے اس لئے شکر کرو کہ وہ اور بھی بڑھا دے یہ محض اسی کا فضل ہے جو اس نے حق شناسی کی توفیق دی ورنہ اگر دل سخت کر دے تو انسان رجوع نہیں کر سکتا یہ اسی کے فضل سے ہوتا ہے جو یقین اور اخلاص عطا کرتا ہے اور اس کے شکر پر اس کو بڑھاتا ہے پس شکر کرو کہ اس کا فضل اور بھی ترقی کرے نمازوں میں اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کا تکرار بہت کرو اِيَّاكَ نَسْتَعِيْن خدا کے فضل اور گمشدہ متاع کو واپس لاتا ہے۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۹-۱۰ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء

یکم نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

(بوقت سیر)

حضرت اقدس حسب دستور سیر کے لئے نکلے تمام راہ مولوی فتح دین صاحب حضرت اقدس کے مخاطب رہے حضرت اقدس بار بار ان کے ذہن نشین یہ امر کراتے رہے کہ مباحثات میں ہمیشہ دیگر طریق استدلال چھوڑ کر اس طریق کو اختیار کرنا چاہئے کہ قرآن شریف مقدم ہے اور احادیث ظن کے مرتبہ پر ہیں قرآن شریف سے جو امر ثابت ہو اس کو کوئی حدیث خواہ پچاس کروڑ ہوں ہرگز رد نہیں کر سکتیں چونکہ اس گفتگو میں میاں فتح دین صاحب بھی بعض اوقات احادیث سے اپنے استنباط جو کہ انہوں نے اپنی منظوم کتاب میں درج کئے ہیں مفصل حضرت اقدس کو سناتے رہے اور حضرت اقدس مختلف طور پر ان کو سمجھاتے رہے اس لئے ہم حضرت اقدس کے کلمات کو مختصرا یہاں درج کرتے ہیں

اسلام کا مدار قرآن شریف پر ہے

ان لوگوں سے پوچھنا چاہئے کہ تم خود قائل ہو کہ اصح کتاب قرآن شریف ہے احادیث ۱۵۰ برس بعد جمع ہوئیں پھر ان میں باہم تناقض ہے ایک میں مہدی کا ذکر ہے ایک میں ہے لَا مَهْدِیَ اِلَّا عِیْسٰی ایک طرف مہدی کی حدیث ضعیف لکھی ہے پھر کہتے ہیں کہ مسیح اوپر سے اترے گا تو ایک طرح سے ایک ٹانگ ٹوٹ گئی جب قرآن شریف بار بار اوپر کے آنے سے منع کرتا ہے تو حدیث جو کسی طرح سے خواہ حقیقتاً خواہ استعارہ کے طور پر قرآن شریف کے برابر نہ آسکے تو وہ ہر حال میں نا قابل اعتبار ٹھہرے گی ورنہ اس طرح اسلام درہم برہم ہو جائے گا۔ تمام ستون اور مدار اسلام کا قرآن شریف پر ہے جب قرآن شریف میں ہے کہ عیسیٰ فوت ہو گئے تو پھر انکار کیسا؟

”فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ“ (المائدہ : ۱۱۸) کی نسبت آپ مولوی فتح دین صاحب کو سمجھاتے رہے پھر احادیث کے بیان کی طرف رجوع کر کے فرمایا

اگر ان کا حدیث پر اس قدر اعتبار ہے تو رفع یدین کی جو چودہ سو احادیث آئی ہیں اس پر کیوں نہیں عمل کرتے ہمارا مسئلہ خدا تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے مطابق ہے جیسے یہ آمد مسیح کے منتظر ہیں ویسے ہی یہودی الیاس کے منتظر تھے۔ پیغمبر کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کا علم اتنا وسیع ہو جیسے خدا کا ہے یہ پیغمبر پر جائز ہے کہ بعض امور کی تفصیل اس پر نہ کھل سکے۔ جیسے کہ بہت سے آخرت کے امور ہیں کہ انسان کو مرنے کے بعد معلوم ہوتے ہیں تو پھر یہ لوگ اپنے علم پر کیوں اس

قدر باتیں کرتے ہیں یہودیوں کو الیاس کی انتظار تھی مسیح نے کہا یحیٰی الیاس ہے خواہ قبول کرو خواہ نہ کرو پھر اسی وقت جا کر یحیٰی سے دریافت کیا اور دریافت بھی ایسے الفاظ میں کیا ہو کہ اسے یہی جواب دینا پڑا کہ میں وہ الیاس نہیں۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بار بار احادیث پیش کرتے ہیں اور ان میں سے نزول کو لیتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ اگر اسی مسیح نے آنا تھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے کا حلیہ کیوں الگ بتلایا اور کہا کہ آنے والے مسیح کو تم اس طرح پہچانو۔ اس کی کیا ضرورت تھی؟

مباحثہ میں بھی اصول رکھا جاوے کہ قرآن شریف مقدم ہے یہ منوا کر ان سے کہا جاوے کہ تقدم قرآن تو اب مقبولہ فریقین ہے باقی امور اسی سے فیصلہ کرلو اگر حدیثوں پر سارا مدار ہے تو قرآن کی کیا ضرورت ہے جو کہتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ جھوٹے دعوے ہیں

اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ

اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ (الزخرف : ۶۲) کے یہ معنے ہیں کہ یہودیوں کے ادبار اور ذلت کی نشانی مسیح کے آنے کا وقت تھا اور جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الزخرف : ۶۰) بھی اسی کی تصدیق کرتا ہے۔ سَاعَة کے معنی آخرت کے بھی ہیں اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء : ۱۶۰) کے معنے یہ کرتے ہیں کہ وہ (مسیح) اب تک زندہ موجود ہیں جب آویں گے تو کل اہل کتاب ایمان لاویں گے اس کے متعلق ابو ہریرۃؓ کی حدیث پیش کرتے ہیں حالانکہ تفسیر مظہری میں اس کے اوپر کس قدر مطاعن ہیں۔ یہ کہنا کہ کل اہل کتاب اس وقت ایمان لاویں گے' غلط ہے قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قیامت تک کافر موجود رہیں گے قرآن شریف کو ہر حالت میں مقدم رکھنا چاہئے قرآن کے نصوص قطعیہ بالکل فیصلہ کردیتے ہیں

سورۃ تحریم میں ہے کہ مسیح بن مریم اسی امت میں سے ہو گا سورۃ النور میں ہے کہ تمام خلیفے اسی امت میں سے ہوں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح کا نام حَکَم رکھا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بہت فرقے ہوں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ غلطیاں کثرت سے ہوں گی۔

نزول کی حقیقت

قرآن مجید میں نزول کی معنے مختلف مقامات پر مختلف ہیں اگر اعتراض ہو کہ پھر نزول کا لفظ

استعمال ہی کیوں ہوا کوئی اور لفظ حدیث میں کیوں نہ آیا تو جواب یہ ہے کہ مسلم کی ایک حدیث میں مبعوث کا لفظ بھی آیا ہے نزول کا لفظ اس لئے استعمال ہوا کہ اس وقت کل برکات اور فیوض اٹھ جاویں گے اور پھر آسمان سے نازل ہوں گے قرآن شریف میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے کہ ہم نے آپؐ کو آسمان سے نازل کیا اور آسمان ہی سے پانی بھی اترتا ہے اگر آسمان سے بارش نہ ہو تو کنوئیں بھی پانی نہیں دیتے لمبے قحطوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے۔

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان لوگوں کو وصیت تھی کہ میرے بعد بخاری کو ماننا؟ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت تو یہ تھی کہ کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم قرآن کے بارے میں پوچھے جائیں گے نہ کہ زید اور بکر کے جمع کردہ سرمایہ کے بارے میں۔ یہ سوال ہم سے نہ ہوگا کہ تم صحاح ستہ وغیرہ پر ایمان کیوں نہ لائے؟ پوچھا تو یہ جائے گا کہ قرآن پر ایمان کیوں نہ لائے؟

بحث کے اصول

بحث کے قواعد ہمیشہ یاد رکھو۔ اول قواعد مرتب ہوں۔ پھر سوال مرتب ہوں کتاب اللہ کو مقدم رکھا جائے احادیث ان کے اقرار کے بموجب خود ظنیات ہیں یعنی صدق اور کذب کا ان میں احتمال ہے اس کے یہ معنے ہیں کہ ممکن ہے کہ سچ ہو اور ممکن ہے کہ جھوٹ ہو لیکن قرآن شریف ایسے احتمالات سے پاک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن شریف تک ہی ہے پھر آپؐ فوت ہو گئے اگر یہ احادیث صحیح ہوتیں اور مدار ان پر ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرما جاتے کہ میں نے احادیث جمع نہیں کیں فلاں فلاں آوے گا تو جمع کرے گا تم ان کو ماننا۔

سُنّت اور حدیث

پس اول قرآن کو مقدم کیا جاوے اس کے بعد سنت۔ سنت یہ ہے کہ قرآن شریف میں جو احکام آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خود کر کے دکھلا دیا جیسے نماز پڑھ کر بتا دی کہ صبح کی یوں ہوتی ہے شام کی یوں۔ جیسے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف سے استنباط کئے۔ ویسے ویسے آپؐ بتلاتے رہے اور جو آپؐ کے اقوال تھے ان کا نام حدیث ہے ایک سنت یہ بھی تھی کہ آپؐ فوت ہو گئے قرآن شریف میں ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران : ۱۴۵) یعنی سب رسول فوت ہو گئے آپؐ بھی فوت ہوں گے چنانچہ خدا کی بات پوری ہو گئی اور آپ فوت ہو گئے[1]

---

[1] الحکم میں لکھا ہے :- اپنی سنت سے ثابت کر دیا کہ باقی نبی بھی فوت ہو گئے

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ کالم اول مورخہ ۱۷ ر نومبر ۱۹۰۲ء)

نزولِ مسیح

ہمارے ہاتھ میں تو ایک نظیر ہے اگر یہ پوچھیں کہ جو تاویل (نزول مسیح کی) تم پیش کرتے ہو کسی نے آگے بھی کی ہے تو ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کے بارے میں تم کو مصیبت پڑی ہے (یعنی مسیح کے) اس نے خود یہ تاویل کی ہے اس کو بھی اس وقت مصیبت پڑی تھی تو ہماری جماعت میں داخل ہو کر آخر اس کی رہائی ہوئی۔ نظیر بھی کوئی شیئے ہوتی ہے خدا تعالیٰ بھی اپنی سنت بطور نظیر [1] کے پیش کیا کرتا ہے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ آجاتے تو کوئی حرج نہ تھا آپؐ نے کوئی خدائی کا دعویٰ تو نہیں کیا نہ آپؐ خدا بنائے گئے مگر خدا نے مسیح کے منہ سے نکلوا کر اقرار کروا لیا کہ دوبارہ آنے کے یہ معنے ہوتے ہیں کوئی بادشاہ وہ طریق اختیار نہیں کرتا جس سے اس کی بادشاہی میں خلل آوے پھر خدا کیوں ایسا طریق اختیار کرے جس سے اسکی خدائی میں بٹہ لگے۔

مومن کو اللہ رسوائی کی موت نہیں دیتا

پھر مولوی فتح دین صاحب نے کہا کہ ہم لوگ بڑے خطا کار ہیں کئی فاسد خیال آتے رہتے ہیں اور طاعون کا زور ہو رہا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

میں یہ یقیناً جانتا ہوں کہ جس کو دل سے خدا تعالیٰ سے تعلق ہے اسے وہ رسوائی کی موت نہیں دیتا ایک بزرگ کا قصہ کتب میں لکھا ہے کہ ان کی بڑی دعا تھی کہ وہ طوس کے مقام میں فوت ہوں ایک کشف میں انہوں نے دیکھا کہ میں طوس میں ہی مروں گا پھر وہ کسی دوسرے مقام میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو اپنے شاگردوں کو وصیت کی کہ اگر میں مر گیا تو مجھے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کرنا۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو بتلایا کہ میری بڑی دعا تھی کہ میں طوس میں مروں مگر اب پتہ لگتا ہے کہ وہ قبول نہیں ہوئی اس لئے میں مسلمانوں کو دھوکا نہیں دینا چاہتا

---

[1] الحکم میں اس کی تفصیل یوں لکھی ہے

ہمارا آنا اللہ تعالیٰ کی سنت قدیمہ کے موافق ہے اور اس کی نظیر موجود ہے یہودی الیاس کے آنے کے منتظر تھے مگر جب انہوں نے مسیح کے سامنے یہ سوال کیا کہ ایلیاء کہاں ہے تو اس نے اس کا آنا بروزی رنگ ہی میں بتایا اور یوحنا کی نسبت کہا کہ آنے والا ایلیاء یہی ہے چاہو تو قبول کرو یہودیوں نے اس کو تسلیم نہ کیا کیونکہ ان کے ہاں پہلے کوئی نظیر نہ تھی اب یہ فیصلہ تو خود مسیح ہی کا کیا ہوا ہے جس کے لئے اب یہ اس قدر ٹکریں مارتے ہیں

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ کالم اول مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

اس کے بعد وہ رفتہ رفتہ اچھے ہو گئے اور پھر طوس گئے وہاں بیمار ہو کر مرے اور وہیں دفن ہوئے اس لئے مومن بننا چاہئے مومن ہو تو خدا رسوائی کی موت نہیں دیتا اور دل کے خیالات پر مواخذہ نہیں ہوتا جب تک کہ انسان عزم نہ کرلے ایک چور اگر بازار میں جاتا ہوا ایک صراف کی دوکان پر روپوں کا ڈھیر دیکھے اور اسے خیال آئے کاش کہ میرے پاس بھی اس قدر روپیہ ہو اور پھر اسے چرانے کا ارادہ کرے مگر قلب اسے لعنت کرے اور وہ باز رہے تو وہ گنہگار نہ ہو گا اور اگر پختہ ارادہ کرلے کہ اگر موقع ملا تو ضرور چرالوں گا تو گنہگار ہوگا آدمؑ کے قصہ میں بھی خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰهٰ:۱۱۶) یعنی ہم نے اس کی عزیمت نہیں پائی عَصٰٓى اٰدَمُ (طٰهٰ:۱۲۲) کے معنی ہیں کہ صورت عصیان کی ہے مثلاً آقا ایک غلام کو کہے کہ فلاں رستے جاکر فلاں کام کر آؤ وہ اگر اجتہاد کرے اور دوسرے راہ سے جاوے تو عصیان تو ضرور ہے مگر وہ نافرمان نہ ہو گا صرف اجتہادی غلطی ہوگی جس پر مواخذہ نہیں۔

خرگوش حلال ہے

پھر کسی نے خرگوش کے حلال ہونے پر حضرت اقدس سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ

اصل اشیاء میں حلت ہے حرمت جب تک نص قطعی سے ثابت نہ ہو تب تک نہیں ہوتی۔

حدیث کا مقام

حدیث کے متعلق ہمارا مذہب ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ بھی ہو تو اس پر عمل کرلیا جائے جب تک وہ مخالف قرآن نہ ہو۔

پھر سنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

امام اعظم علیہ الرحمتہ نے رفع یدین پر کیوں عمل نہ کیا۔ کیا اس وقت حدیث کے راوی نہ تھے راوی تو تھے مگر چونکہ یہ سنت اس وقت ان کو نظر نہ آئی اس لئے انہوں نے عمل نہیں کیا۔ مولویوں کی بدقسمتی ہے کہ یہود و نصاریٰ محرف و مبدل توریت کو لئے پھرتے ہیں اور یہ بجائے قرآن کے حدیثوں کو لئے پھرتے ہیں۔

غیر از جماعت کی نماز جنازہ

نماز جنازہ کا ذکر ہونے پر آپ نے فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منافق کو کرتہ دیا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی ممکن ہے اس نے غرغرہ کے وقت توبہ کرلی ہو مومن کا کام ہے کہ حسن ظن رکھے اسی لئے نماز جنازہ کا جواز رکھا ہے کہ ہر ایک کی پڑھ لی جائے ہاں اگر کوئی سخت معاند ہو یا فساد کا اندیشہ ہو تو پھر نہ پڑھنی چاہئے ہماری جماعت کے سر پر فرضیت نہیں ہے بطور احسان کے ہماری جماعت دوسرے غیر از جماعت کا جنازہ پڑھ سکتی ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبۃ:۱۰۴) اس میں صلوٰۃ سے مراد جنازہ کی نماز ہے اور سَكَنٌ لَّهُمْ دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا گنہگار کو سکینت اور ٹھنڈک بخشتی ہے۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي سے دو فائدے

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي (المائدۃ:۱۱۸) سے دو فائدے ہماری جماعت کو اٹھانے چاہئیں ایک تو یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس میں کہتے ہیں کہ میری وفات کے بعد میری امت بگڑی ہے جس کی مجھ کو خبر نہیں ہے پس اگر عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک فوت نہیں ہوئے تو پھر یہ بھی مان لینا چاہیے کہ ابھی تک عیسائی صراط مستقیم پر ہیں اور بلحاظ دین کے ان میں کوئی فساد نہیں۔ دوسری بات یہ کہ اگر اس آیت کا اطلاق ان پر ان کے دوبارہ آنے کے بعد ہے تو اس صورت میں مسیح علیہ السلام (نعوذ باللہ) بہت کذاب ٹھہرتے ہیں کہ باوجود اس کے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آکر چالیس سال رہے اور اپنی قوم کی بد اعتقادی کی حالت دیکھ کر انہوں نے اس کی اصلاح کی اور صلیب کو توڑا اور خنزیروں کو قتل کیا اور پھر باوجود کامل علم کے خدا تعالیٰ کے سامنے جھوٹ بولتے ہیں کہ مجھ کو خبر نہیں ہے۔

مباحثہ مُدّ کی روئیداد

عصر کی نماز سے پیشتر حضرت اقدس نے مجلس فرمائی سید سرور شاہ صاحب اور عبداللہ صاحب کشمیری جو کہ موضع مد میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تھے بخیر و عافیت واپس آئے اور حضرت اقدس سے نیاز حاصل کیا اور وہاں کے جلسہ مباحثہ کی تفصیل سنانے لگے حضرت اقدس نے اختصاراً ان تمام باتوں کا اعادہ فرمایا جو کہ آپ نے سیر میں فرمائی تھیں کہ مباحثہ میں ہماری جماعت کو کیا پہلو اختیار کرنا چاہئے اور پھر تمام کیفیت مباحثہ سننے کے لیے شام کا وقت مقرر ہوا۔ نماز مغرب کے بعد حضرت اقدس نے جلوس فرماتے ہی حکم صادر فرمایا کہ مباحثہ موضع مد کی کارروائی

سنائی جائے چنانچہ عبداللہ کشمیری صاحب سنانے لگے سب سے اول حضرت اقدس کو اس پر کمال افسوس ہوا کہ فریقین نے صرف بیس بیس منٹ اپنے اپنے دعاوی کے متعلق دلائل لکھنے کے لئے قبول کیے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ایسی صورت میں ہرگز مباحثہ قبول نہیں کرنا چاہیے تھا یہ تو ایک قسم کا خون کرنا ہے جب ہم مدعی ہیں تو ہمیں اپنے دعاوی کے دلائل کے واسطے تفصیل کی ضرورت ہے جو کہ وقت چاہتی ہے اور جب دلائل لکھے جاتے ہیں تو توجہ ہوتی ہے اس میں فیضان الٰہی ہوتا ہے اس کا ہم کیا وقت مقرر کرسکتے ہیں کہ کب تک ہو۔

غرضیکہ حضرت اقدس نے اس بات کو بالکل ناپسند فرمایا کہ وقت میں کیوں تنگی اختیار کی گئی پھر عبداللہ صاحب کشمیری نے وہ تمام تحریریں پڑھ کر سنائیں روئیداد سننے کے بعد حضرت اقدس پھر انہیں امور کا بار بار اعادہ فرماتے رہے جو کہ سیر میں مناظرہ اور مباحثہ کے متعلق فرمائے تھے تاکہ سامعین کے ذہن نشین وہ باتیں ہو جائیں۔[1]

۲؍ نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

مُدّ کے حالات مباحثہ پر تبصرہ

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور آتے ہی پھر اس مناظرہ کے متعلق حضور نے گفتگو شروع فرمائی جس کی کارروائی گذشتہ شب درج ہو چکی ہے

آپ نے فرمایا کہ

آج کل ان مولویوں کا دستور ہے کہ چالیس، پچاس جھوٹ ایک دفعہ ہی بیان کر دیتے ہیں اب ان کا فیصلہ تین چار منٹ میں دوسرا فریق کس طرح کرے پادریوں کا بھی یہی طریق ہے۔ کہ ایک دم اعتراض کرتے چلے جاتے ہیں ایسے وقت میں یہ طریق اختیار کرنا چاہیے کہ ایک اعتراض چن لیویں اور اول اس پر فیصلہ کرکے پھر آگے چلیں اور دوسرا اعتراض لے لیں۔ اول قواعد مقرر کیے جائیں یہ امر بھی دیکھا جائے کہ منہاج نبوت کو (دوسرا فریق) مانتا ہے یا نہیں۔ اس نے (مولوی ثناء اللہ) باربار عبداللہ آتھم کی پیشگوئی کا تکرار کیا کہ وہ پوری نہ ہوئی۔ اگر منہاج نبوت کا فیصلہ اولاً کرلیا جاتا تو اس طرح کا دعویٰ وہ کب دے سکتا تھا۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۱۸-۱۹ مورخہ ۱۳؍ نومبر ۱۹۰۲ء

وعیدی پیشگوئی ٹل سکتی ہے

یونسؑ نبی کی پیشگوئی موجود تھی اس میں کوئی شرط بھی نہ تھی اور در منثور میں بھی حدیث ہے کہ یونسؑ نے کہا لَنْ اَرْجِعَ کَذَّابًا یعنی میں جھوٹا کہلا کر واپس نہ جاؤں گا۔ دیکھو۔ اس میں کوئی شرط نہ تھی وعید میں خدا تعالیٰ کو حق لازم نہیں آتا کہ ضرور عذاب نازل کرے۔

دیکھا جاتا ہے کہ جب بلا آتی ہے تو صدقہ خیرات کرنے سے ٹل جاتی ہے صرف فرق یہ ہوتا ہے کہ ایسی بلا کا قبل از وقت بیان نہیں ہوتا نہ اس کی کوئی پیشگوئی ہوتی ہے اور پیشگوئی میں بلا کا قبل از وقت بیان کر دیا جاتا ہے بہرحال وہ بھی خدا تعالیٰ کے علم میں تو قبل از وقت ہی ہوتی ہے قرآن شریف میں بار بار ذکر ہے کہ ہم نے فلاں قوم کی ہلاکت کا ارادہ کیا مگر جب انہوں نے توبہ کی تو پھر عذاب ہلاکت ٹل گیا توریت میں بھی ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے بار بار عذاب ٹلتا رہا وعید میں تخلف جائز ہے۔ اہل کتاب کا کوئی ایسا فرقہ نہیں جو اسے نہ مانتا ہو۔ ہندو بھی مانتے ہیں کہ صدقہ سے بلا ٹل جاتی ہے جب ٹل گئی تو پیشگوئی بدل گئی قرآن مجید میں بھی ہے یُصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ (المومن : ۲۹) یعنی عذابی پیشگوئیوں کا بعض حصہ تو پورا ہو گا اور بعض بوجہ توبہ استغفار ٹل جائے گا

نبی سے اجتہادی غلطی ہوسکتی ہے

منہاج نبوت کو دیکھا جائے تو صریح نظر آتا ہے کہ انبیاء سے اجتہادوں میں غلطیاں ہوئی ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم ابھی نہیں مرو گے کہ میں واپس آجاؤں گا تو یہ ان کا اجتہاد تھا مگر خدا تعالیٰ کے نزدیک ان کے آنے سے یہ مراد نہ تھی بلکہ دوسرے کا آنا مراد تھا اور ممکن ہے کہ الیاس کا بھی یہ خیال ہو کہ میں ہی واپس آؤں گا اسی طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کا سفر کیا تو حضرت عمرؓ کو ابتلا آیا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد اس طرف دلالت کرتا تھا کہ ہم فتح کر لیویں گے مگر وہ اجتہاد صحیح نہ نکلا اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے سمجھا تھا کہ ہجرت یمامہ کی طرف ہو گی مگر یہ بات درست نہ نکلی کیونکہ یہ آپ کا اپنا اجتہاد تھا کیونکہ خدا تعالیٰ پر لازم نہ تھا کہ ہر ایک باریک امر آپ کو بتلا دے پس بحث مباحثہ میں اول مخالف سے منہاج نبوت کو قبول کروا کر اس پر دستخط کروا لینے چاہئیں۔

پھر آتھم والی پیشگوئی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

وہاں تو یہ لکھا ہوا ہے کہ بشرطیکہ حق کی طرف رجوع نہ کرے یہ تو نہیں لکھا کہ بشرطیکہ مسلمان ہو جاوے اس سے پہلے وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دجال لکھ چکا تھا اور یہی وجہ مباحثہ کی تھی پھر جب میں نے پیشگوئی سنائی تو اس نے اسی وقت کانوں پر ہاتھ دھرے اور کہا کہ توبہ توبہ میں تو دجال نہیں کہتا۔

عذابوں کے نزول کی وجہ

یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ صرف عیسائی ہونا یا بت پرست ہونا اس امر کا موجب نہیں ہوتا کہ دنیا میں عذاب آوے ایسے عذابوں کے لئے تو قیامت کا دن مقرر ہے عذاب ہمیشہ شوخیوں پر آتا ہے اگر ابو جہل وغیرہ شرارتیں نہ کرتے تو عذاب نازل نہ ہوتا۔ نرا باطل مذہب پر پابند ہونے پر نہ کوئی عذاب آتا ہے نہ کوئی پیشگوئی۔ ہمیشہ زیادہ شوخیوں پر پیشگوئیاں ہوتی ہیں یہود کو مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ اسی لئے کہا کہ انہوں نے شوخیاں کیں گستاخیاں کیں اور ان پر غضب وارد ہوئے لیکن ضَآلِّیْن کو مَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ نہ کہا حالانکہ آخرت میں تو عذاب یہود کو بھی ہونا ہے اور نصاریٰ کو بھی۔ مگر چونکہ انہوں نے شوخی نہ کی۔ اس لئے دنیا میں ان پر غضب نازل نہیں ہوا انسان کیسے ہی بت پرست یا انسان پرست کیوں نہ ہو مگر جب تک شرارت نہ کرے عذاب نہیں آتا اگر ان باتوں پر بھی عذاب دنیا ہی میں آجائے تو پھر قیامت کو کیا ہوگا یہودیوں پر عذاب اسی لئے آئے کہ انہوں نے پیغمبروں کو دکھ دیئے ان کے قتل کے منصوبے کئے ان کی گستاخیاں کیں۔ کافروں کے لئے اصل زنداں تو قیامت ہی ہے اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر دنیا میں کیوں عذاب آتا ہے تو جواب یہی ہے کہ شوخیوں کی وجہ سے آتا ہے۔

فرمایا۔

عوام الناس سے ہمیشہ موٹی موٹی باتیں کرنی چاہئیں خدا تعالیٰ نے جو معجزات نبوت کی جزو رکھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عوام فائدہ اٹھائیں کیونکہ خواص کے لئے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی ان کے لئے تو حقائق اور معارف ہی کافی ہیں عوام کو چونکہ یہ معرفت نہیں ہوتی اس لئے ان کے خوش کرنے کو معجزات رکھے گئے ہیں۔

مرکزی اخبارات کو محتاط رہنے کی ہدایت

نماز عصر کے بعد حضرت اقدس نے الحکم اور البدر کے ایڈیٹوں کو بلا کر تاکید فرمائی کہ وہ

مضامین قلمبند کرنے میں ہمیشہ محتاط رہا کریں ایسا نہ ہو کہ غلطی سے کوئی بات غلط پیرایہ میں درج ہو جاوے یا کسی الہام کے الفاظ غلط شائع ہوں تو اس سے معترض لوگ دلیل پکڑیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مضامین مولوی محمد علی صاحب ایم اے کو دکھا لیا کریں اس میں آپ کو بھی فائدہ ہے اور تمام لوگ بھی غلطیوں سے بچتے ہیں۔

مباحثہ مُدّ

نماز مغرب کے بعد حسب دستور جلوس فرما کر مباحثہ موضع مد کے حسن وقبح پر تذکرہ فرمایا

یہ مولوی لوگ عوام کو بھڑکانے کے واسطے عجیب عجیب حیلے گھڑتے ہیں اور حق رسی سے ان کو کوئی کام نہیں ہوتا۔

فرمایا کہ ولد الزنا میں حیا کا مادہ نہیں ہوتا اسی لئے خدا تعالیٰ نے نکاح کی بہت تاکید فرمائی ہے[1]

۲؍نومبر ۱۹۰۲ء

صبح کی سیر

عربی نویسی میں مقابلہ

اس امر کا تذکرہ تھا کہ بعض نادان ملاں جب ہر طرح مقابلہ سے عاجز آجاتے ہیں اور ان پر اتمام حجت کے لئے کہا جاتا ہے کہ فصیح بلیغ عربی نویسی میں مقابلہ کرلو تو یہ کہہ کر پیچھا چھوڑاتے ہیں کہ ان کتابوں میں غلطیاں ہیں حضور نے فرمایا کہ

غلطیاں نکالنے کا جو دعویٰ کرتے ہیں اس میں تو یہ امر بجائے خود تنقیح طلب ہے کہ جو غلطی انہوں نے نکالی ہے خود ان کی اپنی ہی غلطی تو نہیں مولوی محمد حسین صاحب نے جب عَجِبْتُ لِلْاَمْرِیْ پر اعتراض کیا تھا کہ صلہ لام نہیں بلکہ مِنْ آتا ہے تو اسے کیسا شرمندہ ہونا پڑا بالمقابل لکھ کر تو بتائیں۔ دعوت تو بالمقابل لکھنے کی ہے نہ غلطیاں نکالنے کی اور پھر ایسی حالت میں یہ بہانہ کب چل سکتا ہے جب نکالی ہوئی غلطیوں میں خود ان کی ہی غلطیاں ہوں[2]

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۱۹-۲۰ مورخہ ۱۳؍نومبر ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۳ مورخہ ۱۷؍نومبر ۱۹۰۲ء

۳؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

(بوقت سیر)

مباحثات کا طریق

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے اور سیر کے دوران اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ

مباحثات میں ہمیشہ یہ امر مد نظر رکھنا چاہئے کہ فریق مخالف اپنی روباہ بازی سے سامعین کو دھوکا نہ دے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سامعین کے باطل عقائد کے موافق یہ لوگ ہماری طرف سے ایسی باتیں ان کو سناتے ہیں کہ جن سے وہ لوگ معاً بھڑک جاویں اور برانگیختہ ہو جاویں ایسی صورت میں پھر خواہ ان کے آگے کچھ ہی کہو وہ لوگ ایک نہیں سنتے جیسے مولوی صاحب نے کل اپنا ذکر سنایا تھا۔

پھر طریق بحث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

بلاغت کا کمال یہ بھی ہے کہ ایک بات دوسرے کے دل تک پہنچائی جائے ورنہ اگر کوئی کلام اس قابل ہو کہ آب زر سے لکھا جائے مگر متکلم اسے سمجھ نہیں سکتا تو پھر وہ فصیح نہیں کہلائے گا اس لئے کلام کرنے والے کو یہ تمام پہلو مد نظر رکھنے چاہئیں۔

مکذبوں کے ذریعہ ہی حقائق و معارف کھلتے ہیں

فرمایا :۔

کافروں کے لئے درمیانی خوشی ہوتی ہے اور انجام کی خوشی متقیوں کے لئے ہوتی ہے خدا تعالیٰ اگر چاہے تو ایک دم میں سب کا خاتمہ کر سکتا ہے مگر وہ رونق چاہتا ہے جب تک مکذب نہ ہوں تو پھر مصدق کی حقیقت کیا معلوم ہو سکتی ہے مکذبوں کے ذریعہ ہی حقائق و معارف کھلتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی محبت اور نصرت کا پتہ ملتا ہے اگر ایک شخص کے دل میں ماں کی محبت ہے تو اس کا کسی کو علم نہ ہو گا مگر جب کوئی اسے ماں کی گالی دے تو جھٹ اسے غصہ آجائے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ ماں کی محبت اس کے دل میں ہے۔

ایک علمی معجزہ

فرمایا :۔

ان ہمارے مخالفوں کو غلطیاں نکالنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا جب تک وہ اپنا منصب عربی دانی کا

ثابت نہ کریں تب تک ان کو غلطی نکالنے کا حق نہیں ہے اعتراض کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اول زبان پر پورا احاطہ ہو اگر ان لوگوں کو عربی زبان کا علم ہے تو ہم جو دس سال سے رسالے لکھ لکھ کر مقابلہ پر بلا رہے ہیں انہوں نے آج تک دس سطریں ہی دکھائی ہوتیں۔ ورنہ جہالت سے تکذیب کرنے سے کیا بنتا ہے یہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ یہ لوگ بالمقابل لکھ نہیں سکتے ورنہ املا کرانا کیا مشکل امر ہے مگر ہمارے مقابلہ میں خدا تعالیٰ نے ان کی زبانوں کو بند کردیا ہے۔

فرمایا :۔

دل میں بات بٹھانے کے واسطے بھی ایک ڈھب ہوتا ہے کیونکہ اب تلوار کی لڑائی تو ہے نہیں۔ زبانوں کی ہے اس لئے زبان کی تلوار جب مارے تو اوچھی نہ مارے۔ ایسی خوب مارے کہ دو ٹکڑے ہو جائیں میں نے بارہا ارادہ کیا ہے کہ یہ لوگ میرے زانو بہ زانو بیٹھ کر عربی لکھیں مگر دل فتویٰ دیتا ہے کہ یہ لوگ کبھی مقابلہ پر نہیں آئیں گے کیونکہ ان کے دلوں پر رعب پڑ گیا ہے تو اب جبکہ شکار ہمارے نزدیک نہیں آتا تو ہمیں چاہئے کہ دور سے بذریعہ بندوق کے نشانہ بنائیں۔

مباحثہ مدّ میں ہماری فتح ہوئی

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے اور تھوڑی دیر مجلس فرمائی۔ مدّ کے مباحثہ کا ذکر ہوتا رہا فرمایا کہ :۔

درحقیقت تو ہم نے فتح پا لی ہے صرف اتنی بات ہے کہ وہ دیہات کے لوگ تھے ان کو ان باریک باتوں کی سمجھ نہیں آئی مجھے خوشبو آتی ہے کہ آخر کار فتح ہماری ہے دسمبر کے آخر تک جو نشان ظاہر ہونے والے ہیں شاید یہ بھی ان میں سے ایک عظیم الشان نشان ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے جیسا کہ فرمایا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص : ۸۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تیرہ برس تک مکروہات ہی پہنچتے رہے۔

عصر کی نماز کے لئے حضور تشریف لائے تو اس وقت بھی مباحثہ مد کے متعلق ہی ذکر فرماتے رہے حضور نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کے برگزیدوں کی یہ عجیب حالت ہوتی ہے کہ جب ایک بات کی طرف توجہ ہو جائے تو پھر رات دن اسی کی طرف توجہ رہتی ہے گویا کہ بالکل اس میں مستغرق ہیں اور دنیا ما فیہا کی خبر نہیں۔

مہمان تکلّف نہ کیا کریں

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول جلوس فرما ہوئے تو میر صاحب نے عبد الصمد صاحب آمدہ از کشمیر کو آگے بلا کر حضور کے قدموں کے نزدیک جگہ دی اور حضرت اقدس سے عرض کی کہ ان کو یہاں ایک تکلیف ہے کہ یہ چاولوں کے عادی ہیں- اور یہاں روٹی ملتی ہے-

حضرت اقدس نے فرمایا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (ص : ۸۷) ہمارے مہمانوں میں سے جو تکلّف کرتا ہے اسے تکلیف ہوتی ہے اس لئے جو ضرورت ہو کہہ دیا کرو-

پھر آپ نے حکم دیا کہ ان کے لئے چاول پکوا دیا کرو-

مباحثہ مُدّ کا ذکر

پھر حضرت اقدس مباحثہ مد کا ذکر فرماتے رہے حضور نے فرمایا کہ

اس دن ہم نے مناسب سمجھا تھا کہ یہ مباحثہ کی کاروائی الحکم وغیرہ میں نہ چھپے مگر خدا کو یہ منظور نہ تھا-

---

سر سید کا یورپ کی طرف مَیلان

سید احمد صاحب کے یورپ کی طرف میلان پر فرمایا کہ

انسان جس شیئے کی طرف پوری رغبت کرتا ہے تو پھر اسی کی طرف اس کا میلان طبعی ہو جاتا ہے اور آخر کار وہ مجبور ہوتا ہے-

ڈوئی کا ذکر

پھر ڈوئی کا اخبار مفتی محمد صادق صاحب سناتے رہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اس لئے سنتے ہیں کہ کہیں غیرت آجاتی ہے اور بعض اوقات کوئی عجیب تحریک ہو جاتی ہے-

---

ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے

اس کے بعد ذکر چل پڑا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل سے حضرت اقدس کو تمام

مقابلہ کی تحریروں میں مدد دیتا رہا ہے کہ اکثر اوقات حضرت اقدس بیمار تھے اور میعاد مقابلہ نزدیک آ گئی تو پھر اسی حالت میں بڑی سختیوں سے راتوں کو بیٹھ بیٹھ کر کتابیں لکھیں حضور نے فرمایا کہ

میں تو ایک حرف بھی نہیں لکھ سکتا اگر خدا تعالیٰ کی طاقت میرے ساتھ نہ ہو۔ بارہا لکھتے لکھتے دیکھا ہے ایک خدا کی روح ہے جو تیر رہی ہے قلم تھک جایا کرتی ہے مگر اندر جوش نہیں تھکتا طبیعت محسوس کیا کرتی ہے کہ ایک ایک حرف خدا تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے۔

ڈوئی کا ذکر

پھر ڈوئی کی کسی بات پر فرمایا کہ

اس کے وجود سے شیطان کا وجود ثابت ہوتا ہے وہ بھی انسان کو اسی طرح فریفتہ کرتا ہے۔[1]

۴؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

(بوقت سیر)

علاقہ جہلم سے دو شخص بہت ضعیف العمر حضرت اقدس کی زیارت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے بوجہ ضعیف العمری کے وہ چل نہیں سکتے تھے حضرت اقدس ان کی خاطر ٹھہر گئے اور ان کے حالات دریافت فرماتے رہے۔

آیت مَاذَآ اُجِبۡتُمۡ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا کی تفسیر

پھر حضور مشرق کی طرف سیر کو چلے سید سرور شاہ صاحب نے حضرت اقدس سے سوال کیا کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن ہر ایک رسول اپنی امت کے حالات سے لاعلمی ظاہر کرے گا جیسے قرآن شریف میں ہے یَوۡمَ یَجۡمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوۡلُ مَاذَآ اُجِبۡتُمۡ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا (المائدۃ : ۱۱۰) تو پھر اس آیت کے مفہوم کے مطابق اگر مسیح بھی اپنی امت کے حالات سے لاعلمی ظاہر کریں اگرچہ وہ آخر زمانہ میں پھر آکر چالیس برس ان لوگوں میں گذار بھی جائیں تو آیت فَلَمَّا تَوَفَّیۡتَنِیۡ کے لحاظ سے وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو کاذب کیسے ٹھہر سکتے ہیں؟ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لاعلمی انبیاء کی ان کی اس امت کے بارے میں ہوتی ہے جو ان کی وفات کے بعد ہوتی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۰۔۲۱ مورخہ ۱۳؍نومبر ۱۹۰۲ء

ہے مسیح بھی کہتا ہے کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ (المائدہ : ۱۱۸) تو پھر اگر ان کو علم نہیں تو وہ شہید کس طرح ہوئے اور کس بات کے ہوئے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے حالات سے تو لاعلمی ظاہر کرسکتے ہیں مگر صحابہ کرام کی نسبت نہیں کرسکتے کیونکہ آپؑ کو ان کے حالات معلوم تھے اور آپؑ ان میں رہتے تھے اس قسم کی لاعلمی سے وہی لاعلمی مراد ہے یعنی اس امت کا ذکر جو کہ نبی کے بعد آیا کرتی ہے یا بہت آخری وقت پر آتی ہے کہ اسے نبی کی صحبت سے کچھ حصہ نہیں ملتا۔

ایک تعبیر

پھر ایک صاحب نے خواب سنایا کہ میں نے رات کو ہاتھی خواب میں دیکھا اور یہ کہ حضرت اقدس اس کے سر کو تیل لگا رہے ہیں حضرت اقدس نے تعبیر بیان فرمائی کہ

رات کے وقت ہاتھی دیکھنا عمدہ ہوتا ہے اور تیل لگانا بھی زینت ہے یہ بھی اچھا ہے۔

مرکز سے عربی رسالہ جاری کرنے کی خواہش

حضرت اقدس کے گذشتہ ایما پر عبداللہ عرب صاحب نے کشتی نوح کے چند ورق کا جو ترجمہ عربی زبان میں کیا تھا وہ حضرت اقدس کو سناتے رہے حضرت اقدس نے فرمایا

اگر یہ مشق کرلیں کہ اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ کرلیا کریں تو ہم ایک عربی پرچہ یہاں سے جاری کردیں۔

شرم

پھر شرم کے ذکر پر فرمایا کہ

ایک شرم انسان کو دوزخ میں لے جاتی ہے اور ایک شرم جنت میں لے جاتی ہے جو شخص شرم کی وجہ سے اپنے علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا اس کے لئے شرم دوزخ ہے۔

مولویوں کی حالت

پھر آجکل کے معترض مولویوں کی حالت پر فرمایا کہ

ان لوگوں نے بالکل پادریوں کا ڈھنگ اختیار کیا ہوا ہے جیسے وہ جب ملتے ہیں تو سب کچھ

چھوڑ چھاڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب و شتم شروع کر دیتے ہیں اسی طرح یہ لوگ ہمارے معاملہ میں کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ بھی تماشہ دیکھ رہا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کفار کیا کچھ نہ کرتے تھے اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اسی وقت کفار کو تباہ کر دیتا مگر اس نے ایسا نہ کیا کچھ عرصہ ان کی ناز برداری کرتا رہا۔

ایک پیشگوئی کا پورا ہونا

پھر سید سرور شاہ صاحب سے حضرت اقدس کچھ گفتگو ان کے سفر امرتسر کے متعلق کرتے رہے ایک مقام پر فرمایا کہ

ہم نے مالی انعامات دے دے کر ان لوگوں کو اپنے مقابلہ پر بلایا مگر یہ لوگ نہ آئے مگر ہم دینے سے تھکے نہیں ابھی اور دیں گے اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں گے تو گویا اپنے ہاتھوں سے ایک اور پیشگوئی ہمارے حق میں پوری کر دیں گے وہ یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ مسیح موعود مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے تو اگر انکار کرتے ہیں تو اپنے ہاتھ سے اس پیشگوئی کو پورا کرتے ہیں۔

مذہبی گفتگو کا طریق

فرمایا :۔

گفتگوئیں ایسے مقامات پر ہونی چاہئیں جہاں رؤساء بھی جلسہ میں ہوں اور تہذیب اور نرم زبانی سے ہر ایک بات کریں کیونکہ دشمن جب جانتا ہے کہ محاصرہ میں آگیا تو وہ گالی اور درشت زبانی سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے طالب حق بن کر ہر ایک کو بات کرنی چاہئے اور یہ امر سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ (المجادلہ : ۲۲) اگر ہم حق پر نہیں ہیں تو ہم غالب نہ ہوں گے ہم نے ان کو کئی بار لکھا ہے کہ سب متفق ہو جائیں کوئی عیب نہیں ہے۔ ہماری طرف سے ان کو اجازت ہے ان تمام مولویوں میں سے بہت ایسے ہیں کہ عربی لکھتے ہیں بلکہ اشعار بھی کہتے ہیں مگر ہمارے مقابل پر خدا تعالیٰ ان کی زبان بند کر دیتا ہے اور ان کو ایسا امر پیش آتا ہے کہ چپ رہ جاتے ہیں۔

مغرب کی نماز کے بعد حضرت اقدس حسب دستور شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے سید عبداللہ عرب صاحب نے ایک رسالہ ایک شیعہ علی حائری کے رد میں عربی زبان میں لکھا تھا جس کا نام سبیل

الرشاد رکھا تھا حضرت اقدس کو سناتے رہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی کرتے جاؤ تا کہ تم کو مشق ہو مگر عرب صاحب کو جرات نہ ہوئی کہ اتنی مجلس میں ترجمہ ٹوٹے پھوٹے اردو میں سنا دیں اس رسالہ میں ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مسیح کے بارہ میں یہود کا موقف

مجھے اس جگہ ان کے الفاظ سے یہ تحریک ہوئی ہے کہ یہود لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو دو وجہ سے ملعون ٹھہراتے تھے ایک ان کو ولدالزنا کہہ کر۔ دوسرا مصلوب کرنے کے لحاظ سے۔ جب خدا تعالیٰ نے ان کے ولدالزنا ہونے کا ذب کیا ہے تو چاہئے تھا کہ ان کے مصلوب ہونے کا بھی ذب کرتا۔ جسم کے ساتھ آسمان پر جانا تو ایک الگ تعلق امر ہے اول ذب دلالت کرتا ہے کہ دوسرا بھی ذب ہو۔

اولاد الشیطان

پھر یہ بات بیان ہوئی کہ اہل شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ ولد الزنا کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ حسینؑ اور بارہ اماموں کی بھی محبت رکھتا ہو۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

توریت میں بھی ایسے ہی لکھا ہے اور اسی لئے وہ مسیح کو ملعون کہتے تھے اس بات کی اصل قرآن شریف میں بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس میں تخصیص کی ہے ایک اولاد الرحمان اور ایک اولاد الشیطان۔ کیونکہ جب شیطان نطفہ میں شریک ہو گیا تو پھر اس کے قویٰ میں یہ بات بطور جزو کے آگئی۔

ایک مقام پر ہے بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ (القلم : ۱۴) یعنی یہ ولدالزّنا ہے اور تجربہ بتلاتا ہے کہ ولدالزنا شرارت سے باز نہیں آیا کرتے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ

پھر اس رسالہ میں مَا قَتَلُوْهُ (النساء:۱۵۸) کے لفظ پر حضرت اقدس کو یہ تحریک ہوئی کہ مَا قَتَلُوْهُ پر سوال ہوتا ہے کہ یہود کیوں قتل کرتے تھے ان کی کیا غرض تھی جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النساء : ۱۵۹) یعنی قَتَلْنَا سے ان کی مراد لَعْنًا تھی۔

ایک لطیف نکتہ

اہل عرب میں چونکہ ایک ہزار سے آگے شمار نہیں ہے حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا میلان دنیا کی طرف نہ تھا ورنہ دوسری دنیا دار قوموں کی طرح لاکھوں کروڑوں تک گنتی وہ بھی رکھتے۔
وہ رسالہ سن کر حضرت اقدس نے تعریف کی کہ
عمدہ لکھا ہے اور معقول جواب دیئے ہیں[1]

۵؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

(بوقت سیر)

خاتمہ بالخیر چاہیئے

حضرت اقدس حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے۔ آتے ہی قاضی میر حسین صاحب مدرس عربی مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے والد ماجد مسمی غلام شاہ صاحب تاجر اسپاں سے ملاقات ہوئی انہوں نے حضرت اقدس کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور نذر پیش کی حضرت اقدس ان کے حالات دریافت فرماتے رہے معلوم ہوا کہ آپ کی اسی سال سے زیادہ عمر ہے انہوں نے درخواست کی میرے خاتمہ بالخیر کی دعا فرمائی جاوے حضرت اقدس نے فرمایا کہ
بس یہی بڑی بات ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو کسی نے نوح علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ آپ تو قریب ایک ہزار سال کے دنیا میں رہ کے آئے ہیں بتلایئے کیا کچھ دیکھا۔نوحؑ نے جواب دیا کہ یہ حال معلوم ہوا ہے کہ جیسے ایک دروازے سے آئے اور دوسرے سے چلے گئے تو عمر کا کیا ہے لمبی ہوئی تو کیا تھوڑی ہوئی تو کیا خاتمہ بالخیر چاہیئے۔
پھر ایک بڑ کے درخت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ
ہم سے تو یہ درخت ہی اچھا ہے ہم چھوٹے ہوتے تھے تو اس کے تلے ہم کھیلا کرتے تھے یہ اسی طرح ہے اور ہم بڈھے ہو گئے ہیں یہ سال بہ سال پھل بھی دیتا ہے۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۱-۲۲ مورخہ ۱۳؍ نومبر ۱۹۰۲ء

مباحثہ مُدّ کسی فتح کی بُنیاد نظر آتا ہے

محمد یوسف صاحب اپیل نویس نے عرض کیا کہ حضور موضع مد کے مباحثہ میں ایک اعتراض یہ بھی کیا گیا تھا کہ مرزا صاحب تمہاری آنکھیں کیوں نہیں اچھی کر دیتے حضرت اقدس نے فرمایا :-

جواب دینا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اندھا تھا جیسے قرآن مجید میں لکھا ہے عَبَسَ وَتَوَلّٰی۔ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی۔ (عبس : ۲-۳) وہ کیوں نہ اچھا ہوا حالانکہ آپ تو افضل الرسل تھے اور بھی اندھے تھے ایک دفعہ سب نے کہا کہ یا حضرت ہمیں جماعت میں شامل ہونے کی بہت تکلیف ہوتی ہے آپ نے حکم دیا کہ جہانتک اذان کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کے لوگوں کو ضرور آنا چاہئے۔

فرمایا۔

شریر آدمیوں کا کام ہے کہ آنکھ' کان' ٹانگ وغیرہ کاٹ کر پھر کلام کو ایک مسخ شدہ صورت میں پیش کرتے ہیں یہ مباحثہ بھی ہمارے لئے ایک فتح حدیبیہ کی صلح کی طرح کسی فتح کی بنیاد ہی نظر آتا ہے۔

جماعت کا اخلاص

پھر فرمایا کہ

ہماری جماعت جان ومال سے قربان ہے اگر ہمیں ایک لاکھ کی ضرورت ہو تو وہ مہیا کر سکتے ہیں اول بار عوام الناس نے علمی باتوں کو نہ سمجھا اس لئے اب اللہ تعالیٰ نشانوں سے سمجھاتا ہے۔

مولویوں کی حالت

زمانہ کے مولویوں کی حالت پر فرمایا کہ :

ایسے مولویوں کے ہوتے ہوئے دین کے استیصال کے پادریوں کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

نبی سے اجتہاد میں غلطی ہو سکتی ہے

پھر اعتراضوں پر فرمایا

کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ہم پر وہ ٹیکس لگاتے ہیں جو اول انبیاء کو معاف کرتے ہیں ان سے بھی

اجتہادی غلطیاں ہوتی رہیں۔ ہاں وحی میں غلطی نہیں ہوتی پھر اگر اجتہاد کو بھی غلطی سے مبرا خیال کرتے ہیں تو وہ اجتہاد کیوں نام رکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صحابہؓ کو کھجوروں کے درختوں کے متعلق کچھ ہدایات دیں پھر جب نتیجہ وہ نہ نکلا تو آپؐ نے فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ تو کیا اس سے آپ کی نبوت میں کوئی فرق آگیا ہے؟ اول ان سے پوچھا جائے کہ وہ کہاں تک اجتہاد میں معصومیت روا رکھتے ہیں۔

عربی کا ترجمہ آسان کام نہیں

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا ذکر ہوتا رہا ماحصل یہ تھا کہ عربی زبان کا ترجمہ کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں ہے بعض وقت ایک لفظ کے معنے ایک ایک سطر میں جاکر پورے ہوتے ہیں اور اس کا ترجمہ کرنا بھی ایک معجزہ ہوتا ہے۔

طاعون کا ٹیکہ

عصر کے وقت حضرت اقدس نے تشریف لاکر خبر سنائی کہ

گوجرانوالہ سے ایک کارڈ آیا ہے جس میں خبر ہے کہ ٹیکہ کا عمل گورنمنٹ نے بند کر دیا ہے اس خبر کی تصدیق یہاں بھی ہوئی ہے لالہ شرمپت میرے پاس آئے تھے انہوں نے کہا کہ گورداسپور میں بھی ٹیکہ کے جلسے بند ہو گئے ہیں اور دوائی ٹیکہ تمام واپس منگوائی گئی ہے۔

دیہات کیلئے منظوم پنجابی لٹریچر کی ضرورت

بعد نماز مغرب مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے ایک پنجابی نظم سنانے کی درخواست کی جس میں انہوں نے الفاظ بیعت اور شرائط بیعت کو منظوم کیا ہوا تھا جب وہ سنا چکے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

پنجابی نظموں کا ایک مجموعہ تیار کرکے چھاپا جاوے اور یہ گاؤں بہ گاؤں لوگوں کو سناتے پھریں تاکہ خلق خدا کو ہدایت ہو تو یہ بہت مفید ہو۔

کتاب "کشتی نوح" اور اخبارات

پھر کشتی نوح پر اخباروں کے ریمارک کی نسبت فرمایا کہ

اول اخباروں نے کیسی مخالفت کی کہ گویا ہم نے گورنمنٹ کی راہ میں پتھرڈال دیئے ہیں۔ لیکن سول ملٹری گزٹ کی تعریف کی کہ اس نے کوئی چنداں مخالفت ہماری اس امر میں نہیں کی اور نہ بے ادبی کا طریق اختیار کیا۔ معلوم ہوتا ہے یہ لوگ گورنمنٹ کے بڑے مزاج دان ہوتے ہیں گورنمنٹ کے لئے رعایا مثل بچوں کے ہے ایک ماں کی طرح حد انسانیت تک خبر گیری ضروری ہے اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ ٹیکہ سے کوئی مفید تجربہ حاصل نہیں ہوا تو پھر طاعون کا کوئی علاج نہیں آخر نظر آسمان کی طرف ہونی چاہئے خدا نے قوموں کو سزا دینے کے لئے اسے رکھا ہے توریت میں بھی اس کا ذکر ہے قرآن مجید میں بھی ہے بلکہ قرآن مجید میں تو چوہوں کا بھی ذکر ہے خدا کی عجیب قدرتوں کے دن ہیں جو قسمت والے ہوں گے وہ خدا پر ایمان لاویں گے۔

صحابہؓ کا زُہد

پھر عبداللہ عرب صاحب اپنی تصنیف رد شیعہ میں سناتے رہے ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

صحابہ کرامؓ کو جو برابر بھی دنیا کی خواہش نہ تھی ان کا مدعا یہ تھا کہ خوں بہا کر بھی رسول اللہ کے پیرو بن جاویں۔

پھر ایک مقام پر فرمایا کہ

سر الشہادتین (کتاب) میں میں نے ایک دفعہ پڑھا کہ جب مسلم (امام حسینؓ)[1] دروازہ کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے یہ آیت پڑھی رَبَّنَا افۡتَحۡ بَیۡنَنَا وَبَیۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَیۡرُ الۡفٰتِحِیۡنَ (الاعراف:۹۰) اور اسی وقت ان کا سر کاٹا گیا یہ بات مجھ کو بڑی بے محل معلوم ہوئی۔

پھر عبداللہ عرب صاحب اپنے تقیہ کے حالات سناتے رہے پھر انہوں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے اس گند سے ان کو نجات دی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:

خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے جب تک انسان کی آنکھ نہ کھلے انسان کیا کر سکتا ہے[2]

---

[1] نقل مطابق اصل [2] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۲-۲۳ مورخہ ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء

۶؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

بعد نماز مغرب حضرت اقدس علیہ السلام شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے فرمایا :-
آج میں نے کام میں بہت توجہ کی۔ سر میں درد تھا ریزش بھی ہے اور گلا بھی پکا ہوا ہے جیسے کسی نے چیرا ہوا ہو۔ اور مریض بھی بہت آئے اگرچہ حکیم نورالدین صاحب کو علاج کے لئے مقرر کیا ہوا ہے مگر بعض اپنے اعتقاد کے خیال سے مجھ سے ہی علاج کراتے ہیں۔

دُنیا کی بے ثباتی

پھر دنیا کی بے ثباتی پر فرمایا کہ
چند روزہ زندگی ہے۔ اس کا نظارہ کیا ہے۔ کون ہے جو اپنے خویش و اقارب کی موت کا نظارہ نہیں دیکھتا۔
اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بے ثبات کر رکھا ہے جو آیا ہے اس کے اوپر جانا سوار ہے ہزار دو ہزار برس کی عمر ہوتی تب بھی کیا ہوتا۔ مگر انسان کی عمر تو چیل اور گدھ جتنی بھی نہیں ہے اگر یہ مضمون دل کے اندر چلا جائے تو اس کا اثر ہوتا ہے جیسا کہ ابراہیم ادھم اور شاہ شجاع وغیرہ پر ایسا اثر پڑا کہ اپنے اپنے تختوں سے نیچے اتر پڑے۔[1]

۷؍نومبر ۱۹۰۲ء

بٹالہ کا سفر

بعد نماز فجر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام بٹالہ جانے کے لئے تیار ہوئے ہر ایک شخص حضور کے ہمراہ جانے کے لئے بے قرار تھا۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ :
چونکہ آج ہی واپس آجانا ہے اس لئے کوئی ضروری نہیں کہ سب لوگ ساتھ جاویں۔

آپ نے ایک اور طالب علم کو جو پاپیادہ ہمراہ تھا فرمایا :-
تم کو تو یونہی تکلیف ہوئی تھوڑی دیر شاید ٹھہرنا ہو گا سفر کی کوفت میں تم خواہ مخواہ ہمارے شریک ہو گئے۔[2]

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۳؍ نومبر ۱۹۰۲ء [2] البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۳؍ نومبر ۱۹۰۲ء

ایک نومسلم کو نصیحت

بٹالہ کے سفر کے دوران حضرت اقدس شیخ عبدالرحمان صاحب قادیانی سے ان کے والد صاحب کے حالات دریافت فرماتے رہے اور نصیحت فرمائی کہ

ان کے حق میں دعا کیا کرو ہر طرح اور حتی الوسع والدین کی دلجوئی کرنی چاہئے اور ان کو پہلے سے ہزار چند زیادہ اخلاق اور اپنا پاکیزہ نمونہ دکھلا کر اسلام کی صداقت کا قائل کرو۔ اخلاقی نمونہ ایسا معجزہ ہے کہ جس کی دوسرے معجزے برابری نہیں کرسکتے سچے اسلام کا یہ معیار ہے کہ اس سے انسان اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر ہو جاتا ہے اور وہ ایک ممیز شخص ہوتا ہے شاید خدا تعالیٰ تمہارے ذریعہ ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دے۔ اسلام والدین کی خدمت سے نہیں روکتا۔ دنیوی امور جن سے دین کا حرج نہیں ہوتا ان کی ہر طرح سے پوری فرماں برداری کرنی چاہئے دل و جاں سے ان کی خدمت بجا لاؤ۔

بٹالہ کے سفر کے دوران

زندگی کا بھروسہ نہیں

راستہ میں مولوی قطب الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جو کہ شاہ پور کی طرف ایک مریض کے علاج کے لئے گئے تھے مگر وہ مریض ان کے پہنچنے پر فوت ہوگیا یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا انسان کا کیا ہے زندگی کا بھروسہ نہیں جہاں تک ہو سکے آنے والے سفر کی تیاریوں میں مصروف ہونا چاہئے ساری بیماریوں کا علاج ہے مگر یہ موت ایسی بیماری ہے کہ جس کا کوئی علاج نہیں[1]

بٹالہ پہنچ کر اس باغ میں جو کچہری کے سامنے ہے ڈیرا کیا اور حوائج ضروریہ کے بعد کاغذ طلب کیا۔ فرمایا کہ راہ میں چند شعر کہے ہیں ان کو لکھ لوں چنانچہ مفتی صاحب نے اپنی نوٹ بک پیش کی اور آپ لکھنے لگے۔ کھانا ساتھ ہی تھا حکم دیا کہ پہلے کھانا کھا لیا جاوے

منشی محمد یوسف صاحب اپیل نویس مردان سے مخاطب ہو فرمایا کہ

آپ ایک دینی جہاد کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے گا[2]

---

[1] البدر جلد ا نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء

[2] البدر میں ہے

منشی محمد یوسف صاحب کو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

آپ دلگیر نہ ہوں آپ ایک دینی جہاد میں مصروف ہیں اللہ تعالیٰ آہستہ آہستہ اس سلسلہ کو ایسا پھیلا دے گا کہ یہ سب پر

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

میں نے ایڈیٹر الحکم کو حکم دیا ہے کہ وہ سارا مباحثہ الحکم میں چھاپ دیں جو زائد کاپیاں آپ کو مطلوب ہوں ان سے لے لیں زائد اخراجات آپ کو برداشت نہ کرنے پڑیں گے اور ثواب بھی ہو گیا

اور فرمایا کہ

آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلدی اس سلسلہ کو پھیلا رہا ہے اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اس سلسلہ کو دنیا میں پھیلائے۔

ضمناً" فرمایا کہ :۔

کوئی درخت اتنی جلدی پھل نہیں لاتا جس قدر جلدی ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے یہ خدا کا فعل ہے اور عجیب۔ یہ خدا کا نشان اور اعجاز ہے۔

مسیح ناصریؑ کے متعلق صحابہ کرامؓ کا عقیدہ

فرمایا :۔

یہ صحیح نہیں ہے کہ صحابہؓ حضرت مسیح کی اس شان کے قائل تھے جو خدائی کے ناواقف مسلمانوں نے ان کی بنا رکھی ہے اگر وہ مسیح کو اسی شان سے مانتے کہ وہ حقیقی مردے زندہ کرتے تھے اور حی و قیوم تھے تو ایک بھی مسلمان نہ ہوتا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر ان کی صفات کو یقین کرتے تو وہ اخلاص اور وفاداری ان میں پیدا نہ ہوتی۔

حضرت مسیح علیہ السلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان

فرمایا :۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا احسان ہے کہ آپؐ نے ان کا تبریہ کیا اور ان الزاموں سے پاک کیا جو ان پر ناپاک یہودی لگاتے تھے جو یہودی مسلمان

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

غالب ہوں گے اور آجکل کے موجودہ ابتلا سب دور ہو جائیں گے خدا تعالیٰ کی یہی سنت ہے کہ ہر ایک کام بتدریج ہو۔ کوئی درخت اتنی جلدی پھل نہیں لاتا جس قدر جلدی ہماری جماعت ترقی کر رہی ہے یہ خدا تعالیٰ کا فعل ہے اور اس کا نشان۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۳ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

ہوتا تھا کتنی بڑی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا اسے پہلے اقرار کرنا پڑتا۔[1]
فرمایا :۔
عیسائی مذہب ایسا ہے کہ اس کو پیدا ہوتے ہی صدمہ پہنچا جیسے کوئی لڑکی پیدا ہوتے ہی اندھی ہو ایسا ہی اس مذہب کا حال ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر احسان کیا اور اس کو پاک کیا۔

نبی کا ہر سفر حکمتِ الٰہی پر مبنی ہوتا ہے

بٹالہ آنے کا تذکرہ ہوا تو فرمایا کہ
ہمارا یہاں آنا تو کوئی اور ہی حکمت رکھتا ہے ورنہ یہ شہادت کیا اور شہادت بھی لا علمی کی۔[2]
اس پر آپ نے فرمایا کہ
دو بزرگ ابوالقاسم اور ابو سعید نام تھے۔ اتفاق سے دونو ایک جگہ اکٹھے ہو گئے ان کے ایک مرید نے کہا کہ میرے دل میں ایک سوال ہے اتفاق سے دونو ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ سوال یہ پیش کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو مدینہ میں آئے تھے اس کی وجہ کیا تھی؟ ابوالقاسم نے کہا کہ بات اصل میں یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض

---

[1] (البدر سے) مسیح علیہ السلام کے ذکر پر فرمایا کہ
ان پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے احسانات ہیں کہ آپؐ نے ہر طرح کے الزامات سے ان کو بری کیا جو کہ یہودی لوگ ان پر لگاتے تھے۔ ورنہ وہ تو بیچارے جس دن پیدا ہوئے اسی دن لوگوں کی لعنت کے مورد ہوئے کیا یہودیوں نے ان کے ساتھ تھوڑی کی ہے ابتدا بھی ان کی لعنت سے ہے اور انتہا بھی لعنت سے ہے دراصل تو ان کا مصدق کوئی نظر نہیں آتا۔ یہود تو لعنت کرتے ہی تھے جو حواری تھے وہ بھی لعنت کرتے تھے ایک نے ان میں سے تین بار لعنت کی پھر چھوڑ کر چلے گئے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے مصدق بنے۔ کہ ہر ایک عیب سے ان کی برءت کی بھلا اس سے بڑھ کر کیا احسان ہو سکتا ہے کہ بجائے لعنت کے رحمت کا خطاب ان کو دلایا اب کروڑوں مسلمان رَحْمَةُ اللّٰهِ کا لفظ ان کے لئے بولتے ہیں
(البدر جلد ۱ نمبر ۳ صفحہ ۲۱ مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] (البدر سے)
"ہمارا اس جگہ آنا بھی حکمت الٰہی پر مبنی ہے ورنہ یہ شہادت ایک ایسا معاملہ ہے جس کا جواب ہمارے پاس سوائے لا علمی کے اور کچھ نہیں"
(البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۹ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء)

کمالات مخفی تھے ان کا بروز اور ظہور وہاں آنے سے ہوا۔

ابو سعید نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے وہاں آئے تھے کہ بعض ناقص [۱] ابھی موجود تھے ان کی تکمیل کے لئے آئے۔

گویا دونوں نے اپنے اپنے رنگ پر اپنی انکساری کا اظہار کیا اور ایک دوسرے کی تکریم کی اسی طرح ہمارے یہاں آنے کی غرض تو یہی معلوم ہوتی ہے کہ میاں نبی بخش سے ملاقات ہو گئی کچھ تبلیغ ہو جائے گی بہت لوگوں کو فائدہ پہنچ جائے گا۔

شہادت کا چھپانا گناہ ہے

شہادت کے تذکرہ پر فرمایا کہ

شہادت کا چھپانا گناہ ہے اور جب سرکار بلائے تو ضرور حاضر ہونا چاہئے شہادت سے جب کسی کی بھلائی ہو اور حق کھل جاوے تو کیوں ادا نہ کرے۔

ہر جگہ جو انسان قدم رکھتا ہے اس میں خدا کی حکمت ہوتی ہے زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک آسمان پر تحریک اور مقدر نہ ہو[۲]

ایک سائل نے آکر کچھ مانگا آپ نے میر صاحب کو حکم دیا کہ

اس کو کچھ دے دیں اور جو آجائیں ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔

عیسائیوں سے مباحثات

ایک مولوی صاحب جو عیسائیوں سے مباحثات کے بہت شائق تھے انہوں نے حضور کا نیاز حاصل کیا حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کرکے فرمایا کہ :۔

---

[۱] (البدر سے)

"بعض لوگ مدینہ میں ناقص تھے اور معرفت کے پیاسے تھے ان کو کامل کرنے اور ان کے دلوں کی پیاس بجھانے کے لئے آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے"

---

[۲] (البدر سے)

شہادت تو ایک بہانہ تھا ورنہ اصل غرض اللہ تعالیٰ کی بعض لوگوں کو فائدہ پہنچانا تھا سو وہ پہنچ گیا۔

(البدر جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۱۲ مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء)

اب آپ لوگوں کے وہ پرانے ہتھیار کام نہیں دیتے وہ کند ہو گئے ہیں اور ان سے اسلام کو الٹا ضرر پہنچتا ہے انتیس لاکھ کے قریب مسلمان مرتد ہو چکے ہیں۔

فرمایا :۔

مباحثات کا اثر بحیثیت مجموعی دیکھنا چاہئے فردا" فردا" کچھ پتہ نہیں لگا کرتا۔

منشی نبی بخش صاحب نے ایک عیسائی کا سوال پیش کیا کہ وہ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (الانبیاء : ۳۵) سے مسیح کی الوہیت ثابت کرتے ہیں۔

عیسائی لوگ اس آیت سے استدلال کر کے ان لوگوں کے سامنے الوہیت مسیح ثابت کرتے ہیں جس کا ان لوگوں سے کچھ جواب بن نہیں آتا۔ عیسائی اس آیت سے مسیح علیہ السلام کو بشریت سے الگ کر کے ان کو قائل کرتے ہیں کہ جب وہ زندہ آسمان پر ہیں تو بہرحال الوہیت کے رنگ میں ہیں اگر مسیح علیہ السلام بشر ہوتے تو فوت ہو گئے ہوتے۔

فرمایا :۔

یہ سوال تو ان کا بڑا معقول ہے ان مولویوں کو چاہئے کہ اس کا جواب دیں اب دیکھئے کہ مسلمانوں کے دو چار جلسوں میں یہ سوال پیش ہو اور مولوی اس کے جواب میں ساکت رہیں اور قاصر رہیں تو پھر اسلام کی ذریت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے ایسے ایسے سوالوں کے بعد اگر مسلمان مرتد نہ ہوں تو کیا کریں؟

اس کے علاوہ ان لوگوں کے ایسے عقیدے ہیں کہ اگر ان کا عیسائیوں کو پتہ لگ جائے تو بحث کرنے کو ڈنکے کی چوٹ بلائیں یہ لوگ تو خطرناک ہیں ان لوگوں نے اگر مسیح کو خدا نہیں بنایا تو خدا بنانے میں کوئی کسر بھی نہیں چھوڑی ان لوگوں کا تو وہی حال ہے جس طرح کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص مرا تو نہیں۔ ہاں مگر اس کی نبض بھی نہیں چلتی سانس بھی نہیں لیتا پیٹ بھی پھول گیا ہے حرکت بھی نہیں کرتا غرض ساری علامات مردوں کی ہیں مگر مرا نہیں۔ یہی ان لوگوں کا حال ہے کہ مسیح کو خدا نہیں کہتے مگر خدائی کی ساری صفات کو ان میں جمع کر دیتے ہیں ان عیسائیوں کا ہم کیا رد کریں ہمارے تو یہ اندرونی عیسائی ہی امت پر چھری چلا رہے ہیں[1]

الحکم میں درج ہے فرمایا کہ

بے شک ان لوگوں پر جو مسیح کو زندہ آسمان پر بٹھاتے ہیں یہ سوال بڑا معقول ہے انسان اپنے

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۰ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

اقرار سے پکڑا جاتا ہے ان مسلمانوں نے خود اقرار کر لیا ہے کہ مسیح زندہ ہے اور آسمان پر بیٹھا ہے اور ایسا ہی اس کے معجزات خالق طیور ہونا بہت سی باتیں ہیں جن سے عیسائیوں کو مدد ملی ہے ہم عیسائیوں کو کیا روئیں ہمارے گھر میں خود یہ مسلمان اسلام پر چھری چلا رہے ہیں۔

الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کے معنی

لالہ کاہن چند صاحب مختار عدالت بٹالہ (جو توحید پسند ہندو ہیں) نے آپ سے الہام اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ کی تشریح و تفسیر کے متعلق سوال کیا۔

فرمایا :۔

اس کا پہلا حصہ تو بالکل صاف ہے کہ تو جو ظاہر ہوا۔ یہ میرے فضل اور کرم کا نتیجہ ہے جس انسان کو خدا تعالیٰ مامور کر کے دنیا میں بھیجتا ہے اس کو اپنی مرضی اور حکم سے مامور کر کے بھیجتا ہے جیسے حکام کا بھی یہ دستور اور قاعدہ ہے

اب اس الہام میں جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اَنَا مِنْکَ اس کا یہ مطلب اور منشاء ہے کہ میری توحید میرا جلال اور میری عزت کا ظہور تیرے ذریعہ سے ہوگا ایک وقت آتا ہے کہ زمین فسق و فجور اور شر و فساد سے بھر جاتی ہے لوگ اسباب پرستی میں ایسے فنا اور منہمک ہوتے ہیں کہ گویا خدا کا نام و نشان بھی نہیں ہوتا۔

ایسے وقتوں میں خدا تعالیٰ اپنے اظہار کے واسطے ایک بندہ اپنی طرف سے بھیج دیتا ہے ہندوؤں نے جو اوتار کا مسئلہ مانا ہے یہ بھی اسی کا ہمرنگ ہے گویا خدا تعالیٰ ان کے اندر مجازی طور پر بولتا ہے۔

اس زمانہ میں اسباب پرستی اور دنیا پرستی اس طرح پھیل گئی ہے کہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ اور ایمان نہیں رہا دہریت اور الحاد کا زور ہے جو کچھ حالت اس وقت زمانے کی ہو رہی ہے اس پر نظر کر کے کہنا پڑتا ہے کہ زمانہ بزبان حال پکار رہا ہے کہ کوئی خدا نہیں۔

عملی حالت ایسی کمزور ہو گئی ہے کہ کھلی بے حیائی اور فسق و فجور بڑھ گیا ہے یہ ساری باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ دلوں سے خدا تعالیٰ پر ایمان اور اس کی ہیبت اٹھ گئی ہے اور کوئی یقین اس ذات پر نہیں۔ ورنہ کیا بات ہے کہ انسان کو اگر معلوم ہو جاوے کہ اس سوراخ میں سانپ ہے۔ تو وہ کبھی اس میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالتا پھر یہ بے حیائی اور فسق و فجور۔ اتلاف حقوق جو بڑھ گیا ہے کیا اس سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں رہا۔ یا یہ کہو کہ خدا گم ہو گیا ہے اس

وقت خدا تعالیٰ نے اپنے ظہور کا ارادہ فرمایا اور مجھے مبعوث کیا اس لئے مجھے کہا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔

اور اس کے یہی معنے ہیں کہ میرا جلال اور میری توحید و عظمت کا ظہور تیرے ذریعہ ہو گا چنانچہ وہ نصرتیں اور تائیدیں جو اس نے اس سلسلہ کی کی ہیں اور جو نشانات ظاہر ہوئے ہیں وہ خدا تعالیٰ کی ہستی اس کی توحید اور عظمت کے اظہار کے ذریعے ہیں

یہ امر کوئی ایسا امر نہیں کہ مشتبہ یا مشکوک ہو بلکہ تمام مذاہب میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے کہ ایک وقت خدا تعالیٰ کے ظہور کا آتا ہے اور ایک وقت ہوتا ہے کہ خدا اس وقت گم ہوا ہوا سمجھا جاتا ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اس کی ہستی اور توحید اور صفات پر ایمان نہیں رہتا اور عملی رنگ میں دنیا دہریہ ہو جاتی ہے اس وقت جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنی تجلیات کا مظہر قرار دیتا ہے وہ اس کی ہستی' توحید اور جلال کے اظہار کا باعث ٹھہرتا ہے اور وہ اَنَا مِنْکَ کا مصداق ہوتا ہے

اگر کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ کو کسی ذریعہ کی کیا ضرورت ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ سچ ہے اس کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مگر اس نے اس عالم اسباب میں ایسا ہی پسند فرمایا ہے۔ دیکھو۔ پیاس لگتی ہے یا بھوک لگتی ہے مگر یہ پیاس اور بھوک پانی اور کھانے کے بغیر فرو نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جس قدر قوتیں اور طاقتیں ہیں اور ان کے تقاضے ہیں وہ اسی طرح پورے ہوتے ہیں دنیا کی تمدنی زندگی کی اصلاح اور انتظام کے لئے اس نے بادشاہوں اور حکومت کے سلسلہ کا نظام رکھا ہے جو شریروں کو سزا دیتے اور مخلوق کے حقوق ان کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کرتے ہیں۔ خدا خود اتر کر تو نہیں آتا۔ حالانکہ یہ سچ ہے کہ وہی حفاظت کرتا ہے اور شریروں کی شرارت سے بچاتا اور محفوظ رکھتا ہے۔

اسی طرح روحانی نظام کے لئے بھی اس کا ایسا ہی قانون ہے۔ سچی پاکیزگی اور طہارت اور وہ ایمان جس سے معرفت۔ بصیرت اور یقین پیدا ہو' خدا ہی کی طرف سے آتا ہے اور اس کا مامور لے کر آتا ہے اور وہ ذریعہ ٹھہرتا ہے خدا کے جلال اور عظمت کا۔ اور وہ اس وقت آتا ہے جب دنیا میں سچی پاکیزگی نہیں رہتی اور خدا تعالیٰ سے دوری اور بعد ایسا ہوتا ہے کہ گویا خدا ہے ہی نہیں اور جب دنیا کے ہاتھ میں صرف پوست رہ جاتا ہے اور مغز نہیں رہتا تب خدا تعالیٰ اپنے کسی بندے کے ذریعہ اپنا ظہور فرماتا ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اس نے مجھے بھیجا ہے اس لئے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ۔

بابو کاہن چند۔ آپ نے اپنے رسالہ میں اور معنے کئے ہیں؟

فرمایا :-

ہم نے اور معنے کبھی نہیں کئے ہم تو ہمیشہ یہی معنے کرتے ہیں آتھم نے بھی یہ سوال ہم سے کیا تھا اور اس کو یہی جواب دیا گیا تھا انسان کو چاہئے کہ انصاف ہاتھ سے نہ دے یہ تو حلاوت کی بات ہے انسان اس سے اپنا ایمان بڑھاتا ہے اگر یہ بات نہ ہو تو پھر یہ سلسلہ ہی ختم ہو جاتا۔ آجکل لوگ خدا تعالیٰ کے قائل نہیں رہے بلکہ دہریہ ہیں اس لئے خدا تعالیٰ نے اپنے جلال کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک انسان کو دنیا میں بھیجا ہے۔

کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ (البقرہ: ۲۹) کی تشریح

پنڈت صاحب کے چلے جانے کے بعد ایک شخص نے آیت کُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ (البقرۃ : ۲۹) کے معنے پوچھے۔

فرمایا :-

انسان پر ایک زمانہ آتا ہے کہ وہ نطفہ ہوتا ہے اور اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا پھر مدارجِ ستّہ سے گذر کر اس پر ایک موت آتی ہے اور پھر اسے ایک احیاء دیا جاتا ہے یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ ہر حیات سے پہلے ایک موت ضرور آتی ہے۔

اس آیت میں صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ ان پر ایسا گذرا ہے کہ وہ بالکل مردہ تھے یعنی ہر قسم کی ضلالت اور ظلمت میں مبتلاء تھے پھر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ زندگی عطا ہوئی اور پھر ان کی تکمیل اور ایک موت ان پر وارد ہوئی جو فنا فی اللہ کی موت تھی اس کے بعد ان کو بقا باللہ کا درجہ ملا اور ہمیشہ کے لئے زندگی پائی۔

ایک حدیث کا ذکر

ایک حدیث مولوی فتح الدین صاحب نے پیش کی جس کی تاویل کر کے اسے مسیح موعود پر چسپاں کیا جاتا تھا۔

فرمایا :-

کیا ضرورت ہے اس بات کی خدا تعالیٰ نے کھلی کھلی تائیدیں ہمارے لئے رکھ دی ہیں کیا مِنْکُمْ ثلاثۃ ہمارے مخالفین کے لئے کافی نہیں ایک بخاری کا مِنْکُمْ (اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ) مسلم کا مِنْکُمْ (اَمَّکُمْ مِنْکُمْ) اور سب سے بڑھ کر قرآن کریم کا مِنْکُمْ (وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ) (النور : ۵۶)

بَیعت کرنے والے ہمارے بدن کے جُزو ہو گئے

منشی نعمت علی صاحب نے کھانے کے لئے عرض کیا۔ فرمایا :۔
تکلف کی کیا ضرورت ہے ہم کھانا کھا چکے ہیں جب تم لوگوں نے بیعت کرلی تو گویا ہمارے بدن کے جزو ہو گئے پھر الگ کیا رہ گیا یہ باتیں تو اجنبی کے لئے ہوتی ہیں۔

جماعت کی اعجازی ترقّی

جماعت کی اعجازی ترقی کے ذکر پر فرمایا کہ
ہماری طرف سے کوئی سعی نہیں کی جاتی ہمارے واعظ نہیں بایں ہمہ اس قدر ترقی ہو رہی ہے کہ عقل حیران ہے اور اصل یہ ہے کہ اگر ہماری سعی اور کوشش سے کچھ ہوتا تو شائد شرک ہوتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ خود جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ممالک مغربی و شمالی میں جہاں ہم کو تین آدمیوں کا بھی علم نہیں مردم شماری کے رو سے نوسو سے زائد آدمی ہیں اور یہ جماعت اب ایک لاکھ سے بھی بڑھ گئی ہے یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں۔ خود مخالف محرک ہو رہے ہیں بعض لوگوں کے خطوط آئے ہیں کہ محمد حسین کے رسالوں میں کوئی مضمون دیکھتے تھے تو ان سے معلوم ہوا کہ آپ حق پر ہیں اور بعض ایسے خطوط بھی آئے ہیں کہ کوئی فقیر ایک کتاب لایا تھا وہ کتاب چھوڑ گیا اور اس کا پتہ نہیں۔
غرض اس پر ذکر فرماتے رہے کہ
مخالفوں نے ہر طرح مخالفت کی مگر خدا نے ترقی کی۔ یہ سچائی کی دلیل ہے کہ دنیا ٹوٹ کر زور لگا دے اور حق پھیل جاوے۔ اب ہمارے مقابل کونسا دقیقہ مخالفت کا چھوڑا گیا مگر آخر ان کو ناکامی ہی ہوئی ہے یہ خدا کا نشان ہے اس میں دو چیزوں نے بڑی مدد دی۔ طاعون نے بیعت کرنے والوں کو بڑھایا اور مردم شماری نے تصدیق کی۔[1]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
حق کی یہ بھی ایک پہچان ہے اور اس کی شناخت کا یہ ایک عمدہ معیار ہے کہ دنیا اپنے سارے ہتھیاروں سے اس کی مخالفت پر ٹوٹ پڑے جان سے، مال سے، اعضاء سے، عزت سے

---

[1] الحکم ۱۷ر نومبر ۱۹۰۲ء

اور اندرونی اور بیرونی لوگ اور اپنے اور پرائے گویا سب ہی اس کی مخالفت پر کھڑے ہو جائیں اور پھر بھی وہ حق آگے ہی آگے قدم رکھتا جائے اور کوئی روک اس کی ترقی کو روک نہ سکے چنانچہ قرآن شریف میں ہے۔ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ھود : ۵۶) سو اس معیار سے ہمارے سلسلہ کو پرکھا جائے تو ایک طالب حق کے واسطے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہتا دیکھو نہ ہمارا کوئی واعظ ہے' نہ لیکچرار اور دشمن کیا بیرونی اور کیا اندرونی سب اکٹھے ہو کر ہمارے تباہ کرنے کی کوشش میں لگے رہے مگر اللہ تعالیٰ نے ہر میدان میں ہمیں کامیاب کیا اور دشمن ذلیل ہوئے کفر کے فتوے لگائے قتل کا مقدمہ کیا غرضیکہ انہوں نے کوئی دقیقہ ہماری بربادی کا اٹھا نہ رکھا مگر کیا خدا تعالیٰ سے کوئی جنگ کر سکتا ہے؟ ہماری ترقی کے خود مخالف ہی باعث اور محرک ہیں بہت لوگوں نے انہیں کے رسائل سے اطلاع پا کر ہماری بیعت کی۔ اگر واعظ وغیرہ ہماری طرف سے ہوتے تو ہمیں ان کا بھی مشکور ہونا پڑتا اور یہ بھی ایک شعبہ شرک کا ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے بچایا ایک آبپاشی اور تخم ریزی تو کسان کرتا ہے اور ایک خود خدا کرتا ہے ہم اور ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی تخم ریزی اور آبپاشی سے ہیں۔ خدا کے لگائے ہوئے پودا کو کون اکھاڑ سکتا ہے[1]

مختلف باتوں کے دوران فرمایا :-

قبول حق کے لئے قوت اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے اس کی توفیق کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

انبیاء کے معجزات

فرمایا :-

انبیاء نے کبھی تماشے نہیں دکھائے البتہ جب ان پر شدائد اور مصائب آتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے تماشہ دکھایا کرتا ہے۔ جیسے قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء : ۷۰) سے معلوم ہوتا ہے ایسا ہی ہم پر قتل کا مقدمہ بھی ایک نار تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے نجات دی۔

ایک خواب کی تعبیر میں فرمایا کہ

انبیاء بھی قینچی کا کام کرتے ہیں ایک طرف سے قطع کرتے ہیں اور دوسری طرف پیوست کرتے ہیں۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷ مورخہ ۲۱ ر نومبر ۱۹۰۲ء

صحابہ کرامؓ پاک و صاف رہتے تھے

کسی شخص نے کہا کہ صحابہؓ کے کپڑے میلے کچیلے ہوتے تھے پیوند لگے ہوئے ہوتے تھے
فرمایا :۔
یہ جھوٹ ہے میلے کچیلے ہونا اور بات ہے اور پیوند ہونے اور بات ہے قرآن شریف میں آیا ہے
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر:۶) پس پاک صاف رہنا ضروری ہے ایسا ہی قرآن شریف میں فرمایا
لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ[1] (الواقعہ : ۸۰)

---

۸ نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

ہر احمدی کیلئے تین نصائح

مونگھیر سے محمد رفیق صاحب بی اے اور محمد کریم صاحب تشریف لائے ہوئے تھے دونوں نے نماز فجر کے وقت حضرت اقدس سے بیعت کی۔ بیعت کر چکے تو حضور نے فرمایا کہ
ہماری کتابوں کو خوب پڑھتے رہو تا کہ واقفیت ہو اور کشتی نوح کی تعلیم پر ہمیشہ عمل کرتے رہا کرو اور ہمیشہ خط بھیجتے رہو۔

مخالف باپ کیلئے دُعا کی نصیحت

ظہر کے وقت حضور نے ایک نو وارد صاحب سے ملاقات کی اور ان کو تاکید کی کہ وہ اپنے والد کے حق میں جو سخت مخالف ہیں دعا کیا کریں انہوں نے عرض کی کہ حضور میں دعا کیا کرتا ہوں اور حضور کی خدمت میں بھی دعا کے لئے ہمیشہ لکھا کرتا ہوں حضرت اقدس نے فرمایا کہ
توجہ سے دعا کرو باپ کی دعا بیٹے کے واسطے اور بیٹے کی باپ کے واسطے قبول ہوا کرتی ہے اگر آپ بھی توجہ سے دعا کریں تو اس وقت ہماری دعا کا بھی اثر ہو گا۔

مسیح موعود کی صداقت کے متعلق خوابیں

لاہور سے ایک شخص کا خط آیا کہ اسے خواب میں حضرت اقدس کی نسبت بتلایا گیا ہے کہ

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۰ صفحہ ۱۳ تا ۱۴ مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۰۲ء

آپ سچے ہیں اس شخص کی ارادت ایک فقیر کے ساتھ تھی جو کہ داتا گنج بخش کے مقبرہ کے پاس رہا کرتا ہے اس شخص نے اس فقیر سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ مرزا صاحب کی اتنے عرصہ سے ترقی ہونا ان کی سچائی کی دلیل ہے پھر ایک اور مست فقیر وہاں تھا اس نے کہا بابا ہمیں بھی پوچھ لینے دو دوسرے دن اس نے بتلایا کہ خدا نے کہا کہ مرزا مولا ہے پہلے فقیر نے کہا کہ مولانا کہا ہو گا کہ وہ تیرا اور میرا ہم جیسے سب کا مولا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آجکل خواب اور رؤیا بہت ہوتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگوں کو خوابوں کے ذریعہ اطلاع دے خدا تعالیٰ کے فرشتے اس طرح پھرتے ہیں جیسے آسمان میں ٹڈی ہوتی ہے وہ دلوں میں ڈالتے پھرتے ہیں کہ مان لو مان لو۔

پھر ایک اور شخص کا حال بیان کیا جس نے حضور کے رد میں کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ تو تو رد لکھتا ہے اور اصل میں مرزا صاحب سچے ہیں۔

ساعت کا علم کسی کو نہیں

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے اور ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ

اصل قیامت کا علم تو سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی کو بھی نہیں حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی نہیں اور وہاں سَاعَۃ کا لفظ ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے عورتوں کے حمل کی میعاد نو ماہ دس دن ہوتی ہے جب نو ماہ پورے ہو جائیں تو اب باقی دس دنوں میں کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ کونسے دن وضع حمل ہو گا گھر کا ہر ایک فرد بچہ جننے کی گھڑی کا منتظر رہتا ہے اسی لئے قیامت کا نام سَاعَۃ رکھا ہے کہ اس گھڑی کی کسی کو خبر نہیں۔

خدا تعالیٰ کی کتابوں میں اس کی جو علامات ہیں ممکن ہے کہ ان سے کوئی آدمی قریب قریب اس زمانہ کا پتہ بھی دیدے مگر اس سَاعَۃ کی کسی کو خبر نہیں ہے جیسے وضع حمل کی ساعت کی کسی کو خبر نہیں۔ ایک ڈاکٹر سے بھی پوچھو تو وہ بھی کہے گا نو ماہ اور دس دن۔ مگر جونہی نو ماہ گزریں پھر فکر رہتی ہے کہ دیکھیں کون سے دن اور کونسی گھڑی ہو کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھ ہزار سال بعد قیامت قریب ہے اب چھ ہزار سال تو گذر گئے ہیں قیامت تو قریب ہو گی مگر اس گھڑی کی کسی کو خبر

نہیں۔

کشمیر سے ایک پُرانے صحیفہ کی برآمدگی

اس کے بعد مولوی محمد علی صاحب نے ایک خط سنایا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ کشمیر سے ایک پرانا صحیفہ ایک پادری نے حاصل کیا ہے جو کہ دو ہزار سال کا ہے اس میں مسیح کی آمد اور اس کے منجی ہونے کی پیشگوئی ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بعض وقت پادری لوگ عیسوی مذہب کی عظمت دل نشین کرانے کے واسطے ایسی مصنوعات سے کام لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا معیار یہ ہے کہ اگر اس صحیفہ میں تثلیث کا ذکر ہو تو سمجھنا چاہئے کہ مصنوعی ہے کیونکہ خود عیسویت کی ابتدا میں تثلیث کا عقیدہ نہ تھا بلکہ بعد میں وضع ہوا ہے۔

عیسیٰ اصل ہے یا یسوع

پھر اس امر پر تذکرہ ہوتا رہا کہ قدیم اور اصل لفظ عیسیٰ ہے یا یسوع۔ حضور نے فرمایا کہ

پرانا نام عیسیٰ ہی ہے تمام عرب میں عیسیٰ کا لفظ ہے یسوع کا ذکر پرانے عرب اشعار میں بھی نہیں پایا جاتا چونکہ عیسیٰ نبی تھے اس لئے معلوم انہوں نے کسی موقعہ پر عیسیٰ کو بدل کر یسوع بنا لیا ہو یہ بھی تعجب ہے کہ آج تک کسی اور نبی کا نام نہیں الٹا صرف انہی کا الٹا اور مذہب انہیں کا الٹا ایسا ہی کسی کا شعر ہے۔

نہ ہو کیونکر ہمارا کام الٹا
ہم الٹے، بات الٹی، یار الٹا

اس کے بعد حکیم نورالدین صاحب نے عرض کیا کہ ساری اناجیل میں کہیں عیسیٰ کا نام نہیں آیا یسوع کا آیا ہے[1]

---

[1] البدر جلد ا نمبر ۴ صفحہ ۲۷ بابت ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

۹ نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اعجاز احمدی اللہ تعالیٰ کی خاص مدد سے لکھی گئی ہے

حسب معمول نماز مغرب کے بعد حضور شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے اور جو مضمون مشمولہ قصائد عربی[1] آج کل زیر تحریر ہے اس کے متعلق زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ

اس کی نسبت دل گواہی دیتا ہے۔کہ یہ بالکل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

(مولوی عبد الکریم صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا)

آپ بھی دیکھیں گے تو پتہ لگ جائے گا جس طرح کلمہ کی گواہی دی جاتی ہے اسی طرح اس کی بھی گواہی دی جاتی ہے کہ یہ منجانب اللہ ہے یہ حالت بھی ہوتی رہی ہے کہ ذرا اونگھ آئی اور ایک شعر الہام ہو گیا اسی طرح کئی اشعار اس میں الہامی ہیں وحی جلی بھی ہوتی ہے اور خفی بھی۔ یہی معلوم ہوتا تھا کہ دل میں مضمون پڑ جاتا ہے اور میں لکھتا جاتا ہوں گویا یہ میری طرف سے نہیں ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے) خدا تعالیٰ کی مدد سے اس قدر یقین ہے کہ یہ کاروبار ایک دن میں ہو سکتا تھا دیر تو اس لئے لگتی ہے کہ دوبارہ دیکھنا پڑتا ہے کاپی وغیرہ بھی صحیح کرنا فرض ہے ہر ایک بات میں دیکھا گیا ہے کہ سب سامان خدا تعالیٰ نے اول ہی سے کئے ہوئے ہیں قصیدوں میں واقعات کا نبھانا ایک مشکل امر ہوا کرتا ہے شاعر ایسا نہیں کر سکتے ان کو قافیہ ردیف کے لئے بالکل بے جوڑ باتیں اور الفاظ لانے پڑتے ہیں (اس مقام پر عربی کے دو فقرے مقامات حریری سے پڑھے جن میں محض تلازم شعر کے لئے بالکل بے تعلق باتیں ذکر کی ہوتی تھیں اس کے بالمقابل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ اَللّٰهُ الصَّمَدُ (الاخلاص : ۲-۳) کو دیکھو[2]

قرآن شریف کی فصاحت و بلاغت کے دعویٰ پر بعض نادان آریہ اور عیسائی کہدیتے ہیں کہ مقامات حریری وغیرہ بھی فصیح و بلیغ ہیں مگر وہ یہ نہیں بتا سکتے کہ ان میں یہ دعویٰ کہاں کیا گیا ہے اور ان کتابوں میں کہاں پر یہ بتصریح لکھا گیا ہے کہ قرآن مجید کی تحدی کے مقابلہ میں ہیں اور علاوہ ازیں ان کو قرآن کے مقابلہ میں پیش کرنا بالکل لغو ہے کیونکہ قرآن شریف میں حقائق و معارف کو

---

[1] مراد اعجاز احمدی۔(مرتب)

[2] البدر جلد ۱ نمبر ۴۔ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

بیان کیا گیا ہے اور ان کتابوں میں صرف لفظوں کا اتباع کیا گیا ہے۔واقعات سے کوئی غرض ہی نہیں رکھی گئی۔[1]

مبائعین کی خوش قسمتی

آج کے مبائعین میں سے ایک نے کچھ اظہار محبت کے کلمات کہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ جو بڑے بڑے مولوی تھے ان کے لئے خدا نے دروازے بند کر دیئے اور آپ کے لئے کھول دیئے خدا تعالیٰ کا آپ لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے دعا کی درخواست پر فرمایا کہ

میں اپنے دوستوں کے لئے پنج وقتہ نمازوں میں دعا کرتا ہوں اور میں تو سب کو ایک سمجھتا ہوں۔

ایک پنجابی نظم

اس کے بعد ایک امرتسری دوست نے اپنی پنجابی نظم سنائی۔جس میں انہوں نے اپنے ایک خواب کا ذکر اور حضرت اقدس کی زیارت کا شوق اور بیعت کی کیفیت اور حضرت اقدس کے فیوض و برکات کا ذکر درد دل اور دلکش پیرایہ میں کیا ہوا تھا حضرت اقدس خود بار بار زبان مبارک سے فرماتے تھے کہ

"درد اور رقت سے لکھا ہوا ہے"

سیّد احمد شہید کے شروع کردہ کام کا اتمام

ایک مقام پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہند میں دو واقعہ ہوئے ہیں ایک سید احمدؒ صاحب کا اور دوسرا ہمارا۔ان کا کام لڑائی کرنا تھا انہوں نے شروع کردی مگر اس کا اتمام ہمارے ہاتھوں مقدر تھا جو کہ اب اس زمانہ میں بذریعہ قلم ہو رہا ہے اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جو نامرادی تھی وہ چھ سو برس بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے رفع ہوئی۔خدا تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ وہ کامیابی اب ہوئی۔

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۴ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء

دجّال کی دونوں آنکھیں عیب دار ہیں

دجال کے یک چشم ہونے پر فرمایا کہ

میں نے اس کی نسبت یہ بھی سنا یا دیکھا ہے کہ اس کی دونو آنکھیں ہی عیب دار ہوں گی۔جیسے کہا کرتے ہیں کہ ایک چشم گل اور دیگر بالکل۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ انہوں نے دو کتابوں پر غور کرنی تھی ایک توریت' دوسرے قرآن مجید۔ سو قرآن مجید کے متعلق تو آنکھ رہی نہیں اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھتے اور توریت پر بھی کچھ دھندلی سی نظر ہے کہ اسے اپنی تائید میں برائے نام رکھتے ہیں[1]

۱۰؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

فجر کے وقت مولوی محمد علی صاحب شاعر سیالکوٹی سے فرمایا کہ

آپ کو مختلف مقامات دیہات میں تبلیغ کے لئے پھرنا ہوگا

جسے مولوی صاحب نے بطیب خاطر منظور کیا۔

اعجاز احمدی

ظہر کی نماز سے پیشتر حضرت اقدس نے مضمون زیر قلم[2] پر فرمایا کہ:

کلام کا معجزہ آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک چار ہزار برس ہوئے ہیں سوائے قرآن مجید کے اور کسی نے نہیں دکھایا اور نہ کسی نے دیکھا۔ چونکہ یہ معجزہ ایک ہی کتاب کے متعلق ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر زور ڈالا جائے کہ لوگ خوب سمجھ لیں۔ کیا ان مخالف لوگوں کے پاس قلم نہیں؟ وقت نہیں یا الفاظ نہیں؟ میرا تو ایمان ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کا نشان ہے اور ایک آفتاب کی طرح نظر آتا ہے میں اسے بیان نہیں کر سکتا خدا تعالیٰ ہی نے سب کچھ کروایا ورنہ ہم تو سب کچھ چھوڑ بیٹھے تھے مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال : ۱۸)

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۷-۲۸ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

[2] مراد اعجاز احمدی (مرتب)

کشتی نوح کی اشاعت کثرت سے کی جائے

خواجہ کمال الدین صاحب نے نماز مغرب سے پیشتر حضرت اقدس کا نیاز حاصل کیا اور پشاور اور کوہاٹ کا ذکر سنایا کہ وہاں پر اکثر اشتہارات جو کہ ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ میں حضور کی مخالفت میں شائع ہوئے ہیں اس نظر سے پڑھے جاتے ہیں کہ گویا وہ حضور کے اشتہارات ہیں اسی مغالطہ سے سرحد کے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق یہ خیالات ذہن نشین ہیں کہ نعوذ باللہ جناب نے ردتے اپنے خدام کو معاف کر دیئے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی ہے اور کہا ہے کہ نعوذ باللہ وہ ایک جھوٹے نبی تھے میں ان سے افضل ہوں غرض یہ اشتہار اس وضع اور عنوان سے لکھے ہوئے ہیں کہ عوام الناس کو دھوکا لگتا ہے اور یہی خیال کیا جاتا ہے کہ آپ کا مضمون اور آپ کی تحریر ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

کشتی نوح وہاں کثرت سے تقسیم کر دی جائے یہی کافی ہے

خواجہ صاحب نے کہا ایک ذی وجاہت شخص کو میں نے دیکھا ہے کہ اس نے اسے پڑھ کر کہا کہ کتاب (کشتی نوح) تو عمدہ ہے اگر آخر میں مکان کے چندہ کا ذکر نہ ہوتا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ کیا تم سے بھی ایک پیسہ مرزا صاحب نے مانگا ہے؟ یا تم نے دیا ہے؟ حضرت مرزا صاحب نے تو ان لوگوں کو مخاطب کیا ہے جو ان سے تعلق ابنیت کا رکھتے ہیں۔ کیا اگر ایک باپ اپنے بیٹوں سے دو ہزار اس لئے طلب کرے کہ اسے ایک مکان بنانا ہے تو کیا یہ فعل اس کا قابل اعتراض ہو گا؟ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

مخالفین کے اشتہارات ترقی میں مانع نہیں

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ سب باتیں تو ہیں لیکن اندر ہی اندر ترقی ہو رہی ہے خدا تعالیٰ کا فضل ہے اس طرح کے اشتہارات جو مخالفین کی طرف سے شائع ہوتے ہیں یہ خدا تعالیٰ کی کارروائی میں مضر معلوم نہیں ہوتے کیونکہ جب تک تپش نہ ہو بارش نہیں ہوتی۔ ہم سب پر بدظنی نہیں کرتے انہیں میں سے لوگ نکلنے شروع ہو جاتے ہیں کئی خط اس طرح کے آتے ہیں کہ ہم پہلے مخالف تھے گالیاں دیتے تھے مگر اب ایک راہ چلتے سے اشتہار دیکھ کر بیعت کرتے ہیں اس سے پیشتر بھی یہ کارروائیاں چپ چاپ نہیں ہوئیں۔ مکہ میں کیا ہوتا رہا خدا تعالیٰ تماشا دیکھتا ہے کیا کفار امن سے رہتے تھے وہ بھی

ہمیشہ ہر وقت لڑائیوں اور فسادوں میں رہتے تھے ابو جہل ہی کو دیکھو کہ بدر کی جنگ میں مباہلہ بھی کرلیا اَللّٰھُمَّ مَنْ کَانَ مِنَّا اَقْطَعَ لِلرَّحِمِ اَفْسَدُ فِی الْاَرْضِ فَاَحِنْہُ الْیَوْمَ یعنی ہم دونوں میں سے جو زیادہ قطع رحم کرتا ہے اور زمین میں فساد ڈالتا ہے اس کو آج ہی ہلاک کر پھر اسی دن وہ قتل ہو گیا اس کو تو یہی خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فساد برپا کر دیا ہے بھائی کو بھائی سے جدا کر دیا ہے اور ہر روز کا فتنہ برپا ہے لوگ آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے ناحق ان کو چھیڑ دیا ہے اس کا اسی بناء پر یہ خیال تھا کہ یہ ضرور مفسد ہے۔

ایک فتنہ لعنت ہوتا ہے اور ایک فتنہ رحمت ہوتا ہے کوئی نبی نہیں آیا جس نے فتنہ نہیں ڈالا ہمیشہ نوبت جدائی اور فساد کی پہنچتی رہی۔ پھر آخر انہیں میں سے جو نیک تھے اللہ تعالیٰ ان کو لے آتا رہا۔ دنیا میں ہمارے اس سلسلہ کے متعلق گھر گھر شور ہے بعض آدمی رافضیوں سے بڑھ گئے ہیں لعنت کی تسبیح رات دن پھیرتے ہیں اور انہی مخالفوں میں سے بعض ایسے نکلے ہیں کہ جان قربان کرنے کو تیار ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہیں ہماری طرف سے کوشش ہی کیا ہوئی ہے آسمان پر ایک جوش ہے وہی کشاں کشاں لوگوں کو لا رہا ہے۔

عیسائیوں کا مذہب

اس کے بعد ایک شخص نظم سناتے رہے ایک مقام پر عیسائیوں کے ذکر پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ لوگ اتنا فلسفہ اور ہیئت پڑھ کر ڈوبے ہوئے ہیں چوڑھوں کا بھی کچھ مذہب ہوتا ہے کہ کچھ بات پیش کرتے ہیں مگر یہ تو بالکل ہی ڈوبے ہوئے ہیں۔

خواب میں گالیاں دینے کی تعبیر

پھر ایک صاحب نے ایک خواب سنایا۔ ایک شخص اسے گالیاں دے رہا ہے حضور نے تعبیر فرمائی کہ

خواب میں جو شخص گالیاں دینے والا ہوتا ہے وہ مغلوب ہوتا ہے اور جس کو گالی دی جاتی ہے وہ غالب ہوتا ہے۔[1]

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۸ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

۱۱ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

دینی کاموں کیلئے دن رات ایک کر دو

ظہر کے وقت حضور تشریف لائے اور احباب کو فرمایا کہ

یہ وقت بھی ایک قسم کے جہاد کا ہے میں رات کے تین تین بجے تک جاگتا ہوں اس لئے ہر ایک کو چاہئے کہ اس میں حصہ لے اور دینی ضرورتوں اور دینی کاموں میں دن رات ایک کر دے۔

کلام کا نشان دائمی ہوتا ہے

کلام کی فصاحت اور بلاغت پر فرمایا کہ

دوسری قسم کے جس قدر نشانات ہوتے ہیں وہ تو غائب ہو جاتے ہیں مگر اس طرح کا نشان ہمیشہ قائم رہتا ہے بھلا اب موسیٰ کے سانپ کو کوئی دکھا سکتا ہے؟ مگر کلام کا معجزہ اور نشان ایسا ہوتا ہے کہ آئندہ آنے والے ہمیشہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نتیجہ نکالتے ہیں کہ فلاں شخص (مرد خدا) نے یہ کلام بطور نشان کے پیش کیا اور مخالف کچھ نظیر نہ لا سکے اور کچھ جواب نہ بن آیا۔

حافظ محمد یوسف کی نیش زنی

نماز مغرب سے پیشتر میر ناصر نواب صاحب نے امرتسر سے آکر بیان کیا کہ حافظ محمد یوسف صاحب ملے تھے اور ان سے باتیں ہوئیں آخر وہ نیش زنی پر اتر آئے حضرت اقدس نے فرمایا۔

اگر ہم کاذب ہیں تو ہم ادنیٰ سے ادنیٰ جو آدمی ہے اس سے بھی بد تر ہیں۔ کاذب کی حقیقت ہی کیا ہوتی ہے۔

فارقلیط اور احمدؐ

نماز کے بعد مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے بیان کیا کہ ایک شخص نے فارقلیط کے بارے میں یہ اعتراض کیا ہے کہ اس کے معنے میگزین میں حق و باطل میں تمیز کرنے والا کے کئے گئے ہیں پھر یہ معنے لفظ احمد پر کیسے چسپاں ہو سکتے ہیں؟ اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ فارقلیط سے مراد احمد ہے لفظ احمد کی پیشگوئی کا ذکر کتب سابقہ میں کہاں ہے؟

خدا تعالیٰ کے برگزیدہ نے فرمایا کہ

ہمارے ذمہ ضروری نہیں ہے کہ موجودہ کتب توریت وغیرہ سے یہ لفظ نکال کر دکھائیں جب قرآن مجید نے ان کتب کو محرف و مبدل قرار دیا ہے تو ہم کہاں سے نکالیں؟ جب فار قلیط ہی محرف ہے تو ممکن ہے کوئی اور بھی لفظ ہو جس کے معنے احمد کے ہوں۔

لسان العرب میں لکھا ہے کہ فار قلیط لفظ فارق اور لیط کا مرکب ہے فارق بمعنی فرق کرنے والا اور لیط بمعنے شیطان۔ یعنی شیطان کو الگ کر دینے والا دوسری یہ بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام فار قلیط بھی ہے کیونکہ آپ صاحب فرقان ہیں اور فرقان کے معنے فرق کرنے والا کے ہیں اور اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ میں لفظ شیطان ہے جو لیط کا معنے ہے اس طرح آپ کا نام فار قلیط بھی ہو گیا اور احمد کے معنے بہت تعریف کرنے والا کے ہیں تو آپ سے بڑھ کر اور کون ہو گا جو توحید کے ذریعہ سے ہر ایک قسم کی شیطنت کو دور کرے فار قلیط بننے کے واسطے احمد ہونا ضروری ہے احمد وہ ہے جو دنیا میں سے شیطان کا حصہ نکال کر خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنے والا ہو فار قلیط کا منشاء دوسرے الفاظ میں احمد ہے۔

کرشن اور رامچندر کی پرستش

مدراس سے ایک ہندو عقیدت مند آئے حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ

آپ کے شہر میں کرشن اور رامچندر اور پتھر کے بتوں کی بھی پرستش ہوتی ہے؟ لالہ صاحب نے جواب دیا کہ ہاں لوگ کرتے ہیں مگر میں نہیں کرتا۔

مدراس سے ہندو کا آنا بھی نشان ہے

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

اب ان کا دور دراز مقام سے آنا بھی یَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کا مصداق ہے اگر ایسے نشانوں کو ہم جمع کریں تو دس ہزار سے بھی زیادہ نکلتے ہیں اور گواہ بھی محمد حسین کافی ہے۔

آتھم کا رجوع

آتھم کے تذکرہ پر فرمایا

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ میں نے اسی وقت مباحثہ میں سنا دیا تھا کہ اس مباحثہ اور پیشگوئی

کی بنیاد یہ ہے کہ آتھم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دجال رکھا تو اسی وقت ”آتھم نے توبہ توبہ کر کے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا کہ مرزا صاحب مجھے ناحق مارتے ہیں میں نے تو دجال نہیں کہا“ (مولوی عبدالکریم صاحب نے کہا مجھے یہ الفاظ خوب یاد ہیں) کیا یہ اس کا عمل رجوع تھا یا نہیں؟

لنڈن میں جھوٹے مسیح پگٹ کے بعد سچے مسیح کا قدم ہوگا

مفتی محمد صادق صاحب نے ایک خط مسٹر پگٹ مدعی مسیح کو لندن میں لکھ کر مزید حالات اس کے دعویٰ کے دریافت کئے تھے جس کے جواب میں اس کے سکرٹری نے دو اشتہار اور ایک خط روانہ کیا تھا وہ حضرت اقدس کو سنائے۔ پگٹ کے اشتہار کا جو عنوان انگریزی لفظوں میں تھا اس کے معنے ہیں کشتی نوح۔

حضرت اقدس نے فرمایا :۔

اب ہماری کشتی نوح جھوٹی پر غالب آجائے گی یورپ والے کہا کرتے تھے کہ جھوٹے مسیح آنے والے ہیں سو اول لنڈن میں جھوٹا مسیح آگیا اس کا قدم اس زمین میں اول ہے بعد ازاں ہمارا ہوگا جو کہ سچا مسیح [1] ہے اور یہ جو حدیثوں میں ہے کہ دجال خدائی اور نبوت کا دعویٰ کرے گا تو موٹے رنگ میں اب اس قوم نے وہ بھی کر دکھایا ڈوئی امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور پگٹ لندن میں خدائی کا دعویٰ کر رہا ہے اور اپنے آپ کو خدا کہتا ہے پگٹ کا خدا ہونا دوسرے لفظوں میں یہ گویا انجیل کی شرح آئی ہے اسے ایک فائدہ ہوا ہے کہ مسیح کو خدا ماننے سے چھوٹ گیا کیونکہ آپ جو ساری عمر کے لئے خود خدا ہو گیا۔[2]

---

[1] الحکم کے الفاظ یہ ہیں :۔

پگٹ نے مفتی محمد صادق صاحب کو ان کے خط کے جواب میں دو نوٹس بھیجے جو پڑھ کر سنائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا :۔

معقول باتوں کی قدر ہوتی ہے اور وہ رہ جاتی ہیں لیکن جاہلانہ باتوں کی رونق دو تین سطروں میں جاتی رہتی ہے۔ جھوٹے نبیوں اور مسیحوں کا قدم پہلے لندن میں رکھا گیا اور سچے مسیح کی آواز اس کے بعد لندن میں پہنچے گی۔

(الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۲۸۔ ۲۹ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

۱۲ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

آخری زمانہ کی علامات

بعد نماز مغرب مفتی محمد صادق صاحب نے سنایا کہ ایک انگریزی رسالہ میں لکھا ہے کہ ان ایام میں دنیا میں مختلف مقامات پر بڑی کثرت سے زلزلے آرہے ہیں اور آتشین مادے زمین سے نکل رہے ہیں اور زمین اونچی ہوتی جارہی ہے فرانس کے محققین نے لکھا ہے کہ دنیا کی قدیم سے قدیم تواریخ میں زمین کے اس عظیم تغیر کی کہیں خبر نہیں ملتی۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یوں تو زمین سے ہمیشہ کانیں نکلتی رہتی ہیں اور آتش فشاں پہاڑ پھٹتے رہتے ہیں مگر اب خصوصیت سے ان زلزلوں کا آنا اور زمین کا اٹھنا یہ آخری زمانہ کی علامتوں میں سے ہے اور اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (الزلزال : ۳) اسی طرف اشارہ ہے زمانہ بتلا رہا ہے کہ وہ ایک نئی صورت اختیار کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ خاص تصرفات زمین پر کرنا چاہتا ہے۔

اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ

حکیم نورالدین صاحب نے عرض کی کہ لوہا آج تک اس کثرت سے زمین سے نکلا ہے کہ اگر ایک جگہ جمع کیا جائے تو ایک اور ہمالہ پہاڑ بن جائے۔ لوہے کی کانوں کی آج تک تہہ نہیں ملی کہ کہاں تک نیچے ہی نیچے نکلتا آتا ہے

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے بھی سونا اور چاندی کو چھوڑ کر اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ (حدید : ۲۶) ہی فرمایا ہے (یعنی یہی بنی نوع انسان کے لئے زیادہ نفع رساں ہے)

کلام کے معجزہ کی اہمیت

پھر کلام کے معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے حضور نے فرمایا کہ

صفحہ روزگار میں یاد رکھنے کے لئے جیسے یہ نشان ہوتا ہے اور کوئی نہیں۔ یہ بھی ایک ختم نبوت کا نشان تھا اب بھی قرآن شریف کو جو کوئی دیکھے گا تو اسے معجزہ ہی نظر آئے گا اگر موسیٰ علیہ

السلام کا سونٹا بھی اسی شان کا ہوتا تو چاہئے تھا کہ وہ بھی کسی صندوق میں آج تک محفوظ چلا آتا اور یہودی لوگ اس کی زیارت کرواتے کہ یہ موسیٰ کا سونٹا ہے جسے انہوں نے سانپ بنایا تھا یہی حال مسیح کے مریضوں کی صحت کا ہے اب تو عیسائی لوگ پچھتاتے ہوں گے کہ کاش عیسیٰ علیہ السلام کوئی کتاب ہی بنا کر چھوڑ جاتے مگر یہ خاصہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کسی نبی کا نہیں۔

نیت پر ثواب

مدراس سے جو لالہ صاحب آئے ہوئے تھے ان کی نسبت حضرت اقدس اور حکیم صاحب اور مولوی صاحب یہ تذکرہ کرتے رہے کہ اس شخص کے دل میں کیا شوق ہے کہ اتنی دور دراز مسافت طے کر کے زیارت کے لئے آیا ہے حالانکہ یہ شخص نہ ہماری باتیں سمجھ سکتا ہے نہ انگریزی جانتا ہے حضور نے فرمایا

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی نیت پر ثواب دے دیتا ہے۔[1]

۱۳ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

نو تعلیم یافتہ ملحدین

بعد نماز مغرب نئی روشنی کے تعلیم یافتہ جو کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کے احکام کو جواب دیئے بیٹھے ہیں ان کے ذکر پر حضور نے فرمایا کہ

وہ خدا جس میں ساری راحتیں مخفی ہیں وہ ان سے بالکل دور ہو گیا ہے جیسے کروڑہا کوس دور ہے اس صورت میں ان کا پھر خدا تعالیٰ سے کیا تعلق؟ اور جن کو یہ مہذب کہتے ہیں ان کو کیا سمجھے بیٹھے ہیں۔ (گویا خدائی کا منصب و قالب سب ان کو دے دیا ہے) حُبِّ دنیا اور حُبِّ جاہ نے ان کو اندھا کر دیا ہے۔

ایک شخص نے ذکر کیا کہ علی گڑھ کے ایک طالب علم نے اپنی نیچی میں ایک مضمون لکھا

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۰ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی گناہ سے خالی نہ تھے اگرچہ اور انبیاء سے بزرگ تر ہیں جن کے گناہ ان سے زیادہ تھے

حضرت اقدس نے فرمایا :۔

اصل میں یہ لوگ مذہب سے خارج ہیں خدا تعالیٰ کا خوف مطلق نہیں۔ صرف کنبہ کا ہے۔

وہابیوں کی ظاہر پرستی

اس کے بعد حضرت اقدس نے وہابیوں کے اخلاق اور ادب رسول پر اپنا ایک ذکر سنایا کہ ایک دفعہ جب آپ امرتسر میں تھے تو غزنوی گروہ کے چند مولویوں نے آپ کو چائے دی چونکہ حضرت اقدس کے دائیں ہاتھ میں بچپن سے ضرب آئی ہوئی ہے اور ہڈی کو صدمہ پہنچا ہوا ہے آپ نے بائیں ہاتھ سے پیالی لی تو اس پر غزنوی صاحبان نے فوراً بلا وجہ دریافت کئے کہنا شروع کیا کہ یہ خلاف سنت ہے آپ نے ان کو سمجھایا کہ آداب اور روحانیت بھی سنت ہے پھر ان کو اصل وجہ بتلا دی گئی اس کے بعد ان لوگوں نے آپ پر یہ اعتراض کیا کہ آپ نے اپنی تصنیفات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت تعریف کی ہے اس قدر نہ چاہئے تھی ہم تو ان کو اسی قدر مانتے ہیں جس قدر حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ یونس بن متی سے بھی زیادہ نہیں ہے۔

فرمایا :۔

جسمانی طور پر جس قدر ترقیات آج تک ہوئی ہیں کیا وہ پہلے زمانوں میں تھیں؟ اسی طرح روحانی ترقیات کا سلسلہ ہے کہ ہوتے ہوتے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا۔ خاتم النبیین کے یہی معنے ہیں جب ان (وہابیوں) کی یہ حالت ہے تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کونسی سچی محبت کر سکتے ہیں اور کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟

فرمایا کہ

میرا دل ان لوگوں سے کبھی راضی نہیں ہوا اور مجھے یہ خواہش کبھی نہیں ہوتی کہ مجھے وہابی کہا جائے اور میرا نام کسی کتاب میں وہابی نہ نکلے گا۔ میں ان کی مجلسوں میں بیٹھتا رہا ہوں۔ ہمیشہ لفاظی کی بو آتی رہی ہے یہی معلوم ہوا کہ ان میں نرا چھلکا ہے مغز بالکل نہیں ہے مولوی محمد حسین صاحب نے خود حدیث کی نسبت اپنے اشاعت السنہ میں یہ بات لکھی ہے کہ ایک صاحب الہام

یا اہل کشف صحیح حدیث کو ضعیف یا ضعیف کو صحیح قرار دے سکتا ہے کیونکہ وہ کشفی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تصحیح کرا لیتا ہے مگر تاہم میں نے یہ التزام رکھا ہے کہ میں اپنے کشوف یا الہامات پر تحمل نہیں کرتا جب تک قرآن اور سنت اور صحیح حدیث اس کے ساتھ نہ ہو۔ محمد حسین صاحب سے پوچھا جائے کہ جب عبداللہ صاحب غزنوی احادیث میں اس طرح دخل دے سکتے ہیں تو پھر حَکَمْ نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسے ہر رطب و یابس ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

باقی رہنے والی دوستی

شحنہ ہند نے جو مخالفت مولوی محمد حسین صاحب کی کی ہے اس پر فرمایا کہ

جو لوگ اپنی نفسانی اغراض کے پرستار ہوتے ہیں ان میں دوستی نہیں ہوتی اگر ہو تو جلد جاتی رہتی ہے خدا کے واسطے دوستی ہو تو وہ باقی رہتی ہے وہ ذات پاک قدوس ہے وہی دلوں میں پاکیزگی بھرتا ہے اور سینوں کو کدورتوں سے صاف کرتا ہے۔

تقویٰ اور استقامت اختیار کرو

شیخ فضل حق صاحب نومسلم پشاور سے آئے تھے ان کی موجودہ حالت پر فرمایا کہ

اوائل میں جو سچا مسلمان ہوتا ہے اسے صبر کرنا پڑتا ہے صحابہؓ پر بھی ایسے زمانے آئے ہیں کہ پتے کھا کھا کر گذارا کیا بعض وقت روٹی کا ٹکڑا بھی میسر نہیں آتا تھا کوئی انسان کسی کے ساتھ بھلائی نہیں کر سکتا جب تک خدا تعالیٰ بھلائی نہ کرے جب انسان تقویٰ اختیار کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے واسطے دروازہ کھول دیتا ہے مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق : ۳-۴) خدا تعالیٰ پر سچا ایمان لاؤ اس سے سب کچھ حاصل ہو گا استقامت چاہئے انبیاء کو جس قدر درجات ملے ہیں استقامت سے ملے ہیں۔ خالی خشک نمازوں اور روزوں سے کیا ہو سکتا ہے؟

بیعت پر آخر دم تک قائم رہو

اسکے بعد تین احباب نے بیعت کی حضرت اقدس نے ان کو فرمایا :۔

جو بیعت کی ہے اس پر آخر دم تک قائم رہو۔ تب خدا تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ

ہم کسی کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص تقویٰ اختیار کرے گا وہ اس کو نجات دے گا اس لئے تقویٰ اختیار کرو۔

فرمایا :۔

ہماری جماعت دراصل مطعون تو ہو چکی ہے کہ مخالفین کا نشانہ بنی ہوئی ہے اس طرح سے طاعون اپنا کام اس میں کر چکی ہے۔

ناول نویسی

ایک صاحب نے حکیم صاحب کی معرفت کہا کہ اگر بعض واقعات حقّہ کو ناول کے پیرایہ میں بیان کیا جائے تو یہ امر معیوب تو نہیں۔

فرمایا :۔

اس میں معصیت نہیں ہے مطالب کو سمجھانے کے واسطے ہمیشہ زید و بکر کا ذکر فرضی طور پر رکھ لیتے ہیں خود تعزیرات ہند میں مثالیں موجود ہیں[۱]

۱۴ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

اِس زمانہ کا جہاد

بعد نماز مغرب حضرت اقدس حسب معمول شہ نشین پر جلوہ گر ہوئے مولوی محمد علی صاحب سیالکوٹی نے رخصت طلب کی اور عرض کیا کہ میں جا کر صرف چند روز گھر پر رہوں گا پھر دہ بہ دہ پھر کر پنجابی نظم کے پیرایہ میں حضور کے سلسلہ کی تبلیغ اور اتمام حجت کروں گا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

یہ بہت عمدہ کام ہے اور اس زمانہ کا یہی جہاد ہے جو لوگ پنجابی سمجھتے ہیں آپ ان کے لئے

---

[۱] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۰ مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء

بہت مفید کام کرتے ہیں۔

نجات خدا کے فضل سے ہوتی ہے

سید سرور شاہ صاحب نے مدراس سے آنے والے ہندو لالہ بڑباپا کی طرف سے یہ عرض کی کہ رات کو انہوں نے ایک سوال کیا کہ اسلام کے سوا غیر مذاہب کے لوگ جو نیکی کرتے ہیں کیا ان کو نجات ہے کہ نہیں؟

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

نجات اپنی کوشش سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوا کرتی ہے اس فضل کے حصول کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنا قانون ٹھہرایا ہوا ہے وہ اسے کبھی باطل نہیں کرتا وہ قانون یہ ہے اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ آل عمران : ۳۲) اور وَمَنۡ یَّبۡتَغِ غَیۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِیۡنًا فَلَنۡ یُّقۡبَلَ مِنۡہُ (آل عمران:۸۶) اگر اس پر دلیل پوچھو تو یہ ہے کہ نجات ایسی شیئے نہیں ہے کہ اس کے برکات اور ثمرات کا پتہ انسان کو مرنے کے بعد ملے بلکہ نجات تو وہ امر ہے کہ جس کے آثار اسی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں کہ نجات یافتہ آدمی کو ایک بہشتی زندگی اسی دنیا میں مل جاتی ہے دوسرے مذاہب کے پابند بکلی اس سے محروم ہیں اگر کوئی کہے کہ اہل اسلام کی بھی یہی حالت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ اسی لئے اس سے بے نصیب ہیں کہ کتاب اللہ کی پابندی نہیں کرتے اگر ایک شخص کے پاس دوا ہو اور وہ اسے استعمال نہ کرے اور لاپروائی دکھائے تو وہ بہرحال اس کے فوائد سے محروم رہے گا یہی حال مسلمانوں کا ہے کہ ان کے پاس قرآن مجید جیسی پاک کتاب موجود ہے مگر وہ اس کے پابند نہیں ہیں مگر جو لوگ خدا تعالیٰ کے کلام سے اعراض کرتے ہیں وہ ہمیشہ انوار و برکات سے محروم رہتے ہیں پھر اعراض بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک صوری، ایک معنوی، یعنی ایک تو یہ ہے کہ ظاہری اعمال میں اعراض ہو اور دوسرے یہ کہ اعتقاد میں اعراض ہو اور انسان کو انوار و برکات سے حصہ نہیں مل سکتا جب تک وہ اسی طرح عمل نہ کرے جس طرح خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ (التوبۃ:۱۱۹) بات یہی ہے کہ خمیر سے خمیر لگتا ہے اور یہی قاعدہ ابتداء سے چلا آتا ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو آپ کے ساتھ انوار و برکات تھے جن میں سے صحابہؓ نے بھی حصہ لیا پھر اسی طرح خمیر کی لاگ کی طرح آہستہ آہستہ ایک لاکھ تک ان کی نوبت پہنچی اور اس سے بڑھ کر دلیل یہ ہے کہ سوائے اسلام کے اور کسی مذہب میں برکات نہیں ہیں اور اسلام کے سوا اور کسی مذہب میں رکھا ہوا کیا ہے؟

ہندوؤں کو دیکھو وہ بت پرست ہیں عیسائیوں نے ایک عاجز انسان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ ہم بت پرست نہیں ہیں تو جب ہم اس کی تفتیش کریں گے تو ثابت کردیں گے۔ آریہ لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں خود کلام خدا کا متبع نہ ہونا اور یہ دعویٰ کرنا کہ میں خدا سے مل جاؤں گا یہ بھی گمراہی ہے جیسے حدیث میں ہے کہ اے لوگو تم سب اندھے ہو مگر جسے میں آنکھیں دوں جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کے کلام کے سوا نجات پالوں گا وہ بھی مشرک ہے نجات کی کنجی تو خدا کے ہاتھ میں ہے وہی جس کے لئے چاہے اس کے دروازے کھول دے خدا تعالیٰ بار بار یہی فرماتا ہے کہ رسول کی پیروی کرو اگر ایک باغ ہو اور اس میں لاکھوں پھل ہوں مگر جب تک باغبان اجازت نہ دے تو کوئی اس میں سے ایک پھل بھی نہیں کھا سکتا اسی طرح بازاروں میں کئی قسم کی اشیاء ہوتی ہیں اور ہزاروں ہوتی ہیں مگر مالک کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں لے سکتا اسی طرح خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو حاصل کرنے کا یہی ایک طریق ہے اور یہ آدم علیہ السلام سے اسی طرح چلا آتا ہے اس میں بحث کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر ایک نور اور معرفت کی نظیر اور جگہ مل ہی نہیں سکتی۔

حقیقی کرامت

فرمایا :۔

انسان کا سب سے پہلا معجزہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اسے تقویٰ بخشے جو دل پلید ہوتے ہیں ان کا بیان کرنا ہی بے فائدہ ہے اگر کوئی ہمارے پاس آکر ایک کاغذ کا کبوتر بنا کر دکھا دے تو کیا اسے ہم کرامت سمجھ لیں گے؟ بات یہی ہے کہ انسان کی زندگی پاک ہو فراست ہو اور تقویٰ ہو۔[1]

معجزہ کی حقیقت

دوسرا سوال یہ تھا کہ معجزہ کی قسم کے بعض امور اور لوگ بھی دکھاتے ہیں۔

فرمایا

میں قصوں کو نہیں سنتا یہ جو فرانس یا کسی اور جگہ کے قصے سنائے جاتے ہیں یہ کافی نہیں سب سے پہلا معجزہ تو یہ ہے کہ انسان پاک دل ہو بھلا پلید دل کیا معجزہ دکھا سکتا ہے جب تک خدا تعالیٰ سے ڈرنے والا دل نہ ہو تو کیا ہے؟ ضروری ہے کہ متقی ہو اور اس میں دیانت ہو اگر یہ نہیں تو پھر کیا ہے؟ تماشے دکھانے والے کیا کچھ نہیں کرتے جالندھر میں ایک شخص نے بعض

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۱ مورخہ ۲۱ر نومبر ۱۹۰۲ء

شعبدے دکھائے اور اس نے کہا کہ میں مولویوں سے ان کی بابت کرامت کا فتویٰ لے سکتا ہوں مگر وہ خود جانتا تھا کہ ان کی اصلیت کیا ہے بعد میں وہ اس سلسلہ میں داخل ہوگیا اس نے توبہ کی۔

جن ملکوں کے قصے بیان کئے جاتے ہیں وہاں اگر معجزے دکھانے والے ہوتے تو یہ فسق و فجور کے دریا وہاں نہ ہوتے۔ خدا تعالیٰ کے نشانات دل پر ایک پاک اثر ڈالتے ہیں اور اس کی ہستی کا یقین دلاتے ہیں مگر یہ شعبدے انسان کو گمراہ کرتے ہیں ان کا خدا شناسی اور معرفت سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی یہ کوئی پاک تبدیلی پیدا کرسکتے ہیں اس لئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے۔[1]

۱۵؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

تائیداتِ الٰہیہ کا ذکر

ظہر کے وقت حضرت اقدس ان تائیدات الٰہی کا ذکر فرماتے رہے جو ان ایام میں حضور کے شامل حال ہوتی جاتی ہیں اور باعث فتح۔نصرت و اقبال بن رہی ہیں۔(یعنی اعجاز احمدی کی معجزانہ تصنیف اور اس کے بالمقابل مخالفوں کی شرمساری۔) بعد ادائے نماز مغرب حضور شہ نشین پر جلوہ افروز ہوئے۔

طاعون کا علاج

بعض مریضوں کے حالات اور ان میں فوری تیز جلابوں سے جو عمدہ نتائج پیدا ہوئے تھے ان کا ذکر حکیم نورالدین صاحب کرتے رہے حضرت اقدس نے اس کی تائید میں فرمایا کہ :۔

جب بمبئی میں طاعون کثرت سے پھیلی تو وہاں سے زین الدین محمد ابراہیم صاحب انجینئر نے مجھے لکھا تھا کہ یہ ایک بارہا تجربہ شدہ اور مفید علاج دیکھا گیا ہے کہ طاعون کے آثار نمودار ہوتے ہی پانچ یا چھ تولہ کے قریب میگنیشیا سالٹ مریض کو پلا دیا گیا ہے تو اسے پھر بفضل خدا ضرور آرام آگیا ہے۔[2]

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۱ صفحہ ۷ مورخہ ۱۷؍نومبر ۱۹۰۲ء

[2] البدر جلد ۱ نمبر ۴ صفحہ ۳۱ مورخہ ۲۱؍نومبر ۱۹۰۲ء

۱۶ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ترجمہ کا فائدہ

ظہر کے وقت حضرت اقدس نے کچھ عرصہ مجلس فرمائی مولوی محمد احسن صاحب امروہی ایک نظر اعجاز احمدی پر کر رہے تھے چونکہ یہ کتاب رات کو چھپی تھی اس لئے بعض جگہ سہو کاتب سے غلطی رہ گئی تھی اور بعض جگہ نقطہ وغیرہ لگانا یا دور کرنا رات کو اندھیرے میں رہ گیا تھا اس کا ذکر ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ کوئی غلطی نہیں ہوا کرتی کیونکہ ساتھ ہی ترجمہ ہے اگر کوئی لفظ عربی ہے اور نقطہ وغیرہ کی غلطی ہے تو نیچے دیا ہوا ترجمہ اس کی صحت کرتا ہے اور اگر ترجمہ میں کوئی غلطی رہ گئی ہے تو پھر اصل عبارت عربی موجود ہے اس سے اس کی صحت ہو جاتی ہے۔

وہی شخص فائدہ اُٹھائے گا جو سچّا تقویٰ اختیار کرے گا

نماز مغرب کے بعد اعجاز احمدی کے بارے میں اور اس کے اثر کے متعلق مختلف احباب ذکر کرتے رہے پھر سید عبداللہ صاحب عرب نے حضرت اقدس سے عرض کیا کہ میرے اطراف میں درد ہوتا رہتا ہے۔ طاعون کا خطرہ ہے اگر حضور اپنا کرتہ عطا فرمائیں تو میں اسے پہنے رہوں حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ہم کرتہ تو دے دیں گے مگر بات یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کا کرتہ نہ ہو تو پھر کوئی شئے کام نہیں آتی دیکھو میں جانتا ہوں کہ گو بار بار اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ میری اور میری جماعت کی اس ذلت کی موت سے حفاظت فرمائے گا۔ مگر رسمی مسلمان یا رسمی بیعت والے کا کوئی ذمہ دار نہیں ہے جب تک کہ ہمارے ساتھ والے کو حقیقی تقویٰ نصیب نہ ہو۔ ایک مسلمان نے ایک دفعہ ایک یہودی کو کہا کہ تو مسلمان ہو جا اس یہودی نے کہا کہ تو اگرچہ مسلمان ہے مگر تو کوئی عمدہ آدمی نہیں ہے اس لئے تم صرف صورت پر ناز نہ کرو بلکہ حقیقت کام آتی ہے۔ سنو۔ ہمارے ہاں ایک دفعہ ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام خالد رکھا گیا جس کے معنے ہیں ہمیشہ رہنے والا اور پھر اسی دن اسے دفن کر آئے وہ مرگیا اور خالد کا لفظ اس لڑکے کے کوئی کام نہیں آیا۔ اسی طرح ہمیشہ انسان کے کام میں حقیقت اور روحانیت ہی کام دے گی۔

میرا دل ہرگز یہ قبول نہیں کرتا کہ ہماری جماعت میں جو سچا تقویٰ اور طہارت بھی رکھتا ہو

اور جسے خدا تعالیٰ سے سچا تعلق بھی ہو تو پھر خدا اسے ذلت کی موت مارے۔ اگرچہ طاعون مختلف وقتوں میں آتی رہی ہے مگر ہر زمانہ کا حکم الگ الگ ہے بعض وقتوں میں ایسا کوئی آدمی نہ تھا جو اس وقت تم میں بول رہا ہے پس ایسے وقت خدا تعالیٰ فرق کرنا چاہتا ہے اور وہی شخص فائدہ اٹھائے گا جو خدا تعالیٰ کے منشاء کو سمجھ کر سچا تقویٰ اختیار کرے گا اور خدا سے کوئی فرق نہ رکھے گا خدا تعالیٰ نے ہمیں خوب سمجھا دیا ہے کہ جو دل سعی اور فرق کرنے والے ہیں ان سے یہ عذاب خدا تعالیٰ نے پھیر دیا ہے اس لئے ایک متقی کب اس میں شریک ہو سکتا ہے اگر ہماری جماعت میں کوئی موت طاعون کی ہو تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اس میں کوئی نوع غفلت کی تھی میرے وہم اور خیال میں بھی کبھی یہ بات نہیں آئی کہ خدا تعالیٰ پر بدظنی کی جائے کہ وہ مخلف الوعد ہو۔

اپنے اردگرد ایک دیوارِ رحمت بنالو

پس راتوں کو اٹھ کر روؤ۔ دعائیں مانگو اور اس طرح سے اپنے اردگرد ایک دیوار رحمت بنالو خدا تعالیٰ رحیم کریم ہے وہ اپنے خاص بندہ کو ذلت کی موت کبھی نہیں مارتا۔ (اگر خدا نخواستہ ہماری جماعت میں سے کسی کو ذلت کی موت آئی تو لوگ اعتراض کریں گے کیونکہ اگر ہم اشتہار نہ دیتے تو کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملتا مگر اب تو ہم نے خود مشتہر کیا ہے اسلئے لوگ ضرور اعتراض کریں گے۔) پس تم کو چاہئے کہ اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو مجھے امید ہے کہ جو پورے درد والا ہو گا اور جس کا دل شرارت سے دور نکل گیا ہے خدا اسے ضرور بچائے گا توبہ کرو۔ توبہ کرو۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ مجھے الہام ہوا تھا۔

"آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے"

حقیقت یہ ہے کہ جو خدا کا بندہ ہو گا اسے طاعون نہیں ہو گی اور جو شخص ضرر اٹھائے گا اپنے نفس سے اٹھائے گا اگر تم خدا سے صفائی نہیں کرتے تو کوئی طبیب تمہارا علاج نہیں کر سکتا اور نہ کوئی دوا فائدہ بخش سکتی ہے یہ ذمہ داری صرف خدا کا فعل ہے دل کا پاک و صاف کرنا بھی ایک موت ہوتی ہے جب تک انسان محسوس نہ کرے کہ میں اب وہ نہیں ہوں جو پہلے تھا تب تک اسے سمجھنا چاہئے کہ میں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔ جب اسے معلوم ہو کہ میں اب گندی زندگی جہالت اور طولِ امل سے بہت دور آ گیا ہوں تو سمجھے کہ اب میں نے تقویٰ پر قدم رکھا ہوا ہے۔ نفس بہت دھوکے دیتا ہے بیگانے مال کی خواہش رکھتا ہے حسد سے دوسرے کے مال کا زوال اور نقصان چاہتا ہے۔ تو یہ باتیں آخری اور نفس سے نکلنے کی ہوتی ہیں۔ اور یہ وہی آخری وقت ہے

خدا کا خوف ایسی شئے ہے کہ انسان کو خصی کر دیتا ہے۔

ایک رؤیا

نماز عشاء کے بعد حضور پھر تھوڑی دیر کے لئے شہ نشین پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ

مجھے رؤیا ہوا ہے کیا دیکھتا ہوں کہ ایک آدمی سر سے ننگا میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے میرے پاس آیا ہے اس سے مجھے سخت بدبو آتی ہے میرے پاس آکر کہتا ہے کہ میرے کان کے نیچے طاعون کی گلٹی نکلی ہوئی ہے میں اسے کہتا ہوں کہ پیچھے ہٹ جا۔ پیچھے ہٹ جا۔

آپ نے فرمایا کہ :۔

اس کے ساتھ تفہیم الٰہی کوئی نہیں ہوئی۔[1]

۱۷؍ نومبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

اعجاز احمدی اور مخالفین

حضرت اقدسؑ آٹھ بجے کے قریب سیر کے لئے تشریف لائے اور قادیان کی مشرق طرف چلے۔ اعجاز احمدی کا ذکر ہوتا رہا۔ کہ یہ مخالف اب اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ ہاں بعض یہ کہیں گے کہ اگر ہم چاہیں تو اس کا جواب لکھ سکتے ہیں اس پر نواب محمد علی خاں صاحب نے ایک ڈاکٹر صاحب کا ذکر سنایا کہ دہلی میں ایک مولوی نے اعجاز المسیح کو دیکھ کر یہی کہا تھا کہ اگر چاہیں تو ہم اس کا جواب لکھ سکتے ہیں مگر کون وقت ضائع کرے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ وہی مثال ہے کہ ایک شخص نے مشتہر کیا کہ میرے پاس ایک بکری ہے جو شیر کو مار لیتی ہے بشرطیکہ وہ چاہے۔

فرمایا

یہی حیلہ کریں گے اگر ہم چاہتے تو جواب لکھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ ارادہ نہیں کرتے یہی ان کا حیلہ ہوتا ہے۔ پھر فرمایا کہ

اعجاز احمدی کا اردو حصہ بھی ہمارے تمام رسالوں کا نچوڑ ہے۔ پھر فرمایا کہ

ابھی کیا خبر ہے کہ ہماری جماعت کے کون کون پوشیدہ لوگ ان کے درمیان ہیں وقت آئے

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۷، ۶ صفحہ ۴۴ مورخہ ۲۸؍ نومبر و ۵؍ دسمبر ۱۹۰۲ء

گا۔ تو سب آجائیں گے اس کی مثال ایک شرابی کی مثال ہے کہ وہ جب تک بیہوش ہوتا ہے تو سب کچھ کہتا رہتا ہے پھر جب ہوش آئے تو سنبھل جاتا ہے اسی طرح ان لوگوں کو بھی حسد اور تعصب کی شراب کی بیہوشی ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی کا انجام

ایک شخص نے ذکر کیا کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اگر آخر کار ہماری جماعت میں داخل ہوں تو ان تصانیف اور دیگر تحریروں میں ان کی جوگت بن چکی ہے وہ صفحہ روزگار پر یادگار رہے گی۔ حضور نے فرمایا کہ

یہ تمام ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا خدا کی شان ہے کہ اس کے جو ارادے ہمیں ذلت پہنچانے کے تھے وہ تمام اس پر الٹ پڑے خود اسکی اپنی جماعت میں اس کی عزت نہ ہوئی۔

خدا تعالیٰ کی قدرتیں

فرمایا :۔

خدا کی قدرتیں عجیب ہیں جس کو چاہے عزت عنایت کرے یہ تمام اسکی لہریں ہیں انسان کی غلطی ہے کہ ادھر ادھر ہاتھ پیر مارتا ہے جس قدر وہ لذات چاہتا ہے خدا تعالیٰ قادر ہے کہ حلال ذریعہ سے پہنچاوے۔ کوئی دوست کسی کی ایسی پاسداری نہیں کرتا جیسے وہ کرتا ہے اس کے خلق اسباب میں عجیب مزا آتا ہے۔ قتل کے مقدمہ پر نظر ڈالو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سب میں پھوٹ ڈال دی۔ میرا تو یہ خیال ہے۔ کہ اگر حاکم کے سامنے بھی آدمی جاوے تو اسے ہرگز نہ کوسے کیونکہ اگر خدا کو یہ راضی کرتا ہے تو خدا خود اس حاکم کے دل کو اس کی طرف پھیر دے گا سب کچھ اسی کے پنجہ میں ہے جسے جس طرف چاہے پھیردے۔ اس رنگ میں ایک مزا وجودی مذہب کا آجاتا ہے مگر ان کا قدم ذرا آگے پھسلا ہوا ہے لیکن اگر یہاں تک قدم نہ پڑے تو پھر توحید کا بھی مزا نہیں آتا۔

سب سے زیادہ ضروری شئے خدا کی ہستی پر یقین ہے

فرمایا :۔

دراصل لوگوں کو شبہات پڑ گئے ہیں اس لئے وہ گناہ سے پرہیز نہیں کرتے ہر ایک میں کچھ نہ

کچھ غفلت کا حصہ رہ جاتا ہے۔ خدا اب چاہتا ہے کہ یہ لوگ سمجھ لیں جس طرح نوحؑ کے زمانہ میں ان کے بیٹے نے کہا تھا کہ میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا اسی طرح یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم طاعون سے بچنے کے لئے ٹیکہ کی پناہ میں آجائیں گے مگر نہیں جانتے کہ سب سے زیادہ ضروری شئے خدا کی ہستی پر یقین ہے بغیر اس یقین کے اعمال میں برکات ہرگز پیدا نہیں ہوتیں۔

خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ چلو ذرا ہم بھی چلتے چلیں۔ اگر لوگ آج ہی توحید پر قائم ہو جائیں تو آج ہی یہ بلا (طاعون) جاتی رہتی ہے خدا تعالیٰ انسان کے اعمال کو دیکھتا ہے کہ وہ توحید پر قائم ہیں کہ نہیں بہت سے عمل توکل کے برخلاف اور توحید کے برخلاف ہوتے ہیں خواہ وہ کسی طرح سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے مگر وہ اس میں جھوٹا ہوتا ہے اور یہی فسق ہے آج کل جس قدر اسباب پر بھروسہ کیا جاتا ہے اس کی نظیر زمانہ سابق میں نہیں ملتی اگرچہ ان وقتوں میں بھی فسق فجور ہوتا تھا مگر خدا کا خوف بھی دلوں میں ہوتا تھا ایک وقت آتا ہے کہ لوگ یَامَسِیْحَ الْخَلْقِ عَدْوَانَا کہیں گے مگر اس وقت وہ سب ناس ہی رہ جائیں گے جیسے رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر : ۳) مگر ایسے وقت پر ان لوگوں کو ایمان چنداں فائدہ نہیں دیتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ یَوْمَ الْفَتْحِ لَا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِیْمَانُھُمْ (السجدۃ : ۳۰) اس سے طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَّغْرِبِھَا کی حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ توبہ قبول نہ ہوگی بلکہ یہ مراد ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل سے بخشے تو بخشے ان کی توبہ کوئی حقیقت نہ رکھے گی۔ یہ امر خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوگا جیسے فرمایا اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ (ہود : ۱۰۹) مگر مومنوں کے حق میں فرمایا۔ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود : ۱۰۹)

طاعون مامور ہے اور لوگوں کیلئے ایک تازیانہ ہے

فرمایا :۔

طاعون بھی مامور ہے اس کا کیا قصور ہے جیسے اگر ایک شخص سپاہی ہو تو خواہ اسے اپنے حقیقی بھائی کے نام وارنٹ ملے اسے اس کو گرفتار ہی کرنا پڑے گا کیونکہ فرض منصبی ہے میں تو خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ لوگوں کو سیدھا کرنے کا اب وقت آگیا ہے خدا کی رحمت عظیم ہے کہ اپنی طرف سے خود ہی ایک تازیانہ مقرر کر دیا کہ یہ لوگ غافل نہ رہیں۔ اب یہ لوگ سالک نہ ہوئے بلکہ مجذوب ہوئے کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود دستگیری کی ہماری جماعت میں ہماری طرف سے نصائح کا سلسلہ تو جاری تھا مگر اس کا اثر کچھ کم ہی ہوتا تھا اب اس نے طاعون کا تازیانہ چلایا کیونکہ طاعون

کو دیکھ کر ان لوگوں کے دل متاثر ہوں گے اور ان نصائح کو خوب سمجھیں گے اب ان لوگوں کے لئے ایک عمدہ موقعہ اولیاء اور اصفیاء بننے کا ہے ورنہ آرام کے زمانہ میں ان نصائح کا کیا اثر ہوتا۔ بعض وقت انسان مار کھانے سے درست ہوتا ہے اور بعض وقت مار دیکھنے سے۔ زنا کی سزا کے لئے بھی خدا نے کہا ہے کہ لوگوں کو دکھا کر دی جائے۔ اسی طرح دوسروں کو تازیانہ پڑ رہا ہے اور ہماری جماعت دیکھ رہی ہے بہت سے آدمی تھے جنہوں نے ہمارے منشاء اور ارادہ کو آجتک نہیں سمجھا تھا مگر اب خدا دوسروں کو تازیانہ لگا کر ان کو سمجھا رہا ہے طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (النور : ۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طائفہ میں کوئی کسر ہوگی۔ اس کی اصلاح اس طرح سے ہو جائے گی کہ وہ دوسرے کو سزا ملتی دیکھ کر اپنی اصلاح کریں گے اور اس میں کل مومنوں کو بھی نہیں کہا بلکہ ایک طائفہ کو کہا ہے۔

ایک رؤیا

اس کے بعد فرمایا کہ :-

رات میں نے خواب میں کچھ بارش ہوتی دیکھی ہے یونہی ترشح سا ہے اور قطرات پڑ رہے ہیں مگر بڑے آرام اور سکون سے۔

ایمان کی حفاظت سرگرمی سے ہوتی ہے

فرمایا :-

سرگرمی انسان کے اندر ہو تو ایمان رہتا ہے ورنہ نہیں۔ کافور کے ساتھ کالی مرچ اس لئے رکھتے ہیں کہ کافور نہ اڑے۔ اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ کالی مرچ میں تیزی ہوتی ہے وہ اسے اڑنے سے بچائے رکھتی ہے[۱]

۱۸ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

ایک عظیم الشّان رؤیا

فجر کی نماز کے بعد فرمایا کہ

نماز فجر سے کوئی بیس یا پچیس منٹ پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ گویا ایک زمین خرید لی ہے کہ اپنی

---

[۱] البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۴-۳۵ مورخہ ۲۸ر نومبر، ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

جماعت کی میتیں وہاں دفن کیا کریں تو کہا گیا کہ اس کا نام بہشتی مقبرہ ہے جو اس میں دفن ہو گا بہشتی ہو گا۔

پھر اس کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ کشمیر میں کسر صلیب کے لئے یہ سامان ہوا ہے کہ کچھ پرانی انجیلیں وہاں سے نکلی ہیں میں نے تجویز کی کہ کچھ آدمی وہاں جائیں اور وہ انجیلیں لائیں تو ایک کتاب ان پر لکھی جائے۔ یہ سن کر مولوی مبارک علی صاحب تیار ہوئے کہ میں جاتا ہوں۔ مگر اس مقبرہ بہشتی میں میرے لئے جگہ رکھی جائے میں نے کہا کہ خلیفہ نورالدین کو بھی ساتھ بھیج دو۔

یہ خواب حضرت اقدس نے سنایا اور فرمایا کہ

اس سے پیشتر میں نے تجویز کی تھی کہ ہماری جماعت کی میتوں کے لئے ایک الگ قبرستان یہاں ہو سو خدا تعالیٰ نے آج اس کی تائید کر دی اور انجیل کے معنے بشارت کے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ وہاں سے کوئی بڑی بشارت ظاہر کرے اور جو شخص وہ کام کر کے لائے گا وہ قطعی بہشتی ہو گا۔

(بوقت ظہر و عصر)

ایک نشان

چند ایک احباب مع مولوی عبد الستار صاحب جو آج تشریف لائے تھے ان سے حضور نے ملاقات فرمائی ان کے تحفے تحائف لے کر جو انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کئے تھے فرمایا کہ

ان کا آنا بھی ایک نشان ہے اور اس الہام يَأْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کو پورا کرتا ہے۔

کشمیر میں قبرِ مسیح

مغرب کی نماز با جماعت ادا کر کے حضرت اقدس حسب معمول مسجد کے شمال مغربی کونہ میں بیٹھ گئے اور فجر کی خواب پر حضرت اقدس اور اصحاب کبار تذکرہ کرتے رہے[1] حضور نے فرمایا کہ

کشمیر میں مسیح کی قبر کا معلوم ہونے سے بہت قریب ہی فیصلہ ہو جاتا ہے اور سب جھگڑے طے

---

[1] فجر والے خواب پر تذکرہ سے پہلے الحکم میں ایک اور واقعہ کا ذکر ہے جو یہ ہے:۔
مولوی عبد اللہ صاحب کشمیری کی علالت طبع کا ذکر آگیا کہ ان کو اضطراب بہت ہے۔ فرمایا کیوڑہ اور گاؤ زبان بہت مفید ہے اور فرمایا

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

ہو جاتے ہیں اگر فراست نہ بھی ہو تو بھی یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ آسان بات کون سی ہے۔ اب آسمان پر جانے کو کون سمجھے جو باتیں قرین قیاس ہوتی ہیں وہی صحیح نکلتی ہیں آج تک خدا کے اعلام سے اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوا تھا۔ مگر اب خود ہی اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اب تخم ریزی تو ہوئی ہے امید ہے کہ کچھ اور امور بھی ظاہر ہوں گے عادت اللہ اسی طرح ہے یہ خواب بالکل سچا ہے اور اس کے ساتھ کسی طرح کی آمیزش نہیں ہے۔ مجھے اس وقت خواب میں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بڑا عظیم الشان کام ہے جیسے کسی کو لڑائی پر جانا ہوتا ہے اس سے یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ ہماری فراست نے خطا نہیں کی۔ یہ عقدہ اللہ تعالیٰ حل کر دے تو صدہا برسوں کا کام ایک ساعت میں ہو جائے اور عیسائیوں اور ان مولویوں کے گھروں میں ماتم پڑ جائے۔

ایک صحابی نے عرض کی کہ حضور پھر تو سارے انگریز رجوع باسلام ہو جائیں فرمایا :-

دنیا میں ایک حرکت ہے اس کی مثال تو یہ ہے کہ جیسے تسبیح کا (دھاگہ ٹوٹ کر) ایک دانہ نکل جائے تو باقی بھی نہیں ٹھہرتے خواہ پادری پیٹتے ہی رہ جائیں تمام انگریز ٹوٹ پڑیں گے اللہ تعالیٰ کے داؤ ایسے ہی ہوتے ہیں مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (آل عمران : ۵۵)

پھر ڈوئی کا اخبار آپ نے سنا اور فرمایا کہ

پگٹ کی شہرت ڈوئی سے بہت زیادہ ہے۔[۱]

۱۹ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

(بوقت سیر)

يَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (مریم : ۳۴) اس آیت پر فرمایا کہ

ان مولویوں کو حسرت ہی ہو گی کہ اُبْعَثُ کا لفظ کیوں آیا کاش اُنْزِلُ کا لفظ ہوتا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کیوڑہ تو میرے پاس بہت اعلیٰ درجہ کا ہے جو سید رضوی صاحب نے حیدر آباد دکن سے بھیجا ہے مگر گاؤ زبان نہیں۔ کیوڑہ میں لائے دیتا ہوں۔

چنانچہ حضور اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد کیوڑہ کی بوتل لے آئے۔

(نوٹ از ایڈیٹر) یہ ہمدردی یہ ہمت جس میں سستی اور غفلت نام کو نہیں۔ کسی عام انسان کا خاصہ نہیں ہو سکتی۔

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ر نومبر ۱۹۰۲ء)

---

[۱] البدر جلد ۱ نمبر ۴،۵ صفحہ ۳۵ مورخہ ۲۸ر نومبر ؍ ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

پگٹ شیطان کا مظہر

اس کے بعد پگٹ کا ذکر ہوا کہ

ان لوگوں کو اس لئے دعویٰ کرنے کی جرأت ہو جاتی ہے کہ قوم نے مان لیا ہے کہ وہ وقت قریب ہے کہ مسیح آئے ورنہ اگر قوم کی کثرت رائے اس طرف ہوتی کہ وہ وقت دور ہے تو یہ دعویٰ نہ کرتا۔ شیطان کے بھی مظہر ہوتے ہیں شیطان نے اس زمانہ میں اپنے مظہر کے لئے پگٹ کو ہی پسند کیا ہے۔

فوٹوگرافی کا جواز اور اس کی ضرورت

فرمایا:۔

فی زمانہ تصویر کی ان لوگوں کے بالمقابل کس قدر حاجت ہے۔ ہر ایک رزم بزم میں آجکل تصویر سے اثر ڈالا جاتا ہے۔ پگٹ کی بھی تصویر شائع ہوئی ہے فوٹو کے بغیر آجکل جنگ (روحانی) ناقص ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح کے ہتھیار مخالف تیار کریں تم بھی ویسے ہی تیار کرو اس سے فوٹو کا جواز ثابت ہے بندوقوں اور توپوں سے جنگ کرنے کا جواز بھی اسی طرح کیا گیا ہے ورنہ آگ سے مارنا تو حرام ہے جہاں ضرورت حقہ محرک اور متدعی ہوتی ہے یا اس کے متعلق الہام ہوتا ہے اس مقام پر تصویر کی حرمت کی سند پیش کرنا حماقت ہے جبرائیل نے خود حضرت عائشہؓ کی تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی۔

مولوی محمد احسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت میں بھی ایسی ہی ضرورت پیش آئی ہوگی حضرت اقدس نے فرمایا :۔

ایسا ہی معلوم ہوتا ہے

پھر فرمایا :۔

ایک حرمت حقیقی ہوتی ہے ایک غیر حقیقی جو غیر حقیقی ہوتی ہے وہ اسبابِ داعیہ سے اٹھ جاتی ہے۔

انسان انسان میں فرق

سیر کے دوران راستہ میں ایک سائل بلک بلک کر سوال کر رہا تھا۔ فرمایا :۔

ایک یہ بھی انسان ہے اور ہم بھی ایک انسان ہیں۔ کس طرح یہ ہر ایک دروازہ پر گرتا اور

سوال کرتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا تو ایسا کبھی نہ رہتا۔

می تواند شد مسیحا می تواند شد یہود

پگٹ کا نام

پھر فرمایا :-

پگٹ کے نام کا جو سر ہے اس میں خنزیر کے معنے پائے جاتے ہیں۔ اب دیکھیں کہ یہ عیسائیوں کا خدا آسمان پر جاتا ہے کہ زمین میں دفن ہوتا ہے دراصل خدا تعالیٰ کو ان لوگوں پر سخت غیرت ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی غیرت تقاضا نہیں کرتی کہ ایسے لوگ ہوں۔ اس حساب سے تو موسیٰؑ اور دوسرے کل نبی معاذاللہ اس (پگٹ) کے بندے ہوئے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ایک ہی سلطنت کے نیچے دو مدعی۔ ایک جھوٹا ایک سچا جیسے طاعون ہمارے لئے مفید پڑی ہے ویسے ہی پگٹ نے گردن نکالی ہے جو کچھ اول مقرر ہو چکا ہے ضرور ہے کہ وہ تمام ظاہر ہو جاوے۔

ڈوئی کے ذکر پر فرمایا :-

جو دولت کی مشکلات میں پھنسا ہے اسے دین میں کب راہ مل سکتی ہے۔

زندوں کا توسل جائز ہے

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں تشریف فرما ہوئے۔ ایک سوال پوچھا گیا کہ آیا دعا کے بعد یہ کلمات کہنے کہ یا الٰہی تو میری دعا کو بطفیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام قبول فرما۔ جائز ہے یا نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

شریعت میں توسل احیاء کا جواز ثابت ہوتا ہے بظاہر اس میں شرک نہیں ہے ایک حدیث میں بھی ہے [1]

---

[1] الحکم میں یوں ہے کہ

"فرمایا۔ احیاء کا توسل جائز ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے ذریعہ بارش کی دعا کی گئی تھی"۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۵ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۰۲ء)

لفظ اٰوٰی کی حقیقت

فرمایا :-

قرآنی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ اٰوٰی کا لفظ یہ چاہتا ہے کہ اول کوئی مصیبت واقع ہو۔ اسی طرح الہام اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ چاہتا ہے کہ ابتداء میں خوفناک صورتیں ہوں۔ اصحاب کہف کی نسبت بھی یہی فَاْوٗٓا اِلَی الْکَہْفِ (الکہف : ۱۷) اور وَاٰوَیْنٰہُمَآ اِلٰی رَبْوَۃٍ (المؤمنون:۵۱) ان تمام مقامات سے یہی مطلب ہے کہ قبل اس کے کہ خداتعالیٰ آرام دے مصیبت اور خوف کا نظارہ پیدا ہو گا اور لَوْلَا الْاِکْرَامُ لَہَلَکَ الْمُقَامُ بھی اسی کے ساتھ ملتا ہے۔

اوائل عمر کی بیعت

ایک لڑکے کی بیعت کے ذکر پر فرمایا کہ

اوائل عمر کے لوگوں کی بیعت میں مجھے تردد ہوتا ہے جب تک انسان کی عمر چالیس برس کی نہ ہو تب تک ٹھیک انسان نہیں ہوتا۔ اوائل عمر میں تلوّن ضرور آتا ہے میرا ارادہ نہیں ہوتا کہ ایسی حالت میں بیعت لوں مگر بدیں خیال کہ دل آزارگی نہ ہو بیعت لے لیتا ہوں۔ انسان جب چالیس برس کا ہوتا ہے تو اسے موت کا نظارہ یاد آجاتا ہے اور جس کے قریب ابھی موت کا خوف ہی نہیں اس کا کیا اعتبار۔

مسلمان بادشاہوں نے عربی زبان کی ترویج نہ کر کے معصیت کی

اس کے بعد یہ ذکر ہوتا رہا کہ آج تک بہت تھوڑے ایسے گذرے ہیں جنہوں نے اس امر کو محسوس کیا اور حسرت کی کہ کیوں ہندوستان کے شاہان اسلام نے اس ملک میں سوائے عربی کے دوسری زبانوں کو رواج دیا حالانکہ عربی ایک بڑی وسیع زبان تھی جس میں ہر ایک مطلب مکمل طور پر بیان ہو سکتا ہے اگر وہ ایسا کرتے تو یہ اسلام کی ایک بڑی امداد ہوتی مگر نہ معلوم کہ کیوں کسی کو خیال نہ آیا۔ اس سے ایک نقص یہ بھی پیدا ہوا کہ ہندوستان کی اسلامی ذریت کو اس وجہ سے کہ ان کو اپنی مذہبی زبان کا علم نہیں۔ قرآن شریف اور دیگر علوم عربیہ سے بہت کم مَسّ ہے۔

حضرت اقدس بھی ان باتوں کی تائید فرماتے رہے اور فرمایا کہ

یہ ان سے ایک معصیت ہوئی۔

رسالت اور نبوت

پھر رسالت اور نبوت کے مضمون پر حضرت اقدس علیہ السلام فارسی میں تقریر فرماتے رہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے

اللہ تعالیٰ مے فرماید مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب : ۴۱) لٰکن اینجا برائے استدراک آمدہ ست چوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ کس را پدر نیست۔ پس ہماں اعتراض کہ بر دشمناں کردہ شدہ وگفتہ کہ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر : ۴) بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لازم مے آید گویا کہ خدا تعالیٰ تصدیق معترض مے کند برائے ازالہ ایں وہم فرمودہ است وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی ہیچ ابدال و قطب و اولیاء بجز ختم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نخواہد شد۔ حکام را ہمیں حالت است کہ اگر بر کاغذ مہر سرکاری نشود صحیح نے دانند۔ ہر کسے را کہ الہام ومکالمہ الٰہی مے شود از مہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مے شود و ازیں معنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ را پدر است۔ در یک معنے نفی نبوت مے شود و در یک معنے اثبات نبوت مے شود اگر بگوئیم کہ سلسلہ افادات نبوی منقطع شدہ واکنوں کسے را الہام و مکالمہ و مخاطبہ الٰہی نے شود ہمہ اسلام تباہ میشود۔ سلسلہ ما را ایں مثال است کہ اگر کسے در آئینہ صورت مے بیند آنچہ در شیشہ نظرے آید چیزے دیگر نیست ہماں

لہ ترجمہ از مرتب :-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ لکن یہاں استدراک کے لئے آیا ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے باپ نہیں ہیں پس وہی اعتراض جو دشمنوں نے آپ پر کیا تھا اور کہا تھا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ آنحضرت پر لازم آتا ہے گویا خدا تعالیٰ معترض کی تصدیق کرتا ہے اس وہم کا ازالہ کرنے کے لئے فرمایا کہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ یعنی اب ابدال قطب اور اولیاء میں سے کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگے بغیر نہیں ہو گا دنیا میں بھی حکام کی یہی حالت ہے کہ اگر کاغذ پر سرکاری مہر نہ ہو تو وہ اسکو صحیح نہیں سمجھتے ہر وہ شخص جس کو الہام یا مکالمہ الٰہی کا شرف حاصل ہوتا ہے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر سے ہی حاصل ہوتا ہے اور ان معنوں کی رو سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام لوگوں کے باپ ہیں۔ ایک معنی سے نبوت کی نفی کی گئی ہے اور ایک معنی سے نبوت کا اثبات کیا گیا ہے۔ اگر یہ کہیں کہ سلسلہ افادات نبوی منقطع نہیں ہوا اور اب الہام اور مکالمہ الٰہی کا شرف نہ ملے گا تو اسلام تباہ ہو جائے گا۔ ہمارے

ہست کہ پیش شیشہ است- ایں مرداں دریں آیت کریمہ غور نمے کنند و من خوب مے دانم کہ ایں ہمہ عقیدہ مے دارد کہ سلسلہ مکالمات الٰہیہ منقطع شدہ است- کلام بمعنے وحی است در قرآن ہم ذکرالہام نیامدہ بلکہ ذکروحی آمدہ و قطعیت الہام ووحی یک معنے دارد و نمے پندارند کہ اگرایں سلسلہ منقطع شود باقی از برکات اسلام چہ مے ماند- پس ہمیں معنے است کہ گفتم در مثال آئینہ و ظل کہ ظل ہمہ نقوش اصل در خود دارد و ظل نبوت ہمیں طور است البتہ آں نبوت منقطع است کہ بلاتوسل و سلسلہ رسول اللہ آید و ہر کسے کہ ازیں انکار مے کند کافر میشود و از دین خارج مے شود اگر دین بایں طور مردہ است کدام توقع نجات باید داشت اگر انسان اندریں عالم تکمیل معرفت نکند چہ دلیل دارد کہ در روز آخرت خواہد کرد بجز ایں صورت کہ ما پیش مے کنیم دیگر صورت نیست مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (بنی اسرائیل : ۷۳) از بسیار مقامات قرآن معلوم مے شود کہ ایں امت خیرامت است پس کدام خیراست کہ درامت موسوی الہام مکالمہ وغیرہ مے شدی و درایں امت نمے شود و کدام مشابہت ایناں را بامت موسوی خواہد

سلسلہ کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی آئینہ میں اپنی صورت دیکھے تو جو آئینہ میں نظر آئے گا وہ کوئی اور چیز نہ ہوگی بلکہ وہی کچھ ہوگا جو آئینہ کے سامنے ہے-

یہ لوگ اس آیت پر غور نہیں کرتے اور میں خوب جانتا ہوں کہ یہ سب عقیدہ رکھتے ہیں کہ مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے- کلام وحی کے معنوں میں ہے- قرآن میں الہام کا ذکر نہیں ہے بلکہ وحی کا ذکر ہے اورالہام اور وحی قطعی طور پر ایک ہی معنے رکھتے ہیں اور یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ اگر یہ سلسلہ منقطع ہو جائے تو اسلام کی برکات میں سے کیا باقی رہ جائے گا پس یہی معنے ہیں جو میں نے اس مثال میں بیان کئے ہیں جو آئینہ اوراس کے عکس کے ہے کہ ظل (عکس) ہمیشہ اپنے اصل کے تمام نقوش اپنے اندر رکھتا ہی اور نبوت کا ظل بھی اسی طرح ہے البتہ وہ نبوت منقطع ہو گئی ہے جو بلا توسل اور سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر آتی ہے- اور ہر شخص جو اس سے انکار کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور دین سے خارج ہو جاتا ہے اگر دیں اس طرح مردہ ہے تو نجات کی توقع کہاں کی جانی چاہئے-

اگر انسان اس عالم میں معرفت کی تکمیل نہ کرے تو اس کے پاس کیا دلیل ہے کہ وہ آخرت کے دن اس کی تکمیل کرے گا سوائے اس صورت کے جو ہم پیش کرتے ہیں دوسری کوئی صورت نہیں- مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى قرآن کریم کے کئی مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت خیرامت ہے پس خیر کہاں؟ جب کہ امت موسوی میں تو الہام اور

بود۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکمیل کنندہ ایں عالم اند یعنی کمال ایں عالم بر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ختم شدہ وایں معنے ختم نبوت است کہ کسے دیگر نبی نمے شود حتی کہ مہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بر نبوت او نشود چنانکہ مثال آں دریں دنیا دیدہ بود کہ ہیچ پروانہ سرکاری تصدیق نمے شود حتی کہ مہر سرکاری براو نبود۔ پس ازیں آیت معلوم میشود کہ اللہ تعالیٰ بطور جسمانی نفی ابوت مے فرمائد و بطور روحانی اثبات نبوت میکند بہرحال ایمان باید آورد کہ برکات وافادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم جاری است۔ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۲)

دریں آیت معنی محبت چیست ایں معنے ہرگز نیست کہ خدا ہر کسے را کہ محبت میکند دریں عالم او را کورے دارد۔ اگر ایں دوناں را عقل بودے میدانندے۔ انسان ہماں باشد کہ طالب مغز شود نہ کہ پوست ہمہ ابدال طالب مغز شدہ اند ایمان ہمیں است کہ ایشاں میخواہند کہ چشم آنہا بینا شود نہ کہ کور باعث مغضوب شدن اہل اسلام چیست ہمیں کہ از زبان میگویند کہ ایمان آوردیم و در دل ہیچ شیئے نیست وہمیں معنے ایں آیت است مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

مکالمہ مخاطبہ الٰہی ہوتا رہے اور اس امت میں نہ ہو اور اس امت کی امت موسوی سے مشابہت کہاں ہو سکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم کے تکمیل کرنے والے ہیں یعنی اس عالم کا (روحانی) کمال آپ پر ختم ہو گیا ہے اور یہی معنے ختم نبوت کے ہیں کہ اور کوئی نبی نہیں ہو گا جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اس کی نبوت پر نہ ہو۔ چنانچہ اس کی مثال اس عالم دنیاوی میں ہی دیکھی جا سکتی ہے کسی بھی سرکاری پروانہ کی اس وقت تک تصدیق نہیں ہوتی جب تک اس پر سرکاری مہر نہ ہو۔ پس اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی **ابوت** کی نفی فرماتا ہے اور روحانی طور پر نبوت کا اثبات کرتا ہے بہرحال ایمان رکھنا چاہیئے کہ برکات وافادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم جاری ہیں۔

اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ اس آیت میں محبت کے کیا معنے ہیں؟ یہ معنے ہرگز نہیں ہیں کہ خدا جس کسی سے محبت کرتا ہے اس دنیا میں اس کو اندھا رکھتا ہے اگر ان کم ظرف لوگوں کو عقل ہوتی تو جانتے کہ انسان وہ ہوتا ہے کہ جو مغز کا طالب ہو نہ کہ چھلکے کا۔ سارے کے سارے ابدال ہمیشہ طالب مغز ہوئے ہیں۔ ایمان یہی ہے کہ وہ اس بات کے طالب رہیں کہ ان کی آنکھیں بینا ہوں نہ کہ اندھی۔ اہل اسلام کے مغضوب ہونے کا باعث کیا ہے؟ یہی کہ زبان سے کہتے ہیں کہ ایمان لائے اور دل میں کچھ بھی نہیں اور یہی معنے اس آیت

(الحج : ۷۵) وہمیں نابینائی کہ ذکر کردیم موجب فسق و فجور است و برائے ہمیں بینائی خداوند تعالیٰ ایں سلسلہ را قائم کردہ است کہ باز آں بینائی کہ رفتہ ہست پیدا شود خدا مے خواہد ــــــــ کہ ثابت کند کہ آں نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ست و افادۂ آں ہم زندہ است اگر ایں نبود کدام فرق در نصاریٰ و اسلام است' آں مردہ و ایں ہم مردہ۔ آں قصہ و حکایت است ایں ہم قصہ و حکایت است اندریں صورت فیصلہ چگونہ شود۔ خدا تعالیٰ ارادہ فرماید کہ آں برکات ساویہ بنماید و اگر مردے مثل آں (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نمے آید چگونہ بنماید ایں ہمہ کار خدا است ما بندگانیم و ہیچ امید فتح و شکست نداریم۔ او خوب مے داند کہ کدام شوریدہ است بہر مصلحتے کہ خواہد خواہد کرد[1]

---

۲۰ نومبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

پگٹ کے متعلق ایک رؤیا

فرمایا:

رات کو میں نے پگٹ کے متعلق دعا کی اور صبح بھی کی۔ مجھے یہ دکھایا گیا کہ کسی نے مجھے چار پانچ کتابیں دی ہیں جن پر لکھا ہوا تھا۔ تسبیح تسبیح تسبیح بعد اس کے الہام ہوا اَللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ اِنَّھُمْ لَا یُحْسِنُوْنَ اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی موجودہ حالت خراب

کے ہیں مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ اور یہی وہ نابینائی ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے جو فسق و فجور کا موجب ہے اور اسی بینائی کے لئے خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے کہ وہ بینائی جو چلی گئی ہے اس کو واپس لائے خدا چاہتا ہے کہ یہ ثابت کرے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور ان کا افادہ بھی زندہ ہے اگر یہ نہ ہو تو نصاریٰ اور اسلام میں کیا فرق رہ جاتا ہے وہ بھی مردہ یہ بھی مردہ۔ وہ بھی قصہ اور کہانی۔ اور یہ بھی قصہ و کہانی اس صورت میں فیصلہ کس طرح ہوگا۔ خدا تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ وہ برکات ساویہ کا اظہار کرے اور اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی انسان نہ آئے تو کس طرح ظاہر کرے۔ یہ سارا کام تو خدا کا ہے ہم تو بندے ہیں فتح و شکست کی کوئی امید نہیں رکھتے وہ خوب جانتا ہے۔ کہ کون شوریدہ سر ہے اور اپنی جس مصلحت سے چاہے گا اسے کرے گا۔

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے اور یا یہ کہ آئندہ توبہ نہ کریں گے اور یہ معنے بھی اس کے ہیں لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ اور یہ مطلب بھی اس سے ہے کہ اس نے یہ کام اچھا نہیں کیا اللہ تعالیٰ پر یہ افتراء اور منصوبہ باندھا اور اَللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ظاہر کرتا ہے کہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوگا حقیقت میں یہ بڑی شوخی ہے کہ خدائی کا دعویٰ کیا جائے۔

وہابیوں اور چکڑالویوں کا افراط و تفریط

چکڑالوی کا ذکر آنے پر معلوم ہوا کہ اس نے نماز میں بھی کچھ ردوبدل کی ہے التحیات اور درود شریف کو نکال دیا ہے اور بھی بعض تبدیلیاں کی ہیں۔ حضرت اقدس نے چکڑالوی کے فتنہ کو خطرناک قرار دیا اور آپ کی رحمت اور رحمیت اسلامی نے تقاضا کیا کہ اس کے متعلق ایک اشتہار بطور محاکمہ کے لکھا جاوے جس میں یہ دکھایا جائے کہ اس نے اور مولوی محمد حسین نے افراط اور تفریط کی راہ اختیار کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو صراط مستقیم پر رکھا ہے۔

فرمایا :- نبی ہمیشہ دو چیزیں لے کر آتے ہیں۔ کتاب اور سنت۔ ایک خدا کا کلام ہوتا ہے اور دوسرے سنت۔ یعنی اس کتاب پر خود عمل کرکے دکھا دیتے ہیں دنیا کے کام بھی بغیر اس کے نہیں چل سکتے دقیق مسائل جو استاد بتاتا ہے پھر اس کو حل کرکے بھی دکھا دیتا ہے پس جیسے کلام اللہ یقینی ہے سنت بھی یقینی ہے۔

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں صراط مستقیم پر کھڑا رکھا ہے وہابیوں نے افراط کی اور قرآن پر حدیث کو قاضی ٹھہرایا اور قرآن کو اس کے آگے مستغیث کی طرح کھڑا کردیا اور چکڑالوی نے تفریط کی کہ بالکل ہی حدیث کا انکار کردیا۔ اس سے فتنے کا اندیشہ ہے اس کی اصلاح ضروری ہے ہم کو خدا تعالیٰ نے حَکَم ٹھہرایا ہے اس لئے ہم ایک اشتہار کے ذریعہ اس غلطی کو ظاہر کریں گے اور مضمون پیچھے لکھیں گے۔ اول خویش بعد درویش جس راہ پر خدا تعالیٰ نے ہم کو چلایا ہے اس پر اگر غور کیا جائے تو ایک لذت آتی ہے قرآن شریف نے کیا ٹھیک فیصلہ فرمایا فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ (الجاثیہ : ۷) یہ ایک قسم کی پیشگوئی ہے جو ان وہابیوں کے متعلق ہے اور سنت کی نفی کرنے والوں کے لئے فرمایا اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ[1] (آل عمران : ۳۲)

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۸ نومبر و ۵ دسمبر ۱۹۰۲ء

۲۱؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

لنڈن میں اوّل ولد الاسلام

حضرت اقدس اول شیخ رحمت اللہ صاحب سے ان کے حالات سفر دریافت فرماتے رہے۔ پھر حضور نے فرمایا کہ کیا آپ پگٹ سے ملنے گئے تھے شیخ صاحب نے سنایا کہ ہم نے بہت کوشش کی مگر وہ ہم سے ملا نہیں۔ شیخ صاحب کو ایک اور فرزند ان کی یورپین منکوحہ سے جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے جس کا نام حضرت اقدس کے ارشاد کے مطابق عبداللہ رکھا گیا ہے اس کے حالات دریافت فرمانے کے بعد فرمایا کہ :-

لنڈن میں وہ اول ولد الاسلام ہے۔

بعد ازاں طاعون اور ٹیکہ کا ذکر ہوتا رہا۔ حضور نے فرمایا :-

آخر کار آسمانی ٹیکہ ہی رہ جائے گا۔[1]

جمعہ پڑھ کر فرمایا :-

رات میں نے محمد حسین اور چکڑالوی کے متعلق جو مضمون لکھا تھا تو میں نے دیکھا کہ یہ دونوں (یعنی چکڑالوی اور مولوی محمد حسین) میرے سامنے موجود ہیں تو میں نے ان کو کہا کہ خُسِفَ الْقَمَرُ وَالشَّمْسُ فِیْ رَمَضَانَ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اور آلاء سے مراد میں خود ہوں۔[2]

۲۵؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

بعد ادائے نماز مغرب لوگوں کا دستور ہے کہ وہ پروانہ وار گرتے ہیں اور ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ ایک قدم آگے ہو جاؤں تا کہ حضرت اقدس کے دہن مبارک سے جو کلمات طیبات نکلتے ہیں وہ اچھی طرح سن سکوں یہ کشمکش دیکھ کر حضور نے فرمایا کہ

"آپس میں مل جل کر بیٹھ جاؤ جس قدر تم آپس میں محبت کرو گے اسی قدر اللہ تعالیٰ تم سے محبت

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۴۳ مورخہ ۲۱؍نومبر، ۵؍دسمبر ۱۹۰۲ء

[2] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۲ صفحہ ۶ مورخہ ۲۴؍نومبر ۱۹۰۲ء

کرے گا"۔

مضمون زیر قلم کی نسبت ایک استفسار پر فرمایا کہ

یونہی امتحاناً" میں نے دیکھنا چاہا تھا کہ کچھ لکھ سکتا ہوں کہ نہیں مگر چند ہی حرف لکھنے کے بعد سر کو چکر آگیا اور میں گرنے کے قریب ہو گیا۔

مصری اخبار اللواء کے اعتراض کا جواب

مصر کے اخبار اللواء نے کشتی نوح میں مندرجہ آیت سما کا ذکر کر کے اعتراض کیا تھا کہ یہ لوگ قرآن کو نہیں سمجھتے اور ان کو پتہ نہیں کہ مَامِنْ دَاءٍ اِلَّا وَ لَہٗ دَوَاءٌ حدیث میں ہے اس پر ایمان نہیں لاتے۔ حضور نے فرمایا کہ

اس نے ہمارے مطلب کو نہیں سمجھا اور پہلی آیت کو دیکھ کر صرف اپنے اندرونی بغض کی وجہ سے ایک شاعرانہ مذاق میں مضمون لکھنا شروع کر دیا۔ ہم دواؤں سے کب انکار کرتے ہیں ہم تو قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شئے میں فوائد رکھے ہیں لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس (طاعون) کے متعلق ہمیں قبل از وقت سمجھا دیا ہے کہ یہ اس کا حقیقی علاج ہے اور یہ امر اس نے ہمیں بطور نشان کے دیا ہے تو اب ہم نشان کو کیسے مشتبہ کریں۔ جب اللہ تعالیٰ کوئی نشان دے تو اسکی بے قدری کرنا صرف معصیت ہی نہیں بلکہ کفر تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ ؎

گر حفظ مراتب نہ کنی زندیقی

حفظ مراتب کا لحاظ ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی کبھی نہیں آتا یا افراط ہے یا تفریط۔

خیر اب اس کے مقابلہ میں بھی لکھنے کا عمدہ موقعہ مل گیا ہے بہتر ہے کہ ایک اشتہار میں مختصراً اپنے دعاوی اور دلائل لکھ دیئے جائیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اب بہانے ڈھونڈتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جب تبلیغ کا کوئی عمدہ ذریعہ نہ تھا تو اللہ تعالیٰ اسی طرح دشمنوں کے ہاتھوں سے تبلیغ کراتا تھا کوئی شاعر آتا تو شعر کہہ جاتا لوگ بڑے بڑے پیراؤں میں آپؐ کا ذکر کرتے مگر سعید روحیں انہیں کے الفاظ سے آپ کی طرف کھچی چلی آتیں۔ یہ ہمیشہ سنت اللہ ہے۔

سعادت کے نشان

بٹالہ میں طاعون کا ذکر سن کر فرمایا کہ

یہ سرزمین بہت گندی ہے خوف ہے کہیں تباہ نہ ہو جائے۔ اللہ کا رحم ہے اس شخص پر جو امن کی حالت میں اسی طرح ڈرتا ہے جس طرح کسی مصیبت کے وارد ہونے پر ڈرتا ہے جو امن کے وقت خدا تعالیٰ کو نہیں بھلاتا۔ خدا تعالیٰ اسے مصیبت کے وقت نہیں بھلاتا اور جو امن کے زمانہ کو عیش میں بسر کرتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت دعائیں کرنے لگتا ہے تو اس کی دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں جب عذاب الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے پس کیا ہی سعید وہ ہے جو عذاب الٰہی کے نزول سے پیشتر دعا میں مصروف رہتا ہے صدقات دیتا ہے اور امر الٰہی کی تعظیم اور خلق اللہ پر شفقت کرتا ہے۔ اپنے اعمال کو سنوار کر بجالاتا ہے یہی سعادت کے نشان ہیں درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح سعید اور شقی کی شناخت بھی آسان ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ جو علاج فرماتا ہے وہ حتمی ہوتا ہے

فرمایا :۔

اصل میں انسان جوں جوں اپنے ایمان کو کامل کرتا ہے اور یقین میں پکا ہوتا جاتا ہے توں توں اللہ تعالیٰ اس کے واسطے خود علاج کرتا ہے۔ اس کو ضرورت نہیں رہتی کہ دوائیں تلاش کرتا پھرے وہ خدا تعالیٰ کی دوائیں کھاتا ہے اور خدا تعالیٰ خود اس کا علاج کرتا ہے بھلا کوئی دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ فلاں دوا سے فلاں مریض ضرور ہی شفا پا جائے گا ہرگز نہیں۔ بلکہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دوا الٹا ہلاکت کا موجب ہو جاتی ہے۔ بعض وقت تشخیص میں غلطی ہوتی ہے بعض وقت دواؤں کے اجزاء میں غلطی ہو جاتی ہے۔ غرض حتمی علاج نہیں ہو سکتا ہاں خدا تعالیٰ جو علاج فرماتا ہے وہ حتمی ہوتا ہے اس سے نقصان نہیں ہوتا۔ مگر یہ بات ذرا مشکل ہے کامل ایمان کو چاہتی ہے اور یقین کے پہاڑ سے پیدا ہوتی ہے ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ خود معالج ہوتا ہے مجھے یاد ہے ایک دفعہ دانت میں سخت درد تھا میں نے کسی سے دریافت کیا کہ اس کا کیا علاج ہے اس نے کہا کہ موٹا علاج مشہور ہے۔ علاجِ دنداں اخراجِ دنداں۔ اس کا یہ فقرہ میرے دل پر بہت گراں گذرا کیونکہ دانت بھی ایک نعمت الٰہی ہے اسے نکال دینا ایک نعمت سے محروم ہونا ہے اسی فکر میں تھا کہ غنودگی آئی اور زبان پر جاری ہوا وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ اس کے ساتھ

ہی معا" درد ٹھہر گیا اور پھر نہیں ہوا غرضیکہ لوگ اعتراض کے واسطے دوڑتے ہیں حقیقت کے واسطے نہیں دوڑتے اور نہ اسے دیکھتے ہیں۔ اعتراض کی صورت کوئی نظر آجائے تو اس کے واسطے عید ہو جاتی ہے ہم نے کشتی نوح میں کہاں لکھا ہے کہ دوائیں لغو محض ہیں۔ ٹیکہ نہ کروانے کی صاف وجہ لکھی ہے کہ چونکہ ہمیں آسمانی ٹیکہ لگایا گیا ہے جو کہ ایک نشان ہے اس لئے اس مادی علاج کو خدا تعالیٰ کے نشان میں مشترک کر کے ہم شرک کے مرتکب ہونا نہیں چاہتے حقائق اپنے اپنے محل پر ہی چسپاں ہو سکتے ہیں دیکھئے روزہ کیسے خدا تعالیٰ کی رضا اور ثواب کا موجب ہے لیکن اگر کوئی عید کے دن روزہ رکھے تو کیا وہ ثواب کا مستحق ہو گا یا کسی عذاب کا؟ ان لوگوں نے ہمارے متعلق ذرا سوچ سے کام نہیں لیا اگر تقویٰ اور نیک نیتی سے کام لیتے اور سوچتے تو اتنا غوغا نہ کرتے بلکہ ان کو حق سمجھ آجاتا اور وہ ہلاک نہ ہوتے خدا تعالیٰ نیک نیت کو ضائع نہیں کرتا۔

موضع مدّ میں میاں محمد یوسف صاحب کا بائیکاٹ

حضرت اقدس کی خدمت میں کسی نے عرض کیا کہ موضع مد میں محمد یوسف صاحب کا پانی بند کرنے اور تعلقات لین دین، گفتگو، سلام پیام سب ترک کرنے کی تحریک جاری ہے اس لئے ان کے گھرانے کو سخت تکلیف ہے فرمایا کہ :-

خدا تعالیٰ آسمان پر دیکھتا ہے ان کو اس کا اجر دے گا اور تکلیف دینے والوں کو سزا دے گا یونہی ان کو چھوڑتا نہیں۔

جنّات

جنات کے وجود اور ان کی معرفت اشیاء منگوانے اور کھانے کا سوال ہوا حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:

اس پر ہمارا ایمان ہے۔ عرفان نہیں نیز جنات کی ہمیں اپنی عبادت، معاشرت، تمدن، اور سیاست وغیرہ امور میں ضرورت ہی کیا ہے۔

خدا تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمدہ فرمایا ہے مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ انسانی عمر بہت تھوڑی ہے سفر بڑا کڑا اور لمبا ہے اس واسطے زادِ راہ لینے کی تیاری کرنی

چاہیئے بیہودہ محض اور لغو کاموں میں پڑے رہنا مومن کی شان سے بعید ہے خدا تعالیٰ کے ساتھ ہی صلح کرو اور اسی پر بھروسہ کرو اس سے بڑھ کر کوئی قادر نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی طاقت ور نہیں۔ بات یہ ہے کہ نرے الفاظ اور باتوں سے کچھ نہیں بنتا جب تک خدا تعالیٰ اپنے فضل سے دلوں میں نہ گاڑ دے۔ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنا ہی ہر مرض کا علاج ہوتا ہے میرے نزدیک یہ عالمگیر موت جو آتی ہے اس کا علاج بجز ایمان کے صیقل کرنے اور یقین کی جلا کے ہرگز ممکن نہیں۔

طاعون کا علاج

یہ (طاعون) زمینی چیز نہیں ہے کہ زمین اس کا علاج کر سکے یہ آسمان سے آتی ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا یہ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (العنکبوت : ۳۵) ہے سابقہ انبیاء کے وقت بھی یہ بطور عذاب کے ایک نشان ہوتا رہا ہے پس اس کا علاج یہی ہے کہ اپنے ایمان کو اس کی انتہائی غایت تک پہنچا دو۔ اس کے آنے سے پیشتر خدا تعالیٰ سے صلح کرو۔ استغفار کرو۔ توبہ کرو۔ دعاؤں میں لگو۔ اس (مرض طاعون) کی کوئی دوائی نہیں ہے مرض ہو تو دوا ہو۔ یہ تو ایک عذاب الٰہی اور قہر ایزدی ہے۔ بجز تقویٰ کے اس کا اور کیا علاج ہے؟ یاد رکھو کہ اگر گھر بھر میں ایک بھی متقی ہو گا تو خدا تعالیٰ اس کے سارے گھر کو بچائے گا بلکہ اگر اس کا تقویٰ کامل ہے تو وہ اپنے محلے کا بھی شفیع ہو سکتا ہے اگرچہ متقی مر بھی جائے تو وہ سیدھا جنت میں جاتا ہے مگر ایسے وقت میں جبکہ یہ موت ایک قہر الٰہی کا نمونہ ہے اور بطور نشان کے دنیا پر آئی ہے میرا دل ہرگز شہادت نہیں دیتا کہ کوئی متقی اس ذلت کی موت سے مرے۔ متقی ضرور بچایا جائے گا۔

کشتی نوح کا بار بار مطالعہ کرو اور اس کے مطابق اپنے آپ کو بناؤ

میں نے بارہا اپنی جماعت کو کہا ہے کہ تم نرے اس بیعت پر ہی بھروسہ نہ کرنا۔ اس کی حقیقت تک جب تک نہ پہنچو گے تب تک نجات نہیں۔ قشر پر صبر کرنے والا مغز سے محروم ہوتا ہے اگر مرید خود عامل نہیں تو پیر کی بزرگی اسے کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ جب کوئی طبیب کسی کو نسخہ دے اور وہ نسخہ لے کر طاق میں رکھ دے تو اسے ہرگز فائدہ نہ ہو گا کیونکہ فائدہ تو اس پر لکھے ہوئے عمل کا نتیجہ تھا۔ جس سے وہ خود محروم ہے کشتی نوح کا بار بار مطالعہ کرو اور اس کے مطابق اپنے آپ کو بناؤ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس : ۱۰) یوں تو ہزاروں چور' زانی' بدکار' شرابی' بدمعاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر کیا وہ درحقیقت ایسے ہیں؟ ہرگز نہیں امتی وہی ہے جو آپ کی تعلیمات پر پورا کاربند ہے۔

طاعون

یہ طاعون کوئی مرض نہیں ہے صرف لوگوں کو سیدھا کرنے کے لئے آئی ہے تم اس کے سیدھا کرنے سے سیدھے نہ بنو بلکہ خدا تعالیٰ کے واسطے سیدھے ہو جاؤ تاکہ شرک سے بری رہو۔ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے صرف غریب لوگ ہی مرتے ہیں۔ یہ ایک اور بدقسمتی ہے بجائے عبرت پکڑنے کے الٹا اعتراض کرتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ صرف بیماری ہے اس کو نماز روزے اور نیکی بدی سے کیا تعلق ہے۔ ڈاکٹروں سے علاج کروانا چاہئے غرضیکہ بے باکی کی یہاں تک نوبت پہنچی ہوئی ہے اور طاعون تو خدا کا ایک آئینہ ہے جس میں خدا اپنا چہرہ دکھائے گا۔ یاد رکھو کہ طاعون کا نام خدا نے رحمت نہیں رکھا کہ اس سے مرنے والا شہید ہو۔ یہ تو زمانہ تحدی کا ہے بطور نشان کے آئی ہے مومن اور غیر مومن میں فرق کر کے جائے گی۔ اس کا نام رجز ہے اور میرے الہام میں بھی اسے غضب کہا گیا ہے آج سے تیرہ سو برس پیشتر قرآن مجید میں اس کی خبر ہے اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ...الخ (النمل : ۸۳) یعنی جب گمراہی اور ضلالت کا زمانہ ہو گا ایسے وقت میں لوگوں کا ایمان خدا پر صرف بچوں کے کھیل کی طرح ہو گا۔ تب ہم ان میں ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کاٹے گا غرض یہ (طاعون) خدا تعالیٰ کا ایک قہر ہے جس سے بچنے کے واسطے ہر ایک کو لازم ہے کہ اپنی نجات کا آپ سامان کرے[1]

۲۶ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

خدا تعالیٰ کی طرف رجوع

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ چند ایک نووارد احباب نے بیعت کی اس کے بعد طاعون کے ذکر پر فرمایا :۔

جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے خدا تعالیٰ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جو لاپروا ہے خدا تعالیٰ اس سے لاپروا ہے اب اس وقت بھی جو نہ سمجھے تو اس کی قسمت ہی بد ہے۔

چند نوجوانوں کا اخلاص

بیعت میں تین نوجوان ایسے بھی شامل تھے جو کہ صرف ایک دن کی رخصت پر آئے تھے عصر

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵، ۶ صفحہ ۳۸-۳۹ مورخہ ۲۸ر نومبر، ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

کے وقت قادیان پہنچے اور اگلے روز انہوں نے کیمپ میں حاضر ہونا تھا۔
ان کے اس اخلاص اور محبت پر فرمایا کہ
باوجودیکہ فوجی نوکر ہیں مگر خدا تعالیٰ نے دین کی محبت دل میں ڈال دی ہے صدق اور اخلاص لے کر آئے ہیں خدا تعالیٰ ہر ایک کو یہ نصیب کرے۔

سردرد کا علاج

ایک صاحب نے عرض کی کہ میرے سر میں درد رہتا ہے گرمی کے وقت سخت تکلیف رہتی ہے دعا فرمائی جائے۔ حضرت اقدس نے فرمایا علاج بھی کیا ہے؟ اس نے عرض کی ہاں کیا ہے مگر فائدہ نہیں ہوا۔ فرمایا کہ
ہڈیوں کا شوربہ پیا کرو۔ ہڈیاں ایسی لیں جن میں کچھ گوشت چمٹا ہوا ہو ان کو ابال کر شوربہ ٹھنڈا کرو کہ چربی جم جائے۔ اس چربی کو نکال دو۔ باریک رومال پانی میں تر کر کے شوربہ اس میں چھانو کہ چربی اس میں لگ جائے اور خالص شوربہ رہ جائے وہ پیا کرو ہم دعا بھی کریں گے۔

صبر بھی ایک عبادت ہے

پھر اس شخص نے عرض کی کہ میرے گاؤں میں ایک مولوی جو مدرسہ میں ملازم ہے سخت مخالف ہے اور مجھے بہت تکلیف دیتا ہے حضور دعا کریں کہ خدا تعالیٰ اس کی تبدیلی وہاں سے کر دے۔ حضرت اقدس نے اس موقعہ پر تبسم فرمایا اور پھر اسے اس طرح سمجھایا کہ
اس جماعت میں جب داخل ہوئے ہو تو اس کی تعلیم پر عمل کرو۔ اگر تکالیف نہ پہنچیں تو پھر ثواب کیونکر ہو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں تیرہ (۱۳) برس دکھ اٹھائے تم لوگوں کو اس زمانے کی تکالیف کی خبر نہیں اور نہ وہ تم کو پہنچیں ہیں مگر آپ نے صحابہؓ کو صبر ہی کی تعلیم دی۔ آخر کار سب دشمن فنا ہو گئے۔ ایک زمانہ قریب ہے کہ تم دیکھو گے کہ یہ شریر لوگ بھی نظر نہ آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا ہے کہ اس پاک جماعت کو دنیا میں پھیلائے۔ اب اسوقت یہ لوگ تمہیں تھوڑے دیکھ کر دکھ دیتے ہیں مگر جب یہ جماعت کثیر ہو جائے گی تو یہ سب خود ہی چپ ہو جائیں گے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ دکھ نہ دیتے اور دکھ دینے والے پیدا نہ ہوتے مگر خدا تعالیٰ ان کے ذریعہ سے صبر کی تعلیم دینا چاہتا ہے۔ تھوڑی مدت صبر کے بعد دیکھو گے کہ کچھ بھی نہیں ہے جو شخص دکھ دیتا ہے یا تو توبہ کرلیتا ہے یا فنا ہو جاتا ہے۔ کئی خط اس طرح کے آتے ہیں

کہ ہم گالیاں دیتے تھے اور ثواب جانتے تھے لیکن اب توبہ کرتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں صبر بھی ایک عبادت ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ صبر والوں کو وہ بدلے ملیں گے جن کا کوئی حساب نہیں ہے۔ یعنی ان پر بے حساب انعام ہوں گے۔ یہ اجر صرف صابروں کے واسطے ہے۔ دوسری عبادت کے واسطے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ نہیں ہے۔ جب ایک شخص ایک کی حمایت میں زندگی بسر کرتا ہے تو جب اسے دکھ پر دکھ پہنچتا ہے تو آخر حمایت کرنے والے کو غیرت آتی ہے اور وہ دکھ دینے والے کو تباہ کر دیتا ہے اسی طرح ہماری جماعت خدا تعالیٰ کی حمایت میں ہے اور دکھ اٹھانے سے ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ صبر جیسی کوئی شیئے نہیں ہے۔

یہ زمانہ مامور من اللہ کے آنے کا ہے

زمانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ

عجیب بات ہے کہ ہندو بھی کہتے ہیں کہ یہ زمانہ ایک بڑے اوتار کا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ نزول مسیح میں کوئی شخص چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھتا۔ (یعنی جس قدر مکاشفات اور اخبار ہیں وہ تمام چودھویں صدی تک کی خبر دیتی ہیں) ترقی قمر بھی چودہ تک ہی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے قرآن شریف میں ہے وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ (یٰس : ۴۰)

قرآن کریم کی ایک خاصیت

ایک حافظ نے درخواست کی کہ میں کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کی میری منزل ٹھہر جائے مگر ناکامیاب ہی رہتا ہوں۔ دعا فرمایئے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

قرآن خود یہ خاصیت رکھتا ہے کہ اس نقص کو رفع کر دے محبت سے پڑھتے رہو ہم بھی دعا کریں گے۔[1]

۲۸؍نومبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

اعجاز احمدی کے متعلق جعفر زٹلی کے اعتراض کا جواب

بعد نماز مغرب حضرت اقدس مسجد کے گوشہ میں تشریف فرما ہوئے جعفر زٹلی نے اپنے اخبار

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۹ مورخہ ۲۸؍نومبر ۵؍دسمبر ۱۹۰۲ء

میں لکھا تھا کہ یہ بیان غلط ہے کہ اعجاز احمدی پانچ دن میں تیار ہوئی بلکہ اس کا مسودہ ایک عرصہ سے تیار ہو رہا تھا۔ صرف مُدّ کے واقعات کا تھوڑا سا مضمون ان ایام میں بنا لیا ہے۔ اس سفید جھوٹ پر حضرت تبسم فرماتے رہے اور تعجب کرتے رہے کہ ان لوگوں کو اس قدر جھوٹ پر جھوٹ کی کس طرح جرأت ہوتی ہے پھر فرمایا کہ :۔

ہر ایک بات کے واسطے فیصلہ ہوتا ہے جب تک خدا تعالیٰ ان لوگوں پر اول سبقت نہ کرے ہم بھی نہیں کرتے۔

صداقت کے دلائل کی بُنیاد

اس کے بعد حضرت اقدس نے ارادہ ظاہر فرمایا کہ :۔

اگر طبیعت درست ہو جائے تو نزول مسیح کو مکمل کر کے ایک رسالہ بزبان فارسی تحریر کیا جائے جس میں دلائل کی بنیاد تین چیزوں پر رکھی جائے جن کو ہر ایک نبی پیش کرتا رہا ہے اول نصوص۔ دوسرے معجزات۔ تیسرے عقل۔

عادت ایک زنگ ہے

پھر فرمایا:۔

مشکل یہ ہے کہ عادت بھی ایک زنگ ہے جب دل پر بیٹھ جائے تو ہزارہا دلائل ہوں ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا جیسے ایک ہندو کے دل میں گنگا کی جو عظمت بیٹھی ہے اس سے دلائل پوچھو تو کچھ نہ دے گا صرف عادت کے طور پر اس کی بزرگی ہی مانتا جائے گا۔ اسی طرح نزول مسیح کے بارے میں ان لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ وہ یہی مانتے ہیں کہ اسی جسم کے ساتھ آسمان سے آئے گا۔ یہ مرض بھی دق کی طرح لگا ہے لیکن میں اس پر خوش ہوں کہ میرا خدا ہر ایک شئے پر قادر ہے۔ وہ اس مرض کے دفعیہ کے ہزارہا سامان پیدا کرے گا۔

جمعہ کی تعطیل

جمعہ کی تعطیل کے لئے ایک میموریل دربار دہلی کی تقریب پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں پیش کرنے کی تجویز حضرت اقدس نے کی ہے جو کہ عنقریب شائع ہو گا۔

جماعت کی ترقّی

اس کے بعد جماعت کی ترقی کا ذکر ہوا کہ:۔

یہ ایک عظیم الشان امر ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین سالوں میں ظاہر کیا ہے۔ ان تین سالوں سے پیشتر ہماری جماعت صرف کئی سو تھی اور اب ان تین سالوں میں ایک لاکھ سے زیادہ ہو گئی باوجودیکہ ہر طرف سے مزاحمت ہوتی رہی مخالفت میں کوئی فرق نہیں رکھا۔اور ناخنوں تک زور لگایا۔[1]

۲۹ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

(بوقت سیر)

ٹیکہ طاعون کے منفی نتائج

آٹھ بجے کے قریب حضرت اقدس تشریف لائے اور احباب کے ہمراہ سیر کو چلے۔ گذشتہ شب سول ملٹری گزٹ اور پایونیر کے حوالہ سے ٹیکہ طاعون کے خطرناک نتائج جو حضرت اقدس کو سنائے گئے تھے کہ ملکوال میں انیس موتیں ٹیکہ لگنے کے باوجود ہوئیں۔ اس پر فرمایا کہ

یہ بھی خدا تعالیٰ کی کتنی رحمت ہے ہماری کشتی نوح میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اگر آسمانی ٹیکہ کے علاوہ اور اس کے مقابلہ پر کسی اور طرح سے زیادہ فائدہ ہو سکتا ہے تو ہمارا دعویٰ جھوٹا۔

اس ٹیکہ کے انتظام پر گورنمنٹ کا لاکھوں روپیہ صرف ہوتا ہے (مگر نتیجہ ظاہر ہے۔)

اس میں بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ ہماری کشتی نوح پر بڑے بڑے متعصب اخباروں نے حتّٰی کہ مصر کے اَللِّواء نے بھی مخالفت میں مضمون درج کیا کیا ان کی روسیاہی ہوئی یا نہیں؟ حق کا رعب ایسا ہوتا ہے کہ منہ بند ہو جاتے ہیں اب دیکھیں کہ اَللِّواء کیا لکھے گا اور اب بھی شرمندہ ہو گا یا نہیں؟

ایک دو دن اور ٹھہر جائیں اور دیکھ لیں۔ ذرا طبیعت ٹھیک ہو جائے تو ان موتوں کے مفصل حالات دریافت کر کے پھر اَللِّواء کو پیش کئے جائیں یہ اس کے لئے ایک بڑا تازیانہ ہو گا یہ اللہ تعالیٰ کی طاقتیں ہیں اور اسی کا کام ہے۔

---

[1] البدر جلد ا نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۹ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

سلسلہ کی تائید

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کے چمکانے اور ہمارے اس سلسلہ کی تائید میں اس قدر کثرت کے ساتھ زور دے رہا ہے پھر بھی ان لوگوں کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ یہ بھی ایک عادت اللہ ہے کہ مکذبین کی تکذیب خدا تعالیٰ کے نشانات کو کھینچتی ہے۔ جب ان کی تکذیب ٹھنڈی ہو جائے گی تو یہ نشانات بھی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ برسات میں جس قدر گرمی زیادہ ہوتی ہے اسی قدر بارش زور سے ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے منہاج نبوت کا نظارہ دکھلا دیا ہے اس نے کیا کیا کچھ کیا ہے ہماری تائید میں آسمان کو چھوڑا نہ زمین کو، مگر ان لوگوں نے کسی سے فائدہ نہ اٹھایا ہمیشہ سے ان لوگوں کا خیال تھا کہ صدی کے سر پر کوئی آیا کرتا ہے اس صدی میں سے بیس سال گزر گئے مگر آج تک ان کی سمجھ میں نہ آیا۔ اب تو قیامت کا سامنا باقی ہے اور تو کوئی کسر باقی نہیں۔ ایک مخالف نے ایک دفعہ مجھے خط لکھا کہ آپ کی مخالفت میں لوگوں نے کچھ کمی نہیں کی مگر ایک بات کا جواب ہمیں نہیں آتا کہ باوجود اس مخالفت کے آپ ہر بات میں کامیاب ہی ہوتے جاتے ہیں یہ تائید کیوں ہوتی ہے؟

ایمان کی لذت

ایمان کی لذت بھی یہی ہے کہ خدا کی نصرتوں کو انسان آنکھوں سے دیکھ لے تب آنکھیں کھلتی ہیں جب انسان سمجھ لیتا ہے کہ سچ یہی ہے تو پھر اس پر مرنے کے لئے بھی تیار ہو جاتا ہے جب تک [1] خدا تعالیٰ کی نصرتیں چمک کر ظاہر نہیں ہوتیں اس وقت تک تو تذبذب میں رہتا ہے مگر جب ان کی چمکار نظر آتی ہے تو سینہ کی غلاظتیں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ کتنی خوشی کی بات ہے۔ معلوم ہوتا ہے اب اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کا تزکیہ نفس کرنے لگا ہے اولیاء خدا تعالیٰ کے وفادار بندے ہی ہوا کرتے ہیں اور کون ہوتے ہیں۔

---

[1] الحکم میں اس جگہ مزید مضمون بیان ہوا ہے جو البدر میں نہیں البدر کی باقی ڈائری الحکم کی نسبت زیادہ مفصل ہے مگر ذیل کا مضمون اس میں نہیں الحکم میں لکھا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ "دو پہلو غور کے لائق ہیں اول یہ کہ بیس سال ہوئے جبکہ ہمارے پاس ایک بھی شخص نہ تھا اور اس وقت پیشگوئی ہو رہی تھی کہ تیرے ساتھ ایک جماعت کثیر ہوگی۔ دوم مخالفوں کو بار بار کہا جاتا ہے کہ جس قدر شرارتیں اور مکر و فریب تم کر سکتے ہو کرو۔ پھر ہم اس کو بڑھا کر دکھا دیں گے جیسے فرمایا اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَانۡتَھٰی اَمۡرُ الزَّمَانِ اِلَیۡنَا اَلَیۡسَ ھٰذَا بِالۡحَقِّ یعنی اس وقت ہم لوگوں سے پوچھیں گے کہ کیا یہ ہماری جماعت اور ہمارا سلسلہ سچا نہ تھا۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

فرمایا- یہ بھی ایک الہام ہے کہ

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے-

طاعون بھی ایک آگ ہے حدیث میں آیا ہے کہ بہشتی ایک دفعہ دوزخ کی سیر کو جائیں گے اور ایک پیر آگ پر رکھیں گے کہ آگ کس طرح جلاتی ہے تو آگ کہے گی اے مومن ذرا پیچھے ہٹ جا تو تو مجھے بجھاتا ہے-

ایک رؤیا

عصر کی نماز سے پیشتر آپ نے تھوڑی دیر مجلس فرمائی اور ایک خواب بیان فرمایا- جو حضور نے قریباً دو ہفتے قبل دیکھا تھا وہ خواب یہ ہے- حضور فرماتے ہیں-

میں ایک مقام پر کھڑا ہوں- ایک شخص آکر چیل کی طرح جھپٹا مار کر میرے سر سے ٹوپی لے گیا پھر دوسری بار حملہ کر کے آیا کہ میرا عمامہ لے جائے مگر میں اپنے دل میں مطمئن ہوں کہ نہیں لے جا سکتا- اتنے میں ایک نحیف الوجود شخص نے اسے پکڑ لیا مگر میرا قلب شہادت دیتا ہے کہ یہ شخص دل کا صاف نہیں ہے- اتنے میں ایک اور شخص آگیا جو قادیان کا رہنے والا تھا اس نے بھی اسے پکڑ لیا میں جانتا تھا کہ موخرالذکر ایک مومن متقی ہے پھر اسے عدالت میں لے گئے تو حاکم نے اسے جاتے ہی چار یا چھ یا نو ماہ کی قید کا حکم دیا-

غیروں کی مساجد میں نماز

ایک شخص نے بعد نماز مغرب بیعت کی اور عرض کیا کہ الحکم میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ غیر از جماعت کے پیچھے نماز نہ پڑھو- فرمایا:-

ٹھیک ہے اگر مسجد غیروں کی ہے تو گھر میں اکیلے پڑھ لو- کوئی حرج نہیں اور تھوڑی سی صبر کی بات ہے قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مسجدیں برباد کر کے ہمارے حوالہ کر دے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کچھ عرصہ صبر کرنا پڑا تھا-

عذاب کے بارہ میں عادت اللہ

موجودہ حالت میں ہندوؤں کے طاعون سے زیادہ مرنے پر فرمایا کہ :-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا

(الرعد : ۴۲) یعنی ہم دور دور سے زمین کو گھٹاتے چلے آتے ہیں یہ عادت اللہ ہے کہ اول عذاب ایسے لوگوں سے شروع ہوتا ہے جو دور دور ہوتے ہیں اور ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں۔ بیوقوف یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ صرف انہیں کے لئے ہے ہمارے لئے نہیں مگر عذاب لپک کر ان تک پہنچتا ہے جن کو خبر نہیں ہوتی اور بے پروا ہوتے ہیں خدا تعالیٰ کی اس میں حکمتیں ہوتی ہیں وہ چاہتا ہے کہ یہ لوگ اور شوخی کرلیں لوگوں کو اس طاعون کی خبر نہیں ہے وہ مجھے لکھتے ہیں اور اشتہاروں میں شائع کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک مرض ہے جس کا علاج ہو سکتا ہے اب ان پر لازم ہے کہ ڈاکٹروں سے علاج کروائیں۔ آخر سول (CIVIL) نے لکھ دیا کہ ہم کہاں تک اس پر پردہ ڈالیں خود گورنمنٹ کو بھی اس ٹیکہ سے تکلیف پہنچی ہے۔

طاعون کی اقسام

فرمایا:۔

طاعون تین قسم کی ہے ایک خفیف جس میں صرف گلٹی نکلتی ہے اور تپ نہیں ہوتا۔ دوسری اس سے تیز کہ اس میں گلٹی کے ساتھ تپ بھی ہوتا ہے تیسری سب سے تیز اس میں تپ نہ گلٹی۔ بس آدمی سویا اور مرگیا ہندوستان کے بعض دیہات میں ایسا ہی ہوا ہے کہ دس آدمی رات کو سوئے تو صبح کو مرے ہوئے پائے گئے۔ اس کا اصل باعث طعن ہے یہ لوگ ٹھٹھہ کرتے ہیں مگر ان کو پتہ لگ جائے گا جو مخالف بکواس کیا کرتے ہیں ان پر یک لخت پتھر نہیں پڑا کرتے اول ان کو دور سے آگ دکھائی جاتی ہے تاکہ وہ توبہ کریں۔

خدا تعالیٰ اِس وقت اپنا چہرہ دکھلانا چاہتا ہے

شیخ نور احمد صاحب نے عرض کی حضور اب بھی مخالف کہتے ہیں کہ ہمیں طاعون کیوں نہیں ہوتی۔ فرمایا :۔

قرآن میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ لوگ خود عذاب طلب کرتے تھے کمبخت یہ نہیں کہتے کہ دعا کرو کہ ہمیں ہدایت ہو جائے طاعون ہی مانگتے ہیں دراصل یہ لوگ دہریہ ہیں خدا پر ان لوگوں کو ایمان نہیں ہے خدا تعالیٰ اس وقت اپنا چہرہ دکھلانا چاہتا ہے۔ اس وقت جس قدر عیاشی، فسق و فجور۔ حقوق العباد میں غصب وغیرہ ہو رہے ہیں کیا اس کی کوئی حد ہے۔ ہمیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکانداروں کی طرح ایک دوکاندار ہے مگر عنقریب خدا تعالیٰ ان کو بتلا دے گا کہ دکان تو ہے مگر خدا تعالیٰ کی دکان ہے ایک صریح کشمکش آسمان سے ہے اور صریح خدا تعالیٰ کے ارادے معلوم ہیں کہ

وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

قادیان آنے والا ہر تحفہ اور نذر ایک نشان ہے

میرا ایک پرانا الہام ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ اَمْرَكَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا براہین کے وقت سے اسے دیکھو کہ کیسا برابر ایک سلسلہ چلا آرہا ہے میں اس امر پر ایک دفعہ غور کرتا رہا کہ

يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ وَيَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ

ان دونو الہاموں میں کیا مناسبت ہے تو معلوم ہوا کہ يَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ سے یہ خیال پیدا ہوا کہ جب اس قدر لوگ آویں گے تو ان کے کھانے وغیرہ کا انتظام بھی چاہیئے تو آگے بتلایا کہ يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ

یعنی وہ کھانے دانے بھی اپنے ہمراہ لائیں گے قادیان کے لوگ خوب واقف ہیں کہ اس وقت کیا حالت تھی۔ کیا یہ انسان کا کام ہے کہ مدت دراز کے بعد جو بات ہونے والی تھی وہ اس قدر پیشتر بتلائی گئی۔ اس لئے جو شخص آتا ہے اور جو تحفہ اور نذر وہ لاتا ہے ہر ایک ایک نشان ہوتا ہے اور اگر اس طرح سے ہم حساب کریں تو نشانات پچاس لاکھ تک پہنچتے ہیں۔

تکالیف کے ازالہ کا طریق

ایک شخص نے اپنی خانگی تکالیف کا ذکر کیا۔ فرمایا کہ :۔

پورے طور پر خدا تعالیٰ پر توکل، یقین اور امید رکھو تو سب کچھ ہو جائے گا اور ہمیں خطوط سے ہمیشہ یاد کراتے رہا کرو ہم دعا کریں گے۔[1]

۳۰ر نومبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

(بوقت سیر)

تقویٰ

آٹھ بجے کے قریب حضرت اقدس سیر کے لئے تشریف لائے۔ طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا وجود ثابت ہو رہا ہے مجھے تو اسی میں مزا آتا ہے ساری جڑھ تقویٰ اور طہارت

---

[1] البدر جلد ا نمبر ۵-۶ صفحہ ۳۷ مورخہ ۲۸ر نومبر و ۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے اسی سے ایمان شروع ہوتا ہے اور اسی سے اس کی آبپاشی ہوتی ہے۔اور نفسانی جذبات دبتے ہیں۔

سلسلہ کی ترقی

پھر اعجاز احمدی اور اپنے سلسلہ کی بے نظیر ترقی پر فرمایا کہ:۔

اگر کذاب کا یہ حال ہے تو پھر صدق کی مٹی پلید ہے ان لوگوں میں ایسی روحیں بھی ہیں۔ جن پر ایک سخت انقلاب آئے گا جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابو سفیان ایک بڑا ضعیف القلب اور کم فراست والا آدمی تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر فتح پائی تو اسے کہا کہ تجھ پر واویلا[1]

اس نے جواب میں کہا کہ اب سمجھ آگئی ہے کہ تیرا خدا سچا ہے اگر ان بتوں میں کچھ ہوتا تو یہ ہماری اس وقت مدد کرتے۔ پھر جب اسے کہا گیا کہ تو میری نبوت پر ایمان لاتا ہے؟ تو اس نے تردد ظاہر کیا اور اس کی سمجھ میں توحید آئی۔ نبوت نہ آئی۔ بعض مادے ہی ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں فراست کم ہوتی ہے جو توحید کی دلیل تھی وہی نبوت کی دلیل تھی مگر ابو سفیان اس میں تفریق کرتا رہا۔ اسی طرح سعید لوگوں کے دلوں میں اثر پڑ جائے گا سب ایک طبقہ کے انسان نہیں ہوتے۔ کوئی اول جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ کوئی اوسط درجہ کے۔ کوئی آخری درجہ کے۔

میری ایک پرانی وحی ہے یَخِرُّوْنَ عَلَى الْاَذْقَانِ سُجَّدًا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا اِنَّا كُنَّا خَاطِئِيْنَ یعنی پیچھے آنے والے یہ کہیں گے ان کے لئے آگے خوشخبری بھی ہے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ محمد حسین کو فرعون کہا گیا ہے اور نذیر حسین کو ہامان۔ ہامان کو ایمان نصیب نہ ہوا۔ اسی طرح نذیر حسین بے نصیب گیا اور میرا استنباط یہ ہے کہ جس طرح فرعون نے اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِيْلَ (یونس : ۹۱) کہا تھا ویسے ہی یہ (محمد حسین) بھی کہے گا۔ محی الدین صاحب ابن عربی نے لکھا ہے

---

[1] الحکم سے:۔
"معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ابھی ایسی روحیں بھی ہیں کہ جب ان کی آنکھیں کھلیں گی۔ جب ایک انقلاب نظر آئے گا۔ جیسے ابو سفیان میں فراست کم تھی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو کہا کیا تو اب بھی نہیں سمجھتا؟ تجھ پر واویلا۔ تجھے اب تک پتہ نہیں لگا کہ یہ انسانی ہاتھ کا کام نہیں"۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰؍ دسمبر ۱۹۰۲ء)

کہ قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں کہ فرعون جہنم میں جاوے گا یہ ہے کہ اس نے اپنی قوم کو جہنم میں ڈالا۔شائد یہ رعایت اس کے ساتھ اس لئے ہو کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا۔ پرورش کیا۔ تعلیم دلوائی' تربیت کی۔مگر ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے کی تربیت کا ذریعہ نہیں ملا۔ صرف خدا تعالیٰ نے ہی کی۔

نماز اور استغفار دل کی غفلت کا علاج ہیں

سیر سے واپس ہوتے ہوئے ایک حافظ صاحب نے آپ سے مصافحہ کیا اور عرض کی کہ میں نابینا ہوں ذرا کھڑے ہو کر میری عرض سن لیں۔ حضور کھڑے ہو گئے اس نے کہا میں آپ کا عاشق ہوں اور چاہتا ہوں کہ غفلت دور ہو حضرت اقدس نے فرمایا کہ

نماز اور استغفار دل کی غفلت کے عمدہ علاج ہیں نماز میں دعا کرنی چاہئے کہ اے اللہ! مجھ میں اور میرے گناہوں میں دوری ڈال۔ صدق سے انسان دعا کرتا رہے تو یہ یقینی بات ہے کہ کسی وقت منظور ہو جائے جلدی کرنی اچھی نہیں ہوتی۔ زمیندار ایک کھیت بوتا ہے تو اسی وقت نہیں کاٹ لیتا۔ بے صبری کرنے والا بے نصیب ہوتا ہے نیک انسان کی یہ علامت ہے کہ وہ بے صبری نہیں کرتا۔ بے صبری کرنے والے بڑے بڑے بد نصیب دیکھے گئے ہیں۔ اگر ایک انسان کنواں کھودے اور بیس ہاتھ کھودے اور ایک ہاتھ رہ جائے تو اس وقت بے صبری سے چھوڑ دے تو اپنی ساری محنت کو برباد کرتا ہے اور اگر صبر سے ایک ہاتھ اور بھی کھود لے تو گوہر مقصود پالیوے۔ یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ذوق اور شوق اور معرفت کی نعمت ہمیشہ دکھ کے بعد دیا کرتا ہے اگر ہر ایک نعمت آسانی سے مل جائے تو اس کی قدر نہیں ہوا کرتی۔ سعدی نے کیا عمدہ کہا ہے ۔

گر نباشد بدوست راہ بردن
شرط عشق است در طلب مردن

مخالفت نفس بھی ایک عبادت ہے

مخالفت نفس بھی ایک عبادت ہے انسان سویا ہوا ہوتا ہے جی چاہتا ہے کہ اور سولے مگر وہ مخالفت نفس کر کے مسجد چلا جاتا ہے تو اس مخالفت کا بھی ایک ثواب ہے اور ثواب نفس کی مخالفت تک ہی محدود ہوتا ہے ورنہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو پھر ثواب نہیں۔ عبدالقادر

جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب آدمی عارف ہو جاتا ہے تو اس کی عبادت کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ جب نفس مطمئنہ ہو گیا تو ثواب کیسے رہا؟ نفس کی مخالفت کرنے سے ثواب تھا وہ اب رہی نہیں۔

بے صبر نہیں ہونا چاہیئے

قرآن شریف میں ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمان : ۴۷) یعنی وہ جنت میں داخل ہو گیا اور اس کا درجہ ثواب کا نہ رہا تو یہ بات بے صبری سے نہیں ملتی۔ انسان کو یہاں تک صبر کرنا چاہیئے کہ اس کا دل یقین کر لے کہ میرے جیسا کوئی صابر نہیں۔ آخر خدا تعالیٰ مہربان ہو کر دروازہ کھول دیتا ہے اسی طرح ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو تمام عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ عبادات ترک کر دیتا ہے بلکہ یہ معنے ہیں کہ عبادات کی بجا آوری میں اسے جو تکلیف ہوتی تھی وہ ساقط ہو جاتی ہے اب عبادات محبوبات نفس میں شامل ہو گئیں جیسے کھانا پینا وغیرہ اس کی محبوبات نفس تھیں ایسا ہی نماز' روزہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ جیسا وفادار اور کوئی نہیں۔ دوستی اور اخلاص کا حق جیسے وہ ادا کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا انسان بڑے جوش والا ہے وہ صبر سے حقوق ادا نہیں کر سکتا جلدی بے صبر نہیں ہونا چاہیئے۔

صحبت کا اثر

فرمایا:۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وقتاً "فوقتاً" ہمارے پاس آتے رہیں اور کچھ دن یہاں رہا کریں۔ انسان کا دماغ جیسے خوشبو سے حصہ لیتا ہے ویسے ہی بدبو سے بھی حصہ لیتا ہے اسی طرح زہریلی صحبت کا اثر اس پر ہوتا ہے۔

مخالفین کی موجودہ حالت پر فرمایا کہ

مکہ معظمہ کی حالت کا تو کسی نے معائنہ نہیں کیا مگر اب اس وقت کی حالت دیکھ کر پتہ لگتا ہے کہ ایسا ہی حال اس وقت تھا۔

مکہ کے دو عمر

ابو جہل کو فرعون کہا گیا ہے۔ مگر میرے نزدیک وہ تو فرعون سے بڑھ کر ہے فرعون نے تو آخر کہا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس : ۹۱) مگر یہ آخر تک ایمان نہ لایا [1] مکہ میں سارا فساد اسی کا تھا اور بڑا متکبر اور خود پسند۔ عظمت اور شرف کو چاہنے والا تھا اس کا اصلی نام بھی عمر تھا اور یہ دونو عمر مکہ میں تھے خدا کی حکمت کہ ایک عمر کو کھینچ لیا اور ایک بے نصیب رہا اس کی روح تو دوزخ میں جلتی ہو گی اور حضرت عمرؓ نے ضد چھوڑ دی تو بادشاہ ہو گئے۔

سورۃ الکوثر کی تفسیر

فرمایا:-

جیسے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (الکوثر : ۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہے ایسا ہی میرا بھی الہام ہے۔

یہ کم بخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی اور روحانی طور پر ہر دو طرح ابتر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (الکوثر : ۲) یہاں کوثر کا قرینہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ہے نَحَر اولاد کے لئے ہوتا ہے کہ جب عقیقہ ہوتا ہے تو قربانیاں دیتے ہیں۔ پس اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نہ روحانی ہوئی نہ جسمانی تو نحر کس کے لئے آیا؟

عبد اللہ غزنوی کا الہام

اس وقت قرآن کی عظمت بالکل دلوں میں نہیں رہی عبد اللہ غزنوی صاحب کا بھی ایک کشف ہے جو اس کے متعلق تھا کہ اس میں ان کو الہام ہوا تھا کہ ھٰذَا کِتَابِیْ وَعِبَادِیْ۔ فَاقْرَأْ کِتَابِیْ عَلٰی عِبَادِیْ۔

---

[1] الحکم سے "مرتے وقت سر کاٹنے والے کو کہا کہ ذرا گردن لمبی کر کے کاٹنا تاکہ دوسروں سے یہ سر بڑا دکھائی دے۔ گویا مرتے دم تک تکبر نہ چھوڑا" (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ

حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ آپ بڑے غصہ والے ہوتے تھے اب غصہ مسلمان ہونے سے دور ہو گیا فرمایا - دور تو نہیں ہوا مقصد ہو گیا ہے اور اب اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے[۱]

۳۰؍ نومبر ۱۹۰۲ء

دربار شام

برطانیہ اور کابل

فرمایا:-

گورنمنٹ انگلشیہ نے بڑی آزادی دے رکھی ہے اور ہر قسم کا امن ہے مگر کابل میں تو لوگ ایک طرح سے اسیر اور مقید ہیں- وہ باہر جانا چاہیں تو ان پر کئی قسم کی پابندیاں ہیں اور بے ہودہ نگرانیاں کی جاتی ہیں خدا تعالیٰ نے اس سلسلہ کو اسی لئے اس مبارک سلطنت کے ماتحت رکھا۔

فرمایا :-

جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں وہ مرد نہیں بلکہ عورتیں ہیں-

فرمایا :-

جو خدا کی پروا نہیں کرتا وہ برباد ہو جاتا ہے- یہ مسلمانوں کی بد قسمتی ہے کہ انہوں نے انکار کیا یہ آثار اچھے نہیں- اللہ تعالیٰ بعض اوقات انصاف پسند کافر کو ظالم کلمہ گو کے مقابلہ میں پسند کرتا ہے اس سلسلہ کے لئے گورنمنٹ انگلشیہ کے سوا دوسری حکومتیں سخت مضر ہیں- ان میں امن نہیں ہے[۲]

یکم دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

(بوقت سیر)

حسب معمول سیر کے لئے تشریف لائے تو آتے ہی فرمایا کہ

آج ہی کے دن سیر ہے کل سے انشاء اللہ روزہ شروع ہوگا- تو چار پانچ دن تک سیر بند رہے گی تاکہ طبیعت روزے کی عادی ہو جائے اور تکلیف محسوس نہ ہو-

---

۱؎ البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۵۰-۵۱ مورخہ ۱۲؍ دسمبر ۱۹۰۲ء ۲؎ الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰؍ دسمبر ۱۹۰۲ء

مخالفین کی طرف سے اعجاز احمدی کا جواب لکھنے کی تیاری

اعجاز احمدی کی نسبت ایڈیٹر صاحب الحکم نے سنایا کہ شحنہ ہند نے لکھا ہے۔ کہ شروع سال میں اس کا جواب اعجازی طور پر شائع ہوگا اور اس نے تین ہزار روپیہ لوگوں سے طلب کیا ہے کہ اس روپے سے وہ کتاب تصنیف کر کے شائع کرے اور دس ہزار روپے انعام حاصل کرلے اس طرح سے تیرہ ہزار روپیہ لینا چاہتا ہے حضرت نے فرمایا :-

کیمیا گر دھوکہ باز اسی طرح سے نادانوں کو دھوکہ دے کر لوٹا کرتے ہیں۔

مخالفت

مخالفت کے ذکر پر فرمایا کہ

اس سے تحریک ہو کر نشان ظاہر ہوتے ہیں اور مخالفوں کی تحریک ایسی ہے جیسے کل (مشین) سے کنواں نکالا جائے ورنہ موافقین جو آمنا کہہ کر چپ کر گئے۔ ان سے کیا تحریک ہو سکتی ہے اعجاز احمدی سے خود لوگ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ قرآن دانی اور عربیت کی اصل جڑھ انہیں لوگوں میں (احمدیہ مشن میں) ہے کیونکہ وہ نتیجہ نکال لیں گے کہ جن کی عربی دانی یہ ہے کہ اس کی مثل لوگ نہیں لا سکتے تو ضرور ہے کہ قران دانی بھی انہیں میں ہو۔

ایک تفسیری نکتہ

اعجاز احمدی میں بہت سی پیشگوئیاں بھی ہیں اور اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (البقرۃ : ۲۴) اس میں من مثلہ کے معنے بھی اکثر مفسرین نے کئے ہیں کہ اگر مقابلہ میں کوئی لکھ کر لائیں تو پیشگوئیاں بھی اسی طرح ہوں جیسے قرآن شریف میں ہیں۔[1]

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

فرمایا :-

مخالف مامور کی عمر کو بڑھاتے ہیں اور وہ گویا سلسلہ نبوت کی رونق کا باعث ہوتے ہیں۔ ان کی مخالفت سے تحریک پیدا ہوتی ہے اور خدا تعالیٰ کی غیرت جوش میں آتی ہے جب مخالفت اٹھ جاتی

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۷ مورخہ ۱۲ ؍ دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے تو گویا مامور بھی اپنا کام کر چکتا ہے اور وہ فتح یاب ہو کر اٹھایا جاتا ہے۔
دیکھو جب تک کفار مکہ کی مخالفت کا زور شور رہا اس وقت تک بڑے بڑے اعجاز ظاہر ہوئے لیکن جب اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ (النصر : ۲) کا وقت آیا اور یہ سورۃ اتری تو گویا آپ کے انتقال کا وقت قریب آگیا۔ فتح مکہ کیا تھی آپ کے انتقال کا ایک مقدمہ تھی۔ غرض ان مخالفانہ تحریکوں سے بڑے بڑے فائدے ہوتے ہیں۔ اور ہماری جماعت ان مخالفوں ہی میں سے نکل کر آتی ہے اور اگر یہ مخالفت نہ ہوتی تو اس زور شور سے تحریک اور تبلیغ نہ ہوتی[1]

وجودی فرقہ کی حالت

فرمایا :۔
ایک ذرہ حرکت اور سکون نہیں کر سکتا جب تک آسمان پر اول حرکت نہ ہو۔ ذلت وجودی کی اس سے ہے کہ وہ اس مقام پر لغزش کھا جاتا ہے۔ طریق تادب یہ تھا کہ وہ اس مقام پر ٹھہر جاتے اور جو فرق عبد اور معبود کا ہے اس سے آگے نہ بڑھتے۔ مگروہ ایسے طریق پر ہیں کہ عملی حالت میں رہ جاتے ہیں نماز روزہ سے آخر کار فارغ ہو بیٹھتے ہیں۔ بھنگ وغیرہ مسکرات استعمال کرنے لگ جاتے ہیں۔ دہریت میں اور ان میں انیس بیس کا فرق ہے اور ان کی بیبا کی دلالت کرتی ہے کہ اس فرقہ میں خیر نہیں ہے عیسائیوں نے ایک کو خدا بنا کر آگ لگائی اور انہوں نے ہر ایک وجود کو خدا بنایا۔ ہندوؤں پر بھی ان کا بد اثر پہنچا ہے حرمت کی پروا نہیں ہے۔ اس لئے مناہی وغیرہ سب جائز رکھتے ہیں۔ صورت پرست ہوتے ہیں نامحرموں پر بد نظری کرتے ہیں اس زمانہ کا بگاڑ سخت ہے۔

اصل تقوٰی دُنیا سے اُٹھ گیا ہے

فرمایا :۔
اصل تقوٰی جس سے انسان دھویا جاتا ہے اور صاف ہوتا ہے اور جس کے لئے انبیاء آتے ہیں وہ دنیا سے اٹھ گیا ہے کوئی ہو گا جو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس : ۱۰) کا مصداق ہو گا۔ پاکیزگی اور طہارت عمدہ شئے ہے انسان پاک اور مطہر ہو تو فرشتے اس سے مصافحہ کرتے ہیں۔ لوگوں میں اس کی قدر نہیں ہے ورنہ ان کی لذات کی ہر ایک شئے حلال ذرائع سے ان کو ملے۔ چور چوری کرتا ہے کہ مال ملے لیکن اگر وہ صبر کرے تو خدا تعالیٰ اسے اور سے مالدار کر دے۔ اسی

---

[1] الحکم جلد ۶ نمبر ۴۴ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء

طرح زانی زنا کرتا ہے اگر صبر کرے تو خدا تعالیٰ اس کی خواہش کو اور راہ سے پوری کر دے جس میں اس کی رضا حاصل ہو۔ حدیث میں ہے کہ کوئی چور چوری نہیں کرتا مگر اس حالت میں کہ وہ مومن نہیں ہوتا اور کوئی زانی زنا نہیں کرتا مگر اس حالت میں کہ وہ مومن نہیں ہوتا۔ جیسے بکری کے سر پر شیر کھڑا ہو تو وہ گھاس بھی نہیں کھا سکتی تو بکری جتنا ایمان بھی لوگوں کا نہیں ہے اصل جڑ اور مقصود تقویٰ ہے جسے وہ عطا ہو تو سب کچھ پا سکتا ہے بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ انسان صغائر اور کبائر سے بچ سکے انسانی حکومتوں کے احکام گناہوں سے نہیں بچا سکتے۔ حکام ساتھ ساتھ تو نہیں پھرتے کہ ان کو خوف رہے۔ انسان اپنے آپ کو اکیلا خیال کر کے گناہ کرتا ہے ورنہ وہ کبھی نہ کرے اور جب وہ اپنے آپ کو اکیلا سمجھتا ہے اس وقت وہ دہریہ ہوتا ہے اور یہ خیال نہیں کرتا کہ میرا خدا میرے ساتھ ہے وہ مجھے دیکھتا ہے ورنہ اگر وہ یہ سمجھتا تو کبھی گناہ نہ کرتا تقویٰ سے سب شئے ہے قرآن نے ابتدا اسی سے کی ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحہ : ۵) سے مراد بھی تقویٰ ہے۔ کہ انسان اگرچہ عمل کرتا ہے مگر خوف سے جرأت نہیں کرتا کہ اسے اپنی طرف منسوب کرے اور اسے خدا کی استعانت سے خیال کرتا ہے اور پھر اسی سے آئندہ کے لئے استعانت طلب کرتا ہے

تقویٰ کے ثمرات

پھر دوسری سورت بھی هُدًى لِلْمُتَّقِينَ سے شروع ہوتی ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ سب اسی وقت قبول ہوتا ہے جب انسان متقی ہو۔ اس وقت خدا تمام داعی گناہ کے اٹھا دیتا ہے۔ بیوی کی ضرورت ہو تو بیوی دیتا ہے۔ دوا کی ضرورت ہو تو دوا دیتا ہے۔ جس شئے کی حاجت ہو وہ دیتا ہے اور ایسے مقام سے روزی دیتا ہے کہ اسے خبر نہیں ہوتی۔

ایک اور آیت قرآن شریف میں ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا (حم السجدۃ : ۳۱) اس سے بھی مراد متقی ہیں ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یعنی ان پر زلزلے آئے۔ ابتلا آئے۔ آندھیاں چلیں مگر ایک عہد جو اس سے کر چکے اس سے نہ پھرے۔ پھر آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب انہوں نے ایسا کیا اور صدق اور وفا دکھلائی۔ تو اس کا اجر یہ ملا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یعنی ان پر فرشتے اترے اور کہا کہ خوف اور حزن مت کرو تمہارا خدا متولّی ہے۔ وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم السجدۃ : ۳۲) اور بشارت دی کہ تم خوش ہو اس جنت سے۔ اور اس جنت سے یہاں مراد

دنیا کی جنت ہے جیسے قران مجید میں ہے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (الرحمٰن : ۴۷) پھر آگے ہے نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ (حٰم السجدۃ : ۳۲) دنیا اور آخرت میں ہم تمہارے ولی اور متکفل ہیں۔

مومن کی دُنیوی زندگی

بعض لوگ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ کی آیت کے معارض ایک حدیث پیش کیا کرتے ہیں اَلدُّنْيَا سِجْنٌ لِّلْمُؤْمِنِ اس کے اصل معنے یہ ہیں کہ مومن کئی قسم کے ہوتے ہیں فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ (فاطر : ۳۳) مقتصد سے مراد نفس لوامہ والے ہیں اور یہ (دنیا کی) تکالیف نفس لوامہ تک ہی ہوتی ہیں کہ اس میں انسان کے ساتھ کشاکش نفس امارہ کی ہوتی ہے وہ کہتا ہے کہ راحت اور آرام کی یہ بات اختیار کر اور لوامہ وہ نہیں کرتا۔ اس وقت انسان مجاہدہ کرتا ہے اور نفس امارہ کو زیر کرتا ہے اور اس طرح جنگ ہوتی رہتی ہے حتی کہ امارہ شکست کھا جاتا ہے اور پھر نفس مطمئنہ رہ جاتا ہے۔ يَآ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (الفجر : ۲۹،۲۸) یعنی تو میری جنت میں داخل ہو جا اور اسی وقت ہو جا اور مومن کی جنت خود خدا ہے یعنی جب وہ خدا کے بندوں میں داخل ہوا تو خدا تو انہیں میں ہے۔ اور وہ اس کے عباد میں آگیا تو اب اس حالت میں وہ سجن کہاں رہا؟ ایک مرتبہ ہوتا ہے کہ اس وقت تک وہ تکالیف میں ہوتا ہے جیسے جب کنواں کھودا جائے تو اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ پانی نکل آئے مطمئنہ ہونا اصل میں پانی نکالنا ہے۔ جب پانی نکل آیا۔ اب کھودنے کی ضرورت نہیں ہے تو اس آیت میں ظالم سے مراد نفس امارہ والے اور مقتصد سے مراد نفس لوامہ والے اور سابق بالخیرات سے مراد نفس مطمئنہ والے ہیں۔

پوری تبدیلی زندگی میں جب تک نہ آوے تب تک جنگ رہتی ہے اور لوامہ تک یہ جنگ ہے جب یہ ختم ہوئی تو پھر دارالنعیم میں آجاتا ہے۔ اس وقت اس کا ارادہ خدا کا ارادہ اور اس کی مرضی خدا کی مرضی ہوتی ہے اور وہ ان باتوں میں لذت اٹھاتا ہے جن سے خدا خوش ہوتا ہے۔ ایک عارف جس کی خدا سے ذاتی محبت ہو جائے تو اگر خدا اسے بتلا بھی دے کہ تو دوزخی ہے خواہ عبادت کر خواہ نہ کر تو اس کی خوشی اسی میں ہوگی کہ خواہ دوزخ میں جاؤں مگر میں ان عبادات سے رک نہیں سکتا جیسے افیونی کو جب افیون کی عادت ہو جاتی ہے تو اسے کیسی ہی تکالیف ہوں اور خواہ وہ گھلتا ہی جائے مگر افیون کو نہیں چھوڑتا۔ جس طرح دنیا میں نوجوانوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کو

ایک دھن جب لگ جائے تو خواہ والدین کتنا روکیں منع کریں مگر وہ کسی کی نہیں سنتے اور اس دھن کی خوشی میں تکالیف کا بھی خیال نہیں ہوتا۔ ایسا ہی اس مومن عارف کامل کا حال ہوتا ہے کہ اسے اس بات کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اجر ملے گا یا نہیں۔ یہ مقام آخری مقام ہے جہاں سلوک کا سلسلہ ختم ہوتا ہے اور اس کے سوا چارہ نہیں۔ اس حالت میں اس کا جوش کسی سہارے پر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب تک انسان کسی سہارے سے کام کرتا ہے تو ممکن ہے شیطان اس میں کسی وقت دخل دیوے۔ مگر یہاں ذاتی محبت کے مقام میں سہارا نہیں ہوتا جیسے ماں اور بچے کے جو تعلقات ذاتی محبت کے ہیں ان میں انسان تفرقہ نہیں ڈال سکتا۔ ماں کی فطرتی محبت ایک دوسرے سے ملاتی ہے مثل مشہور ہے "ماں مارے اور بچہ ماں ماں پکارے" اسی طرح اہل اللہ خدا کی مار کھا کر کہاں جا سکتے ہیں۔ بلکہ مار پڑے تو وہ ایک قدم اور بڑھاتے ہیں دوسرے تعلقات میں خدا کی محبت کا جلال زور کے ساتھ نازل نہیں ہوتا جیسے انسان کسی کو اپنا نوکر سمجھتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ نوکری اسی لئے کرتا ہے کہ اس کی اجرت ملے تو اسکی طرف محبت کامل سے التفات نہیں ہوتا اور وہ ایک نوکر شمار ہوتا ہے۔ مگر جب کوئی شخص خدمت کرتا ہے اور آقا کو معلوم ہو کہ یہ نوکری کی خواہش سے نہیں کرتا تو آخر کار بیٹوں میں شمار ہوتا ہے۔

خدا بڑا خزانہ ہے۔ خدا بڑی دولت ہے۔

استغفار کی حقیقت

غفلت غیر معلوم اسباب سے ہے۔ بعض وقت انسان نہیں جانتا اور ایک دفعہ ہی زنگ اور تیرگی اس کے قلب پر آجاتی ہے۔ اس لئے استغفار ہے۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ زنگ اور تیرگی نہ آوے۔ عیسائی لوگ اپنی بیوقوفی سے اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے سابقہ گناہوں کا ثبوت ملتا ہے۔ اصل معنے اس کے یہ ہیں کہ گناہ صادر ہی نہ ہوں ورنہ اگر استغفار سابقہ صادر شدہ گناہوں کی بخشش کے معنے رکھتا ہے تو وہ بتلاویں کہ آئندہ گناہوں کے نہ صادر ہونے کے معنوں میں کونسا لفظ ہے۔ غفر اور کفر کے ایک ہی معنے ہیں۔ تمام انبیاء اس کے محتاج تھے جتنا کوئی استغفار کرتا ہے اتنا ہی معصوم ہوتا ہے۔ اصل معنے یہ ہیں کہ خدا نے اسے بچایا معصوم کے معنے مستغفر کے ہیں۔

عیسائیت

عیسویت کی ترقی پر فرمایا کہ :-

جو ترقی انہوں نے کرنی تھی وہ کر چکے پورے طور پر انسان کو خدا بنا لیا۔ اگر انسان خدا بن سکتا ہے تو پکٹ سے کیوں ناراض ہیں۔ بہت خدا مل جائیں گے تو طاقت زیادہ ہو گی۔

بغیر عذر کے دعوت رَدّ کرنا اچھی بات نہیں

ایک خادم نے عرض کی کہ ایک تقریب پر اس کے ہاں خوشی ہے اور کچھ کھانے کا انتظام کیا گیا ہے حضور بھی شام کو تشریف لا کر کھانا وہیں تناول فرماویں تو عین سعادت ہے۔

فرمایا :-

دعوت راحت کے واسطے ہوتی ہے۔ مجھے ایسی مرض ہے کہ دن کے آخری حصہ میں وہ عود کرتی ہے اور میں بالکل چل پھر نہیں سکتا۔ اسی لئے دیکھتے ہو کہ پھرنے کا وقت صبح کا رکھا ہے ابھی ابھی نماز سے پیشتر پاؤں سرد ہو رہے تھے تو میں دوا پی کر آیا ہوں خیال آتا ہے کہ گھڑی کیا کہوں کہ سرد ہو رہا ہوں اس لئے افتاں خیزاں آجاتا ہوں۔ اس لئے شام کو میں جا نہیں سکتا ورنہ دعوت کا رد کرنا تو اچھی بات نہیں ہے مگر جب بیمار ہو تو انسان مجبور ہے۔

ماہِ رمضان کی عظمت اور اُس کے رُوحانی اثرات

مغرب کی نماز سے چند منٹ پیشتر ماہ رمضان کا چاند دیکھا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مغرب کی نماز گذار کر مسجد کی سقف پر چاند دیکھنے تشریف لے گئے اور چاند دیکھنے کے بعد پھر مسجد میں تشریف لائے۔

فرمایا کہ :-

رمضان گذشتہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کل گیا تھا۔

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ" (البقرۃ : ۱۸۶) سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے صوفیا نے لکھا ہے کہ یہ ماہ تنویر قلب کے لئے عمدہ مہینہ ہے۔ کثرت سے اس میں مکاشفات ہوتے ہیں۔ صلوٰۃ تزکیہ نفس کرتی ہے اور صوم تجلی قلب کرتا ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد

یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لے۔ پس اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ : ۱۸۶) میں یہی اشارہ ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ روزہ کا اجر عظیم ہے لیکن امراض اور اغراض اس نعمت سے انسان کو محروم رکھتے ہیں مجھے یاد ہے کہ جوانی کے ایام میں میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ روزہ رکھنا سنت اہل بیت ہے۔ میرے حق میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ سلمان یعنی الصلحان کہ اس شخص کے ہاتھ سے دو صلح ہوں گی۔ ایک اندرونی اور دوسری بیرونی --- اور یہ اپنا کام رفق سے کرے گا نہ کہ شمشیر سے اور میں جب مشرب حسین پر نہیں ہوں کہ جس نے جنگ کی بلکہ مشرب حسن پر ہوں کہ جس نے جنگ نہ کی تو میں نے سمجھا کہ روزہ کی طرف اشارہ ہے چنانچہ میں نے چھ ماہ تک روزے رکھے۔ اس اثنا میں میں نے دیکھا کہ انوار کے ستونوں کے ستون آسمان پر جارہے ہیں یہ امر مشتبہ ہے کہ انوار کے ستون زمین سے آسمان پر جاتے تھے یا میرے قلب سے لیکن یہ سب کچھ جوانی میں ہو سکتا تھا اور اگر اس وقت میں چاہتا تو چار سال تک روزہ رکھ سکتا تھا۔

نشاط و جوانی تا بہ سی سال
چہل آمد فرو ریزد پر و بال

اب جب سے چالیس سال گزر گئے دیکھتا ہوں کہ وہ بات نہیں۔ ورنہ اول میں بٹالہ تک کئی بار پیدل چلا جاتا تھا اور پیدل آتا اور کوئی کسل اور ضعف مجھے نہ ہوتا اور اب تو اگر پانچ چھ میل بھی جاؤں تو تکلیف ہوتی ہے چالیس سال کے بعد حرارت غریزی کم ہونی شروع ہو جاتی ہے خون کم پیدا ہوتا ہے اور انسان کے اوپر کئی صدمات رنج و غم کے گزرتے ہیں۔ اب کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ اگر بھوک کے علاج میں زیادہ دیر ہو جائے تو طبیعت بے قرار ہو جاتی ہے۔

عباداتِ مالی و عباداتِ بدنی

خدا تعالیٰ کے احکام دو قسموں میں تقسیم ہیں۔ ایک عبادات مالی 'دوسرے عبادات بدنی۔ عبادات مالی تو اسی کے لئے ہیں جس کے پاس مال ہو اور جن کے پاس نہیں وہ معذور ہیں اور عبادات بدنی کو بھی انسان عالم جوانی میں ہی ادا کر سکتا ہے ورنہ ساٹھ سال جب گزرے تو طرح طرح کے عوارضات لاحق ہوتے ہیں نزول الماء وغیرہ شروع ہو کر بینائی میں فرق آجاتا ہے۔ (کسی نے) یہ ٹھیک کہا ہے کہ پیری و صد عیب۔ اور جو کچھ انسان جوانی میں کرلیتا ہے اس کی برکت

بڑھاپے میں بھی ہوتی ہے اور جس نے جوانی میں کچھ نہیں کیا اسے بڑھاپے میں بھی صدہا رنج برداشت کرنے پڑتے ہیں ۔

موئے سفید از اجل آرد پیام

انسان کا یہ فرض ہونا چاہئے کہ حسب استطاعت خدا کے فرائض بجا لاوے۔ روزہ کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ البقرۃ : ۱۸۵) یعنی اگر تم روزہ رکھ بھی لیا کرو تو تمہارے واسطے بڑی خیر ہے۔

فدیہ کی غرض

ایک دفعہ میرے دل میں خیال آیا کہ فدیہ کس لئے مقرر کیا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ توفیق کے واسطے ہے۔ تا کہ روزہ کی توفیق اس سے حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شئے خدا تعالیٰ ہی سے طلب کرنی چاہئے۔ خدا تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی روزہ کی طاقت عطا کر سکتا ہے تو فدیہ سے یہی مقصود ہے کہ وہ طاقت حاصل ہو جائے اور یہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔ پس میرے نزدیک خوب ہے کہ (انسان) دعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے اور میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال زندہ رہوں یا نہ۔ یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ۔ اور اس سے توفیق طلب کرے تو مجھے یقین ہے کہ ایسے دل کو خدا تعالیٰ طاقت بخش دے گا۔

روزہ کی فرضیّت

اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو دوسری امتوں کی طرح اس امت میں کوئی قید نہ رکھتا مگر اس نے قیدیں بھلائی کے واسطے رکھی ہیں میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینہ میں مجھے محروم نہ رکھ تو خدا تعالیٰ اسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر انسان ماہ رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر ایک عمل کا مدار نیت پر ہے مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کردے جو شخص کہ روزے سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا۔ اور روزہ رکھتا اور اس کا دل اس بات کے لیے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جو نہ ہو تو خدا تعالیٰ اسے ہرگز

ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔

یہ ایک باریک امر ہے کہ اگر کسی شخص پر (اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے) روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا شخص جو خدا تعالیٰ کی نعمت کو خود اپنے اوپر گراں گمان کرتا ہے۔ کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور میں اس کا منتظر تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے روزہ نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزے سے محروم نہیں ہے۔ اس دنیا میں بہت لوگ بہانہ جو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جس طرح اہل دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں ویسے ہی خدا کو فریب دیتے ہیں۔ بہانہ جو اپنے وجود سے آپ مسئلہ تراش کرتے ہیں اور تکلفات شامل کر کے ان مسائل کو صحیح گردانتے ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ صحیح نہیں۔ تکلفات کا باب بہت وسیع ہے اگر انسان چاہے تو اس (تکلف) کی رو سے ساری عمر بیٹھ کر نماز پڑھتا رہے اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے مگر خدا اس کی نیت اور ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خدا تعالیٰ اسے ثواب سے زیادہ بھی دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابلِ قدر شئے ہے۔ حیلہ جو انسان تاویلوں پر تکیہ کرتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک یہ تکیہ کوئی شئے نہیں۔ جب میں نے چھ ماہ روزے رکھے تھے تو ایک دفعہ ایک طائفہ انبیاء کا مجھے (کشف میں) ملا۔ اور انہوں نے کہا کہ تو نے کیوں اپنے نفس کو اس قدر مشقت میں ڈالا ہوا ہے' اس سے باہر نکل۔ اسی طرح جب انسان اپنے آپ کو خدا کے واسطے مشقت میں ڈالتا ہے تو وہ خود ماں باپ کی طرح رحم کر کے اسے کہتا ہے کہ تو کیوں مشقت میں پڑا ہوا ہے۔

خدا تعالیٰ کی شفقت

یہ لوگ ہیں کہ تکلف سے اپنے آپ کو مشقت سے محروم رکھتے ہیں۔ اس لئے خدا ان کو دوسری مشقتوں میں ڈالتا ہے اور نکالتا نہیں اور دوسرے جو خود مشقت میں پڑتے ہیں ان کو وہ آپ نکالتا ہے۔ انسان کو واجب ہے کہ اپنے نفس پر آپ شفقت نہ کرے بلکہ ایسا بنے کہ خدا تعالیٰ اس کے نفس پر شفقت کرے کیونکہ انسان کی شفقت اس کے نفس پر اس کے واسطے جہنم ہے اور خدا تعالیٰ کی شفقت جنت ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ پر غور کرو کہ جو آگ میں گرنا چاہتے ہیں تو ان کو خدا تعالیٰ آگ سے بچاتا ہے۔ اور جو خود آگ سے بچنا چاہتے ہیں وہ آگ میں ڈالے جاتے ہیں۔ یہ سلم ہے اور یہ اسلام ہے کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش آئے۔ اس سے انکار

نہ کرے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عصمت کی فکر میں خود لگتے تو وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ : ۶۸) کی آیت نازل نہ ہوتی۔ حفاظت الٰہی کا یہی سر ہے۔[1]

(اوپر کی تقریر فارسی زبان میں تھی میں نے افادۂ عام کی خاطر اردو میں ترجمہ کر کے لکھی۔ایڈیٹر)

۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

مولوی ثناء اللہ کی حیلہ جوئی

عصر کے وقت جب حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات پیش کی گئی کہ ثناء اللہ لکھتا ہے کہ میری موت کی پیشگوئی کرو تو حضور نے فرمایا کہ:۔

یہ حیلہ ہے ورنہ وہ جانتا ہے کہ ہم حکومت سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ موت کی پیشگوئی نہ کریں گے اس لئے دیدہ دانستہ لکھتا ہے۔ ورنہ ہم نے جو لکھ دیا ہے وہ خود حسب شرائط شائع کر دے کہ جو کاذب ہے وہ پیشتر مر جائے۔ اسے اس طرح لکھنے سے کیوں خوف آتا ہے اس طرح نہ لکھنا اور ہمیں لکھنا کہ پیشگوئی کریں یہ صرف حیلہ جوئی ہے۔[2]

۳؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ

بعد از نماز مغرب

استغفار کی حقیقت

ماسٹر عبدالرحمان صاحب نو مسلم تھرڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان عیسائی پرچہ اپی فینی سے ایک مضمون سناتے رہے۔ جو کسی نے لفظ ذنب کے معانی پر مخالفانہ رنگ میں لکھا ہے کہ لفظ ذنب ایک ایسا لفظ ہے جو کہ قرآن میں کبائر گناہ پر بولا گیا ہے اور مرزا صاحب اس کے معانی کو وسعت دے کر جب یہ لفظ نبیوں کے حق میں آوے تو اس کے اور معنے کرتے ہیں اور جب عوام الناس پر بولا جائے تو اور معنے کرتے ہیں اور یہ لفظ اپنے معانی پر استعمال ہوتا ہے کہ گذشتہ گناہ جو انسان کر چکا ہے اس کی معافی طلب کی جائے۔ اس سے اس نے استدلال کیا ہے کہ ضرور ہے کہ

---

[1] البدر جلد ۱ نمبر ۷ صفحہ ۵۰ تا ۵۴ مورخہ ۱۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء [2] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۱۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء

پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے گناہ سرزد ہوئے ہوں۔

اس کے جواب میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اگر استغفار کے یہ معنے ہیں کہ گذشتہ گناہوں سے معافی ہو تو پھر بتلائیں کہ آئندہ گناہوں سے محفوظ رہنے کے لئے کون سا لفظ ہے۔ گناہ سے حفاظت یعنی عِصمت تو انسان کو استغفار سے ملتی ہے۔ کہ انسان خدا تعالیٰ سے چاہے کہ ان قویٰ کا ظہور اور بروز ہی نہ ہو۔ جو معاصی کی طرف کھینچتے ہیں۔ کیونکہ جیسے انسان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ گذشتہ گناہ اس کے بخشے جائیں اسی طرح اس بات کی ضرورت بھی ہے کہ آئندہ اس کے قویٰ سے گناہ کا ظہور و بروز نہ ہو۔ یہ مسئلہ بھی قابل دعا کے ہے۔ ورنہ یہ کیا بات ہے کہ جب گناہ میں مبتلا ہو تو اس وقت تو دعا کرے اور آئندہ گناہوں سے محفوظ رہنے کی دعا نہ کرے۔ اگر انجیل میں یہ دعا نہیں ہے تو پھر وہ کتاب ناقص ہے۔ انجیل میں یہ لکھا ہے کہ مانگو تو دیا جائے گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار مانگا آپ کو دیا گیا۔ مسیح نے نہ مانگا ان کو نہ دیا گیا۔ غرضیکہ طبعی تقسیم قرآن مجید نے کی ہے کہ گناہ سے حفاظت کے ہر ایک پہلو کو دیکھ کر استغفار کا لفظ رکھا ہے کیونکہ انسان دونو راہ کا محتاج ہے کبھی گناہ کی معافی کا اور کبھی اس امر کا کہ وہ قویٰ ظہور و بروز نہ کریں۔ ورنہ یہ کب ممکن ہے کہ قویٰ خدا تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر خود بخود بچے رہیں وہ کتاب کامل ہے عقل اور ضرورت خود دونو قسم کی دعا کا تقاضا کرتی ہے۔

پھر دیکھو کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی کے ہاتھ پر توبہ بھی نہیں کی کہ آپ کا گنہگار ہونا ثابت ہو۔ مگر مسیح نے تو یحیٰی کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی۔ ان سے تو یحیٰی ہی اچھا رہا جس نے کسی کی بیعت نہ کی۔ اب بتلاؤ کس کا گنہگار ہونا ثابت ہے۔ اگر مسیح گناہ سے صاف تھا تو اس نے غوطہ کیوں لگایا اور پھر روح القدس کا کبوتر ابتدا ہی سے کیوں نہ نازل ہوا؟

پھر استغفار کے معانی پر حضرت اقدس اور آپ کے برگزیدہ احباب وہ آیات قرآنی تلاش کر کے سناتے رہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ استغفار کی دعا آئندہ خطاؤں سے حفاظت کے لئے ہے اور پھر تلاش کرتے کرتے انجیل سے بھی ایسی آیات نکل آئیں جس میں مسیح علیہ السلام نے آئندہ گناہ سے بچنے کے لئے دعا مانگی ہوئی ہے[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۳ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء

۵؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

بعد از نماز مغرب

ایک احمدی کا اخلاص

مدراس میں ایک مخلص حضرت اقدس کے غیبۃً عاشق ہیں۔ ایک کذاب نے ان کو خبر سنائی کہ قادیان میں طاعون ہے حالانکہ مرزا صاحب نے کہا تھا کہ طاعون وہاں نہ آئے گی۔ ان کے ایمان نے اس شنید پر یہ تقاضا کیا کہ ایک تار حضرت اقدس کی خدمت میں روانہ کیا جو اس مجلس میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اس میں درج تھا کہ اس خبر کے سننے سے میرے ایمان میں ترقی ہوئی ہے اور قادیان میں طاعون اس لئے آئی ہے کہ خدا تعالیٰ سچے مومنوں اور دوسرے لوگوں میں تمیز کر کے دکھلانا چاہتا ہے اور جو جو خبریں ان کو غلط پہنچی ہیں۔ ہر ایک ان کی زیادت ایمان کا باعث ہوئی ہیں حضرت اقدس نے ان کے اخلاص کی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ :-

ان کو اصل واقعات سے اطلاع دے کر اس شخص کا کذاب ہونا جتلا دیا جائے۔[1]

۷؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اِسمِ اعظم

ظہر کے وقت تشریف لا کر حضرت اقدس نے بیان فرمایا کہ :-

رات کو میری ایسی حالت تھی کہ اگر خدا تعالیٰ کی وحی نہ ہوتی تو میرے اس خیال میں کوئی شک نہ تھا کہ میرا آخری وقت ہے۔ ایسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر میں ہوں اور وہ کوچہ سربستہ سا معلوم ہوتا ہے کہ تین بھینسے آئے ہیں۔ ایک ان میں سے میری طرف آیا تو میں نے اسے مار کر ہٹا دیا۔ پھر دوسرا آیا تو اسے بھی ہٹا دیا۔ پھر تیسرا آیا اور وہ ایسا پر زور معلوم ہوتا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ اب اس سے مفر نہیں ہے خدا تعالیٰ کی قدرت کہ مجھے اندیشہ ہوا تو اس نے اپنا منہ ایک طرف پھیر لیا میں نے اس وقت غنیمت سمجھا کہ اس کے ساتھ رگڑ کر نکل جاؤں میں وہاں سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے خیال آیا کہ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے گا۔ مگر میں نے پھر کر نہ دیکھا اس وقت خواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے میرے دل پر مندرجہ ذیل

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۴ مورخہ ۱۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء

دعا القا کی گئی :-

رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ

اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اسم اعظم ہے اور یہ وہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھے گا ہر ایک آفت سے اسے نجات ہوگی۔

ایک آریہ میرے پاس دوا لینے آیا کرتا ہے۔ میں نے اسے یہ خواب سنائی تو اس نے کہا کہ مجھے بھی لکھ دو۔ میں نے لکھ دیا اور اس نے یاد کرلیا۔

ایک اَور رؤیا

اس خواب کے بعد پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک گھوڑے کا سوار ملا۔ جب میں گھر کے قریب آیا تو ایک شخص نے میرے ہاتھ پر پیسے رکھے ہیں۔ میں نے خیال کیا کہ اس میں دونی چونی بھی ہوگی۔ آگے آیا تو دیکھا کہ فجو (فضل نشاں) کشمیری عورت بیٹھی ہے۔ پھر جب مسجد میں گیا تو دیکھا کہ ہزارہا آدمی بیٹھے ہیں اور کپڑے سب کے پرانے معلوم ہوتے ہیں۔ مسجد میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک جنازہ رکھا ہوا ہے اس کی بڑی سی چارپائی ہے یہ معلوم نہیں کہ کس کا جنازہ ہے۔

مغرب کی نماز پڑھ کر حضرت اقدس تشریف لے گئے اور کوئی ایک گھنٹہ بعد مسجد میں تشریف لائے فرمایا کہ

آج جو خواب میں الہام سے کلمات بتلائے گئے ہیں۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان کو نماز میں دعا کے طور پر پڑھا جائے اور میں نے خود تو پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔

سُوءِ ظنّ کرنا اچھا نہیں

بدظنی پر آپ نے فرمایا کہ :-

دوسرے کے باطن میں ہم تصرف نہیں کرسکتے اور اس طرح کا تصرف کرنا گناہ ہے۔ انسان ایک آدمی کو بدخیال کرتا ہے اور پھر آپ اس سے بدتر ہوجاتا ہے۔ کتابوں میں میں نے ایک قصہ پڑھا ہے کہ ایک بزرگ اہل اللہ تھے انہوں نے ایک دفعہ عہد کیا کہ میں اپنے آپ کو کسی سے اچھا نہ سمجھوں گا ایک دفعہ ایک دریا کے کنارے پہنچے (دیکھا) کہ ایک شخص ایک جوان عورت کے ساتھ کنارے پر بیٹھا روٹیاں کھا رہا ہے اور ایک بوتل پاس ہے اس میں سے گلاس بھر بھر کر پی رہا ہے ان کو دور سے دیکھ کر اس نے کہا کہ میں نے عہد تو کیا ہے کہ اپنے کو کسی سے اچھا نہ خیال

کروں۔ مگر ان دونوں سے تو میں اچھا ہی ہوں۔ اتنے میں زور سے ہوا چلی اور دریا میں طوفان آیا۔ ایک کشتی آرہی تھی وہ غرق ہو گئی وہ مرد جو کہ عورت کے ساتھ روٹی کھا رہا تھا اٹھا اور غوطہ لگا کر چھ آدمیوں کو نکال لایا اور ان کی جان بچ گئی پھر اس نے اس بزرگ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم اپنے آپ کو مجھ سے اچھا خیال کرتے ہو۔ میں نے تو چھ کی جان بچائی ہے اب ایک باقی ہے اسے تم نکالو۔ یہ سن کر وہ بہت حیران ہوا اور اس سے پوچھا کہ تم نے یہ میرا ضمیر کیسے پڑھ لیا اور یہ معاملہ کیا ہے؟ تب اس جوان نے بتلایا کہ اس بوتل میں اسی دریا کا پانی ہے شراب نہیں ہے اور یہ عورت میری ماں ہے اور میں ایک ہی اس کی اولاد ہوں۔ قویٰ اس کے بڑے مضبوط ہیں اس لئے جوان نظر آتی ہے۔ خدا نے مجھے مامور کیا تھا کہ میں اسی طرح کروں تا کہ تجھے سبق حاصل ہو۔

پھر فرمایا کہ :۔

خضر کا قصہ بھی اسی بناء پر معلوم ہوتا ہے سوء ظن جلدی سے کرنا اچھا نہیں ہوتا۔ تصرف فی العباد ایک نازک امر ہے اس نے بہت سی قوموں کو تباہ کر دیا کہ انہوں نے انبیاء اور ان کے اہل بیت پر بد ظنیاں کیں۔[1]

۸ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

ایک رؤیا

عصر کی نماز سے قبل حضور علیہ السلام نے ایک رؤیا سنائی فرمایا

میں دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر وضو کرنے لگا تو معلوم ہوا کہ وہ زمین پولی ہے اور اس کے نیچے ایک غار سی چلی جاتی ہے میں نے اس میں پاؤں رکھا تو دھنس گیا اور خوب یاد ہے کہ پھر میں نیچے ہی نیچے چلا گیا۔ پھر ایک جست کر کے میں اوپر آگیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں ہوا میں تیر رہا ہوں اور ایک گڑھا ہے مثل دائرے کے گول اور اس قدر بڑا جیسے یہاں سے نواب صاحب کا گھر۔ اور میں اس پر ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر تیر رہا ہوں سید محمد احسن صاحب کنارہ پر تھے۔ میں نے ان کو بلا کر کہا کہ دیکھ لیجئے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو پانی پر چلتے تھے اور میں ہوا پر تیر رہا ہوں اور میرے خدا کا فضل ان سے بڑھ کر مجھ پر ہے۔ حامد علی میرے ساتھ ہے اور اس گڑھے پر ہم نے کئی پھیرے کئے۔ نہ ہاتھ نہ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں اور بڑی آسانی سے ادھر ادھر تیر رہے ہیں ایک

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۴۵ مورخہ ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء

بجنے میں بیس منٹ باقی تھے کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔

بعد از نماز مغرب

بات وہ کرنی چاہیئے جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو

ایک شخص امرتسری نے حضرت اقدس کو بہت فحش اور گندی گالیاں دی تھیں۔ ایک باغیرت اور مخلص خادم نے اس کا جواب درشتی سے دینا چاہا تھا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

جوش کے مقابلہ پر جوش ہو تو فساد کا باعث ہوتا ہے اور بات وہ کرنی چاہئے جس سے لڑائی کا خاتمہ ہو۔ اگر ہم بدی کا جواب اس حد تک کی بدی سے دیویں تو پھر ہمارے کاروبار میں برکت نہیں رہتی۔ جوش اور اشتعال کے وقت کے لکھے ہوئے مضامین میں فصاحت اور بلاغت جاتی رہتی ہے۔ فصاحت اور بلاغت نرمی کا بیٹا ہے جس قدر نرمی ہوگی۔ اسی قدر عبارت فصیح ہوگی اہل حق کو درہم برہم نہ ہونا چاہئے۔ گندی بات قابل جواب ہی نہیں ہوا کرتی۔

احباب سے حضورؑ کی شفقت

اصحاب کبار میں سے ایک نے ایک شئے طلب کی۔ حضرت اقدس اسی وقت خود اٹھ کر اندر تشریف لے گئے اور وہ شئے لا کر دی۔[1]

۹؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

بعد از نماز ظہر

رسل بابا امرتسری کی موت

حضرت اقدس علیہ السلام کو بذریعہ خط معلوم ہوا کہ رسل بابا امرتسر میں بعارضہ طاعون فوت ہوگیا ہے اس پر آپ مولوی محمد علی صاحب کے کمرہ میں آکر گفتگو فرماتے رہے۔ فرمایا کہ :۔

گذشتہ شب کو مجھے یہ الہام ہوا ہے سَلَامٌ عَلَيْكَ يَا إِبْرَاهِيمُ۔

پھر اس کے بعد الہام ہوا

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۵ مورخہ ۱۲؍ دسمبر ۱۹۰۲ء

سَلَامٌ عَلٰی اَمْرِكَ صِرْتَ فَائِزًا

یعنی اے ابراہیم تجھ پر سلام۔ تیرے کاروبار پر سلامتی ہو اور تو بامراد ہو گیا

اسی اثناء میں نماز عصر کا وقت آگیا تو آپ نے مسجد میں تشریف لا کر یہ الہام پھر سنایا اور رسل بابا کی موت پر ذکر ہوتا رہا کہ

تُخْرَجُ الصُّدُوْرُ اِلَی الْقُبُوْرِ کا الہام بھی اس پر صادق آتا ہے اور الہام میں صدور کا لفظ ہے جو کہ جمع پر دلالت کرتا ہے اور جمعہ کے دن جب میں بیمار تھا تو مجھے یہ الہام ہوا تھا۔

یَمُوْتُ قَبْلَ یَوْمِیْ ھٰذَا

یعنی یہ میرے اس دن سے پیشتر مرے گا۔ یوم سے مراد جمعہ کا دن ہے جو کہ اصل میں خدا کا دن ہے

سلسلہ کی خارق عادت ترقی

پھر فرمایا کہ

ان تین سالوں میں خارق عادت ترقی ہوئی ہے۔ براہین میں یہ پیشگوئی ہے کہ میں تمہارے لئے فوج تیار کروں گا وہ انہی تین سالوں میں تیار ہوئی۔

بعد از مغرب

دمشق کی خصوصیت

دمشق کے لفظ پر فرمایا کہ :۔

اصل میں تثلیث کی جڑھ دمشق ہے۔ یہ راز کی بات ہے اور سمجھنے کے قابل ہے مگر ہمارے مخالف خیال نہیں کرتے۔ دمشق سے مشرقی طرف اترنے کے یہی معنے ہیں کہ وہ تثلیث کا استیصال کرے گا۔ مشرق ہمیشہ غرب پر غالب ہوتا ہے[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۷ صفحہ ۵۵ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۰۲ء

۱۰ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہار شنبہ
(مابین مغرب وعشاء)

حالات کے مطابق دُعا کے الفاظ میں تبدیلی

میر ناصر نواب صاحب نے حضرت اقدس سے دریافت کیا کہ یہ دعا رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ والی جو الہام ہوئی ہے اگر اس میں بجائے واحد متکلم کے جمع متکلم کا صیغہ پڑھ کر دوسروں کو بھی ساتھ ملا لیا جائے تو حرج تو نہیں؟ حضرت اقدس نے فرمایا۔

کوئی حرج نہیں ہے[۱]

۱۱ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

بدن تکلیف اُٹھانے کیلئے ہے

بکثرت مضمون نویسی اور کاپی وغیرہ دیکھنے میں جو تکلیف انسان کو ہوتی ہے اس کو مدنظر رکھ کر ایک خادم نے (ظہر کے وقت) اس تکلیف میں حضور کے ساتھ اظہار ہمدردی کیا۔ جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

بدن تو تکلیف کے واسطے ہے۔ اور کس لئے ہے۔

مصری اخبار اَللِّوَاء کا جواب

بعد ازیں فرمایا کہ :۔

اَللِّوَاء کے متعلق مضمون لکھ رہا ہوں نیچے فارسی ترجمہ بھی کر دیا ہے تاکہ اس کی اشاعت اِتْمَامًا لِلْحُجَّةِ بخارا۔ سمرقند وغیرہ ممالک میں بھی ہو جائے۔

پھر حضور فرمانے لگے کہ میں وہ مضمون لا کر بطور نمونہ سناتا ہوں چنانچہ آپ اندر گھر میں تشریف لے گئے اور مضمون لا کر اس کا عربی مسودہ اور فارسی ترجمہ سناتے رہے۔ فرمایا کہ :۔

اس مضمون کو میں نے تین طرح پر تقسیم کیا ہے۔ اول۔ اجمال رکھا ہے۔ دوم۔ تفصیل کی

---

[۱] البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۰۲ء

ہے کہ کیوں اس امر کی ضرورت پڑی کہ ٹیکہ سے ہم پرہیز کریں اور وجہ بتلائی ہے کہ ہمارا دعویٰ یہ ہے اور لوگ گالیاں دیتے اور سب و شتم کرتے ہیں۔ سوم۔ خدا تعالیٰ نے اب تک کیا تفریق کر کے دکھائی ہے۔ اور مخالفوں کی مخالفت کے کیا نتائج ہوئے۔

آسمانی اور زمینی نشان

عشاء سے قبل قدرے مجلس کی اور اخبارات انگریزی سنتے رہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ :۔

خدا تعالیٰ جو نشانات دکھاتا ہے اشتہاری دکھلاتا ہے۔ کسوف و خسوف بھی اشتہاری تھا اور وہ آسمانی تھا۔ اب یہ طاعون بھی اشتہاری ہے اور یہ زمینی ہے۔ اگر آج سے ایک ہزار برس پیشتر تک کی تواریخ پنجاب دیکھتے جاؤ تو جیسی طاعون اب ہے اس کی نظیر نہ ملے گی ابھی تو اس کے پاؤں جمے ہیں ۔اگر یہ سرسری ہوتی تو اس کا دورہ ختم ہو جاتا۔ موت اور خوف بھی خدا تعالیٰ کے رعب کا نظارہ ہے اور اصلاح کا وقت ہے ہر ایک قسم کی قبیح رسم خود بخود دور ہو جائے گی۔ ابھی تو کارروائی شروع ہے کسی کا قول ہے ؎

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا[1]

۱۲؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

خود نماز جنازہ پڑھانا

حضور علیہ السلام نے جمعہ مسجد اقصیٰ میں ادا کیا۔ بعد ادائے جمعہ' نماز جنازہ ایک احمدی بھائی مرحوم کی حضرت اقدس نے پڑھائی۔

ایک الہام

عصر کے وقت تشریف لا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

یہ الہام ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور عجیب اور مبشر فقرہ تھا۔ وہ یاد نہیں رہا۔

يُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ[2]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۰۲ء [2] البدر جلد اول نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۰۲ء

۱۳؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

ایک ہندو تاجر کی حضرت اقدسؑ سے عقیدت

عصر کے وقت نماز سے پیشتر ایک ہندو صاحب سوداگر پارچہ امرتسری نے آکر حضرت اقدس سے نیاز مندانہ طور پر نیاز حاصل کیا اور استفسار پر اس نے جواب دیا کہ ہم امرتسر میں ایک بڑے سوداگر ہیں۔ اس طرف تمام علاقہ میں ہماری دوکان سے کپڑا آتا ہے میں اپنی آسامیوں سے روپیہ وصول کرنے آیا تھا میرے بھائی نے کہا تھا کہ حضور کی قدم بوسی کرتا آؤں۔

پھر عصر کی نماز ہوئی اور ہندو صاحب الگ ایک گوشہ میں بیٹھے رہے۔ بعد نماز وہ پھر نیاز حاصل کرکے اور دست بوسی کرکے رخصت ہوئے۔

بجلی چمکنے کی تعبیر

مولوی عبدالکریم صاحب نے اپنا ایک خواب عرض کیا جس میں انہوں نے بجلی دیکھی تھی۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ :۔

شائد کوئی تیس برس کا عرصہ گزرا ہوگا کہ میں نے بھی ایک خواب دیکھا کہ اب جس مقام پر مدرسہ کی عمارت ہے وہاں بڑی کثرت سے بجلی چمک رہی ہے بجلی چمکنے کی یہ تعبیر ہوتی ہے کہ وہاں آبادی ہوگی۔[1]

۱۴؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ظہر کے وقت حضرت اقدس (علیہ السلام) تشریف لائے تو لاہور اور بٹالہ سے آئے ہوئے احباب نے نیاز حاصل کیا۔

دانت درد کا علاج

ایک صحابی کے دانت میں سخت درد تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ :۔

اس کے لئے مجرب علاج یہ ہے کہ ایک بوٹی بنام کارابارا نہر کے کنارے ہوتی ہے بارہا آزمایا ہے کہ جب اسے لے کر منہ میں رکھا اور چبایا اور اس کا اثر دانت پر پہنچا کیسا ہی سخت درد کیوں

---

[1] البدر جلد اوّل نمبر ۸ صفحہ ۵۸ مورخہ ۱۹؍دسمبر ۱۹۰۲ء

نہ ہو آرام آجاتا ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کارا بارا اور کاربالک ایک ہی شئے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

یہ عربی لفظ قَـلَعَ وَ بَرَا ہو گا نہ کہ کاربالک

قِيَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ

مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک شہادت پر گورداسپور جانا تھا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں یہاں سے باہر جانا نہیں چاہتا مگر اب تو اللہ تعالیٰ لے چلا ہے خود تو میں نہیں جاتا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

قِيَامٌ فِیْ مَا اَقَامَ اللّٰہُ یہی تو ہے۔

طاعون کا علاج

طاعون کے ذکر پر فرمایا کہ :۔

اس کے لئے جونک کا لگوانا اور زیادہ مقدار میں مگنیشیا کا جلاب دے کر پھر کیوڑہ اور نربسی وغیرہ مصفی خون ادویہ کا استعمال کرنا بہت مفید اور مجرب ہے کیونکہ اس میں خونی و سوداوی مواد ہوتے ہیں۔ یہ ان دونو کا علاج ہے[1]

۱۵ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

سردرد اور متلی کا علاج

نماز مغرب ادا فرما کر حضرت اقدس تشریف لے جانے لگے تو مفتی محمد صادق صاحب نے سردرد اور متلی وغیرہ کی شکایت کی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

آج شب کو کھانا نہ کھانا اور کل روزہ نہ رکھنا۔ سکنجبین پی کر اس سے قے کردو

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۹ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء

صفائی رکھنے کی تاکید

پھر مفتی صادق صاحب کے مکان کی نسبت دریافت کر کے فرمایا کہ :۔
اس کے مالکوں کو کہو کہ روشندان نکال دیں اور آج کل گھروں میں خوب صفائی رکھنی چاہئے کپڑوں کو بھی ستھرا رکھنا چاہئے۔ آج کل دن بہت سخت ہیں اور ہوا زہریلی ہے اور صفائی رکھنا تو سنت ہے۔ قرآن شریف میں بھی لکھا ہے۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر : ۵،۴)

(یہ کلام حضرت کا ہم نے بالواسطہ سن کر لکھا ہے۔ (ایڈیٹر)

بیعت کے ساتھ عملِ صالح ضروری ہے

بعد از مغرب

تین اشخاص نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی بعد بیعت آپ نے مبائعین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ

آدمی کو بیعت کر کے صرف یہی نہ ماننا چاہئے کہ یہ سلسلہ حق ہے اور اتنا ماننے سے اسے برکت ہوتی ہے آج کل بلا کا زمانہ ہے طاعون ہر طرف پھیل رہی ہے صرف ماننے سے اللہ تعالیٰ خوش نہیں ہوتا جب تک عمل اچھے نہ ہوں۔ کوشش کرو کہ جب اس سلسلہ میں داخل ہوئے ہو تو نیک بنو۔ متقی بنو۔ ہر ایک بدی سے بچو۔ یہ وقت دعاؤں سے گذارو۔ رات اور دن تضرع میں لگے رہو جب ابتلا کا وقت ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کا غضب بھی بھڑکا ہوا ہوتا ہے۔ ایسے وقت میں دعا۔ تضرع۔ صدقہ خیرات کرو۔ زبانوں کو نرم رکھو۔ استغفار کو اپنا معمول بناؤ۔ نمازوں میں دعائیں کرو۔ مثل مشہور ہے کہ منتیں کرتا ہوا کوئی نہیں مرتا۔ نرا ماننا انسان کے کام نہیں آتا اگر انسان مان کر پھر اسے پس پشت ڈال دے تو اسے فائدہ نہیں ہوتا پھر اسکے بعد یہ شکایت کرنی کہ بیعت سے فائدہ نہیں ہوا بے سود ہے۔ خدا تعالیٰ صرف قول سے راضی نہیں ہوتا۔

عملِ صالح کی تعریف

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح بھی رکھا ہے عمل صالح اسے کہتے ہیں جس میں ایک ذرہ بھر فساد نہ ہو۔ یاد رکھو کہ انسان کے عمل پر ہمیشہ چور پڑا کرتے ہیں وہ

کیا ہیں۔ ریا کاری (کہ جب انسان دکھاوے کے لئے ایک عمل کرتا ہے) عُجب (کہ وہ عمل کر کے اپنے نفس میں خوش ہوتا ہے) اور قسم قسم کی بدکاریاں اور گناہ جو اس سے صادر ہوتے ہیں۔ ان سے اعمال باطل ہو جاتے ہیں۔ عمل صالح وہ ہے جس میں ظلم۔ عجب۔ ریا۔ تکبر اور حقوق انسانی کے تلف کرنے کا خیال تک نہ ہو جیسے آخرت میں انسان عمل صالح سے بچتا ہے۔ ویسے ہی دنیا میں بھی بچتا ہے اگر ایک آدمی بھی گھر بھر میں عمل صالح والا ہو تو سب گھر بچا رہتا ہے۔ سمجھ لو کہ جب تک تم میں عمل صالح نہ ہو۔ صرف ماننا فائدہ نہیں کرتا۔ ایک طبیب نسخہ لکھ کر دیتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ لے کر اسے پیوے اگر وہ ان دواؤں کو استعمال نہ کرے اور نسخہ لے کر رکھ چھوڑے تو اسے کیا فائدہ ہوگا۔

استغفار کی ضرورت

اب اس وقت تم نے توبہ کی ہے اب آئندہ خدا تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس توبہ سے اپنے آپ کو تم نے کتنا صاف کیا اب زمانہ ہے کہ خدا تعالیٰ تقویٰ کے ذریعہ سے فرق کرنا چاہتا ہے۔ بہت لوگ ہیں کہ خدا پر شکوہ کرتے ہیں اور اپنے نفس کو نہیں دیکھتے انسان کے اپنے نفس کے ظلم ہی ہوتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے۔

بعض آدمی ایسے ہیں کہ ان کو گناہ کی خبر ہوتی ہے اور بعض ایسے کہ ان کو گناہ کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے استغفار کا التزام کرایا ہے کہ انسان ہر ایک گناہ کے لئے خواہ وہ ظاہر کا ہو خواہ باطن کا ہو اسے علم ہو یا نہ ہو اور ہاتھ اور پاؤں اور زبان اور ناک اور کان اور آنکھ اور سب قسم کے گناہوں سے استغفار کرتا رہے۔ آج کل آدم علیہ السلام کی دعا پڑھنی چاہئے۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الاعراف : ۲۴) یہ دعا اول ہی قبول ہو چکی ہے غفلت سے زندگی بسر مت کرو جو شخص غفلت سے زندگی نہیں گذارتا ہرگز امید نہیں کہ وہ کسی فوق الطاقت بلا میں مبتلا ہو کوئی بلا بغیر اذن کے نہیں آتی جیسے مجھے یہ دعا الہام ہوئی رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ۔

سب اس کے ہاتھ میں ہے

یہاں تک آپ نے تقریر فرمائی تھی کہ اتنے میں مولوی عبدالکریم صاحب گورداسپور سے آگئے اور حالات سفر سناتے رہے۔ سفر میں ہر قسم کے عوارض اور شکایت سے محفوظ رہنے پر

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ہمارا ایمان ہے کہ سب اس کے ہاتھ میں ہے خواہ اسباب سے کرے خواہ بلا اسباب۔[1]

۱۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

طاعون اور مخالفین کا ایک عذر

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس کچھ عرصہ بیٹھے رہے اور ایک شخص طاعون کے حالات سناتا رہا کہ جب لوگوں کو کہا جاتا ہے کہ تم مسیح موعود کو مان لو تو اس سے محفوظ رہو گے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کو کیوں نہ مانیں جو اس کے ایک بندے کو جا کر مانیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ابو جہل اور اسکے ساتھی بھی یہی کہا کرتے تھے۔

آئینہ کمالاتِ اسلام کا اثر ایک عرب پر

ظہر کے وقت مولوی عبدالکریم صاحب نے جناب ابو سعید عرب صاحب تاجر برنج رنگون برما کے حالات حضرت کو سنائے جن کا خلاصہ یہ تھا کہ اول اول عرب صاحب ایک بڑے آزاد مشرب اور نیچریت کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے پھر کتاب آئینہ کمالات اسلام کسی طرح ان کی نظر سے گزری تو اس نے اس سلسلہ کی طرف توجہ دلائی اور حقیقت اسلام ان پر منکشف ہوئی۔ حضرت صاحب پھر خود عرب صاحب سے ان کے حالات دریافت کرتے رہے اور پوچھا کہ آپ کتنے دن تک رہ سکتے ہیں۔ عرب صاحب نے بیان کیا کہ میں نے کلکتہ سے سیکنڈ کلاس کا واپسی کا ٹکٹ لیا ہے جس کی میعاد جنوری ۱۹۰۳ء تک ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

میری بڑی خوشی ہے کہ آپ اس دن تک ٹھہریں جب تک کہ ٹکٹ اجازت دیتا ہے۔

اس پر عرب صاحب نے بڑی نیازمندی سے عرض کی کہ کرایہ کی فکر نہیں میں زیادہ بھی ٹھہر سکتا ہوں۔ پھر عرب صاحب اپنی مذہبی زندگی کی کیفیت حضرت اقدس کو سناتے رہے کہ میں اس مشرب کا آدمی تھا کہ خدا کے وجود پر بھی ایمان نہ تھا یہی خیال تھا کہ کھانا ہے اور کمانا ہے۔ آئینہ کمالات اسلام نے آخر اس غلطی سے نجات دے کر حضور کی محبت کا تخم دل میں جمایا۔ اس پر

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۷۲ مورخہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۲ء

حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

حقیقی لذات خدا میں ہیں

خدا ہی کی تلاش کرو۔ حقیقی لذت خدا ہی میں ہے۔ جو لذات اس دنیا سے لے جاوے گا وہی اس کے ساتھ رہیں گے۔ ایک دہریہ جب مرے گا تو اسے یہی خیال ہو گا کہ میں وہیں ہوں اور صرف جسم جدا ہوا ہے اس کو حسرت ہی حسرت رہے گی۔ جسم کے اندھے اچھے ہیں اور قابل رحم ہیں بہ نسبت اس کے کہ دل کے اندھے ہوں۔ سید احمد خان نے تفریط کی راہ لی۔ اور ان (وہابیوں) نے افراط کی طرح طرح کی بدنما باتیں پیش کیں۔ انسان ان کو کہاں تک قبول کرتا۔ کوئی راہ تسلی اور سکینت کی نہ تھی۔ کہ انسان مانتا۔

دین کا سارا حصہ ایسا نہیں ہوتا کہ انسان اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ ایک حصہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود خدا سمجھا دے۔ پھر جو سمجھنے والے ہوتے ہیں خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں بٹھاتا جاتا ہے۔ انسان کو پوری سعادت تک پہنچانے کے واسطے خدا تعالیٰ نے اور حواس رکھے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو پھر دین کو انسان سمجھ نہ سکتا اور اس وقت میں حقیقی طور پر انسان خدا پر ایمان لاتا ہے۔ خدا پر ایمان اس کا ہے جسے خدا نے ہی ایمان دیا ہو برہمو کی طرح زمین اور آسمان کو دیکھ کر پھر خدا کی ضرورت کو ماننا تو گویا اپنی طرف سے ایک خدا تجویز کرنا ہے اور اس طرح سے گویا خود انسان کا احسان خدا پر ہے کہ اس نے خدا کا پتہ لگایا۔ اصل میں اس روز سے انسان کو سچی زندگی حاصل ہوتی ہے جس دن سے وہ خدا پر احسان نہیں رکھتا بلکہ خدا کا اپنے اوپر احسان مانتا ہے کہ اس نے خود اپنے وجود سے اسے خبر دی اور اسی دن سے سفلی زندگی سے انسان کو نجات حاصل ہوتی ہے جس دن خدا کہے کہ میں غالب ہوں اور اس دن سے وہ ترک گناہ پر قادر ہوگا۔ یہی وہ سلسلہ ہے جس سے انسان کو کامل یقین خدا پر حاصل ہوتا ہے مگر ؂

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا میں بھی ہر ایک شخص انعام و اکرام کے قابل نہیں ہوتا۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کے انعام و اکرام بھی خواص پر ہوتے ہیں۔

ایک چینی قیافہ شناس کی گواہی

عرب صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ایک چینی آدمی کے روبرو میں نے آپ کی تصویر کو

پیش کیا وہ بہت دیر تک دیکھتا رہا۔ آخر بولا کہ یہ شخص کبھی جھوٹ بولنے والا نہیں ہے پھر میں نے اور تصاویر بعض سلاطین کی پیش کیں مگر ان کی نسبت اس نے کوئی مدح کا کلمہ نہ نکالا اور بار بار آپ کی تصویر کو دیکھ کر کہتا رہا کہ یہ شخص ہرگز جھوٹ بولنے والا نہیں۔

طاعون کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہے

نماز مغرب کے بعد طاعون کا ذکر ہوا فرمایا کہ:۔

اب اس کا علاج خدا تعالیٰ کے پاس ہے عِنْدِیْ مُعَالِجَاتٌ (الہام حضرت اقدسؑ) اور اب یہ آیت بالکل صادق آگئی ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا (بنی اسرائیل : ۵۹) یعنی ہم کوئی گاؤں نہ چھوڑیں گے کہ اس کو ہلاک نہ کریں۔ اسی طرح اب کوئی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ ہمارے ہاں طاعون نہیں آئی اور جہاں اب تک نہیں آئی تو آخر آنے والی ہے۔[1]

۱۷؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

علو اور تکبر سے مُراد

نماز فجر سے پیشتر حضور علیہ السلام نے تھوڑی دیر مجلس فرمائی اور اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ اِلَّا الَّذِیْنَ عَلَوْا وَاسْتَکْبَرُوْا[2] کے متعلق فرمایا کہ

اس میں علو اور تکبر سے یہ مراد نہیں ہے کہ مال و وجاہت کا تکبر ہو بلکہ ہر ایک شخص جو کہ عاجزی اور تذلل سے خدا کے سامنے اپنے آپ کو پیش نہیں کرتا اور اس کے احکام کو نہیں مانتا وہ اس میں داخل ہے خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو۔

جماعت کو نیک اور پاک تبدیلی پیدا کرنے کی نصیحت

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو نواب صاحب نے طاعون پر

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۷ مورخہ ۲۶؍دسمبر ۱۹۰۲ء

[2] پہلے الہام کے الفاظ اِسْتَکْبَرُوْا کی بجائے مِنِ اسْتِکْبَارٍ آچکے ہیں۔(مرتب)

کچھ ذکر کیا جس پر حضور نے ذیل کی تقریر فرمائی۔

ہماری جماعت کو واجب ہے کہ اب تقویٰ سے کام لے اور اولیاء بننے کی کوشش کرے۔ اس وقت زمینی اسباب کچھ کام نہ آوے گا اور نہ منصوبہ اور حجت بازی کام آئے گی۔ دنیا سے کیا دل لگانا ہے اور اس پر کیا بھروسہ کرنا ہے یہ ہی امر غنیمت ہے کہ خداتعالیٰ سے صلح کی جائے اور اس کا یہی وقت ہے۔ ان کو یہی فائدہ اٹھانا چاہئے کہ خدا سے اسی کے ذریعہ سے صلح کر لیں۔ بہت مرضیں ایسی ہوتی ہیں کہ دلالہ کا کام کرتی ہیں اور انسان کو خدا سے ملا دیتی ہیں۔ خاص ہماری جماعت کو اس وقت وہ تبدیلی یک مرتبہ ہی کرنی چاہئے جو کہ اس نے دس برس میں کرنی تھی اور کوئی جگہ نہیں ہے جہاں ان کو پناہ مل سکتی ہے اگر وہ خداتعالیٰ پر بھروسہ کر کے دعائیں کریں تو ان کو بشارتیں بھی ہو جائیں گی۔ صحابہؓ پر جیسے سکینت اتری تھی ویسے ان پر اترے گی صحابہؓ کو انجام تو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا ہو گا مگر دل میں یہ تسلی ہو جاتی تھی کہ خداتعالیٰ ہمیں ضائع نہ کرے گا۔

دراصل سکینت اسی تسلی کا نام ہے۔ جیسے میں اگر طاعون زدہ ہو جاؤں اور گلے تک میری جان آجائے تو مجھے ہرگز یہ وہم نہیں ہو گا کہ میں ضائع ہو جاؤں گا اس کی کیا وجہ ہے؟ صرف وہی تعلق جو میرا خدا کے ساتھ ہے وہ بہت قوی ہے انسان کے لئے ٹھیک ہونے کا یہ مفت کا موقع ہے راتوں کو جاگو۔ دعائیں کرو۔ آرام کرو (لیکن) جو کسل اور سستی کرتا ہے وہ اپنے گھر والوں اور اولاد پر ظلم کرتا ہے کیونکہ وہ تو مثل جڑھ کے ہے اور اہل و عیال اس کی شاخیں ہیں۔ تھوڑے ابتلا کا ہونا ضروری ہے۔ جیسے لکھا ہے اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ (العنکبوت:۳)

اِبتلاؤں کی غرض

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرف تو مکہ میں فتح کی خبریں دی جاتی تھیں اور ایک طرف ان کو جان کی بھی خیر نظر نہ آتی تھی اگر نبوت کا دل نہ ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔ یہ اسی دل کا حوصلہ تھا۔ بعض ابتلا صرف تبدیلی کے واسطے ہوتے ہیں۔ عملی نمونے ایسے اعلیٰ درجے کے ہوں کہ ان سے تبدیلیاں ہوں اور ایسی تبدیلی ہو کہ خود انسان محسوس کرے کہ اب میں وہ نہیں ہوں جو کہ پہلے تھا بلکہ میں ایک اور انسان ہوں۔ اس وقت خداتعالیٰ کو راضی کرو حتیٰ کہ تم کو بشارتیں ہوں۔ کل لکھتے ہوئے ایک پرانا الہام نظر پڑا اَیَّامُ غَضَبِ اللّٰهِ غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا نُنَجِّیْ اَهْلَ السَّعَادَةِ یہاں اہل سعادت سے مراد وہ شخص ہے جو عملی طور پر صدق دکھلاتا ہے خالی زبان تک ایمان کا ہونا کوئی فائدہ نہیں دیتا جیسے صحابہؓ نے صدق دکھلایا کہ ہتھیلی پر جانیں

رکھ لیں۔ اور بال بچوں تک کو قربان کیا مگر ہم آج ایک شخص کو اگر کہیں کہ سو کوس چلا جا تو وہ عذر کرتا ہے حتیٰ کہ آبرو عزت کا معاملہ پیش کرتا ہے اور کاروبار کا ذکر کرتا ہے کہ کسی طرح جانے سے رہ جائے مگر انہوں (صحابہؓ) نے جان، مال، آبرو، عزت سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر فلاں فلاں آفت آئی حالانکہ ہم نے بیعت کی تھی مگر ہم نے بار بار جماعت کو کہا ہے کہ نری بیعت اور صرف زبان سے ماننے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ چاہئے کہ خدا میں گداز ہو کر ایک نیا وجود بن جائے، سارا قرآن دیکھو کہ کہیں بھی صرف اٰمَنُوْا نہیں لکھا ہے ہر جگہ عمل صالح کا ساتھ ہی ذکر ہے۔ غرضیکہ خدا ایک موت چاہتا ہے اور میرا تجربہ ہے کہ خدا مومن پر دو موتیں ہرگز جمع نہیں کرتا کہ ایک موت تو اس کی خدا کے واسطے ہو اور دوسری دنیا کی لعن طعن کے واسطے۔ ایسے نازک وقت میں چاہئے کہ جماعت سمجھ جائے اور ایک تیر کی طرح سیدھی ہو جائے۔ اگر ہزاروں آدمی بھی طاعون سے مر جائیں تو میں ہرگز خدا کو ملزم نہ کروں گا اور یہی کہوں گا کہ انہوں نے احسان کا پہلو چھوڑ دیا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (التوبہ:۱۲۰)

بعض خوابوں کی تعبیرات

بوقت عشاء ایک شخص نے بیعت کی چند ایک احباب نے اپنے اپنے خواب سنائے جس میں سے ایک خواب یہ تھا کہ حضرت اقدس ہاتھی پر سوار ہیں اور وہ آپ کے حکم میں چلتا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

جو ہاتھی میں نے خواب میں دیکھا تھا اس کی بھی ایسی ہی حالت تھی اور اس سے مراد طاعون ہے کہ ہم اس پر سوار ہیں۔

ایک دوست نے خواب میں بینگنی روٹی دیکھی اس کی تعبیر میں فرمایا کہ :۔

اس سے مراد کچھ تکلیف ہے۔[1]

---

۸ / دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

الہامات

بوقت ظہر حضرت اقدس اپنے الہامات کی تکرار فرماتے رہے جو کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی ترقی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۸ مورخہ ۲۶ / دسمبر ۱۹۰۲ء

کی نسبت تھے اور فرمایا کہ:۔
یہ بھی ہے کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ مگر وہ وقت ابھی نہیں آیا۔

سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے

ابو سعید عرب صاحب آمدہ از رنگون نے عرض کی کہ ایک صاحب برما میں کہتے تھے کہ اگر میرزا صاحب صرف قرآن کی تفسیر لکھیں اور اپنے دعاوی کا ذکر اس میں ہرگز نہ کریں تو میں بہت سا روپیہ صرف کر کے اسے طبع کروا سکتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اگر کوئی ہم سے سیکھے تو سارا قرآن ہمارے ذکر سے بھرا ہوا ہے ابتدا ہی میں ہے صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ:۵ تا ۷)
اب ان سے کوئی پوچھے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ کون سا فرقہ تھا تمام فرقے اسلام کے اس پر متفق ہیں کہ وہ یہودی تھے اور ادھر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت یہودی ہو جائے گی تو پھر بتلاؤ کہ اگر مسیح نہ ہو گا تو وہ یہودی کیسے بنیں گے۔

متفرق امور

مغرب کی نماز ادا فرما کر حضور تشریف لے گئے اور پھر تھوڑی دیر کے بعد تشریف لائے آکر ایک صحابی کو فرمایا کہ:۔
اللواء پر جو مضمون لکھا ہے وہ مطبع میں چلا گیا ہے ایک دو کاپیاں نکلیں تو آپ کو دکھا دیں گے۔

شفقت کا نمونہ

ایک صاحب کے دانت میں درد تھا اس کے لئے حضرت اقدس نے کارابارا (ایک بوٹی) منگوائی تھی وہ اندر مکان میں تھی جناب میر صاحب نے کہا کہ ان کے دانت میں درد ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

میں ابھی جا کر وہ سب بوٹی لا دیتا ہوں

مریض نے کہا حضور کو زحمت ہو گی حضرت اقدس نے اس پر تبسم فرمایا اور کہا کہ

یہ کیا تکلیف ہے

اور اسی وقت اندر جا کر حضور وہ رومال لے آئے جس میں وہ بوٹی تھی اور مریض کے حوالہ کی۔

لوہے کی قلم اور تلوار

اصحاب میں سے ایک نے عرض کی کہ آیت لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید : ۲۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ حدید نے اپنا فعل باس شدید کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کیا کہ اس سے سامان جنگ وغیرہ تیار ہو کر کام آتا تھا مگر اس کے فعل مَنَافِعُ لِلنَّاسِ کا وقت یہ مسیح اور مہدی کا زمانہ ہے کہ اس وقت تمام دنیا حدید (لوہے) سے فائدہ اٹھا رہی ہے (جیسا کہ ریل، تار، دخانی جہاز، کارخانوں اور ہر ایک قسم کے سامان لوہے سے ظاہر ہے)

حضرت اقدس نے اس پر فرمایا کہ :-

میں بھی سارے مضمون لوہے کے قلم ہی سے لکھتا ہوں۔ مجھے بار بار قلم بنانے کی عادت نہیں ہے۔ اس لئے لوہے کے قلم استعمال کرتا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے سے کام لیا ہم بھی لوہے ہی سے لے رہے ہیں اور وہی لوہے کی قلم تلوار کا کام دے رہی ہے۔

(حضرت اقدس جس قلم سے لکھا کرتے ہیں وہ ایک خاص قسم کا ہوتا ہے جس کی نوک آگے سے داہنی طرف کو مڑی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی شکل تلوار کی سی ہوتی ہے۔ایڈیٹر)

۱۹؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

الہام

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

آج یہ الہام ہوا ہے :-

اِنِّیْ مَعَ الْاَفْوَاجِ اٰتِیْ

اپنا نمونہ ٹھیک بناویں

بعد ادائے نماز خواجہ کمال الدین صاحب نے ایک خواب سنائی جس میں دیکھا کہ زلزلہ آیا

ہوا ہے۔

فرمایا کہ :-

یہی طاعون زلزلہ ہے۔ میں جماعت کو کہتا ہوں کہ یہ قیامت ہے جو آرہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے گا مگر صرف اتنی بات پر خوش نہ ہوں کہ بیعت کی ہوئی ہے۔ قرآن مجید میں ہر جگہ اٰمَنُوْا کے ساتھ عمل صالح کی تاکید ہے۔ اگر بعض آدمی جماعت میں سے ایسے ہوں کہ جن کو خدا کی پروا نہیں اور اس کے احکام کی عزت نہیں کرتے تو ایسے آدمیوں کا ذمہ دار نہ خدا ہے اور نہ ہم۔ ان کو چاہئے کہ اپنا اپنا نمونہ ٹھیک بناویں زلزلہ تو آرہا ہے۔

بعد نماز مغرب

تین رؤیا

حضور نے اپنی تین رؤیاء سنائیں جو کہ آپ نے پے در پے دیکھی تھیں۔

(اول) کہ ایک شخص نے ایک روپیہ اور پانچ چھوہارے رؤیاء میں دیئے۔ اس کے بعد پھر غنودگی ہوئی تو دیکھا کہ تریاق القلوب کا ایک صفحہ دکھایا گیا ہے جس پر عَلٰی شُکْرِ الْمَصَائِبِ لکھا ہوا ہے جس کے یہ معنے ہوئے کہ هٰذِہٖ صِلَةٌ عَلٰی شُکْرِ الْمَصَائِبِ۔ گویا یہ روپیہ اور چھوہارے شکر المصائب کا صلہ ہے۔ تیسری دفعہ پھر کچھ ورق دکھائے گئے جن پر بیٹوں کے بارے میں کچھ لکھا ہوا تھا اور جو اس وقت یاد نہیں۔

الہامی دُعائیں واحد متکلم کے صیغہ کو بصورت جمع پڑھنا

حضرت مولانا عبدالکریم صاحب نے ایک شخص کا خط پیش کیا جس میں سوال تھا کہ دعا الہامیہ رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ کو صیغہ جمع متکلم میں پڑھ لیا جائے یا نہ۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

اصل میں الفاظ تو الہام کے یہی ہیں (یعنی واحد متکلم) اب خواہ کوئی کسی طرح پڑھ لیوے۔ قرآن مجید میں دونو طرح دعائیں سکھائی گئی ہیں۔ واحد کے صیغہ میں بھی جیسے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ (نوح : ۲۹)

اور جمع کے صیغہ میں بھی جیسے

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

(البقرہ : ۲۰۲) اور اکثر اوقات واحد متکلم سے جمع متکلم مراد ہوتی ہے جیسے اس ہماری الہامی دعا میں فَاحْفَظْنِیْ سے یہی مراد نہیں ہے کہ میرے نفس کی حفاظت کر بلکہ نفس کے متعلقات اور جو کچھ لوازمات ہیں سب ہی آجاتے ہیں۔ جیسے گھر بار، خویش و اقارب۔ اعضاء و قویٰ وغیرہ۔

ایک عیسائی کمیٹی کے نزدیک مسیح کے ظہور کا یہی وقت ہے

مفتی محمد صادق صاحب ولایت کی ایک عیسائی کمیٹی کا ایک مضمون سناتے رہے جس میں مسیح کی دوبارہ آمد پر بہت کچھ لکھا تھا کہ وقت تو یہی ہے سب نشان پورے ہو چکے ہیں۔ اگر اب بھی نہ آیا تو پھر قیامت تک نہ آوے گا۔

اس مضمون کو سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اس نے بعض باتیں بالکل صاف اور سچی لکھی ہیں اور اس نے ضرورت زمانہ کو اچھی طرح محسوس کیا ہے۔ بے شک اب ایک تختہ الٹنے لگا ہے اور دوسرا تختہ شروع ہو گا جس طرح یہ لوگ اس زمانہ میں مسیح کی آمد ثانی کے منتظر ہیں بلکہ اکثر ان کے انتظار کے بعد اب بے امید بھی ہو گئے ہیں اور اکثروں نے تاویلوں سے آمد ثانی کے معنے ہی اور کر لئے ہیں۔ کیونکہ اس کے متعلق تمام پیشگوئیاں پوری ہو چکی ہیں اور زمانہ کی نازک حالت ایک ہادی کو چاہتی ہے۔ اسی طرح اسلامی پیشگوئیوں کے مطابق بھی یہی وقت ہے۔ نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ کل اہل مکاشفات اور ملہمین کے کشوف اور الہام اور رؤیاء مسیح کے بارے میں چودھویں صدی سے آگے نہیں بڑھتے۔

مولوی مسیح اور مہدی کا ذکر ہی چھوڑ دیں گے

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضور اب تو مولوی لوگوں نے وہ خطبے وغیرہ پڑھنے چھوڑ دیئے ہیں جن سے مسیح کی وفات ثابت ہوتی تھی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

اب تو وہ نام بھی نہ لیں گے اور اگر کوئی ذکر کرے تو کہیں گے کہ مسیح اور مہدی کا ذکر ہی چھوڑو۔[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۹ صفحہ ۶۹ مورخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۰۲ء

۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

عصر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو فرمایا کہ:۔

اخبار عام میں ان مقدموں کے حالات شائع ہو گئے ہیں اور ہمارے مقدمہ کو کھول کر نہیں بیان کیا بلکہ دبی زبان سے بیان کیا ہے۔ پھر ذکر کیا کہ یہ الہام یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَکَ۔ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَخَطَّفُوْا عِرْضَکَ۔ اس کی ہمیں کیا خبر تھی کہ وہ ان واقعات کے متعلق ہیں تخطیف کے معنے اچک کر لے جانا ہے۔

قادیان کے اخبارات کی افادیت

قادیان کے اخباروں کے متعلق فرمایا کہ:۔

یہ بھی وقت پر کیا کام آتے ہیں۔ الہامات وغیرہ جھٹ چھپ کر ان کے ذریعہ شائع ہو جاتے ہیں ورنہ اگر کتابوں کی انتظار کی جاوے تو ایک ایک کتاب کو چھپنے میں کتنی دیر لگ جاتی ہے اور اس قدر اشاعت بھی نہ ہوتی۔

یورپ میں بے دینی پھیلے گی

عشاء سے قبل یورپ کی لا مذہبی کے متعلق فرمایا کہ :۔

عیسائی مذہب کی عمارت تو گرنی شروع ہو گئی ہے عنقریب سوائے پادریوں کے اور سب لا مذہب کہلائیں گے۔[1]

---

۲۱ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

اعتکاف کے متعلق بعض ہدایات

مغرب اور عشاء کے درمیان مجلس فرمائی۔ ڈاکٹر عباداللہ صاحب امرتسری اور خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر (جو دونو معتکف تھے) ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ:۔

اعتکاف میں یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان اندر ہی بیٹھا رہے اور بالکل کہیں آئے جائے ہی

---

[1] البدر جلد اوّل نمبر ۱۰ صفحہ ۷۷ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

نہ۔ (مسجد کی) چھت پر دھوپ ہوتی ہے وہاں جا کر آپ بیٹھ سکتے ہیں کیونکہ نیچے یہاں سردی زیادہ ہے اور ضروری بات کر سکتے ہیں۔ ضروری امور کا خیال رکھنا چاہئے۔ اور یوں تو ہر ایک کام (مومن کا) عبادت ہی ہوتا ہے۔

تلوار کا استعمال صرف دفاع کی خاطر تھا

پھر جہاد کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:۔

اب تلوار سے کام لینا تو اسلام پر تلوار مارنا ہے اب تو دلوں کو فتح کرنے کا وقت ہے اور یہ بات جبر سے نہیں ہو سکتی۔ یہ اعتراض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تلوار اٹھائی بالکل غلط ہے تیرہ برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام صبر کرتے رہے پھر باوجود اس کے کہ دشمنوں کا تعاقب کرتے تھے مگر صلح کے خواستگار ہوتے تھے کہ کسی طرح جنگ نہ ہو اور جو مشرک قومیں صلح اور امن کی خواستگار ہوتیں ان کو امن دیا جاتا اور صلح کی جاتی۔ اسلام نے بڑے بڑے پیچوں سے اپنے آپ کو جنگ سے بچانا چاہا ہے جنگ کی بنیاد کو خود خدا تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ بہت مظلوم ہیں اور ان کو ہر طرح دکھ دیا گیا ہے اس لئے اب اللہ تعالیٰ اجازت دیتا ہے کہ یہ بھی ان کے مقابلہ میں لڑیں۔ ورنہ اگر تعصب ہوتا تو یہ حکم پہنچتا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ دین کی اشاعت کے واسطے جنگ کریں لیکن ادھر حکم دیا کہ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:۲۵۷) یعنی دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے اور ادھر جب غایت درجہ کی سختی اور ظلم مسلمانوں پر ہوئے تو پھر مقابلہ کا حکم دیا۔

کمالات مجاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں نہ کسی کے خون سے

دین اسلام ایسا دین ہے کہ اگر خدا ہمیں عمر اور فرصت دے تو چند ایام میں ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ کیسا میٹھا اور بہترین دین ہے۔ کمالات تو انسان کو مجاہدات سے حاصل ہوتے ہیں مگر جن کو سہل نسخہ مسیح کے خون کا مل گیا وہ کیوں مجاہدات کریں گے۔ اگر مسیح کے خون سے کامیابی ہے تو پھر انکے لڑکے امتحان پاس کرنے کے واسطے کیوں مدرسوں میں محنتیں اور کوششیں کرتے ہیں چاہئے کہ وہ صرف مسیح کے خون پر بھروسہ رکھیں اور اسی سے کامیاب ہوویں اور کوئی محنت نہ کریں اور مسلمانوں کے بچے محنتیں کر کر کے اور ٹکریں مار مار کر پاس ہوں۔ اصل بات یہ ہے لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى (النجم : ۴۰) اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انسان جب اپنے نفس کا مطالعہ کرتا ہے تو اسے فسق و فجور وغیرہ معلوم ہوتے ہیں۔ آخر وہ یقین کی حالت

پر پہنچ کر ان کو صیقل کر سکتا ہے لیکن جب خون مسیح پر مدار ہے تو مجاہدات کی کیا ضرورت ہے ان کی جھوٹی تعلیم سچی ترقیات سے روک رہی ہے۔ سچی تعلیم والا دعائیں کرتا ہے کوششیں کرتا ہے آخر دوڑتا دوڑتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہوا منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ جب یہ بات ان کو سمجھ آئے گی کہ یہ سب باتیں (خون مسیح پر بھروسہ) قصہ کہانی ہیں اور ان سے اب کوئی آثار اور نتائج مرتب نہیں ہوتے اور ادھر سچی تعلیم کی تخم ریزی کے ساتھ برکات ہوں گی تو یہ لوگ خود سمجھ لیں گے انسان کھیتی کرتا ہے اس میں بھی محنت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ایک ملازم ہے تو اسے بھی محنت کا خیال ہے غرضیکہ ہر ایک اپنے اپنے مقام پر کوشش میں لگا ہے اور سب کا نشو و نما کوشش پر ہی ہے۔ سارا قرآن کوشش کے مضمون سے بھرا پڑا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی[1] (النجم : ۴۰) ان لوگوں کو جو ولایت میں خون مسیح پر ایمان لا کر بیٹھے ہیں کوئی پوچھے کہ کیا حاصل ہوا۔ مردوں یا عورتوں نے خون پر ایمان لا کر کیا ترقی حاصل کی۔ یہ باتیں ہیں جو بار بار ان کے کانوں تک پہنچانی چاہئیں یہ قصہ جھوٹا ہے کہ خدا پیٹ میں رہا۔ پھر اسے خسرہ وغیرہ نکلا ہو گا۔ طفولیت کے عالم میں ماں بھی کوئی دھول دھپا مار بیٹھی ہو گی۔ لڑکوں میں کھیلتا ہو گا وہاں بھی مار کھاتا ہو گا۔ اب اس نظارہ کو کوئی دیکھے کہ بڑا ہو کر بھی مار کھاتا رہا اور چھوٹا تھا تو بھی طمانچے پڑتے رہے[2]

---

۲۲ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

بوقت ظہر

حقیقی طاعون

طاعون کے ذکر پر فرمایا :۔

بعض طب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تک سرسام اور غشی نہ ہو تو صرف گلٹی کے ساتھ

---

[1] الحکم سے :۔

مجاہدات پر اللہ تعالیٰ کی راہیں کھلتی ہیں اور نفس کا تزکیہ ہوتا ہے جیسے فرمایا :۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس : ۱۰) اور وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰)

(الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ ص ۱۰ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۰۲ء)

---

[2] البدر جلد اول نمبر ۱۰ صفحہ ۷۴-۷۵ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۳ء

جو بخار ہوتا ہے اس سے اگر کوئی مرجائے تو اس کا نام طاعون نہیں بلکہ خاص طاعون کے دنوں میں یہ مرض مشابہ بالطاعون ہوا کرتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ حقیقی طاعون کا لفظ ایسی موتوں پر نہیں آسکتا جس میں صرف گلٹی اور بخار ہو۔ اور دوسرے علامات طاعون نہ ہوں۔

ایک الہام

پھر فرمایا کہ:۔

گزشتہ شب کو دو یا تین بجے یہ الہام ہوا اور بڑے زور سے ہوا

یَأْتِیْ عَلَیْکَ زَمَنٌ کَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰی

اتنے برس سے یہ سلسلہ ہمارا جاری ہے مگر یہ الہام کبھی نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر تیاری ہوئی ہے۔[1]

مسیح بمعنی سیاح

مولویوں کے احادیث پیش کرنے پر فرمایا کہ:۔

ان پر ایسا وثوق تو نہیں ہوتا جیسے کلام الٰہی پر کیونکہ خواہ کچھ ہی ہو، پھر بھی وہ مس انسان سے تو خالی نہیں۔ مگر خدا تعالیٰ جس کی تنقیہ کرتا جائے وہ صحیح ہوتا جائے گا۔ اگر احادیث میں نزول مسیح کا ذکر تھا تو دیکھئے قرآن شریف میں وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرۃ : ۸۸) موجود ہے جو کہ اصل حقیقت کو واضح کر رہا ہے۔ مولویوں نے اس بات کو نہیں سمجھا اور اور طرف دوڑتے رہے۔ مسیح کے معنے بہت سیر کرنے والا ہیں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کہ جب وہ آسمان پر ہے تو اس نے سیر کہاں کی ہوگی اور لفظ مسیح کے معنے اس پر کیسے صادق آئیں گے۔ ایک طرف اسے آسمان پر بٹھاتے ہیں دوسری طرف سیاح کہتے ہیں تو اس کی سیاحت کا وقت کونسا ہوا۔[2]

---

[1] مولانا عبدالکریم صاحب نے عرض کی کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ مسیح اپنی جماعت کو طُور پر لے جائے گا۔ شاید اس کا تعلق اس سے ہو۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴؍ دسمبر ۱۹۰۲ء)

[2] مسیح کے ذکر کے سلسلہ میں الحکم میں مندرجہ ذیل عبارت درج ہے۔

فرمایا:۔ خدا تعالیٰ نے جیسے بنی اسرائیل میں ایک مسیح رکھا تھا اور اس کے لئے وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ (البقرۃ:۸۸) فرمایا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

مسیح بن باپ پیدا ہوئے

مغرب و عشاء کے درمیان حضرت اقدس تشریف لائے تو مکرم ابو سعید عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح کی ولادت کے متعلق کیا بات ہے وہ بن باپ کس طرح پیدا ہوئے؟ حضرت اقدس نے جواباً فرمایا :۔

اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (البقرۃ : ۱۱۸) ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ مسیح بن باپ پیدا ہوئے اور قرآن شریف سے یہی ثابت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام یہود کے واسطے ایک نشان تھے جو ان کی شامت اعمال سے اس رنگ میں پورا ہوا۔ زبور اور دوسری کتابوں میں لکھا تھا کہ اگر تم نے اپنی عادت کو نہ بگاڑا تو نبوت تم میں قائم رہے گی۔ مگر خدا تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ اپنی عادت کو بدل لیں گے۔ اور شرک و بدعت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے اپنی حالت کو بگاڑا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق یہ تنبیہی نشان ان کو دیا اور مسیح کو بن باپ پیدا کیا۔

بن باپ پیدا ہونے کا سرّ

اور بن باپ پیدا ہونے کا سر یہ تھا کہ چونکہ سلسلہ نسب کا باپ کی طرف سے ہوتا ہے تو اس طرح سے گویا سلسلہ منقطع ہو گیا اور اسرائیلی خاندان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی کیونکہ وہ پورے طور سے اسرائیلی خاندان سے نہ رہے۔ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ (الصف : ۷) میں بشارت ہے۔ اس کے دو ہی پہلو ہیں یعنی ایک تو آپ کا وجود ہی بشارت تھا کیونکہ بنی اسرائیل کے خاندان سے نبوت کا خاتمہ ہو گیا دوسرے زبان سے بھی بشارت دی۔ یعنی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

علیہ وسلم کے سلسلہ میں بھی ایک مسیح رکھا ہوا تھا مگر مسلمانوں نے اس کو نہ سمجھا اور آسمان سے انتظار کرنے لگے۔

افسوس ہے کہ ان کو اتنی سمجھ نہ آئی کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اس سے پائی جاتی ہے کہ مسیح اسرائیلی آوے۔ یا یہ کہ آپ ہی کی امت میں سے آوے یہاں بھی اسی طرح مسیح کا آنا ضروری تھا جیسے بنی اسرائیل میں ایک مسیح آیا۔

فرمایا: براہین میں جو مسیح کی دوبارہ آمد کا ذکر کیا گیا اور پھر وہ تمام وعدے اور آیات میرے حق میں ہیں جو مسیح موعود کے لئے ہیں اور پھر میں اقرار کرتا ہوں کہ مسیح دوبارہ آئے گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعویٰ بناوٹ کی راہ سے نہیں کیا گیا اور اس قسم کے واقعات تمام نبیوں کے واقعات میں پائے جاتے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱۱ مورخہ ۲۴؍ دسمبر ۱۹۰۲ء)

آپ کی پیدائش میں بھی بشارت تھی اور آپ کی زبانی بھی۔ انجیل میں بھی مسیح نے باغ کی تمثیل میں اس امر کو بیان کر دیا ہے اور اپنے آپ کو مالک باغ کے بیٹے کی جگہ ٹھہرایا ہے۔ بیٹے کا محاورہ انجیل اور بائبل میں عام ہے۔ اسرائیل کی نسبت آیا ہے کہ اسرائیل فرزند من بلکہ نخست زادہ من است۔ آخر اس تمثیل میں بتایا گیا ہے کہ بیٹے کے بعد وہ مالک خود آ کر باغبانوں کو ہلاک کر دے گا اور باغ دوسروں کے سپرد کر دے گا۔ یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ نبوت ان کے خاندان سے جاتی رہی۔ پس مسیح کا بن باپ پیدا ہونا اس امر کا نشان تھا۔

پھر سوال کیا گیا کہ مسیح کے بن باپ پیدا ہونے پر عقلی دلیل کیا ہے؟ فرمایا :۔

آدم کے بن باپ پیدا ہونے پر کیا دلیل ہے اور عقلی امتناع بن باپ پیدا ہونے میں کیا ہے۔ عقل انسان کو خدا سے نہیں ملاتی بلکہ خدا سے انکار کراتی ہے۔ پکا فلسفی وہ ہوتا ہے جو خدا کو نہیں مانتا۔ بھلا آپ سوچ کر دیکھیں کہ اس بات میں عقل ہمیں کیا بتلاتی ہے کہ جو کچھ ہم بول رہے ہیں یہ کہاں جاتا ہے کیا کسی جگہ بند ہوتا ہے یا یونہی ہوا میں اُڑ جاتا ہے۔ عقل کے جس قدر ہتھیار ہیں وہ سب نکمے ہیں۔ مگر ہم خدا تعالیٰ کے وعدوں اور نشانوں کو دیکھتے ہیں تب یقین کرتے ہیں کہ خدا ہے۔ ایک فلسفی اگر بہت خوض اور تدبر کے بعد کوئی نتیجہ نکالے گا تو وہ صرف اس قدر کہ ایک خدا ہونا چاہئے مگر ہے اور ہونا چاہئے میں بہت بڑا فرق ہے مثلاً اگر ہم کہیں کہ اگر دو آنکھیں ہمارے آگے ہیں تو دو پیچھے کی طرف بھی ہونی چاہئیں تھیں تاکہ انسان پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا اور اگر کوئی دشمن پیچھے سے حملہ کرنا چاہتا تو وہ اپنی حفاظت کر سکتا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ پیچھے کی طرف آنکھیں نہیں ہیں۔ اسی طرح ہے اور ہونا چاہئے میں بہت فرق ہے۔ غرضیکہ عقل سے بالکل خدا تعالیٰ کا وجود ثابت نہیں ہو سکتا۔

عقل کی حیثیت

عرب صاحب نے کہا کہ اسلام کا کوئی مسئلہ عقل کے خلاف نہیں؟

حضرت اقدس نے فرمایا :۔

یہ سچ ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ عقل بالکل نکمی شئے ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے روٹی کے ساتھ سالن کی۔ اس کے سہارے انسان کھانا خوب کھا لیتا ہے۔ ایسے ہی عقل ہے کہ اس سے (ذرا معرفت خدا) میں مزا آجاتا ہے ورنہ یوں (خالی) عقل اس میدان میں بڑی نکمی ہے۔ خدا کی معرفت دوسرے حواس سے ہے کہ اس میں یہ عقل کوئی کام نہیں کرتی۔ نہ تسلی دیتی ہے ایک

ناکارہ ہتھیار کی طرح ہے۔

عرب صاحب نے سوال کیا کہ ہم تو مان لیں مگر دوسرے آدمی کو کیسے سمجھائیں کہ اور حواس ہیں؟ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔

غیر کو ہم یہ جواب دیں گے کہ جو لوگ ایسی بات کے اہل ہیں ان کی صحبت میں رہو۔ پھر پتہ لگے گا کہ ان حواس کے علاوہ اور حواس بھی انسان کے اندر ہیں۔ خدا کی معرفت کا ان سے پتہ لگتا ہے اور بھی امور ہیں جن پر انسان ایمان لاتا ہے [1] مثلاً روح۔ ملائک۔ اب عقل ان کے متعلق کیا بتلا سکتی ہے۔ روح کے بقا اور ملائکہ کے متعلق کیا دلیل لاؤ گے۔ کوئی شئے ظاہری طور پر ثابت شدہ تو ہے نہیں۔ آپ ہی بتلادیں کہ خدا، روح، ملائک ان تین میں عقل نے کیا فیصلہ کیا ہے جو کچھ کیا ہے سب اٹکل ہے۔ اصل بات کوئی نہیں اگر کہو کہ علت العلل کے سلسلہ سے خدا کی معرفت تامہ ہوتی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے کیونکہ علت اور معلول کے سلسلہ کو تو دہریہ بھی مانتے ہیں۔ مگر پھر خدا کو نہیں مانتے۔ فلسفہ میں جو ذرا کچے رہتے ہیں وہ خدا کا نام لیتے ہیں ورنہ پکا فلسفی ضرور دہریہ ہوتا ہے۔

حکیم نورالدین صاحب نے اس مقام پر حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجوسی لوگ اس دور تسلسل کو چرخہ اور زنجیر کہتے ہیں اور انہیں سے یہ مسئلہ لیا گیا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :۔

ہم تو کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے وجود جیسا اور کوئی وجود روشن ہی نہیں ہے۔ اس مقام پر حکیم

---

[1] الحکم میں اس جگہ حواس کا مضمون یوں درج ہے

یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان حواس کے ذریعہ ہم ان باتوں کو محسوس کرلیں جن کے لئے دوسرے حواس ہیں۔ کیا کان آنکھ کا کام دے سکتے ہیں یا زبان کانوں کا کام دے سکتی ہے پھر کس قدر غلطی ہے کہ اس امر پر زور دیا جائے۔ خدا شناسی کے لئے حواس اور ہیں اور ان کے ذریعہ ہی ان امور پر جو ان محسوسات سے ماوراء ہیں ایمان پیدا ہوتا ہے عقل مند ان چیزوں پر جیسے ملائک ہیں، خدا ہے، روح کا بقا ہے۔ ان پر عقلی دلائل تلاش نہیں کرتا بلکہ اس راہ سے ایمان لاتا ہے جو اس کے لئے مقرر ہے۔ فلاسفر صرف اٹکل بازی سے کام لیتے ہیں وہ قطعی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ ہاں انکار کر دیتے ہیں۔ (الحکم جلد ۶ نمبر ۴۶ صفحہ ۱۲ مورخہ ۲۴ دسمبر ۱۹۰۲ء)

نورالدین صاحب نے عرض کی کہ ایک دہریہ کا یہ مقولہ ہے کہ خدا کی ایک ہستی ضرور ہے مگر اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گلاب کا پھول ہوتا ہے اور ایک اس کی جڑھ ہوتی ہے جس سے وہ پھول نکلا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا تو مثل جڑھ کے ہے اور ہم پھول ہیں مگر پھول جڑھ سے زیادہ عمدہ اور مفید ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم خدا سے افضل اور برتر ہیں دن بدن ترقی کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

اگر انکار ہو سکتا ہے تو مخلوق کے وجود کا ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ کی ذات کا تصرف ہر آن اس کے ہر ذرہ ذرہ پر اس قدر ہے کہ گویا اس کی ہستی کچھ شئے ہی نہیں اور بلا اس کے تصرف کے ہم نہ کچھ بول سکتے ہیں نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ جو طالب حق ہے وہ ہماری صحبت میں رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ایسی ہی ذات ہے جن صفات سے قرآن شریف میں لکھا ہے۔ ان صفات سے ہم اسے ثابت کر کے دکھا دیں گے۔ بڑی نادانی کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کی بات کو وہ دوسرے عالم کے حواس سے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک حواس دوسرے حواس کا کام نہیں لے سکتے مثلاً آنکھ ناک کا اور کان آنکھ کا کام نہیں دے سکتے۔ جب خارج میں یہ حالت ہے تو باطن میں وہ کیا کہہ سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انسان کو ایک اور حواس ملتے ہیں۔ تب یہ اللہ تعالیٰ کو شناخت کر سکتا ہے۔ بجز اس کے ہرگز نہیں کر سکتا۔ ایک دہریہ سے یہ سوال ہے کہ قبل از وقت طاقت اور اقتدار سے بھری ہوئی پیشگوئیاں جو ہم کرتے ہیں یہ کہاں سے ہوتی ہیں؟

اگر کہو یہ کوئی علم ہی ہے تو اس علم کے ذریعہ وہ بھی کر سکتا ہے کر کے دکھائے۔ ورنہ ماننا پڑے گا کہ ایک زبردست طاقت ہے جو الہام کر رہی ہے یہ پیشگوئیاں جو غیوبیت کے رنگ اور طاقت اور اقتدار کے ساتھ ہوتی ہیں۔ ان سے بڑھ کر اور کوئی نشان (خدا پر ایمان لانے کے واسطے) نہیں ہے نہ آسمان نہ زمین اور نہ کوئی اور شیئے۔ ان پر نظر کر کے جو نتیجہ نکالیں گے اور جو بات پیش کریں گے وہ ظنی ہوگی۔ یہی ایک بات (پیشگوئی والی) یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

لیکھرام کو قتل کروانے کے الزام کا جواب

عرب صاحب نے ذکر کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ لیکھرام کو خود اپنے کسی جماعت کے آدمی کے ذریعہ سے مروا ڈالا ہے۔ اس پر فرمایا کہ :۔

ہمارے ساتھ ہزارہا جماعت ہے اگر ان میں سے کسی کو کہوں کہ تم جا کر مار آؤ۔ تو یہ میری

پیروی اور بیعت کا سلسلہ کب چل سکتا ہے؟ یہ تو جب ہی چل سکتا ہے کہ صفائی ہو اور پیروؤں کو معلوم ہو کہ پاک باطنی کی تعلیم دی جاتی ہے اور جب ہم خود ہی قتل کے منصوبے لوگوں کو سمجھائیں تو یہ کاروبار کیسے چل سکتا ہے؟ اب یہ اس قدر گروہ ہے کوئی ان میں سے بولے کہ ہم نے کس کو اور کب کہا تھا کہ جا کر اس کو مار ڈالے۔

یہ سلسلہ منہاجِ نبوّت پر چل رہا ہے

پھر عقل کے شیدائیوں کی نسبت فرمایا کہ :-

جس طور سے ہم سمجھتے ہیں اور منہاج نبوت پر یہ سلسلہ چل رہا ہے اس کے بغ
آسکتی- یہ لوگ خواہ دہریہ ہوں یا نہ ہوں مگر بے بہرہ ضرور ہیں- پاک زندگی' استقامت' توکل پورے طور پر نصیب نہیں ہوتا اور بڑے دنیادار ہوتے ہیں-

یتیم پوتے کا مسئلہ

عرب صاحب نے سوال کیا کہ ایک شخص نے مجھ پر اعتراض کیا تھا کہ شریعت اسلام میں پوتے کے واسطے کوئی حصہ وصیت میں نہیں ہے- ایک شخص کا پوتا اگر یتیم ہے تو جب یہ شخص مرتا ہے تو اس کے دوسرے بیٹے حصہ لیتے ہیں اور اگرچہ وہ یتیم بھی اس کے بیٹے کی اولاد ہے مگر وہ محروم رہتا ہے-

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

دادے کو اختیار ہے کہ وصیت کے وقت اپنے پوتے کو کچھ دیدے بلکہ جو چاہے دیدے اور باپ کے بعد وارث بیٹے قرار دیئے گئے ہیں کہ تا ترتیب بھی قائم رہے اور اگر اس طرح نہ رکھا جاتا تو پھر ترتیب ہرگز قائم نہ رہتی کیونکہ پھر لازم آتا ہے کہ پوتے کا بیٹا بھی وارث ہو جاوے اور پھر آگے اس کے اولاد ہو تو وہ وارث ہو- اس صورت میں دادے کا کیا گناہ ہے- یہ خدا کا قانون ہے اور اس سے حرج نہیں ہوا کرتا ورنہ اس طرح تو ہم سب آدم کی اولاد ہیں اور جس قدر سلاطین ہیں وہ بھی آدم کی اولاد ہیں تو ہم کو چاہئے کہ سب کی سلطنتوں سے حصہ بٹانے کی درخواست کریں- چونکہ بیٹے کی نسبت سے آگے پوتے میں جا کر کمزوری ہو جاتی ہے اور آخر ایک حد پر آکر تو برائے نام رہ جاتا ہے- خدا تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اس طرح کمزوری نسل میں اور ناطہ میں ہو جاتی ہے اس لئے یہ قانون رکھا ہے- ہاں ایسے سلوک اور رحم کی خاطر خدا تعالیٰ نے ایک اور قانون رکھا ہے جیسے قرآن شریف میں ہے وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى

وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (النساء : ۹) (یعنی جب ایسی تقسیم کے وقت بعض خویش و اقارب موجود ہوں اور یتیم اور مساکین تو انکو کچھ دیا کرو) تو وہ پوتا جس کا باپ مرگیا ہے وہ یتیم ہونے کے لحاظ سے زیادہ مستحق اس رحم کا ہے اور یتیم میں اور لوگ بھی شامل ہیں (جن کا کوئی حصہ مقرر نہیں کیا گیا) خدا تعالیٰ نے کسی کا حق ضائع نہیں کیا مگر جیسے جیسے رشتہ میں کمزوری بڑھتی جاتی ہے حق کم ہوتا جاتا ہے[1]

---

۲۳ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز سہ شنبہ

ایک رؤیا

نماز فجر سے پیشتر حضرت اقدس نے رؤیا سنائی :۔

میں کسی اور جگہ ہوں اور قادیان کی طرف آنا چاہتا ہوں ایک دو آدمی ساتھ ہیں۔ کسی نے کہا۔ راستہ بند ہے ایک بڑا بحر زخار چل رہا ہے۔ میں نے دیکھا تو واقعی کوئی دریا نہیں بلکہ ایک بڑا سمندر ہے اور پیچیدہ ہو ہو کر چل رہا ہے جیسے سانپ چلا کرتا ہے۔ ہم واپس چلے آئے کہ ابھی راستہ نہیں اور یہ راہ بڑا خوفناک ہے۔

چین میں عربی کتب بھیجنے کے متعلق گفتگو

ظہر سے پیشتر حضرت اقدس نے مجلس فرمائی اور فرمایا کہ:۔

چین میں اہل اسلام عربی زبان سے واقف ہیں کہ نہیں اور وہاں عربی کتب روانہ کرنے کے متعلق حضرت اقدس ابو سعید عرب صاحب سے گفتگو کرتے رہے پھر اشاعت کے متعلق حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

صحابہ کرامؓ نے کیا کیا کام کئے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے مومنوں کی جانیں خرید لیں اور اب اس وقت اللہ تعالیٰ نے بہت سی مشکلات کو دور کردیا ہے۔

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۲؍ جنوری ۱۹۰۳ء

ایک الہام

اس کے بعد فرمایا کہ:۔
رات کو الہام ہوا ہے:۔
اِنَّهٗ كَرِيْمٌ تَمَشّٰى اَمَامَكَ وَعَادٰى مَنْ عَادٰى
یعنی وہ کریم ہے وہ تیرے آگے آگے چلتا ہے۔ جس نے تیری عداوت کی (گویا) اس کی عداوت کی۔

قرآنی ترتیب کا ایک بھیّر

فرمایا :
کل جو الہام ہوا تھا يَاْتِيْ عَلَيْكَ زَمَنٌ كَمِثْلِ زَمَنِ مُوْسٰى یہ اسی الہام کے آگے معلوم ہوتا ہے جہاں ایک الہام کا قافیہ جب دوسرے الہام سے ملتا ہے خواہ وہ الہامات ایک دوسرے سے دس دن کے فاصلہ سے ہوں مگر میں سمجھتا ہوں کہ ان دونوں کا کوئی تعلق آپس میں ضرور ہے یہاں بھی موسیٰ اور عادیٰ کا قافیہ ملتا ہے اور پھر توریت میں بھی اس قسم کا مضمون ہے کہ خدا نے موسیٰ کو کہا کہ تو چل میں تیرے آگے چلتا ہوں۔

رسُول کی قومی زبان میں الہام

بعض لوگ جہالت سے اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے کہ ہر ایک قوم کی زبان میں الہام ہونا چاہئے جیسے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (ابراہیم : ۵) مگر تم کو عربی میں ہی کیوں ہوتے ہیں؟
تو ایک تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا سے پوچھو کہ کیوں ہوتے ہیں اور اس کا اصل سر یہ ہے کہ صرف تعلق جتلانے کی غرض سے عربی میں الہامات ہوتے ہیں کیونکہ ہم تابع ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو کہ عربی تھے۔ ہمارا کاروبار سب ظلّی ہے اور خدا کے لئے ہے۔ پھر اگر اسی زبان میں الہام نہ ہو تو تعلق نہیں رہتا۔ اس لئے خدا تعالیٰ عظمت دینے کے واسطے عربی میں الہام کرتا ہے اور اپنے دین کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے جس بات کو ہم ذوق کہتے ہیں اسی پر وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ اصل متبوع کی زبان کو نہیں چھوڑتا۔ اور جس حال میں یہ سب کچھ اسی

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کی خاطر ہے اور اسی کی تائید ہے تو پھر اس سے قطع تعلق کیوں کر ہو۔ اور بعض وقت انگریزی' اردو' فارسی میں بھی الہام ہوتے ہیں تا کہ خدا تعالیٰ جتلا دیوے کہ وہ ہر ایک زبان سے واقف ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فارسی زبان میں الہام

اسی طرح ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض ہوا تھا کہ کسی اور زبان میں الہام کیوں نہیں ہوتا تو آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے فارسی زبان میں الہام کیا "ایں مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم" آخر کار خدا کی رحمت کاروبار کرے گی اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے یہود نے کہا تھا کہ پیغمبر آخر زمان بنی اسرائیل میں سے ہونا چاہئے تھا اور جس قدر نبی آئے ہیں سب کے بارے میں اسی طرح شبہات پڑتے رہے ہیں۔ عیسیٰؑ کے وقت یہود کو کس قدر شبہات آئے۔ پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وقت میں بھی پڑے کہ بنی اسرائیل میں سے کیوں نہ آیا۔ یہ عادت اللہ ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور ہی مخفی رکھا جاتا ہے کہ ایمان بالغیب کی حقیقت رہے ورنہ پھر ایمان پر ثواب کیا مرتب ہو۔

حَکَم کا کام

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حکم ہو گا جس کے یہ معنے ہیں کہ سچی بات پیش کرے گا اور رطب و یابس کو اٹھا دے گا اور احادیث تو ذخیرہ ظنوں کا ہے شیعہ' وہابی' سنی وغیرہ جو تہتر فرقے اہل اسلام کے ہیں۔ سب احادیث کو ہی پیش کرتے ہیں اور حکم کا کام ہے۔ وہ ان میں تحقیق کرے اور جو سچی بات ہو اسے قبول کرے ورنہ پھر ہر ایک فرقہ کا حق ہے کہ اسے مجبور کرے کہ میری مان۔ اور اسے کہا جا سکتا ہے کہ جب ایک کی پیش کردہ احادیث کو تم بلا اعترض مان لیتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے فرقوں کی حدیثوں کو بھی ویسے ہی نہ مانا جائے۔ پھر اس صورت میں وہ آنے والا حکم کیا رہا۔ حکم کا لفظ بتلا رہا ہے کہ ایسے وقت میں کچھ لیا جاتا ہے اور کچھ چھوڑا جاتا ہے۔

موزوں پر مسح

موزوں پر مسح کا ذکر ہوا تو حضرت اقدس نے فرمایا کہ:۔

سوتی موزوں پر بھی مسح جائز ہے اور آپ نے اپنے پائے مبارک کو دکھلایا جس میں سوتی موزے تھے کہ میں ان پر مسح کر لیا کرتا ہوں۔

اس زمانہ میں آخر دُعاؤں کے ساتھ مقابلہ ہوگا

ہمارے پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب تیرہ سال تک تلوار نہ اٹھائی تو مہدی کو کیسے حق پہنچتا ہے کہ جس حالت میں تیرہ سو سال سے لوگ دین سے ناواقف ہوگئے ہیں آتے ہی ان پر تلوار اٹھالیوے اور اس سے اسے کیا فائدہ ہوگا؟ اگر امام مہدی نے لڑائی کے لئے آنا تھا تو اللہ تعالیٰ اپنی سنت قدیمہ کے موافق پہلے مسلمانوں کی قوم کو جنگ آزمائی سے آگاہ کر دیتا اور ان کی طبائع کا میلان جنگ کی طرف ہوتا اور ایسے اسباب ہوتے کہ مسلمان جنگ میں مشاق ہوتے مگر اہل اسلام کی موجودہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنگ سے کوئی انس نہیں اور جس قدر آج کل مہدی کے نام سے مدعی ہو کر یورپ کی اقوام سے جنگ کر چکے ہیں۔ ان تمام نے شکستیں کھائی ہیں ان تمام باتوں اور اسباب سے معلوم ہوتا ہے کہ ارادہ الٰہی جنگ سے ہرگز نہیں ہے۔ یقین رکھو کہ جسمانی تلواروں کے ساتھ ان کا مقابلہ کوئی نہ کرسکے گا۔ خود مسلم کی حدیث میں ہے کہ اس زمانہ میں آخر دعاؤں کے ساتھ مقابلہ ہوگا۔ جن کو نہ یہ روک سکتے ہیں اور نہ مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اور یہی دعائیں ہوں گی کہ جن سے مخالفوں میں روحانی تبدیلی ہو جائے گی۔

یاجوج ماجوج کے لمبے کانوں سے مُراد

یاجوج ماجوج کے ذکر پر فرمایا کہ:۔

ان کے لمبے کانوں سے مراد جاسوسی کی مشق ہے جیسے اس زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ تار کا سلسلہ اور اخبار وغیرہ سب اسی میں ہیں۔

موجودہ علامات سے عقلمند جانتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کا ارادہ جنگ کا ہوتا تو مسلمانوں کو نبرد آزمائی کے سامان میسر آتے اور ان میں قوت اور برکت بڑھتی مگر اہل اسلام تو دن بدن تنزل پر ہیں اور ان کی یہ حالت ہے کہ اگر ان کو سامان جنگ کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ یورپ کی سلطنتوں سے منگواتے ہیں اور خود نہیں تیار کر سکتے۔[1]

۲۴؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

دُنیا اور آخرت کی حسنات

عشاء کی نماز سے قبل جب حضرت اقدس نے مجلس فرمائی تو سید ابو سعید صاحب عرب نے

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۲؍ جنوری ۱۹۰۳ء

حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کی کہ دعا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرۃ:۲۰۲) کے کیا معنے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے۔
حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

انسان اپنے نفس کی خوشحالی کے واسطے دو چیزوں کا محتاج ہے۔ ایک دنیا کی مختصر زندگی اور اس میں جو کچھ مصائب' شدائد' ابتلا وغیرہ پیش آتے ہیں۔ ان سے امن میں رہے۔ دوسرے فسق وفجور اور روحانی بیماریاں جو اسے خدا سے دور کرتی ہیں ان سے نجات پاوے تو دنیا کا حسنہ یہ ہے کہ کیا جسمانی اور کیا روحانی دونو طور پر یہ ہر ایک بلا اور گندی زندگی اور ذلت سے محفوظ رہے۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا۔ ایک ناخن میں ہی درد ہو تو زندگی بیزار ہو جاتی ہے میری زبان کے نیچے ذرا درد ہے اس سے سخت تکلیف ہے اسی طرح جب انسان کی زندگی خراب ہوتی ہے جیسے بازاری عورتوں کا گروہ کہ ان کی زندگی کیسی ظلمت سے بھری ہوئی اور بہائم کی طرح ہے کہ خدا اور آخرت کی کوئی خبر نہیں تو دنیا کا حسنہ یہی ہے کہ خدا ہر ایک پہلو سے خواہ وہ دنیا کا ہو خواہ آخرت کا ہر ایک بلا سے محفوظ رکھے اور فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً میں جو آخرت کا پہلو ہے وہ بھی دنیا کے حسنہ کا ثمرہ ہے۔ اگر دنیا کا حسنہ انسان کو مل جاوے تو وہ فال نیک آخرت کے واسطے ہے یہ غلط ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کا حسنہ کیا مانگنا ہے آخرت کی بھلائی ہی مانگو۔ صحت جسمانی وغیرہ ایسے امور ہیں جن سے انسان کو آرام ملتا ہے اور اس کے ذریعہ سے وہ آخرت کے لئے کچھ کر سکتا ہے اور اس لئے ہی دنیا کو آخرت کی مزرعہ کہتے ہیں کہ در حقیقت جسے خدا دنیا میں صحت' عزت' اولاد اور عافیت دیوے اور عمدہ عمدہ اعمال صالحہ اس کے ہوں تو امید ہوتی ہے کہ آخرت بھی اس کی اچھی ہوگی۔

کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِهٖ (بنی اسرائیل : ۸۵) بات بہت عمدہ ہے کہ انسان نیکی اور پاکیزگی کی طرف جھک جاوے۔ دنیا میں مختلف فطرتیں ہوتی ہیں جس حد تک ایک سعید پہنچ جاتا ہے۔ اس حد تک ہر ایک انسان نہیں پہنچتا۔ بعض کھوپریاں ایسی ساخت کی ہوتی ہیں کہ اس کھوپری والے انسان سمجھ ہی نہیں سکتے۔ ایک نیک ہوتا ہے وہ بدوں کی مجلس میں جا بیٹھے تو اسے کچھ حظ نہیں آتا۔ اسی طرح ایک بد نیکوں کی محفل سے کوئی حظ حاصل نہیں کرتا۔ گویا ایک سمندر درمیان میں حائل ہے۔ کہ نہ ادھر کا آدمی ادھر جا سکتا ہے اور نہ ادھر کا ادھر آسکتا ہے۔ ایک ہماری جماعت ہے کہ جو کہیں مان لیتی ہے اور ہر طرح تیار ہیں اور خوب سمجھے ہوئے ہیں اور ایک وہ ہیں کہ جب تک ہمیں دجال کافر وغیرہ نہ کہہ لیں اور گالیاں نہ دے لیں ان کو صبر نہیں

آتا۔ کیا ان کی آنکھیں نہیں یا کان نہیں یا دماغ نہیں۔ سب کچھ ہے مگر کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ۔[1]

---

۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز پنجشنبہ

ایک الہام

ظہر کے وقت جب حضرت اقدس تشریف لائے تو فرمایا کہ :-

رات کے وقت الہام ہوا ہے

اِنِّیْ صَادِقٌ صَادِقٌ وَسَیَشْھَدُ اللّٰہُ لِیْ

یعنی میں صادق ہوں صادق ہوں عنقریب اللہ میری شہادت دے گا۔

خبر نہیں کہ کس امر کے متعلق ہے۔ یہ مقدمہ جو اس وقت جہلم میں ہوا ہے یہ تو ایک چھوٹی سی اور شخصی بات ہے اصل مقدمہ ہمارا تو وہ ہے جو کروڑہا آدمیوں کے ساتھ ہے اور جو قیامت تک نفع پہنچانے والا ہے۔

نماز مغرب کے بعد بیرون جات سے تشریف لائے ہوئے احباب نے حضور سے نیاز حاصل کیا۔طاعون کا حال نووارد احباب سے حضور دریافت فرماتے رہے۔

اَلِلّوَاء کے اعتراض کا فصیح و بلیغ جواب

مصر کے اخبار اَلِلّوَاء کے اعتراض پر حضور نے عربی میں جو رسالہ تحریر فرمایا ہے اس کی فصاحت پر مولوی عبدالکریم اور مولوی نورالدین صاحبان کلام کرتے رہے کہ انشاء اللہ بہت ہی سعید روحیں عرب میں ہوں گی جو اسے دیکھ کر عاشق زار ہو جائیں گی۔ حکیم صاحب بیان کرتے تھے کہ میں حیران ہو ہو جاتا تھا اور جی چاہتا تھا کہ سجدہ کروں پھر حیران ہوتا کہ کون کون سے لفظ پر سجدہ کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ :-

ہمارا مطلب یہی ہے کہ چونکہ ہر وقت موقعہ نہیں ہوتا اکثر کام اردو زبان میں ہوتا ہے اس لئے دو ہزار چھپوا لیا جاوے جہاں کہیں عرب میں بھیجنے کی ضرورت ہوئی بھیج دیا۔ مخالفت میں بھی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۲ر جنوری ۱۹۰۳ء

ہمارے لئے برکت ہوتی ہے اور جو لکھتا ہے ہماری خیر کے لئے لکھتا ہے ورنہ پھر تحریک کیسے ہو۔

عیسائیت اختیار کرنے والے مسلمان

لوگوں کے عیسائی ہونے کے ذکر پر فرمایا کہ :-

اصل سچی بات یہی ہے کہ بجز ان لوگوں کے جن کی فطرت میں خدا تعالیٰ نے سعادت رکھی ہے اور وہ احقاقِ حق چاہتے ہیں باقی سب اکل و شرب کے واسطے عیسائی ہوتے ہیں اور اسلام سے ان کو کوئی مناسبت نہیں رہتی۔

اسلام میں تقویٰ، طہارت، پاکیزگی، صوم و صلوٰۃ وغیرہ سب بجا لانا پڑتا ہے وہ لوگ اسے بجا نہیں لا سکتے حقیقت اسلام کی طرف نظر کی جاوے تو جن کی فطرت میں عیاشی بھری ہوئی ہے ان کو لے کر (یعنی مسلمان کر کے) ہم کیا کریں۔ جہاں کہیں ان کی نفسانی اغراض پوری ہوں گی وہ وہاں ہی رہیں گے ان کو مذہب اسلام سے کیا کام۔ جب ان کی اغراض میں فرق آئے پھر وہاں سے چلے جائیں گے۔ ایسے لوگ بہت ہیں مگر ان کے لانے سے کیا فائدہ؟ اس شخص کو لانا چاہئے جسے اول پہچانا جائے کہ اس کے اندر اسلام کو قبول کرنے کا مادہ موجود ہے تزکیہ نفس اور تقویٰ اختیار کر سکے گا اور ذرا سے ابتلا سے گھبرا نہ جائے گا تو ایسا شخص اگر مشرف باسلام ہووے تو اس سے فائدہ ہوا کرتا ہے۔ میری طبیعت بیزار ہوتی ہے خواہ کوئی ہندو میرے پاس آوے یا عیسائی۔ مگر دنیا کے گند سے بھرا ہوا ہو کہ جب ذکر کرتا ہے تو دنیا کا اور جو خیال ہے دنیا کا۔ تو ایسے آدمی کو مسلمان کر کے کیا کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ایسا ہی تھا۔ جو لوگ متقی نہ رہے آخر وہ کافر ہو گئے۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ تقویٰ میں ترقی کرے۔[1][2]

---

[1] الحکم میں ۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء کی ڈائری کا آخری حصہ ذرا مفصل الفاظ میں یوں ہے :-

ہمارے کام کے تو وہ لوگ ہو سکتے ہیں جو اسلامی احکام کی پابندیوں کا بوجھ اٹھا سکیں اور تقویٰ و طہارت سے تزکیہ نفس کریں۔ اس لئے بہت بھرتی بھرنے کی کوئی ضرورت نہیں پس کوئی ایسا شخص خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی ہمارے پاس آتا ہے اور اس کی خواہشوں میں گند بھرا ہوا ہے کہ جب ذکر کرتا ہے دنیا کا اور نفسانی اغراض کا وہ ہمارے مطلب کا کیسے ہو سکتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی اکرام متقی ہی کا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

[2] البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۲؍ جنوری ۱۹۰۳ء

۲۶؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز جمعہ

سفر کریں تو دین کی نیّت سے کریں

عصر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو احباب میں سے ایک نے خواجہ کمال الدین صاحب کی وساطت سے سوال کیا کہ دربار دہلی میں شامل ہونے کا بہت شوق ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہو آؤں۔ میں تو دل کو بہت روکتا ہوں مگر پھر بھی خیال غالب رہتا ہے کہ ہو آؤں۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

ہو آویں کیا حرج ہے۔ ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جنید بغدادی علیہ الرحمتہ کو ایک دفعہ خیال آیا کہ سفر کو جانا چاہیئے پھر سوچا کس واسطے جاؤں تو سمجھ میں نہ آیا کہ کس ارادہ اور نیت سے جانا چاہتے ہیں اس لئے پھر ارادہ ترک کیا حتیٰ کہ سفر کا خیال غالب آیا اور آپ جب اسے مغلوب نہ کر سکے تو اس کو ایک تحریک الٰہی خیال کر کے نکل پڑے اور ایک طرف کو چلے۔ آگے جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص بے دست و پا پڑا ہے۔ اس نے ان کو دیکھتے ہی کہا کہ اے جنید! میں کتنی دیر سے تیرا منتظر ہوں تو دیر لگا کر کیوں آیا۔ تب آپ نے کہا کہ اصل میں تیری ہی کشش تھی جو مجھے بار بار مجبور کرتی تھی تو اسی طرح ہر ایک امر میں ایک کشش قضا و قدر میں مقدر ہوتی ہے وہ پوری نہ ہو تو آرام نہیں آتا۔ آپ سفر کریں تو دین کی نیت سے کریں دنیا کی نیت سے جو سفر ہوتا ہے وہ گناہ ہوتا ہے اور انسان تب ہی درست ہوتا ہے کہ ہر ایک بات میں کچھ نہ کچھ اس کا رجوع دین کا ہو۔ ہر ایک مجلس میں اس نیت سے جاوے کہ کچھ پہلو دین کا حاصل ہو۔ حدیث شریف میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے مکان بنوایا۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ آپ وہاں تشریف لے چلیں تو آپ کے قدموں سے برکت ہو۔ جب وہاں حضرت گئے تو آپ نے ایک دریچہ دیکھا پوچھا کہ یہ کیوں رکھا ہے اس نے عرض کی کہ ہوا ٹھنڈی آتی

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و مکرم وہی ہے جو متقی ہے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے نزدیک جو مکرم ہے وہی ہمارے نزدیک مکرم ہو سکتا ہے اور وہ متقی ہوتا ہے اس کے سوا منافق۔ ہم اپنی جماعت کے لئے یہی چاہتے ہیں کہ وہ تقویٰ میں ترقی کرے اور اگر باہر سے کوئی آوے تو وہ ایسا ہونا چاہیئے جو متقی بننا چاہتا ہو ورنہ بدنام کرنے والا نہ ہو۔ (الحکم جلد ۷ نمبر ا صفحہ ۱۰ مورخہ ۱۰؍ جنوری ۱۹۰۳ء)

رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو یہ نیت کرلیتا کہ اذان کی آواز سنائی دے تو ہوا بھی ٹھنڈی آتی رہتی اور ثواب بھی ملتا۔

سفر سے پہلے استخارہ اور اس کا طریق

پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:-

آپ استخارہ کرلیں۔ استخارہ اہل اسلام میں بجائے مہورت کے ہے چونکہ ہندو شرک وغیرہ کے مرتکب ہو کر شگن وغیرہ کرتے ہیں اس لئے اہل اسلام نے ان کو منع کر کے استخارہ رکھا۔ اس کا طریق یہ ہے کہ انسان دو نفل پڑھے۔ اول رکعت میں سورۃ قُلْ يَآاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (الکافرون : ۲ تا ۷) پڑھ لے اور دوسری میں قُلْ هُوَاللّٰهُ (سورۃ الاخلاص : ۲ تا ۵) التحیات میں یہ دعا کرے۔

"یا الٰہی میں تیرے علم کے ذریعہ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت سے قدرت مانگتا ہوں کیونکہ تجھی کو سب قدرت ہے مجھے کوئی قدرت نہیں اور تجھے ہی سب علم ہے مجھے کوئی علم نہیں اور تو ہی چھپی باتوں کا جاننے والا ہے الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے حق میں بہتر ہے بلحاظ دین اور دنیا کے تو تو اسے میرے لئے مقدر کردے اور آسان کردے اور اس میں برکت دے اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ امر میرے لئے دین اور دنیا میں شر ہے تو تو مجھ کو اس سے باز رکھ"۔

اور اگر وہ امر اس کے لئے بہتر ہو گا تو خدا تعالیٰ اس کے لئے اس کے دل کو کھول دے گا ورنہ طبیعت میں قبض ہو جائے گی۔ یہ دل بھی عجیب شئے ہے جیسے ہاتھوں پر انسان کا تصرف ہوتا ہے کہ جب چاہے حرکت دے۔ دل اس طرح اختیار میں نہیں ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا تصرف ہے۔ ایک وقت میں ایک بات کی خواہش کرتا ہے پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے نہیں چاہتا۔ ہوائیں اندر سے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے چلتی ہیں[1]

ایک حق جُو پنڈت سے مکالمہ

دو تین روز سے لاہور کے ایک معزز اور قدیمی رئیس خاندان کے ایک پنڈت صاحب دارالامان میں تشریف لائے ہوئے تھے حضرت اقدس کی زیارت اور آپ سے استفادہ ان کا منشاء تھا۔ ۲۶ دسمبر کی شام کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ان کا جو مکالمہ ہوا اسے ہم ذیل میں درج

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۳ء

کرتے ہیں (ایڈیٹر)

گناہ سوز فطرت کیونکر پیدا ہو

حضرت اقدسؑ۔ آپ نے کون کونسی کتاب دیکھی ہے؟
پنڈت صاحب۔ مثنوی مولانا روم صاحب اپنشد اور کئی مذہبی فقراء کی کتابیں مگر انسان کا اپنے نفس پر قابو پانا مشکل ہے یہ بالضرور انسان کو گناہ کی طرف لے جاتا ہے۔
حضرت اقدسؑ۔ اصل بات یہ ہے کہ جس طرح طبیب کے پاس کوئی بیمار جاتا ہے تو اس وقت تک وہ اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ جب تک وہ یہ تشخیص نہ کرلے کہ مرض کا اصل سبب کیا ہے اور جب وہ مرض کا اصل سبب معلوم کرلیتا ہے تو پھر وہ اس کا علاج تجویز کرتا ہے۔ لیکن جب تک پورے پورے طور پر مرض کی تشخیص نہیں ہولیتی تو وہ عمدہ طور پر اس کا علاج نہیں سوچ سکتا۔ ٹھیک یہی حال گناہ کا ہے کیونکہ گناہ ایک روحانی بیماری ہے جب تک اس کی ماہیت معلوم نہیں ہوتی۔ اس وقت تک انسان گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ انسان گناہ کی طرف کیوں جھکتا ہے اور یہ گناہ کا خیال پیدا ہی کیوں ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اس وقت تک انسان گناہ کرتا ہے جب تک وہ خدا سے بے خبر رہتا ہے بھلا کیا کوئی شخص جو چوری کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ گھر کا مالک جاگتا ہو اور روشنی بھی ہو یا اس وقت کرتا ہے؟ جبکہ گھر کا مالک سویا ہوا ہو اور ایسا اندھیرا ہو کہ کچھ دکھائی نہ دیتا ہو؟ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس وقت چوری کرتا ہے جب وہ یقین کرتا ہے کہ مالک بے خبر ہے اور روشنی نہیں ہے۔ اسی طرح پر ایک شخص جو گناہ کرتا ہے وہ اس وقت کرتا ہے جبکہ خدا سے بے خبر ہو جاتا ہے اور اس کو اس پر کچھ یقین نہیں ہوتا نہ اس وقت جبکہ اس کو یقین ہو کہ خدا ہے۔ اور وہ اس کے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کو سزا دے سکتا ہے اور یہ علم ہو کہ اگر میں کوئی کام اس کی خلاف مرضی کروں گا تو وہ اسکی سزا دے گا۔ جب یہ علم اور یقین خدا کی نسبت ہو تو پھر گناہ کی طرف میل اور توجہ نہیں ہو سکتی۔ جب انسان یہ یقین رکھتا ہے کہ میں ہمیشہ اس کے ماتحت ہوں اور وہ میری بد اعمالیوں کی سزا دے سکتا ہے اور میرے اعمال کو دیکھتا ہے پھر جرات نہیں کر سکتا۔ جیسے ایک بھیڑ کو بھیڑیئے کے سامنے باندھ دیا جاوے تو کسی دوسرے کے کھیت کی طرف جانا درکنار اس کے سامنے کتنا ہی گھاس کھانے کے لئے ڈالا جاوے تو وہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گی کیونکہ ایک خوف جان اس پر غلبہ کئے ہوئے ہے۔ پس جبکہ خوف ایک وحشی جانور تک اپنا اتنا اثر کر سکتا ہے کہ وہ کھانا تک چھوڑ دیتا ہے تو پھر انسان جب اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے اسی

طرح سمجھے۔ اور یقین کرے کہ وہ دیکھتا ہے اور گناہ پر سزا دیتا ہے تو اس یقین کے بعد گناہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ یقین رکھتا ہے کہ وہ صاعقہ کی طرح اس پر گرے گا اور تباہ کر دے گا۔

پس یہ خوف جو خدا تعالیٰ کو بزرگ و برتر اور قدرت والا ماننے سے پیدا ہوتا ہے اس کو گناہ سے بچائے گا اور یہ سچا ایمان پیدا کرے گا۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

گناہِ کبیرہ وصغیرہ

ایک گناہ کبیرہ کہلاتے ہیں جیسے چوری کرنا' زنا' ڈاکہ' وغیرہ موٹے موٹے گناہ کہلاتے ہیں دوسرے صغیرہ جو بلحاظ بشریت کے انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں باوجودیکہ انسان اپنے آپ میں بڑا ہی بچتا اور محتاط رہتا ہے مگر بشریت کے تقاضے سے بعض ناسزا امور اس سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جو دوسری قسم کے گناہ ہیں۔ اسی طرح پر گناہ کے دور ہونے کے بھی دو ذریعے ہیں۔ اول وہ ذریعہ ہے کہ بہت سے گناہ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غلبہ خوف کے سبب سے دور ہو جاتے ہیں یعنی استیلاء خوف الٰہی ایک بھی ایسی شئے ہے جو گناہوں کو دور کرتی ہے اور ان سے بچاتی ہے۔ یہ ذریعہ ایسا ہے جیسے پولیس کے خوف سے انسان قانون کی خلاف ورزی سے بچتا ہے۔ پھر دوسرا ذریعہ گناہوں سے بچنے کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر اطلاع پانے کے بعد اس کی محبت بڑھتی ہے اور پھر اس محبت سے گناہ دور ہوتے ہیں۔ ان دونوں ذریعوں سے بھی گناہ دور ہوتے ہیں۔

ایک اور قسم کے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ گناہ ان سے سرزد نہ ہو مگر وہ کچھ ایسے غفلت میں پڑ جاتے ہیں اور بھول جاتے ہیں کہ گناہ ہو ہی جاتے ہیں لیکن یہ امر انسان کی فطرت اور رگ و ریشہ میں رچا ہوا ہے کہ وہ شدت خوف سے بچتا ہے جیسے میں نے کہا کہ شیر کے سامنے اگر بکری کو باندھ دیں تو گھاس نہیں کھا سکتی یا حاکم کے سامنے کوئی انسان اکڑ کر کھڑا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ اس کے سامنے نہایت عاجزی اور احتیاط سے خاموش کھڑا ہو گا۔ یہ احتیاط اور عجز اور خوف اور حاکم کے رعب اور حکومت کا نتیجہ ہے لیکن یہی نتیجہ محبت سے بھی پیدا ہوتا ہے جب ایک شخص اپنے محسن کے سامنے جاتا ہے تو وہ اس کے احسان کو یاد کر کے خود بخود نرم اور محتاط ہو جاتا ہے اور ایک حیا اس کی آنکھوں میں پیدا ہوتا ہے۔ محسن کے ساتھ محبت بڑھتی ہے جیسے کوئی شخص کسی کا قرضہ ادا کر دے تو وہ اس سے کس قدر محبت کرتا ہے پھر اس محبت کے تقاضے سے وہ اس کی خلاف ورزی اور خلاف مرضی کرنا نہیں چاہتا یہ فرمانبرداری اور اطاعت محبت ذاتی سے پیدا ہوتی ہے اسی طرح پر انسان کو اگر خدا تعالیٰ کے احسانات کا علم ہو جو اس پر اس نے کئے ہیں تو وہ اس کی محبت ذاتی کی وجہ سے گناہوں سے بچے گا اور پھر کوئی تحریک اس طرف نہیں لے جا سکتی اس کی

ایسی ہی مثال ہے کہ جیسے کوئی بادشاہ کسی ماں کو حکم دیوے اگر تم اس بچے کو دکھ دو گی اور دودھ نہ دو گی یہاں تک کہ اگر وہ بچہ مر بھی جاوے تو تم کو کوئی سزا نہ ملے گی بلکہ ہم انعام دیں گے تو وہ ہرگز ہرگز اس کی تعمیل نہ کرے گی اور ایسا کرنا پسند نہیں کرے گی۔ اس لئے کہ اس کی فطرت میں بچہ کے ساتھ محبت کا ایک جوش ہے اور یہ جوش محبت ذاتی کا جوش ہے پس انسان جب خدا تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کی محبت کرنے لگتا ہے تو پھر اس سے جو نیکیاں صادر ہوتی ہیں اور وہ گناہوں سے بچتا ہے تو وہ کسی طمع یا خوف سے نہیں بلکہ اسی محبت ذاتی کے تقاضے سے۔

محبت ذاتی کا یہ نشان ہے کہ اگر محبت ذاتی والے کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس کے اعمال کی پاداش میں اس کو بجائے بہشت کے دوزخ ملے گا یا اسے معلوم ہو کہ ان پر کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو گا اور بہشت دوزخ کوئی چیز ہی نہیں جس کے خوف یا جس کی طمع کے لئے وہ احکام کی بجا آوری کرے تب بھی اس کی محبت میں کوئی فرق نہ آئے گا کیونکہ یہ خوف اور رجاء کے پہلوؤں کو دور کر کے فطرت کا رنگ پیدا کرتی ہے محبت ذاتی کا یہ خاصہ ہے کہ جب انسان کے اندر نشوونما پاتی ہے تو ایک آگ پیدا کر دیتی ہے جو اندر کی نجاستوں کو جلا کر صاف کرتی ہے یہ آگ ان نجاستوں کو جلاتی ہے جن کو بیم و رجاء جلا نہ سکتے تھے پس یہ مقام انسان کے لئے تکمیل کا مقام ہے اور اس جگہ تک اسے پہنچنا ضروری ہے۔

پنڈت صاحب۔ میں خدا کا منکر نہیں ہوں اور نہ اس کا بندہ ہونے کا منکر۔

حضرت اقدس۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر ایمان دو قسم کا ہے ایک وہ ایمان ہے جو صرف زبان تک محدود ہے اور اس کا اثر افعال اور اعمال پر کچھ نہیں۔ دوسری قسم ایمان باللہ کی یہ ہے کہ عملی شہادتیں اس کے ساتھ ہوں پس جب تک یہ دوسری قسم کا ایمان پیدا نہ ہو۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایک آدمی خدا کو مانتا ہے یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ایک شخص خدا تعالیٰ کو مانتا بھی ہو اور پھر گناہ بھی کرتا ہو۔ دنیا کا بہت بڑا حصہ پہلی قسم کے ماننے والوں کا ہے میں جانتا ہوں کہ وہ لوگ اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں مگر یہ دیکھتا ہوں کہ اس اقرار کے ساتھ ہی وہ دنیا کی نجاستوں میں مبتلا اور گناہ کی کدورتوں سے آلودہ ہیں پھر وہ کیا بات ہے کہ وہ خاصہ جو ایمان باللہ کا ہے اس کو حاضر ناظر مان کر پیدا نہیں ہوتا؟ دیکھو! انسان ایک ادنیٰ درجہ کے چوہڑے چمار کو حاضر ناظر دیکھ کر اس کی چیز نہیں اٹھاتا پھر اس خدا کی مخالفت اور اسکے احکام کی خلاف ورزی میں دلیری اور جرأت کیوں کرتا ہے جس کی بابت کہتا ہے مجھے اس کا اقرار ہے میں اس بات کو مانتا ہوں کہ دنیا کے اکثر لوگ ہیں جو اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم خدا کو مانتے ہیں کوئی پرمیشر کہتا ہے

کوئی گاڈ کہتا ہے کوئی اور نام رکھتا ہے۔ مگر جب عملی پہلو سے ان کے اس ایمان اور اقرار کا امتحان لیا جاوے اور دیکھا جاوے تو کہنا پڑے گا کہ وہ نرا دعویٰ ہے جس کے ساتھ عملی شہادت کوئی نہیں۔

انسان کی فطرت میں یہ امر واقعہ ہے کہ وہ جس چیز پر یقین لاتا ہے اس کے نقصانات سے بچنے اور اس کے منافع کو لینا چاہتا ہے دیکھو سنکھیا ایک زہر ہے اور انسان جبکہ اس بات کا علم رکھتا ہے کہ اس کی ایک رتی بھی ہلاک کرنے کو کافی ہے تو کبھی وہ اس کو کھانے کے لئے دلیری نہیں کرتا اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کا کھانا ہلاک ہونا ہے پھر کیوں وہ خدا تعالیٰ کو مان کر ان نتائج کو پیدا نہیں کرتا جو ایمان باللہ کے ہیں۔ اگر سنکھیا کے برابر بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو تو اس کے جذبات اور جوشوں پر موت وارد ہو جاوے مگر نہیں۔ یہ کہنا پڑے گا کہ نرا قول ہی قول ہے ایمان کو یقین کا رنگ نہیں دیا گیا ہے یہ اپنے نفس کو دھوکا دیتا ہے اور دھوکا کھاتا ہے جو کہتا ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں۔

پس پہلا فرض انسان کا یہ ہے کہ وہ اپنے اس ایمان کو درست کرے جو وہ اللہ پر رکھتا ہے یعنی اس کو اپنے اعمال سے ثابت کر دکھائے کہ کوئی فعل ایسا اس سے سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کے احکام کے خلاف ہو۔

یہ دھوکا جو انسان کو لگتا ہے کہ وہ خدا کو مانتا ہے باوجودیکہ عملی شہادت اس ایمان کے ساتھ نہیں ہوتی در حقیقت یہ بھی ایک قسم کی مرض ہے جو خطرناک ہے مرض دو قسم کی ہوتی ہے ایک مرض مختلف ہوتی ہے یہ وہ ہوتی ہے جس کا درد محسوس ہوتا ہے جیسے سر درد یا درد گردہ وغیرہ۔ دوسری قسم کی مرض مرض مستوی کہلاتی ہے اس مرض کا درد محسوس نہیں ہوتا اور اس لئے مریض ایک طرح اس کے علاج سے تساہل اور غفلت کرتا ہے جیسے برص کا داغ ہوتا ہے بظاہر کوئی درد یا دکھ محسوس نہیں ہوتا لیکن آخر کو یہ خطرناک نتائج پیدا کرتا ہے پس خدا پر ایسا ایمان جو عملی شہادتیں ساتھ نہیں رکھتا ہے ایک قسم کی مرض مستوی ہے۔ صرف رسم و عادت کے طور پر مانتا ہے یا یہ کہ باپ دادا سے سنا تھا کہ کوئی خدا ہے اس لئے مانتا ہے اپنی ذات پر محسوس کر کے کب اس نے اللہ کا اقرار کیا؟ یہ اقرار جس دن اس رنگ میں پیدا ہوتا ہے ساتھ ہی گناہوں کے میل کچیل کو جلا کر صاف کر دیتا ہے اور اس کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں جب تک آثار ظاہر نہ ہوں' ماننا نہ ماننا برابر ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یقین نہیں ہوتا اور یقین کے بغیر ثمرات ظاہر نہیں ہو سکتے دیکھو جن خطرات کا انسان کو یقین ہوتا ہے ان کے نزدیک ہرگز نہیں جاتا مثلاً یہ خطرہ ہو کہ گھر

کا شہتیر ٹوٹا ہوا ہے تو وہ کبھی بھی اس کے نیچے جانے اور رہنے کی دلیری نہ کرے گا یا یہ معلوم ہو کہ فلاں مقام پر سانپ رہتا ہے اور وہ رات کو پھرا بھی کرتا ہے تو کبھی یہ رات کو اٹھ کر وہاں نہ جائے گا کیونکہ اسکے نتائج کا قطعی اور یقینی علم رکھتا ہے پس اگر خدا کو مان کر ایک پیسہ کے سنکھیا جتنا بھی اثر اور یقین نہیں ہوتا تو سمجھ لو کہ کچھ بھی نہیں مانتا اور اصل یہ ہے کہ ساری خرابی کی جڑھ گیان کی کوتاہی ہے۔

پنڈت صاحب۔ میرا اصل منشاء تو یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر تو ایمان ہے مگر پھر بھی گناہ ہوتے ہیں۔

حضرت اقدس۔ آپ کیوں کہتے ہیں کہ ایمان ہے۔ ایمان تو انسان کے نفسانی جذبات کو مردہ کر دیتا ہے اور گناہ کی قوتوں کو سلب کر دیتا ہے۔ آپ کو یہ سوال کرنا چاہئے کہ گناہ سے بچنے کا کیا علاج ہے میں یہ کبھی نہیں مان سکتا کہ ایمان بھی ہو اور گناہ بھی ہو۔ ایمان روشنی ہے اس کے سامنے گناہ کی ظلمت رہ نہیں سکتی بھلا یہ کبھی ہو سکتا ہے کہ دن بھی چڑھا ہوا ہو اور رات کی تاریکی بھی بدستور موجود ہو یہ نہیں ہو سکتا پس اصل سوال یہ رہ جاتا ہے کہ گناہ سے کیونکر بچیں اس کا علاج وہی ہے جو میں نے بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سچا ایمان پیدا ہو۔

پنڈت صاحب۔ بے شک میرا یہ کہنا کہ میں خدا کو مانتا ہوں اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے

حضرت اقدس۔ پس یہی اصل بات ہے جب تک عملی شہادتیں ساتھ نہ ہوں یہ نفس کا دھوکا ہے جو کہتا ہے کہ مانتا ہوں سچا ایمان گناہ کو باقی نہیں رہنے دیتا اور سچا ایمان کیونکر پیدا ہوتا ہے۔ آپ یاد رکھیں جو مریض طبیب کے پاس جاتا ہے تو طبیب اس کی مرض کو تشخیص کر کے ایک علاج بتا دیتا ہے اس کا فرض ہے کہ بیمار کو متنبہ کر دے علاج کرنا نہ کرنا مریض کا اپنا اختیار ہے وہ یہ بتا دے گا کہ داغ لگانے کی جگہ ہے تو داغ دو یا جونک لگاؤ وغیرہ یعنی جو علاج ہو وہ بتا دے گا اسی طرح پر ہم اصل علاج بتا دیتے ہیں کرنا نہ کرنا ہر شخص کے اپنے اختیار میں ہے۔

پس اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ ان آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور نہ ان حواس سے ہم اس کو محسوس کر سکتے ہیں کیونکہ اگر وہ ان محسوسات میں سے ہوتا جن کے لئے یہ حواس ہیں تو بے شک وہ نظر آجاتا یا محسوس ہو سکتا مگر ان حواس میں سے کوئی حس اس کے لئے بکار نہیں۔ اس کی شناخت کے خاص وسائل ہیں اور اور حواس ہیں گو حکیموں برہموؤں اور فلاسفروں نے بجائے خود ٹکریں ماری ہیں لیکن وہ سب غلطیوں میں مبتلا ہیں اور وہ ایمان جو انسان کی زندگی میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دیتا ہے ان کو نصیب نہیں ہوا جب خود ان کی یہ حالت ہے تو وہ دوسروں کے لئے ہادی اور رہنما کیونکر ہو سکتے ہیں جو خود مشکلات میں مبتلا ہیں اور جن کو خود سکینت

اور اطمینان نہ ہو وہ اوروں کے لئے کیا اطمینان کا موجب ہوں گے اس سلسلہ کی راہ کے چراغ دراصل انبیاء علیہ السلام ہیں۔ پس جو شخص چاہتا ہے کہ وہ نور ایمان حاصل کرے اس کا فرض ہے کہ اس راہ کی تلاش کرے اور اس پر چلے بدوں اس کے ممکن نہیں کہ معرفت اور سچا گیان مل سکے جو گناہ سے بچاتا ہے اور ہر ایک شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس شئے کا اتباع اس وقت حقیقی ایمان اور گیان پیدا کر دیتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جب انسان سچائی پر قدم مارنے لگتا ہے تو اس کو مشکلات اور ابتلا پیش آتے ہیں برادری اور قوم کا ڈر اسے دھمکاتا ہے لیکن اگر وہ فی الحقیقت سچائی سے پیار کرتا ہے اور اس کی قدر کرتا ہے تو وہ ان ابتلاؤں سے نکل جاتا ہے ورنہ ابتلا اس کا نفاق ظاہر کر دیتا ہے۔ مومن کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ دیوانہ بنے کسی ننگ و عار کی سچائی کے لئے پروانہ کرے جب تک وہ ان قیود کا پابند ہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔

از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمان تست
دل چو دادی یوسفے را راہ کنعاں را گزیں[1]

---

۲۷ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز شنبہ

دربارِ دہلی کے موقعہ پر میموریل کی اشاعت

ظہر کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے نے عرض کی کہ دربار دہلی پر جو میموریل روانہ کرنا ہے وہ طبع ہو کر آگیا ہے حضور نے حکم دیا کہ

اسے کثرت سے تقسیم کیا جائے کیونکہ اس سے ہماری جماعت کی عام شہرت ہوتی ہے اور ہمارے اصولوں کی واقفیت اعلیٰ حکام کو ہوتی ہے اور اس کی اشاعت ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ایک پادری کی تصنیف

عصر کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو آپ کو خبر دی گئی کہ ایک پادری صاحب بنام گرسفورڈ نے ایک کتاب اپنے زعم میں آپ کے دعویٰ کی تردید میں لکھی ہے اس کا نام رکھا ہے "میرزا غلام احمد قادیان کا مسیح اور مہدی" مگر حضور کے دعویٰ اور دلائل کو خوب مفصل بیان کیا ہے اور اس کی اشاعت امریکہ میں بہت کی گئی ہے اس پر ذکر ہوتا رہا کہ اللہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۲ تا ۶ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء

تعالیٰ نے ایک اشاعت کا ذریعہ بنایا ہے اس کی وہی مثال ہے کہ ۔

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

پھر تو ہم کو بھی ضرور لکھنا چاہئے جب انہوں نے بطور ہدیہ کے کتاب ہمیں بھیجی تو ہمیں بھی ہدیہ بھیجنا چاہئے یہ خدا تعالیٰ کے کام ہیں۔ مخالفوں کی توجہ سے بہت کام بنتا ہے میں نے آزمایا ہے کہ جہاں مخالف ٹھوکر کھاتا ہے وہاں ہی ایک بڑی حکمت کی بات ہوتی ہے۔

جو بات سمجھ نہ آئے دریافت کر لینی چاہیئے

حسب دستور حضرت اقدس قبل از نماز عشاء تشریف لائے ایک خادم کی نسبت ایک شخص کو غلط فہمی ہوئی تھی کہ اس نے نعوذ باللہ حضرت کے کسی فعل پر اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا جب اس بیچارے کو خبر ہوئی تو اس نے مولانا عبد الکریم صاحب کی خدمت میں آکر اصل واقعہ بتلایا اور عرض کی' راوی کو غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ میرا ایمان ہے کہ حضور کا ہر فعل' فعل الٰہی ہے جس پر اعتراض کرنا سخت درجہ کا کفر اور ضلالت ہے مولانا مولوی عبد الکریم صاحب نے اٹھ کر اصل واقعہ حضرت اقدس کی خدمت میں گذارش کیا اور خود اس خادم نے بھی عرض کی جس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

اوائل میں جماعت میں ایسی بات ہوا کرتی ہے اسی طرح جب پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں تشریف لائے تھے تو آپؐ نے کچھ زمین ایک صحابی سے خریدنی چاہی تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے لڑکوں کے لئے رکھی ہے حالانکہ سب کچھ تو آپؐ کے ہاتھ پر فروخت کر چکا ہوا تھا آخر وہی اصحاب تھے کہ جنہوں نے سب دینی ضرورتوں کو مقدم رکھا اور اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔ ہماری جماعت کو چاہئے کہ ہمیشہ خیال رکھے کہ بعض امور تو سمجھ میں آسکتے ہیں اور بعض نہیں آسکتے تو جو سمجھ میں نہ آیا کریں ان کو پس پشت نہ کیا جاوے وہ دریافت کر لینے چاہئیں۔ نیکی اسی کا نام ہے ورنہ حبطِ اعمال ہو جاتا ہے یہ ہمارا معاملہ اور کاروبار سب خدا کا ہے ہمارے نفس کو اس میں دخل نہیں ہم نے اس خطا کو بخشا اور معاف کیا۔[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء

۲۸؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز یکشنبہ

ہرایک ہلاکت کی راہ سے پرہیز کیا جائے

ظہر کے وقت مولوی عبدالکریم صاحب نے ایک احمدی بھائی کی طرف حضرت اقدس کو توجہ دلائی کہ جن کے دانت میں کرکٹ کھیلنے سے ضرب آگئی تھی اور نیچے کا لب بالکل پھٹ گیا تھا حضرت اقدس نے فرمایا

تعجب ہے کہ دیدہ دانستہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا جاتا ہے اس جگہ کی یہ تعلیم نہیں ہے کہ ہر ایک قسم کے شر اور بدعت میں اپنے آپ کو ڈالا جائے بلکہ یہ ہے کہ ہر ایک ہلاکت کی راہ سے پرہیز کیا جائے۔ لیاقت علمی اور شئے ہے۔ کیا اگر انسان کو کوئی کھیل نہ آتی ہو تو اس کی لیاقت میں فرق آجاوے گا جن لوگوں کی یہ کھیل ایجاد ہے وہ تو مست ہیں ان کو تلفِ جان کی پروا نہیں مگر ہمیں تو پروا ہے۔

تعبیر رؤیا میں ناموں کا بڑا دخل ہے

مغرب وعشاء کے درمیان چند ایک احباب نے اپنی اپنی رؤیا سنائیں ناموں کی نسبت آپ نے فرمایا کہ

خوابوں میں ناموں کے الفاظ پر بڑا دارومدار ہوتا ہے تفاؤل کے واسطے ہمیشہ نام کے معانی کی طرف غور کرنا چاہیئے۔ لمبا سلسلہ نہ دیکھے نام کو دیکھ لے۔

خواب میں دشمن سے بھاگنے کی تعبیر

خواب میں دشمن سے بھاگنا۔ اس پر فرمایا کہ

اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ دشمن پر فتح ہوگی۔ اس کی نظیر میں معبوں نے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو پیش کیا ہے کہ موسیٰ فرعون سے بھاگے وہ دشمن تھا انجام کار آپ ہی فرعون پر غالب آئے [1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹؍ جنوری ۱۹۰۳ء

غیر معمولی ملاقات

قبل دوپہر حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور بعض احباب کو شرف قدم بوسی حاصل ہوا جناب ابو سعید عرب صاحب نے اپنے بعض احباب کا تذکرہ کیا کہ اور گونہ افسوس ظاہر کیا کہ ان کو سلسلہ کی آگاہی اور اطلاع نہیں۔ حضرت حجۃ اللہ نے اس تحریک پر ایک مختصر سی تقریر فرمائی ہم بعد میں پہنچے تھے تاہم ابھی سلسلہ تقریر کا شروع ہی ہوا تھا ہم نے ایسی طرز پر اس کو قلمبند کیا ہے کہ یہ سلسلہ ناتمام نظر نہ آئے گا انشاء اللہ العزیز۔ (ایڈیٹر الحکم)

دُنیا دارالحجاب ہے

فرمایا :-

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو دارالحجب رکھا ہے کچھ چھپایا ہے کچھ ظاہر کیا ہے اس نے دنیا میں اپنے نبی اور رسول بھیجے مگر اپنا منہ چھپایا اس نے کتابیں اور شریعتیں نازل کیں مگر کسی نے ان کتابوں کو اترتے ہوئے نہیں دیکھا نبیوں کی معرفت پیشگوئیاں کیں بعض ان میں سے پوری ہو گئیں اور کچھ باقی رہ گئیں وہ لوگ جن کی نظر دنیا کی سطح سے اوپر نہیں جاتی انہوں نے ان باتوں کو دیکھ کر اعتراض کیا اور کہہ دیا کہ فلاں بات پوری نہیں ہوئی مگر انہیں اللہ تعالیٰ کی اس سنت پر اطلاع نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیوں کیا؟ کہ تا ایمان داروں اور جلد بازوں میں امتیاز ہو ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے کہ اسے جو کچھ قیامت کو کرنا ہے وہ اسی دنیا میں کر کے دکھا سکتا ہے۔ کیونکہ وہ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرة : ۲۸۵) ہے مگر پھر ایمان ایمان نہ رہتا اور نہ اس کے ثمرات میسر ہوتے جو لوگ ایمان کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اور اس کو سمجھ نہیں سکتے وہ ایسے اعتراض کرتے ہیں۔ ایمان کی حقیقت کچھ نہ کچھ مخفی رہنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے۔ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود : ۱۰۶) دونو فریق اسی سے بنتے ہیں سعید جلد بازی نہیں کرتے بلکہ حسن ظن اور صبر سے کام لے کر ایمان لاتے ہیں اور جو شقی ہوتے ہیں وہ جلد بازی سے کام لے کر اعتراض کرتے ہیں جو لوگ منہاج نبوت کو نہیں چھوڑتے وہ ٹھوکر نہیں کھاتے اور کوئی ایسا اعتراض نہیں کرتے۔ میں دعوٰی سے کہتا ہوں کہ مجھ پر کوئی ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا جو پہلوں پر نہ ہوا ہو۔ جو کوئی مجھ پر اعتراض کرے گا وہ دین سے خارج ہو کر اعتراض کرے گا۔

عرب صاحب نے حضرت حجتہ اللہ کے جذب کا تذکرہ کیا اور کہا کہ میں ۱۸۹۴ء میں لاہور آیا۔ جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے مجھے ایک کتاب آپ کی تصدیق میں اور ایک مولوی نے آپ کی تردید میں دی مگر میں نے دونو وہیں کسی کو دے دیں اور پروا نہ کی۔ مجھے کہا گیا کہ قادیان آؤں مگر میں نہ آیا اور اب خدا کی شان ہے کہ وہ اس قدر فاصلہ (رنگون) سے مجھے لایا اور اس قدر خرچ کثیر کر کے مجھے آنا پڑا۔

معرفتِ الٰہی سے نماز میں ذوق پیدا ہوتا ہے

عربؔ صاحب نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھتا ہوں مگر دل نہیں ہوتا۔

فرمایا :-

جب خدا کو پہچان لوگے تو پھر نماز ہی نماز میں رہو گے۔ دیکھو یہ بات انسان کی فطرت میں ہے کہ خواہ کوئی ادنیٰ سی بات ہو جب اس کو پسند آجاتی ہے تو پھر دل خواہ نخواہ اس کی طرف کھنچا جاتا ہے اسی طرح پر جب انسان اللہ تعالیٰ کو شناخت کر لیتا ہے اور اسکے حسن و احسان کو پسند کرتا ہے تو دل بے اختیار ہو کر اسی کی طرف دوڑتا ہے اور بے ذوقی سے ایک ذوق پیدا ہو جاتا ہے اصل نماز وہی ہے جس میں خدا کو دیکھتا ہے اس زندگی کا مزا اسی دن آسکتا ہے جبکہ سب ذوق اور شوق سے بڑھ کر جو خوشی کے سامانوں میں مل سکتا ہے تمام لذت اور ذوق دعا ہی میں محسوس ہو۔ یاد رکھو کوئی آدمی کسی موت و حیات کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا خواہ رات کو موت آجاوے یا دن کو۔ جو لوگ دنیا سے ایسا دل لگاتے ہیں کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں وہ اس دنیا سے نامراد جاتے ہیں وہاں ان کے لئے خزانہ نہیں ہے جس سے وہ لذت اور خوشی حاصل کر سکیں۔

جہنّم و جنّت کی حقیقت

انسان جس لذت کا خوگرفتہ اور عادی ہو جب وہ اس سے چھڑائی جائے تو وہ ایک دکھ اور درد محسوس کرتا ہے اور یہی جہنم ہے پس جبکہ ساری لذتیں دنیا کی چیزوں میں محسوس کرنے والا ہو تو ایک دن یہ ساری لذتیں تو چھوٹنی پڑیں گی پھر وہ سیدھا جہنم میں جاوے گا۔ لیکن جس شخص کی ساری خوشیاں اور لذتیں خدا میں ہیں اس کو کوئی دکھ اور تکلیف محسوس نہیں ہو سکتی وہ اس دنیا کو چھوڑتا ہے تو سیدھا بہشت میں ہوتا ہے۔

دل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں

اصل بات یہ ہے کہ دل اللہ کے اختیار میں ہے وہ جس وقت چاہتا ہے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے اور اس کو سمجھ آجاتی ہے کہ سچا سرور اور خوشحالی اس میں ہے کہ خدا کو پہچانا جائے دیکھو میں اس وقت یہ بات تو کر رہا ہوں مگر میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ دلوں تک اس کو پہنچا بھی دوں یہ خدا ہی کا کام ہے جو دلوں کو زندہ کرتا ہے اور بیدار کرتا ہے۔ باقی تمام جوارح آنکھ' ہاتھ' وغیرہ ایسے ہیں جو انسان کے اختیار میں ہیں۔ مگر دل اس کے اختیار میں نہیں ہے اس وقت تک اپنے آپ کو مسلمان نہیں سمجھنا چاہئے جب تک دل مسلمان نہ ہو جاوے جب تک وہ لہو ولعب سے لذت حاصل کرتا ہے اس کے مسلمان ہونے کا وہی وقت ہے جب وہ دنیوی حیثیت سے دل برداشتہ ہو گیا ہے اور دنیا کی لذتیں اور خوشیاں ایک تلخی کا رنگ دکھائی دیتی ہیں جب یہ حالت ہو تو پھر انسان اپنے آپ کو مشاہدہ کرتا ہے کہ میں وہ نہیں رہا ہوں۔ بلکہ اور ہو گیا ہوں پھر دل میں ایک کشش پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لذت حاصل کرتا ہے اور ایسی محبت اسے نماز سے ہو جاتی ہے جیسے کسی اپنے عزیز کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے یہ ہے اصل جڑھ ایمان کی۔ مگر یہ انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہے ہم اس بات کا نمونہ نہیں بتا سکتے اور نہ الفاظ میں اس کو سمجھا سکتے ہیں کیونکہ الفاظ حقیقت کے قائم مقام نہیں ہوتے اس لئے جو یہ حالت آتی ہے تو پھر انسان اپنی گذشتہ زندگی پر حسرت و افسوس کرتا ہے کہ وہ یونہی ضائع ہو گئی کیوں پہلے ایسی حالت مجھ پر نہ آئی۔

نماز کی حقیقت

نماز کیا چیز ہے۔ نماز دراصل رب العزۃ سے دعا ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ عافیت اور خوشی کا سامان مل سکتا ہے جب خدا تعالیٰ اس پر اپنا فضل کرے گا اس وقت اسے حقیقی سرور اور راحت ملے گی اس وقت سے اس کو نمازوں میں لذت اور ذوق آنے لگے گا جس طرح لذیذ غذاؤں کے کھانے سے مزا آتا ہے اسی طرح پھر گریہ وبکا کی لذت آئے گی اور یہ حالت جو نماز کی ہے پیدا ہو جائے گی اس سے پہلے جیسے کڑوی دوا کو کھاتا ہے تاکہ صحت حاصل ہو اسی طرح بے ذوقی نماز کو پڑھنا اور دعائیں مانگنا ضروری ہیں اس بے ذوقی کی حالت میں یہ فرض کر کے کہ اس سے لذت اور ذوق پیدا ہو یہ دعا کرے

نماز میں لذّت و ذوق حاصل کرنے کی دُعا

کہ اے اللہ تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں کیسا اندھا اور نابینا ہوں اور میں اس وقت بالکل مردہ حالت میں ہوں میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے آواز آئے گی تو میں تیری طرف آجاؤں گا اس وقت مجھے کوئی روک نہ سکے گا لیکن میرا دل اندھا اور ناشناسا ہے تو ایسا شعلہ نور اس پر نازل کر کہ تیرا انس اور شوق اس میں پیدا ہو جائے تو ایسا فضل کر کہ میں نابینا نہ اٹھوں اور اندھوں میں نہ جا ملوں۔

جب اس قسم کی دعا مانگے گا اور اس پر دوام اختیار کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ ایک وقت اس پر ایسا آئے گا کہ اس بے ذوقی کی نماز میں ایک چیز آسمان سے اس پر گرے گی جو رقت پیدا کر دے گی۔

خدا تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کا مفہوم

عرب صاحب نے عرض کیا کہ خدا آسمان پر ہے فرمایا

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (طٰہٰ : ۹) اس نے اپنے آپ کو علو ہی سے منسوب کیا ہے پستی کی طرف اس کو منسوب نہیں کر سکتے سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى (الانعام : ۱۰۱) علو کو ہم مشاہدہ کرتے ہیں اور کشفی صورتوں میں آسمان سے نور نازل ہوتا ہوا دیکھا ہے ہم اس کی کنہ اور کیفیت نہ بیان کر سکیں مگر یہ سچی بات ہے کہ اس کو علو ہی سے تعلق ہے بعض امور آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور بعض نہیں۔ ہر صورت میں فلسفہ کام نہیں آتا پس اصل بات یہی ہے کہ ایک وقت ایسی حالت انسان پر آتی ہے کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ آسمان سے اس کے دل پر کچھ گرا ہے جو اسے رقیق کر دیتا ہے اس وقت نیکی کا بیج اس میں بویا جائے گا۔[1]

۲۹؍دسمبر ۱۹۰۲ء بروز دوشنبہ

مغرب اور عشاء کے درمیان حضور تشریف لائے تو آکر فرمایا

روزے ایک یا دو اب رہ گئے ہیں بڑی آسانی سے گذر گئے۔

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱۱ مورخہ ۱۰؍جنوری ۱۹۰۳ء

بوقتِ ضرورت جمع صلوٰتین

ایک صاحب نے ذکر کیا کہ ان کا افسر سخت مزاج تھا روانگی نماز میں اکثر چیں بجبیں ہوا کرتا تھا حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

خدا تعالیٰ نے شرارتوں کے وقت جمع صلوٰتین رکھا ہے ظہر و عصر نمازیں ایسی حالت میں جمع کر کے پڑھ لیں۔

پنجابیوں کے ساتھ انگریزوں کا حُسن ظن

بعض انگریز حکام کی قدر شناسی پر فرمایا کہ

زمانہ بدل گیا ہے اور پنجابیوں کے ساتھ انگریزوں کی ساری قوم کا حسن ظن ہے اور بعض ایسے انگریز ہوتے ہیں کہ ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ ماتحت کو فائدہ پہنچاویں تاکہ وہ ان کو یاد رکھے۔

مصر میں تبلیغ

ایک احمدی حج کو جاتے ہوئے کچھ عرصہ مصر میں مقیم رہے اور ابھی تک وہیں ہیں اور حضرت اقدس کی کتب کی اشاعت کر رہے ہیں انہوں نے لکھا تھا کہ اگر حکم ہو تو میں اس سال حج ملتوی رکھوں اور مجھے اور کتب ارسال ہوں تو ان کی اشاعت کروں۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ان کو لکھ دیا جاوے کہ کتابیں روانہ ہوں گی ان کی اشاعت کے لئے مصر میں قیام کریں اور حج انشاء اللہ پھر اگلے سال کریں (مَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ)

رُوحانی سَیر کی طرف متوجّہ ہوں

ابو سعید صاحب عرب کو کمال شوق دلی کے جلسہ کا تھا کہ وہاں کی رونق دیکھیں چنانچہ انہوں نے اجازت بھی چاہی تھی اور حضرت اقدس نے اجازت دے بھی دی تھی مگر یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ دعائے استخارہ کر لو چنانچہ دعا سے پھر ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ عرب صاحب دلی جانے سے رک گئے اور اب بھی یہاں ہی ہیں

حضرت اقدس نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا

فرمایئے اب دلی جانے کا خیال ہے یا نہیں؟

عرب صاحب نے جواب میں عرض کیا کہ حضور اب تو بالکل جانے کو دل نہیں چاہتا۔
حضور نے فرمایا کہ

اب دوسری سیروں کو چھوڑ کر روحانی سیروں کی طرف متوجہ ہوجاویں یہ آپ کی سعادت کی علامت ہے کہ اتنی دور سے اس جلسہ کے واسطے آئے اور یہاں ٹھہر گئے اور اس قدر مقابلہ نفس کا کیا۔ ہر ایک کو طاقت نہیں ہوتی کہ جذب نفس کے ساتھ کشتی کرے۔ آپ نے جن کو وہاں جاکر دیکھنا تھا ان کی صورتیں انسانوں کی ہی ہوں گی مگر دل کا کیا پتہ کہ وہ بھی انسانوں کے ہوں گے یا نہیں لوگ باوجود اسکے کہ ابتلاؤں میں مبتلا ہیں مگر تکبر ان کے دماغ سے نہیں گیا ہم سے تمسخر وغیرہ اسی طرح ہے اور دلی والے پنجابیوں کو تو بیل کہتے ہیں (جس کے معنے پنجابی میں ڈھگا ہے) ان کے خیالوں میں صرف دنیا کی زندگی ہے مگر جو لوگ بہروپیوں کے رنگ میں بولتے ہیں ان کو پاک عقل نہیں ملتی[1]

۳۱؍ دسمبر ۱۹۰۲ء بروز چہارشنبہ

مغرب اور عشاء کے درمیان حضور علیہ السلام نے مجلس فرمائی۔

نمازِ جمعہ کیلئے تین آدمی ہونا ضروری ہیں

ایک صاحب نے بذریعہ خط استفسار فرمایا تھا کہ وہ صرف اکیلے ہی اس مقام پر حضرت اقدس سے بیعت ہیں جمعہ تنہا پڑھ لیا کریں یا نہ پڑھا کریں حضرت نے فرمایا کہ

جمعہ کے لئے جماعت کا ہونا ضروری ہے اگر دو آدمی مقتدی اور تیسرا امام اپنی جماعت کے ہوں تو نماز جمعہ پڑھ لیا کریں وَاِلَّا نہ (سوائے احمدی احباب کے دوسرے کے ساتھ جماعت اور جمعہ جائز نہیں)

شہرت پسندی سے اجتناب

ایک صاحب نے عرض کی حضور نے جہلم تاریخ مقدمہ پر جانا ہے اگر اجازت ہو تو اشتہار

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۰ مورخہ ۹؍ جنوری ۱۹۰۳ء

دیدیا جائے تاکہ ہر ایک اسٹیشن پر لوگ زیارت کے لئے آجائیں فرمایا کہ

جو ہمیں ملنے والے ہیں وہ تو اکثر آتے جاتے رہتے ہیں اور جو لوگ جماعت میں داخل نہیں ہیں ان کے لئے سر درد خریدنے سے کیا فائدہ؟ میری طبیعت کے یہ امر بر خلاف ہے اگر وہ اہل ہوتے تو خود یہاں آتے اب اس طرح ان سے ملاقات تو وقت کا ضائع کرنا ہے۔

خَلق اور خُلق

ایک نو وارد صاحب نے عرض کی کہ حضرت خلق کے کیا معنے ہیں

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

خَلق اور خُلق دو لفظ ہیں خَلق تو ظاہری حسن پر بولا جاتا ہے اور خُلق باطنی حسن پر بولا جاتا ہے باطنی قویٰ جس قدر مثل عقل، فہم، سخاوت، شجاعت، غضب وغیرہ انسان کو دیئے گئے ہیں ان سب کا نام خُلق ہے اور عوام الناس میں آج کل جسے خلق کہا جاتا ہے جیسے ایک شخص کے ساتھ تکلف کے ساتھ پیش آنا اور تصنع سے اس کے ساتھ ظاہری طور پر بڑی شیریں الفاظی سے پیش آنا تو اس کا نام خلق نہیں بلکہ نفاق ہے۔

خُلق سے مراد یہ ہے کہ اندرونی قویٰ کو اپنے اپنے مناسب مقام پر استعمال کیا جائے جہاں شجاعت دکھانے کا موقعہ ہو وہاں شجاعت دکھاوے جہاں صبر دکھانا ہے وہاں صبر دکھائے۔ جہاں انتقام چاہیئے وہاں انتقام لے۔ جہاں سخاوت چاہئے وہاں سخاوت کرے۔ یعنی ہر ایک محل پر ہر ایک قویٰ کو استعمال کرے نہ گھٹایا جائے نہ بڑھایا جائے۔ یہاں تک کہ عقل اور غضب بھی جہاں تک کہ اس سے نیکی پر استقامت کی جاوے خُلق ہی میں داخل ہے اور صرف ظاہری حواس کا نام ہی حواس نہیں ہے بلکہ انسان کے اندر بھی ایک قسم کے حواس ہوتے ہیں ظاہری حواس تو حیوانوں میں بھی ہوتے ہیں مثلاً اگر ایک بکری گھاس کھا رہی ہے اور دوسری بکری آجائے تو پہلی بکری کے اندر یہ ارادہ پیدا نہ ہو گا کہ اسے بھی ہمدردی سے گھاس کھانے میں شریک کرے۔ اسی طرح شیر میں اگرچہ زور اور طاقت تو ہوتی ہے مگر ہم اسے شجاع نہیں کہہ سکتے کیونکہ شجاعت کے واسطے محل اور بے محل دیکھنا بہت ضروری ہے انسان اگر جانتا ہے کہ مجھ کو فلاں شخص سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے یا اگر میں وہاں جاؤں گا تو قتل ہو جاؤں گا تو اس کا وہاں نہ جانا ہی شجاعت میں داخل ہے اور پھر اگر محل اور موقعہ کے لحاظ سے مناسب دیکھے کہ میرا وہاں جانا ضروری ہے خواہ جان خطرہ میں پڑتی ہو۔ تو اس مقام پر جانے کا نام شجاعت میں داخل ہے۔ جاہل آدمیوں سے جو

بعض وقت بہادری کا کام ہوتا ہے حالانکہ ان کو محل بے محل دیکھنے کی تمیز نہیں ہوتی اس کا نام تہور ہوتا ہے کہ وہ ایک طبعی جوش میں آجاتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ کام کرنا چاہئے تھا کہ نہیں۔ غرضیکہ انسان کے نفس میں یہ سب صفات مثل صبر' سخاوت' انتقام' ہمت' بخل' عدم بخل' حسد' عدم حسد ہوتی ہیں اور ان کو اپنے محل اور موقعہ پر صرف کرنے کا نام خلق ہے۔ حسد بہت بری بلا ہے لیکن جب موقعہ کے ساتھ اپنے مقام پر رکھا جاوے تو پھر بہت عمدہ ہوجاوے گا۔ حسد کے معنی ہیں دوسرے کا زوال نعمت چاہنا لیکن جب اپنے نفس سے بالکل محو ہو کر ایک مصلحت کے لئے دوسرے کا زوال چاہتا ہے تو اس وقت یہ ایک محمود صفت ہو جاتی ہے جیسے کہ ہم تثلیث کا زوال چاہتے ہیں۔

ملائک اور شیطان کا عقلی ثبوت

انسان کے اندر دو ملکے خداتعالیٰ نے رکھے ہیں ایک فرشتہ اور ایک شیطان۔
نووارد صاحب نے سوال کیا کہ فرشتہ اور شیطان کا عقلی ثبوت کیا ہے۔
حضرت اقدس نے فرمایا کہ
آپ کے قویٰ میں کبھی نیکی کی طرف اور کبھی بدکاری کی طرف تحریک ہوتی ہے یا نہیں؟ نووارد صاحب نے کہا کہ ہاں۔ پھر فرمایا کہ
کبھی بھوکے انسان کو دیکھ کر رحم بھی آجاتا ہے اور رحم کی تحریک ہوتی ہے؟
نووارد صاحب نے کہا کہ ہاں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ
جب تحریک ہوتی ہے تو محرک کوئی اندر ہے جو تحریک کرتا ہے کیونکہ تحریک کے لئے محرک کا ہونا ضروری ہے اور انسان خود اس کا محرک نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ حالت مفعول میں ہے تو پھر فاعل کیسے ہو گا (کیونکہ تحریک کا عمل اس پر ہوتا ہے اس لئے انسان مفعول ہے) تو اس نیکی کے محرک کو ہم فرشتہ اور بدی کے محرک کو شیطان کہتے ہیں۔ شریعت کا علم بہرحال ہم سے بڑھ کر ہے جن امور کے ہم زیر اثر ہیں شریعت نے ان کی تفصیل کردی ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہم نہ مانیں یہ سب کچھ انسان کو محسوس ہوتا ہے اور ابھی آپ نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد ایک شئے رہتی ہے آپ اسے مانتے ہیں اس کا نام روح ہے اسے علم بھی ہوتا ہے انسان کتاب یاد کرتا ہے اگر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے تو اس کے علم میں کوئی فرق نہیں آتا اس سے ثابت ہے کہ علم روح کی صفت ہے نہ کہ جسم کی۔ ورنہ ضرور تھا کہ ہاتھ کاٹنے سے اس کے علم میں فرق آجاتا۔ اب

ایک دہریہ جو کہ روح کا قائل نہیں ہے اس کے نزدیک تو پھر جسم کا حصہ کاٹنے سے علم کا کچھ حصہ ضرور جاتا رہتا اگر کہو کہ مجنون بھول جاتا ہے تو یہ بات غلط ہے مجنون ہرگز بھولتا نہیں ہے بلکہ ہر ایک شئے کا علم اس کے اندر مخفی ہوتا ہے جب اس کے جنون کی اصلاح ہو تو فوراً وہ علم آجاتا ہے جیسے آگ پتھر میں مخفی ہوتی ہے کہ رگڑ سے تو ظاہر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ یہی حال مجنون کا ہوتا ہے ہم خود دیکھتے ہیں کہ ایک بات کرتے کرتے ایک لفظ ایسا وقت پر بھول جاتا ہے کہ ہرچند اس وقت یاد کریں مگر یاد نہیں آتا پھر دوسرے وقت خود ہی یاد آجاتا ہے (گویا ایک وقت ہر ایک بات کا علم نہ ہونے سے اس بات کا عدم علم ہرگز ثابت نہیں ہوتا) تو مخفی ہونا اور شئے ہے اور محو اور نابود ہونا اور شئے ہے آجکل کے فلسفی لوگ ان باتوں میں سے بعض کو تو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے (تو اب جیسی غیر مرئی شئے خدا اور روح ہے ویسے فرشتے ہیں) مگر فرشتوں کو نہیں مانتے تو یہ ان کی حماقت ہے پھر جو روح کو مانتے ہیں کیا ہمیں دکھلا سکتے ہیں کہ روح کیا شئے ہے۔ انسان اگر مرتا ہے تو خواہ اسے کسی لوہے کے قالب میں ہی بند کردیں کہ جس میں ہوا کا بھی دخل نہ ہو مگر پھر بھی مرتے وقت کوئی ایسی شئے نظر نہ آوے گی کہ ہم کہیں کہ اسی کا نام روح ہے۔ اور کہاں سے جان نکلتی ہے پھر اسی طرح انڈے میں کیا بتلا سکتے ہیں کہ کہاں سے داخل ہوتی ہے بعض دفعہ دیکھا جاتا ہے کہ انڈے میں بچہ مرا ہوا ہوتا ہے گویا روح داخل ہو کر پھر نکل بھی گئی اور نظر بھی کسی کو نہ آئی تو یہ ایک بھید ہے جس کی حقیقت کیا سمجھ آسکتی ہے ہرگز سمجھ میں نہیں آتی۔

دلائل کی دو۲ اقسام

دلائل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اِنّی اور ایک لِمّی۔ کھوج نکال کر جاننا اس کا نام لمی ہے اور انی یہ ہے کہ آثار سے معلوم کرلینا جیسے قارورہ کو دیکھ کر طبیب گرمی تپ وغیرہ کا حال معلوم کر لیتا ہے۔ یہ انی ہے اور تپ وغیرہ دیکھ کر قارورہ کی نسبت یہ سمجھ لینا یہ لمی ہے۔ تو روح میں لمیت ہم دریافت نہیں کرسکتے مگر آثار بتلاتے ہیں کہ ایک شیئے ہے تو اس طرح کے عجائبات کثیر ہیں۔

ظاہری اور باطنی رویت

اسی طرح ایک رویت آنکھ میں ہے کہ ہر ایک شیئے کو دیکھتی ہے مگر ایک دیوار کے پیچھے ایک شیئے ہوتی ہے تو نہیں دیکھ سکتی آنکھ کیوں نہیں دیوار کے پیچھے دیکھ سکتی اس کے دلائل کیا بیان ہو سکتے ہیں اسی طرح ایک رویت روح میں ہے کہ بیٹھے بٹھائے دور تک دیکھ لیتی ہے خواہ وہ تین چار دیواریں درمیان میں حائل ہوں مگر اسے پروا نہیں ہوتی وہ اس شیئے کو یہاں بیٹھے اس طرح دیکھتی

ہے جیسے کھلی روشنی میں ایک شیئے نظر آتی ہے۔

اس پر نو وارد صاحب حیران ہوئے کہ یہ کیا بات ہے اور تعجب ظاہر کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا

خود ہم نے کئی دفعہ اس طرح دیکھا ہے کہ تین دیواریں درمیان میں حائل ہیں مگر ہم نے وہ شیئے دیکھ لی۔ خبر نہیں کہ اس وقت کیا ہوتا ہے دیوار مطلق رہتی ہی نہیں اور انہیں آنکھوں سے اس وقت سب کچھ نظر آتا ہے۔

اس مقام پر حضرت اقدس نے ایک واقعہ سنایا کہ

ایک دفعہ ایک خاکروبہ نے ایک جگہ سے میلا اٹھایا اور اس کا ایک حصہ چھوڑ دیا۔ میں جو مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا مجھے نظر آیا کہ اس نے ایک حصہ چھوڑ دیا ہے تو میں نے اس خاکروبہ سے کہا۔ وہ سن کر حیران ہوئی کہ اس نے اندر بیٹھے کیسے دیکھ لیا میں نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ باوجود میلے کے سر پر موجود ہونے کے نہیں دیکھ سکتی حالانکہ مجھے اس قدر دور دراز فاصلہ سے دکھلا دیا۔

نو وارد صاحب نے عرض کی کہ پھر یہ بات اور اس رویت روحانی کا کیسے پتہ لگے اور سمجھ میں آوے حضرت اقدس نے فرمایا کہ

بہت دیر صحبت میں رہے تو سمجھ میں آسکتا ہے اور اس کی نظیر یہ پیشگوئیاں بھی ہیں جو ہم کرتے ہیں کیونکہ جو علوم پیش از وقت خدا بتلاتا ہے وہ بھی تو ایک قسم کی دیوار کے پیچھے ہیں جو کہ درمیان میں حائل ہوتی ہے اور ایک عرصہ کے بعد اس نے گرنا ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ قبل از وقت دکھلا دیتا ہے اور اسی عالم میں یہ سب عجائبات ہیں۔ کل یا پرسوں ایک نیچری کا خط آیا کہ میرے نزدیک تو انسان کے واسطے خدا شناسی ممکن ہی نہیں ہے تو بات یہی ہے کہ جب روحانی حصہ نہ دیا جاوے تب تک کیا پتہ لگتا ہے۔ انسان کا خاصہ علم ہی ہے اگر علم نہ ہو تو صرف جسد ہی ہوا۔

رفع حجاب کے دو طریق

دو آدمی سعید ہوتے ہیں ایک تو وہ جن کا اللہ تعالیٰ بالذات رفع حجاب کرتا ہے اور اپنی خدائی طاقتوں سے اپنی ہستی ان پر کھول دیتا ہے۔ دوسرے وہ جو ایسے آدمیوں کی صحبت میں رہ کر ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرامؓ کی جماعت کہ ان کے تمام حجاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے رفع ہوئے اور عظیم الشان نشانوں سے خدا نے ان پر اپنی ہستی کو کھول دیا اور کامل معرفت ان کو ملی مگر بے ہودہ فلسفیوں سے ہرگز ممکن نہیں کہ یہ ایمانی حالت ان کو نصیب ہو۔

ایمان تو ایک چولہ بدل کر دوسرا اسے پہنا دیتا ہے اور اسے ایک فوق العادت طاقت دی جاتی ہے کوئی فلاسفر نہیں گذرا کہ جسے یہ طاقت ملی ہو۔ افلاطون وغیرہ بھی اس سے بے نصیب رہے پاکیزگی کی وراثت بجز انبیاء کے نہیں آئی اور فلسفیوں وغیرہ میں بجز تکبر کے اور کچھ نہیں ہوتا۔

دنیا کی مصنوعات میں زیادہ تر مشغول ہونے سے دین کے پہلو میں ضرور کمزوری ہوا کرتی ہے سچی بات یہی ہے کہ انسان لمبی صحبت میں رہے چند ایک نمونے جب اسے مل جاتے ہیں تو پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

خوابوں کی تعبیر

خواب میں نماز پڑھنے اور شیرینی کھانے کی تعبیر میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ
خدا تعالیٰ کسی وقت چاہے گا تو نماز میں حلاوت عطا کرے گا

تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ خواب میں پڑھنے پر فرمایا کہ
کسی دشمن پر فتح ہو گی

خوابوں کی تعبیر ہر ایک کے حال کے مطابق ہوتی ہے

فرمایا :-

خوابوں کی تعبیر ہر ایک کے حال کے موافق مختلف ہوا کرتی ہے ایک دفعہ ابن سیرین کے پاس ایک شخص آیا اور بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک کوڑے کے ڈھیر پر ننگا کھڑا ہوں۔ ابن سیرین نے کہا کہ اگر کوئی اور شخص کافر یا فاسق اس خواب کو بیان کرتا تو میں اس کی تعبیر اور بیان کرتا۔ مگر تو اس تعبیر کے لائق نہیں ہے اس لئے سن کہ کوڑے اور کھاد سے مراد تو دنیا ہے جس میں تو موجود زندہ ہے اور ننگے ہونے سے مراد یہ ہے کہ تیرے صفات حسنہ سب لوگوں پر کھلے ہیں کیونکہ ننگا ہونے سے انسان کا سب ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح لوگ تیری خوبیاں دیکھ رہے ہیں تو مطلب اس سے یہ ہے کہ صالح آدمی کے خواب کی تعبیر اور ہوتی ہے اور شقی کی اور۔

پیدائش کے اسرار

پھر اس کے بعد روح کا ذکر چلا اور ایک شخص نے اس کے متعلق سوال کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ

جس شئے نے پیدا ہونا ہوتا ہے تو روح کی استعداد اس شئے میں ساتھ ساتھ چلی آتی ہے۔

جیسے جیسے وہ تیار ہوتی جاتی ہے اور جب وہ عین لائق ہوتی ہے تو خدا اس پر فیضان کرتا ہے اسی کی طرف اشارہ ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون : ۱۵) میں نے ایک انڈے کو ایک دفعہ پیالی میں ڈالا دیکھا تو اس کی زردی اور سفیدی پانی کی طرح ہوئی ہوئی تھی۔ اور اس کے درمیان میں ایک نقطہ خون کا خشخاش کے دانہ کی طرح تھا اور اس کی کئی تاریں کوئی کسی طرف کو اور کوئی کسی طرف کو نکلی ہوئی تھیں اور سوائے اس نقطہ کے اور کوئی حرکت اس میں نہ تھی تو میں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ یہ خلق اشیاء کا سلسلہ ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ اول سر بنایا۔ پھر ہاتھ پاؤں وغیرہ بلکہ اس کی کاروائی یکساں ہوتی ہے اور سب کچھ پہلے سے ہی ہوتا ہے صرف نشوونما پاتا جاتا ہے میں نے بعض دائیوں کو کہا ہوا تھا کہ جو بچے اسقاط ہوا کریں تو دکھایا کرو تو میں نے بعض بچے دیکھے ان کے بھی سب اعضاء وغیرہ بنے بنائے تھے خدا کا یہ خلق معمار کی طرح نہیں کہ اول دیواریں بنائیں پھر چوبارہ بنایا پھر اوپر اور کچھ بنایا بلکہ چار ماہ کے بعد جب روح کی تکمیل ہوتی ہے تو اس وقت اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ اس پر صادق آتا ہے تو بچہ حرکت کرنے لگتا ہے۔

تکمیل کے مراتب ستّہ

جیسے دنیا کے سات دن ہیں یہ اشارہ اسی طرف ہے کہ دنیا کی عمر بھی سات ہزار برس ہے اور یہ کہ خدا نے دنیا کو چھ دن میں بنا کر ساتویں دن آرام کیا اس سے یہ بھی نکلتا ہے کہ ہر شیئے چھ مراتب ہی طے کر کے مرتبہ تکمیل کا حاصل کرتی ہے نطفہ میں بھی اسی طرح چھ مراتب ہیں کہ انسان اول سلسلہ میں طین ہوتا ہے پھر نطفہ' پھر علقہ' پھر مضغہ' پھر عظاما' پھر لحما' پھر سب کے بعد اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کچھ نہیں آتا بلکہ اندر سے ہی ہر ایک نشوونما پاتی ہے۔

رُوح سے متعلق آریوں کے عقیدہ کا رَدّ

آریوں کا یہ اصول کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی روح اندر سے نکل کر آکاش میں رہتی ہے رات کو اوس کے ساتھ مل کر کسی پتہ یا گھاس پر پڑتی ہے وہ پتہ یا گھاس کوئی کھا لیتا ہے تو اس کے ساتھ وہ روح بھی کھائی جاتی ہے جو کہ پھر دوسری جاندار شئے میں نمودار ہوتی ہے اب اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بچہ خُلق اور خلق میں ماں باپ ہر دو سے حصہ لیتا ہے اور جیسے جسمانی حصہ لیتا ہے ویسے ہی روحانی بھی لیتا ہے تفاوت مراتب کے لحاظ سے تناسخ کی ضرورت کو ماننا غلطی ہے یہ تو ہر ایک جگہ پایا جاتا ہے نباتات میں بھی ہم تفاوت مراتب کو دیکھتے ہیں اور اسی طرح انسانوں میں

بھی۔

آریوں کے دیگر عقائد

جس قدر بادشاہ اور راجے ہیں اگر وہ لوگ اس آرام کے ساتھ ایک مشقت عبادت کی نہ ملاویں گے تو وہ سخت عذاب پاویں گے۔ خدا تعالیٰ نے بعض کو خود مشقت دے دی ہے اور بعض کو نہیں۔ جو لوگ دنیا میں دولت رکھتے ہیں اور عیاشی اور فسق و فجور میں مبتلا ہیں ان سے حساب ہو گا جیسے ایک انسان سرد پانی پیتا ہے مگر اپنے بھائی کو نہیں دیتا تو سزا پائے گا۔ جس حال میں کہ آگے جا کر سب کمی بیشی پوری ہو جاتی ہے تو پھر اعتراض کیا ہے ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں کہ خدا ہے۔ کشف و کرامات کے منکر ہیں۔ روح اور پرمانو کو انادی مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف جوڑ جاڑ پرمیشر کرتا ہے ہم کہتے ہیں کہ جب روح اپنی صفات میں پرمیشر کی محتاج نہیں ہے اور نہ ذرات (پرمانو) پرمیشر کے محتاج ہیں تو پھر جوڑنے میں اس کی کیوں احتیاج ہوئی؟ بلکہ جیسے وہ خود اپنے وجود اور صفات میں خود بخود ہیں تو کیا وجہ ہے کہ آپس میں جڑ نہ سکتی ہوں؟ جب ایک انسان کا بدن اپنا ہے کپڑے اپنے ہیں تو پہننے کے واسطے دوسرے کی کیا ضرورت ہوئی؟ عیسائیوں کی طرح ان کے ہاتھ میں بھی اعتراض ہی اعتراض ہیں۔ اسلام پر کثرت ازدواج کا اعتراض کرتے ہیں حالانکہ کرشن کی کئی ہزار بیویاں تھیں[1]

یکم جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

ہدیہ عید

حضرت حجۃ اللہ علی الارض مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عید کی مبارک صبح کو جو الہام بطور ہدیہ عید سنایا اور اس کے متعلق جو اشتہار شائع کیا گیا ہے اسے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں وَھُوَ ھٰذَا:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ

وحی الٰہی کی ایک پیشگوئی جو پیش از وقت شائع کی جاتی ہے چاہئے کہ ہر ایک شخص اس کو

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۱ مورخہ ۹؍ جنوری ۱۹۰۳ء

خوب یاد رکھے۔

اول ایک خفیف خواب[1] جو کشف کے رنگ میں تھا مجھے دکھایا گیا کہ میں نے ایک لباس فاخرہ پہنا ہوا ہے اور چہرہ چمک رہا ہے پھر وہ کشفی حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل ہو گئی چنانچہ وہ تمام فقرات وحی الٰہی کے جو بعض اس کشف سے پہلے اور بعض بعد میں تھے ذیل میں لکھے جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

یُبْدِیْ لَکَ الرَّحْمٰنُ شَیْئًا۔ اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ۔ بِشَارَۃٌ تَلَقَّاھَا النَّبِیُّوْنَ۔

ترجمہ:۔

خدا جو رحمان ہے تیری سچائی کو ظاہر کرنے کے لئے کچھ ظہور میں لائے گا خدا کا امر آرہا ہے تم جلدی نہ کرو یہ ایک خوشخبری ہے جو نبیوں کو دی جاتی ہے۔

صبح پانچ بجے کا وقت تھا یکم جنوری ۱۹۰۳ء و یکم شوال ۱۳۲۰ھ روز عید جب میرے خدا نے مجھے یہ خوشخبری دی۔ اس سے پہلے ۲۵ دسمبر ۱۹۰۲ء کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اور وحی ہوئی تھی جو میری طرف سے حکایت تھی اور وہ یہ ہے :۔

اِنِّیْ صَادِقٌ صَادِقٌ وَسَیَشْھَدُ اللّٰہُ لِیْ

ترجمہ:۔

میں صادق ہوں صادق ہوں عنقریب خدا تعالیٰ میری گواہی دے گا۔

یہ پیشگوئیاں باواز بلند پکار رہی ہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسا امر میری تائید میں ظاہر ہونے والا ہے جس سے میری سچائی ظاہر ہو گی اور ایک وجاہت اور قبولیت ظہور میں آئے گی۔ اور وہ خدا تعالیٰ کا نشان ہو گا تا دشمنوں کو شرمندہ کرے اور میری وجاہت اور عزت اور سچائی کی نشانیاں دنیا میں پھیلا دے۔

نوٹ :۔ چونکہ ہمارے ملک میں یہ رسم ہے کہ عید کے دن صبح ہوتے ہی ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرتے ہیں سو میرے خداوند نے سب سے پہلے یعنی قبل از صبح پانچ بجے مجھے اس عظیم الشان پیشگوئی کا ہدیہ بھیج دیا ہے۔ اس ہدیہ پر ہم شکر کرتے ہیں اور ناظرین کو یہ بھی خوشخبری دیتے ہیں کہ[2] ہم عنقریب ان نشانوں کے متعلق بھی ایک اشتہار شائع کریں گے جو اخیر دسمبر ۱۹۰۲ء تک گذشتہ

---

[1] فجر کی نماز کے وقت حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ السلام نے تشریف لاتے ہی یہ رؤیا سنائی اور فرمایا کہ ان کو آج ہی شائع کر دیا جائے۔ (بدر ۹ر جنوری ۱۹۰۳ء)

سالوں میں ظہور میں آچکے ہیں۔

المشتہر

مرزا غلام احمد قادیانی

یکم جنوری ۱۹۰۳ء[1]

قادیان میں عید الفطر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نماز عید سے پیشتر احباب کے لئے میٹھے چاول تیار کروائے اور سب احباب نے مل کر تناول فرمائے۔ گیارہ بجے کے قریب خدا کا برگزیدہ جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ سادے لباس میں ایک چوغہ زیب تن کئے مسجد اقصیٰ میں تشریف لایا جس قدر احباب تھے انہوں نے دوڑ کر حضرت اقدس کی دست بوسی کی اور عید کی مبارک باد دی۔

اتنے میں حکیم نورالدین صاحب تشریف لائے اور آپ نے عید کی نماز پڑھائی اور ہر دو رکعت میں سورۃ فاتحہ سے پیشتر سات اور پانچ تکبیریں کہیں اور ہر تکبیر کے ساتھ حضرت اقدس علیہ السلام نے گوش مبارک تک حسب دستور اپنے ہاتھ اٹھائے

ظہر کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام تشریف لائے تو کمر کے گرد ایک صافہ لپٹا ہوا تھا۔ فرمایا کہ

کچھ شکایت درد گردہ کی شروع ہو رہی ہے اس لئے میں نے باندھ لیا ہے ذرا غنودگی ہوئی تھی اس میں الہام ہوا ہے۔

تا عود صحت

فرمایا کہ

صحت تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔جب تک وہ ارادہ نہ کرے کیا ہو سکتا ہے۔

ہمّت بلند رکھنی چاہیئے

عصر کے بعد حضور نے مجلس فرمائی سید ناصر شاہ صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا کہ

ہمت بلند رکھنی چاہئے انسان اگر دنیوی امور میں ہمت ہار دے تو دینی امور میں بھی ہار دیتا ہے یہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۱ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

عجیب چیز ہے کیونکہ گواہی دیتی ہے کہ قویٰ ٹھیک ہیں جو لوگ کم ہمت ہوں ان میں پست خیالی پیدا ہو جاتی ہے۔ مسجدوں کے ملاں جو ہوتے ہیں ان کو دیکھو۔ ایک بار ہمارے میرزا صاحب مرحوم کے پاس یہاں کا ایک ملاں شکایت لایا کہ ہمارے جو گھر باہم تقسیم ہوئے ہیں تو مجھے چھوٹے قد کے آدمیوں کے گھر ملے ہیں اور ان کے مرنے سے بہت چھوٹا کفن ملا ہے یہاں تک حالت ان لوگوں کی گر جاتی ہے کہ ایک ملاں نے نماز جنازہ غلط پڑھی جب کہا گیا تو جواب دیا کہ اس کی مشق نہیں رہی۔

غرض دنیا کے ہر معاملہ میں ہمت نہ کی تو دین میں بھی پست ہمتی پیدا ہو جاتی ہے۔

پیشہ ور نماز پڑھانے والے کے پیچھے نماز درست نہیں

میرے نزدیک جو لوگ پیشہ کے طور پر نماز پڑھاتے ہیں ان کے پیچھے نماز درست نہیں وہ اپنی جمعرات کی روٹیوں یا تنخواہ کے خیال سے نماز پڑھاتے ہیں اگر نہ ملے تو چھوڑ دیں معاش اگر نیک نیتی کے ساتھ حاصل کی جائے تو عبادت ہی ہے جب آدمی کسی کام کے ساتھ موافقت کرلے اور پکا ارادہ کر لے تو تکلیف نہیں ہوتی وہ سہل ہو جاتا ہے۔

تعبیر الرؤیا

مغرب کے بعد ایک صاحب نے اپنا خواب سنایا جس میں انہوں نے انگوٹھی دیکھی۔
تو حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ:۔
انگوٹھی سے مراد یہ ہے کہ انسان اسی حلقہ میں آجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا تمثّل رؤیا میں دیکھنا

سید عبدالقادر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ماں کی شکل پر دیکھا[۱] مگر میں نے (یعنی خود حضرت اقدس نے) ایک دفعہ اللہ تعالیٰ کو اپنے باپ کی شکل پر دیکھا۔ یہ تمام اللہ

---

[۱] سلسلہ خواب میں ایک شخص نے اللہ تعالیٰ کا تمثّل بصورت حضرت مسیح موعود علیہ السلام دیکھنا بیان کیا اس پر حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے تمثلات ہوتے ہیں۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۲ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

تعالیٰ کے تمثلات ہوتے ہیں ورنہ وہ تو تجسم سے پاک ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اپنے شانہ پر دیکھا۔

ایک الہام کی تشریح

آج کے الہامات میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

یُبْدِیْ لَکَ الرَّحْمٰنُ شَیْئًا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ مخفی ہے جو کہ ظاہر ہوگا خدا کے چھپانے میں بھی ایک عظمت ہوتی ہے اور خدا کا چھپانا ایسا ہے جیسے کہ جنت کی نسبت فرمایا۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ (السجدۃ:۱۸)

(کوئی نہیں جانتا کہ کیسی کیسی قُرَّۃِ اَعْیُنٍ ان کے لئے پوشیدہ رکھی گئی ہے) درحقیقت چھپانے میں بھی ایک قسم کی عزت ہوتی ہے جیسے کھانا لایا جاتا ہے تو اس پر دسترخوان وغیرہ ہوتا ہے تو یہ ایک عزت کی علامت ہوتی ہے یُبْدِیْ لَکَ الرَّحْمٰنُ بھی دلالت کرتا ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ ظاہر کروں گا یعنی کوئی شیئے ہے کہ اس وقت چھپائی ہوئی ہے۔

جماعت نشانوں سے درست ہوگی

میں کہتا ہوں کہ میری جماعت نصائح سے درست نہ ہوگی بلکہ نشانوں سے درست ہوگی۔ دہریت کی جڑ جب اندر ہوتی ہے تو قاعدہ کی بات ہے کہ اثر نہیں ہوا کرتا خدا کو خدا کے ہی ذریعہ سے پہچان سکتے ہیں۔ دنیا میں جس شیئے کی معرفت انسان کو حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی عظمت بھی اس پر کھل جاتی ہے اس وقت وہ اس سے متاثر ہوتا ہے جیسے دریا میں اپنے آپ کو دیدہ دانستہ نہیں ڈالتا۔ شیر سامنے ہو تو اس کے مقابل نہیں جاتا جس جگہ سانپ کا خطرہ ہو تو اس جگہ نہیں گھستا اور ایک مقام پر بجلی پڑتی ہو تو وہاں سے بھاگتا ہے ایک طرف تو یہ لوگ دعویٰ امت کا کرتے ہیں دوسری طرف کرتوت ایسی ہے کہ خدا کی پناہ تو اس کے کیا معنے ہوئے؟

ایک الہام

ایک میرا گزشتہ ایام کا الہام ہے یہاں ذکر کرنا یاد نہ رہا وہ یہ ہے:۔

اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَۃُ

مولانا عبدالکریم صاحب نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا نیا اسم ہے آج تک کبھی نہیں سنا حضرت اقدس نے فرمایا۔

بیشک اسی طاعون کی نسبت جو الہامات ہیں وہ بھی ہیں جیسے اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ یہ بھی کیسے لطیف الفاظ ہیں گویا خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ طاعون کے متعلق میرے دو کام ہوں گے کچھ حصہ چپ رہوں گا یعنی روزہ رکھوں گا اور کچھ افطار کروں گا اور یہی واقعہ ہم چند سال سے دیکھتے ہیں شدت گرمی اور شدت سردی کے موسم میں طاعون دب جاتی ہے گویا وہ اصوم کی حالت ہے اور فروری مارچ اکتوبر وغیرہ میں زور کرتی ہے وہ گویا افطار کا وقت ہوتا ہے اور اسی لطیف کلام میں سے ہے

اِنِّیْ اَنَا الصَّاعِقَةُ

نماز میں لذّت کے حصول کی شرائط

ایک نے عرض کی کہ نماز میں لذت کچھ نہیں آتی حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز نماز بھی ہو۔ نماز سے پیشتر ایمان شرط ہے ایک ہندو اگر نماز پڑھے گا تو اسے کیا فائدہ ہو گا جس کا ایمان قوی ہو گا وہ دیکھے گا کہ نماز میں کیسے لذت ہے اور اس سے اول معرفت ہے جو خداتعالیٰ کے فضل سے آتی ہے اور کچھ اس کی طینت سے آتی ہے جو محمود فطرت والے مناسب حال اس کے فضل کے ہوتے ہیں اور اس کے اہل ہوتے ہیں انہیں پر فضل بھی کرتا ہے ہاں یہ بھی لازم ہے کہ جیسے دنیا کی راہ میں کوشش کرتا ہے ویسے ہی خدا کی راہ میں بھی کرے پنجابی میں ایک مثل ہے "جو منگے سو مر رہے مرے سو منگن جا"

دُعا کی حقیقت

لوگ کہتے ہیں کہ دعا کرو۔ دعا کرنا مرنا ہوتا ہے اس پنجابی مصرعہ کے یہی معنے ہیں کہ جس پر نہایت درجہ کا اضطراب ہوتا ہے وہ دعا کرتا ہے دعا میں ایک موت ہے اور اس کا بڑا اثر یہی ہوتا ہے کہ انسان ایک طرح سے مرجاتا ہے مثلاً ایک انسان ایک قطرہ پانی کا پی کر اگر دعویٰ کرے کہ میری پیاس بجھ گئی ہے یا یہ کہ اسے بڑی پیاس تھی تو وہ جھوٹا ہے ہاں اگر پیالہ بھر کر پیوے تو اس بات کی تصدیق ہوگی۔ پوری سوزش اور گدازش کے ساتھ جب دعا کی جاتی ہے حتیٰ کہ روح گداز ہو کر آستانہ الٰہی پر گر جاتی ہے اور اسی کا نام دعا ہے اور الٰہی سنت یہی ہے کہ جب ایسی دعا ہوتی ہے تو خداوند تعالیٰ یا تو اسے قبول کرتا ہے اور یا اسے جواب دیتا ہے۔

خدا کا کلام فرمانا

اس مقام پر سائل نے کہا کہ جواب کیسے دیتا ہے حضرت اقدس نے فرمایا کہ
بات کر کے بتلا دیتا ہے

سائل نے کہا کہ خدا کیسے بات کرتا ہے؟

فرمایا کہ

خدا کے فرشتے کلام کرتے ہیں اکثر دفعہ خدا کے فرشتوں نے ہمارے ساتھ کلام کی ہے مکالمات الٰہیہ میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی زبان پر کلام جاری کر رہا ہے اور وہ ایسی طاقت اور شدت سے ہوتا ہے کہ جیسے ایک فولادی میخ دھنستی جاتی ہے ایسی لطافت ہوتی ہے کہ گویا خدا کا کلام ہے۔

نماز پڑھنے کا طریق

نماز پڑھو اور تدبر سے پڑھو اور ادعیہ ماثورہ کے بعد اپنی زبان میں دعائیں مانگنی مطلق حرام نہیں ہے جب گدازش ہو تو سمجھو کہ مجھے موقعہ دیا گیا ہے اس وقت کثرت سے مانگو اس قدر مانگو کہ اس نکتہ تک پہنچو کہ جس سے رقت پیدا ہو جاوے۔ یہ بات اختیاری نہیں ہوتی خدا تعالیٰ کی طرف سے ترشحات ہوتے ہیں۔ اس کوچہ میں اول انسان کو تکلیف ہوتی ہے مگر ایک دفعہ چاشنی معلوم ہو گی تو پھر سمجھے گا جب اجنبیت جاتی رہے گی اور نظارہ قدرت الٰہی دیکھ لے گا تو پھر پیچھا نہ چھوڑے گا۔ قاعدہ کی بات ہے کہ تجربہ میں جب ایک دفعہ ایک بات تھوڑی سی آجاوے تو تحقیقات کی طرف انسان کی طبیعت میلان کرتی ہے اصل میں سب لذات خدا تعالیٰ کی محبت میں ہیں۔ ملعون لوگ (یعنی جو خدا سے دور ہیں) جو زندگی بسر کرتے ہیں وہ کیا زندگی ہے۔ بادشاہ اور سلاطین کی کیا زندگیاں ہیں مثل بہائم کے ہیں۔ جب انسان مومن ہوتا ہے تو خود ان سے نفرت کرتا ہے۔

صادقوں کی صحبت میں آجاؤ

دہلی کے جلسہ میں جو لوگ بڑے شوق سے جاتے ہیں سوائے اس کے کہ وہاں بعض مسخ شدہ شکلوں کو دیکھیں اور کیا دیکھیں گے یہ لوگ ایسے دور دراز خیالات میں آگر پڑے ہیں کہ جب فرشتہ آکر جان نکالے گا تو اس وقت ان کو حسرت ہو گی۔

ایمان لانے سے اور خدا کی عظمت کے دل میں ہونے کی اول نشانی یہ ہے کہ انسان ان تمام کو مثل کیڑوں کے خیال کرے ان کو دیکھ کر دل میں نہ ترسے کہ یہ فاخرہ لباس پہن کر گھوڑوں پر سوار ہیں۔ درحقیقت ان لوگوں کی زندگی بد اور کتوں کی سی زندگی ہے کہ مردار دنیا پر دانت مار رہے ہیں۔انسان کو اگر دیکھنے کی آرزو ہو تو ان کو دیکھیں۔ جو منقطعین ہیں اور خدا کی طرف آگئے ہیں اور خدا ان کو زندہ کرتا ہے ان کی زیارت سے مصائب دور ہوتے ہیں جو شخص رحمت والے کے پاس آوے گا تو وہ رحمت کے قریب تر ہو گا دنیا میں یہی بات غور کے قابل ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ : ۱۱۹) یعنی اے بندو تمہارا بچاؤ اسی میں ہے کہ صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

پھر نماز کی حلاوت کے سوال پر فرمایا کہ

نشوونما رفتہ رفتہ ہوا کرتا ہے یہ آپ کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں آگئے اگر خدا نہ چاہتا تو آپ کیا کرتے؟ ممکن تھا کہ اول دلی کی طرف جاتے تو وہاں سوائے لاف و گزاف کے کیا ساتھ لے جاتے یا چند ایک تماشے شعبدہ بازی کے دیکھ لیتے۔

سائل نے عرض کی کہ میرا خیال تھا کہ آپ ضرور جلسہ دہلی میں ہوں گے آپ کا کیمپ مع اپنی جماعت کے الگ ہو گا حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہم ان باتوں سے ایسے متنفر ہیں کہ ان کے خیمے ہمارے نزدیک بھی ہوں تو ہم یہ خواہش کریں کہ خدا جلد تر ان کو یہاں سے اٹھا دے جیسے ایک مردار جب پاس پڑا ہو تو اسے جلدی اٹھوا دیتے ہیں کہ کہیں متعفن ہو کر بیماری کا باعث نہ ہو۔

سائل نے عرض کی کہ اس سے پیشتر مجھے بہت شوق جلسہ کا تھا مگر اب دو تین دن سے ذرا خیال تک بھی نہیں ہے حضور کی زیارت کو دل چاہتا ہے۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

حق یہی ہے[1]

رؤیت ملائکہ

پھر سائل نے عرض کی کہ کیا ہم فرشتے کو دیکھ سکتے ہیں؟

---

[1] البدر جلد اول نمبر۱۴ مورخہ ۹؍ جنوری ۱۹۰۳ء

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ

ہم ہر روز دیکھتے ہیں کبھی کشف میں۔ کبھی رؤیا میں۔ ایک حالت رؤیا کی ہوتی ہے وہ نیند میں ہوتی ہے اس میں غیبت حس ہوتی ہے کہ انسان سو کر کہیں کا کہیں سیر کرتا ہے اور مکان اس کا بدلتا ہے مگر کشف میں مکان نہیں بدلتا۔ کبھی غنودگی میں ہوتا ہے اور کبھی بیداری میں اور باوجود غنودگی کے حصہ کے پھر بھی ایک آواز کو سنتا ہے۔ جانتا ہے کہ فلاں مکان میں ہوں ایک دفعہ میں نے فرشتوں کو انسان کی شکل میں دیکھا یاد نہیں کہ دو تھے یا تین آپس میں باتیں کرتے تھے اور مجھے کہتے تھے کہ تو کیوں اس قدر مشقت اٹھاتا ہے اندیشہ ہے کہ بیمار نہ ہو جائے میں نے سمجھا کہ یہ جو چھ ماہ کے روزے رکھے ہیں ان کی طرف اشارہ ہے (اس مقام پر حضرت اقدس نے اپنا واقعہ مجاہدہ اور ششماہی روزے کا بیان فرمایا جو کہ البدر نمبر ا میں زیر عنوان اسوہ حسنہ درج ہے)

فرمایا کہ

روزوں کو میں نے مخفی طور پر رکھا بعض دفعہ اظہار میں سلب رحمت کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے مخفی رکھنا اچھا ہوتا ہے چونکہ میں مامور تھا اس لئے کوئی مرض وغیرہ نہ ہوا ورنہ اگر کوئی اور ہوتا اور اس قدر شدت اٹھاتا تو ضرور مسلول مدقوق یا مجنون ہو جاتا۔

پھر ایک دفعہ مجھے ایک فرشتہ آٹھ یا دس سالہ لڑکے کی صورت میں نظر آیا اس نے بڑے فصیح اور بلیغ الفاظ میں کہا کہ خدا تعالیٰ تمہاری ساری مرادیں پوری کرے گا۔

اسی طرح ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ ایک نالی شرقاً غرباً بہت لمبی صدہا میل تک کھدی ہوئی ہے اور اس کے اوپر صدہا بھیڑیں لٹائی ہوئی ہیں اور ہر ایک بھیڑ کے سر پر ایک قصاب ہاتھ میں چھری لئے ہوئے تیار بیٹھا ہے اور آسمان کی طرف ان کی نظر ہے جیسے حکم کا انتظار ہے میں اس وقت اس مقام پر ٹہل رہا ہوں اور ان کو دیکھ رہا ہوں ان کے نزدیک جا کر میں نے کہا قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ (الفرقان : ۷۸)

انہوں نے اسی وقت چھریاں پھیر دیں کہ حکم ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ خلیفہ جو ہوتا ہے وہ آسمان سے ہوتا ہے اس لئے میں نے جو آواز دی تو انہوں نے سمجھا کہ حکم ہو گیا اور جو آواز آسمان سے آئی تھی وہ میں نے کہی جب وہ بھیڑیں تڑپیں تو انہوں نے کہا کہ تم چیز کیا ہو میلا کھانے والی بھیڑیں ہی ہو۔ ان ایام میں چہتر ہزار آدمی ہیضہ سے مرا تھا ۱۸۸۲ء کا ذکر ہے۔

لیکھرام کے متعلق کشف

اس کے بعد حضرت اقدس نے لیکھرام کے متعلق کشف کا ذکر فرمایا جو کہ برکات الدعاء کے ٹائٹل پیج پر چھپا ہوا ہے۔

بعد ازیں فرمایا کہ

ایک دفعہ میں نے اسی لیکھرام کے متعلق دیکھا کہ ایک نیزہ ہے اس کا پھل بڑا چمکتا ہے اور لیکھرام کا سر کٹا پڑا ہوا ہے اسے نیزہ سے پرو دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ پھر یہ قادیان نہیں آوے گا (ان ایام میں لیکھرام قادیان میں تھا اور اس کے قتل سے ایک ماہ پیشتر کا یہ واقعہ ہے) فرمایا کہ

یہ عجائبات ہیں ختم ہونے میں نہیں آتے لیکھرام کے قتل کے وقت جب تلاشی میں کاغذات دیکھے گئے تو اس میں بہت سے خط نکلے جن میں لکھا تھا کہ وہ خبیث مارا گیا ہے اچھا ہوا کہ پیشگوئی پوری ہوئی اس میں جو پیشگوئی پوری کے الفاظ تھے وہ حکام کے ہر شک و شبہ کو دور کرتے تھے۔

تنہا احمدیوں کے لئے ہدایت

بعض احباب نے سوال کیا کہ کیا تنہا نماز پڑھ لیا کریں؟

فرمایا کہ

ہاں الگ اور تنہا پڑھ لیا کرو۔ یہ سلسلہ خدا کا ہے وہ چاہتا ہے کہ ان سے الگ رہو عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ خدا جماعت کر دے گا[1]

۲؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز جمعہ

(بوقت سیر)

ایک الہام

فرمایا :۔ رات مجھے الہام ہوا

جَاءَنِیْ اٰئِلٌ وَّاخْتَارَ وَاَدَارَ اِصْبَعَہٗ وَاَشَارَ۔ یَعْصِمُکَ اللّٰہُ مِنَ الْعِدَا وَیَسْطُوْ

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۰۳ء

بِكُلِّ مَنْ سَطَا آئل جبریل ہے فرشتہ بشارت دینے والا۔

(ترجمہ) آیا میرے پاس آئل اور اس نے اختیار کیا (یعنی چن لیا مجھ کو) اور گھمایا اس نے اپنی انگلی کو اور اشارہ کیا کہ خدا تجھ کو دشمنوں سے بچائے گا اور ٹوٹ کر پڑے گا اس شخص پر جو تجھ پر اچھلا۔

فرمایا :۔

آئل اصل میں ایالت سے ہے یعنی اصلاح کرنے والا جو مظلوم کو ظالم سے بچاتا ہے یہاں جبریل نہیں کہا آئل کہا۔ اس لفظ کی حکمت یہی ہے کہ وہ دلالت کرے کہ مظلوم کو ظالموں سے بچاوے اس لئے فرشتہ کا نام آئل رکھ دیا پھر اس نے انگلی ہلائی کہ چاروں طرف کے دشمن۔ اور اشارہ کیا کہ يَعْصِمُكَ اللّٰهُ مِنَ الْعِدَا وغیرہ۔

یہ بھی اس الہام سے جو پہلے ہوا تھا ملتا ہے کہ

اِنَّهٗ كَرِيْمٌ تَمَشّٰى اَمَامَكَ وَعَادٰى مَنْ عَادٰى وہ کریم ہے تیرے آگے آگے چلتا ہے جس نے تیری عداوت کی اس کی عداوت کی چونکہ آئل کا لفظ لغت میں نہ مل سکتا تھا یا زبان میں کم استعمال ہوتا ہوگا اس لئے الہام نے خود اس کی تفصیل کر دی۔

(یہ گذشتہ چند روز کا الہام ہے)

جس طرح انبیاء کے صفات ہوتے ہیں اسی طرح ملائکہ کے بھی صفات ہوتے ہیں اور اصبعہ کے اجتہادی معنے جو کچھ ہم کریں اصل واقعہ تو اس وقت معلوم ہوگا جب وہ ظہور پذیر ہوگا۔

ایک نووارد[1] نے عرض کی کہ کاش مجھے بھی جبرائیل دکھایا جاتا فرمایا :۔

جب خدا آپ کو وہ آنکھیں عنایت کرے گا تو آپ بھی دیکھ لیں گے۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم : ۶۵) وہ تو خدا کے حکم سے نازل ہوتا ہے جب مولوی محمد حسین بٹالوی نے رسالہ کفر کا لکھا تھا اور لوگوں کو بھڑکایا تھا کہ یہ مسلمان نہیں۔ ان کے جنازے نہ پڑھو مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن نہ کرو اس وقت لوگ بھڑکے اور ہماری مخالفت عام ہو گئی اور بغض و عداوت حد سے بڑھ گیا اس وقت میں نے کشفی حالت میں دیکھا کہ بھائی غلام قادر کی شکل پر ایک شخص آیا مگر فوراً مجھے معلوم کرایا گیا کہ یہ فرشتہ ہے میں نے کہا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کہا

---

[1] الحکم میں نووارد کا لفظ نہیں بلکہ ابو سعید عرب صاحب کا نام لکھا ہے البدر میں بھی صرف اسی مقام پر "نووارد" لکھا ہے۔ آگے اس ڈائری میں عرب صاحب ہی لکھا ہے جس سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ یہ نووارد عرب صاحب ہی ہیں۔ (مرتب)

(دیکھئے الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء)

جِئْتُ مِنَ الْحَضْرَةِ[1]

میں جناب باری سے آیا ہوں چونکہ وہاں بہت لوگ معلوم ہوتے تھے میں نے اس سے الگ ہو کر ایک بات کرنے کی درخواست کی تو وہ علیحدہ ہو کر مجھے پوچھنے لگا میں نے کہا کہ لوگ تو مجھ سے الگ ہو گئے ہیں کہا کہ نہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں معاً" میری حالت کشفی جاتی رہی۔

حدیث کا مرتبہ

فرمایا :-

سچی بات تو یہ ہے کہ صرف حدیث کو مدار شریعت رکھا جائے اور قرآن کو ترک کر دیا جائے تو یہ ایک تباہی کا نشان ہے جو حدیثیں قرآن کے موافق ہیں ان کی تو عزت کرو اور تعظیم کرو اور دوسری کو ترک کر دو۔

قیامت کے روز حشر کیسے ہوگا

عرب صاحب نے سوال کیا کہ قیامت کے دن لوگ جس طرح مرتے ہیں اسی طرح اول و آخر نمبروار حاضر ہوں گے یا ایک دم تمام متقدمین و متاخرین اکٹھے اٹھیں گے۔

فرمایا :-

الگ الگ ثابت نہیں سب اکٹھے اٹھیں گے ماننا پڑتا ہے کہ ہمارا خدا بڑا قادر ہے دیکھو نطفہ کیا چیز ہے اور پھر اس سے کس طرح انسان کامل بن جاتا ہے ہر شخص جو خدا کو ماننے والا ہے سورج چاند وغیرہ اجرام کو دیکھ کر کیا وہ بتلا سکتا ہے کہ کن چھکڑوں پر یہ اسباب آیا تھا اور ان کا مصالحہ کہاں سے آیا تھا یہی ماننا پڑے گا اور پڑتا ہے کہ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰس : ۸۳) پھر ہم کو ایسا ہی ماننا چاہیئے کہ قیامت کے روز سب کا ایک دم مقابلہ کرا دے گا اور جن حسرتوں میں مومن مر گئے تھے اور ان کو معلوم نہ تھا کہ ہمارے مخالفوں کا کیا حال ہوا وہ ان کو دکھلا دیا جائے گا کہ دیکھو اے راست بازبندو! یہ منکرین کا حال ہے تب ان راستبازوں کو لذت آوے گی پس خدا کو ہم مان ہی نہیں سکتے جب تک کہ اس کو صاحب مقدرت کلی نہ مان لیں پہلے اس کے کاموں کو دیکھو ہم سب کو ماننا پڑتا ہے کہ ان کا کوئی فاعل ہے پھر کیا

---

[1] الحکم میں جِئْتُ مِنَ الْحَضْرَةِ الْوِتْرِ لکھا ہے (دیکھئے الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۶ مورخہ ۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء)

وجہ کہ ایک حصہ میں اس کو ماننا اور ایک حصہ میں اس کا انکار کرنا اور شبہات میں پڑنا۔ یا تو پہلی دفعہ ہی انکار کرنا چاہئے یا بکلی ماننا چاہئے خدا کی صفات اور کام غیر محدود ہیں کیا دنیا کی ہزار ہا مخلوق اس بات کی کافی دلیل نہیں کہ خدا بڑا قوی خدا ہے۔

خدا تعالیٰ کی صفات اَبدی ہیں

خدا کبھی معطل نہیں ہوگا ہمیشہ خالق' ہمیشہ رازق' ہمیشہ رب' ہمیشہ رحمان' ہمیشہ رحیم ہے اور رہے گا میرے نزدیک ایسے عظیم الشان جبروت والے کی نسبت بحث کرنا گناہ میں داخل ہے خدا نے کوئی چیز منوانی نہیں چاہی جس کا نمونہ یہاں نہیں دیا۔ ہم لڑکپن میں ایسا کرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ گلہری کو جب مار دیا جائے تو وہ بے حس وحرکت ہو جاتی ہے مگر پھر اگر اس کے سر کو گوبر میں دبا دیا جائے تو وہ زندہ ہو جایا کرتی ہے اسی طرح مکھی۔ یہ موت حقیقی موت نہیں ہوتی نیند اور غشی بھی موت ہی ہے[1]

قبر میں سوالات

عرب صاحب نے سوال کیا کہ فرشتہ مرنے کے بعد کس زبان میں سوال کرے گا؟

فرمایا :۔

ہمیں انگریزی' فارسی' اردو' عربی وغیرہ سب زبانوں میں الہام ہوتے ہیں فرشتہ ہر زبان بول سکتا ہے۔

سوال کیا کہ کیا فرشتہ یہی سوال کرے گا مَنْ رَبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ اگر یہی سوال کرے گا تو اس کے جواب یاد کر لئے جائیں تو وہاں پاس ہو سکتے ہے

فرمایا :۔

نہیں یہ ایک ایمانی بات ہے یہی دو لفظ یاد کر کے دنیاوی امتحانوں کی طرح کبھی پاس نہیں ہو سکتے بلکہ انسان جس رنگ سے رنگین ہو گا وہی جواب اس کے منہ سے نکلے گا پھر لکھا ہے کہ بِوَجْهِهٖ مِنَ الْوُجُوْهِ قبر میں راحت یا رنج کا سامان مہیا کیا جائے گا۔

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے :۔

یہ موت حقیقی موت نہیں ہوتی غشی اور نیند کی سی حالت ہوتی ہے اور یہ بھی ایک قسم کی موت ہے یہ نمونہ ہے احیا موتیٰ کا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ مورخہ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء)

حشرِ اجساد

پھر عرب صاحب کے سوال پر فرمایا کہ

مرنے کے بعد مردے کا تعلق زمین سے ضرور رہتا ہے مومن کا تعلق ایک آسمان سے ہوتا ہے اور ایک زمین سے۔ اصل حساب وکتاب تو برزخ میں ہو جائے گا مگر مقابلہ کرانا باقی رہ جاوے گا وہ حشر کو ہوگا۔ ہزاروں انبیاء۔ دجال۔ کذاب۔ کفار۔ ملعون وغیرہ خطاب پاتے گئے قیامت میں اس لئے حشر ہوگا کہ ان کو عزت کی کرسی پر بٹھا کر اور مکذبوں کو ذلت کا عذاب دے کر دکھلایا جائے گا کہ دیکھو کون صادق اور کون کاذب تھا۔

سوال کیا کہ حشر کو جسم ہوگا یا نہیں اور یہی جسم ہوگا یا کوئی اور؟

فرمایا :۔

حشر میں جسم دیئے جائیں گے یہ نہیں کہ یہی ہوگا یا کوئی اور۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ تین سال کے بعد پہلا انسانی جسم ضائع ہو جاتا ہے اور اس کا قائم مقام نیا آجاتا ہے پھر ہمارا ایمان ہے کہ ایک بدن ملے گا مگر جس طرح اس علیم کے علم میں ہے ہمارا اس پر ایمان ہے کہ وہ قادر ہے کہ اس بدن سے بھی کچھ حصہ اسے دیدے اور اس کے سوا اور جسم بھی عطا کرے سوائے ذات باری کے کسی کی یہ صفت نہیں کہ ہمیشہ ابدی رہے اور یہ طاقت خدا ہی انسان کو دے گا کہ پھر وہ ابدی بن جاوے[1]

پھر سوال کیا کیوں یہ مرتبہ صرف انسان کو ہی ملے گا اور حیوانات کو نہیں دیا جائے گا؟

فرمایا :۔

اس پر ہم جھگڑ نہیں سکتے جیسے ایک شخص سخاوت کرتا ہے ایک فقیر کو وہ پیسہ دیتا ہے اور

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے۔

فرمایا :۔

جسم تو ہوں گے مگر یہ نہیں کہا کہ یہی یا اور۔ تین سال کے بعد پہلا جسم تو رہتا نہیں اس کا قائمقام جسم آجاتا ہے پس ہمارا یہ ایمان ہے کہ ایک جسم دیا جائے گا جیسا کہ اس علیم کے علم میں ہے وہ قادر ہے کہ اس بدن سے بھی کچھ حصہ ضرور لے اور ضرور لے گا اور اس حصہ کو بھی جلالی رنگ میں غیر فانی کردے سوائے ذات باری کے کسی دوسرے کی یہ صفت نہیں کہ ابدالاباد تک رہے انسان کو غیر فانی جسم جو دیا جائے گا یہ خدا کا عطیہ ہوگا۔

(الحکم جلد ۷ نمبر ۲ صفحہ ۷ مورخہ ۱۰ جنوری ۱۹۰۳ء)

دوسرے کو روپیہ۔ مگر جس کو پیسہ ملا ہے وہ حق نہیں رکھتا کہ جھگڑا کرے بہشت والوں کو تو ابدی رہنا ہو گا اور حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ دوزخی ہمیشہ اس میں نہیں رہیں گے۔ جیسے فرمایا یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ کیونکہ وہ بھی آخر خدا کے ہاتھ کے بنے ہوئے ہیں ان پر کوئی زمانہ ایسا آنا چاہیئے کہ ان کو عذاب کی تخفیف دی جائے۔

یہ معرفت کی باتیں ہوتی ہیں جہنم سے نکلیں گے۔ مگر یہ نہیں لکھا کہ بہشت میں مومنین کی طرح ان کو بھی حصہ ملے گا ہاں ان کے ماتھے پر دوزخ کا نشان ہو گا۔

پھر سوال کیا کہ بہشت والوں کو روز کا عیش و آرام بھی دکھ ہو جائے گا۔

فرمایا :-

بہشت میں بھی ہر روز ایک تجدد ہوتا رہے گا اسی طرح دوزخیوں پر بھی لکھا ہے بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا (النساء:-۵۷) مگر خدا کا تجدد بے پایاں ہے جو کبھی ختم نہیں ہو گا خدا کے کاموں میں انتہا نہیں۔ فرماتا ہے وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ (ق: ۳۶) یعنی زیادتی ہوتی رہے گی۔

پھر سوال کیا کہ میں نے آج تک روزہ نہیں رکھا اس کا کیا فدیہ دوں۔

فرمایا :-

خدا ہر ایک شخص کو اس کی وسعت سے باہر دکھ نہیں دیتا۔ وسعت کے موافق گزشتہ کا فدیہ دے دو اور آئندہ عہد کرو کہ سب روزے ضرور رکھوں گا۔[1]

۳؍جنوری ۱۹۰۳ء

صبح کی سیر

اللہ اور رحمٰن

سیر کو نکلتے ہی سلسلہ کلام یُبْدِیْ لَکَ الرَّحْمٰنُ الہام سے شروع ہوا۔

فرمایا :-

رحمان اپنے اندر بشارت رکھتا ہے چونکہ یہ بشارت تھی اس لئے اس الہام میں رحمان کا لفظ رکھا ہے۔ اور شَیْئًا کے لفظ میں کچھ اخفا تھا جو کہ اس کی عظمت کے لئے ہے مگر ایک

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۰۳ء

اخفاء ضرور ہے اس لئے اس خیال سے کہ وہم پیدا نہ ہو پھر اور واضح الفاظ میں فرمایا۔

بِشَارَةٌ تَلَقَّهَا النَّبِيُّوْنَ

يُبْدِيْ لَكَ الرَّحْمٰنُ میں لام بھی انتفاع کے لئے فرمایا دوسرے الہام وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ الْعِدَا میں اللہ کا لفظ اس لئے رکھا کہ اللہ اپنے جلال کو چاہتا ہے اور اس عصمت میں اظہار جلال مقصود تھا اس لفظ کو استعمال فرمایا جو اسم اعظم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

اس ضمن میں فرمایا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:۴۰) اس معیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی تعالیٰ اللہ عنہ بھی ہیں اور گویا کل جماعت آپ کی آگئی موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا بلکہ کہا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ (الشعراء : ۶۳) اس میں کیا سر تھا کہ انہوں نے اپنے ہی ساتھ معیت کا اظہار کیا؟ اس میں یہ راز ہے کہ اللہ جامع جمیع شیون کا ہے اور اسم اعظم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کے ساتھ اسم اعظم کی معیت مع تمام صفات کے پائی جاتی ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کی قوم شریر اور فاسق فاجر تھی۔ آئے دن لڑنے اور پتھر مارنے کو تیار ہو جاتی تھی اس لئے ان کی طرف معیت کو منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی ذات تک اسے رکھا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور علو مدارج کا اظہار مقصود ہے۔

ایمان عرفان میں کیسے تبدیل ہوتا ہے

فرمایا :۔

یہ پیشگوئیاں جو ہیں یہ ایمان کو قوی کر کے عرفان بنا دیتی ہیں۔ نری باتوں سے ایمان قوی نہیں ہو سکتا جب تک اس میں قوت کی شعاعیں نہ پڑیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان نشانات سے پیدا ہوتی ہیں۔ پس ان پیشگوئیوں کو خوب کان کھول کر سننا چاہئے دوسرے وقت جب یہ پوری ہوتی ہیں تو ایمان کی تقویت کا باعث ہو کر اس کو عرفان بنا دیتی ہیں۔ اس لئے جو امر پیشگوئی پر مشتمل ہو میں اس کو ضرور سنا دیا کرتا ہوں اور میری غرض اس سے یہی ہوتی ہے۔ یہ ایک نور بخشتی ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور نازل نہ ہو انسان غلطی میں پڑا رہتا ہے۔

تعبیر الرؤیا

ابو سعید عرب صاحب نے اپنی رؤیا بیان کی کہ ایک کتا پیار سے کاٹتا ہے اور پھر اس نے ایک انڈا دیا جس کو انہوں نے توڑ ڈالا اور وہ بھاگ گیا ہے۔

فرمایا:۔

کتا ایک برزخ ہے درندگی اور چرندگی میں۔ جب وہ محبت سے کاٹے تو محبت ہے اور کتے سے مراد خفیف سا دشمن ہوتا ہے اس کے انڈے سے مراد اس کی ذریت ہے جب اس کو توڑ دیا تو گویا خفیف اور کمزور دشمن کی ذریت کو تلف کر دیا۔

توحید

فرمایا :۔ جس بادشاہ کے ہم زیر سایہ ہیں اس کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جانا یہ توہین ہے۔ بِئْسَ الْفَقِیْرُ عَلٰی بَابِ الْاَمِیْرِ۔

مولوی محمد حسین اور اس کا رجوع

ابو سعید عرب صاحب نے اپنے ذوق سے بیان کیا کہ محمد حسین والی پیشگوئی یقیناً خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ فرمایا :۔

اس میں کیا شک ہے۔ زور کے ساتھ یہ دعویٰ کیا گیا ہے۔ کہ وہ رجوع کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی مقدر کیا تھا۔ اصل میں محمد حسین زیرک آدمی تھا۔ مگر میں دیکھتا تھا کہ ابتداء سے اس میں ایک قسم کی خود پسندی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس طرح پر اس کا تنقیہ کر دے یہ اس کے لئے استفراغ ہے۔ براہین میں ایک الہام درج ہے جس میں اس کا فرعون نام رکھا گیا ہے۔ اس نے بھی آخر یہی کہا تھا کہ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس : ۹۱) اس لئے اس کے لئے بھی اٰمَنْتُ بِالَّذِیْٓ کا وقت مقدر ہے۔

اس پر پوچھا گیا کہ وہ کیا امر ہے جس کی وجہ سے یہ آخری سعادت اس کے لئے مقدر ہے۔ فرمایا :۔

یہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ مگر اس نے ایک کام تو کیا ہے۔ براہین احمدیہ پر ریویو لکھا تھا

اور وہ واقعی اخلاص سے لکھا تھا کیونکہ اس وقت اس کی یہ حالت تھی کہ بعض اوقات میرے جوتے اٹھا کر جھاڑ کر آگے رکھ دیا کرتا تھا اور ایک بار مجھے اپنے مکان میں اس غرض سے لے گیا کہ وہ مبارک ہو جاوے اور ایک بار اصرار کر کے مجھے وضو کرایا۔ غرض بڑا اخلاص ظاہر کیا کرتا تھا۔ کئی بار اس نے ارادہ کیا کہ میں قادیان ہی میں آکر رہوں۔ مگر میں نے اس وقت اسے یہی کہا تھا کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ اس کے بعد اسے یہ ابتلاء پیش آگیا۔ کیا تعجب ہے کہ اس اخلاص کے بدلے میں خدا تعالیٰ نے اس کا انجام اچھا رکھا ہو[1]

اس پر ایک بھائی نے سوال کیا کہ حضور اب اسے کیا سمجھیں۔ فرمایا۔

اب تو حکم حالت موجودہ ہی پر ہوگا۔ وہ دشمن ہی اس سلسلہ کا ہے۔ دیکھو جب تک نطفہ ہوتا ہے اس کا نام نطفہ رکھتے ہیں گو اس کا انسان بن جاوے مگر جوں جوں اس کی حالتیں بدلتی جاتی ہیں اس کا نام بدلتا جاتا ہے۔ مضغہ علقہ وغیرہ ہوتا ہے۔ آخر اپنے وقت پر جا کر انسان بنتا ہے۔ یہی حال اس کا ہے۔ سردست تو وہ اس سلسلہ کا مخالف اور دشمن ہے اور یہی اس کو سمجھنا چاہیے۔

پھر اس ضمن میں فرمایا کہ

سزا اور عذاب صرف کفر ہی کے باعث نہیں آتا۔ بلکہ فسق و فجور بھی عذاب کا موجب ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیشہ صادقوں ہی کی نصرت اور تائید کرتا ہے

فرمایا:۔ کبھی کوئی جھوٹ اس قدر چل نہیں سکتا۔ آخر دنیا میں ہم دیکھتے ہیں۔ کہ بدی کرنے والے جھوٹے اور فریبی اپنے جھوٹ میں تھک کر رہ جاتے ہیں۔ پھر کیا کوئی ایسا مفتری ہو سکتا ہے جو برابر پچیس برس سے خدا تعالیٰ پر افترا کر رہا ہو اور تھکا نہ ہو اور خدا کو بھی اس کے لئے غیرت نہ آوے بلکہ اس کی تائید میں نشانات ظاہر کرتا رہے۔ یہ عجیب بات ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ ہمیشہ صادقوں ہی کی نصرت اور تائید کرتا ہے۔

دیکھو یہ جو میری پیشگوئی ہے کہ میری عمر اسی برس کے قریب ہوگی کیا کوئی مفتری اس قسم کی

---

[1] البدر میں مزید یوں لکھا ہے:۔

"یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کے تقاضے ہوتے ہیں۔ ایک کتاب میں میں نے دیکھا کہ موسیٰ کے زمانہ میں ایک بہوپیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شکل پر سوانگ بنایا کرتا تھا جس وقت سب قوم فرعون کی غرق ہوئی تو وہ بچا رہا۔ حضرت موسیٰ نے خدا تعالیٰ سے اس کا باعث دریافت کیا تو فرمایا کہ چونکہ یہ تیرے چہرے جیسا چہرہ بنایا کرتا تھا اس لئے ہماری رحمت نے تقاضا نہ کیا کہ تیرے مثیل شکل کو غرق کریں"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۲ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۰۳ء)

پیشگوئی کر سکتا ہے اور خصوصاً اس پر تیس برس گذر بھی گئے ہوں اور ایسا ہی اس وقت جب کوئی نہ جانتا تھا اور نہ یہاں آتا تھا۔ یہ کہا یَاْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ اور يَاْتِيْكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ کیا یہ مفتری کر سکتا ہے کہ ایسا کہے اور پھر خدا بھی ایسے مفتری کی پروا نہ کرے بلکہ اس کی پیشگوئی پوری کرنے کو دور دراز سے لوگ بھی اس کے پاس آتے ہیں اور ہر قسم کے تحائف اور نقد بھی آنے لگیں۔ اگر یہ بات ہو کہ مفتری کے ساتھ بھی ایسے معاملات ہوتے ہیں۔ پھر نبوت سے ہی امان اٹھ جاوے۔ یہی نشان ہیں جو ہماری جماعت کی محبت اور اخلاص میں ترقی کا باعث ہو رہے ہیں۔ مفتری اور صادق کو تو اس کے منہ ہی سے دیکھ کر پہچان سکتے ہیں۔

فرمایا :۔ سچائی کا یہ بھی ایک نشان ہے کہ صادق کی محبت سعید الفطرت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ احمق کو یہ راہ نہیں ملتی کہ نور کا حصہ لے۔ وہ ہر بات میں بدگمانی ہی سے کام لیتا ہے۔

فرمایا :۔ ہم کو تکلف اور تصنع کی حاجت نہیں۔ خواہ کوئی ہماری وضع سے راضی ہو یا ناخوش۔ ہمارا اپنا کوئی کام نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کا اپنا کام ہے اور وہ خود کر رہا ہے۔

فرمایا :۔ جب انسان خدا کو چھوڑتا ہے تو پھر مکائد پر بھروسہ کرتا ہے۔

اپنی سچائی پر بصیرت

فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ ہم کو مجوب ہونے کی حالت میں نہ چھوڑے گا۔ وہ سب پر اتمام حجت کر دے گا۔ یاد رکھو سماوی اور ارضی آدمیوں میں فرق ہوتا ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ خود ان کی عزت کو ظاہر کرتا ہے اور ان کی سچائی کو روشن کرکے دکھاتا ہے۔ اور جو اس کی طرف سے نہیں آتے اور مفتری ہوتے ہیں وہ آخر ذلیل ہو کر تباہ ہو جاتے ہیں۔

پیشگوئیوں کے اسرار

پیشگوئیوں کے متعلق فرمایا کہ

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے اور اس کا کلام بہرحال سچا ہے۔ ہاں یہ ہوتا ہے کہ کبھی وہ جسمانی رنگ میں پوری ہوتی ہیں کبھی روحانی رنگ میں۔ اور منہاج نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہوئی ہیں تو وہ صحابہؓ کا ذبح ہونا تھا۔ اور آپ نے دیکھا کہ سونے کے کڑے پہنے ہوئے ہیں جو پھونک مارنے سے اڑ گئے ہیں۔ اس سے مراد جھوٹے پیغمبر تھے۔ پس خدا کا کلام کسی نہ کسی رنگ میں ضرور سچا ہے۔

جماعت کے ازدیادِ ایمان کے لئے نشانات کا ظہور

فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ ہماری جماعت کا ایمان کمزور رہے۔ مہمان اگر نہ بھی چاہے تو بھی میزبان کا فرض ہے کہ اس کے آگے کھانا رکھدے۔ اسی طرح پر اگرچہ نشانوں کی ضرورت کوئی بھی نہ سمجھے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جماعت کے ایمان کو بڑھانے کے لئے نشانات ظاہر کر رہا ہے۔ یہ بھی سچی بات ہے کہ جو لوگ اپنے ایمان کو نشانوں کے ساتھ مشروط کرتے ہیں وہ سخت غلطی کرتے ہیں۔ حضرت مسیحؑ کے شاگردوں نے مائدہ کا نشان مانگا تو یہی جواب ملا کہ اگر اس کے بعد کسی نے انکار کیا تو ایسا عذاب ملے گا جس کی نظیر نہ ہوگی۔

طالب کا ادب

پس طالب کا ادب یہی ہے کہ وہ زیادہ سوال نہ کرے اور نشان طلب کرنے پر زور نہ دے۔ جو اس آداب کے طریق کو ملحوظ رکھتے ہیں خدا ان کو کبھی بے نشان نہیں چھوڑتا۔ اور ان کو یقین سے بھر دیتا ہے۔ صحابہؓ کی حالت کو دیکھو کہ انہوں نے نشان نہیں مانگے۔ مگر کیا خدا نے ان کو بے نشان چھوڑا؟ ہرگز نہیں۔ تکالیف پر تکالیف اٹھائیں۔ جانیں دیں۔ اعداء نے عورتوں تک کو خطرناک تکلیفوں سے ہلاک کیا۔ مگر نصرت ہنوز نمودار نہ ہوئی۔ آخر خدا کے وعدہ کی گھڑی آگئی اور ان کو کامیاب کر دیا۔ اور دشمنوں کو ہلاک کیا۔ یہ سچی بات ہے کہ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر وہ پہلے ہی دن سارے نشان ظاہر کر دے تو پھر ایمان کا کوئی ثواب اور نتیجہ ہی نہ ہو۔ عرفان آکر یقین سے تو بھر دیتا ہے مگر اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ ان ساری ترقیوں کی جڑ ایمان ہی ہے۔ اسی کے ذریعہ سے انسان بڑی بڑی منزلیں طے کرتا اور سیر کرتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (بنی اسرائیل : ۲) سے یہی پایا جاتا ہے کہ جب کامل معرفت ہوتی ہے تو پھر اس کو عجیب و غریب مقامات کی سیر کرائی جاتی ہے اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں۔ جو ادب سے اپنی خواہشوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ تمام منہاج نبوت اسی پر دلالت کرتا ہے۔ پہلے نشان بھی ظاہر نہیں ہوتے بلکہ ابتلا ہوتے ہیں۔

صدیقی فطرت حاصل کریں

پس صدیقی فطرت حاصل کرنی چاہیے۔ انہوںؓ[1] نے کونسا نشان مانگا تھا۔ شام سے مکہ کو آ

---

[1] مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

رہے تھے۔ راستہ ہی میں خبر ملی۔ وہیں یقین لے آئے۔ اس کی وجہ وہ معرفت تھی جو آپ کی تھی۔ معرفت بڑی عمدہ چیز ہے۔ جب انسان کسی کے حالات اور چال چلن سے پورا واقف ہو تو اس کو زیادہ تکلیف نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو معجزہ اور نشان کی کوئی حاجت ہی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکر صدیق آپ کے حالات سے پورے واقف تھے۔ اس لئے سنتے ہی یقین کر لیا۔

تقویٰ اختیار کریں

فرمایا۔ ہمیں جس بات پر مامور کیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ تقویٰ کا میدان خالی پڑا ہے تقویٰ ہونا چاہیے نہ یہ کہ تلوار اٹھاؤ۔ یہ حرام ہے۔ اگر تم تقویٰ کرنے والے ہوگے۔ تو ساری دنیا تمہارے ساتھ ہوگی۔ پس تقویٰ پیدا کرو۔ جو لوگ شراب پیتے ہیں یا جن کے مذہب کے شعائر میں شراب جزو اعظم ہے ان کو تقویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ وہ لوگ نیکی سے جنگ کر رہے ہیں۔ پس اگر اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو ایسی خوش قسمت دے اور انہیں توفیق دے کہ وہ بدیوں سے جنگ کرنے والے ہوں اور تقویٰ اور طہارت کے میدان میں ترقی کریں۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی چیز موثر نہیں ہو سکتی۔ اس وقت کل دنیا کے مذاہب کو دیکھ لو کہ اصل غرض تقویٰ مفقود ہے اور دنیا کی وجاہتوں کو خدا بنایا گیا ہے۔ حقیقی خدا چھپ گیا ہے اور سچے خدا کی ہتک کی جاتی ہے مگر اب خدا چاہتا ہے کہ وہ آپ ہی مانا جاوے اور دنیا کو اس کی معرفت ہو جو لوگ دنیا کو خدا سمجھتے ہیں وہ متوکل نہیں ہو سکتے۔

(اس سیر میں سے ہم نے مضمون غیر کو نکال کر آپ ہی کی تقریر کے مختلف فقروں کو یک جا جمع کر دیا ہے (ایڈیٹر)

جماعت کی تعداد

ظہر سے پہلے لودھیانہ سے آئے ہوئے احباب نے شرف نیاز حاصل کیا۔ قاضی خواجہ علی صاحب نے مولوی محمد حسین صاحب کی ملاقات کا ذکر کیا کہ میں نے ان کو کہا تھا قادیان چلو۔

فرمایا :۔

اگر وہ یہاں آجاوے تو اس کو اصل حالات معلوم ہوں اور ہماری جماعت کی ترقی کا پتہ لگے وہ ابھی تک تین سو تک ہی کہتا ہے اور یہاں اب ڈیڑھ لاکھ سے بھی تعداد زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اگر شبہ ہو تو گورنمنٹ کے حضور درخواست کر کے ہماری جماعت کی الگ مردم شماری کرالیں۔ براہین

احمدیہ میں جو لکھا تھا کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَانْتَھٰی اَمْرُ الزَّمَانِ اِلَیْنَا۔ اَلَیْسَ ھٰذَا بِالْحَقِّ اب دیکھیں کہ وہ وقت آیا ہے یا نہیں۔ گورنمنٹ پنجاب کی خدمت میں جو میموریل ستمبر۱۸۹۹ء میں بھیجا گیا تھا۔ اس میں صاف اس امر کی پیشگوئی ہے کہ یہ جماعت تین سال میں ایک لاکھ ہو جائے گی۔ اور وہ پوری ہو گئی بہت سے لوگ ایسے ضعفا و غرباء میں سے ہیں جو اس سلسلہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ مگر آ نہیں سکتے۔

دُنیا کے بارہ میں دین دار کا رویّہ

فرمایا۔ دیندار آدمی دنیا داروں کی طرف رجوع کرنے میں اپنی ذلت اور توہین سمجھتا ہے۔ ایک صحابی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض تھے۔ اس وقت ایک بادشاہ نے اپنا سفیر اس کے پاس بھیجا اور چاہا کہ وہ اس کے پاس چلے آویں۔ صحابیؓ نے اس خط کو لے کر تنور میں پھینک دیا اور رونا شروع کر دیا کہ ایک طرف تو میری یہ حالت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں اور دوسری طرف میں یہاں تک گر گیا کہ ایک کافر میرے ایمان پر طمع کرنے لگا۔ مجھ سے ضرور کوئی سخت معصیت ہوئی ہے۔ جس قدر زیادہ دینداری اور خدا پرستی ہوگی۔ اسی قدر اہل دنیا سے نفرت پیدا ہوگی۔

سِلسلہ کی اشاعت

ہم کو جس قدر تکالیف دی گئی ہیں اور جس قدر سب و شتم کیا گیا ہے۔ یہ ہماری تبلیغ کے لئے ذریعہ ہو گیا ہے۔ جیسے جس قدر گرمی شدت سے ہو برسات بھی اسی نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ عرب کے لوگ عیش و عشرت اور ناپاک خواہشوں اور فعلوں میں مستغرق تھے۔ انہیں مذہب اور مذہبی مباحثات سے کیا کام تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں یوں کھڑے ہو گئے جیسے کوئی بڑا عاشق مذہب دیندار ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ اس شور سے ساری قوموں میں جلد جلد آپ کی دعوت پھیل جائے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی تکالیف دیں مگر آخر وہی ہوا جو خدا تعالیٰ کا منشا تھا۔ اسی طرح پر یہاں دیکھ لو کہ کس قدر زور شور سے مخالفت ہوئی۔ اور ہو رہی ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو بدعات اور بدکاریوں میں مبتلا ہیں۔ اکثر ہیں جو کنجریوں کے پیر بنے ہوئے ہیں۔ اور بھنگ' چرس' مدک' تاڑی' گانجا' شراب وغیرہ پیتے ہیں یہ دہریہ ہوتے ہیں مگر کوئی ان سے تعرض نہیں کرتا۔ برخلاف اس کے ہماری اس قدر مخالفت کی جاتی

ہے کہ ایک چھوٹے سے مسئلہ وفات وحیات مسیح پر وہ شور اٹھایا گیا جس کی حد نہیں رہی۔ قتل کے فتوے دئے گئے۔ اس میں راز یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کی اشاعت چاہتا ہے۔

دربارِ شام

بیعت کے بعد طاعون کا ذکر ہوا جس پر حضرت اقدس نے ایک لمبی تقریر طاعون کے متعلق فرمائی ہم کسی قدر تلخیص کے ساتھ اس کو ذیل میں لکھتے ہیں :۔

تقویٰ کی ضرورت

فرمایا :۔ جب تک انسان تقویٰ میں ایسا نہ ہو جیسے اونٹ کو سوئی کے ناکے سے نکالنا پڑے اس وقت تک کچھ نہیں ہوتا۔ جس قدر زیادہ تقویٰ اختیار کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ بھی توجہ فرماتا ہے۔ اگر یہ اپنی توجہ معمولی رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی معمولی توجہ رکھتا ہے۔

طاعون کا عذاب

خدا تعالیٰ نے فرمایا غَضِبْتُ غَضَبًا شَدِیْدًا۔ یہ طاعون کے متعلق ہے اور پھر فرمایا اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ وَ اَلُوْمُ مَنْ یَّلُوْمُ اُفْطِرُ وَاَصُوْمُ میں اپنے رسول کے ساتھ کھڑا ہوں گا۔ اور اس کو ملامت کروں گا جو ملامت کرتا ہے۔ میں روزہ کھولوں گا بھی اور روزہ رکھوں گا بھی۔ یہ سب الہام طاعون کے متعلق ہیں۔ ملامت ایک دل کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک زبان کے ساتھ۔ زبان کے ساتھ تو یہی ملامت ہے جو مخالف کرتے ہیں۔ لیکن دل کی ملامت یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف توجہ نہ کرے جو ہم پیش کرتے ہیں اور ان پر عمل کے لئے تیار نہ ہو۔ روزہ رکھوں گا اور کھولوں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک گویا طاعون کا زور گھٹ جائے گا۔ یہ روزے کے دن ہوں گے اور ایک وقت ایسا ہوگا کہ اس میں کثرت سے ہوگی۔ اب دیکھا گیا ہے کہ کثرت سردی اور کثرت گرمی میں اس کی شدت اور تیزی رک جاتی ہے۔ لیکن بہاری موسم فروری، مارچ اور ستمبر اکتوبر میں اس کا زور بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ دورے تھمنے والے نہیں ہیں خدا تعالیٰ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دورے شدید ہیں۔ زمین پر خدا تعالیٰ سے غفلت اور سستی پھیل گئی ہے۔ نیکیوں کی طرف توجہ نہیں رہی۔ ایسی صورت میں کیا اس کا علاج ڈاکٹری اصولوں سے ہوگا یا کوئی اور علاج اثر پذیر ہو سکے گا جب تک خدا تعالیٰ کی مرضی نہ ہو؟

مت خیال کرو کہ ہمارا ملک یا شہر یا گاؤں ابھی تک محفوظ ہے۔ یہ کل دنیا کے لئے مامور ہو کر آئی ہے اور اپنے وقت پر ہر جگہ پھرے گی۔ اس کے دورے بڑے لمبے ہوتے ہیں۔ بعض وقت لوگ ان وجوہات کو نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن یاد رکھو کہ جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور ایماء سے ہو رہا ہے۔ اب اس کے وجوہ موٹے ہیں۔ بائیس برس پہلے خدا تعالیٰ نے براہین میں مجھے اس کی خبر دی اور پھر متواتر وقتاً فوقتاً وہ اطلاع دیتا رہا۔ یہاں تک کہ جب ابھی پنجاب کے دو ضلعوں میں تھی تو اس نے مجھے بتایا کہ کل پنجاب اس کے اثر سے متاثر ہو جائے گا۔ اس وقت لوگوں نے اس پر ہنسی کی۔ مگر اب بتائیں کہ ان کی ہنسی کا کیا جواب ہوا؟ اجنبی لوگ اگر نہ مانیں تو نہ سہی مگر ہماری جماعت جو دن رات نشانات کو دیکھتی ہے اسے چاہیے کہ اپنی تبدیلی کرے۔ جو شخص امن کے زمانہ میں خدا سے ڈرتا ہے وہ بچایا جاتا ہے۔ ڈرنے والے زمانہ میں تو ہر ایک ڈرتا ہے جب سونٹا اٹھایا جاوے تو اس سے بھیڑ، بکری، کتا، بلی سب ڈرتے ہیں۔ انسان کی اس میں کون سی خوبی ہے۔ یہ تو اس حالت میں ان سے جا ملا۔ اس کی دانشمندی اور دوربینی کا یہ تقاضا ہونا چاہیے تھا کہ پہلے ہی سے ڈرتا۔ بعض گاؤں میں سخت تباہی ہو چکی ہے یہاں تک کہ گھروں کے گھر مقفل ہو گئے۔ جب زور سے پڑتی ہے تو پھر کھا جانے والی آگ کی طرح ہوتی ہے۔ ایک بار بلاد شام میں پڑی تھی تو جانوروں تک کی صفائی اس نے کر دی تھی۔ یہ بڑی خطرناک بلا ہے۔ اس سے بے خوف ہونا نادانی ہے۔ حقیقی ایمان ایک موت ہے۔ جب تک انسان اس موت کو اختیار نہ کرے۔ دوسری زندگی مل نہیں سکتی۔

تقویٰ کی اہمیت

جو لوگ نری بیعت کر کے چاہتے ہیں کہ خدا کی گرفت سے بچ جائیں۔ وہ غلطی کرتے ہیں۔ ان کو نفس نے دھوکا دیا ہے۔ دیکھو طبیب جس وزن تک مریض کو دوا پلانی چاہتا ہے۔ اگر وہ اس حد تک نہ پیوے تو شفا کی امید رکھنی فضول ہے۔ مثلاً وہ چاہتا ہے کہ دس تولہ استعمال کرے اور یہ صرف ایک ہی قطرہ کافی سمجھتا ہے یہ نہیں ہو سکتا پس اس حد تک صفائی کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو جو خدا کے غضب سے بچانے والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رجوع کرنے والوں پر رحم کرتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو دنیا میں اندھیر پڑ جاتا۔ انسان جب متقی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے غیر میں فرقان رکھ دیتا ہے اور پھر اس کو ہر تنگی سے نجات دیتا ہے نہ صرف نجات بلکہ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق : ۴) پس یاد رکھو جو خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے خدا تعالیٰ اس کو مشکلات سے رہائی دیتا ہے اور انعام و اکرام بھی کرتا ہے اور پھر متقی خدا کے ولی ہو جاتے

ہیں۔ تقویٰ ہی اکرام کا باعث ہے کوئی خواہ کتنا ہی لکھا پڑھا ہوا ہو وہ اس کی عزت و تکریم کا باعث نہیں اگر متقی نہ ہو۔ لیکن اگر ادنیٰ درجہ کا آدمی بالکل امی ہو مگر متقی ہو وہ معزز ہوگا۔ یہ دن خداتعالیٰ کے روزہ کے ہیں۔ ان کو غنیمت سمجھو اس سے پہلے کہ وہ اپنا روزہ کھولے تم اس سے صلح کرلو اور پاک تبدیلی کرلو جنوری کا مہینہ باقی ہے فروری میں پھر وہی سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ ایسی بلاؤں کا باعث صادق کی تکذیب ہوتی ہے۔ اس لئے اور کوئی علاج کارگر نہیں ہو سکتا۔ بعض صحابہؓ بھی اس مرض سے مرے ہیں لیکن وہ شہید ہوئے۔ جیسے لڑائیاں جو دشمنوں کی ہلاکت کا موجب تھیں ان میں مرنے والے صحابہؓ بھی شہید ہوئے تھے جو نیک آدمی مرجاتا ہے اس کو بشارت شہادت ملتی ہے جو بد آدمی مرتا ہے اس کا انجام جہنم ہے جو شخص نیکیوں میں ترقی کرتا ہے اور خداتعالیٰ سے پناہ مانگتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو بچالیتا ہے۔ دیکھو ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش واللہ اعلم پیغمبر گذرے ہیں۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی طاعون سے بھی ہلاک ہوا تھا۔ ہرگز نہیں۔ یہ بلا بھی مامور ہوتی ہے اور خداتعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتی ہے۔ اس کی مجال نہیں کہ بلا حکم کوئی کام کرے۔

(یہاں حضرت اقدس نے ہاتھی والی رؤیا سنائی جو کئی مرتبہ شائع ہوئی)

پھر فرمایا کہ

اگرچہ آج کل کسی قدر امن ہے مگر میں ڈرتا ہوں کہ وہ وقت خطرناک زور کا قریب ہے اس لئے ہماری جماعت کو ڈرنا چاہیے۔ اگر کسی میں تقویٰ ہو جیسا کہ خداتعالیٰ چاہتا ہے۔ تو وہ بچایا جائے گا۔ اس سلسلہ کو خداتعالیٰ نے تقویٰ ہی کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ تقویٰ کا میدان بالکل خالی ہے۔ پس جو متقی بنیں گے ان کو معجزہ کے طور پر بچایا جائے گا۔

عرب صاحب نے پوچھا جو لوگ حضور کو برا نہیں کہتے اور آپ کی دعوت کو نہیں سنا۔ وہ طاعون سے محفوظ رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ فرمایا :۔

میری دعوت کو نہیں سنا تو خدا کی دعوت تو سنی ہے کہ تقویٰ اختیار کریں۔ پس جو تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ ہمارے ساتھ ہی ہے خواہ اس نے ہماری دعوت سنی ہو یا نہ سنی ہو کیونکہ یہی غرض ہے ہماری بعثت کی۔ اس وقت تقویٰ عنقا یا کبریت کی طرح ہوگیا ہے کسی کام میں خلوص نہیں رہا بلکہ ملونی ملی ہوئی ہے۔ خداتعالیٰ چاہتا ہے کہ اس ملونی کو جلا کر خلوص پیدا کرو۔ اس وقت ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم : ۴۲) کا نمونہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یورپ اور دیگر ممالک کی بگڑی ہوئی حالتوں کا علم نہ تھا۔ خداتعالیٰ کی وحی پر ایمان تھا اور اب

عرفان کی حالت پیدا ہو گئی ہے جو چاہے ان ممالک میں جا کر دیکھ لے[1]

۴؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز یکشنبہ

(بوقت سَیر)

طاعون کا حتمی علاج

طاعون کے متعلق ذکر ہوا۔ فرمایا کہ

ہمارا علاج کوئی کان دھر کر سنتا نہیں ہے مگر بہر حال آخری علاج یہی ہے۔ لوگوں کی عادت ہو گئی ہے کہ ان کی نظر صرف اسباب پر رہتی ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ آسمان سے سب کچھ ہوتا ہے۔ جب تک وہاں نہ ہو زمین پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ دہریت کا آج کل طبائع میں بہت زور ہے۔ اخباروں میں ہمارے بتلائے ہوئے علاج پر ٹھٹھا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طاعون کو خدا سے کیا تعلق۔ ایک بیماری ہے جس کا علاج ڈاکٹروں سے کرانا چاہیے۔

ایک صاحب نے لوگوں کا یہ اعتراض پیش کیا کہ طاعون سے اکثر غریب ہی مرتے ہیں مخالف اور امیر نہیں مرتے۔ فرمایا۔

میرے الہاموں سے پایا جاتا ہے کہ ہم دور سے شروع ہوں گے۔ مکہ میں جب قحط پڑا تو اس میں بھی اول غریب لوگ ہی مرے۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ ابوجہل جو اس قدر مخالف ہے۔ وہ کیوں نہیں مرا؟ حالانکہ اس نے تو جنگ بدر میں مرنا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ابتلا ہوا کرتا ہے اور یہ اس کی عادت ہے اور پھر اس کے علاوہ یہ اس کی مخلوق ہے۔ اس کو ہر ایک نیک و بد کا علم ہے۔ سزا ہمیشہ مجرم کے واسطے ہوا کرتی ہے۔ غیر مجرم کے واسطے نہیں ہوتی۔ بعض نیک بھی اس سے مرتے ہیں مگر وہ شہید ہوتے ہیں۔ اور ان کو بشارت ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ سب کی نوبت آجاتی ہے۔ اب رسل بابا جو مرا۔ کیا وہ امیروں میں سے نہ تھا۔ ہمارا بھی مخالف تھا۔

عذاب کی اقسام

ایک شخص نے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں طاعون کیوں نہ

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۲ ص ۷ تا ۸ مورخہ ۱۷ ؍جنوری ۱۹۰۳ء

پڑی ان کا بھی انکار ہوا تھا۔ فرمایا۔

یہ ضرور نہیں ہے کہ خدا ہر وقت ایک ہی رنگ میں عذاب دیوے۔ قرآن شریف میں عذاب کی کئی اقسام بیان کی گئی ہیں۔ جیسے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ (انعام : ۶۶)

جنگ و لڑائی وغیرہ کو بھی عذاب قرار دیا ہے۔ عذاب بہت اقسام کے ہوتے ہیں کیا خدا تعالیٰ کے پاس عذاب کی ایک ہی قسم ہے؟ اور خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ ہر نشان میں ایک پہلو اخفا کا رکھتا ہے ورنہ وہ چاہے تو چن چن کر بڑے بڑے بدمعاش ہلاک کر دے سب لوگ ایک ہی دن میں سیدھے ہو جاویں۔

ایک الہام کی تشریح

مولوی محمد احسن صاحب نے کہا کہ حضور اب اَلْيَوْمَ مَنْ يَّلُوْمُ کا الہام خوب پورا ہوا۔ حضور کے بتلائے ہوئے علاج پر لوگ کیا کیا باتیں بناتے تھے اور طریق ملامت ان لوگوں نے اختیار کیا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے اس ملامت کے بدلے میں کیسی ملامت کی ہے۔ جس ٹیکہ کو پیش کر کے ملامت کرتے تھے۔ اب خود ہی اس سے کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ پھر حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک موقعہ پر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اسے (طاعون کو) کبھی بند نہ کروں گا جب تک توبہ نہ کریں۔ خدا تعالیٰ کا اصل مطلب تو طاعون سے افطار ہے (یعنی ہلاک کرنے کا) مگر پھر رحم آتا ہے تو روزہ رکھ لیتا ہے (یعنی درمیان میں وقفہ دے دیتا ہے) کہ لوگ اگر چاہیں تو توبہ کر لیں۔ لوگوں سے اگرچہ ہمیں ہمدردی ہے مگر چونکہ لوگ خدا تعالیٰ سے غافل ہیں اس لئے اس کو یاد کرانے کے واسطے تنبیہہ کی ضرورت ہے جیسے ایک لحاف کے اندر کا استر بھی میلا اور پلید ہو اور باہر کا ابرہ بھی ویسے ہی خراب ہو۔ اسی طرح اب اندرونی اور بیرونی دونو حالتیں قابل اصلاح ہیں لوگوں کو یہ بات تعجب میں ڈال رہی ہے کہ ایسا ہوگا کہ خدا اپنی ہستی کو منواوے یہ ان کی غلطی ہے وہ اپنے وجود کو ضرور منواوے گا۔

آثار سے پتہ لگتا ہے کہ جہاں جہاں طاعون پڑی ہوئی ہے ابھی تک لوگ اس سے متاثر نہیں ہوئے۔ ابھی کل امرتسر سے ایک اشتہار آیا ہے کہ تین سالہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور اس پر استہزاء کیا ہے حالانکہ ان کو چاہیے تھا کہ انتظار کرتے کہ ہم کیا لکھتے ہیں کم از کم ہم سے دریافت

ہی کر لیتے کہ ہم کیا کہتے ہیں۔

لوگوں کو بھی شرم نہیں آتی جو کہ ان کے گالیوں سے بھرے ہوئے اشتہار پڑھتے ہیں کیا مولویوں کی پاکیزگی کا یہی نمونہ ہے ان لوگوں کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ مجھ پر چڑ کر نظم و نثر پڑھ دی۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ دلوں پر مہریں لگا دیتا ہے خود ہی توڑے تو توڑے۔

اشاعت کا بہتر طریق

جہلم کے سفر کے متعلق فرمایا کہ

میری طبیعت ہمیشہ شور اور غوغا سے جو کثرت ہجوم کے باعث ہوتا ہے متنفر ہے ایسے لوگوں کے ساتھ مغز خوری کرنا بے فائدہ ہے وہی وقت انسان کسی علمی فکر میں صرف کرے تو خوب ہے خدا تعالیٰ نے ہماری اشاعت کا طریق خوب رکھا ہے۔ ایک جگہ بیٹھے ہیں نہ کوئی واعظ ہے نہ مولوی نہ لیکچرار جو لوگوں کو سناتا پھرے۔ وہ خود ہی ہمارا کام کر رہا ہے بیعت کرنے والے خود آرہے ہیں بڑے امن کا طریق ہے۔[1]

۵؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

مذہبی آزادی اور جہاد کی حقیقت

ظہر کے وقت حضور علیہ السلام تشریف لائے تو سرحد کے لوگوں کے جہاد کے بارے میں غلط فہمی کا ذکر چل پڑا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

مذہبی امور میں آزادی ہونی چاہیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ : ۲۵۷) کہ دین میں کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ اس قسم کا فقرہ انجیل میں کہیں بھی نہیں ہے۔ لڑائیوں کی اصل جڑ کیا تھی۔ اس کے سمجھنے میں ان لوگوں کو غلطی ہوئی ہے۔ اگر لڑائی کا ہی حکم تھا تو تیرہ برس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تو پھر ضائع ہی گئے کہ آپؐ نے آتے ہی تلوار نہ اٹھائی۔ صرف لڑنے والوں کے ساتھ لڑائیوں کا حکم ہے۔ اسلام کا یہ اصول کبھی نہیں ہوا۔ کہ خود ابتداء جنگ کریں۔ لڑائی کا سبب کیا تھا اسے خود خدا نے بتلایا ہے کہ ظُلِمُوْا

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱، ۲ مورخہ ۲۳ و ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء

خدا تعالیٰ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ مظلوم ہیں تو اب اجازت دیتا ہے کہ تم بھی لڑو۔ یہ نہیں حکم دیا کہ اب وقت تلوار کا ہے تم زبردستی تلوار کے ذریعہ لوگوں کو مسلمان کرو۔ بلکہ یہ کہا کہ تم مظلوم ہو اب مقابلہ کرو۔ مظلوم کو تو ہر ایک قانون اجازت دیتا ہے کہ حفظ جان کے واسطے مقابلہ کریں۔

ایسے خیالات کی اشاعت کا الزام پادریوں پر نہیں ہے بلکہ اسے خود ملانوں نے اپنے اوپر پختہ کیا ہے۔ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ ایک غافل شخص جسے دین کی حقیقت معلوم نہیں ہے اسے جبراً مسلمان کیا جائے۔ اب ایک بنیا جس کی عمر ساٹھ پینسٹھ سال کی ہے اور اسے دین کی خبر ہی نہیں تو اس کے گلے پر تلوار رکھ کر اس سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کہلانے سے کیا حاصل ہوگا؟ خدا تعالیٰ کا منشا ہے کہ غفلت چونکہ بہت ہو گئی ہے۔ اب دلائل سے سمجھا دیوے اگر جہاد کریں بھی تو کس سے کریں؟ سب سے اول تو انہیں مسلمانوں سے کرنا چاہیے کہ جنہوں نے دین کو تباہ کر دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ تو خدا کے فرشتے تھے۔ اور جب ناعاقبت اندیش لوگوں نے تلواریں اٹھائیں تو خدا نے ان کے ذریعہ ان کو سزائیں دلوائیں۔ مگر آج کل کے یہ لوگ کہ جن کی مثال ڈاکوؤں کی ہے کیا یہ خدا کے وکیل ہو سکتے ہیں۔ قرآن سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کافر سے پہلے فاسق کو سزا دینی چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے اسی لئے چنگیز خاں کو ان پر مسلط کر دیا تھا تاکہ مماثلت پوری ہو جیسے یہودیوں پر بخت نصر کو متعین کر دیا تھا ویسے ہی ان پر چنگیز خاں کو۔ اس کے وقت میں ایک بزرگ تھے ان کے پاس لوگ گئے کہ وہ دعا کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہاری حرام کاریوں کی وجہ سے ہی تو چنگیز خاں مسلط ہوا ہے۔ قتل کے بعد سنا ہے کہ چنگیز خاں نے اسلام کے علماء فضلاء کو بلا کر پوچھا کہ اسلام کیا ہے انہوں نے کہا کہ پنج وقتہ نماز ہے۔ کہنے لگا کہ یہ تو عمدہ بات ہے کہ اپنے کاروبار میں پانچ وقت دن میں خدا کو یاد کرنا۔ پھر انہوں نے زکوٰۃ بتلائی۔ اس کی بھی تعریف کی۔ تیسرے انہوں نے حج بتلایا۔ اس کی اسے سمجھ نہ آئی۔ اس کے بیٹے کا اسلام کی طرف رجوع تھا مگر آخر پوتا بالکل مسلمان ہو گیا۔ اسی طرح بخت نصر یہودیوں پر مسلط ہوا تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اسے کہیں ملعون نہیں کہا ہے بلکہ عِبَادًا لَّنَآ (بنی اسرائیل : ۶) ہی کہا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا دستور ہے کہ جب ایک قوم فاسق فاجر ہوتی ہے تو اس پر ایک اور قوم مسلط کر دیتا ہے۔

تعبیر الرؤیا

قبل از عشاء ایک صاحب نے ایک خواب سنائی جس میں ایک مردہ نے ان کو ان کی موت کی خبر دی تھی اور یہ خواب بیعت سے پیشتر آئی تھی۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو بیعت کرتا ہے اس پر بھی ایک موت ہی آتی ہے۔ خوابوں میں موت سے مراد موت ہی

نہیں ہوا کرتی اور بھی موت کے بہت سے معنے ہیں خدا کو کوئی نہیں پا سکتا جب تک اس کی اول زندگی پر موت نہ آوے۔

دریا کی تعبیر پر فرمایا کہ

جو معارف اور علم رکھتا ہو اسے دریا سے ہی تعبیر کیا کرتے ہیں اور ابابیل سے مراد وہ جماعت اور لوگ جو اس سے فیوض حاصل کرتے ہیں۔

پھر موت کے ذکر پر فرمایا کہ

موت کے معنے رفعت درجات بھی لکھے ہیں اور صوفی کہتے ہیں کہ انسان نجات نہیں پا سکتا جب تک اس پر بہت موتیں نہ آویں حتیٰ کہ وہ ایک زندگی کو ناقص محسوس کرکے پھر اور ایک زندگی اختیار کرتا ہے۔ پھر اس پر موت ہوتی ہے۔ پھر ایک اور نئی زندگی اختیار کرتا ہے۔ اور اس طرح کئی موتیں اور کئی زندگیاں حاصل کرتا ہے۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ خواب کی کتنی اقسام ہیں۔

خوابوں کی اقسام

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

تین قسمیں خوابوں کی ہوتی ہیں۔ ایک نفسانی۔ ایک شیطانی اور ایک رحمانی۔ نفسانی جیسے بلی کو چھیچھڑوں کے خواب۔ شیطانی وہ جس میں ڈرانا یا وحشت ہو۔ رحمانی خواب خدا تعالیٰ کی طرف سے پیغام ہوتی ہیں اور ان کا ثبوت صرف تجربہ ہے۔ اور یہ خدا کی باتیں ہیں۔ جو اس دنیا سے بہت دور تر ہیں اگر ہم ان کے متعلق عقلی دلائل پر توجہ کریں تو نہ دوسرا اس سے سمجھ سکتا ہے نہ ہم سمجھا سکتے ہیں۔ یہ خدا تعالیٰ کی ہستی کے نشان ہیں جو غیب سے دل پر ڈالتا ہے اور جب دیکھ لیتے ہیں کہ ایک بات بتلائی گئی اور وہ پوری ہوئی تو پھر اس پر خود ہی اعتبار ہو جاتا ہے۔ اس عالم کے امور کا جو آلہ ہے وہ اسے شناخت نہیں کر سکتا۔ یہ روحانی امور ہیں۔ انہیں سے ان کو پہچانا جائے تو سمجھ آئے۔ اور خواب اپنی صداقت پر آپ ہی گواہی دیتی ہیں۔ خدائی امور ایسے ہی ہوتے ہیں کہ سمجھ میں نہیں آیا کرتے اور اگر آجاویں تو پھر خدا بھی سمجھ میں آجائے۔

ایک معجزانہ رؤیا

پھر اس کے بعد حضرت اقدس نے اپنے ایک خواب کا ذکر کیا جس میں آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ایک حاکم کی صورت پر متمثل ہوا ہے اور آپ نے کچھ احکام لکھ کر دستخط کرائے

ہیں۔ آپ نے وہ تمام کاغذات دستخط کے واسطے حضرت احدیت میں پیش کئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور ایک دوات جس میں سرخ روشنائی تھی وہ پڑی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قلم لے کر اس روشنائی سے لگائی مگر مقدار سے زیادہ روشنائی اس میں لگ گئی جیسے کہ دستور ہے کہ ایسی حالت میں چھڑک دیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی چھڑک دیا اور کاغذات پر بلا دیکھے دستخط کر دیئے اور اس وقت میرے پاس عبداللہ سنوری اور حامد علی تھے۔ اور میں سویا ہوا تھا کہ یکایک انہوں نے جگایا کہ یہ سرخ قطرات کہاں سے آئے دیکھا تو میرے کرتہ پر اور کسی جگہ پگڑی پر اور کہیں پاجامہ پر پڑے ہوئے تھے۔ میرے دل میں اس وقت بڑی رقت تھی کہ خدا تعالیٰ کا مجھ پر کس قدر احسان ہے اور فضل ہے کہ کاغذات کو بلا دیکھے اور پوچھے دستخط کر دیئے ہیں۔ اب یہ کیا حیرانی کی بات نہیں ہے۔ کہ میں نے تو ایک معاملہ خواب میں دیکھا اور اس کے قطرات ظاہر میں کپڑوں پر پڑے۔ جو کہ اب تک موجود ہیں اور دو شاہد بھی ہیں۔

جماعت کی ترقّی کا ایک نشان

پھر وہ وقت کہ ایک دو آدمی ہمارے ساتھ تھے اور کوئی نہ تھا اور اب دیکھتے ہیں کہ جوق در جوق آرہے ہیں۔ یَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ اور پھر اتنی ہی بات نہیں بلکہ اس کے اوپر ایک اور حاشیہ لگا ہوا ہے کہ مخالفوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ لوگ آنے سے رکیں مگر آخر کار وہ فقرہ پورا ہو کر رہا۔ اب جو نیا شخص ہمارے پاس آتا ہے۔ وہ اسی الہام کا ایک نشان ہوتا ہے۔

اجنبیت کی حالت میں انسان خدا کے کاموں سے نا آشنا ہوتا ہے۔ اب جیسے یہ ریل ہے کہ یہاں کے لوگوں کے نزدیک تو عام بات ہے اور کوئی تعجب اور حیرت کا مقام نہیں ہے مگر جہاں کہ دور دور آبادیوں میں یہ نہیں گئی اور نہ ان لوگوں نے اسے دیکھا ہے ان سے کوئی بیان کرے تو کب باور کریں گے کہ ایک سواری ہے کہ خود بخود چلتی ہے۔ نہ اس میں گھوڑا ہے نہ بیل نہ اور جانور۔ تو جن کو ان خدائی امور کا تجربہ نہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

نماز میں لذّت نہ آنے کی وجہ

پھر اسی صاحب نے اعتراض کیا کہ بہت کوشش کی جاتی ہے مگر نماز میں لذت نہیں آتی۔

فرمایا :

انسان جو اپنے تئیں امن میں دیکھتا ہے تو اسے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت

محسوس نہیں ہوتی۔ حالت استغنا میں انسان کو خدا یاد نہیں آیا کرتا۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری طرف وہ متوجہ ہوتا ہے کہ جس کے بازو ٹوٹ جاتے ہیں۔ اب جو شخص غفلت سے زندگی بسر کرتا ہے۔ اسے خدا کی طرف توجہ کب نصیب ہوتی ہے۔ انسان کا رشتہ خدا تعالیٰ کے ساتھ عاجزی اور اضطراب کے ساتھ ہے لیکن جو عقلمند ہے وہ اس رشتہ کو اس طرح سے قائم رکھتا ہے کہ وہ خیال کرتا ہے کہ میرا باپ دادا کہاں ہے اور اس قدر مخلوق کو ہر روز مرتا دیکھ کر وہ انسان کی فانی حالت کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کی برکت سے اسے پتہ لگ جاتا ہے کہ میں بھی فانی ہوں اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ جہان چھوڑ دیا جائے گا۔ اور اگر وہ اس میں زیادہ مبتلا ہے تو اُسے اِسے چھوڑنے کے وقت حسرت بھی زیادہ ہوگی اور یہ حسرت ایسی ہے کہ خواہ آخرت پر ایمان نہ بھی ہو۔ تب بھی اس کا اثر ضرور ہوتا ہے اور اس سے امن اس وقت ملتا ہے کہ جب فانی خوش حالی نہ ہو بلکہ سچی خوش حالی ہو۔ بعض آدمیوں کو بیماریوں سے بعض کو دوسری تکالیف سے خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

مادری زبان میں نماز اور دعائیں

پھر سوال ہوا کہ اگر ساری نماز کو اپنی زبان میں پڑھ لیا جاوے تو کیا حرج ہے۔ فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کے کلام کو اسی کی زبان میں پڑھنا چاہیے اس میں بھی ایک برکت ہوتی ہے خواہ فہم ہو یا نہ ہو اور ادعیہ ماثورہ بھی ویسے ہی پڑھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلیں۔ یہ ایک محبت اور تعظیم کی نشانی ہے۔ باقی خواہ ساری رات دعا اپنی زبان میں کرتا رہے۔ انسان کو اول محسوس کرنا چاہیے۔ کہ میں کیسا مصیبت زدہ ہوں۔ اور میرے اندر کیا کیا کمزوریاں ہیں۔ کیسے کیسے امراض کا نشانہ ہوں اور موت کا اعتبار نہیں ہے۔ بعض ایسی بیماریاں ہیں کہ آدھ منٹ میں ہی انسان کی جان نکل جاتی ہے۔ سوائے خدا کے کہیں اس کی پناہ نہیں ہے۔ ایک آنکھ ہی ہے جس کی تین سو امراض ہیں۔ ان خیالوں سے نفسانی زندگی کی اصلاح ہوسکتی ہے اور پھر ایسی اصلاح یافتہ زندگی کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک دریا سخت طغیانی پر ہے۔ مگر یہ ایک عمدہ مضبوط لوہے کے جہاز میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور ہوائے موافق اسے لے جا رہی ہے۔ کوئی خطرہ ڈوبنے کا نہیں۔ لیکن جو شخص یہ زندگی نہیں رکھتا۔ اس کا جہاز بودا ہے۔ ضرور ہے کہ طغیانی میں ڈوب جاوے۔ عام لوگوں کی نماز تو برائے نام ہوتی ہے۔ صرف نماز کو اٹیرتے ہیں اور جب نماز پڑھ چکے تو پھر گھنٹوں تک دعا میں رجوع کرتے ہیں۔

مغفرتِ الٰہی

ایک صاحب نے اٹھ کر عرض کی کہ جب تک حرام خوری وغیرہ نہ چھوڑے تب تک نماز کیا لذت دے اور کیسے پاک کرے۔ حضرت اقدس نے فرمایا :-

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (هود : ۱۱۵) بھلا جو اول ہی پاک ہو کر آیا اسے پھر نماز کیا پاک کرے گی۔

حدیث میں ہے کہ تم سب مردہ ہو مگر جسے خدا زندہ کرے۔ تم سب بھوکے ہو مگر جسے خدا کھلاوے۔ الخ۔ ایک طبیب کے پاس اگر انسان اول ہی صاف ستھرا اور مرض سے اچھا ہو کر آوے تو اس نے طبابت کیا کرنی ہے اور پھر خدا تعالیٰ کی غفوریت کیسے کام کرے۔ بندوں نے گناہ کرنے ہی ہیں تو اس نے بخشنے ہی ہیں۔ ہاں ایک بات ضرور ہے کہ وہ گناہ نہ کریں جس میں سرکشی ہو ورنہ دوسرے گناہ جو انسان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اگر ان سے بار بار خدا سے بذریعہ دعا تزکیہ چاہے گا تو اسے قوت ملے گی۔ بلا قوت اللہ تعالیٰ کے ہرگز ممکن نہیں ہے کہ اس کا تزکیہ نفس ہو اور اگر ایسی عادت رکھے کہ جو کچھ نفس نے چاہا اس وقت کر لیا تو اسے کوئی قوت نہیں ملے گی۔ جب ان جوشوں کا مقابلہ کرے اور گناہ کی طاقت ہوتے ہوئے پھر گناہ نہ کرے ورنہ اگر وہ اس وقت گناہ سے باز آتا ہے جبکہ خدا تعالیٰ نے طاقتیں چھین لی ہیں تو اسے کیا ثواب ہوگا۔ مثلاً آنکھوں میں بینائی نہ رہے تو اس وقت کہے کہ اب میں غیر عورتوں کو نہیں دیکھتا تو یہ کیا بزرگی ہوئی۔ بزرگی تو اس میں تھی کہ پیشتر اس کے کہ خدا اپنی دی ہوئی امانتیں واپس لیتا وہ اس کے بے محل استعمال سے باز رہتا۔

معرفت کے بغیر گناہ نہیں چھوٹ سکتا

اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی معیت کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کی ہی معیت ہو تو تبدیلی ہوتی ہے اور پھر اس کی خواہشیں اور اور جگہ لگ جاتی ہیں اور خدا کی نافرمانی اسے ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے موت۔ بالکل ایک معصوم بچہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ دقیق در دقیق پرہیزگار ہو جاوے۔ جب نماز میں کوئی خطرہ پیش آوے۔ اس وقت سلسلہ دعا کا شروع کر دے یہ مشکلات اس وقت تک ہیں کہ جب تک نمونہ قدرت الٰہی کا نہیں دیکھتا۔ کبھی دہریہ ہو جاتا ہے کبھی کچھ۔ بار بار ٹھوکریں کھاتا ہے۔ جب تک خدا تعالیٰ کی معرفت نہ ہو گناہ نہیں چھوٹ سکتا۔ دیکھو جو لوگ جاہل ہیں۔ ڈاکہ مارتے ہیں۔ چوریاں کرتے ہیں۔ لیکن جن

کو علم ہے کہ اس سے ذلت ہوگی۔ خواری ہوگی وہ ایسے کام کرتے شرماتے ہیں کیونکہ ان کی عظمت میں فرق آتا ہے۔ اس لئے ڈاکہ والوں کا یہ بھی علاج ہے کہ ان کی تعظیم کی جاوے اور ان کو بڑا آدمی بنا دیا جاوے۔ تا کہ پھر ان کو ڈاکہ مارتے شرم آوے[1]

۱۶؍ جنوری ۱۹۰۳ء

(بوقت سیر)

موت

اول طاعون کا ذکر ہوتا رہا اور پھر موت کی حالت کا ذکر آیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ بھی ایک وقت ہے جو انسان پر آتا ہے مگر یہاں آکر سب علوم ختم ہو جاتے ہیں اور کوئی کچھ نہیں بتلاتا۔

بعض احباب اپنے اپنے خواب سناتے رہے اور حضرت اقدس تعبیر فرماتے رہے چند ایک ان میں سے واقفیت عام کے لئے درج کی جاتی ہیں۔

تعبیر الرؤیا

خواب میں ختنہ کرنا :۔

تقویٰ کا طریق اختیار کرنا ہے۔ اس سے شہوات کا کاٹنا ہے۔

قیامت کی خبر سننا :۔

اس سے مراد ہے کہ دینداروں کی فتح ہوگی اور دشمنوں کو ذلت۔ کیونکہ قیامت کو بھی یہی ہونا ہے۔

قرآن شریف میں ہے کہ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (الشوریٰ : ۸) یہ اسی دن ہوگا دنیا کی رنگا رنگ کی وبائیں بھی قیامت ہی ہیں۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۲۳، ۳۰ جنوری ۱۹۰۳ء

طاعون کے بعد

میرے الہام میں ہے۔
یَاْتِیْ عَلٰی جَھَنَّمَ زَمَانٌ لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ یہ طاعون کی نسبت ہے۔ اسے بھی جہنم ہی کہا گیا ہے حالانکہ جہنم تو قیامت کو ہونا ہے۔
اس الہام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کارروائی ہولے گی تو پھر طاعون ایک دم چپ ہو کر سو جائے گی۔ پھر اس کے بعد یہ بھی فرمایا ہے۔ یُغَاثُ النَّاسُ وَیَعْصِرُوْنَ پھر بارشیں ہوں گی۔ کشادگی ہوگی۔ فصلیں خوب پکیں گی۔ موتوں سے لوگ بچیں گے۔ پھر اس وقت لوگوں کا دعائیں کرنا کہ یہ طاعون دور ہو۔ بے فائدہ ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جب ایک شخص پہر رات رہے اٹھ کر دعا شروع کر دے کہ بہت جلد ابھی دن نکل آوے تو خواہ وہ کچھ ہی کرے مگر دن تو اپنے وقت پر ہی چڑھے گا۔

جائز امور میں اعتدال

نیکی کے ذکر پر فرمایا کہ
نیکی کی جڑ یہ بھی ہے کہ دنیا کی لذات اور شہوات جو کہ جائز ہیں ان کو بھی حد اعتدال سے زیادہ نہ لے جیسا کہ کھانا پینا اللہ تعالیٰ نے حرام تو نہیں کیا مگر اب اسی کھانے پینے کو ایک شخص نے رات دن کا شغل بنا لیا ہے۔ اس کا نام دین پر بڑھتا ہے ورنہ یہ لذات دنیا کی اس واسطے ہیں کہ اس کے ذریعہ نفس کا گھوڑا جو کہ دنیا کی راہ میں ہے کمزور نہ ہو۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کہ یکہ والے جب لمبا سفر کرتے ہیں تو سات یا آٹھ کوس کے بعد وہ گھوڑے کی کمزوری کو محسوس کر کے اسے دم دلا دیتے ہیں۔ اور نہاری وغیرہ کھلاتے ہیں۔ تاکہ اس کی پچھلی تھکان دور ہو جاوے تو انبیاءؑ نے جو حظ دنیا کا لیا ہے وہ اسی طرح ہے کیونکہ ایک بڑا کام دنیا کی اصلاح کا ان کے سپرد تھا اگر خدا کا فضل ان کی دستگیری نہ کرتا تو ہلاک ہو جاتے۔ اسی واسطے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی وقت حضرت عائشہؓ کے زانو پر ہاتھ مار کر فرماتے کہ اے عائشہ راحت پہنچا۔ مگر انبیاء کا یہ دستور نہ تھا کہ اس میں ہی منہمک ہو جاتے۔ انہماک بے شک ایک زہر ہے ایک بدقماش آدمی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کھاتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک صالح بھی کرے تو خدا کی راہیں اس پر نہیں کھلتیں۔ جو خدا کے لئے قدم اٹھاتا ہے۔ خدا کو ضرور اس کا پاس ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدۃ : ۹) تنعم اور

کھانے پینے میں بھی اعتدال کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ صرف یہی گناہ نہیں ہے کہ انسان زنا نہ کرے۔ چوری نہ کرے بلکہ جائز امور میں حد اعتدال سے نہ بڑھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ

ایک دفعہ حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ اندر ایک حجرہ میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے اجازت چاہی۔ آپ نے اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے آکر دیکھا کہ صف کھجور کے پتوں کی آپ نے بچھائی ہوئی ہے اور اس پر لیٹنے کی وجہ سے پیٹھ پر پتوں کے داغ لگے ہوئے ہیں۔ گھر کی جائیداد کی طرف حضرت عمرؓ نے نظر کی تو دیکھا کہ ایک گوشہ میں تلوار لٹکی ہوئی ہے۔ یہ دیکھ کر ان کے آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے عمر تو کیوں رویا؟ عرض کی کہ خیال آتا ہے کہ قیصرو کسریٰ جو کہ کافر ہیں ان کے لئے کس قدر تنعم اور آپ کے لئے کچھ بھی نہیں۔ فرمایا۔ میرے لئے دنیا کا اسی قدر حصہ کافی ہے کہ جس میں حرکت کر سکوں۔ میری مثال یہ ہے کہ جیسے ایک مسافر سخت گرمی کے دنوں میں اونٹ پر جا رہا ہو اور جب سورج کی تپش سے بہت تنگ آوے تو ایک درخت کو دیکھ کر اس کے نیچے ذرا آرام کرلیوے اور جونہی کہ ذرا پسینہ خشک ہو پھر اٹھ کر چل پڑے۔ تو یہ اسوۂ حسنہ ہے جو کہ اسلام کو دیا گیا ہے۔ دنیا کو اختیار کرنا بھی گناہ ہے اور مومن کی زندگی اضطراب کے ساتھ گذرتی ہے۔

پھر ہماری دو آنکھیں ہیں اور کیا کچھ دیکھ رہی ہیں اور کوئی فولاد وغیرہ کی بنی ہوئی نہیں ہیں۔ ذرا بینائی جاتی رہے تو پھر ہستی کا اندازہ ہو جاتا ہے اور جب اندھا ہو تو پھر موت ہی ہے۔ تو دنیا کی زندگی کا بھی یہی حساب ہے۔

دُنیوی زندگی ناقابلِ اطمینان ہے

مومن کو اس زندگی پر ہرگز مطمئن نہ ہونا چاہیے۔ اتنی بلائیں اس زندگی میں ہیں کہ شمار نہیں۔ ایک بیماری ہوتی ہے کہ انسان کے پاخانہ کا راستہ بند ہو جاتا ہے اور منہ کے راستہ پاخانہ آتا ہے اور اس کا نام ایلاوس ہے اور پھر اسی طرح گردہ اور مثانہ کی بیماریاں ہیں کہ رنگا رنگ کے سرخ، سبز اور سیاہ پتھر بن جاتے ہیں اور ان کا کوئی خاص سبب بھی کیا بیان ہو سکتا ہے بلکہ امراء لوگ جو کہ عمدہ غذا اور نفیس پانی استعمال کرتے ہیں انہیں کو ایسی امراض ہوتی ہیں۔ اگر دو شخص ایک ہی جگہ رہتے ہوں۔ ایک ہی قسم کی ان کی خورد و نوش ہو۔ پھر ایک ان میں سے ایسے عوارض میں مبتلا ہو جاتا ہے دوسرا نہیں ہوتا۔ اس لئے طب کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ ظنی علم ہے۔ علل

مادیہ میں یہ لوگ اسباب کی تحقیق کرتے ہیں مگراس کا بھی سبب بتلاویں کہ جب الہام ہونے لگتا ہے یا کشف تو اس وقت نیند سی آنے لگتی ہے۔ اس کے کیا اسباب ہیں۔ ان لوگوں کا دستور ہے کہ جب ان کو ایک بات کا سبب معلوم نہ ہو تو اس سے انکار کر بیٹھتے ہیں اور اسی لئے وحی اور الہام کے منکر ہیں۔

یہ علوم بے انتہا ہیں۔ جب تک بے اعتدالیوں کا حصہ دور نہ کریں۔ اس سے واقف نہیں ہو سکتے۔ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی (النازعات : ۴۱) جو خواہش جائز اپنے مقام اعتدال سے بڑھ جائے۔ اس کا نام ھَوٰی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک رؤیا

کوئی تیس سال کا عرصہ گذرا۔ میں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ بٹالہ کے مکانات میں ایک حویلی ہے۔ اس میں ایک سیاہ کمبل پر میں بیٹھا ہوں اور لباس بھی کمبل ہی کی طرح پہنا ہوا ہے۔ گویا کہ دنیا سے الگ ہوا ہوں۔ اتنے میں ایک لمبے قد کا شخص آیا اور مجھ سے پوچھتا ہے کہ مرزا غلام احمد مرزا غلام مرتضٰی کا بیٹا کہاں ہے۔ میں نے کہا کہ میں ہوں۔ کہنے لگا کہ میں نے آپ کی تعریف سنی ہے کہ آپ کو اسرار دینی اور حقائق اور معارف میں بہت دخل ہے۔ یہ تعریف سُن کر ملنے آیا ہوں۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کیا جواب دیا۔ اس پر اس نے آسمان کی طرف منہ کیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور بہہ کر رخسار پر پڑتے تھے۔ ایک آنکھ اوپر تھی اور ایک نیچے اور اس کے منہ سے حسرت بھرے یہ الفاظ نکل رہے تھے۔ "تہیدستان عشرت را" اس کا مطلب میں نے یہ سمجھا کہ یہ مرتبہ انسان کو نہیں ملتا جب تک کہ وہ اپنے اوپر ایک ذبح اور موت وارد نہ کرے۔

اس مقام پر عرب صاحب نے حضرت کا ایک یہ شعر پڑھا۔ جس میں یہ کلمہ منسلک تھا کہ

"میخواہد نگار من تہیدستان عشرت را"

حضرت نے فرمایا کہ

میں نے پھر اس کلمہ کو اس مصرعہ میں جوڑ دیا کہ یاد رہے۔[1]

آئینہ کمالات اسلام میں اس پر نظم لکھی ہے (ایڈیٹر بدر)

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶ ر فروری ۱۹۰۳ء

دربارِ شام [1]

عربی تصانیف کی اہمیت

عربی تصانیف کے متعلق اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ
یہ سلسلہ نہ ہوتا تو یہ سب مولوی ہماری جماعت کو نظرِ استخفاف سے دیکھتے اور کہتے کہ یہ لوگ جاہل ہیں۔ مگر اب خود ہی بولنے کے لائق نہیں رہے۔

اسی سلسلہ کلام میں ابو سعید عرب صاحب نے عرض کیا کہ اگرچہ میں نے حضور کی تصنیفات کا مطالعہ نہیں کیا۔ مگر میرا ایمان ہے کہ حضور بالکل سچے ہیں اور مسیح اور مہدی کا دعویٰ حق ہے۔ مگر دوسرے لوگوں سے کلام کرنے کے لئے میں چاہتا ہوں کہ حضور کی زبان مبارک سے مسیح موعود ہونے کا ثبوت سنوں۔

حضرت اقدس نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا۔ ہم اس کو اختصار کے طور پر لکھیں گے کیونکہ اس مضمون کے متعلق بسط کے ساتھ کلمات طیبات میں بھی ایک مضمون چھپ رہا ہے۔ بہرحال آپ نے فرمایا :-

مسیح موعود ہونے کا ثبوت

قرآن پر تدبر سے نظر کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ دو سلسلوں کا مساوی ذکر ہے اول وہ سلسلہ جو موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہو کر مسیح علیہ السلام پر ختم ہوتا ہے۔ دوسرا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوتا ہے یہ اس شخص پر ختم ہونا چاہیے جو مثیل مسیح ہو۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیل موسیٰ ہیں۔ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَآ اَرۡسَلۡنَآ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا (المزمل : ۱۶) اور پھر سورہ نور میں وعدہ استخلاف فرمایا کہ جس طرح پر موسوی سلسلہ ہو گذرا ہے۔ اسی طرح پر محمدی سلسلہ بھی ہوگا تاکہ دونو سلسلوں میں بموجب آیات قرآنی باہم مطابقت اور موافقت تامہ ہو۔ چنانچہ جبکہ موسوی سلسلہ آخر عیسیٰ علیہ السلام پر ختم ہوا۔ ضروری تھا کہ محمدی سلسلہ کا خاتم بھی عیسیٰ موعود ہوتا ان دونو سلسلوں کا باہم تقابل مرایا متقابلہ کی طرح ہے یعنی جب دو شیشے ایک دوسرے کے بالمقابل رکھے جاتے ہیں تو ایک

---

[1] چونکہ اس دن کی شام کی ڈائری البدر کی نسبت الحکم میں زیادہ مفصل اور مربوط ہے۔ اس لئے شام کی ڈائری الحکم سے یہاں درج کی گئی ہے۔ مرتب

شیشہ کا دوسرے میں انعکاس ہوتا ہے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

اور اس تقابل سلسلہ سے یہ بھی بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ آخری سلسلہ کا آخری موعود کس شان کا ہوگا کیونکہ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ آخر آنے والا عظیم الشان ہوتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ٹھہرے۔ اگر یہ قاعدہ اور سنت نہ ہوتی۔ تو پھر معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عزت اور عظمت باقی انبیاء سابقین پر نہ ہوتی لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت دنیا میں عظیم الشان اصلاح چاہتی تھی اس لئے مناسب یہی تھا کہ ان سب سے بڑھ کر آپؐ کی عظمت دکھاوے تاکہ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہو۔ دنیاوی حکام بھی جب ایسی مصلحت رکھ لیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس مصلحت کو مد نظر نہ رکھتا۔ کبھی حکام دنیا پسند نہیں کرتے کہ آخر میں کسی نالائق کو بھیج دیں اور کہہ دیں کہ گو یہ نالائق ہے مگر اس کی بات مان لو۔ اب ایک شخص جو کل دنیا کی اصلاح کے لئے آنے والا تھا کب ہو سکتا تھا کہ وہ ایک معمولی انسان ہوتا۔ جس قدر انبیاء علیہم السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے وہ سب ایک خاص خاص قوم کے لئے آئے تھے۔ اس لئے کہ ان کی شریعت مختص القوم اور مختص الزمان تھی۔ مگر ہمارے نبی وہ عظیم الشان نبی ہیں جن کے لئے حکم ہوا کہ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء : ۱۰۸) اور قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف : ۱۵۹) اس لئے جس قدر عظمتیں آپ کی بیان ہوئی ہیں۔ مصلحت الٰہی کا بھی یہی تقاضا تھا۔ کیونکہ جس پر ختم نبوت ہونا تھا۔ اگر وہ اپنے کمالات میں کمی رکھتا تو پھر وہی کمی آئندہ امت میں رہتی۔ کیونکہ جس قدر کمالات اللہ تعالیٰ کسی نبی میں پیدا کرتا ہے اسی قدر اس کی امت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں اور جس قدر کمزور تعلیم وہ لاتا ہے اتنا ہی ضعف اس کی امت میں نمودار ہو جاتا ہے چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جس عظمت اور شان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا۔ اسی عظمت کے لحاظ سے ضروری تھا کہ تقابل میں بھی وہی عظمت دکھاتا۔ اور ہم ظاہر طور پر دیکھتے ہیں کہ دونوں تعلیموں میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے جیسے کہ قرآن شریف حقائق اور معارف سے بھرا ہوا ہے توریت اور انجیل بالکل ان سے خالی ہے۔ ان کی کل تعلیم قصص کے رنگ میں ہے اور قرآن شریف علوم کا خزانہ ہے۔ ان دونو سلسلوں کا اقتضاء اس وجہ سے بھی تھا کہ چونکہ اسحاقؑ اور اسماعیلؑ دونو بھائی تھے اور دونو میں برکات کی تقسیم مساوی تھیں۔ تصفیہ تقسیم تب ہی

ہوتا کہ دونو سلسلوں میں باہم تطابق اور عین موافقت ہوتی۔ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان نبی مبعوث فرمایا۔ جس کی امت کو کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران : ۱۱۱) کہا کہ تم تمام امتوں سے بہتر ہو۔ کیونکہ وہ لوگ جن کو شریعت قصہ کے رنگ میں ملی تھی وہ دماغی علوم کی کتاب و شریعت کے ماننے والوں کے کب برابر ہو سکتے ہیں۔ پہلے صرف قصص پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے دماغ اس قابل نہ تھے کہ حقائق و معارف کو سمجھ سکتے۔ مگر اس امت کے دماغ اعلیٰ درجہ کے تھے اس لئے شریعت اور کتاب علوم کا خزانہ ہے جو علوم قرآن مجید لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی کتاب میں پائے نہیں جاتے۔ اور جیسے شریعت کے نزول کے وقت وہ اعلیٰ درجہ کے حقائق و معارف سے لبریز تھی ویسے ہی ضروری تھا کہ ترقی علوم و فنون اسی زمانہ میں ہوتا۔ بلکہ کمال انسانیت بھی اسی میں پورا ہوا۔

قرآن شریف حقیقی علوم کا جامع ہے

اس مقام پر عرب صاحب نے سوال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر بھی یونان وغیرہ میں علوم کا چرچا تھا۔ فرمایا :۔

علوم سے مراد دنیوی علوم نہیں ہے۔ اور نہ ہیں۔ ان ارضی علوم سے کچھ تعلق نہیں۔ علوم حقیقی وہی ہوتے ہیں جو انبیاء لے کر آتے ہیں۔ اور ارضی اور سفلی علوم جو دنیا کے لوگ سمجھتے ہیں۔ جیسے تار، ریل، غبارہ یا کلوں کی ایجاد وغیرہ یہ کھیلیں ہیں اور ارضی چیزیں ہیں جو جونہی انسان مرجاتا ہے اس کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہیں مگر وہ علوم جو انبیاء لے کر آتے ہیں وہ مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں ان کو کبھی فنا نہیں۔ ان علوم سے مراد خدا کے علوم ہیں (پھر اسی سلسلہ میں اصل مطلب کی طرف رجوع کر کے فرمایا) یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف جو علوم لے کر آیا ہے وہ دنیا کی کسی اور کتاب میں پائے نہیں جاتے ہیں۔ توریت میں کسی علوم کا ذکر نہیں اور انجیل میں نشان تک بھی نہیں پایا جاتا۔ قرآن کریم کی عظمت کے بڑے بڑے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں عظیم الشان علوم ہیں جو توریت و انجیل میں تلاش کرنے ہی عبث ہیں اور ایک چھوٹے اور بڑے درجہ کا آدمی اپنے اپنے فہم کے موافق ان سے حصہ لے سکتا ہے۔ توریت کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے متعلق ایک بھی فقرہ اس میں نہیں ہے۔ ادھر قرآن شریف کو دیکھو کہ ہستی باری تعالیٰ اور قیامت کے کیسے دلائل بھرے ہوئے ہیں۔ اور پھر عقلی اور نقلی دونو طرح کے ثبوت ہیں۔ قرون اولیٰ میں صرف نقل ہی نقل تھی۔ پھر یہود۔ نصاریٰ۔ آریہ۔ برہمو۔ نیچری غرض

سب فرقوں کا رد اس میں موجود ہے۔ غرض قرآن مجید ایک اکمل اور اتم کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دیکھا کہ خلقت میں علوم حاصل کرنے کے دماغ موجود ہو گئے ہیں تو اس نے قرآن جیسی کتاب بھیج دی۔

موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ میں مطابقت

غرض یہ سلسلہ موسوی سلسلہ سے کسی طرح کم نہ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تو مماثلت اور مطابقت میں فرمایا کہ بدی کا حصہ بھی تم کو ویسے ہی ملے گا جیسے یہود کو ملا اور اس سلسلہ کی نسبت بار بار ذکر ہوا کہ آخر تک اس کی عظمت قائم رکھے گا۔ سورہ فاتحہ میں بھی اس کا ذکر ہے جبکہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ : ۷) فرمایا :۔
مَغْضُوْبِ سے مراد یہودی ہیں۔
اب قابل غور یہ امر ہے کہ یہودی کیسے مغضوب ہوئے۔ انہوں نے پیغمبروں کو نہ مانا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا تو ضرور تھا کہ اس امت میں بھی کوئی زمانہ ایسا ہوتا اور ایک مسیح آتا جس سے یہ لوگ انکار کرتے اور وہ مماثلت پوری ہوتی ورنہ کوئی ہم کو بتائے کہ اگر اسلام پر کوئی ایسا زمانہ آنے والا ہی نہ تھا اور نہ کوئی مسیح آنا تھا پھر اس دعاء فاتحہ کی تعلیم کا کیا فائدہ تھا۔ قرآن شریف کی مختلف آیات کے جمع کرنے سے اور پھر ان پر یکجائی نظر کرنے سے صاف پتہ لگتا ہے کہ آنے والا مسیح ضرور اس امت میں سے ہوگا اور حدیث بھی اس کی شرح کرتی ہے اور کہتی ہے کہ وہ اس امت میں سے ہوگا۔
غرض اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان سلسلوں میں بالکل مطابقت ہے۔ اور محمدی سلسلہ میں آنے والا خاتم الخلفاء مسیح کے رنگ پر ہوگا۔ حدیثوں میں بھی یہی آیا ہے کہ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ یعنی وہ امام تم ہی میں سے ہوگا۔

مسیح موعود کس قوم سے ہوگا؟

سوال ہوا کہ مسیح کس قوم سے ہوگا؟
فرمایا :۔ مہدی کی بابت تو مختلف روایات ہیں۔ مگر مسیح کی بابت نہیں لکھا کہ وہ کس قوم سے ہوگا اور یہ لطف کی بات ہے کہ چونکہ کسی قوم کا ذکر نہیں ہے اور مسلمانوں کا خیال تھا کہ وہ اوپر سے آنے والا ہے۔ اس لئے اس دعویٰ میں آج تک کسی کو جرات نہیں ہوئی کہ افتراء سے کام لیتا۔ مہدی کاذب ہونے کے دعوے جو بہت لوگوں نے کئے اس کی وجہ یہی تھی کہ اس کی قوم کا ذکر

تھا۔ جہاں جس کو گنجائش ملی۔ اس نے پاؤں جما کر دعویٰ کر دیا۔

مسیح ناصری شارح توریت اور مسیح موعود شارح قرآن ہے

پوچھا گیا کہ عیسائی لوگ تو توریت کو نہیں مانتے۔ انجیل کو ہی مانتے ہیں۔ فرمایا :۔
انجیل میں ہرگز کوئی شریعت نہیں ہے بلکہ توریت کی شرح ہے اور عیسائی لوگ توریت کو الگ نہیں کرتے جیسے مسیح توریت کی شرح بیان کرتے تھے۔ اسی طرح ہم بھی قرآن شریف کی شرح بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ مسیحؑ۔ موسیٰ علیہ السلام سے چودہ سو برس بعد آئے تھے۔ اسی طرح ہم بھی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں آئے ہیں۔

مغضوب اور ضالّ

ایک شخص نے سوال کیا۔ بعض مخالف کہتے ہیں کہ ہم بھی تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ : ۶) کہتے ہیں ہم کو یہودی اور مغضوب کیوں کہا جاتا ہے؟ فرمایا کہ
یہودی بھی تو ہدایت اب تک طلب کر رہے ہیں اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ مانگ رہے ہیں اور توریت پڑھتے ہیں مگر گمراہ کیوں ہیں؟

خلیفہ کے معنے

عرب صاحب نے خلیفہ کے معنے دریافت کئے۔ فرمایا :۔
خلیفہ کا معنے جانشین کے ہیں جو تجدید دین کرے۔ نبیوں کے زمانہ کے بعد جو تاریکی پھیل جاتی ہے اس کو دور کرنے کے واسطے جو ان کی جگہ آتے ہیں۔ انہیں خلیفہ کہتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے انبیاء موسوی شریعت کے تابع تھے

مثلاً گذشتہ انبیاء میں جو خلیفے ہوئے وہ وہ تھے جو مقاصد توریت کے کھول کر بیان کیا کرتے تھے ورنہ تعلیم سب کی ایک ہی تھی۔ یہود کو جو توریت میں یہ تعلیم دی تھی کہ دانت کے بدلے دانت اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ مگر توریت کا اس عدل سے وہ مطلب نہ تھا جو یہودی لوگ اپنی جھوٹی روایتوں اور حدیثوں کی بناء پر اصل اخلاق کو دور کر کے ظاہری شریعت کے پیچھے لگ گئے کہ اگر ظاہر شریعت پر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ٹھہریں گے اور عفو گویا بالکل نہ کرنا چاہیے۔ حالانکہ اس سے خداتعالیٰ پر حرف آتا ہے۔ کہ وہ کیوں عفو کی عادت ترک کر بیٹھا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ بنی

اسرائیل چار سو سال کی غلامی کی وجہ سے فرعونیوں کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے جو ظالمانہ طبیعت رکھتے تھے۔ اس لئے بہت سے مفاسد ان میں پیدا ہو گئے تھے اور چال چلن خراب ہو گیا تھا۔ اس ظالمانہ عادات کی بیخکنی کے لئے عدل کے رنگ میں یہ تعلیم ان کو دی گئی تھی مگر انہوں نے اس کو الٹا سمجھا ورنہ ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اخلاق کا وہ حصہ جو عفو کہلاتا ہے بالکل زائل کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ بڑے سخت دل ہو گئے چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہودیوں کی سخت دلی بہت بڑھی ہوئی ہے اور وہ کئی قسم کے فسق و فجور میں مبتلا تھے اس لئے انہوں نے آکر عفو کی تعلیم دی اور اخلاق کی تجدید کی۔ یہ کہنا کہ انجیل ہی میں اخلاق بھرے ہوئے ہیں سخت غلطی ہے۔ کیا پہلے نبیوں کی کتابیں جو ستر سے زیادہ ہیں۔ وہ سب اخلاقی تعلیم سے خالی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ مسیح نے کوئی نئی تعلیم نہیں دی۔ اور نہ نئی شریعت پیش کی۔ یہودی اب تک کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ لیا۔ ہمارے ہی صحیفوں سے لیا ہے۔ چنانچہ ایک یہودی نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس نے بتایا ہے کہ کون کون سے فقرے عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی کسی کتاب سے لئے ہیں۔

سچی تعلیم کی علامت

غرض سچی تعلیم کی یہ نشانی ہے کہ وہ انبیاء کی تعلیم سے مشابہ ہو۔ ان کا اصول ایک ہی ہوتا ہے اور اختلاف تب ہوتا ہے کہ اصول میں ہو۔ ورنہ فروع میں اگر کوئی اختلاف ہو تو وہ اختلاف نہیں کہلاتا اور اگر فروع میں اختلاف ہو بھی تو اس کی مثال ایسی ہے کہ گرمیوں میں اور کپڑا ہوتا ہے سردیوں میں اور۔ فروعات میں تبدیلیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ ایسا ہی مثلاً ایک زمانہ تھا کہ شراب جیسی خبیث چیز کو لوگ بے دھڑک پیتے تھے اور پھر وہ زمانہ آپ کا آگیا کہ اس کی بیخکنی کی جاوے۔ حضرت دانیال کو کہا گیا کہ آپ شراب پئیں تا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو جاوے اور بادشاہ وقت کا حکم ہے کہ جس کا چہرہ سرخ نہ ہوگا۔ وہ مارا جاوے گا اس پر آپ نے فرمایا کہ تم لوگ شراب پیو مگر میں ساگ پات کھاتا ہوں اور دیکھنا کہ کس کا چہرہ زیادہ سرخ ہوتا ہے۔ چنانچہ جب آپ آئے تو سب سے زیادہ آپ کا چہرہ سرخ تھا۔

مسیح نے تورات کی شریعت بحال رکھی

پوچھا گیا کہ مسیح نے اپنے شاگردوں کو شریعت کے ماننے کا کیوں حکم نہ دیا؟ فرمایا کہ وہ خود شریعت کو مانتے تھے اور شاگردوں کو ماننے کے لئے فرمایا۔ اگر ان کے وقت میں

شریعت منسوخ ہو گئی ہوتی تو یہ کیوں فرماتے کہ فریسی اور فقیہ جو موسیٰ کی گدی پر بیٹھے ہیں وہ جو کہیں سو کرو اور جو وہ کریں وہ نہ کرو۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ شریعت توریت کی بحال تھی اور انجیل میں بذات خود کوئی شریعت نہیں تھی۔

مسیح موعود ہونے کا ذکر قرآن میں

عرب صاحب نے سوال کیا کہ مسیح موعود کے متعلق قرآن میں کہاں کہاں ذکر ہے۔ فرمایا سورہ فاتحہ۔ سورہ نور۔ سورہ تحریم وغیرہ میں۔ سورہ فاتحہ میں تو اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (الفاتحہ : ۶) سورہ نور میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (النور : ۵۶) اور سورہ تحریم میں جہاں مومنوں کی مثالیں بیان کی ہیں۔ ان میں فرمایا وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم : ۱۳)

مقامِ مریمیت

فرمایا :۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس میں دو قسم کی عورتوں سے مثال دی ہے۔ اول فرعون کی بیوی سے اور ایک مریم سے۔ پہلی مثال میں یہ بتایا ہے کہ ایک مومن اس قسم کے ہوتے ہیں جو ابھی اپنے جذبات نفس کے پنجے میں گرفتار ہوتے ہیں اور ان کی بڑی آرزو اور کوشش یہ ہوتی ہے کہ خدا ان کو اس سے نجات دے۔ یہ مومن فرعون کی بیوی کی طرح ہوتے ہیں کہ وہ بھی فرعون سے نجات چاہتی تھی مگر مجبور تھی۔ لیکن جو مومن اپنے تئیں تقویٰ اور طہارت کے بڑے درجہ تک پہنچاتے ہیں اور احصانِ فرج کرتے ہیں تو پھر خدا تعالیٰ ان میں عیسیٰ کی روح نفخ کر دیتا ہے۔ نیکی کے یہ دو مرتبے ہیں جو مومن حاصل کر سکتا ہے مگر دوسرا بہت بڑھ کر ہے کہ اس میں نفخ روح ہو کر وہ عیسیٰ بن جاتا ہے یہ آیت صاف اشارہ کرتی ہے کہ اس امت میں کوئی شخص مریم صفت ہوگا کہ اس میں نفخ ہو کر عیسیٰ بنا دیا جائے گا۔ اب کوئی عورت تو ایسی ہے نہیں اور نہ کسی عورت کے متعلق پیشگوئی ہے۔ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اس سے یہی مراد ہے کہ اس امت میں ایک ایسا انسان ہوگا جو پہلے اپنے تقویٰ و طہارت اور احصان اور عفت کے لحاظ سے صفت مریمیت سے موصوف ہوگا اور پھر اس میں نفخ ہو کر صفات عیسوی پیدا ہوں گی۔ اب اس کی کیفیت اور لطافت براہین احمدیہ سے معلوم ہوگی کہ پہلے میرا نام مریم رکھا۔ پھر اس میں روح صدق

نفخ کرکے مجھے عیسیٰ بنایا۔ مومنوں کی جو یہ دو مثالیں بیان کی ہیں۔ وہ اس آیت[1] سے بھی معلوم ہوتی ہیں۔

(پھر اس کے متعلق آپ نے جو فرمایا۔ بارہا الحکم میں درج ہوا ہے۔ آخر اس لطیفہ پر اس کو ختم کردیا کہ)

مریم صفات والے کے لئے ضرور ہے کہ وہ عیسویت کے رنگ میں تبدیل ہو جاوے۔ اگر اس آیت میں صرف مریم کا لفظ ہوتا تو بہت سے افراد ہو سکتے تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے احصان فرج اور نفخ روح کی قید لگا کر بتا دیا ہے کہ ایک ہی شخص ہوگا۔ یہ ایک استعارہ تھا۔ جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے لئے یہی وقت مقدر تھا۔ پھر عجیب تر بات یہ ہے کہ مریم، نفخ روح اور میرا نام عیسیٰ رکھنے کے الہاموں میں صرف نو یا دس ماہ کا فاصلہ ہے جو کہ مدت حمل ہے۔ ان تمام ترقیات کا سلسلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کسی کو کیا خبر ہے کہ کس طرح ایک بیج زمین کے اندر کیا کیا بن کر آخر کار ایک پتہ بن جاتا ہے[2]

۷؍جنوری ۱۹۰۳ء

ظاہر و باطن میں اسلام کا نمونہ اختیار کرنا چاہیئے

حضرت اقدس حسب دستور سیر کے لئے تشریف لائے۔ عرب صاحب نے انگریزی وضع

---

[1] الحکم میں اس آیت کا ذکر رہ گیا ہے۔ مگر البدر میں اس کی تفصیل دی ہے جو درج ذیل ہے۔

امت کی دو ہی قسم ہیں۔ ایک فرعون کی بیوی اور دوسرے مریم بنت عمران اور اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ وَمِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ وَّمِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَيۡرٰتِ (فاطر : ۳۳) ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ نفس امارہ کے تابع ہیں کہ جس راہ پر نفس نے ڈالا۔ اسی راہ پر چل پڑے اور وہ صُمٌّ وَّبُكۡمٌ (الانعام : ۴۰) کی طرح ہوتے ہیں۔ اور ان کی مثال بہائم کی ہے۔ اس لئے کسی مد میں نہیں آسکتے اور یہ کثرت سے ہوتے ہیں۔ پھر اس کے بعد نفس لوامہ والے جو کہ فرعون کی بیوی (کی طرح) ہیں۔ یعنی ان کو نفس ہمیشہ ملامت کرتا رہتا ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ امارہ سے ان کو آزادی ملے یہ کم ہوتے ہیں اور پھر ان میں سے کم نفس مطمئنہ والے یعنی مریم بنت عمران۔ جس زمانے کا وعدہ خدا نے کیا ہوا تھا۔ ضرور تھا کہ اس میں ایک نفس مریم کی طرح ہوتا اور اس زمانے میں خدا نے فیہ ضمیر مذکر استعمال کی ہے تاکہ اشارہ اس طرف ہو کہ ایک مرد ہوگا جو صفات مریمیت حاصل کرکے عیسیٰ ہوگا۔ (البدر جلد دوم نمبر ۳ مورخہ ۶؍ فروری ۱۹۰۳ء)

---

[2] الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۸ تا ۱۰ مورخہ ۲۴؍ جنوری ۱۹۰۳ء

قطع پر کچھ ذکر چھیڑا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

انسان کو جیسے باطن میں اسلام دکھانا چاہیے۔ ویسے ہی ظاہر میں بھی دکھلانا چاہیے۔ ان لوگوں کی طرح نہ ہونا چاہیے۔ جنہوں نے آج علیگڈھ میں تعلیم پا کر کوٹ پتلون وغیرہ سب کچھ ہی انگریزی لباس اختیار کر لیا ہے حتیٰ کہ وہ پسند کرتے ہیں کہ ان کی عورتیں بھی انگریزی عورتوں کی طرح ہوں اور ویسے ہی لباس وغیرہ وہ پہنیں۔ جو شخص ایک قوم کے لباس کو پسند کرتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ اس قوم کو اور پھر ان کے دوسرے اوضاع و اطوار حتیٰ کہ مذہب کو بھی پسند کرنے لگتا ہے۔ اسلام نے سادگی کو پسند کیا ہے اور تکلفات سے نفرت کی ہے۔

چھری کانٹے سے کھانے پر فرمایا کہ

شریعت اسلام نے چھری سے کاٹ کر کھانے سے تو منع نہیں کیا۔ ہاں تکلف سے ایک بات یا فعل پر زور ڈالنے سے منع کیا ہے۔ اس خیال سے کہ اس قوم سے مشابہت نہ ہو جاوے ورنہ یوں تو ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری سے گوشت کاٹ کر کھایا۔ اور یہ فعل اس لئے کیا کہ تا امت کو تکلیف نہ ہو۔ جائز ضرورتوں پر اس طرح کھانا جائز ہے۔ مگر بالکل اس کا پابند ہونا اور تکلف کرنا اور کھانے کے دوسرے طریقوں کو حقیر جاننا منع ہے کیونکہ پھر آہستہ آہستہ انسان کی نوبت تتبع کی یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ وہ ان کی طرح طہارت کرنا بھی چھوڑ دیتا ہے۔ مَنْ تَشَابَہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ سے مراد یہی ہے کہ التزاماً ان باتوں کو نہ کرے ورنہ بعض وقت ایک جائز ضرورت کے لحاظ سے کر لینا منع نہیں ہے جیسے کہ بعض دفعہ کام کی کثرت ہوتی ہے اور بیٹھے لکھتے ہوتے ہیں تو کہدیا کرتے ہیں کہ کھانا میز پر لگا دو اور اس پر کھا لیا کرتے ہیں اور صف پر بھی کھا لیتے ہیں۔ چارپائی پر بھی کھا لیتے ہیں۔ تو ایسی باتوں میں صرف گذارہ کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

تشبہ کے معنے اس حدیث میں یہی ہیں کہ اس لکیر کو لازم پکڑ لینا۔ ورنہ ہمارے دین کی سادگی تو ایسی شیئے ہے کہ جس پر دیگر اقوام نے رشک کھایا ہے اور خواہش کی ہے۔ کہ کاش ان کے مذہب میں ہوتی اور انگریزوں نے اس کی تعریف کی ہے اور اکثر اصول ان لوگوں نے عرب سے لے کر استعمال کئے ہیں مگر اب رسم پرستی کی خاطر وہ مجبور ہیں۔ ترک نہیں کر سکتے۔

داڑھی رکھنا انبیاء کا طریق ہے

پھر عرب صاحب نے داڑھی کی نسبت دریافت کیا۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

یہ انسان کے دل کا خیال ہے بعض انگریز تو داڑھی اور مونچھ سب کچھ منڈوا دیتے ہیں وہ

اسے خوبصورتی خیال کرتے ہیں اور ہمیں اس سے ایسی کراہت آتی ہے کہ سامنے ہو تو کھانا کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ داڑھی کا جو طریق انبیاء اور راستبازوں نے اختیار کیا ہے وہ بہت پسندیدہ ہے۔ البتہ اگر بہت لمبی ہو جاوے تو کٹوا دینی چاہیے۔ ایک مشت رہے۔ خدا نے یہ ایک امتیاز مرد اور عورت کے درمیان رکھ دیا ہے۔

اُسترے کی مضرت

ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے عرض کی کہ حضور آج کل ایک کتاب پلیگ گائڈ چھپی ہے وہ کل ڈاکٹروں کے پاس روانہ کی گئی اس میں ایک ہدایت ہے کہ ان طاعون کے ایام میں داڑھی ہرگز نہ منڈوانی چاہیے۔ کیونکہ اگر ذرا بھی زخم ہوا۔ تو طاعونی مادہ اس پر بہت جلد اثر کرتا ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

استروں سے بھی بعض وقت زہر اور آتشک کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہمیشہ استرے کے استعمال کرنے میں بہت احتیاط لازم ہے اور استرے کا استعمال منہ پر تو بہت خطرناک ہے۔ ہاں غیر مناسب بال جیسا کہ بعض رخسار پر ہوتے ہیں یا داڑھی کے زوائد وغیرہ کاٹ دینے چاہئیں نہ کہ منڈوانے۔

پیشگوئی کی تفہیم میں احتیاط

پھر حضرت اقدس نے عرب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

رات کو جو آپ نے سوال کیا تھا وہ بے شک بہت ضروری تھا۔ کیونکہ ایسے ملکوں میں جہاں لوگ بہت ناواقف ہیں سمجھانے کے لئے ضرور علم چاہیے۔

پھر اس مضمون کا مختصر خلاصہ حضور نے اعادہ فرمایا کہ جو گزشتہ شب میں ہم درج کر چکے ہیں اور اس پر یہ ایزادی فرمائی کہ

پیشگوئی کے بارے میں یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ وہ ایسی کھلی کھلی ہوں کہ نام لے لے کر بتلایا جاوے ورنہ پھر یہی سوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو سکتا ہے اور ویسے ہی ثبوت کی ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی پر آپڑتی ہے۔ کیونکہ خدا نے توریت میں یہ تو ذکر کیا کہ آخری زمانہ میں ایک نبی ہوگا اور پھر یہ کہ تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا۔ مگر یہ تشریح نہ کی کہ یہ

اسماعیل کی نسل میں ہوگا حالانکہ یہود کا بھی یہی خیال رہا کہ بنی اسرائیل سے ہوگا ورنہ کیا خدا تعالیٰ قادر نہ تھا کہ آپؑ کا نام آپؑ کے باپ کا نام آپؑ کے شہر کا نام سب کچھ پہلے بتلا دیتا اور کسی کو کوئی وجہ شک کی نہ رہتی۔ مگر ایسے الفاظ تھے کہ ان سے اہل یہود نے فائدہ اٹھالیا۔ اور ان کا ابھی تک یہی مذہب ہے کہ تمہارے بھائیوں میں سے مراد یہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے ہوگا۔ دوسری جگہ جہاں اہل یہود نے ٹھوکر کھائی وہ الیاس والا مقدمہ ہے کہ انہوں نے یوحنا کو الیاس نہ مانا۔ غرض اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ تمام امور پر یکجائی نظر ڈالے اور مومن اور متقی آدمی ہو تو پھر اسے ثبوت ملتا ہے کہ ایک طرف تو قرآن اور احادیث اور سابقہ کتب ہمارے ساتھ ہیں اور ایک طرف صدہا نشان جو کہ ظاہر ہو چکے ہیں اور ان میں سے ایک سو پچاس کا ذکر نزول المسیح میں ہے۔ غرض یہ سنت اللہ ہے کہ نشانوں سے صادق شناخت کیا جاتا ہے۔

یہود کیلئے ابتلاء کا مقام

اور سچی بات یہی ہے کہ اگر وہ ہم پر اعتراض کریں تو اول حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور صداقت کا ثبوت پیش کریں۔ پھر اُن سے جو کمی رہ جائے گی وہ ہم پوری کردیں گے۔ یہودیوں کو دوبار حیرت کا مقام پیش آیا۔ ایک تو مسیحؑ کے وقت کہ جب انہوں نے پوچھا کہ تجھ سے پیشتر آنے والا الیاس کہاں ہے؟ تو جواب دیا کہ وہ یوحنا ہے چاہو تو قبول کرو چاہو قبول نہ کرو اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کہ آپ بنی اسماعیل میں سے ہوئے۔

بعل زبول

اور مسیح کو بھی دیوانہ کہا گیا تھا چنانچہ ان کا نام منکروں نے بعل زبول رکھا تھا۔ بعل کے معنے رئیس اور زبول کے معنے مکھیاں جو کہ گندگی پر بیٹھتی ہیں یعنی کل گندگیوں کا سردار یہ ان کی سخت غلطی تھی اور مخالفت کی وجہ سے اسے کہتے تھے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور مجنون کہتے تھے۔

قرآن کریم سے اِس زمانہ کی خبر

ریل وغیرہ کے ذکر پر فرمایا کہ

اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے ہماری جماعت کو فائدہ پہنچایا ہے کہ سفر کا بہت آرام ہے ورنہ کہاں سے کہاں ٹھوکریں کھاتا ہوا انسان ایک دوسرے مقام پر پہنچتا تھا۔ مدراس جہاں سیٹھ

عبدالرحمان صاحب ہیں۔ اگر کوئی جاتا تو گرمیوں میں روانہ ہوتا اور سردیوں میں پہنچتا تھا۔ اس زمانہ کی نسبت خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (التکویر : ۸) کہ جب ایک اقلیم کے لوگ دوسرے اقلیم والوں کے ساتھ ملیں گے۔¹

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر : ۱۱) یعنی اس وقت خط و کتابت کے ذریعے عام ہوں گے اور کتب کثرت سے دستیاب ہو سکیں گی۔ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ (التکویر : ۵) اس وقت اونٹنیاں بیکار ہوں گی۔ ایک زمانہ تھا کہ یہاں ہزارہا اونٹ آیا کرتے مگر اب نام و نشان بھی نہیں اور مکہ میں بھی اب نہ رہیں گے۔ ریل کے جاری ہونے کی دیر ہے۔

کسوف وخسوف اور شق القمر

پھر عرب صاحب نے کسوف و خسوف رمضان کی نسبت دریافت کیا کہ اس کا ذکر آپ کی کتب میں ہے کہ نہیں؟ فرمایا کہ

یہ ایک پرانا نشان چلا آتا تھا جو اس وقت پورا ہوا ہے۔ براہین احمدیہ میں اس کا ذکر استعارہ کے طور پر ہے۔ وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر : ۳) یہ میرا الہام بھی ہے اور بعض محدثین کا مذہب یہ ہے کہ شق القمر بھی ایک قسم خسوف کا تھا۔

(مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جواب دیا کہ عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب ہے)

اور شاہ عبدالعزیز بھی یہی کہتے ہیں اور ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ از قسم خسوف تھا۔ کیونکہ بڑے بڑے علماء اس طرف گئے ہیں

طوفانِ نوح

نوح علیہ السلام کے طوفان کی نسبت فرمایا۔ کہ

قرآن شریف سے یہ ثابت نہیں ہے کہ کل زمین کی آبادی کو اس وقت تباہ کر دیا تھا۔ صرف نوح (علیہ السلام) کی قوم پر تباہی آئی تھی۔

مماثلت کی حقیقت

ایک شخص نے سوال کیا کہ بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ جب مسیح ناصری کے آنے سے ختم نبوت ٹوٹتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے ختم نبوت نہیں

¹ البدر جلد ۲ نمبر ۳ مورخہ ۶؍ جنوری ۱۹۰۳ء

ٹوٹتی؟ فرمایا کہ

مسیح کا یہ دعویٰ کہاں ہے کہ جس طرح ہم اپنے آپ کو امت محمدیہ میں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں فنا شدہ کہتے ہیں۔ انہوں نے بھی کہا ہو؟ وہ تو حضرت موسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے والے تھے اور مماثلت کا سلسلہ چاہتا ہے کہ کوئی اور ہی آوے وہ نہ آویں۔ مماثلت کے یہ معنے نہیں ہیں کہ بالکل اس کا عین ہو۔ جیسے کسی کو شیر کہیں تو اب اس کے لئے دم تجویز کریں۔ اور پھر گوشت کا کھانا بھی۔ خدا کے کلام میں استعارات ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی کو کہا جائے کہ اس نے ایک رکابی چاولوں کی کھائی تو اس کے یہ معنے نہ ہونگے کہ وہ رکابی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کرکے کھا گیا۔

مماثلت میں صرف بعض پہلوؤں میں تشابہ ہوتا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مثیل موسیٰ کہا کہ جیسے موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون سے چھڑایا۔ آنحضرت نے بھی اپنی قوم کو طاغوت اور بتوں سے رہائی دلوائی۔ مشابہت میں ہو بہو عین نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ تو پھر حقیقت ہوگی نہ کہ مشابہت۔

قادیان

عرب صاحب نے ادھر ادھر غیر آبادی کو دیکھ کر عرض کی کہ یہ صرف حضور ہی کا دم ہے کہ جس کی خاطر اس قدر انبوہ ہے ورنہ اس غیر آباد جگہ میں کون اور کب آتا ہے۔ فرمایا کہ

اس کی مثال مکہ کی ہے کہ وہاں بھی عرب لوگ دور دراز جگہوں سے جا کر مال وغیرہ لاتے ہیں اور وہاں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ (قریش : ۲،۳)

ایک اعتراض کا جواب

لوگوں کے اس اعتراض پر کہ جو شخص لاوارث مرجاتا ہے اس کے وارث مرزا صاحب ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے بہت سے ملک املاک جمع کرتے جاتے ہیں۔ فرمایا کہ

والد صاحب ایسے دنیاوی کاموں میں مجھے مامور کر دیا کرتے تھے اور ان کے حکم اور رضا مندی کے لئے اکثر مجھے عدالتوں میں بھی جانا پڑتا تھا۔ جب سے والد صاحب فوت ہو گئے ہیں کیا کسی نے دیکھا ہے کہ ہم نے ان باتوں میں کوئی حصہ لیا ہے۔ حالانکہ ہمیں حق پہنچتا ہے کہ اگر چاہیں تو لے لیویں۔

سیرت مسیح موعود کی چند باتیں

حضور نے نماز مغرب ادا کر کے مجلس کی اور ایک دو مختلف ذکروں کے بعد میاں احمد دین صاحب از گوجرانوالہ نے عرض کی کہ اگر جناب ٹھیک ٹھیک پتہ یہاں سے روانگی کا فرما دیں تو کچھ کھانے پینے کا انتظام کر کے گوجرانوالہ پر حاضر رہوں۔ خدا کے برگزیدہ نے فرمایا کہ

ہمیں تو خدا ہی نے لے جانا ہے۔ اسی کے حکم سے جانا ہے۔ ابھی کیا معلوم کس وقت روانہ ہونا ہے۔ انسان بہت عاجز اور ہیچ ہے۔ خدا ہی کے ساتھ وہ جاتا ہے اور خدا ہی کے ساتھ آتا ہے۔

دیگر احباب نے عرض کی کہ ایک اور صاحب نے راستہ کی خوراک وغیرہ کا انتظام کرلیا ہے اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ

دل میں جو اخلاص ہے اس کا ثواب آپ لیویں گے۔ کیونکہ اب دعوت آپ کی طرف سے تو پیش ہو گئی۔

علالت طبع پر فرمایا کہ

اب دو تین دن سیر بند رہے گی۔ کیونکہ آج کل بارشیں نہیں ہوتیں۔ اس لئے راستہ میں خاک بہت اڑتی ہے اور اسی سے میں بیمار ہو گیا تھا۔

ایک صاحب نے کہا کہ چونکہ لوگ حضور کے آگے چلتے ہیں۔ اس لئے خاک اڑ کر آپ پر پڑتی ہے۔ لیکن اس مجسمہ رحمت انسان نے جواب دیا کہ

نہیں۔ بارش کے نہ ہونے سے یہ تکلیف ہے۔ (اللہ اللہ کیا رحم ہے اور حسن ظن ہے کہ اپنے احباب کو ہرگز ملزم نہیں ٹھہراتے)

سلسلہ کی تصنیفات

تصنیفات کے ذکر پر فرمایا کہ

خدا تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ ہمارے مخالف ہزاروں ہی ہیں اور ان کے مقابل میں ہماری جماعت بہت قلیل ہے۔ مگر ہماری طرف سے جس قدر تازہ بتازہ کتابیں کثرت سے نکل رہی ہیں۔ ان کی طرف سے معدودے چند بھی نہیں نکلتیں اور کوئی نکلتی بھی ہے تو اس میں گالیاں ہی ہوتی ہیں جو ان کے لئے شرم کی جگہ ہے۔

یہود اور نصاریٰ کی افراط اور تفریط

یہود اور عیسائیوں کی نسبت فرمایا کہ

وہ دونو ضدین ہیں۔ ایک نے بڑھا دیا ہے ایک نے گھٹا دیا ہے۔ ان کی مثال رافضیوں اور خارجیوں سے خوب ملتی ہے۔ جیسے یہودی کے آگے عیسائی نہیں ٹھہرتا ایسے ہی خارجی کے آگے رافضی نہیں ٹھہرتا[1]

۸/جنوری ۱۹۰۳ء بروز پنجشنبہ

جماعت کیلئے ضروری نصائح

نماز مغرب کے بعد شیخ نور احمد صاحب پلیڈر ایبٹ آباد اور سید حامد علی شاہ صاحب بدوملی اور ایک اور صاحب نے بیعت کی۔

بعد بیعت حضرت اقدس نے فرمایا کہ

ہماری جماعت کے لئے ضروری ہے کہ اس پر آشوب زمانہ میں جبکہ ہر طرف ضلالت' غفلت اور گمراہی کی ہوا چل رہی ہے تقویٰ اختیار کریں۔ دنیا کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی عظمت نہیں ہے۔ حقوق اور وصایا کی پروا نہیں ہے۔ دنیا اور اس کے کاموں میں حد سے زیادہ انہماک ہے۔ ذرا سا نقصان دنیا کا ہوتا دیکھ کر دین کے حصہ کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ضائع کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ یہ سب باتیں مقدمہ بازیوں اور شرکاء کے ساتھ تقسیم حصہ میں دیکھی جاتی ہیں۔ لالچ کی نیت سے ایک دوسرے سے پیش آتے ہیں۔ نفسانی جذبات کے مقابلہ میں بہت کمزور واقع ہوئے ہیں۔ اس وقت تک کہ خدا نے ان کو کمزور کر رکھا ہے گناہ کی جرات نہیں کرتے مگر جب ذرا کمزوری رفع ہوئی اور گناہ کا موقع ملا تو جھٹ اس کے مرتکب ہوتے ہیں۔ آج اس زمانہ میں ہر ایک جگہ تلاش کرلو۔ تو یہی پتہ ملے گا کہ گویا سچا تقویٰ اٹھ گیا ہوا ہے اور سچا ایمان بالکل نہیں ہے۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کو منظور ہے کہ ان کے سچے تقویٰ اور ایمان کا تخم ہرگز ضائع نہ کرے۔ جب دیکھتا ہے کہ اب فصل بالکل تباہ ہونے پر آتی ہے تو اور فصل پیدا کر دیتا ہے۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۱۳/ فروری ۱۹۰۳ء

وہی تازہ بتازہ قرآن موجود ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے کہا تھا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر : ۱۰) بہت سا حصہ احادیث کا بھی موجود ہے اور برکات بھی ہیں مگر دلوں میں ایمان اور عملی حالت بالکل نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اسی لئے مبعوث کیا ہے کہ یہ باتیں پھر پیدا ہوں۔ خدا نے جب دیکھا کہ میدان خالی ہے تو اس کی الوہیت کے تقاضا نے ہرگز پسند نہ کیا کہ یہ میدان خالی رہے اور لوگ ایسے ہی دور رہیں اس لئے اب ان کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ ایک نئی قوم زندوں کی پیدا کرنا چاہتا ہے اور اسی لئے ہماری تبلیغ ہے کہ تقویٰ کی زندگی حاصل ہو جاوے۔

صرف ترکِ شر کافی نہیں

آدمی کئی قسم کے ہیں بعض ایسے کہ بدی کر کے پھر اس پر فخر کرتے ہیں۔ بھلا یہ کونسی صفت ہے جس کے اوپر ناز کیا جاوے۔ شر سے اس طرح پرہیز کرنا نیکی میں داخل نہیں ہے۔ اور نہ اس کا نام حقیقی نیکی ہے۔ کیونکہ اس طرح تو جانور بھی سیکھ سکتے ہیں۔ میاں حسین بیگ تاجر ایک شخص تھا اس کے پاس ایک کتا تھا وہ اسے کہہ جاتا کہ روٹی کو دیکھتا رہ تو وہ روٹی کی حفاظت کرتا۔ اسی طرح ایک بلی کو سنا ہے کہ اسے بھی ایسے ہی سکھایا ہوا تھا۔ جب بعض لوگوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے امتحان کرنا چاہا۔ اور ایک کوٹھڑی کے اندر حلوہ' دودھ اور گوشت وغیرہ ایسی چیزیں رکھ کر جس پر بلی کو ضرور لالچ آوے اس بلی کو چھوڑ کر دروازہ کو بند کر دیا کہ دیکھیں اب وہ ان اشیاء میں سے کھاتی ہے کہ نہیں۔ پھر جب ایک دو دن کے بعد کھول کر دیکھا تو ہر ایک شئے اسی طرح پڑی تھی اور بلی مری ہوئی تھی اور اس نے کسی شیئے کو ہلایا تک بھی نہ تھا۔ اس لئے اب شرم کرنی چاہیے کہ انہوں نے حیوان ہو کر انسان کا حکم ایسا مانا اور یہ انسان ہو کر خدا تعالیٰ کے حکم کو نہیں مانتا۔ نفس کو تنبیہہ کرنے کے واسطے ایسی ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور بہت سے وفادار کتے بھی موجود ہیں مگر افسوس اس کے لئے کہ جو کتے جتنا مرتبہ بھی نہیں رکھتا تو بتلا دے کہ پھر وہ خدا سے کیا مانگتا ہے؟ انسان کو تو خدا نے وہ قویٰ عطا کئے ہیں کہ اور کسی مخلوق کو عطا نہیں کئے۔ شر سے پرہیز کرنے میں تو بہائم بھی اس کے شریک ہیں۔ بعض گھوڑوں کو دیکھا ہے کہ چابک آقا کے ہاتھ سے گر پڑی۔ تو منہ سے اٹھا کر اسے دیتے ہیں اور اس کے کہنے سے لیٹتے ہیں اور بیٹھتے ہیں اور اٹھتے ہیں اور پوری اطاعت کرتے ہیں تو یہ انسان کا فخر نہیں ہو سکتا کہ چند گنے ہوئے گناہ ہاتھ پاؤں وغیرہ دیگر اعضاء کے جو ہیں ان سے بچا رہے۔ جو لوگ ایسے گناہ کرتے ہیں وہ تو بہائم سیرت ہیں جیسے کتے بلیوں کا کام ہے کہ ذرا برتن ننگا دیکھا تو منہ ڈال لیا اور کوئی کھانے کی شئے ننگی دیکھی تو کھا

لی۔ تو ایسے انسان کتے بلی کے سے ہی ہوتے ہیں انجام کار پکڑے جاتے ہیں۔ جیل خانوں میں جاتے ہیں جا کر دیکھو تو ایسے مسلمانوں سے زندان بھرے ہوئے ہیں ؎

حضرت انساں کہ حد مشترک را جامع است
می تواند شد مسیحا می تواند شد خرے

دُنیا کیلئے کوشش حدِ اعتدال تک ہو

تو اب یہ موقع ہے اور خدا تعالیٰ کی لہروں کے دن ہیں یعنی جیسے بعض زمانہ خدا کی رحمت کا ہوتا ہے اور اس میں لوگ قوت پاتے ہیں۔ ایسے ہی یہ وقت ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بالکل دنیا کے کاروبار چھوڑ دیوے بلکہ ہمارا منشا یہ ہے کہ حد اعتدال تک کوشش کرے اور دنیا کو اس نیت سے کماوے کہ دین کی خادم ہو مگر یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ اس میں ایسا انہماک ہو جاوے کہ دین کا پہلو بھول ہی جاوے نہ روزہ کی خبر ہے نہ نماز کی۔ جیسے کہ آج کل لوگوں کی حالت دیکھی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر دلی کا جلسہ ہی اب دیکھ لو جہاں کہتے ہیں کہ پندرہ لاکھ آدمی جمع ہوا ہے۔ میرا تصور تو یہی ہے کہ سارے دنیا پرست ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے زیادہ خدا سے نفرت دلانے والے سلاطین ہی ہیں کیونکہ یہ مثل ایک بڑی دیوی کے ہوتے ہیں جس قدر ان کا قرب زیادہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی قلب سخت ہوتا ہے۔ ہم کسی کو تجارت سے منع نہیں کرتے کہ وہ بالکل ترک کر دیوے مگر یہ کہتے ہیں کہ وہ ذرا سوچیں اور دیکھیں کہ ان کے باپ دادا کہاں ہیں؟ بڑے بڑے عزیز انسان کے ہوا کرتے ہیں اور کس طرح وہ ان کے ہاتھوں میں ہی اٹھ جایا کرتے ہیں اور موت کس طرح آپس میں تفرقہ ڈال دیتی ہے۔

سال دیگر را کہ می داند حساب
تا کجا رفت آں کہ باما بود یار

اب طاعون کی بلا سروں پر ہے کہتے ہیں کہ اس کی معیاد ستر برس ہوا کرتی ہے اور اس کے آگے کوئی حیلہ پیش نہیں جاتا سب (حیلے) فضول ہوا کرتے ہیں۔ اور اسی لئے آتی ہے کہ خدا کے وجود کو منوا دیوے۔ سو اس کا وجود برحق ہے۔ اور خدا کی بلا سے سوائے خدا کے کوئی بچا نہیں سکتا۔ سچا تقویٰ اختیار کرو کہ خدا تعالیٰ تم سے راضی ہو۔ جب شریر گھوڑے کی طرح انسان ہوتا ہے تو ماریں کھاتا ہے۔ اور جو خاص لوگ ہیں وہ اشارات سے چلتے ہیں جیسے سدھا ہوا گھوڑا اشارے سے چلتا ہے اور ان کو وحی اور الہام ہوتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ وحی کے معنے

اشارہ کے بھی لکھے ہیں۔ مگر جب مار کھانے کا زمانہ گذر جاتا ہے تو پھر وحی کا زمانہ آتا ہے اور یہ بات ضروری ہے کہ یہ مرحلہ سہولت سے طے نہیں پاتا۔ کیونکہ تقویٰ ایسی شیئے نہیں جو کہ صرف منہ سے انسان کو حاصل ہو جاوے بلکہ یہ شیطانی گناہ کا کوئی حصہ دار ہے۔ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ذرا سی شیرینی رکھ دیں تو بے شمار چیونٹیاں اس پر آجاتی ہیں۔ یہی حال شیطانی گناہوں کا ہے اور اسی سے انسانی کمزوری کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اگر خدا چاہتا تو ایسی کمزوری نہ رکھتا۔

ہر طاقت کا سرچشمہ خدا تعالیٰ ہے

مگر خدا تعالیٰ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا علم ہو کہ ہر ایک طاقت کا سرچشمہ خدا ہی کی ذات ہے۔ کسی نبی یا رسول کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنے پاس سے طاقت دے سکے اور یہی طاقت جب خدا کی طرف سے انسان کو ملتی ہے تو اس میں تبدیلی ہوتی ہے اس کے حاصل کرنے کے واسطے ضروری ہے کہ دعا سے کام لیا جاوے اور نماز ہی ایک ایسی نیکی ہے جس کے بجا لانے سے شیطانی کمزوری دور ہوتی ہے اور اسی کا نام دعا ہے۔ شیطان چاہتا ہے کہ انسان اس میں کمزور رہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ جس قدر اصلاح اپنی کرے گا۔ وہ اسی ذریعہ سے کرے گا۔ پس اس کے واسطے پاک صاف ہونا شرط ہے۔ جب تک گندگی انسان میں ہوتی ہے۔ اس وقت تک شیطان اس سے محبت کرتا ہے۔

دُعا کے آداب

خدا تعالیٰ سے مانگنے کے واسطے ادب کا ہونا ضروری ہے اور عقلمند جب کوئی شئے بادشاہ سے طلب کرتے ہیں تو ہمیشہ ادب کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اسی لئے سورۃ فاتحہ میں خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے کہ کس طرح مانگا جاوے اور اس میں سکھایا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی سب تعریف خدا کو ہی ہے جو رب ہے سارے جہان کا۔ اَلرَّحْمٰنِ یعنی بلا مانگے اور سوال کئے کے دینے والا۔ اَلرَّحِیْمِ یعنی انسان کی سچی محنت پر ثمرات حسنہ مرتب کرنے والا ہے۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ جزا سزا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ چاہے رکھے چاہے مارے۔ اور جزا سزا آخرت کی بھی اور اس دنیا کی بھی اسی کے ہاتھ میں ہے جب اس قدر تعریف انسان کرتا ہے تو اسے خیال آتا ہے کہ کتنا بڑا خدا ہے جو کہ رب ہے۔ رحمٰن ہے۔ رحیم ہے۔ اسے غائب مانتا چلا آرہا ہے۔ اور پھر اسے حاضر ناظر جان کر پکارتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ یعنی ایسی راہ جو کہ بالکل سیدھی ہے۔ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں ہے ایک راہ

اندھوں کی ہوتی ہے کہ محنتیں کرکے تھک جاتے ہیں اور نتیجہ کچھ نہیں نکلتا اور ایک وہ راہ کہ محنت کرنے سے اس پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ پھر آگے صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ یعنی ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا اور وہ وہی صراط مستقیم ہے جس پر چلنے سے انعام مرتب ہوتے ہیں۔ پھر غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ نہ ان لوگوں کی جن پر تیرا غضب ہوا۔ اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ اور نہ ان کی جو دور جا پڑے ہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ سے کل دنیا اور دین کے کاموں کی راہ مراد ہے۔ مثلاً ایک طبیب جب کسی کا علاج کرتا ہے۔ تو جب تک اسے ایک صراط مستقیم ہاتھ نہ آوے۔ علاج نہیں کر سکتا۔ اسی طرح تمام وکیلوں اور ہر پیشہ اور علم کی ایک صراط مستقیم ہے۔ کہ جب وہ ہاتھ آجاتی ہے تو پھر کام آسانی سے ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ انبیاء کو اس دعا کی کیوں ضرورت تھی وہ تو پیشتر ہی سے صراط مستقیم پر ہوتے ہیں تَلْمِیْذُ الرَّحْمٰنِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ

وہ یہ دعا ترقی مراتب اور درجات کے لئے کرتے ہیں بلکہ یہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ تو آخرت میں مومن بھی مانگیں گے کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی کوئی حد نہیں ہے اسی طرح اس کے درجات اور مراتب کی ترقی کی بھی کوئی حد نہیں ہے[1]

تقویٰ کی حقیقت

(پھر اصل مضمون تقویٰ پر فرمایا) کہ

متقی بننے کے واسطے یہ ضروری ہے کہ بعد اس کے کہ موٹی باتوں جیسے زنا، چوری، تلف حقوق، ریا، عجب، حقارت، بخل کے ترک میں پکا ہو تو اخلاق رذیلہ سے پرہیز کرکے ان کے بالمقابل اخلاق فاضلہ میں ترقی کرے۔ لوگوں سے مروت، خوش خلقی، ہمدردی سے پیش آوے۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچی وفا اور صدق دکھلاوے۔ خدمات کے مقام محمود تلاش کرے۔ ان باتوں سے انسان متقی کہلاتا ہے اور جو لوگ ان باتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ وہی اصل متقی ہوتے ہیں (یعنی اگر ایک ایک خلق فرداً فرداً کسی میں ہوں تو اسے متقی نہ کہیں گے جب تک بحیثیت مجموعی اخلاق فاضلہ اس میں نہ ہوں) اور ایسے ہی شخصوں کے لئے لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (البقرہ : ۶۳)

---

[1] الحکم میں یہ عبارت یوں ہے :-

چونکہ اللہ تعالیٰ غیر محدود ہے اس کے فیضان و فضل بھی غیر منقطع ہیں۔ اس لئے وہ ان غیر محدود فضلوں کے حاصل کرنے کے لئے اس دعا کو مانگتے تھے۔ الحکم جلد ۷ نمبر ۳ صفحہ ۱۲ کالم ۲ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۳ء

ہے۔ اور اس کے بعد ان کو کیا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کا متولّی ہو جاتا ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے۔
وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف : ۱۹۷) حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ پکڑتے ہیں۔ ان کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتے ہیں۔ ان کے کان ہو جاتا ہے جن سے وہ سنتے ہیں۔ ان کے پاؤں ہو جاتا ہے جن سے وہ چلتے ہیں۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ جو میرے ولی کی دشمنی کرتا ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں کہ میرے مقابلہ کے لئے تیار رہو۔ ایک جگہ فرمایا ہے کہ جب کوئی خدا کے ولی پر حملہ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس پر ایسے جھپٹ کر آتا ہے۔ جیسے ایک شیرنی سے کوئی اس کا بچہ چھینے تو وہ غضب سے جھپٹتی ہے۔

نماز کی اہمیّت

خدا کی رحمت کے سرچشمہ سے فائدہ اٹھانے کا اصل قاعدہ یہی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ خاصہ ہے کہ جیسے اس انسان کا قدم بڑھتا ہے ویسے ہی پھر خدا کا قدم بڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہر ایک کے ساتھ نہیں ہوتیں۔ اور اسی لئے جن پر یہ ہوتی ہیں۔ ان کے لئے وہ نشان بولی جاتی ہیں۔ (اس کی نظیر دیکھ لو) کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے دشمنوں نے کیا کیا کوششیں آپ کی ناکامیابی کے واسطے کیں مگر ایک پیش نہ گئی حتیٰ کہ قتل کے منصوبے کئے۔ مگر آخر ناکامیاب ہی ہوئے۔ خدا تعالیٰ یہ تجویز پیش کرتا ہے (اس خاص رحمت کے حصول کے واسطے جو اخلاق وغیرہ حاصل کئے جاویں تو) ان امروں کو چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جاوے نہ کہ ہمارے سامنے۔ اپنے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت اور عظمت کا سلسلہ جاری رکھیں اور اس کے لئے نماز سے بڑھ کر اور کوئی شے نہیں ہے۔ کیونکہ روزے تو ایک سال کے بعد آتے ہیں۔ اور زکوٰۃ صاحب مال کو دینی پڑتی ہے۔ مگر نماز ہے کہ ہر ایک (حیثیت کے آدمی) کو پانچوں وقت ادا کرنی پڑتی ہے اسے ہرگز ضائع نہ کریں۔ اسے بار بار پڑھو اور اس خیال سے پڑھو کہ میں ایسی طاقت والے کے سامنے کھڑا ہوں کہ اگر اس کا ارادہ ہو تو ابھی قبول کرلیوے۔ اُسی حالت میں بلکہ اسی ساعت میں بلکہ اُسی سیکنڈ میں۔ کیونکہ دوسرے دنیاوی حاکم تو خزانوں کے محتاج ہیں۔ اور ان کو فکر ہوتی ہے کہ خزانہ خالی نہ ہو جاوے اور ناداری کا ان کو فکر لگا رہتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کا خزانہ ہر وقت بھرا بھرایا ہے۔ جب اس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو صرف یقین کی حاجت ہوتی ہے۔ اسے اس امر پر یقین ہو کہ میں ایک سمیع، علیم اور خبیر اور قادر ہستی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں اگر اسے مہر آجاوے تو ابھی دے دیوے۔ بڑی تضرع سے دعا کرے۔ ناامید اور بدظن ہرگز نہ ہووے اور اگر اسی طرح کرے تو (اس راحت کو) جلدی دیکھ لے گا۔ اور خدا تعالیٰ کے اور اور فضل بھی شامل

حال ہوں گے اور خود خدا بھی ملے گا تو یہ طریق ہے جس پر کار بند ہونا چاہیے۔ مگر ظالم فاسق کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے لاپروا ہے۔ ایک بیٹا اگر باپ کی پروا نہ کرے اور ناخلف ہو تو باپ کو اس کی پروا نہیں ہوتی تو خدا کو کیوں ہو۔

دُعا اور ابتلاء

ایک صاحب نے عرض کی کہ بلعم باعور کی دعا کیوں قبول ہوئی تھی؟ فرمایا :۔

یہ ابتلا تھا دعا نہ تھی آخر وہ مارا ہی گیا۔ دعا وہ ہوتی ہے جو خدا کے پیارے کرتے ہیں ورنہ یوں تو خدا تعالیٰ ہندوؤں کی بھی سنتا ہے اور بعض ان کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ مگر ان کا نام ابتلا ہے دعا نہیں۔ مثلاً اگر خدا سے کوئی روٹی مانگے تو کیا نہ دے گا؟ اس کا وعدہ ہے۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا (ھود : ۷) کتے بلی بھی تو اکثر پیٹ پالتے ہیں۔ کیڑوں مکوڑوں کو بھی رزق ملتا ہے مگر اصْطَفَیْنَا (فاطر : ۳۳) کا لفظ خاص موقعوں کے لئے ہے۔

مسیح موعود علیہ السّلام کی صداقت کا ثبوت

یہاں تک تقریر حضرت اقدس نے مبائعین کے واسطے کی جن میں سے ایک تو شیخ نور احمد صاحب پلیڈر اور دوسرے حامد علی شاہ صاحب بدوملی تھے۔ اس کے بعد حضور انور نے پھر ابو سعید عرب صاحب کو مخاطب ہو کر فرمایا کہ

آپ نے جو ثبوت مسیحیت کے دعویٰ کے بارے میں پوچھا تھا۔ یہ بہت ضروری بات تھی اور اس کو خوب یاد رکھنا چاہیے۔ اگر آپ سے کوئی ان ممالک (ملک برما) میں پوچھے کہ ہماری صداقت کا کیا ثبوت ہے تو مختصر طور پر یہی جواب دینا چاہیے کہ وہی ثبوت ہے جو کہ موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا ہے تمام انبیاء کی صداقت کے دو ہی ثبوت ہوتے ہیں۔ اول۔ کتب سابقہ میں ان کا ذکر مگر وہ استعارہ کے رنگ میں ضرور ہوتا ہے اور اس میں ایک پہلو ٹھوکر کا بھی ہوتا ہے۔ جیسے یہود کو دھوکا لگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بنی اسرائیل میں سے آنا چاہیے تھا۔ بنی اسماعیل میں سے کیوں ہوئے۔ اور پھر اسی طرح مسیح کے وقت الیاس کے منتظر رہے۔ ان معاملوں میں اب تک جھگڑتے ہیں یہ سب ان کی بکواس ہے۔

اسی طرح ہمارا ذکر کتب سابقہ میں ہے۔ اگر کوئی ہم سے بھی اسی طرح بکواس سے جھگڑا کرے تو انہیں میں سے ہوگا۔

دوسرا ثبوت نشانات ہیں جن سے بہت صفائی سے استنباط ہوتا ہے وہی ثبوت ہمارے ساتھ بھی ہیں اور جس قاعدہ سے خداتعالیٰ نے یہ نشانات دکھلائے ہیں اگر اسی طرح شمار کریں تو یہ بیس لاکھ سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ اور یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کی تحت میں آکر ہر ایک شخص جو ہمارے پاس آتا ہے ہر ایک ہدیہ اور نذر جو پیش ہوتی ہے ایک ایک نشان الگ الگ ہے مگر ہم نے صرف ایک سو پچاس نشان نزول المسیح میں درج کئے ہیں جن کے ہزارہا گواہ موجود ہیں۔ پھر دیکھو یہ کس وقت کی خبر ہے۔ قرآن کے نصوص' حدیث کی اخبار اور مکاشفات اور رویاء وغیرہ سب ہماری تائید میں ہیں۔ پھر اس کے علاوہ خداتعالیٰ کے نشانات۔ پھر زمانہ کی موجودہ ضرورت' یہ سب ثبوت پیش کرنے کے قابل ہیں۔ اس وقت خداتعالیٰ کا منشاء ہے کہ لوگوں کو غلطیوں سے نکالے اور تقویٰ پر قائم کرے۔ خداتعالیٰ جس کو چاہے گا بلاتا جاوے گا۔ یہ اس کی طرف سے ایک دعوت ہے جو بلایا جاتا ہے۔ اسے فرشتے کھینچ کھینچ کر لے آتے ہیں[1]

۱۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

مولوی ثناء اللہ صاحب کا قادیان آنا

عصر کے وقت خداتعالیٰ کے برگزیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر ہوئی کہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری قادیان آئے ہوئے ہیں مگر آپ نے اس کے متعلق صرف یہی فرمایا کہ ہزاروں لوگ راہرو آتے ہیں ہمیں اس سے کیا؟

مغرب کی نماز باجماعت ادا کر کے جب حضرت اقدس دولت سرا کو تشریف لے چلے تو ایک شخص نے ہاتھ میں قلم دوات لئے ہوئے حضرت اقدس کی خدمت میں کچھ کاغذات پیش کئے۔ اس قلم دوات سے اس کی یہ غرض تھی کہ حضرت سے رقعہ کی رسید لے مگر حضرت نے توجہ نہ کی اور اس کے وہ کاغذات لے کر تشریف لے گئے اور جب عشاء کی نماز کے واسطے تشریف لائے تو فرمایا کہ

ایک ہی مضمون کے دو رقعے مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے پہنچے ہیں۔ نہ معلوم دو رقعوں

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ تا ۲۹ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء

کی کیا غرض تھی۔

اس وقت یہ عقدہ حل ہوا کہ غالباً دوسرا رقعہ دستخط یعنی رسید رقعہ لینے کی غرض سے تھا۔ مگر قاصد کو رسید مانگنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ رقعہ اس وقت سید سرور شاہ صاحب کے حوالہ کیا گیا۔ کہ وہ اسے پڑھ کر اہل مجلس کو سنا دیویں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا :۔

ہم تیار ہیں وہ ہفتہ عشرہ آرام سے سب باتیں سنے اور اگر اس کا منشاء مباحثہ کا ہو تو یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ اب مدت ہوئی کہ ہم مباحثات کو بند کر چکے ہیں۔ اگر اس کو طلب حق کی ضرورت ہے تو وہ رفق اور آہستگی سے اپنی غلطی دور کروائے۔ طالب حق کے لئے ہمارا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ہاں جو شخص ایک منٹ رہ کر چلا جانا چاہتا ہے اور اسے فتح اور شکست اور ہار اور جیت کا خیال ہے وہ مستفید نہیں ہو سکتا۔ بجز ایسے شخص کے جو نیک نیت بن کر آوے ہم تو دوسرے کے ساتھ کلام کرنا بھی تضیع اوقات خیال کرتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہے کہ وہ کیوں کمہار کے ہاں جا کر اترے۔ چاہیے تھا کہ مستفیدوں کی طرح آتا اور ہمارے مہمان خانہ میں اترتا۔

پھر فرمایا۔ ہم اس رقعہ کا صبح کو جواب دیں گے۔

اس کے بعد حضرت اقدس نماز سے فارغ ہو کر تشریف لے چلے تو ثناء اللہ صاحب کے قاصد نے آواز دی کہ حضرت جی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کا کیا جواب ہے حضرت نے فرمایا کہ صبح کو دیا جائے گا۔

قاصد نے کہا کہ میں آکر جواب لے جاؤں یا آپ بذریعہ ڈاک روانہ کریں گے۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ خواہ تم آکر لے جاؤ خواہ ثناء اللہ آکر لے جاوے۔ پھر آپ نے قاصد کا نام پوچھا۔ اس نے کہا محمد صدیق[1]

۱۱؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز یکشنبہ

مولوی ثناء اللہ کے رقعہ کا جواب

فجر کی نماز کو جب حضرت اقدس تشریف لائے تو قبل از نماز آپ نے وہ رقعہ جو مولوی

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۶؍جنوری ۱۹۰۳ء

ثناء اللہ صاحب کے رقعہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا۔ احباب کو سنایا۔ وہ رقعہ یہ تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

از طرف عائذ باللہ الصمد غلام احمد عافاہ اللہ واید

بخدمت مولوی ثناء اللہ صاحب۔

آپ کا رقعہ پہنچا۔ اگر آپ لوگوں کی صدق دل سے یہ نیت ہو۔ کہ اپنے شکوک و شبہات پیشگوئیوں کی نسبت یا ان کے ساتھ اور امور کی نسبت بھی جو دعویٰ سے تعلق رکھتے ہوں، رفع کروائیں تو یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہوگی اور اگرچہ میں کئی سال ہوئے کہ اپنی کتاب انجام آتھم میں شائع کر چکا ہوں۔ کہ میں اس گروہ مخالف سے ہرگز مباحثات نہ کروں گا کیونکہ اس کا نتیجہ بجز گندی گالیوں اور اوباشانہ کلمات سننے کے اور کچھ نہیں ہوا مگر میں ہمیشہ طالب حق کے شبہات دور کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اگرچہ آپ نے اس رقعہ میں دعویٰ تو کر دیا ہے کہ طالب حق ہوں مگر مجھے تأمل ہے کہ اس دعویٰ پر آپ قائم رہ سکیں۔ کیونکہ آپ لوگوں کی عادت ہے کہ ایک بات کو کشاں کشاں بے ہودہ اور مباحثات کی طرف لے آتے ہیں اور میں خدا تعالیٰ کے سامنے وعدہ کر چکا ہوں کہ ان لوگوں سے مباحثات ہرگز نہیں کروں گا۔ سو وہ طریق جو مباحثات سے بہت دور ہے کہ آپ اس مرحلہ کو صاف کرنے کے لئے اول یہ اقرار کریں کہ آپ منہاج نبوت سے باہر نہیں جائیں گے۔ اور وہی اعتراض کریں گے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یا حضرت عیسیٰؑ پر یا حضرت موسیٰؑ پر یا حضرت یونسؑ پر عائد نہ ہوتا ہو اور حدیث اور قرآن شریف کی پیشگوئیوں پر زد نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہوگی کہ آپ زبانی بولنے کے مجاز نہ ہوں گے۔ صرف آپ مختصر ایک سطر یا دو سطر تحریر دے دیں گے کہ میرا یہ اعتراض ہے۔ پھر آپ کو عین مجلس میں مفصل جواب سنایا جائے گا۔ اعتراض کے لئے لمبا لکھنے کی ضرورت نہیں ایک سطر یا دو سطر کافی ہیں۔ تیسری یہ شرط ہوگی کہ ایک دن میں صرف ایک ہی آپ اعتراض پیش کریں گے کیونکہ آپ اطلاع دے کر نہیں آئے۔ چوروں کی طرح آ گئے۔ اور ہم ان دنوں بباعث کم فرصتی اور کام طبع کتاب کے تین گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں کر سکتے۔ یاد رہے کہ یہ ہرگز نہ ہوگا کہ عوام کالانعام کے روبرو آپ واعظ کی طرح ہم سے گفتگو شروع کر دیں بلکہ آپ نے بالکل منہ بند رکھنا ہوگا۔ جیسے صم بکم۔ یہ اس لئے کہ تا گفتگو مباحثہ کے رنگ میں نہ ہو جاوے۔ اور صرف ایک پیشگوئی کی نسبت سوال کریں۔ میں تین گھنٹہ تک اس کا جواب دے سکتا ہوں اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد آپ کو متنبہ کیا جاوے گا۔ کہ اگر ابھی تسلی نہیں ہوئی تو اور لکھ کر پیش کرو۔ آپ کا کام نہیں ہوگا کہ اس کو سنا دیں ہم خود

پڑھ لیں گے۔ مگر چاہیے کہ دو تین سطر سے زیادہ نہ ہو۔ اس طرز میں آپ کا کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ آپ تو شبہات دور کرانے آئے ہیں۔ یہ طریق شبہات دور کرانے کا بہت عمدہ ہے۔ میں باواز بلند لوگوں کو سنادوں گا کہ اس پیشگوئی کی نسبت مولوی ثناء اللہ صاحب کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے اور اس کا یہ جواب ہے۔ اس طرح تمام وساوس دور کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر چاہو کہ بحث کے رنگ میں آپ کو بات کا موقعہ دیا جاوے تو ہرگز نہ ہوگا۔ ۱۴ر جنوری ۱۹۰۳ء تک میں اس جگہ ہوں۔ بعد میں ۱۵ر جنوری کو ایک مقدمہ پر جہلم جاؤں گا۔ سو اگرچہ بہت کم فرصتی ہے۔ لیکن ۱۴ر جنوری تک آپ کے لئے تین گھنٹے تک خرچ کر سکتا ہوں۔ اگر آپ لوگ کچھ نیک نیتی سے کام لیویں تو یہ ایسا طریق ہے کہ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ ورنہ ہمارا اور آپ لوگوں کا آسمان پر مقدمہ ہے خود خدا تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ سوچ کر دیکھ لو کہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ بذریعہ تحریر جو سطر دو سطر سے زیادہ نہ ہو ایک ایک گھنٹہ کے بعد اپنا شبہ پیش کرتے جاویں گے اور میں وہ وسوسہ دور کرتا جاؤں گا۔ ایسے ہی صدہا آدمی آتے ہیں اور وسوسہ دور کرا لیتے ہیں۔ ایک بھلا مانس شریف آدمی ضرور اس بات کو پسند کرے گا۔ اس کو وساوس دور کرانے ہیں اور کچھ غرض نہیں۔ لیکن وہ لوگ جو خدا سے نہیں ڈرتے ان کی تو نیتیں ہی اور ہوتی ہیں۔

میرزا غلام احمد [مہر]

اور فرمایا کہ

یہ طریق بہت امن کا ہے۔ اگر یہ نہ کیا جاوے تو بدامنی اور بد نتیجہ کا اندیشہ ہے۔

پھر فرمایا کہ

ایک رؤیا

ابھی فجر کو میں نے ایک خواب دیکھا۔

کہ میرے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے۔ اس کے ایک طرف کچھ اشتہار ہے اور دوسری طرف ہماری طرف سے کچھ لکھا ہوا ہے جس کا عنوان یہ ہے

بقیۃ الطّاعون

اس کے بعد فجر کی نماز ہوئی تو حضرت اقدس نے قلم دوات طلب فرمائی اور فرمایا کہ

تھوڑا سا اور اس رقعہ پر لکھنا ہے۔

اتنے میں مولوی ثناء اللہ صاحب کے قاصد پھر آموجود ہوئے اور جواب طلب کیا۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ ابھی لکھ کر دیا جاتا ہے۔

پھر بقیہ حصہ آپ نے لکھ کر اپنے خدام کے حوالہ کیا کہ اس کی نقل کر کے روانہ کردو۔

وہ حصہ رقعہ کا یہ ہے۔

"بالآخر اس غرض کے لئے اب آپ اگر شرافت اور ایمان رکھتے ہیں تو قادیان سے بغیر تصفیہ کے خالی نہ جاویں۔

دو قسموں کا ذکر ہوتا ہے (۱) اول چونکہ میں انجام آتھم میں خدا سے قطعی عہد کرچکا ہوں کہ ان لوگوں سے قطعی بحث نہیں کروں گا۔ اس وقت پھر اسی عہد کے مطابق قسم کھاتا ہوں کہ میں زبانی آپ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔ صرف آپ کو یہ موقعہ دیا جاوے گا کہ آپ اول ایک اعتراض جو آپ کے نزدیک سب سے بڑا اعتراض کسی پیشگوئی پر ہو ایک سطر یا دو سطر یا حد تین سطر تک لکھ کر پیش کریں جس کا یہ مطلب ہو کہ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی اور منہاج نبوت کی رو سے قابل اعتراض ہے اور پھر چپ رہیں اور میں مجمع عام میں اس کا جواب دوں گا جیسا کہ مفصل لکھ چکا ہوں۔ پھر دوسرے دن دوسری پیشگوئی اسی طرح لکھ کر پیش کریں۔ یہ تو میری طرف سے خدا تعالیٰ کی قسم ہے کہ میں اس سے باہر نہیں جاؤں گا اور کوئی زبانی بات نہیں سنوں گا اور آپ کی مجال نہیں ہوگی کہ کوئی کلمہ بھی زبانی بول سکیں اور آپ کو بھی خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ اگر آپ سچے دل سے آئے ہیں تو اس کے پابند ہو جاویں اور ناحق فتنہ و فساد میں عمر بسر نہ کریں۔ اب ہم دونوں میں سے ان دونو قسموں میں سے جو شخص اعراض کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہو اور خدا کرے کہ وہ اس لعنت کا پھل بھی اپنی زندگی میں دیکھ لے۔ آمین۔ سو میں دیکھوں گا کہ آپ سنت نبویہ کے موافق اس قسم کو پورا کرتے ہیں یا قادیان سے نکلتے ہوئے اس لعنت کو ساتھ لے جاتے ہیں چاہیے کہ اول آپ اس عہد موکد قسم کے آج ہی ایک اعتراض دو تین سطر کا لکھ کر بھیج دیں اور پھر وقت مقرر کر کے مسجد میں مجمع کیا جائے گا۔ اور آپ کو بتلایا جاوے گا اور عام مجمع میں آپ کے شیطانی وساوس دور کر دئے جائیں گے"۔

رقعہ دے کر آپ تشریف لے گئے اور اندر سے حضور نے کہلا بھیجا کہ رقعہ وہاں ان کو جا کر سنا دیا جاوے اور پھر ان کے حوالہ کیا جاوے۔

چنانچہ یہ رقعہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو پہنچا دیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد پھر مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے جواب الجواب آیا[1]

---

[1] البدر جلد اول نمبر ۱۲ مورخہ ۱۹ر جنوری ۱۹۰۳ء

یہ نامعقول اور اصل بحث سے بالکل دور جواب سنکر حضرت اقدس کو بہت رنج ہوا اور آپ نے فرمایا کہ

ہم نے جو اسے خدا کی قسم دی تھی اس سے فائدہ اٹھاتا یہ نظر نہیں آتا۔ اب خدا کی لعنت لے کر واپس جانا چاہتا ہے۔ جس بات کو ہم باربار لکھتے ہیں کہ ہم مباحثہ نہیں کرتے جیسا کہ ہم انجام آتھم میں اپنا عہد دنیا میں شائع کر چکے ہیں۔ تو اب اس کا منشا ہے کہ ہم خدا کے اس عہد کو توڑ دیں۔ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ اور پھر اس رقعہ میں کس قدر افتراء سے کام لیا گیا ہے کیونکہ جب ہم اسے اجازت دیتے ہیں کہ ہر ایک گھنٹہ کے بعد وہ دو تین سطریں ہماری تقریر پر اپنے شبہات کی لکھ دیوے تو اس طرح سے خواہ اس کی دن میں تیس سطور ہو جاویں ہم کب گریز کرتے ہیں اور خواہ ایک ہی پیشگوئی پر وہ ہم سے دس دن تک سنتا رہتا اور اپنے وساوس اس طرز سے پیش کرتا رہتا۔ اسے اختیار تھا۔ پھر ایک دوسرا جھوٹ یہ بولا ہے۔ کہ لکھتا ہے کہ آپ مجمع پسند نہیں کرتے۔ بھلا ہم نے کب لکھا ہے کہ ہم مجمع پسند نہیں کرتے بلکہ ہم تو عام جلسہ چاہتے ہیں۔ کہ تمام قادیان کے لوگ اور دوسرے بھی جس قدر ہوں جمع ہوں تاکہ ان لوگوں کی بے ایمانی کھلے کہ کس طرح یہ لوگوں کو فریب دے رہے ہیں۔ اگر اسے حق کی طلب ہوتی تو اسے ہمارے شرائط ماننے میں کیا عذر تھا مگر یہ بدنصیب واپس جاتا نظر آتا ہے۔

پھر مولوی محمد احسن صاحب کو حضور نے فرمایا کہ

آپ اس کا جواب لکھ دیں مجھے فرصت نہیں۔ میں کتاب لکھ رہا ہوں۔

یہ کہہ کر حضور تشریف لے گئے اور مولوی محمد احسن صاحب نے رقعہ کا جواب تحریر فرمایا اس کے بعد کوئی جواب مولوی ثناء اللہ صاحب کی طرف سے نہ آیا۔ اور وہ قادیان سے چلے گئے۔[1]

۱۲؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز دوشنبہ

اللہ تعالیٰ کے راستے میں زمین دینے کا ایک طریق

ظہر کے وقت ایک شخص نے حضرت اقدس سے عرض کی کہ میرے پاس کچھ زمین ہے۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۲۳ و ۳۰؍ جنوری ۱۹۰۳ء

مگر ایک عرصہ سے اس کی آبادی کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوتی۔ اس لئے اب ارادہ ہے کہ اسے خدا کے نام پر احمدیہ مشن کی خدمت میں وقف کردوں۔ شاید اللہ تعالیٰ اس میں آبادی کردے اور وہ دین کی راہ میں کام آوے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ

آپ کی نیت کا ثواب تو خدا تعالیٰ آپ کو دے گا لیکن آپ خود وہاں جاکر آبادی کریں اور اخرجات کاشت وغیرہ نکال کر پھر جو کچھ اس میں سے بچا کرے وہ اللہ کے نام پر اس سلسلہ میں دے دیا کریں۔[1]

۱۳؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز سہ شنبہ

نمازِ فجر کے وقت

ابو سعید عرب صاحب نے عرض کی کہ چونکہ جناب نے جہلم کو روانہ ہونا ہے۔ اور آدمی زیادہ ہوں گے اس لئے ریلوے کمروں کو ریزرو کروا لینے سے آرام ہوگا۔

حضرت صاحب نے فرمایا کہ

ہاں۔ یہ امر مناسب ہے کہ تکلیف نہ ہو

الٰہی جماعتوں میں ارتداد

خاکسار ایڈیٹر نے مولوی جمال دین صاحب سیدوالہ کی طرف سے عرض کی کہ ایک حافظ نے ان کو بلا کر بہت ناجائز دھمکیاں دی ہیں۔ اور کچھ آدمی جو بیعت میں داخل تھے ان کو بہکا کر بیعت سے توبہ کروائی ہے۔ مولوی صاحب نے درخواست کی ہے کہ دعا کی جائے کہ خدا ان کو نیچا دکھاوے۔

فرمایا۔ مرتد ہونا یہ بھی ایک سنت اللہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں بھی مرتد ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت بھی مرتد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کا تو ارتداد ہی عجیب ہے۔

خدا کا وعدہ ہے کہ اگر ایک جائے گا تو وہ اس کے بدلے میں ایک جماعت دے دیگا۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۲ صفحہ ۲۹ مورخہ ۳۰؍جنوری ۱۹۰۳ء

مواہب الرحمٰن کی اشاعت

چونکہ آج کل رات دن ایک عربی کتاب برائے تبلیغ زیر طبع ہے۔ پروف کی صحت پر اور اس کے پروف وغیرہ دیکھے جانے میں صرف اس لئے کمال احتیاط سے کام لیا جاتا ہے کہ فرقہ مولویوں نے اب ہر قسم کی بددیانتی غلط بیانی کو حضرت میرزا صاحب کے مقابلے میں جائز رکھا ہوا ہے۔ پروف کی صحت پر فرمایا کہ

ان لوگوں کو کیا علم ہے کہ ہم کس طرح راتوں کو کام کرکر کے کتابیں چھپواتے ہیں اور پھر اگر پریس مین کی ذرا سی غلطی رہ جاوے تو ان لوگوں کو اعتراض کا موقعہ مل جاتا ہے۔ حالانکہ خود محمد حسین نے میرے سامنے ایک دفعہ اشاعت السنۃ کی چھپوائی پر اعتراف کیا کہ ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی حالت مسخ شدہ ہے کہاں سے کہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے۔

کمرہ گرم کرنے کے متعلق ہدایت

حضرت اقدس نے ظہر کے وقت سید فضل شاہ صاحب کو یہ فرمایا کہ

آپ کا کمرہ بہت تاریک رہتا ہے اور اس میں نم بھی بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ آج کل وبائی دن ہیں۔ رعایت اسباب کے لحاظ سے ضروری ہے کہ وہاں آگ وغیرہ جلا کر مکان گرم کر لیا کریں۔

کتاب مواہب الرحمٰن

مغرب کے وقت حضرت اقدس تشریف لائے تو کتاب زیر طبع کی نسبت فرمایا کہ

امید ہے کہ یہ معجزہ کی طرح پھرے گی اور دلوں میں داخل ہوگی۔ اول و آخر کے سب مسائل اس میں آگئے ہیں۔ خدا کی قدرت ہے۔ دیر کا باعث ایک یہ ہو جاتا ہے کہ لغات جو دل میں آتے ہیں پھر ان کو کتب لغت میں دیکھنا پڑتا ہے۔ میرا دل اس وقت گواہی دیتا ہے کہ اندر فرشتہ بول رہا ہے۔ جب مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہوں گے تو ان کا بھی ایسا ہی حال ہوگا کیونکہ وہ بھی ہماری تائید میں ہی ہے۔ رات آدھی رات جب تک مضمون ختم نہ ہولے۔ جاگتا رہوں گا۔[1]

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۹ مورخہ ۱۳؍ فروری ۱۹۰۳ء

۱۴؍جنوری ۱۹۰۳ء بروز چہار شنبہ

فجر کے وقت فرمایا کہ
میں کتاب تو ختم کر چکا ہوں۔ رات آدھی رات تک بیٹھا رہا۔ نیت تو ساری رات کی تھی مگر کام جلدی ہی ہو گیا۔ اس لئے سو رہا۔ اس کا نام مواہب الرّحمٰن رکھا ہے۔

ایک سقہ کی وفات اور اس پر الہام کا انطباق

ایک سقہ جو کہ حضرت اقدس کے ہاں پانی بھرا کرتا تھا وہ ایک ناگہانی موت سے مر گیا۔ اور اسی دن اس کی شادی تھی۔ اس کی موت پر آپ نے فرمایا کہ مجھے خیال آیا کہ قُتِلَ خَیْبَۃً وَّزِیْدَ ھَیْبَۃً جو وحی ہوئی تھی وہ اسی کی طرف اشارہ ہے[1]

۱۵؍جنوری ۱۹۰۳ء

خدا کے کام کیلئے جاگنا جہاد ہے

فجر کے وقت فرمایا کہ
رات تین بجے تک جاگتا رہا تو کاپیاں اور پروف صحیح ہوئے۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی طبیعت علیل تھی وہ بھی جاگتے رہے۔ وہ اس وقت تشریف نہیں لا سکیں گے۔ یہ بھی ایک جہاد ہی تھا۔ رات کو انسان کو جاگنے کا اتفاق تو ہوا کرتا ہے مگر کیا خوش وہ وقت ہے جو خدا کے کام میں گزارے۔ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ وہ جب مرنے لگے تو روتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیا موت کے خوف سے روتے ہو تو کہا موت کا کوئی خوف نہیں مگر یہ افسوس ہے کہ یہ وقت جہاد کا نہیں ہے۔ جب جہاد کیا کرتا تھا۔ اگر اس وقت یہ موقعہ ہوتا۔ تو کیا خوب تھا۔
فرمایا کہ
میرے اعضاء تو بے شک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ کام کئے جاؤ۔

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰؍جنوری ۱۹۰۳ء

مولوی ثناء اللہ کا ذکر

بابو شاہ دین صاحب نے ثناء اللہ کے آنے کا ذکر کیا تو فرمایا کہ

آخر لعنت لے کر چلا گیا اور جو منصوبہ وہ گھڑ کے لایا تھا۔ اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی ہم نے اس کا ذکر اور جواب وغیرہ اس عربی کتاب میں کر دیا ہے۔ اب جہلم سے واپس آکر بشرط فرصت اردو میں لکھیں گے۔[1]

۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء*

دُعا اور اس کے آداب

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوقت سیر مندرجہ ذیل تقریر فرمائی (ایڈیٹر الحکم)

دعا بڑی عجیب چیز ہے مگر افسوس یہ ہے کہ نہ دعا کرانے والے آداب دعا سے واقف ہیں اور

---

* ایڈیٹر صاحب الحکم کو "۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء" کی تاریخ لکھنے میں سہو ہوا ہے یا کاتب کی غلطی سے یہ تاریخ لکھی گئی ہے۔ دراصل حضور علیہ السلام کی یہ تقریر جو حضور نے سیر کے دوران فرمائی کسی اور گذشتہ تاریخ کی ہے۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کی نہیں۔ "الحکم" اور "البدر" دونو سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ۸ر جنوری سے ۲۷ر جنوری ۱۹۰۳ء تک سیر ملتوی رہی۔ "الحکم" میں ۷ر جنوری کی سیر کی جو ڈائری چھپی ہے۔ اس میں تو ذکر نہیں۔ لیکن البدر میں سیر کی ڈائری میں صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ "اب دو تین دن سیر بند رہے گی کیونکہ آج کل بارشیں نہیں ہوئیں۔ اس لئے راستہ میں خاک بہت اڑتی ہے اور اسی سے میں بیمار ہو گیا تھا۔" (البدر جلد ۲ نمبر ۴ صفحہ ۲۶ مورخہ ۱۳ر فروری ۱۹۰۳ء) اس کے بعد ۲۴ر جنوری کو مغرب کے بعد جب حضور علیہ السلام مجلس میں تشریف فرما ہوئے۔ تو فرمایا "اب بارش ہونے کی وجہ سے گرد و غبار کم ہو گیا ہے ایک دو دن ذرا باہر ہو آویں۔" (یعنی سیر کو جایا کریں)۔ (البدر جلد دوم نمبر ۵ صفحہ ۳۶ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۳ء) اس سے معلوم ہو گیا کہ اس عرصہ میں حضور علیہ السلام سیر کے لئے تشریف نہیں لے گئے اور جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ "الحکم" اور "البدر" دونو میں اس عرصہ میں سیر کا کوئی ذکر نہیں اور نہ سیر کی کوئی ڈائری ہے۔ حالانکہ باقی اوقات کی ڈائریاں ان ایام کی موجود ہیں۔

نیز ان ایام میں حضور علیہ السلام کتاب "مواہب الرحمٰن" کی تصنیف میں بے حد معروف تھے۔ ۱۴ر جنوری کو فجر کی نماز کے وقت حضور نے فرمایا "میں کتاب تو ختم کر چکا ہوں۔ رات آدھی رات تک بیٹھا رہا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴) اور ۱۵ر

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

---

[1] البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ مورخہ ۲۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

نہ اس زمانہ میں دعا کرنے والے ان طریقوں سے واقف ہیں جو قبولیت دعا کے ہوتے ہیں۔ بلکہ اصل تو یہ ہے کہ دعا کی حقیقت ہی سے بالکل اجنبیت ہو گئی ہے۔ بعض ایسے ہیں جو سرے سے دعا کے منکر ہیں اور جو دعا کے منکر تو نہیں مگر ان کی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ چونکہ ان کی دعائیں بوجہ آداب دعا سے ناواقفیت کے قبول نہیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ دعا اپنے اصلی معنوں میں دعا ہوتی ہی نہیں۔ اس لئے وہ منکرین دعا سے بھی گری ہوئی حالت میں ہیں۔ ان کی عملی حالت نے دوسروں کو دہریت کے قریب پہنچا دیا ہے۔ دعا کے لئے سب سے اول اس امر کی ضرورت ہے کہ دعا کرنے والا کبھی تھک کر مایوس نہ ہو جاوے۔ اور اللہ تعالیٰ پر یہ سوء ظن نہ کر بیٹھے کہ اب کچھ بھی نہیں ہوگا۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ اس قدر دعا کی گئی کہ جب مقصد کا شگوفہ سرسبز ہونے کے قریب ہوتا ہے۔ دعا کرنے والے تھک گئے ہیں۔ جس کا نتیجہ ناکامی اور نامرادی ہو گیا ہے۔ اور اس نامرادی نے یہاں تک برا اثر پہنچایا کہ دعا کی تاثیرات کا انکار شروع ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اس درجہ تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ پھر خدا کا بھی انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اور کہہ دیتے ہیں کہ اگر خدا ہوتا اور وہ دعاؤں کو قبول کرنے والا ہوتا تو اس قدر عرصہ دراز تک جو دعائیں کی گئی کیوں کر قبول نہ ہوئیں؟ مگر ایسا خیال کرنے والا اور ٹھوکر کھانے والا انسان اگر اپنے عدم استقلال اور تلوّن کو سوچے تو اسے معلوم ہو جائے کہ ساری نامرادیاں اس کی اپنی ہی جلد بازی اور شتاب کاری کا نتیجہ ہیں۔ جن پر خدا کی قوتوں اور طاقتوں کے متعلق بدظنی اور نامراد کرنے والی مایوسی بڑھ گئی۔ پس کبھی تھکنا نہیں چاہیئے۔

دعا کی ایسی ہی حالت ہے۔ جیسے ایک زمیندار باہر جا کر اپنے کھیت میں ایک بیج بو آتا ہے۔ اب بظاہر تو یہ حالت ہے کہ اس نے اچھے بھلے اناج کو مٹی کے نیچے دبا دیا۔ اس وقت کوئی کیا سمجھ سکتا ہے کہ یہ دانہ ایک عمدہ درخت کی صورت میں نشوونما پا کر پھل لائے گا۔ باہر کی دنیا اور خود زمیندار بھی نہیں دیکھ سکتا کہ یہ دانہ اندر ہی اندر زمین میں ایک پودا کی صورت اختیار کر رہا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد وہ دانہ گل کر اندر ہی اندر پودا بننے لگتا ہے اور تیار

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

جنوری کو فجر کی نماز کے وقت تشریف لائے تو فرمایا "رات تین بجے تک جاگتا رہا تو کاپیاں اور پروف صحیح ہوئے۔" اور پھر فرمایا کہ میرے اعضاء تو بیشک تھک جاتے ہیں مگر دل نہیں تھکتا"۔ (البدر جلد ۲ نمبر ۵ صفحہ ۳۴ نیز الحکم جلد ۷ نمبر ۵ صفحہ ۱۳) اور پھر اسی روز ظہر کے وقت ظہر و عصر کی نمازیں جمع ادا فرما کر حضور جہلم کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ سب قرائن بتاتے ہیں کہ ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کو حضور سیر کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔ یہ ڈائری یقیناً کسی گذشتہ تاریخ کی ہے جس پر سہوا ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کی تاریخ لکھی گئی ہے۔ (خاکسار مرتب)

ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا سبزہ اوپر نکل آتا ہے۔ اور دوسرے لوگ بھی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ اب دیکھو وہ دانہ جس وقت سے زمین کے نیچے ڈالا گیا تھا۔ دراصل اسی ساعت سے وہ پودا بننے کی تیاری کرنے لگ گیا تھا۔ مگر ظاہر بین نگاہ اس سے کوئی خبر نہیں رکھتی اور اب جبکہ اس کا سبزہ باہر نکل آیا تو سب نے دیکھ لیا۔ لیکن ایک نادان بچہ اس وقت یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کو اپنے وقت پر پھل لگے گا۔ وہ یہ چاہتا ہے۔ کیوں اسی وقت اس کو پھل نہیں لگتا۔ مگر عقلمند زمیندار خوب سمجھتا ہے کہ اس کے پھل کا کونسا موقع ہے۔ وہ صبر سے اس کی نگرانی کرتا اور غور و پرداخت کرتا رہتا ہے۔ اور اس طرح پر وہ وقت آجاتا ہے کہ جب اس کو پھل لگتا ہے اور وہ پک بھی جاتا ہے یہی حال دعا کا ہے اور بعینہٖ اسی طرح دعا نشوونما اور مثمر بثمرات ہوتی ہے۔ جلد باز پہلے ہی تھک کر رہ جاتے ہیں اور صبر کرنے والے مال اندیش استقلال کے ساتھ لگے رہتے ہیں۔ اور اپنے مقصد کو پالیتے ہیں۔

قبولیتِ دُعا کیلئے صبر اور محنت کی ضرورت

یہ بچی بات ہے کہ دعا میں بڑے بڑے مراحل اور مراتب ہیں جن کی ناواقفیت کی وجہ سے دعا کرنے والے اپنے ہاتھ سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ان کو ایک جلدی لگ جاتی ہے اور وہ صبر نہیں کر سکتے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے کاموں میں ایک تدریج ہوتی ہے۔

دیکھو یہ کبھی نہیں ہوتا کہ آج انسان شادی کرے تو کل کو اس کے گھر بچہ پیدا ہو جاوے حالانکہ وہ قادر ہے جو چاہے کر سکتا ہے مگر جو قانون اور نظام اس نے مقرر کر دیا ہے وہ ضروری ہے۔ پہلے نباتات کی نشوونما کی طرح کچھ پتہ ہی نہیں لگتا۔ چار مہینے تک کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتا۔ پھر کچھ حرکت محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور پوری میعاد گذرنے پر بہت بڑی تکالیف برداشت کرنے کے بعد بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بچہ کا پیدا ہونا ماں کا بھی ساتھ ہی پیدا ہونا ہوتا ہے۔ مرد شاید ان تکالیف اور مصائب کا اندازہ نہ کر سکیں جو اس مدت حمل کے درمیان عورت کو برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ مگر یہ بچی بات ہے کہ عورت کی بھی ایک نئی زندگی ہوتی ہے۔ اب غور کرو کہ اولاد کے لئے پہلے ایک موت خود اس کو قبول کرنی پڑتی ہے۔ تب کہیں جا کر وہ اس خوشی کو دیکھتی ہے۔ اسی طرح پر دعا کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ تلون اور عجلت کو چھوڑ کر ساری تکلیفوں کو برداشت کرتا رہے۔ اور کبھی بھی یہ وہم نہ کرے کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ آخر آنے والا زمانہ آجاتا ہے۔ دعا کے نتیجہ کے پیدا ہونے کا وقت پہنچ جاتا ہے جبکہ گویا مراد کا بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دعا کو پہلے ضروری ہے کہ اس مقام اور حد تک پہنچایا جاوے۔ جہاں پہنچ کر وہ نتیجہ خیز ثابت

ہوتی ہے۔ جس طرح پر آتشی شیشے کے نیچے کپڑا رکھ دیتے ہیں اور سورج کی شعائیں اس شیشہ پر آکر جمع ہوتی ہیں اور ان کی حرارت اور حدت اس مقام تک پہنچ جاتی ہے جو اس کپڑے کو جلا دے۔ پھر یکایک وہ کپڑا جل اٹھتا ہے۔ اس طرح پر ضروری ہے کہ دعا اس مقام تک پہنچے۔ جہاں اس میں وہ قوت پیدا ہو جاوے کہ نامرادیوں کو جلا دے اور مقصد مراد کو پورا کرنے والی ثابت ہو جاوے

پیدا است ندلا را کہ بلند است جنابت

مدت دراز تک انسان کو دعاؤں میں لگے رہنا پڑتا ہے۔ آخر خدا تعالیٰ ظاہر کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے تجربہ سے دیکھا ہے اور گذشتہ راستبازوں کا تجربہ بھی اس پر شہادت دیتا ہے کہ اگر کسی معاملہ میں دیر تک خاموشی کرے تو کامیابی کی امید ہوتی ہے لیکن جس امر میں جلد جواب مل جاتا ہے وہ ہونے والا نہیں ہوتا۔ عام طور پر ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔ کہ ایک سائل جب کسی کے دروازہ پر مانگنے کے لئے جاتا ہے اور نہایت اضطراب اور عاجزی سے مانگتا ہے اور کچھ دیر تک جھڑکیاں کھا کر بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا۔ اور سوال کئے ہی جاتا ہے تو آخر اس کو بھی کچھ شرم آ ہی جاتی ہے۔ خواہ کتنا ہی بخیل کیوں نہ ہو۔ پھر بھی کچھ نہ کچھ سائل کو دے ہی دیتا ہے۔ تو کیا دعا کرنے والے کا ایک معمولی سائل جتنا بھی استقلال نہیں ہونا چاہیے؟ خدا تعالیٰ جو کریم ہے اور حیا رکھتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کا عاجز بندہ ایک عرصہ سے اس کے آستانہ پر گرا ہوا ہے تو کبھی اس کا انجام بد نہیں کرتا۔ جیسے ایک حاملہ عورت چار پانچ ماہ کے بعد کہے کہ اب بچہ پیدا کیوں نہیں ہوتا اور اس خواہش میں کوئی مسقط دوائی کھا لے تو اس وقت کیا بچہ پیدا ہوگا۔ یا ایک مایوسی بخش حالت میں وہ خود مبتلا ہوگی؟ اسی طرح جو شخص قبل از وقت جلدی کرتا ہے۔ وہ نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ اور نہ نرا نقصان بلکہ ایمان کو بھی صدمہ پہنچ جاتا ہے۔ بعض ایسی حالت میں دہریہ ہو جاتے ہیں۔ ہمارے گاؤں میں ایک نجار تھا۔ اس کی عورت بیمار ہوئی اور آخر وہ مرگئی۔ اس نے کہا اگر خدا ہوتا تو میں نے اتنی دعائیں کیں تھیں وہ قبول ہو جاتیں اور میری عورت نہ مرتی۔ اس طرح پر وہ دہریہ ہوگیا۔ لیکن سعید اگر اپنے صدق اور اخلاص سے کام لے تو اس کا ایمان بڑھتا اور سب کچھ ہو بھی جاتا ہے۔ زمین کی دولتیں خدا تعالیٰ کے آگے کیا چیز ہیں۔ وہ ایک دم میں سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیا دیکھا نہیں کہ اس نے اس قوم کو جس کو کوئی جانتا بھی نہ تھا بادشاہ بنا دیا۔ اور بڑی بڑی سلطنتوں کو ان کا تابع فرمان بنا دیا۔ اور غلاموں کو بادشاہ بنا دیا۔ انسان اگر تقویٰ اختیار کرے۔ خدا تعالیٰ کا ہو جاوے تو دنیا میں اعلیٰ درجہ کی زندگی ہو۔ مگر شرط یہی ہے کہ صادق اور جواں مرد ہو کر دکھائے۔ دل متزلزل نہ ہو اور اس میں کوئی آمیزش ریاکاری و شرک کی نہ ہو۔

ابراہیم علیہ السلام میں وہ کیا بات تھی جس نے اس کو ابوالملت اور ابوالحنفاء قرار دیا۔ اور خداتعالیٰ نے اس کو اس قدر عظیم الشان برکتیں دیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں یہی صدق اور اخلاص تھا۔

دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے ایک دعا کی تھی کہ اس کی اولاد میں سے عرب میں ایک نبی ہو۔ پھر کیا وہ اسی وقت قبول ہو گئی؟ ابراہیم علیہ السلام کے بعد ایک عرصہ دراز تک کسی کو خیال بھی نہیں آیا کہ اس دعا کا کیا اثر ہوا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی صورت میں وہ دعا پوری ہوئی اور پھر کس شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

عبادات میں جسم اور رُوح کی شمولیّت ضروری ہے

ظاہری نماز اور روزہ اگر اس کے ساتھ اخلاص اور صدق نہ ہو کوئی خوبی اپنے اندر نہیں رکھتا۔ جوگی اور سنیاسی بھی اپنی جگہ بڑی بڑی ریاضتیں کرتے ہیں۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ان میں سے بعض اپنے ہاتھ تک سکھا دیتے ہیں اور بڑی بڑی مشقتیں اٹھاتے اور اپنے آپ کو مشکلات اور مصائب میں ڈالتے ہیں۔ لیکن یہ تکالیف ان کو کوئی نور نہیں بخشتیں اور نہ کوئی سکینت اور اطمینان ان کو ملتا ہے بلکہ اندرونی حالت ان کی خراب ہوتی ہے۔ وہ بدنی ریاضت کرتے ہیں۔ جس کو اندر سے کم تعلق ہوتا ہے۔ اور کوئی اثر ان کی روحانیت پر نہیں پڑتا۔ اس لئے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج : ۳۸) یعنی اللہ تعالیٰ کو تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے۔ حقیقت میں خداتعالیٰ پوست کو پسند نہیں کرتا بلکہ مغز چاہتا ہے۔ اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ پہنچتا ہے تو پھر قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اس طرح نماز روزہ اگر روح کا ہے تو پھر ظاہر کی کیا ضرورت کیا ہے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ یہ بالکل پکی بات ہے کہ جو لوگ جسم سے خدمت لینا چھوڑ دیتے ہیں ان کو روح نہیں ملتی اور اس میں وہ نیازمندی اور عبودیت پیدا نہیں ہو سکتی جو اصل مقصد ہے اور جو صرف جسم سے کام لیتے ہیں روح کو اس میں شریک نہیں کرتے وہ بھی خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں۔ اور یہ جوگی اسی قسم کے ہیں۔ روح اور جسم کا باہم خداتعالیٰ نے ایک تعلق رکھا ہوا ہے اور جسم کا اثر روح پر پڑتا ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص تکلف سے رونا چاہے تو آخر اس کو رونا آ ہی جائے گا۔ اور ایسا ہی جو تکلف سے ہنسنا چاہے اسے ہنسی آ ہی جاتی ہے۔ اسی طرح پر نماز کی جس قدر حالتیں جسم پر وارد ہوتی ہیں۔ مثلاً کھڑا ہونا یا رکوع کرنا۔ اس کے ساتھ ہی روح پر بھی اثر پڑتا ہے اور جس قدر

جسم میں نیاز مندی کی حالت دکھاتا ہے۔ اسی قدر روح میں پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ خدا نرے سجدہ کو قبول نہیں کرتا۔ مگر سجدہ کو روح کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ اس لئے نماز میں آخری مقام سجدہ کا ہے۔ جب انسان نیاز مندی کے انتہائی مقام پر پہنچتا ہے تو اس وقت وہ سجدہ ہی کرنا چاہتا ہے۔ جانوروں تک میں بھی یہ حالت مشاہدہ کی جاتی ہے۔ کتے بھی جب اپنے مالک سے محبت کرتے ہیں تو آکر اس کے پاؤں پر اپنا سر رکھ دیتے ہیں۔ اور اپنی محبت کے تعلق کا اظہار سجدہ کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ جسم کو روح کے ساتھ خاص تعلق ہے ایسا ہی روح کی حالتوں کا اثر جسم پر نمودار ہو جاتا ہے۔ جب روح غمناک ہو تو جسم پر بھی اس کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور آنسو اور پژمردگی ظاہر ہوتی ہے۔ اگر روح اور جسم کا باہم تعلق نہیں تو ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دوران خون بھی قلب کا ایک کام ہے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ قلب آبپاشی جسم کے لئے ایک انجن ہے۔ اس کے بسط اور قبض سے سب کچھ ہوتا ہے۔

غرض جسمانی اور روحانی سلسلے دونو برابر چلتے ہیں۔ روح میں جب عاجزی پیدا ہو جاتی ہے پھر جسم میں بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے جب روح میں واقع میں عاجزی اور نیاز مندی ہو تو جسم میں اس کے آثار خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اور ایسا ہی جسم پر ایک الگ اثر پڑتا ہے تو روح بھی اس سے متاثر ہو ہی جاتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے حضور نماز میں کھڑے ہو تو چاہیئے کہ اپنے وجود سے عاجزی اور ارادت مندی کا اظہار کرو۔ اگرچہ اس وقت یہ ایک قسم کا نفاق ہوتا ہے۔ مگر رفتہ رفتہ اس کا اثر دائمی ہو جاتا ہے اور واقعی روح میں وہ نیاز مندی اور فروتنی پیدا ہونے لگتی ہے۔

عبادات میں لذّت اور راحت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو نمازوں میں لذت نہیں آتی۔ مگر وہ نہیں جانتے کہ لذت اپنے اختیار میں نہیں ہے اور لذت کا معیار بھی الگ ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اشد درجہ کی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے مگر وہ اس تکلیف کو بھی لذت ہی سمجھ لیتا ہے۔ دیکھو ٹرانسوال (اس وقت ٹرانسوال کی جنگ جاری تھی (ایڈیٹر الحکم) میں جو لوگ لڑتے ہیں۔ باوجودیکہ اس میں جانیں جاتی ہیں۔ اور عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہوتے ہیں۔ مگر قومی حمیت اور پاسداری ان کو ایک لذت اور سرور کے ساتھ موت کے منہ میں لے جا رہی ہے۔[1]

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۸ ص ۱ تا ۳ مورخہ ۲۸ر فروری ۱۹۰۳ء

ان کو قومی حمیت اور پاسداری موت کے منہ میں خوشی کے ساتھ لے جاتی ہے۔ ادھر قوم ان کی محنتوں اور جانفشانیوں کی قدر کر رہی ہے۔ جبکہ اغراض قومی متحد ہیں۔ پھر ان کی محنتوں کی قدر کیوں ہوتی ہے؟ ان کے دکھ اور تکالیف کی وجہ سے۔ ان کی محنت اور جانفشانی کے باعث۔

غرض ساری لذت اور راحت دکھ کے بعد آتی ہے۔ اسی لئے قرآن شریف میں یہ قاعدہ بتایا ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح : ۷) اگر کسی راحت سے پہلے تکلیف نہیں تو وہ راحت راحت ہی نہیں رہتی۔ اسی طرح پر جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو عبادت میں لذت نہیں آتی۔ ان کو پہلے اپنی جگہ سوچ لینا ضروری ہے کہ وہ عبادت کے لئے کس قدر دکھ اور تکالیف اٹھاتے ہیں۔ جس قدر دکھ اور تکالیف انسان اٹھائے گا۔ وہی تبدیل صورت کے بعد لذت ہو جاتا ہے۔ میری مراد ان دکھوں سے نہیں کہ انسان اپنے آپ کو بے جا مشقتوں میں ڈالے اور مالایطاق تکالیف اٹھانے کا دعویٰ کرے۔

عبادات میں تکلیف برداشت کرنے کی حقیقت

قرآن شریف میں لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ : ۲۸۷) آیا ہے اور رہبانیت اسلام میں نہیں ہے۔ جس میں پڑ کر انسان اپنے ہاتھ سکھا لے یا اپنی دوسری قوتوں کو بیکار چھوڑ دے یا اور قسم قسم کی تکالیف شدیدہ میں اپنی جان کو ڈالے۔ عبادت کے لئے دکھ اٹھانے سے ہمیشہ یہ مراد ہوتی ہے کہ انسان ان کاموں سے رکے جو عبادت کی لذت کو دور کرنے والے ہیں۔ اور ان سے رکنے میں اولاً ایسی ضرور تکلیف محسوس ہوگی۔ اور خدا تعالیٰ کی نارضامندیوں سے پرہیز کرے۔ مثلاً ایک چور ہے اس کو ضروری ہے کہ وہ چوری چھوڑے بدکار ہے تو بدکاری اور بدنظری چھوڑے...... اسی طرح نشوں کا عادی ہے تو ان سے پرہیز کرے۔ اب جب وہ اپنی محبوب اشیاء کو ترک کرے گا۔ تو ضرور ہے کہ اول اول سخت تکلیف اٹھاوے مگر رفتہ رفتہ اگر استقلال سے وہ اس پر قائم رہے گا تو دیکھ لے گا کہ ان بدیوں کے چھوڑنے میں جو تکلیف اس کو محسوس ہوتی ہے۔ وہ تکلیف اب ایک لذت کا رنگ اختیار کرتی جاتی ہے۔ کیونکہ ان بدیوں کے بالمقابل نیکیاں آتی جائیں گی اور ان کے نیک نتائج جو سکھ دینے والے ہیں وہ بھی ساتھ ہی آئیں گے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ہر قول و فعل میں جب خدا تعالیٰ ہی کی رضا کو مقدم کرلے گا اور اس کی ہر حرکت اور سکون اللہ ہی کے امر کے نیچے ہوگی تو صاف اور بیّن طور پر وہ دیکھے گا کہ پورے اطمینان اور سکینت کا مزا لے رہا ہے۔ یہ وہ حالت ہوتی ہے۔ جب کہا جاتا ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ : ۶۳) اسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی ولایت میں آتا ہے اور

ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آجاتا ہے۔

یاد رکھو کہ جب انسان خداتعالیٰ کے لئے اپنی محبوب چیزوں کو جو خدا کی نظر میں مکروہ اور اس کے منشاء کے مخالف ہوتی ہیں چھوڑ کر اپنے آپ کو تکالیف میں ڈالتا ہے تو ایسی تکالیف اٹھانے والے جسم کا اثر روح پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی اس سے متاثر ہو کر ساتھ ہی ساتھ اپنی تبدیلی میں لگتی ہے یہاں تک کہ کامل نیازمندی کے ساتھ آستانہ الوہیت پر بے اختیار ہو کر گر پڑتی ہے یہ طریق ہے عبادت میں لذت حاصل کرنے کا۔

تم نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ ہیں جو اپنی عبادت میں لذت کا یہ طریق سمجھتے ہیں کہ کچھ گیت گا لئے یا باجے بجا لئے اور یہی اس کی عبادت ہوگی۔ اس سے دھوکا مت کھاؤ۔ یہ باتیں نفس کی لذت کا باعث ہوں تو ہوں مگر روح کے لئے ان میں لذت کی کوئی چیز نہیں ان سے روح میں فروتنی اور انکساری کے جوہر پیدا نہیں ہوتے اور عبارت کا اصل منشاء گم ہو جاتا ہے۔ طوائف کی محفلوں میں بھی ایک آدمی ایسا مزا حاصل کرتا ہے تو کیا وہ عبادت کی لذت سمجھی جاتی ہے؟ یہ باریک بات ہے جس کو دوسری قومیں سمجھ ہی نہیں سکتیں کیونکہ انہوں نے عبادت کی اصل غرض اور غایت کو سمجھا ہی نہیں۔

اسلام میں رہبانیت پسندیدہ نہیں

قرآن شریف سے پہلے دو قومیں تھیں۔ ایک براہمہ کہلاتی تھی جو رہبانیت کو پسند کرتی تھی اور اپنی زندگی کا اصل منشا یہی سمجھ بیٹھے ہوئے تھے۔ عیسائی قوم میں بھی ایسے لوگ تھے جو راہب ہونا پسند کرتے تھے اور ہوتے تھے رومن کتھولک۔ عیسائیوں میں اب تک ایسے لوگ موجود ہیں اور یہ طریق ان میں جاری ہے کہ وہ راہبانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ مگر اب ان کی رہبانیت اس حد تک ہی ہے کہ وہ شادی نہیں کرتے ورنہ ہر طرح عیش و عشرت اور آرام کے ساتھ کوٹھیوں میں رہتے اور مکلف لباس پہنتے اور عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور جس قسم کی زندگی وہ بسر کرتے ہیں۔ عام لوگ جانتے ہیں۔ مگر میری مراد رہبانیت سے اس وقت یہی ہے کہ وہ فرقہ جو اپنے آپ کو تعذیب بدن میں ڈالتا تھا اور دوسرا فرقہ ان کے مقابل وہ تھا جو اباحت کی زندگی بسر کرتا تھا۔ اسلام جب آیا تو اس نے ان دونو کو ترک کیا اور صراط مستقیم کو اختیار کیا۔ اس نے بتایا کہ انسان نہ رہبانیت اختیار کرے جس سے وہ نفس کش ہو جاوے اور خداتعالیٰ کی عطا کردہ قوتوں کو بالکل بیکار چھوڑ دے اور اس طرح پر ان اخلاق فاضلہ کے حصول سے محروم ہو جاوے۔ جو ان قوتوں کے اندر ودیعت کئے گئے ہیں کیونکہ یہ سچی بات ہے کہ جس قدر قوتیں انسان کو دی گئی ہیں یہ سب کی سب

دراصل اخلاقی قوتیں ہیں۔ غلط استعمال کی وجہ سے یہ اخلاق بداخلاقیوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے رہبانیت سے منع کیا اور فرمایا کہ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔

اباحت

اسلام چونکہ انسان کی کامل تربیت چاہتا ہے اور اس کی ساری قوتوں کا نشوونما اس کا مقصد ہے۔ اس لئے اس نے جائز نہیں رکھا کہ وہ طریق اختیار کیا جاوے جو انسان کی بے حرمتی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی توہین کرنے والا ٹھہر جاوے اور پھر اسلام کا منشاء یہ ہے کہ وہ انسان کو افراط و تفریط کی راہوں سے اس اعتدال کی راہ پر چلاوے جو صراط مستقیم ہے۔ اس لئے اس نے اباحت کے مسئلہ کی بھی تردید کی جو دوسرا فرقہ تھا جو قرآن شریف سے پہلے موجود تھا۔ وہ سب کچھ جائز سمجھتا تھا اور آزادی اور بے قیدی میں اپنی زندگی بسر کرتا تھا۔ ساری راحتوں اور لذتوں کی معراج سمجھتا تھا۔ مگر اسلام نے اس کو رد کیا اور انسان کو بے قید بنانا نہ چاہا کہ وہ نماز کی ضرورت سمجھے۔ نہ روزہ کی۔ غرض کسی پابندی کے نیچے ہی نہ رہے۔ اور ایک وحشی جانور کی طرح مارا مارا پھرے۔ اب تک بھی یہ لوگ موجود ہیں۔ وہ وجودی مذہب جو بدقسمتی سے پھیلا ہوا ہے دراصل ایک اباحتی فرقہ ہے اور نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا اور ممنوعات اور محرمات سے پرہیز نہیں کرتا۔ اسی لئے اسلام نے یہ بھی جائز نہ رکھا۔

عقیدہ کفّارہ کے نقصانات

رہبانیت اور اباحت انسان کو اس صدق اور وفا سے دور رکھتے تھے جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ان سے الگ رکھ کر اطاعت الٰہی کا حکم دے کر صدق اور وفا کی تعلیم دی جو ساری روحانی لذتوں کی جاذب ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو شخص کسی سہارے پر چلتا ہے۔ وہ ست الوجود اور کاہل ہوتا ہے جیسے بچے اپنے والدین کی سرپرستی کے نیچے اپنی فکر معاش یا ضرورت کے پیدا کرنے سے کاہل اور لاپروا ہوتے ہیں۔ یا عیسائی لوگ جس طرح پر اعمال میں مستعد نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ کفارہ کا مسئلہ جب ان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ مسیح نے ان کے سارے گناہ اٹھا لئے۔ پر سمجھ ہی نہیں آتا کہ وہ کونسی چیز ہو سکتی ہے جو ان کو اعمال کی طرف متوجہ کرے۔ اعمال کا مدعا تو نجات ہے اور یہ ان کو بلا مشقت محنت صرف خونی مسیح پر اتنا ایمان رکھنے سے (کہ وہ ہمارے لئے مر گیا۔ ہمارے گناہوں کے بدلہ لعنتی ہوا) مل جاتی ہے تو اب نجات کے سوا اور کیا چاہیے پھر ان کو اعمال حسنہ کی ضرورت کیا باقی رہی۔ اگر کفارہ پر ایمان لا کر بھی نجات

کا خطرہ اور اندیشہ باقی ہے تو یہ امر دیگر ہے کہ اعمال کئے جائیں لیکن اگر نجات خون مسیح کے ساتھ ہی وابستہ ہے۔ تو کوئی عقلمند نہیں مان سکتا کہ پھر ضرورت اعمال کی کیا باقی ہے۔

روافض بھی سہارے ہی پر چلتے ہیں اور اپنی جگہ عیسائیوں کی طرح امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اگر اعمال کی ضرورت ہے تو فقط اتنی کہ ان کے مصائب کو یاد کرکے آنکھوں سے آنسو گرا لئے یا کوئی سینہ کوبی کرلی۔ سارے اعمال حسنہ کی روح یہی اشک باری اور سینہ کوبی ہے۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ اس کو نجات سے کیا تعلق؟

اس لئے میں یہ تعلیم کبھی دینا نہیں چاہتا اور نہ اسلام نے دی کہ تم اپنے گناہوں کی گٹھڑی کسی دوسرے کی گردن پر لاد دو اور خود اباحت کی زندگی بسر کرو۔ قرآن شریف نے صاف فیصلہ کردیا ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام : ۱۶۵) ایک دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا اور نہ دنیا میں اس کی کوئی نظیر خدا تعالیٰ کے عام قانون قدرت میں ملتی ہے۔ کبھی نہیں دیکھا جاتا کہ زید مثلاً سنکھیا کھالیوے اور اس سنکھیا کا اثر بکر پر ہو جاوے اور وہ مرجاوے۔ یا ایک مریض ہو اور دوسرے آدمی کے دوا کھا لینے سے وہ اچھا ہو جاوے بلکہ ہر ایک بجائے خود متاثر ہوگا۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شخص ساری عمر گناہ کرتا رہے اور دلیری کے ساتھ خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا رہے اور لکھ دے کہ میرے گناہوں کا بوجھ دوسرے شخص کی گردن پر ہے جو شخص ایسی امید کرتا ہے وہ ؎

دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

کا مصداق ہے۔

پس اسلام کسی سہارے پر رکھنا نہیں چاہتا کیونکہ سہارے پر رکھنے سے ابطال اعمال لازم آجاتا ہے۔ لیکن جب انسان سہارے کے بغیر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اپنے آپ کو ذمہ وار ٹھہراتا ہے اس وقت اس کو اعمال کی ضرورت پڑتی ہے اور کچھ کرنا پڑتا ہے اس لئے قرآن شریف نے فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا (الشمس : ۱۰) فلاح وہی پاتا ہے۔ جو اپنا تزکیہ کرتا ہے خود اگر انسان ہاتھ پاؤں نہ ہلائے تو بات نہیں بنتی۔

شفاعت کا فلسفہ

مگر اس سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ شفاعت کوئی چیز نہیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ شفاعت حق ہے۔ اور اس پر یہ نص صریح ہے وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ : ۱۰۳) یہ شفاعت کا فلسفہ ہے یعنی جو گناہوں میں نفسانیت کا جوش ہے وہ ٹھنڈا پڑ

جاوے۔ شفاعت کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ گناہوں کی زندگی پر ایک موت وارد ہو جاتی ہے اور نفسانی جوشوں اور جذبات میں ایک برودت آجاتی ہے جس سے گناہوں کا صدور بند ہو کر ان کے بالمقابل نیکیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ پس شفاعت کے مسئلہ نے اعمال کو بیکار نہیں کیا بلکہ اعمال حسنہ کی تحریک کی ہے۔

شفاعت اور کفّارہ میں فرق

شفاعت کے مسئلہ کے فلسفہ کو نہ سمجھ کر احمقوں نے اعتراض کیا ہے اور شفاعت اور کفارہ کو ایک قرار دیا۔ حالانکہ یہ ایک نہیں ہو سکتے۔ کفارہ اعمال حسنہ سے مستغنی کرتا ہے اور شفاعت اعمال حسنہ کی تحریک۔ جو چیز اپنے اندر فلسفہ نہیں رکھتی ہے۔ وہ ہیچ ہے۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اسلامی اصول اور عقائد اور اس کی ہر تعلیم اپنے اندر ایک فلسفہ رکھتی ہے اور علمی پیرایہ اس کے ساتھ موجود ہے جو دوسرے مذاہب کے عقائد میں نہیں ملتا۔ شفاعت اعمال حسنہ کی محرک کس طرح پر ہے؟

اس سوال کا جواب بھی قرآن شریف ہی سے ملتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفارہ کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتی۔ کیونکہ اس پر حصر نہیں کیا جس سے کاہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے بلکہ فرمایا۔ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ (البقرہ : ۱۸۷) یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو کہدے کہ میں قریب ہوں۔ قریب والا تو سب کچھ کر سکتا ہے۔ دور والا کیا کرے گا؟ اگر آگ لگی ہوئی ہو تو دور والے کو جب تک خبر پہنچے اس وقت تک تو شاید وہ جل کر خاک سیاہ بھی ہو چکے۔ اس لئے فرمایا کہ کہدو میں قریب ہوں۔ پس یہ آیت بھی قبولیت دعا کا ایک راز بتاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت پر ایک ایمان کامل پیدا ہو اور اسے ہر وقت اپنے قریب یقین کیا جاوے۔ بہت سی دعاؤں کے ردّ ہونے کا یہ بھی سر ہے کہ دعا کرنے والا اپنی ضعیف الایمانی سے دعا کو مسترد کرالیتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کو قبول ہونے کے لائق بنایا جاوے کیونکہ اگر وہ دعا خدا تعالیٰ کی شرائط کے نیچے نہیں ہے تو پھر اس کو خواہ سارے نبی بھی مل کر کریں تو قبول نہ ہوگی اور فائدہ اور نتیجہ اس پر مرتب نہیں ہو سکے گا۔

اب یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا صَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (التوبہ : ۱۰۳) تیری صلوٰۃ سے ان کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور جوش اور جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِیْ

(البقرہ : ۱۸۷) کا بھی حکم فرمایا ان دونو آیتوں کے ملانے سے دعا کرنے اور کرانے والے کے تعلقات۔ پھر ان تعلقات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ صرف اسی بات پر منحصر نہیں کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور دعا ہی کافی ہے۔ اور خود کچھ نہ کیا جاوے اور نہ یہی فلاح کا باعث ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ کی شفاعت اور دعا کی ضرورت ہی نہ سمجھی جاوے۔ غرض نہ اسلام میں رہبانیت ہے نہ بیکار نشینی کا سبق۔ بلکہ ان افراط اور تفریط کی راہوں کو چھوڑ کر وہ صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔ نہ یہ چاہا کہ تعذیب جسم کے اصولوں کو اختیار کرو اور اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالو نہ یہ کہ سارا دن کھیل اور کود اور تماشوں اور شکار میں گذارو یا ناول خوانی میں بسر کرو اور رات کو سو کر یا عیاشی میں۔[1]

خدا تعالیٰ کا قرب پانے کی راہ

خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی راہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدق دکھایا جائے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرب حاصل کیا تو اس کی وجہ یہی تھی۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى (النجم : ۳۸)

ابراہیمؑ وہ ابراہیمؑ ہے جس نے وفاداری دکھائی۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری اور صدق اور اخلاص دکھانا ایک موت چاہتا ہے جب تک انسان دنیا اور اس کی ساری لذتوں اور شوکتوں پر پانی پھیر دینے کو تیار نہ ہو جاوے۔ اور ہر ذلت اور سختی اور تنگی خدا کے لئے گوارا کرنے کو تیار نہ ہو۔ یہ صفت پیدا نہیں ہو سکتی۔ بت پرستی یہی نہیں کہ انسان کسی درخت یا پتھر کی پرستش کرے بلکہ ہر ایک چیز جو اللہ تعالیٰ کے قرب سے روکتی اور اس پر مقدم ہوتی ہے۔ وہ بت ہے اور اس قدر بت انسان اپنے اندر رکھتا ہے کہ اس کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں بت پرستی کر رہا ہوں۔ پس جب تک خالص خدا تعالیٰ ہی کے لئے نہیں ہو جاتا اور اس کی راہ میں ہر مصیبت کی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ صدق اور اخلاص کا رنگ پیدا ہونا مشکل ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کو جو یہ خطاب ملا۔ یہ یونہی مل گیا تھا؟ نہیں۔ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى (النجم : ۳۸) کی آواز اس وقت آئی جبکہ وہ بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عمل کو چاہتا اور عمل ہی سے راضی ہوتا ہے۔ اور عمل دکھ سے آتا ہے۔ لیکن جب انسان خدا کے لئے دکھ اٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اس کو دکھ میں بھی نہیں ڈالتا۔ دیکھو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کے

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ تا ۱۳ مورخہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۳ء

لئے اپنے بیٹے کو قربان کر دینا چاہا اور پوری تیاری کر لی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے کو بچا لیا۔ وہ آگ میں ڈالے گئے لیکن آگ ان پر کوئی اثر نہ کر سکی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف اٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ تکالیف سے بچا لیتا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں جسم تو ہے روح نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ روح کا تعلق جسم سے ہے اور جسمانی امور کا اثر روح پر ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے یہ کبھی خیال نہ کرنا چاہیے کہ جسم سے روح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جس قدر اعمال انسان سے ہوتے ہیں۔ وہ اسی مرکب صورت سے ہوتے ہیں الگ جسم یا اکیلی روح کوئی نیک یا بد عمل نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ جزا سزا میں بھی دونو کے متعلقات کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بعض لوگ اسی راز کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اعتراض کر دیتے ہیں کہ مسلمانوں کا بہشت جسمانی ہے۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتے جب اعمال کے صدور میں جسم ساتھ تھا تو جزا کے وقت الگ کیوں کیا جاوے؟ غرض یہ ہے کہ اسلام نے ان دونو طریقوں کو جو افراط اور تفریط کے ہیں چھوڑ کر اعتدال کی راہ بتائی ہے۔ یہ دونو خطرناک باتیں ہیں ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مجرد تعذیبِ جسم سے کچھ نہیں بنتا اور محض آرام طلبی سے بھی کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔

ولایت کا مقام

ایک مرتبہ ایک شخص میرے پاس نور محمد نام ٹانڈہ سے آیا تھا۔ اس نے کہا کہ غلام محبوب سبحانی نے ولی ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔ اب ولایت کا معیار یہی رہ گیا ہے کہ غلام محبوب یا کسی نے سرٹیفکیٹ دے دیا۔ حالانکہ ولایت ملتی نہیں جب تک انسان خدا کے لئے موت اختیار کرنے کے لئے تیار نہ ہو جاوے۔ دنیا میں بہت سے لوگ اس قسم کے ہیں جن کو کچھ بھی معلوم نہیں کہ وہ دنیا میں کیوں آئے ہیں۔ حالانکہ یہی پہلا سوال ہے جس کو اسے حل کرنا چاہیے۔ خود شناسی کے بعد خدا شناسی پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنے فرائض کو سمجھتا ہے اور مقاصد زندگی پر غور کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ میری زندگی کی غرض خدا شناسی ہے اور اس پر ایمان لاتا اور اس کی عبادت کرتا ہے۔ تب وہ فرائض کو ادا کرتا اور نوافل کو شناخت کرتا ہے۔ وہ روحانیت جو ایمان کے بعد پیدا ہوتی ہے اب اسے تلاش کرو کہ کہاں ہے؟ نہ مولویوں میں ہے نہ راگ سننے والے صوفیوں میں۔ یہ گو سالہ صورت ہیں روحانیت سے بے خبر ہو کر ہزار سال تک بھی اگر مغز مارتے رہیں تو کچھ نہیں بنتا۔ یہ لحوم اور دماء ہیں تقویٰ نہیں۔ پھر لحوم اور دماء اللہ تعالیٰ کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔

روح و جسم کا تعلق ابدی ہے

دہریہ روح کا ہی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ اور پھر کہتے ہیں کہ حشر اجساد کوئی چیز نہیں۔ یہاں روح تعلیم پا کر آئندہ کیا کرے گی۔ یہ خیالی باتیں ہیں۔ ان میں معقولیت نہیں ہے۔ اگر روح کوئی چیز نہیں ہے تو پھر یہ کیا بات ہے کہ جسم پر جو فعل واقع ہوتے ہیں ان کا اثر اندرونی قوتوں پر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً اگر مقدم الراس پر چوٹ لگ جائے تو اس فساد کے ساتھ انسان مجنون ہو جاتا ہے یا حافظہ جاتا رہتا ہے۔ مجنونوں کی روح تو وہی ہے۔ نقص تو جسم میں ہے۔ جسم کا اگر اچھا انتظام نہ رہے تو روح بیکار ہو جاتی ہے وہ بدوں جسم کسی کام نہیں ہے اس لئے ہمیشہ جسم کی محتاج ہے جس کا انتظام عمدہ ہو روحانی حالت بھی اچھی ہوگی۔ چھوٹے بچہ میں کیوں اتنی سمجھ نہیں ہوتی کہ وہ عواقب الامور کو سمجھ سکے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں ابھی قویٰ کا نشوونما کامل نہیں ہوا ہوتا۔

اسی طرح پیٹ میں جو نطفہ جاتا ہے کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ روح اس کے ساتھ کہاں سے چلی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی دراصل ایک مخفی قوت چلی جاتی ہے جو انبساط اور نشاط کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح اناج میں بھی وہی کیفیت چلی آتی ہے۔ اسی کی طرف مولوی رومی نے اشارہ کرکے کہا ہے ؎

هفت صد هفتاد قالب دیده ام
همچو سبزه بارها روئیده ام

نافہم اور کوڑ مغز لوگوں نے اس شعر کو تناسخ پر حمل کر لیا ہے اور کہتے ہیں اس سے تناسخ ثابت ہوتا ہے مگر ان کو معلوم نہیں کہ یہ دراصل تغیرات نطفہ کی طرف ایماء ہے۔ یعنی جن تغیرات سے نطفہ تیار ہوتا ہے۔ ان کو اس شعر میں ظاہر کیا گیا ہے۔ شائد بہت تھوڑے آدمی ایسے ہوں گے جن کو یہ معلوم ہو کہ نطفہ بہت سے تغیرات سے بنتا ہے۔ جس اناج سے نطفہ بنتا ہے۔ نطفہ کی حالت میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہت سے تغیرات میں ڈالا ہے اور پھر اس کو محفوظ رکھا ہے کیونکہ وہ درحقیقت نطفہ ہے' اپنے وقت پر وہ پیسا بھی جاتا ہے اور اس سے روٹی بھی تیار کی جاتی ہے لیکن وہ محفوظ کا محفوظ چلا آتا ہے۔ آج کل نطفہ کے متعلق جو تحقیقات ہوئی ہے تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس میں کیڑے ہوتے ہیں یہ ایک الگ امر ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اصل میں وہ ایک قوت ہے جو برابر محفوظ چلی آتی ہے ممکن ہے کہ جو کچھ ڈاکٹروں نے سمجھا ہو وہ اسی قوت کو سمجھا ہو۔ ہر اناج کے ساتھ انسانیت کا خاصہ نہیں بلکہ وہ جوہر قابل الگ

ہی ہے اور اس کو وہی کھاتا ہے جس کے لئے وہ مقدر ہوتا ہے اور وہ اسی دن کے لئے مقدر ہوتا ہے۔ وہ نطفہ جس میں روحانیت کی جڑ ہے بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ مضغہ علقہ وغیرہ چھ حالتوں میں سے گذرتا ہے اور ان چھ تغیرات کے بعد ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ (المومنون : ۱۵) کا وقت آتا ہے اب اس آخری تبدیلی کو نشاء آخری کہا ہے یہ نہیں کہا ثُمَّ اَنْزَلْنَا فِیْہِ رُوْحًا اٰخَرَ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ باہر سے کوئی چیز نہیں آتی۔ اب اس کو خوب غور سے سوچو تو معلوم ہوگا کہ روح کا جسم کے ساتھ کیسا ابدی تعلق ہے۔ پھر یہ کیسی بے ہودگی ہے جو کہا جاوے کہ جسم کا روح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کس قدر زبردست ثبوت روح کی ہستی کا ہے۔ اس کو کوئی معمولی نگاہ سے دیکھے تو اور بات ہے لیکن معقولیت اور فلسفہ سے سوچے تو اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

اسی طرح ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا میں کبھی کوئی شخص کامیاب نہیں ہوا جو جسم اور روح دونو سے کام نہ لے۔ اگر روح کوئی چیز نہیں۔ تو ایک مردہ جسم سے کوئی کام کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا اس کے سارے قویٰ اور اعضاء موجود نہیں ہوتے۔ اب یہ بات کیسی صفائی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہے کہ روح اور جسم کا تعلق جبکہ ابدی ہے۔ پھر کیوں کسی ایک کو بیکار قرار دیا جاوے۔

دُعا کے قوانین

دعا کے لئے بھی یہی قانون ہے کہ جسم تکالیف اٹھاوے اور روح گداز ہو اور پھر صبر اور استقلال سے اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان لاکر حسن ظن سے کام لیا جاوے۔[1]

ہر ایک کام کے لئے زمانہ ہوتا ہے اور سعید اس کا انتظار کرتے ہیں۔ جو انتظار نہیں کرتا اور چشم زدن میں چاہتا ہے کہ اس کا نتیجہ نکل آوے وہ جلد باز ہوتا ہے۔ اور بامراد نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک یہ بھی ممکن ہے اور ہوتا ہے کہ دعا کے زمانہ میں ابتلا کے طور پر اور بھی ابتلا آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے آئے تو ان کو پہلے مصر میں فرعون نے یہ کام دیا ہوا تھا۔ کہ وہ آدھا دن اینٹیں پاتھا کریں اور آدھا دن اپنا کام کیا کریں۔ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو نجات دلانے کی کوشش کی۔ تو پھر شریروں کی شرارت سے بنی اسرائیل کا کام بڑھا دیا گیا اور انہیں حکم ملا کہ آدھا دن تو تم اینٹیں

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۰ صفحہ ۱-۲ مورخہ ۱۷؍ مارچ ۱۹۰۳ء

پاتھا کرو اور آدھا دن گھاس لایا کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا اور انہوں نے بنی اسرائیل کو سنایا تو وہ بڑے ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ موسیٰ۔ خدا تم کو وہ دکھ دے جو ہم کو ملا ہے اور بھی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو بددعائیں دیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے ان کو یہی کہا کہ تم صبر کرو۔ تورات میں یہ سارا قصہ لکھا ہے کہ جوں جوں موسیٰ علیہ السلام انہیں تسلی دیتے تھے وہ اور بھی برافروختہ ہوتے تھے۔ آخر یہ ہوا کہ مصر سے بھاگ نکلنے کی تجویز کی گئی اور مصروالوں کے کپڑے اور برتن وغیرہ جو لئے تھے وہ ساتھ ہی لے آئے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر نکل آئے تو فرعون نے اپنے لشکر کو لے کر ان کا تعاقب کیا۔ بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ فرعونیوں کا لشکر ان کے قریب ہے تو وہ بڑے ہی مضطرب ہوئے چنانچہ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ اس وقت وہ چلائے اور کہا اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ (الشعراء : ۶۲) اے موسیٰ۔ ہم تو پکڑے گئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے جو نبوت کی آنکھ سے انجام کو دیکھتے تھے۔ انہیں یہی جواب دیا كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ (الشعراء : ۶۳) ہرگز نہیں۔ میرا رب میرے ساتھ ہے۔

تورات میں لکھا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ کیا مصر میں ہمارے لئے قبریں نہ تھیں۔ اور یہ اضطراب اس وجہ سے پیدا ہوا کہ پیچھے فرعون کا لشکر اور آگے دریائے نیل تھا وہ دیکھتے تھے کہ نہ پیچھے جا کر بچ سکتے ہیں اور نہ آگے جا کر مگر اللہ تعالیٰ قادر مقتدر خدا ہے۔ دریائے نیل میں سے انہیں راستہ مل گیا اور سارے بنی اسرائیل آرام کے ساتھ پار ہو گئے۔ مگر فرعونیوں کا لشکر غرق ہو گیا۔ سید احمد خاں صاحب اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ یہ جوار بھاٹا تھا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ کچھ ہو اس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ یہ عظیم الشان معجزہ تھا جو ایسے وقت پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راہ پیدا کر دی۔ اور یہی متقی کے ساتھ ہوتا ہے کہ ہر ضیق سے اسے نجات اور راہ ملتی ہے۔ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا (الطلاق : ۳)

دعا اور ابتلاء

غرض ایسا ہوتا ہے کہ دعا اور اس کی قبولیت کے زمانہ کے درمیانی اوقات میں بسا اوقات ابتلاء پر ابتلاء آتے ہیں اور ایسے ایسے ابتلاء بھی آجاتے ہیں جو کمر توڑ دیتے ہیں مگر مستقل مزاج سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے رب کی عنایتوں کی خوشبو سونگھتا ہے اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس کے بعد نصرت آتی ہے۔ ان ابتلاؤں کے آنے میں ایک سر یہ بھی ہوتا ہے کہ دعا کے لئے جوش بڑھتا ہے۔ کیونکہ جس جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا جاوے گا اسی قدر روح میں گداز ش ہوتی جائے گی۔ اور یہ دعا کی قبولیت کے اسباب میں سے

ہیں۔ پس کبھی گھبرانا نہیں چاہیے۔ اور بے صبری اور بے قراری سے اپنے اللہ پر بد ظن نہیں ہونا چاہیے۔ یہ کبھی بھی خیال کرنا نہ چاہیے کہ میری دعا قبول نہ ہوگی یا نہیں ہوتی۔ ایسا وہم اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے انکار ہو جاتا ہے کہ وہ دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

قبولیتِ دُعا کے سلسلہ میں ایک نکتہ

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان ایک امر کے لئے دعا کرتا ہے۔ مگر وہ دعا اس کی اپنی ناواقفی اور نادانی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یعنی ایسا امر خدا تعالیٰ سے چاہتا ہے جو اس کے لئے کسی صورت سے مفید اور نافع نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو تو رد نہیں کرتا لیکن کسی اور صورت میں پورا کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک زمیندار جس کو ہل چلانے کے لئے بیل کی ضرورت ہے۔ وہ بادشاہ سے جاکر ایک اونٹ کا سوال کرے اور بادشاہ جانتا ہے کہ اس کو دراصل بیل دینا مفید ہوگا۔ اور وہ حکم دیدے کہ اس کو ایک بیل دے دو وہ زمیندار اپنی بیوقوفی سے کہہ دے کہ میری درخواست منظور نہیں ہوئی۔ تو اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ لیکن اگر وہ غور کرے تو اس کے لئے یہی بہتر تھا۔ اس طرح پر اگر ایک بچہ آگ کے سرخ انگارے دیکھ کر ماں سے مانگے تو کیا مہربان اور شفیق ماں یہ پسند کرے گی کہ اس کو آگ کے انگارے دیدے۔ غرض بعض اوقات دعا کی قبولیت کے متعلق ایسے امور بھی پیش آتے ہیں۔ جو لوگ بے صبری اور بد ظنی سے کام لیتے ہیں وہ اپنی دعا کو رد کرا لیتے ہیں۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس کی قبولیت کے زمانہ میں اور بھی درازی ہو جاتی ہے۔ بنی اسرائیل اسی وجہ سے چالیس برس تک ارض مقدس میں داخل ہونے سے محروم ہو گئے کہ ذرا ذرا سی بات پر شوخیوں سے کام لیتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح بنی اسرائیل سے غلامی کے دنوں میں وعدے کئے گئے تھے۔ اسی طرح پر اس امت کے لئے بھی ایک مماثلت ہے۔ ان پر بھی ایک غلامی کا زمانہ آنے والا تھا۔ اور اب وہی حالت غلامی کی ہے کیونکہ ہر پہلو اور ہر رنگ میں مسلمانوں کی حالت تنزل میں ہے! سی مماثلت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کی تبلیغ کا زمانہ چالیس سال تک رکھا ہے۔ جس طرح پر موسیٰ علیہ السلام نے وہ زمین نہ پائی تھی بلکہ یشوع بن نون لے گیا اسی طرح پر قبولیت کی ارض مقدس ان مولویوں کے نصیب معلوم نہیں ہوتی جو آئے دن مخالفت اور شرارت میں بڑھتے جاتے ہیں اور نہیں سوچتے کہ ان کو کیا کہا گیا تھا۔ کیا تعلیم ملی تھی اور اب انہوں نے اس پر کس حد تک عمل کیا ہے۔

قرآن شریف کے نصوص پر میرے دعویٰ کو پرکھیں

مجھے بڑی حیرت اور بڑا ہی تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ مسلمان کہلاتے ہیں۔ یہ قرآن شریف کو پڑھتے ہیں۔ یہ احادیث کے درس دیتے ہیں اور مسلمانوں کے لیڈر اور سرگروہ بنتے ہیں۔ دین کے اصول سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے مدعی ہیں مگر میرے معاملہ میں ان ساری باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور کچھ پروا نہیں کرتے کہ قرآن شریف کے نصوص کی بناء پر میرے دعوے کو سوچیں اور میری نسبت کوئی رائے دیتے ہوئے اس بات کا لحاظ رکھیں کہ ہم جو کہتے ہیں خدا تعالیٰ کے خوف سے کہتے ہیں۔ یا اپنے نفسانی اغراض اور جوشوں کو درمیان رکھ کر کہتے ہیں۔ اگر خدا ترسی اور تقویٰ سے کام لیتے تو لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (بنی اسرائیل : ۳۷) پر عمل کرتے اور جب تک میری کتابوں کو پورے طور پر نہ پڑھ لیتے اور میرے پاس رہ کر میرے طرز عمل کو نہ دیکھ لیتے کوئی رائے نہ دیتے۔ مگر انہوں نے قبل از مرگ واویلا شروع کر دیا اور خدا تعالیٰ کے کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں کی کچھ بھی پروا نہ کی۔ ان سب کو پس پشت ڈال دیا۔ کم از کم تقویٰ کا طریق تو یہ تھا کہ وہ میرے دعویٰ کو سن کر فکر کرتے اور جھٹ پٹ انکار نہ کر دیتے کیونکہ میں نے ان کو یہ کہا تھا کہ خدا نے مجھے مامور کیا ہے۔ خدا نے مجھے بھیجا ہے۔ وہ دیکھتے کہ کیا جس شخص نے اپنا آنا خدا کے حکم سے بتایا ہے۔ وہ خدا کی نصرتیں اور تائیدیں بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے یا نہیں۔ مگر انہوں نے نشان پر نشان دیکھے اور کہا کہ جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نصرت پر نصرت اور تائید پر تائید دیکھی لیکن کہہ دیا کہ سحر ہے۔ میں ان لوگوں سے کیا امید رکھوں جو خدا تعالیٰ کے کلام کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ خدا کے کلام کے ادب کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا نام سنتے ہی یہ ہتھیار ڈال دیتے مگر یہ اور بھی شرارت میں بڑھے۔ اب خود دیکھ لیں گے کہ انجام کس کے ہاتھ ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ میرے بلانے کے دراصل یہی لوگ محرک ہوئے ہیں اور میری بعثت کے اسباب میں سے یہ بڑا سبب ہیں۔

مسلمانوں کے مرتد ہونے کا باعث مولوی ہیں

کیونکہ جس قدر لوگ نصرانی اور بے دین ہوئے ہیں وہ دراصل مولویوں کا قصور ہے۔ جب کسی نے ان سے سوال کیا اور کوئی بات ان سے پوچھی تو انہوں نے جھٹ پٹ یہی فتویٰ دے دیا کہ یہ واجب القتل ہے' کافر ہو گیا۔ بے دین ہو گیا۔ اس کو مار ڈالو۔ اعتراض کرنے والوں نے جب یہ

حالت دیکھی تو انہوں نے یہی سمجھا کہ اسلام کے عقائد فی الحقیقت ایسے ہی کمزور اور بودے ہیں کہ وہ معقولیت کے آگے نہیں ٹھہر سکتے۔ پس انہوں نے یہی بہتر سمجھا کہ ایسے دین کو چھوڑ دیں۔ ہزاروں ہزار لوگ پائے جاتے ہیں جن کے مرتد ہونے کی وجہ یہی مولوی ہو گئے ہیں۔ یہ بات کہ وہ سوال کیوں کرتے ہیں بڑی سہل ہے۔ یہ لوگ تیرہ سو برس کے بعد چونکہ پیدا ہوئے ہیں۔ اس قدر بعد زمانہ کی وجہ سے گویا یہ تاریکی کا زمانہ کہنا چاہیے۔ اس لئے ان کو حق حاصل ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے پوچھیں لیکن سوال کرنے پر انہوں نے ان کو گمراہ کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان کو معذور اور واجب الرحم سمجھ کر نرمی سے پیش آتے۔ اور ان کو سمجھاتے مگر الٹا انہوں نے ان کو اسلام سے بیزار کر دیا۔ ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اسلام کی تعلیم کی خوبیاں ظاہر کروں اور پھر ان خوبیوں کا عملی ثبوت اور اس کی تاثیروں کو دکھاؤں۔

مسیح موعود کے دو کام

پس اس وقت ہمارے دو کام ہیں۔

اول یہ کہ ان نشانوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ دکھا رہا ہے یہ ثابت کیا جاوے کہ مجیب اور ناطق خدا ہمارا ہی ہے جو ہماری دعاؤں کو سنتا اور ان کے جواب دیتا ہے اور دوسرے مذاہب کے لوگ جو خدا پیش کرتے ہیں وہ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا (طٰہٰ : ۹۰) کا مصداق ہو رہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ ان کے کفر اور بے دینی کے ان کی دعائیں مَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (الرعد : ۱۵) کی مصداق ہو گئی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو سب کا ایک ہی ہے۔ مگر ان لوگوں نے اس کی صفات کو سمجھا ہی نہیں۔

پس یاد رکھو کہ ہمارا خدا ناطق ہے۔ وہ ہماری دعائیں سنتا ہے۔

ہماری جماعت کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہونا چاہیئے

ہماری جماعت کو خدا تعالیٰ سے سچا تعلق ہونا چاہیے۔ اور ان کو شکر کرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو یونہی نہیں چھوڑا۔ بلکہ ان کی ایمانی قوتوں کو یقین کے درجہ تک بڑھانے کے واسطے اپنی قدرت کے صدہا نشان دکھائے ہیں۔ کیا کوئی تم میں سے ایسا بھی ہے جو یہ کہہ سکے کہ میں نے کوئی نشان نہیں دیکھا۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ایک بھی ایسا نہیں جس کو ہماری صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا ہو اور اس نے خدا تعالیٰ کا تازہ بتازہ نشان اپنی آنکھ سے نہ دیکھا ہو۔

ہماری جماعت کے لئے اسی بات کی ضرورت ہے کہ ان کا ایمان بڑھے۔ خدا تعالیٰ پر سچا یقین

اور معرفت پیدا ہو۔ نیک اعمال میں سستی اور کسل نہ ہو۔ کیونکہ اگر سستی ہو۔ تو پھر وضو کرنا بھی ایک مصیبت معلوم ہوتا ہے چہ جائیکہ وہ تہجد پڑھے اگر اعمال صالحہ کی قوت پیدا نہ ہو اور مسابقت علی الخیرات کے لئے جوش نہ ہو۔ تو پھر ہمارے ساتھ تعلق پیدا کرنا بے فائدہ ہے۔

تعلیم کے موافق عمل کرنے کی نصیحت

ہماری جماعت میں وہی داخل ہوتا ہے جو ہماری تعلیم کو اپنا دستور العمل قرار دیتا ہے اور اپنی ہمت اور کوشش کے موافق اس پر عمل کرتا ہے۔ لیکن جو محض نام رکھا کر تعلیم کے موافق عمل نہیں کرتا۔ وہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کو ایک خاص جماعت بنانے کا ارادہ کیا ہے اور کوئی آدمی جو دراصل جماعت میں نہیں ہے۔ محض نام لکھانے سے جماعت میں نہیں رہ سکتا۔ اس پر کوئی نہ کوئی وقت ایسا آجائے گا کہ وہ الگ ہو جائے گا۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اپنے اعمال کو اس تعلیم کے ماتحت کرو جو دی جاتی ہے۔ اعمال پروں کی طرح ہیں۔ بغیر اعمال کے انسان روحانی مدارج کے لئے پرواز نہیں کر سکتا۔ اور ان اعلیٰ مقاصد کو حاصل نہیں کر سکتا جو ان کے نیچے اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ پرندوں میں فہم ہوتا ہے۔ اگر وہ اس فہم سے کام نہ لیں تو جو کام ان سے ہوتے ہیں نہ ہو سکیں۔ مثلاً شہد کی مکھی میں اگر فہم نہ ہو تو وہ شہد نہیں نکال سکتی اور اسی طرح نامہ بر کبوتر جو ہوتے ہیں۔ ان کو اپنے فہم سے کس قدر کام لینا پڑتا ہے۔ کس قدر دور دراز کی منزلیں وہ طے کرتے ہیں۔ اور خطوط کو پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح پر پرندوں سے عجیب عجیب کام لئے جاتے ہیں۔ پس پہلے ضروری ہے کہ آدمی اپنے فہم سے کام لے اور سوچ کہ جو کام میں کرنے لگا ہوں یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے نیچے اور اس کی رضا کے لئے ہے یا نہیں۔ جب یہ دیکھ لے اور فہم سے کام لے تو پھر ہاتھوں سے کام لینا ضروری ہوتا ہے سستی اور غفلت نہ کرے۔ ہاں یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ تعلیم صحیح ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تعلیم صحیح ہوتی ہے۔ لیکن انسان اپنی نادانی اور جہالت سے یا کسی دوسرے کی شرارت اور غلط بیانی کی وجہ سے دھوکا میں پڑ جاتا ہے۔ اس لئے خالی الذہن ہو کر تحقیق کرنی چاہیئے۔

قرآنی قسموں کا فلسفہ

مثلاً میں نے دیکھا ہے کہ آریہ اور عیسائی اعتراض کر دیتے ہیں کہ قرآن شریف میں قسمیں کیوں کھائی ہیں۔ اور پھر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھا کر اس کو عجیب عجیب اعتراضوں کے پیرایہ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر ذرا بھی نیک نیتی اور فہم سے کام لیا جاوے تو ایسا اعتراض بیہودہ اور

بیہودہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قسموں کے متعلق یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ قسم کھانے کا اصل مفہوم اور مقصد کیا ہوتا ہے۔ جب اس کی فلاسفی پر غور کیا جاوے تو پھر یہ خود بخود سوال حل ہو جاتا ہے اور زیادہ رنج اٹھانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ قسم کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ قسم بطور قائم مقام گواہ کے ہوتی ہے۔ اور یہ مسلم بات ہے کہ عدالت جب گواہ پر فیصلہ کرتی ہے تو کیا اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ پر فیصلہ کرتی ہے۔ یا قسم کھانے والے کی قسم کو ایک شاہد صادق تصور کرتی ہے۔ یہ روزمرہ کی بات ہے۔

جہالت یا تعصب سے اعتراض کرنا اور بات ہے لیکن حقیقت کو مدنظر رکھ کر کوئی بات کہنا اور۔

اب جب کہ یہ عام طریق ہے کہ قسم بطور گواہ کے ہوتی ہے۔ پھر یہ کیسی سیدھی بات ہے کہ اسی اصول پر قرآن شریف کی قسموں کو دیکھ لیا جاوے۔ کہ وہاں اس سے کیا مطلب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جہاں کوئی قسم کھائی ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ نظری امور کے اثبات کے لئے بدیہی کو گواہ ٹھہراتا ہے۔ جیسے فرمایا وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق : ۱۲ تا ۱۴) اب یہ بھی ایک قسم کا محل ہے۔ نادان قرآن شریف کے حقائق سے ناواقف اور نابلد۔ اپنی جہالت سے یہ اعتراض کر دیتا ہے کہ دیکھو زمین کی یا آسمان کی قسم کھائی۔ لیکن اس کو نہیں معلوم کہ اس قسم کے نیچے کیسے کیسے معارف موجود ہیں۔

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی الٰہی کے دلائل اور قرآن شریف کی حقانیت کی شہادت پیش کرنی چاہتا ہے اور اس کو اس طرز پر پیش کیا ہے۔[1]

اب اس قسم کی قسم پر اعتراض کرنا بجز ناپاک فطرت یا بلید الطبع انسان کے دوسرے کا کام نہیں۔ کیونکہ اس میں تو عظیم الشان صداقت موجود ہے۔ صحیفہ فطرت کی عام شہادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کلام الٰہی اور نزول وحی کی حقیقت بتانا چاہتا ہے۔ سماء کے معنی بادل کے بھی ہیں۔ جس سے مینہ برستا ہے۔ آسمان اور زمین میں ایسے تعلقات ہیں جیسے نر و مادہ میں ہوتے ہیں۔ زمین میں بھی کنوئیں ہوتے ہیں لیکن زمین پھر بھی آسمانی پانی کی محتاج رہتی ہے۔ جب تک آسمان سے بارش نہ ہو زمین مردہ سمجھی جاتی ہے اور اس کی زندگی اس پانی پر منحصر ہے جو آسمان سے آتا ہے۔ اسی

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر ۱۱ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۰۳ء

واسطے فرمایا ہے۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید : ۱۸)اور یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جب آسمان سے پانی برسنے میں دیر ہو اور امساک باراں ہو تو کنوؤں کا پانی بھی خشک ہونے لگتا ہے۔ اور ان ایام میں دیکھا گیا ہے۔ کہ پانی اتر جاتا ہے۔ لیکن جب برسات کے دن ہوں اور مینہ برسنے شروع ہوں تو کنوؤں کا پانی بھی جوش مار کر چڑھتا ہے کیونکہ اوپر کے پانی میں قوت جاذبہ ہوتی ہے اب براہموں سوچیں کہ اگر آسمانی پانی نازل ہونا چھوڑ دے تو سب کنوئیں خشک ہو جائیں اسی طرح پر ہم یہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نور قلب ہر انسان کو دیا ہے۔ اور اس کے دماغ میں عقل رکھی ہے۔ جس سے وہ برے بھلے میں تمیز کرنے کے قابل ہوتا ہے۔ لیکن اگر نبوت کا نور آسمان سے نازل نہ ہو اور یہ سلسلہ بند ہو جاوے تو دماغی عقلوں کا سلسلہ جاتا رہے اور نور قلب پر تاریکی پیدا ہو جاوے اور وہ بالکل کام دینے کے قابل نہ رہے۔ کیونکہ یہ سلسلہ اسی نور نبوت سے روشنی پاتا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر زمین کی روئیدگیاں نکلنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور ہر تخم پیدا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح پر نور نبوت کے نزول پر دماغی اور ذہنی عقلوں میں ایک صفائی اور نور فراست میں ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ علی قدر مراتب ہوتی ہے اور استعداد کے موافق ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے۔ خواہ وہ اس امر کو محسوس کرے یا نہ کرے لیکن یہ سب کچھ ہوتا اسی نور نبوت کے طفیل ہے۔

نزولِ وحی کی ضرورت کا ثبوت

غرض اس قسم میں نزول وحی کی ضرورت کو ایک عام مشاہدہ کی رو سے ثابت کیا ہے کہ جیسے آسمانی پانی کے نہ برسنے کی وجہ سے زمین مرجاتی اور کنوؤں کا پانی خشک ہونے لگتا ہے۔ یہی قانون نزول وحی کے متعلق ہے۔

رَجْعٌ پانی کو کہتے ہیں۔ حالانکہ پانی زمین پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن آسمان کو ذَاتِ الرَّجْعِ کہا ہے۔ اس میں یہ فلسفہ بتایا ہے کہ اصلی آسمانی پانی ہی ہے۔ چنانچہ کہا ہے ؎

باراں کہ در لطافت طبعش دریغ نیست
در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

جو کیفیت بارش کے وقت ہوتی ہے۔ وہی نزول وحی کے وقت ہوتی ہے دو قسم کی طبیعتیں موجود ہوتی ہیں۔ ایک تو مستعد ہوتی ہیں اور دوسری بلید مستعد طبیعت والے فوراً سمجھ لیتے ہیں۔ اور صادق کا ساتھ دے دیتے ہیں۔ لیکن بلید الطبع نہیں سمجھ سکتے اور وہ مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ دیکھو مکہ معظمہ میں جب وحی کا نزول ہوا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ کا کلام

اترنے لگا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل ایک ہی سرزمین کے دو شخص تھے۔ ابوبکرؓ نے تو کوئی نشان بھی نہ مانگا اور مجرد دعویٰ سنتے ہی آمنا کہہ کر ساتھ ہولیا۔ مگر ابوجہل نے نشان پر نشان دیکھے مگر تکذیب سے باز نہ آیا اور آخر خدا تعالیٰ کے قہر کے نیچے آکر ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا۔

غرض خدا تعالیٰ کی وحی ہر قسم کی طبیعتوں کو باہر نکال دیتی ہے۔ طیب اور خبیث میں امتیاز کرکے دکھا دیتی ہے۔ وہ بہار کا موسم ہوتا ہے۔ اس وقت ممکن نہیں کہ کوئی تخم شگفتگی کے لئے نہ نکلے۔ لیکن جو کچھ ہو گا وہی برآمد ہو گا۔ نیک اور سعید الفطرت اپنی جگہ پر نمودار ہوتے ہیں۔ اور خبیث الگ۔ اور اس سے پہلے وہ ملے جلے ہوئے ہوتے ہیں جیسے گندم اور بھگاٹ کے دانے ملے ہوئے تو رہتے ہیں لیکن جب زمین سے نکلتے ہیں تو دونو الگ نظر آتے ہیں۔ مالک گندم کی حفاظت کرتا اور بھگاٹ کو نکال کر باہر پھینک دیتا ہے۔ پس نزول وحی کے ثبوت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مشاہدہ پیش کیا ہے۔ جس کو نادان اپنی نادانی اور جہالت سے اعتراض کے رنگ میں پیش کرتا ہے حالانکہ اس میں ایک عظیم الشان فلسفہ رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ۔ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (الطارق : ۱۲ تا ۱۳) کہہ کر فرمایا اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (الطارق : ۱۲ تا ۱۴) جو کلام الٰہی کے لئے بولا گیا ہے۔ یہ ایک نظری امر تھا۔ اس کے ثبوت کے لئے بدیہی امر کو پیش کیا ہے۔ جیسے امساک باراں کے وقت ضرورت ہوتی ہے مینہ کی۔ اسی طرح پر اس وقت لوگ روحانی پانی کو چاہتے ہیں۔ زمین بالکل مرچکی ہے۔ یہ زمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم : ۴۲) کا مصداق ہو گیا ہے جنگل اور سمندر بگڑ چکے ہیں۔ جنگل سے مراد مشرک لوگ اور بحر سے مراد اہل کتاب ہیں۔ جاہل و عالم بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ غرض انسانوں کے ہر طبقہ میں فساد واقع ہو گیا ہے جس پہلو اور جس رنگ میں دیکھو۔ دنیا کی حالت بدل گئی ہے۔ روحانیت باقی نہیں رہی اور نہ اس کی تاثیریں نظر آتی ہیں۔ اخلاقی اور عملی کمزوریوں میں ہر چھوٹا بڑا جتلا ہے۔ خدا پرستی اور خدا شناسی کا نام و نشان مٹا ہوا نظر آتا ہے۔ اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ آسمانی پانی اور نور نبوت کا نزول ہو اور مستعد دلوں کو روشنی بخشے۔ خدا تعالیٰ کا شکر کرو۔ اس نے اپنے فضل سے اس وقت اس نور کو نازل کیا ہے مگر تھوڑے ہیں جو اس نور سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نصوص قرآنیہ اور حدیثیہ کی بناء پر دلائل عقلیہ اور نشانات بینہ سے اس سلسلہ کی صداقت کو ظاہر کر رہا ہے۔ تعلیم کو اگر انسان دیکھے۔ تو صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ سچی تعلیم یہی تعلیم ہے جس کو عقلمند قبول کریں گے۔ اسلامی تعلیم ہی ایک ایسی تعلیم ہے کہ جس کو عدل کہتے ہیں۔ اس تعلیم میں ایک کشش موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ (اسلام اور عیسائی تعلیمات کی رُو سے)

سورہ فاتحہ میں جس خدا کو پیش کیا ہے دنیا کا کوئی مذہب اسے پیش نہیں کرتا۔ عیسائیوں نے جو خدا دکھایا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم کہتے ہیں لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (الاخلاص : ۴) ہے۔ ہاں اگر مریم کے پیٹ میں واقعی خدا آگیا تھا تو چاہیے تھا کہ وہ پیٹ ہی میں مریم کو وعظ کرتے اور ایک لمبا لیکچر دیتے جس کو دوسرے لوگ بھی سن لیتے تو اس خارق عادت لیکچر کو سن کر سارے شبہات دور ہو جاتے اور خواہ نخواہ ماننا پڑتا بلکہ اور بھی خدائی کا ثبوت ملتا۔ اگر پیٹ ہی میں معجزے دکھانے شروع کر دیتے تو اور بھی معاملہ صاف ہو جاتا اور خواہ نخواہ ماننا پڑتا۔ مگر بجائے اس کے کہ اس کی الوہیت کی کوئی عظمت ثابت ہوتی۔ ہر پہلو سے اس کا نقص اور کمزوری ہی ثابت ہوتی ہے۔

مریم کے نکاح سے تین قسمیں توڑی گئیں

مریم کا نکاح حمل میں کیا گیا جو شرعاً جائز نہ تھا۔ اور ایک نکاح سے تین قسمیں توڑی گئیں۔ یعنی ماں نے عہد کیا تھا کہ نکاح نہ کروں گی اور خود مریم نے بھی عہد کیا ہوا تھا۔ اور ان ساری باتوں کے علاوہ ایک اور اعتراض ہے جس کا جواب عیسائی نہیں دے سکتے۔ عیسائی مذہب میں دوسری شادی منع ہے۔ لیکن یوسف کی پہلی بیوی تھی۔ اور بھی اس قسم کے اعتراض ہیں۔ یہودیوں کی کتابوں کو پڑھو وہ کیا حقیقت بیان کرتے ہیں اور ہم کو تو ایسے اعتراض کرتے ہوئے بھی افسوس اور حیا مانع ہوتے ہیں۔ پادری عماد الدین نے اپنی کتابوں میں راحاب، تمر اور بنت سبع کی بابت لکھا ہے کہ وہ اچھے چال چلن کی عورتیں نہ تھیں۔ وہ لکھتا ہے کہ خداوند نے یہ کیا کیا کہ ایسے خاندان میں جنم لیا۔ پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ ایسے لوگوں میں بھی جنم لینے سے دریغ نہیں کیا۔ مگر ایک دانشمند غور کرے کہ یہ کیسی وسعت اخلاق ہے۔

اسلام کا پیش کردہ خدا

لیکن ہمارا خدا لَمْ يَلِدْ (الاخلاص : ۴) ہے اور کس قدر خوشی کا اور شکر کا مقام ہے کہ جس خدا کو ہم نے مانا اور اسلام نے پیش کیا ہے وہ ہر طرح کامل اور قدوس ہے اور کوئی نقص اس میں نہیں۔ دو خوبیاں کامل طور پر اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ اور ساری صفات ان کو بیان کرتی ہیں۔ چنانچہ اول یہ کہ اس میں ذاتی حسن ہے۔ اور اس کے متعلق لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ : ۱۲) فرمایا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (الاخلاص : ۲) فرمایا۔ اور کہا کہ وہ

الصَّمَدُ ہے' بے نیاز ہے' نہ وہ کسی کا بیٹا ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ نہ اس کا کوئی ہمتا اور ہمسر ہے۔

قرآن شریف کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جا بجا اس کا حسن دکھایا گیا ہے پھر دوسری کشش احسان کی ہے۔ عیسائیوں نے خدا کے احسان کا کیا نمونہ دکھایا یہی کہ اپنے بچہ کو پھانسی دے دیا۔ مولوی صاحب ذکر کیا کرتے ہیں۔ کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو کہہ رہا تھا کہ خدا نے اس جہان کو کیسے پیار کیا کہ اپنا بیٹا پھانسی دے دیا۔ لڑکا یہ سن کر ڈر گیا۔ اور بھاگ گیا۔ اور جب اس سے ڈرنے کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے یہی کہا کہ جب خدا نے یہ حرکت کی تو تجھ سے کیا امید ہو سکتی ہے۔ انسان خدا سے محبت کرتا ہے تو پھر اس کو سب سے مقدم کر لیتا ہے۔ ہزاروں بھیڑ بکریاں موجود ہیں۔ اگر محبت کا یہی نشان ہے اور مارنے والے عزیز ہوتے ہیں تو کیا یہ چیزیں خدا کو انسان سے عزیز ترین ہوتی ہیں؟ مگر ایسا نہیں۔ لاکھوں چیزیں انسان کے لئے وہ ہلاک کرتا ہے۔ پانی میں کیڑے رکھے ہوتے ہیں۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کیونکہ بسیط چیزیں ہلاک کر دیتی ہیں۔

غرض یہ اصل صحیح نہیں ہے جو سمجھ لیا جاتا ہے۔ کہ وہ جس سے پیار کرتا ہے اس کو ہلاک کرتا ہے۔ سچا خدا جس سے پیار کرتا ہے۔ اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ وہ خدا فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ : ۲۲)عیسائی اپنے خدا کی نسبت ایسا نمونہ پیش نہیں کرتے اور حقیقت میں نہیں ہے۔ کیونکہ مسیح کا اپنا نمونہ یہ ہے کہ دشمنوں کے ہاتھوں میں سخت ذلیل ہوئے اور اس وقت وہ اگر خدا تھے یا خدا کے بیٹے تھے تو دشمنوں کو خطرناک ذلت پہنچنی چاہیئے تھی مگر بظاہر دشمن کامیاب ہو گئے اور انہوں نے پکڑ کر صلیب پر چڑھا ہی دیا۔ لیکن ہمارا خدا ایسا نہیں ہے اس نے اپنے رسولوں کی ہر میدان میں نصرت کی اور کامیاب کیا۔ اب دوسرے مذہب اس کا نمونہ کہاں سے لائیں۔ یہ یاد رکھو کہ ہمارا خدا کسی کو پھانسی دینا نہیں چاہتا جس قدر کام کریں گے اس میں عزت پائیں گے۔ اس نے ہمارے قویٰ کو بیکار نہیں رکھا۔ بقول سعدیؒ ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

خدا نے چاہا ہے کہ تم زنانہ سیرت نہ بنو بلکہ مرد بنو۔ اب کیسی بات ہے کیسے احسان کئے ہیں کہ ہم پر حقائق و معارف کے خزانے کھولے ہیں۔ کسی کے سامنے اس نے ہم کو شرمندہ نہیں کیا۔ عیسائی کیسے شرمندہ ہوتے ہیں۔ آریوں کو کیسے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ کیا کوئی عیسائی فخر کے

ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ہمارے خداوند کی تین دادیاں نانیاں بدکار تھیں۔

الغرض انسان یا حسن کا گرویدہ ہوتا ہے یا احسان کا۔ کامل طور پر یہ اسلام نے اللہ تعالیٰ کی نسبت بیان کئے ہیں۔ سورۃ فاتحہ میں پہلے حسن و احسان ہی کو دکھایا ہے۔ اگر ان سے انسان اس کی طرف رجوع نہیں کرتا تو پھر تیسری صورت غضب کی بھی ہے۔ اس لئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ (الفاتحہ : ۷) کہہ کر ڈرایا ہے لیکن مبارک وہی شخص ہے جو اس کے حسن و احسان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کے احکام کی پیروی کرتا ہے۔ اس سے خدا قریب ہو جاتا ہے اور دعاؤں کو سنتا ہے۔

عقل رُوح کی صفائی سے پَیدا ہوتی ہے

یاد رکھو کہ عقل روح کی صفائی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس قدر انسان روح کی صفائی کرتا ہے اسی قدر عقل میں تیزی پیدا ہوتی ہے اور فرشتہ سامنے کھڑا ہو کر اس کی مدد کرتا ہے۔ مگر فاسقانہ زندگی والے کے دماغ میں روشنی نہیں آسکتی۔

تقویٰ اختیار کرو

تقویٰ اختیار کرو کہ خدا تمہارے ساتھ ہو۔ صادق کے ساتھ رہو کہ تقویٰ کی حقیقت تم پر کھلے اور تمہیں توفیق ملے۔ یہی ہمارا منشاء ہے اور اسی کو ہم دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہیں[1]

۱۶ر جنوری ۱۹۰۳ء

رات آپ نے لاہور قیام فرمایا۔ جہلم جانے کے لئے صبح کو حضور علیہ السلام پاپیادہ سٹیشن کو روانہ ہوئے۔ راستہ میں مولوی محمد احسن صاحب کے استفسار پر فرمایا کہ رات کو کثرت سے بار بار یہ الہام ہوا۔

اُرِيْكَ بَرَكَاتٍ مِّنْ كُلِّ طَرْفٍ

یعنی میں ہر ایک جانب سے تجھے اپنی برکتیں دکھاؤں گا[2]

---

[1] الحکم جلد ۷ نمبر۱۲ صفحہ ۱ تا ۳ مورخہ ۳۱ر مارچ ۱۹۰۳ء [2] البدر جلد ۲ نمبر ۱ و ۲ مورخہ ۲۳ و ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء

کلیدِ مضامین

ملفوظات

جلد ۲

قیام کی غرض

سلسلہ کی حقانیت

روز افزوں ترقیات

جماعت کے لئے خصوصی نصائح

اشاعت و تصنیف

دعوت الی اللہ

مخالفت

☆ ☆ ☆

احیاء

اخلاص

ادب

ازان

ارتداد

صفاتِ باری تعالیٰ

تعلق باللہ

دیگر مذاہب میں اللہ کا تصور

☆ ☆ ☆

الہام نیز دیکھئے عنوان "وحی"

امانت

اس جلد میں مذکور احادیث

احادیث بالمعنی

خ

خاتم الخلفاء

خاتم النبیین

خارجی

خانہ کعبہ

خارق عادت

خسوف و کسوف

خشیت

خفا

خلافت

ر ـ ز

رافضی نیز دیکھئے عنوان شیعہ

رزق

رشوت

رفع

رمضان المبارک

روح

روزہ

رومن کیتھولک نیز دیکھئے عنوان

رؤیا نیز دیکھئے عنوانات خواب، تعبیر رؤیا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رؤیا (تفصیل دیکھئے زیر عنوان "غلام احمد قادیانی علیہ السلام")

س - ش

اصول

امراض

علاج

آزمودہ علاج

خواص مفردات

حفظان صحت

طلاق

طوفان نوح

ع ـ غ

عبادت

عبرانی

عبودیت

عورت

عید

عیسائیت

موجودہ عیسائیت

عقاید اور تعلیمات

عروج و زوال

علامات

معاشرت

معجزہ

معراج

معرفت

معیشت

ملائکہ

مماثلت

من وسلویٰ

منتر جنتر

مغضوب علیہم

تفسیر

آیاتِ قرآنیہ

ترتیب بلحاظ سورۃ

آیاتِ قرآنیہ

سورة الانعام

☆ ☆ ☆

اسماء

ج ـ چ ـ ح ـ خ

آپ کے متعلق موجودہ مسلمانوں کے عقائد

غ

غلام احمد قادیانی مرزا۔ مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام

پیدائش / خاندانی حالات

سیرت و سوانح

مقصد بعثت

دعاوی

دلائل صداقت

نشانات

مسلک

مخالفت

مخالفین کو چیلنج

الہامات حضرت مسیح موعودؑ

عربی الہامات

ب

ت

ث

ج

ر

س

ع

غ

ف

ق

ل

م

و

ھ

ی

ف-ق

ک-گ

ن

مقامات

کتابیات

کتب جو اس جلد میں مذکور ہیں

اخبارات و رسائل

☆ ☆ ☆